سلسلہ تاریخ اسلام

سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما

شخصیت اور کارنامے





تالیف: ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی

مترجم: پروفیسر جار اللہ ضیاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

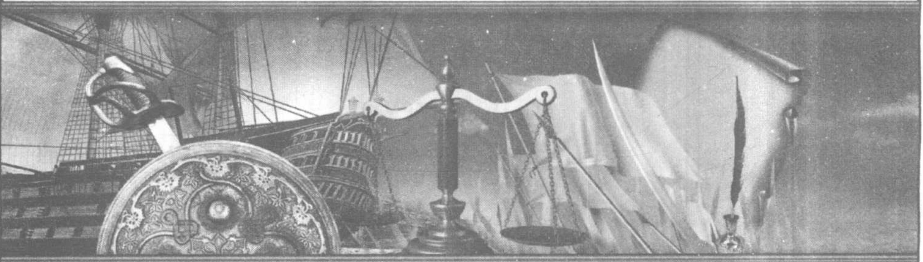
سلسلة السیرة ۷

سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما

شخصیت اور کارنامے

تالیف: ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی

مترجم: پروفیسر جار اللہ ضیاء





مکتبہ الفرقان | خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، پاکستان

ادارہ تمام کتب معاشرتی اصلاح و تربیت اور نیک نیتی سے شائع کرتا ہے، البتہ مصنف و مترجم کی آراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں، تاہم فنی و طباعتی خرابی کی صورت میں کتاب کسی بھی وقت تبدیل کی جا سکتی ہے۔ (ادارہ)

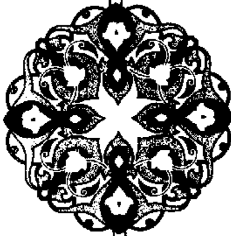
نام کتاب

سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما

شخصیت اور کارنامے

تالیف: ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی

مترجم: پروفیسر جار اللہ ضیاء



سعودی عرب

دار الوحيين للنشر والتوزيع

س ت: ۱۰۱۰۲۰۴۸۷۶

فرع: مركز الجامع التجاري شارع باخشب جده

معرض: ۰۲۶۳۳۶۶۴۰ فاکس: ۰۲۶۸۷۴۵۵۷

المكتب الرئيسي الرياض، حي الفيصلة

هاتف: ۰۱۲۴۲۳۱۲۶

مكتبه دار الفرقان، الرياض

هاتف: ۰۱-۴۳۵۸۶۴۶، ۰۵۶۳۰۶۴۷۳۶، ۰۵۰۷۴۱۹۹۲۱

مكتبه بيت السلام، الرياض

هاتف: ۰۱-۴۴۶۰۱۲۹، ۰۵۰۵۴۴۰۱۴۷، ۰۵۰۲۰۳۳۲۶۰۰



مکتبۃ الفرقان | خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، پاکستان

...furqan.com ... 92-321-4210145

فہرست

تیسری فصل :...... معاویہ رضی اللہ عنہ کی داخلی سیاست

چوتھی فصل:......عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں فتوحات اسلامیہ



عرضِ ناشر

اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا ماخذ قرآن حکیم ہے جس نے اپنے خاص مشن کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تیار کی، پھر اس جماعت کی صفات ذہنی رجحانات اور قلبی کوائف کو بیان کیا اور ان کی خصوصیات کو اُمت مسلمہ کے سامنے بطورِ اتباع اور حجت پیش کیا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ذہنی رجحانات، قلبی کوائف اور فکری ارتقاء کا تذکرہ کئی سو آیات میں بیان کیا جن سے اُن کی سیرت کے متعلق بہت سی چیزوں کا پتہ چلتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ انسانی کمالات کی دو قسمیں ہیں: ان میں سے ایک وہ کمالات ہیں جو نیچے سے اوپر آئیں، ان کمالات کو ارتقاء کہتے ہیں اور دوسرے کمالات وہ ہوتے ہیں جو اوپر سے نیچے آئیں، ان کو عطا کہتے ہیں۔ اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ کچھ کمالات کسبی ہیں جو محنت یا جدو جہد سے حاصل کیے جاتے ہیں، اور کچھ کمالات وہ ہوتے ہیں جو وہبی ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا سے ملتے ہیں، اس میں اپنی محنت کا کوئی دخل نہیں ہوتا جیسے نبوت اور رسالت۔ نبی اور رسول محنت سے نہیں بنتے بلکہ نبوت اور رسالت موہبت الٰہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے نبوت اور رسالت عطا فرماتا ہے۔ اس طرح صحابیت بھی ارتقاء نہیں بلکہ عطا ہے، کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔ کوئی شخص محنت سے اس مقام کو حاصل نہیں کر سکتا، نہ تو علم پر صحابیت ملتی ہے اور نہ عمل پر بلکہ یہ ایک عطاء الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات پہلے طے شدہ تھی کہ فلاں فلاں صحابی ہوگا کیونکہ: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى﴾ (الحجرات: ۳) اسی وجہ سے صحابہ کرام سے محبت رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ نے ایک نمونہ کے طور پر پیش کیا: ﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (البقرہ: ۱۳۷) اس لیے ان سے محبت بھی ان کے علم اور عمل کی وجہ سے نہیں کی جا سکتی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے کی جا سکتی ہے۔ حسن بصری سے کسی شخص نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام اُمت سے افضل ہیں؟ کیا انہوں نے ہم سے زیادہ نمازیں پڑھیں؟ کیا انہوں نے ہم سے زیادہ روزے رکھے تھے؟ کیا انہوں نے ہم سے زیادہ حج کیے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہو سکتا ہے کہ تم لوگوں نے ان سے زیادہ نمازیں پڑھی ہوں۔ تم نے ان سے زیادہ روزے رکھے ہوں اور تم نے ان سے زیادہ حج کیے ہوں لیکن ان کی آنکھوں کے ذریعے نگاہ نبوت کی جو تجلی ان کے قلوب میں گئی وہ دنیا کے کسی شخص کو میسر نہیں ہو سکتی۔

مختصر یہ کہ قرآن نے انہیں رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کے لقب سے نوازا ہے۔ صحابہ کرام کی عظمت

کو بیان کرنے کے لیے قرآن حکیم اور کتب حدیث بھری پڑی ہیں ہم جس صحابی جلیل کا ذکر کرنا چاہتے ہیں ان کا نام سیّدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما ہے۔ آپ کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا، پہلے اسے دیکھتے ہیں۔ خاندانِ قریش کی چھوٹی بڑی دس شاخیں تھیں لیکن بنو ہاشم اور بنو اُمیہ ان سب میں سے دنیوی عظمت و وجاہت کے لحاظ سے بہت ممتاز تھے۔ ہاشم بہت سخی اور بامروت انسان تھے، پورے عرب میں ان کی سخاوت زبانِ زدِ عام تھی۔ قریش کے دوسرے ممتاز بزرگ امیہ بن شمس تھے جن کا خاندان، بنو اُمیہ کہلایا۔ ان کے سپرد قریش کہ سپہ سالاری کا عہدہ تھا۔ اگرچہ ابتدا میں قریش کہ سپہ سالاری بنو مخزوم کے پاس تھی، لیکن عبد شمس کے زمانے میں یہ عہدہ اور منصب بنو اُمیہ کو منتقل ہو گیا۔ چنانچہ عکاظ، فجار اوّل، فجار دوم وغیرہ سب لڑائیوں میں جو زمانہ جاہلیت میں قریش اور دوسرے خاندانوں کے مابین ہوئیں، سپہ سالاری کے فرائض عبد شمس کے پوتے ابوسفیان کے والد حرب بن اُمیہ نے سرانجام دیے۔ حرب بن اُمیہ کی موت کے بعد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس منصب پر فائز ہوئے اور اپنے مسلمان ہونے تک قریش کی سپہ سالاری انہی کے ہاتھوں میں رہی۔ جنگ بدر میں جو کہ اہل اسلام اور اہل کفر کے درمیان سب سے پہلا معرکہ تھا، ابوسفیان قریش کے قافلے کے ساتھ شام گئے ہوئے تھے، اس وجہ سے ان کے سسر عقبہ بن ربیعہ نے سپہ سالاری کے فرائض انجام دیے، اس کے بعد ان کے اسلام لانے تک جتنے بھی معرکے کفر و اسلام کے درمیان ہوئے ان سب میں قریش کی فوجی قیادت ابوسفیان کے ہاتھ میں رہی۔ بنو اُمیہ نہ صرف قریش کے قائد اور سپہ سالار تھے بلکہ قریش کے دوسرے خاندانوں کی طرح صاحب مال اور تجارت پیشہ بھی تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے خاندان تجارت میں بھی سارے قریش کا لیڈر اور قائد تھا۔ بنو اُمیہ چونکہ قریش کی قیادت عظمیٰ کے عہدے پر فائز تھے لہٰذا انہوں نے اس عہدے کے عظیم فرائض کا احساس کرتے ہوئے اہل اسلام کا آخری دم تک مقابلہ کیا اور ان کا یہ مقابلہ اہل اسلام سے کسی خاندانی چشمک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ مسلمانوں کے علاوہ کسی اور جماعت سے اگر ان کا مقابلہ ہوتا تو اس کے ساتھ بھی بنو اُمیہ یہی سرگرمی دکھاتے، اس دشمنی کو خاندانی چشمک کا نتیجہ بتانا تاریخ سے جہالت اور بنو اُمیہ کے اصلی حالات سے ناآشنائی کی دلیل ہے۔

تاہم تاریخ اسلام کے اوراق میں آپ کو بنو اُمیہ کے ایسے افراد بکثرت ملیں گے جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، یہاں تک کہ حبشہ کی ہجرت اولیٰ میں زیادہ بنو اُمیہ ہی کے لوگ تھے۔ بنو ہاشم میں صرف سیّدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ تھے، باقی سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تو سخاوت کی حد کر دی، اسلام کے لیے اتنا زیادہ مال نچھاور کر دیا۔ وہ بھی تو بنی اُمیہ میں سے تھے۔ اس طرح سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد اور والدہ دونوں جب اسلام لائے تو خوب اسلام کی خدمت کی۔ ابوسفیان کی تو اپنی آنکھیں اسلام کے لیے معرکہ حنین اور یرموک میں دیں اس طرح آپ کے دور میں مسلمانوں کی ریاست کی لمبائی، چوڑائی میں بہت اضافہ ہوا۔ کئی ہزار کلومیٹر تک جا پہنچی۔ آپ کی

ازواجِ مطہرات میں کوئی بھی بنو ہاشم کی خاتون شامل نہیں۔اس کا ایک موقع پیدا ہوا، جب آپ نے اپنے چچا ابوطالب سے ان کی بیٹی ہند جو اپنی کنیت سے اُم ہانی کی نسبت زیادہ مشہور ہیں کا رشتہ طلب کیا، مگر آپ کی بجائے اس کا نکاح ہبیرہ بن ابو وہب سے ہوا۔آپ کی تینوں بڑی صاحبزادیوں کے نکاح اُموی افراد سے ہوئے، انھی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادیوں کے رشتے بھی بنو اُمیہ میں کیے۔ حضرت مروان کے دو بیٹوں معاویہ اور عبدالملک سے کیے۔ پھر سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی سیّدہ فاطمہ کا نکاح حضرت عثمان بن عفان کے پوتے عبداللہ بن عمرو سے ہوا۔سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ہی ایک اور بیٹی سیّدہ سکینہ کا نکاح دو مرتبہ بیوہ ہونے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دوسرے بیٹے زید بن عمرو سے ہوا۔اس طرح حسن بن علی کی بھی ایک پوتی کا نکاح پہلے حضرت حسن بن علی سے ہوا۔ان کی وفات کے بعد اسی خاتون کی شادی حسین بن علی سے ہوئی۔حضرت عثمان کی پڑپوتی کا نکاح حضرت حسین بن علی کے پوتے اسحاق بن عبداللہ بن علی بن حسن سے ہوا۔ تاریخ انساب کا مطالعہ شاہد ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی اور ہم زلف بھی ہیں۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آپ کی اہلیہ اور ان کی بیوی قریبۃ الصغریٰ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اُم سلمٰی رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سگی بھانجی لیلیٰ بنت مروی کا نکاح حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے ہوا جن کے بطن سے علی اکبر پیدا ہوئے۔بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کے خاندانوں کے درمیان صرف چند رشتوں کا ذکر کیا گیا ہے مگر ماہرین انساب جانتے ہیں کہ ان کے درمیان اور بہت سارے مراسم اور رشتہ داریاں تھیں۔عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ہم اصحابِ محمد رضی اللہ عنہم کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نمازیں پڑھیں۔جب آپ کہتے: سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ تو معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، اس شرف کے بعد اور بڑا شرف کیا ہوسکتا ہے؟ ایک اور واقعہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز کا مقام کیا ہے؟ یہ سوال سن کر وہ سخت غصے میں آ گئے اور فرمایا: ''اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں کسی اور کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔'' سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، برادر نسبتی، اللہ تعالیٰ کی وحی کے کاتب اور امین ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو تاریخی واقعہ بننے سے پہلے اس کی عظمت اور نبوت کو مانا اور ہم آج ان کی نبوت کے تاریخی واقعہ بننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو مان رہے ہیں، دونوں کو ماننے میں اتنا زیادہ فرق ہے جتنا زمین و آسمان میں ہے۔آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ماننا اتنا مشکل نہیں جتنا آپ کی زندگی میں آپ کی عظمت و نبوت کو پہچاننا مشکل تھا۔صرف وہی لوگ اس کو پہچان سکتے تھے جنھیں اللہ کی طرف سے خصوصی توفیق ملی ہو اور جن کے دلوں کے دروازے اللہ نے نبوت کی دعوت کو خوش آمدید کہنے کے لیے

کھول دیے ہوں۔ ایسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ماننا مستقبل میں ظاہر ہونے والے واقعہ کو حال میں دیکھنا تھا، ایک چھپی ہوئی حقیقت کو اس کے ثابت شدہ بننے سے پہلے پالینا تھا اور نبوت کے لیے اپنی عظمت کو کھو کر دوسرے کی عظمت میں گم ہونا پڑتا تھا، یہ اپنے مقابلہ میں دوسری شخصیت کا اعتراف کرنا تھا اور وہ بھی ایسی شخصیت کا جس کی حقیقت ابھی مسلم نہ ہوئی ہو، کوئی رسول کی نبوت آج قبول کرتا ہے۔ تو یہ کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ آج رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت تاریخ کی ایک مسلمہ حقیقت بن چکی ہے۔ اس شخص کے اعمال کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان سے کوئی نسبت ہی نہیں کیونکہ آج کا مومن تاریخ کے اختتام پر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت کو تسلیم کر رہا ہے جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تاریخ کے آغاز پر رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کو مانا تھا۔ اس بنا پر اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں، جب صحابہ کرام سارے کے سارے عادل ہیں تو پھر وہ ہماری ہر قسم کی تنقید سے بھی بالاتر ہیں۔ ہماری ہر حالت سے اونچے ہیں، ہمارا فرض ہے کہ ان کی ذات کو سامنے رکھ کر اپنے ایمانوں کو جانچیں اور پرکھیں اور اگر ہمارا ایمان ان کے ایمان کے مطابق ہو جائے تو ہمارا ایمان درست ہے: ﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ ورنہ غلط ہے۔ اگر ہمارے اعمال ان کے اعمال پر منطبق ہو جائیں تو درست ورنہ ہمارے اعمال میں کھوٹ ہے گویا وہ ہمارے ایمان اور اعمال کے پرکھنے کی کسوٹی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ دین اسلام یعنی (قرآن و حدیث) کے اوّلین راوی ہیں۔ اگر معاذ اللہ ان میں کوئی خرابی ہے تو ہمارے دین کی سلامتی کی کوئی صورت نہیں۔ اگر بنیاد میں خرابی پڑ جائے تو پھر ہم صحیح ایمان نہیں لا سکتے، ہمارا دین تو ان کا مرہونِ منت ہے۔ درحقیقت وہ ہمارے ایمان کو پہنچاننے کے لیے کسوٹی ہیں، ہمارے علم و عمل کے صحیح ہونے کے لیے ایک معیار ہیں۔ اس لیے کہ علم کی روایت انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کی ہے اور عمل کی روایات بھی انہوں نے آپ ﷺ سے کی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نجومِ ہدایت تھے ان کے علم و عمل کی روشنی کے بغیر ہدایت کی منازل حاصل نہیں ہوسکتیں اور اللہ کے ہاں وہ ایمان ہی قبول نہیں جس پر ان کی چھاپ نہ ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صحابی تھے بلکہ صحابی بھی معمولی نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ کچھ نام نہاد مسلمانوں نے صحابہ کرام کے بارے میں وہ وہ ہرزہ سرائیاں کی ہیں، اللہ کی تمام مخلوق سمیت زمین و آسمان بھی کانپ اٹھے ہیں سوائے حضرت انسان کے۔ اس قدر فضیلت والی ہستیوں کی اس طرح تحقیر کرنا دین اسلام کی فہم سے بالاتر ہی ہے۔ صحابہ کرام تو روشنی کے مینار تھے، پھر کیا وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کردار کو داغدار کیا گیا۔ بات بالکل واضح ہے، اسلام کے دشمن خوب جانتے تھے کہ یہ جماعت یعنی صحابہ کرام مسلمانوں کے ہیرو ہیں اگر ان کی سیرتوں کو پڑھ کر کوئی قوم تیار ہو گئی تو پھر نبوی انقلاب آ جائے گا پھر تعمیر انسانیت کے درخت کوئی اُکھاڑ نہیں سکے گا، لہٰذا انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذات سے اپنی دشمنی کا آغاز کیا۔ مردِ مومن کی تلوار کے آگے یہ یہود و نصاریٰ اور منافقین ٹھہر نہ

سکے، خفیہ طریقے سے سازشیں کرنے لگے۔ آخر کار اسلام کی دیوار کو سوراخ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ تو تھے ہی دشمن، انہوں نے ایسا ہی کرنا تھا، کیا وجہ ہے کہ مسلمان علما اور حکمران عوام الناس کو ان کا خفیہ چہرہ دکھانے میں ہر دَور میں کیوں ناکام رہے؟ کیونکہ اکثر اوقات اقتدار کی کرسیوں پر یہی رہے۔ آج کا سیدھا سادہ مسلمان انہی مکروہ چہروں کے پیچھے برباد ہو رہا ہے، اپنا دین ایمان سب خراب کر رہا ہے۔ آخر کب تک یہ کھیل کھیلنے کی اجازت دی جائے گی؟ واللہ! مسلمانوں کو بیرونی دشمن سے کوئی خطرہ نہیں، ان کو خطرہ ہے تو صرف اندرونی دشمن سے۔ منافقین کی یہ جماعت آج ہر طرح سے مسلمانوں کو گھیر رہی ہے۔

مسلمانوں کو بیدار ہونا ہوگا ہر قسم کے اختلاف کو چھوڑ کر صرف دین کی خدمت کرنی ہوگی ورنہ وہ دن دُور نہیں جب ملحدین کی جماعت ہمارا صفایہ کر دے گی۔ علماء اور حکمران مل کر اس کو سرانجام دے سکتے ورنہ اور کوئی صورت نہیں۔ مسلمانوں کو اپنا ناتا قرآن وسنت سے جوڑنا ہوگا اور اپنے تمام اختلاف کا حل قرآن وسنت سے ڈھونڈنا ہوگا، مسلمانوں کو اپنی سوچ بدلنی ہوگی یہ فتنے نئے نہیں یہ تو وہی فتنے ہیں جن کا مقابلہ ہمارے اسلاف نے پہلے کیا تھا اور اپنا طریقہ ہمارے سامنے رکھا۔ آج ہم اپنی صحیح تاریخ سے واقف نہیں بلکہ جو تاریخ ہمارے سامنے ہے اس کا زیادہ حصہ انہی فتنہ پردازوں نے لکھا ہے۔ ہماری تاریخ تو سورج کی طرح چمکتی ہوئی تاریخ ہے، ہماری تاریخ سیاہ نہیں بلکہ سنہرے حروف پر مبنی ہے۔ اگر یہ تاریخ صحیح نہ ہوتی تو آج پوری دنیا میں اسلام نہ ہوتا۔ یہ اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ فاتح صرف قاتل تھے تو آج ہم پوری دنیا میں کیوں موجود ہیں۔ جس تاریخ کو ہم پڑھتے ہیں وہ ہماری صفوں میں بیٹھے منافقین اور ملحدین کی کاوشیں ہیں ورنہ ان نام نہاد مؤرخوں سے پوچھیے کہ مسلمان تو صرف لڑائیوں میں مصروف تھے پھر یہ انقلاب کیسے برپا ہو گیا، مسلمان احترامِ انسانیت اور تعمیر انسانیت کے علم بردار کیسے بن گئے اور ہندوستان اور پوری دنیا میں اسلام کیسے پھیلا؟ ہم صرف تاریخ کی بات کرتے ہیں۔ ملحدین نے تو قرآن کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوششیں تک کر ڈالیں، یعنی سیدھا اللہ کو چیلنج اس سے بڑھ کر کوئی اور شے ہے ہم کن لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں پڑھتے اور پڑھاتے ہیں اور ہم پھر بھی ان چہروں کو نہیں پہچانتے جو اسلام کے نام پر بدامنی اور قتل عام اور خرافات پھیلا رہے ہیں۔ مسلمانو! پہلے یہ عدالت تو لگاؤ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل کی قبر کو سب سے متبرک کہنے والوں کو تو سزا دو، یہ وہی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں جن کے نظامِ حکومت اور طرزِ زندگی کو غیروں نے اپنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقل سلیم عطا فرمائے۔ اپنوں اور غیروں میں فرق کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یا اللہ! مسلمانوں کو صحیح دین کی سمجھ عطا فرما۔ آمین

حق و باطل کو سمجھنے میں کوئی رکاوٹ ہے؟ بالکل نہیں۔ صرف بیدار ہونے کی ضرورت ہے اسلام انصاف کا دین ہے قانون سے بالاتر کوئی نہیں ہوسکتا ہے۔ قانون سب کے لیے برابر ہے۔ کیا ہمیں نظر نہیں آتا کہ اسلام کے

نام پر کیا کچھ نہیں کیا جا رہا، دین اسلام محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا اور اس کی ذمہ داری علمائے اہل سنت پر ہے کہ وہ عوام کو آگاہ کریں کہ اسلام کیا ہے اور غیر اسلام کیا ہے؟ اسلام کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسلام نہیں بلکہ ایک دھوکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسلام اور اہل اسلام کی حفاظت فرمائے۔ مسلمان علماء اور حکمرانوں کی اصلاح فرمائے اور انہیں اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یہ کتاب ''سیّدنا امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ شخصیت اور کارنامے'' ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی کی تالیف ہے۔ جن کی کئی کتابیں ہم پہلے شائع کر چکے ہیں، یہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور اس کے ترجمہ کا حق پروفیسر جاراللہ نے ادا کیا اور خوب محنت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو مزید کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کتاب کو آپ کے ہاتھوں تک پہنچانے میں ادارہ کے رفیق خاص برادار عبدالرؤف نے خوب حق ادا کیا ہے اور پہلے کی طرح اس کا خوب صورت ٹائیٹل ضیاء الرحمٰن بھائی نے بنایا ہے۔ باقی میں ان تمام علمائے کرام کا بے حد مشکور ہوں جن کے مفید مشوروں نے ادارہ کو یہاں تک پہنچایا ہے۔ اللہ کا خاص کرم ہے کہ اس نے توفیق بخشی کہ ہم اسلام کی خدمت کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اور توفیق عطا فرمائے اور دین حق کی سمجھ عطا فرمائے، وہی سب کی دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔

اَللّٰھُمَّ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا اِلَی دِیْنِكَ .

آپ کا خیر اندیش
ابوساریہ عبدالجلیل
ریاض، سعودی عرب



مقدمہ

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا ، وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ . وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ .

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران : ١٠٢]

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ [النساء : ١]

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ [الاحزاب : ٧٠، ٧١]

”تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اسی کی حمد کرتے ہیں، اسی سے مدد چاہتے ہیں، اسی سے بخشش کے طلب گار ہیں، اور اپنے نفسوں کے شر سے اور اپنے برے اعمال سے اسی کی پناہ میں آتے ہیں۔ وہ جسے راہِ حق سمجھا دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی راہ پر نہیں لا سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو، جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم ہرگز نہ مرو، مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں سے بھی، بے شک اللہ ہمیشہ تم پر پورا نگہبان ہے۔“

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور بالکل سیدھی بات کہو۔ وہ تمھارے لیے تمھارے اعمال درست کر دے گا اور تمھارے لیے تمھارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے تو یقیناً اس نے کامیابی حاصل کر لی، بہت بڑی کامیابی۔“

میرے رب! آپ کی ہی ساری تعریف ہے جسے آپ کی ذات کے جلال اور عظیم بادشاہت کے شایانِ شان ہے، آپ کی ہی سب تعریف ہے حتیٰ کہ آپ راضی ہو جائیں، جب آپ راضی ہوں تب بھی آپ ہی کی سب تعریف ہے، رضا مندی کے بعد بھی آپ ہی سب تعریف ہے، وبعد!

یہ کتاب عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے مطالعہ کے بارے میں میری سابقہ کتب کے توسیعی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس سلسلے میں اس سے قبل سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہم اجمعین پر کتب شائع ہو چکی ہیں۔ میں اپنی اس کتاب کا نام ''سیّدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما شخصیت اور کارنامے'' رکھا ہے۔ اس کتاب میں درج ذیل مباحث ہیں:

- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام ونسب، کنیت، خاندان، والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام، ان کی والدہ بنت عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ، بھائی اور بہنیں، ازواجِ مطہرات، قبولِ اسلام اور ان کے بعض فضائل۔
- معاویہ رضی اللہ عنہ اور روایت حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وذم کے بارے میں باطل روایات۔
- عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلافت راشدہ میں بنی اُمیہ کا کردار، معاویہ رضی اللہ عنہ کی قسمت کا ستارہ کب طلوع ہوا؟
- امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں دمشق، بعلبک اور بلقان پر گورنری اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے تعلق۔

اس کتاب میں درج ذیل عنوانات کی بھی وضاحت کی گئی ہے:

- شام کے محاذ پر آپ کی کاوشیں، عہد عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں موسم گرما اور سرما کے لشکروں کا نظام رائج کرنا، بحری بیڑے کی ایجاد، عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں آپ کے کارنامے اور فتوحات، عثمان رضی اللہ عنہ سے بحری جنگ کی اجازت طلبی میں ان کا اصرار، اہل قبرص کا ہتھیار ڈال دینا اور صلح کا مطالبہ، پھر نقض صلح، فتح قبرص۔
- آپ کے سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے اختلاف کی حقیقت اور اس سلسلے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا موقف۔
- اُن شبہات کی تردید جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پیدا کئے گئے ہیں مثلاً بیت المال سے اقربا پروری کی تہمت، مسلمانوں کے کوٹے سے اپنے رشتے داروں کا حکومتی عہدوں پر تقرر کرنا۔
- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ شہادت کے اسباب جیسے نرمی اور اس کے معاشرے پر اثرات، ان کے زمانے میں معاشرتی انحراف کی روش اور ایک نئی نسل کا ظہور، پھیلی ہوئی باتوں کو قبول کرنے کی معاشرتی استعداد، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ بننا، کبار صحابہ کا مدینہ سے خروج، جاہلی عصبیت، طبعی یا بشری رکاوٹوں کی وجہ سے فتوحات کا رُکنا، زہد وورع کا غلط مفہوم، لالچی نسل نو کا ظہور، کینہ رکھنے والے ایسے گروہ کا معرضِ وجود میں آنا جو اپنے مقتول کا بدلہ نہ لے سکا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف پھندے پھیلانے کے لیے مضبوط منصوبہ بندی، لوگوں کو برانگیختہ کرنے کے لیے اسباب و ذرائع کا استعمال، فتنہ پھیلانے میں عبداللہ بن سبا کا کردار، فتنے کے بارے میں حضرت معاویہ بن ابوسفیان کا موقف، گورنروں سے حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ کا مشورہ اور اس بارے میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس بارے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدوں میں صحابہ کا موقف۔

❀ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینے کے طریقے پر صحابہ کا اختلاف، معرکہ صفین، پے در پے واقعات۔

❀ ام المؤمنین ام حبیبہ بنت ابوسفیان کا نعمان بن بشیر کو حضرت عثمان کی قمیص دے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے پاس بھیجنا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرنے کے محرکات، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ قبول نہ کرنا، اہل شام سے جنگ کرنے کے لیے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی تیاری، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جنگ جمل کے بعد جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنا تاکہ انہیں بیعت کرنے کی دعوت دی جائے، امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شام کی طرف پیش قدمی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صفین کی طرف نکلنا، طرفین میں حملوں کا آغاز، فریقین میں صلح کی کوششیں، گھمسان کی جنگ اور پھر تحکیم کی دعوت۔

❀ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس کے مسلمانوں پر اثرات، دورانِ جنگ میں مشفقانہ رویہ اور حسن سلوک، امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا قیدیوں سے سلوک، مقتولین کی تعداد، امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا مقتولوں کو تلاش کرنا اور ان پر ترس کھانا، ان واقعات و حادثات کے دوران میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شاہِ روم کے بارے میں موقف، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں صفین کا جھوٹا واقعہ، معرکہ کے جاری رہنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا اصرار، امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرنے اور اہل شام کو لعن طعن کرنے سے منع کرنا، تحکیم، تحکیم کے معاہدے کا متن، تحکیم کے بارے میں مشہور واقعے کا باطل ہونا، معاہدۂ تحکیم کی حقیقت، اجتماع کے انعقاد کی جگہ۔

❀ اسلامی ممالک میں پیدا ہونے والے تنازعات کے سلسلے میں واقعہ تحکیم سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

ان جنگوں کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے موقف کی بھی میں نے وضاحت کی ہے۔ معرکہ صفین کے بعد صلح جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معیارات میں تبدیلی، امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح، امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع موصول ہونے کے بارے میں بھی میں نے بحث کی ہے۔

اس کے بعد میں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے دور کے صلح کے بہت بڑے اصلاحی منصوبے کے بارے میں بات کی ہے، یہ منصوبہ وحدت اُمت کا سبب بنا، یہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا عمل ہے۔ میں نے صلح کے مراحل، شرائط، اسباب، اس کی رکاوٹوں اور نتائج کی طرف بھی اشارہ

کیا ہے، اسی طرح میں نے مقاصد شریعت کی فقہ کبیر اور فقہ مصالح و مفاسد کی وضاحت کی ہے، اسی طرح اختلاف سے متعلق فقاہت کی وضاحت کی ہے، سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ اس فقہ میں ممتاز تھے۔ انہوں نے اپنے عظیم اصلاحی منصوبے کی بنیاد رکھی تھی، اسی کی بنیاد پر اُمت مسلمہ ان جدید مراحل میں داخل ہوئی، جن میں موجود تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور ابنائے اُمت کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت مکمل ہوئی۔

میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صفات کی وضاحت کی ہے، جن میں سے اہم یہ ہیں:

علم، فقاہت، حلم و بردباری، عفو و درگزر، ہوشیاری، حیلہ و تدبیر، منفرد عقلیت، باریک بینی کی صلاحیت، عاجزی وانکساری، تقویٰ و پرہیز کاری اور خشیت الٰہی سے رونا۔

میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں علماء کے تعریفی کلمات بھی نقل کیے ہیں، اور اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سلطنت بنواُمیہ خیر القرون میں داخل ہے، جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((خَيْرُكُمْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ .)) (بخاری: ٦٦٩٥)

"تمہارے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر جو اُن کے بعد کے زمانے کے ہیں اور پھر جو اُن کے بعد آئیں گے۔"

میں نے بنواُمیہ کے دارالحکومت (شام) کے بارے میں بحث کی ہے اور اہل شام کے بارے میں احادیث رسول پیش کی ہیں، نیز عہد معاویہ رضی اللہ عنہ کے اہل حل وعقد اور شوریٰ کا تذکرہ کیا ہے، اس کے علاوہ اظہارِ رائے کی آزادی اور ان کی داخلی سیاست جیسے شیوخ صحابہ کی کبار شخصیات اور ان کے بیٹوں سے حسن سلوک کا تذکرہ کیا ہے، اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے اچھا تعلق بیان کیا ہے۔

اس بات کی بھی وضاحت سے تردید کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سلطنت بنواُمیہ کے منبروں پر امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کو عام کر دیا تھا، بعض مؤرخین کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زہر دلوایا تھا، میں نے علمی دلائل اور روشن براہین سے اسے باطل ثابت کیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کے بارے میں امیر المؤمنین بننے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف بھی پیش کیا ہے، نیز حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ اور اس بارے میں ام المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف بیان کیا ہے۔

میں نے ان اُمور کی وضاحت بھی کی ہے:

❀ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمام اُمور کی خودنگرانی کرنے اور اپنی خلافت میں امن قائم کرنے کی حرص، حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کی یومیہ مجلس اور اس کے ذیلی مرکزی محکمے، جیسے محکمہ خط و کتابت، محکمہ مہر، محکمہ ڈاک، سینگی لگانے کا نظام، چوکیداری اور پولیس کا محکمہ، آدمیوں اور معاونین کا عمدہ انتخاب، معاونین اور تالیف قلبی، اس میں پختگی کے لیے مال خرچ کرنا، سختی اور نرمی کی سیاست اختیار کرنا، بنی اُمیہ اور ان کی رعیت کے درمیان منفعت کے تبادلے کی سیاست، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے آپ کو مضبوط کرنے اور اپنی خلافت کو استحکام دینے کے لیے اطلاعات کی سیاست اپنانا اور انہیں بنی اُمیہ کی طرف مائل کرنا، خبر رسانی کے نظام کا اہتمام کرنا، اسلامی لشکر کی تشکیل و ترقی، قبائل، برادریوں اور معاشرے کے بڑے افراد میں موازنہ کی سیاست کے بارے میں ان کی دانائی، اُموی خاندان کے بارے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست۔

- میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی معاشرتی زندگی نیز علم، تاریخ، شعر، لغت اور تجرباتی علوم کے بارے میں ان کے اہتمامات کو بیان کیا ہے۔
- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خوارج کے بارے میں معاملے اور ان کے عمل دخل کی کمی بیشی کے سلسلے میں آپ کے وسائل پر میں نے ایک الگ مبحث لکھی ہے۔
- مالی نظام، سلطنت کے ذرائع آمدن جیسے زکوۃ، جزیہ، خراج، عشر، زرعی پیداوار، غنائم عمومی اخراجات جیسے عسکری، انتظامی اور معاشرتی اخراجات۔
- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زراعت، داخلی و خارجی تجارت اور حرف وصنعت کا اہتمام کرنا، عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں مصارفِ اموال کے بارے میں شبہات کا معاملہ اور ان کا علم و انصاف پر مبنی تجزیہ، مثلاً عطیات دینے میں فرق روا رکھنا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بطورِ رشوت دینے کا جھوٹ، تالیف قلبی اور معاونین بنانے کے لیے بہت زیادہ خرچ کرنا، امویوں کی پر تعیش زندگی کے مظاہر۔
- سلطنت بنی اُمیہ کے عدالتی نظام کی مستقل بحث، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلافت راشدہ سے تعلق، خلفا کا عدالتی معاملات سے الگ ہونا اور ان پر اثر انداز نہ ہونا، قاضیوں کے مراتب، فیصلوں کو لکھنا اور ان پر گواہ مقرر کرنا، ججوں کے معاونین جیسے منادی، دربان، ترجمان یا مترجم، نگرانی اور پیروی کرنے والے وغیرہ۔
- عہد اُموی میں عدالتی فیصلوں کے مصادر، قاضیوں کا تخصص، مشہور ترین قاضیوں کے نام، قضاء کے عمومی امتیازات، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قضاء کے بارے میں خط، محکمہ پولیس اور اس کی ذمہ داریاں جیسے خلیفہ اور صوبہ جات کے گورنروں کی ان کے داخلی دشمنوں سے حفاظت کرنا، جرائم پیشہ افراد اور قانون شکنی کرنے والوں کو سزا دینا، شرعی سزاؤں کا نفاذ، دیگر طاقتیں اور دوسرے محکمے اور ان کا پولیس سے تعلق جیسے چوکیدار، چودھری، جلاد، نظامِ احتساب، نگہبانی کا نظام، مجرموں کو پکڑنے والا محکمہ، محکمہ ولاۃ و انتظامیہ، سلطنت کے تحت آنے والے اہم صوبے، ان کے مشہور گورنروں کے نام اور ان کے ان صوبوں میں اہم ترین کارنامے، مدینہ نبویہ کی بحث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی، ان کی وفات مدینے میں ۵۸

ھ یا ۵۹ ھ کو ہوئی تھی، عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں انھوں نے تقریباً اٹھارہ سال گزارے، اس جلیل القدر صحابی پر دشمنانِ صحابہ کی طرف سے زمانہ قدیم اور عصر حاضر میں ظالمانہ حملے کیے گئے، ان باطل تہمتوں کو مستشرقین کے ایک گروہ نے بھی اختیار کر لیا ہے، لہٰذا میں نے یہ ضروری سمجھا کہ اس عظیم صحابی کا دفاع کروں کیونکہ وہ سنت نبوی کے بڑے بڑے راویوں میں شمار ہوتے ہیں، ان کا تعارف اور کچھ حالاتِ زندگی پیش کیے ہیں جیسے ان کی عبادات، پاکدامنی، صبر و تحمل اور ان کا عفو و درگزر۔ ان شبہات کی تردید بھی کر دی گئی ہے جو ان کے بارے میں جھوٹے پھیلائے گئے ہیں، جن کا مقصد ہم تک پہنچنے والی سنت رسول اللہ ﷺ میں شک و شبہ پیدا کرنا ہے، اس ہدف کو منافقین اس جلیل القدر صحابی پر طعنہ زنی کر کے پورا کرنا چاہتے ہیں، ان کذابوں کا مقابلہ کرنے کے لیے زبانِ حال سے شاعر کا یہ قول منطبق ہوتا ہے:

وإذا اضطررت على الجدال و لم تجد
لك مهربًا و تلاقت الصّفان
فاجعل كتاب اللّٰه درعًا سابغًا
والشرع سيفك وابد في الميدان
والسنة البيضاء دونك جُنَّة
واركب جواد العزم في الجولان
واثبت بصبرك تحت ألوية الهدى
فالصبر أوثق عدة الإنسان
واطعن برمح الحق كل معاند
للّٰه درُّ الفارس الطعان
واحمل بسيف الصّدق حملة
مخلص مستجردًا للّٰه غير جبان

"جب تو جنگ کرنے کے لیے مجبور ہو جائے اور تجھے بھاگنے کے لیے کوئی چارہ نہ ہو اور دونوں گروہوں کا ٹکراؤ ہو تو کتاب اللہ کو اپنی پوری زرہ بنا لے، شریعت کو اپنی تلوار بنا کر میدان میں نکل آ، چمکدار سنت کو اپنی ڈھال بنا، عزم و ہمت کے برق رفتار گھوڑے پر سوار ہو جا، ہدایت کے جھنڈوں تلے اپنے صبر کے ساتھ جمے رہو، اس لیے صبر انسان کی مضبوط ترین تیاری ہے۔ ہر دشمن پر حق کے نیزے برسا، نیزہ باز گھڑ سوار کا اللہ کے ہاں بڑا مقام ہے، حملہ کرنے کے لیے سچائی کی تلوار اُٹھا، بزدلی کا

مظاہرہ نہ کرنا، مخلص بن جا اور بس اللہ کا ہو کر رہ۔"

اس کے علاوہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کی تحریک فتوحات کی صورتِ حال بیان کی ہے، تحریک فتوحات کے تذکرے سے پہلے ان شبہات کا محاکمہ کیا ہے جو جھوٹ اور بہتان کی بنا پر اس تحریک فتوحات کے بارے میں پیدا کیے گئے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحریک فتح کے اس پہلے ادھورے سلسلے کو ہی بچایا اور مضبوط کیا جس کی قیادت اور تشکیل خلفائے راشدین نے کی تھی۔ تحریک فتوحات کا دوسرا سلسلہ وہ ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں شروع ہوا اور بعد میں بھی جاری رہا، یہ سلسلہ ولید بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں بہت دُور تک پھیل چکا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بازنطینی حکومت کے خلاف برپا کردہ تحریک جہاد کا بھی میں نے تذکرہ کیا ہے، انہوں نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کا منصوبہ بھی بنایا، اس پر غلبہ پانے کے لیے انہوں نے اپنی حکمت عملی کا نقشہ ترتیب دیا، اس کے لیے مصر اور شام میں کشتی سازی کے مراکز بنائے، مصر اور شام کی بحری سرحدوں کو مضبوط کیا، بحر متوسط کے شمالی مشرقی جانب واقع جزیروں پر غلبہ حاصل کیا، شام کی شمالی اطراف کو محفوظ کر دیا، آپ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ قسطنطنیہ کے محاصرے کے دوران میں ہی فوت ہوئے تھے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ جہاں تک ممکن ہو انہیں دشمن کے علاقے کے قریب بہت آگے لے جا کر دفن کیا جائے، یہ شاندار منظر ہے جو اُن کے جہاد کے ساتھ تعلق کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کی لاش لوگوں کے کندھوں پر ہوگی، اور وہ ان کی صفوں میں موجود ہوں گے، ان کی خواہش یہ تھی کہ وہ زندہ و مردہ ہر دو حالتوں میں دشمن کی زمین میں دُور تک جائیں، گویا کہ زندگی میں انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ ان کے لیے کافی نہیں تھا تو انہوں نے اپنی وفات کے بعد اس پر مزید اضافے کی تمنا کی، صحیح اور دقیق معنی کے اعتبار سے یہ ایسی چیز ہے کہ حقیقی مجاہد کے نزدیک اس سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

مزید برآں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلسل بری و بحری حملوں کے ذریعے بازنطینی حکومت کا ناطقہ بند کر دیا، انہوں نے بازنطینیوں کو ڈرا دیا، طرح طرح کی تنگیوں اور خوف سے دوچار کر دیا، انہیں پریشان کن نقصانات میں مبتلا کر دیا، اس سارا کچھ کے باوجود وہ قسطنطنیہ کو عبور نہیں کر سکے، اس کے بہت سے عوامل تھے جیسا کہ قارئین کتاب میں ان شاء اللہ دیکھیں گے۔ بازنطینی حکومت کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلح کے تعلقات قائم کر لیے، اموی اور بازنطینی دونوں حکومتوں کے درمیان مراسلات، تجربات اور سفراء کا بھرپور تبادلہ ہوتا رہا، جبکہ شمال افریقہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ کا حملہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہی ہوا تھا۔ ان فتوحات میں عقبہ بن نافع کا نام بہت نمایاں ہوا، جنہوں نے قیروان شہر آباد کیا تھا جسے آج تونس کہا جاتا ہے، یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں ہی ہوا تھا، قیروان مغرب میں اسلامی تہذیب و

ثقافت کے فروغ کا مرکز اور اس علمی دار الحکومت بن گیا۔ قارئین کرام دیکھیں گے کہ شمال افریقہ کی فتوحات کا سلسلہ حضرت عقبہ رحمہ اللہ کی شہادت تک جاری رہتا ہے۔

کتاب میں یہ عنوانات بھی زیر بحث آئے ہیں:

اموی سلطنت کے مشرقی بازو خراسان، سجستان اور ماوراء النہر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فتوحات، سندھ کی فتوحات، ان فتوحات کے اہم دروس، عبرتیں اور فوائد جن میں سے اہم یہ ہیں:

آیات اور احادیث نبوی کے مجاہدین کے دلوں پر اثرات، فتوحات میں اللہ کے طریقے جیسے اتحاد و اتفاق میں اللہ کا طریقہ، وسائل و اسباب کو اختیار کرنے کا طریقہ، ایک دوسرے کو روکنے اور دفاع کا طریقہ، ظلم اور ظالموں کے بارے میں اللہ کا طریقہ، تعیش پسندوں کے بارے میں اللہ کا طریقہ، سرکشی اور سرکشوں کے بارے میں اللہ کا طریقہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک فتوحات کی حکمت عملی کا نقشہ، روم، شمالی افریقی محاذ اور سجستان، خراسان اور ماوراء النہر کے محاذ پر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست، تحریک جہاد کے بارے میں ان کا محکمہ شوریٰ، معاویہ رضی اللہ عنہ کی انتظامیہ میں مرکزی قیادت اور امداد، سرکاری اور قبائلی جھنڈوں کا نظام، جاسوسی، ڈاک اور سلطنت کی بری حدود کا اہتمام، بحری بیڑے، بحری حدود، محکمہ فوج اور محکمہ مال کا اہتمام، آپ کے دور میں علمی، معاشی اور معاشرتی اثرات۔

میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد کے مجاہدین کی بعض کرامات بھی بیان کی ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، عبدالملک اور ان کے دونوں بیٹوں ولید اور سلمان کے زمانے میں سلطنت اُمویہ کے فضائل میں وہ وسیع فتوحات بھی ہیں جو انہی کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچیں۔ جس کے نتیجے میں دار السلام میں بہت وسعت آ گئی۔ مشرق میں چین اور مغرب میں بلادِ اندلس اور فرانس کے جنوب مغرب کے درمیان تک اسلامی سلطنت کا دائرہ پھیل گیا۔

خلفاء اپنے بیٹوں کو جہاد کے لیے بھیجتے اور خود بھی قتال میں شریک ہوتے، صحابہ رضی اللہ عنہم اور کبار تابعین رحمہم اللہ بھی ان عساکر میں موجود ہوتے تھے، تحریک فتوحات سے سلطنت کا مقام بلند ہوا ان کے ساتھ اسلامی معاشرے میں ہر قسم کے لوگ معرضِ وجود میں آئے جیسے علماء، فقہاء، تجار، زہاد اور عبادت گزار لوگ۔ یہ لشکر مشارق و مغارب میں متحرک ہو گئے، ان دور دراز کے اطراف میں واقع قبائل کے فاتحین نے انہیں عدل و احسان دیا، ان کی روحانی اور جسمانی ضروریات کو پورا کیا، ان تک دین اسلام پہنچایا جس نے اس زمین پر انسانیت کا صحیح مفہوم دیا، اس لیے اسلام بہت جلد ان کے دلوں میں جاگزیں ہو گیا، یہ بڑی نرمی اور چپکے سے افکار میں داخل ہو جاتا ہے، عقل و فہم پر اس کی تاثیر بہت قوی ہے، فاتحین ان قبائل میں وہ حقائق لے کر آئے جن سے اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سعادت مند ہوئے تھے، اور انہوں نے انہی کے ساتھ انہیں بہرہ ور کر دیا۔ شاعر کہتا ہے:

الــلــــــــه أكبـــــر إن ديـــن مـــحـــمـــد
وكتـــــابـــــــه أقـــوى و أقـــوم قيـــلا
طـــلـــعـــت بـــه شـــمـــس الهـداية لـلـورى
وأبـــى لهـــا وصف الـــكـــمـــال أفـو لا
والـــحـــق أبـــلـج فـــي شـــريـعتــــه التـــي
جـــمـــعـــت فـــروعًـــا لـلـهـدى وأصـولا
لا تـــذكـــروا الـــكـــتـــب السـوالف عـنـده
طـــلـــع الـصـبـــاح فـــأطـفـئـوا الـقـنـديـلا

”اللہ سب سے بڑا ہے، محمد (ﷺ) کا دین اور اس کی کتاب بہت قوی اور بہت مضبوط کلام ہے۔ اس کے ساتھ مخلوق کے لیے آفتاب ہدایت طلوع ہوا ہے، کمزور رائے والوں نے اس کے وصف کمال کو تسلیم نہیں کیا، اس کی شریعت میں حق واضح ہو چکا ہے جو ہدایت کے اُصول وفروع کا مجموعہ ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے سابقہ کتب کا ذکر نہ کرو، صبح نمودار ہوگئی لہٰذا قندیل بجھا دو۔“

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُموی حکومت کے دور کی بڑی بڑی فتوحات اس بات کی صریح دلیل ہیں کہ اُمت قوی اور متحد تھی، اللہ کے دین پر عمل پیرا تھی اور اقوام وقبائل کی ہدایت کی حریص تھی۔ اس کے علاوہ میں نے درج ذیل معاملات پر بات کی ہے:

ولی عہدی کی سوچ اور یزید کی بیعت کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اقدامات، مشورے، اطلاعاتی دباؤ، اہل شام کا بیعت یزید کو تسلیم کر لینا، وفود کی طرف سے بیعت، اہل مدینہ سے بیعت کا مطالبہ اور حضرت عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن بن ابوبکر، عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہم کا اس بیعت پر اعتراض، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے یزید کو ولی عہدی کے لیے تیار کرنے کے اسباب جیسے اتحاد اُمت کی حفاظت، قبائلی عصبیت کی قوت، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیٹے سے محبت اور اس پر قناعت کرنا، بیعت یزید کے سلسلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کی جانے والی تنقید، عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں ولی عہدی کے تصور کے ماخذ، آپ کی زندگی کے آخری ایام، موت کی سختیوں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دُعا:

((اَللّٰهُمَّ اَقِلِّ الْعَثْرَةَ ، وَاْعفُ عَنِ الزَّلَّةِ ، وَتَجَاوَزْ بِحِلْمِكَ عَنْ جَهْلِ مَالَمْ يُرْجَ غَيْرُكَ فَاِنَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ، لَيْسَ لِذِىْ خَطِيْئَةٍ مَهْرَبٌ اِلَّا اِلَيْكَ .))

”اللہ! میری پھسلن کو مٹا دیجیے، لغزش کو معاف کر دیجیے، اپنے حلم سے اس لاعلمی سے درگزر کیجیے جس

کی آپ کے سوا کسی سے اُمید نہیں رکھی جا سکتی، (اے اللہ!) آپ وسیع مغفرت والے ہیں، غلطی کرنے والے کے لیے آپ کی طرف بھاگنے کے علاوہ کوئی جگہ نہیں۔“

اس (دُعا) کے بعد ان کی وفات ہوگئی۔

اوّل و آخر اللہ کا ہی فضل ہے، میں اللہ تعالیٰ سے اس کے اسمائے حسنیٰ اور بلند صفات کے طفیل اس سے سوال کرتا ہوں کہ وہ میرے اس کام کو اپنی رضا کے لیے خالص اور اپنے بندوں کے لیے نفع بخش بنا دے، میرے لکھے ہوئے ہر ہر حرف پر مجھے اجر و ثواب عطا کرے، اور اسے میری نیکیوں کے پلڑے میں ڈال دے، اور میرے ان بھائیوں کو بھی جزا دے جنھوں نے اس عاجزانہ کوشش کی تکمیل میں حصہ ڈالا ہے۔ ہم اس کتاب کے پڑھنے والے ہر اس مسلمان سے یہ اُمید کرتے ہیں کہ وہ اس بندہ ناچیز کو اپنی دُعاؤں میں نہ بھولیں جو اپنے رب کی معافی، مغفرت، رحمت اور خوش نودی کا محتاج ہے:

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (النمل: ١٩)

”میرے رب! مجھے توفیق دیجیے کہ میں آپ کی نعمت کا شکر کروں، جو آپ نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہے اور یہ کہ میں نیک عمل کروں، جسے آپ پسند کریں اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل کر لیجیے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (فاطر: ٢)

”جو کچھ اللہ لوگوں کے لیے رحمت میں سے کھول دے تو اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جو بند کر دے تو اس کے بعد اسے کوئی کھولنے والا نہیں اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ.

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ.

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

الفقير الى عفو ربه ومغفرته

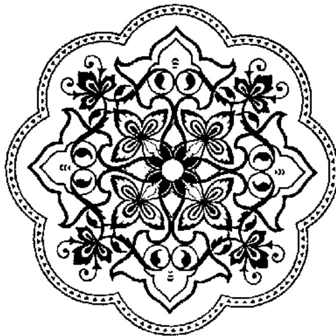
علی محمد محمد الصلابی



پہلی فصل

معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما

پیدائش سے خلافت راشدہ کے اختتام تک اور خاندان



پہلی بحث:

نام ونسب، کنیت اور خاندان

ا۔ نام ونسب کنیت اور پیدائش:

ابوعبدالرحمن معاویہ بن ابوسفیان بن صخر بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن مناف بن قصیّ بن کلاب، قریشی، اموی مکی۔ ❶

امیر المومنین، شاہ اسلام معاویہ رضی اللہ عنہ مختلف اقوال کی رو سے بعثت نبوی سے پانچ سال، سات سال یا تیرہ سال قبل پیدا ہوئے۔ ان میں سے پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ❷ معاویہ رضی اللہ عنہ دراز قد، خوبرو اور بڑی بارعب شخصیت کے حامل تھے، ان کے والد نے ان کے عہد طفولت ہی سے ان میں سنہرے مستقبل کے آثار بھانپ لیے تھے۔ تو وہ ان کی ماں سے کہنے لگے: میرا یہ بیٹا سردار ہوگا، یہ اپنی قوم کی زمام قیادت سنبھالنے کی بدرجہ اتم اہلیت رکھتا ہے، یہ سن کر اس کی ماں کہنے لگی: صرف اپنی قوم کی قیادت؟ میں اسے گم پاؤں اگر یہ تمام عربوں کی قیادت نہ کرے تو۔ ❸ ابان بن سفیان کا بیان ہے: ایک دن معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی ماں ہند رضی اللہ عنہا کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ وہ لڑکھڑا کر گر پڑے۔ اس پر ان کی ماں کہنے لگی: کھڑا ہو جا اللہ تجھے نہ اٹھائے، یہ منظر دیکھ کر ایک اعرابی کہنے لگا: تو نے ایسا کیوں کہا؟ واللہ! مجھے لگتا ہے کہ یہ بچہ اپنی قوم کی قیادت کرے گا۔ اس پر وہ کہنے لگی: اگر یہ صرف اپنی قوم کی قیادت کرے گا تو پھر اللہ اسے نہ اٹھائے۔ ❹

۲۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا شمار ان سرکش لوگوں میں ہوتا تھا جو قبل از اسلام اسلام کے خلاف برسرپیکار تھے، سیرت نبوی پر مشتمل کتابیں اسلام اور صاحب اسلام کے خلاف ان کے اعمال و کردار کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں مگر جب اللہ نے انہیں رشد و ہدایت سے نوازنا چاہا تو وہ فتح مکہ سے تھوڑا عرصہ قبل مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خصوصی اعزاز سے نوازتے ہوئے فرمایا: ''جو شخص ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوگا اسے امن حاصل ہوگا۔'' ❺ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی اپنے اندر ایک اہم تربیتی پہلو بھی رکھتا ہے۔ امان کے لیے ان کے گھر کی تخصیص ہی ایک ایسی قابل قدر چیز تھی جس سے سردار ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو ذہنی تسکین حاصل ہوئی۔ اسی چیز نے انہیں اسلام پر ثابت قدمی عطا کی اور انہیں ایمان کی تقویت بخشی۔ ❻

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۲۰۔
❷ الاصابة: ٦/ ١٥١۔
❸ البداية و النهاية: ١١/ ٣١٦۔
❹ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۲۱۔
❺ صحيح بخاری، حديث نمبر: ٤٢٨٠۔
❻ قصص القرآن: ٢/ ٤٠٣ سے ماخوذ۔

یہ ترکیب نبوی کا کریمانہ انداز اس قدر موثر ثابت ہوا کہ اس سے ابوسفیانؓ کے دل و دماغ سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں نفرت و کینہ کے جراثیم کا خاتمہ ہو گیا اور ان پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اگر وہ مخلص رہے تو اسی سے انہیں اسلام میں جو مقام و مرتبہ حاصل ہو گا وہ قریش مکہ کے ہاں انہیں حاصل شدہ اعزاز و اکرام سے کسی بھی طرح کم نہیں ہو گا۔ ❶ یہی وہ کریمانہ منہج نبوی ہے جسے لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت علماء کرام اور دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دینے والے حضرات کو پورے طور پر اپنانا اور اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ ❷

مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا اسلام بہت خوب رہا اور انہوں نے اسلام کے لیے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ آپ غزوہ حنین کے موقع پر اور طائف کا محاصرہ کرتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک عمل رہے۔ ان کی ایک آنکھ اسی دوران ضائع ہوئی جبکہ دوسری آنکھ سے جنگ یرموک کے موقع پر محروم ہو گئے تھے۔ ❸ بنوثقیف پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ لات نامی بت کو توڑنے کے لیے بھیجا۔ یہ بت اگرچہ بنوثقیف کا تھا مگر قریش مکہ بھی اس کی بڑی تعظیم کیا کرتے تھے۔ مذکورہ بالا واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ ابوسفیانؓ کے دل میں ایمان گھر کر چکا تھا اور ان کے رگ و ریشہ میں بس چکا تھا۔ قبل ازیں ابوسفیانؓ کے قبول اسلام میں جو چیز حائل تھی وہ ریاست وحکومت کے ساتھ ان کی دلی محبت تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان نفسیاتی عوامل کو ملحوظ خاطر رکھا جن کا نہ صرف یہ کہ ابوسفیان پر گہرا اثر ہوا بلکہ فتح مکہ کے بعد قریش کے سرکردہ لوگوں پر بھی اس کے بڑے اثرات مرتب ہوئے۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ فتح مکہ کے دن ابوسفیانؓ کے گھر کو دارالامان قرار دیا بلکہ غزوۂ حنین کے موقع پر حاصل ہونے والے مال غنیمت سے بھی دوسرے مولفۃ القلوب کی طرح انہیں حصہ دیا گیا۔ ❹

زمانہ جاہلیت میں ابوسفیانؓ نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو کارروائیاں کیں وہ انہیں بھولے نہیں تھے، لہٰذا انہیں شوق دامنگیر ہوا کہ وہ اس سے کہیں بڑھ کر اسلام کی خدمت کریں گے۔ اسی حوالہ سے مفسر ابن کثیر رقمطراز ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ان کا شمار سادات قریش میں ہوتا تھا جبکہ غزوۂ بدر کے بعد انہوں نے تن تنہا اس منصب کی ذمہ داریاں سنبھال لیں، پھر جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان کا اسلام بھی خوب رہا اور انہوں نے جنگ یرموک نیز اس سے ماقبل و مابعد بھی مختلف مواقع پر دفاع اسلام کے لیے قابل تعریف کردار ادا کیا۔ ❺

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے موقع پر مجھے ایک ایسے شخص کی آواز سنائی دے رہی تھی جو کہہ رہا تھا: نصرت الٰہی قریب ہے۔ اس وقت مسلمان اور رومی ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار تھے،

❶ قراءة سياسية للسيرة النبوية، محمد رووس، ص: ٢٤٥.
❷ السيرة النبوية، صلابي: ٢١٤٩٧.
❸ التبيين فى انساب القرشيين، ص: ٢٠٣.
❹ الدولة الاموية المفترى عليها، ص: ١٤٢.
❺ البداية و النهاية: ١١/ ٣٩٧.

میں نے جب ادھر ادھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے یزید کے جھنڈے کے نیچے داد شجاعت دے رہے تھے۔ ❶

یہ بھی مروی ہے کہ جنگ یرموک کے موقع پر وہ گھوڑوں کے مجمع میں کھڑے لوگوں سے کہہ رہے تھے: ''اللہ اللہ تم عرب کے محافظ اور اسلام کے مددگار ہو۔'' جبکہ وہ روم کے محافظ اور شرک کے مددگار ہیں، یا اللہ! یہ دن بھی تیرے دنوں میں سے ایک دن ہے۔ یا اللہ! اپنے بندوں کی نصرت فرما۔ باختلاف روایات ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اکتیس، بتیس، تینتیس یا چونتیس ہجری میں وفات پائی، ❷ اور ان کے بیٹے معاویہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان کی نماز جنازہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی، اس وقت ان کی عمر اسی برس اور ایک دوسرے قول کی رو سے نوے برس سے کچھ زائد تھی۔ ❸

۳۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہا:

معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا اور وہ دونوں اپنے نکاح پر قائم رہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مردوں سے بیعت لینے کے بعد عورتوں سے بیعت لینے لگے تو ان عورتوں میں ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھی۔ اس نے اس خوف کے پیش نظر بھیس بدل رکھا تھا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہچان نہ لیں۔ اس نے غزوۂ احد کے موقع پر آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک کیا تھا اس کا منظر اس کے سامنے تھا۔ آپ نے عورتوں سے یہ بیعت لی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، کسی پر بہتان نہیں لگائیں گی اور اچھے کاموں کی مخالفت نہیں کریں گی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''چوری نہیں کریں گی۔'' تو ہند رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان رضی اللہ عنہ بخیل آدمی ہے، وہ مجھے اتنا مال نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو، اگر میں اس کے علم میں لائے بغیر اس کے مال سے کچھ لے لوں تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو اس کے مال سے اس قدر لے سکتی ہے جو تجھے اور تیرے بچوں کو کفایت کر سکے۔'' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ: ''تم زنا نہیں کرو گی'' تو ہند رضی اللہ عنہا کہنے لگی: کیا آزاد اور شریف عورت بھی ایسا کر سکتی ہے؟ جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہچان لیا تو دریافت فرمایا: ''کیا تو ہند رضی اللہ عنہا بنت عتبہ ہے؟'' تو اس نے اس کا اثبات میں جواب دیا۔ پھر گویا ہوئی: گزشتہ ایام میں جو کچھ ہوا اس سے درگزر فرمائیں۔ اللہ آپ سے درگزر فرمائے گا۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتے تھے، لہٰذا ان عورتوں نے مصافحہ کیے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ آپ صرف اس عورت کے ہاتھ کو مس کیا کرتے تھے جو آپ کی محرم ہوتی یا اللہ نے اسے آپ کے لیے حلال کیا ہوتا۔

❶ التبيين في انساب القرشيين، ص: ۲۰۳. ❷ ايضا، ص: ۲۰۳.
❸ ايضا، ص: ۲۰٤.

بخاری و مسلم میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کی قسم! نبی کریم ﷺ کے ہاتھ نے کبھی بھی کسی غیر عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا۔ ❶ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب ہندؓ نے نبی کریم ﷺ سے بیعت کی تو کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے پسندیدہ دین کو غلبہ عطا فرمایا۔ میرے ساتھ آپ کی قرابت داری کا مجھے فائدہ ہونا چاہیے۔ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والی اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کرنے والی خاتون ہوں۔ پھر وہ اپنے چہرے سے نقاب اٹھاتے ہوئے گویا ہوئی: میں ہندؓ بنت عتبہ ہوں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے اسے خوش آمدید کہا۔ وہ کہنے لگی:

اے اللہ کے رسول! ابوسفیانؓ بخیل آدمی ہے، اگر میں اس کے مال سے اپنے بچوں کو کچھ کھلا لوں تو کیا اس میں کوئی مضائقہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''معروف کے ساتھ ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔'' ❷

ہند رضی اللہ عنہا اسلام قبول کرنے اور آپ ﷺ سے بیعت کرنے کے بعد گھر گئیں اور پھر اپنے ہاتھوں سے اپنے بت کو توڑنے لگیں۔ یہاں تک کہ اسے ریزہ ریزہ کر دیا، وہ کہہ رہی تھیں: میں تیرے بارے میں دھوکے میں رہی۔ ❸ پھر جب انہوں نے فرزندان توحید کو کعبہ مشرفہ میں مصروف عبادت دیکھا تو پکار اٹھیں: واللہ! میں نے آج تک کسی کو اس طرح اللہ کی عبادت کرتے نہیں دیکھا تھا۔ یہ لوگ رات بھر مصروف عبادت رہے۔ ❹ زمانہ جاہلیت میں ہند رضی اللہ عنہا نے سیدہ زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بڑا اچھا برتاؤ کیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے شوہر ابوالعاص بن ربیع کے ساتھ مکہ میں رہائش پذیر تھیں۔ غزوۂ بدر کے بعد نبی کریم ﷺ نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ابوالعاص کے ایک معاہدہ کے تحت انہیں مدینہ منورہ لانے کے لیے ایک آدمی کو مکہ مکرمہ بھیجا۔ جنگ بدر میں مارے جانے والے قریش مکہ کے خون ابھی خشک نہیں ہوئے تھے، اس جنگ میں ہندؓ کو اس کے باپ، بھائی اور چچا کی ہلاکت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا تھا۔ وہ قریش کی محافل و مجالس میں جاتی اور مسلمانوں سے انتقام کی آگ بھڑکاتی۔ اسے یہ خبر مل چکی تھی کہ دختر محمد ﷺ اپنے والد گرامی کے پاس مدینہ جانے کی تیاری کر رہی ہیں۔ جب ایک دفعہ اس کی ملاقات زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوئی تو ان سے کہنے لگی: بنت محمد! مجھے معلوم ہوا کہ تم اپنے باپ کے پاس مدینہ جانے کی تیاری کر رہی ہو، اگر تمہیں سفری ضروریات کی تکمیل کے لیے کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں تمہاری تمام ضروریات کی تکمیل کے لیے حاضر ہوں، لہٰذا تمہیں مجھ سے شرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مردوں کے معاملات الگ ہیں اور تم عورتوں کے الگ۔ سیدہ زینب، ہند رضی اللہ عنہا کی اس فراخ دلانہ پیش کش سے بڑی خوش ہوئیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہندؓ نے ایسا کرنے کے لیے ہی یہ باتیں کی تھیں۔ ❺

---

❶ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ٥٢٨٨، مسلم، حدیث نمبر: ١٨٦٦.

❷ الطبقات الکبریٰ: ٨/ ١٧٢، صحیح بخاری، حدیث نمبر: ٣٨٢٥.

❸ الطبقات الکبریٰ: ٨/ ١٧٢. ❹ نحو رؤیة جدیدة للتاریخ، ص: ٢٠٠.

پھر جب دختر رسول ﷺ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئیں تو قریش کے کچھ لوگوں نے ان کا راستہ روک لیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اس وقت حمل کی حالت میں تھیں۔ مشرکین کے تشدد کی وجہ سے وہ اونٹنی سے گر گئیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ یہ دیکھ کر ہند رضی اللہ عنہا دوڑتی ہوئی آئی اور ان لوگوں کو غیرت دلاتے ہوئے چلا کر کہنے لگیں: ایک غیر مسلح خاتون کے ساتھ معرکہ آرائی؟ تمہاری یہ شجاعت بدر کے دن کہاں گئی تھی؟ پھر اس نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اپنی آغوش میں لے کر ان کے جسم سے گرد و غبار وغیرہ کو صاف کیا اور ان کی حالت کو درست کیا، پھر بنت رسول ﷺ نے اپنے والد گرامی کے پاس جانے کے لیے نئے سرے سے تیاری شروع کر دی۔ ❶

ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا بڑی دانا، بلند پایہ شاعرہ اور خود دار خاتون تھیں۔ مروی ہے کہ وہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے پہلے فاکہ بن مغیرہ کے نکاح میں تھیں۔ یہ قریشی نوجوان شراب کا بڑا رسیا تھا، جب اس کے گھر شراب کی محفل سجتی تو اس کے ہم پیالہ اجازت لیے بغیر ہی گھر میں گھس آتے۔ ایک دن جب وہ اس کے پاس گھر آئی تو گھر میں کوئی نہیں تھا، لہٰذا وہ سو گئی۔ اس دوران اس کے خاوند کا کوئی شرابی ساتھی گھر میں داخل ہوا اور یہ دیکھ کر کہ ہندؓ سو رہی ہے، وہ واپس چلا گیا اور راستے میں اس کی فاکہ سے ملاقات ہو گئی۔ جب اس نے گھر میں ہندؓ کو سوتے ہوئے پایا تو اس نے ہندؓ پر اس آدمی کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگا دی۔ پھر بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک جا پہنچی کہ انہوں نے بالاتفاق یہ معاملہ کسی کاہن کے سامنے پیش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ گھر سے روانگی کے وقت اس کا باپ عتبہ بھی ساتھ تھا جبکہ اس کا شوہر بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ جب یہ لوگ کاہن کے قریب پہنچے تو ہندؓ کے باپ نے دیکھا کہ اس کا رنگ زرد ہو رہا ہے۔ وہ تنہائی میں جا کر اس سے کہنے لگا: بیٹی! میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرا جسم تبدیل ہو رہا ہے اور رنگ بھی پیلا پڑ رہا ہے، اگر تجھ سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو خاموشی سے مجھے بتا دے تاکہ معاملہ یہیں رفع دفع ہو جائے اور ہم لوگوں کے سامنے رسوائی سے بچ جائیں۔ اس پر ہندؓ گویا ہوئی: ابا جان! میں بالکل بے گناہ ہوں مگر ہم ایک انسان کے پاس جا رہے ہیں، اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے اور وہ صحیح بات بھی بتا سکتا ہے، مجھے یہ خوف کھائے جا رہا ہے کہ اگر اس نے میرے بارے میں کوئی غلط فیصلہ کر دیا تو ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رسوا ہو کر رہ جائیں گے۔ اس پر عتبہ کہنے لگا: میں اسے ابھی جانچ لیتا ہوں۔ جب اس نے ایسا کہا تو کاہن اس میں کامیاب رہا۔ پھر انہوں نے ہندؓ کو دوسری عورتوں میں بٹھا کر کاہن سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کھڑے ہو کر اپنا ہاتھ ہندؓ کے دونوں کندھوں کے درمیان مارا اور پھر کہنے لگا: خاتون! تو پاک دامن ہے، تو نے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، تو ایک ایسے بادشاہ کو جنم دے گی جس کا نام معاویہ ہو گا۔ یہ سن کر فاکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اچھل کر کہنے لگا: میری بیوی۔ اس پر ہندؓ نے اس سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا: واللہ! میں چاہوں گی کہ وہ تیرے علاوہ کسی اور مرد سے ہو۔ پھر اس نے ابوسفیانؓ سے نکاح کر لیا جس سے معاویہ رضی اللہ عنہما نے جنم لیا۔ ❷ ہند رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی۔ ❸

❶ ایضا، ص: ۲۰۶، فرسان من عصر النبوۃ، ص: ۸۵۳.

❷ التبیین فی انساب القرشیین، ص: ۲۱۹ ❸ ایضا، ص: ۲۱۹

۴۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی اور بہنیں:

ا۔ یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما

انہیں یزید الخیر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی نرینہ اولاد میں سے سب سے افضل تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوا۔ غزوہ حنین میں شریک ہوا۔ اس غزوہ سے ہاتھ آنے والے مال غنیمت میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی دی۔ [1] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے اس اولین لشکر کا کمانڈر مقرر فرمایا جسے شام بھیجا گیا تھا۔ اس منصب پر ان کی تقرری کا مقصد دمشق فتح کرنا اور پھر بوقت ضرورت علاقہ میں موجود دوسرے اسلامی لشکروں کی مدد کرنا تھا۔ آغاز کار میں یزید کا یہ لشکر تین ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ لشکر کو روانہ کرنے سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں بڑی موثر اور عالی شان وصیت کی جو صلح و جنگ میں اسلام کے واضح اور سنہرے احکامات پر مشتمل تھی۔ خلیفہ اسلام رضی اللہ عنہ نے پیدل چل کر اس لشکر کو الوداع کہا۔ آپ نے اس لشکر کو یہ وصیت فرمائی: میں نے تجھے آزمانے اور پختہ کار بنانے کے لیے اس لشکر کی سربراہی دی ہے، اگر تو نے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا تو تو نہ صرف یہ کہ اس منصب پر فائز رہے گا بلکہ تجھے مزید ترقی دی جائے گی اور اگر تیری کارکردگی غیر تسلی بخش رہی تو پھر تجھے معزول کر دیا جائے گا۔ اللہ سے تقویٰ اختیار کرنا، اس لیے کہ وہ تیرے اندرون کو بھی اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح تیرے بیرون کو دیکھتا ہے۔ زمانہ جاہلیت کے تعصب سے احتراز برتنا اس لیے کہ اللہ اس سے بھی نفرت کرتا ہے اور ایسا تعصب رکھنے والوں سے بھی۔ جب تو اپنے لشکر میں جائے تو ان کے ساتھ اچھی رفاقت رکھنا۔ ان سے خیر پر مبنی برتاؤ کرنا اور اس کا ان سے وعدہ کرنا۔ انہیں مختصر انداز میں نصیحت کرنا اس لیے کہ زیادہ باتیں ایک دوسری کو بھلا دیتی ہیں۔ اپنی اصلاح کرتے رہنا، اگر تم ایسا کرو گے تو وہ اپنی اصلاح خود کر لیں گے۔ تمام نمازیں مکمل رکوع و سجود کے ساتھ بروقت ادا کرنا اور انہیں خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرنا۔ جب تمہارے پاس دشمن کے قاصد آئیں تو ان کی مناسب عزت کرنا اور انہیں اپنے پاس بہت کم عرصہ کے لیے ٹھہرانا تاکہ واپس جانے سے پہلے تمہارے لشکر سے آگاہ نہ ہو سکیں اور انہیں اپنے خفیہ امور سے مطلع نہ کرنا تاکہ وہ تمہارے نقائص و عیوب سے باخبر نہ ہو سکیں۔ انہیں اپنے لشکر کے پاس ٹھہرانا تاکہ وہ تمہاری حربی قوت کا براہ راست مشاہدہ کر سکیں۔ ان کے ساتھ دوسروں کو گفتگو کرنے کا موقع نہ دینا اور یہ فریضہ خود سر انجام دینا۔ اپنے باطن کو اپنے ظاہر کی طرح نہ رکھنا، جب باہم مشورہ کرنا تو سچائی کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑنا اس طرح مشورہ صائب اور نتیجہ خیز رہے گا اور تمام مشکلات پر قابو پایا جا سکے گا۔ بکثرت پہرے دار رکھنا اور انہیں سارے لشکر میں پھیلا دیا کرنا۔ رات کو اپنے رفقاء کے ضروری معاملات کے بارے بات چیت کیا کرنا اس طرح حالات و واقعات سے آگاہی حاصل ہوگی اور اندر کی کئی باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ پہرے داروں کو اچانک چیک کیا کرنا، کسی کو حفاظتی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب پاؤ تو اسے اچھے انداز سے سمجھانا اور مناسب سزا بھی دینا۔ لشکریوں کو رات کی ذمہ داریاں باری باری تفویض

[1] التبیین فی انساب القرشیین، ص: ۲۰۴

کرنا اور آغاز شب کی ذمہ داری کا دورانیہ آخر شب کی ذمہ داری سے کم رکھنا، ان سے کبھی غافل نہ ہونا اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنا اگر ایسا نہیں کرو گے تو ان میں بگاڑ پیدا کر دو گے۔ ان کی جاسوسی مت کرنا اگر ایسا کرو گے تو انہیں رسوا کر دو گے۔ ان کے اندرونی معاملات سے ہٹ کر صرف ان کے ظاہر پر ہی اکتفا کرنا۔ فضول لوگوں کی مجالس سے اجتناب کرنا سچے اور باوفا لوگوں کے ساتھ ہی میل جول رکھنا اور انھیں مخلصانہ بنانا۔ بزدلی نہ دکھانا اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے ماتحت لوگ یقیناً بزدلی کا مظاہرہ کریں گے۔ بددیانتی سے اجتناب کرنا یہ چیز فقر و فاقہ کو قریب کرتی اور نصرت الٰہی کا راستہ روک دیتی ہے۔ تمہیں ایسے لوگ بھی ملیں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گرجا گھروں میں بند کر رکھا ہوگا ان سے کوئی تعرض نہ کرنا۔ ابن الاثیر فرماتے ہیں: ''یہ بااختیار لوگوں کے لیے بڑی عمدہ اور انتہائی نفع بخش وصیت ہے۔'' [1]

اس وصیت کے بعض فوائد:

- مناصب اور عہدوں پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے اور نہ ہی یہ کسی کا استحقاق ہے بلکہ یہ صلاحیتوں، مخلصانہ کاوشوں اور ان میں کامیابیوں کے مرہون منت ہیں۔ اعلیٰ عہدوں پر فائز اور بااختیار لوگوں کے فرائض میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اگر ان کے ماتحت لوگ سستی و کاہلی اور بدعملی کا مظاہرہ کریں تو وہ انہیں معزول کر دیں۔ اگر جواب دہی کا یہ تصور اجاگر ہو جائے تو وہ لوگ مقاصد کے حصول کے لیے اپنی کاوشوں کو کئی گنا بڑھا دیں گے۔ لیکن اگر انہیں بہر صورت ان کے عہدوں کے تحفظ کی ضمانت دے دی جائے گی تو وہ فرائض کی ادائیگی میں سستی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں اور ذاتی مفادات کے حصول میں مصروف ہو سکتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں خلل ڈالے گا اور اپنے ماتحتوں کے بگاڑ، تنازعات اور بدامنی جیسے رویوں کو جنم دے گا۔
- خوف الٰہی کامیابیوں کے حصول کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ظاہر اور باطنی جملہ امور سے بخوبی آگاہ ہے۔ جب لوگ دل سے تقوی اختیار کریں گے تو وہ اپنے ظاہری معاملات میں بطریق اولی ایسا کریں گے۔ اسی طرح بااختیار اور ذمہ دار عہدے دار بگاڑ اور بگاڑ پیدا کرنے والے تمام مظاہر سے اجتناب کریں گے۔
- آباء و اجداد اور قوم و قبیلہ کے لیے متعصب ہونا انسان کو صراط مستقیم سے انحراف کرنے پر آمادہ کر سکتا ہے۔ نیز اس سے اس واحد اسلامی رابطہ سے نسبت کمزور پڑ سکتی ہے جو اسلامی اخوت و مودت سے عبارت ہے۔
- پند و نصیحت میں اختصار سے کام لینا اس لیے کہ طویل گفتگو ذہن میں محفوظ نہیں رہتی جس کے نتیجہ میں وہ غیر موثر ہو کر رہ جاتی ہے۔ طویل گفتگو سے اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اگر متکلم فصیح اللسان ہو تو سامعین اس کی خوش کلامی کے سحر میں ڈوب کر رہ جاتے ہیں اور اگر وہ اس وصف سے عاری ہے تو پھر سامعین اکتا جائیں گے اور جو کچھ وہ کہنا چاہتا ہے اسے ذہنوں میں محفوظ نہیں رکھ سکیں گے۔

---

[1] الکامل لابن الاثیر: ۲/ ۶۴، ۶۵.

- جب ذمہ دار آفیسر اپنے آپ کی اصلاح کرتے ہوئے اپنے نقائص وعیوب کو دور کر لے اور اپنی ذات کو نمونہ بنا لے تو اس کا ایسا طرز عمل اس کے ماتحت لوگوں کی اصلاح کا موثر ترین ذریعہ ثابت ہوگا۔
- ظاہری و باطنی ہر دو اعتبار سے اقامت صلاۃ کا اہتمام کرنا، یعنی اپنے اقوال و افعال میں کمال پیدا کرنا، نماز میں خشوع وخضوع اختیار کرنا اور دلی طور سے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا، رب کائنات کی بندگی کا وہ بہترین انداز ہے جس کے ذریعے سے اللہ کی زمین پر اللہ کے ذکر کو عام کیا جا سکتا اور انسانی رویوں میں نکھار پیدا کیا جا سکتا ہے اور دلوں کو تقویت دی جا سکتی ہے، اس قسم کی مخلصانہ عبادت سے بندوں کے نفوس میں مسرتیں پیدا ہوتی ہیں اور غم وفکر کے وقت بندہ مسلم کو جائے پناہ میسر آتی ہے۔
- دشمن کے سفراء اور قاصدین کا احترام دعوت الی اللہ کے احترام کے زمرے میں آتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جب وہ مسلمانوں کے ان اخلاق عالیہ سے آگاہ ہوں گے جن سے وہ آراستہ ہیں۔ مگر یہ احترام واکرام اس حد تک نہیں بڑھنا چاہیے جس سے وہ سپاہ اسلام اور عام مسلمانوں کے اندرونی معاملات تک رسائی حاصل کر سکتے ہوں۔ اس دوران انہیں اسلامی لشکر کی شان وشوکت اور عسکری قوت کا مشاہدہ کروانا چاہیے تاکہ وہ اس سے اپنی قوم وحکومت کو آگاہ کر سکیں۔ [1]
- قومی رازوں جیسی مقدس امانت کی حفاظت کرنا اور اس حوالے سے کسی سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ دانا شخص مخفی امور سے آگاہ ہونے کی بھرپور صلاحیت سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ قومی راز متعلقہ لوگوں کے ضمیر میں محبوس رہنے چاہئیں۔ ان کے افشاء کی صورت میں معاملات ہاتھ سے نکل جاتے ہیں اور قوم سے فیصلہ کرنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے۔
- ٹھوس مشورہ اس کے نتائج سے زیادہ اہم ہوا کرتا ہے، اس لیے کہ جس شخص سے مشورہ کیا جائے اگرچہ وہ بڑا بیدار مغز اور صائب الرائے ہی کیوں نہ ہو وہ مشورہ لینے والے کو اس وقت تک کوئی فائدہ پہنچانے کی پوزیشن میں نہیں ہوگا جب تک زیر نظر مسئلہ اس پر پوری طرح عیاں نہ کیا جائے۔ جب اس کے قضیہ کی بعض تفصیلات کو مخفی رکھا جائے گا تو ایسا کرنے والا اپنے خلاف جرم کا خود ارتکاب کرے گا اس لیے کہ اس قسم کی صورت حال میں دیا گیا مشورہ ضرر رساں بھی ثابت ہو سکتا ہے۔
- ہر عسکری کمانڈر اور سول قائد کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے ماتحت مختلف طبقات کے لوگوں کے ساتھ روابط میں رہے تاکہ وہ ان کے مسائل و معاملات سے گہری واقفیت حاصل کر سکے اس طرح اسے ان کی مشکلات کو سمجھنے اور انہیں حل کرنے میں بڑی مدد ملے گی، جس بااختیار اور ذمہ دار شخص کو چند مخصوص لوگوں سے میل جول رکھنے اور دوسروں سے الگ تھلگ رہنے کی عادت ہوتی ہے اس تک ان چند گنے چنے لوگوں کی فراہم کردہ معلومات ہی پہنچ پائیں گی اور اس طرح وہ معاملات کی پوری تفصیل سے محروم رہے گا جس کا نتیجہ ان

[1] التاريخ الاسلامي: ٩/ ١٩٤

کے غیر مناسب حل کی صورت میں سامنے آئے گا۔

◈ مسلمانوں کی حفاظت کا پورا پورا اہتمام کرنا خصوصاً جب انہیں خطرات کا سامنا ہو۔ اس حفاظتی نظام کو بہتر اور مربوط بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ذمہ دار لوگوں کی وقتاً فوقتاً جانچ پڑتال کی جائے، ان کی سخت نگرانی کی جائے اور ان پر مکمل اعتماد نہ کیا جائے تاکہ وہ کسی ایسی کوتاہی کا ارتکاب نہ کریں جس کی وجہ سے مسلمانوں کو کوئی نقصان اٹھانا پڑے۔

◈ ذمہ دار حضرات کے لیے ضروری ہے کہ وہ جرائم کے مرتکبین کو سزا دیتے وقت حد سے تجاوز نہ کریں اور اس کے لیے اعتدال کی راہ اپنائیں۔ اگر سزا کے مستحقین کو سزا دینے میں سستی کا مظاہرہ کیا جائے گا تو حکام کا یہ رویہ انہیں قانون شکنی پر دلیر بنا دے گا اور ان کی دیکھا دیکھی کئی دوسرے لوگ بھی ارتکاب جرائم کے لیے کمربستہ ہو جائیں گے جس کے نتیجہ میں بدامنی کا دور دورہ ہوگا اور معاملات ہاتھ سے نکل جائیں گے۔

◈ دوسری طرف کسی کو اس کے گناہ کی سزا دیتے وقت ناروا سختی سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔ یہ روش اختیار کرنے سے رعیت متنفر ہوگی اور لوگ ناراض ہو کر جتھہ بندی پر اتر آئیں گے۔ سزا ہمیشہ حکمت کے ساتھ اور اعتدال کے دائرہ میں رہ کر دی جائے اور وہ بھی معاملے کا ہر پہلو سے جائزہ لینے کے بعد، تاکہ سزا کا تربیتی مقصد بھی پورا ہو جائے اور تنقید و تنقیص اور ناراضی سے بھی بچا جا سکے۔ [1]

◈ مسئول اور ذمہ دار شخص کو اپنے دائرہ عمل میں وقوع پذیر ہونے والے حالات و واقعات کے بارے میں مکمل طور سے آگاہ رہنا چاہیے اور ان سے نمٹنے کے لیے چوکنا اور خبردار بھی، تاکہ افراد رعیت کو یہ احساس ہو کہ ان کے مسائل کو اہمیت دی جاتی ہے اور انہیں حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس سے اچھے لوگوں کی اچھائی میں مزید اضافہ ہوگا اور غلط کار لوگوں کی حوصلہ شکنی ہوگی۔ مگر اس کی بنیاد ان کی جاسوسی پر نہیں رکھنا چاہیے اس لیے کہ لوگ اسے اپنی توہین پر محمول کریں گے نیز اس سے تعلقات کی وہ ڈوری بھی منقطع ہو سکتی ہے جو راعی کو اس کی رعیت کے ساتھ مربوط رکھتی ہے۔ جب تک یہ ڈوری قائم رہے گی لوگوں کو مخالفانہ روش اختیار کرنے سے باز رکھے گی اور یہ وہ روش ہے جس سے معاشرتی زندگی اجیرن ہوتی اور امن عامہ کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اگر یہ ڈوری ٹوٹ جائے اور لوگوں میں تقویٰ بھی کارفرما نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اہم ترین رکاوٹیں بھی ختم ہو گئیں جو لوگوں کو شہوات کے پیچھے بے باکانہ انداز میں دوڑانے کی راہ میں حائل رہا کرتی ہیں اور جب یہ صورت حال پیدا ہو جائے تو حالات کو صحیح ڈگر پر لانا مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے کہ ایسے حالات میں بے رحم قوت کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے جس کے نتائج ہمیشہ تباہ کن ہوا کرتے ہیں۔

ذمہ دار شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہل صدق و وفا اور دانا و بینا لوگوں کے ساتھ میل جول رکھا کرے اور ان سے تنقید و توجیہ پر مبنی ایسی باتیں بھی سنا کرے جنہیں عام طور سے پسند نہیں کیا جاتا۔ اس سے اس کا بھی فائدہ ہوگا

[1] التاریخ الاسلامی: ۹/ ۱۹۵.

اوراس کے ماتحت لوگوں کا بھی۔ دوسری طرف اسے لہو ولعب کے رسیا اور دنیوی اہداف و مقاصد رکھنے والوں کی ہم نشینی سے احتراز کرنا چاہیے۔ ان کی خوش گفتاری اور مدح سرائی میں دل آویزی کا سامان تو ہوسکتا ہے مگر وہ سنجیدہ اوراہم امور کے بارے میں سوچ و بچار کے راستے میں حائل ہو جائیں گے۔ پھر جب اس کی آنکھیں کھلیں گی تو کئی آفتیں اس کے اوراس کے ماتحت لوگوں کے سر کچل رہی ہوں گی اور بہت سا پانی پلوں کے نیچے سے گزر چکا ہوگا۔

دشمن سے ٹکراؤ کی صورت میں قائد لشکر کو شجاعت و دلیری کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور بزدلی و پست ہمتی جیسی کسی چیز کو قریب بھی نہیں پھٹکنے دینا چاہیے، اس لیے کہ قائد کی بزدلی لشکر میں بھی سرایت کر جائے گی جس کی وجہ سے سبھی کو ناکامی اور ہزیمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ قائد و مسئول کو میدان جنگ کے علاوہ بھی ہر موقع پر حالات و واقعات کا بہادری کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اس لیے کہ اس کی کمزوری کے اثرات اس کے ادارہ میں کام کرنے والے لوگوں پر پڑیں گے، اس سے ان کی کارکردگی متاثر ہوگی اور پیداوار میں کمی واقع ہو جائے گی۔

کمانڈر کو غلول سے اجتناب کرنا چاہیے۔ غلول سے مراد ہے: مال غنیمت کو تقسیم کرنے سے قبل اس میں سے کچھ مال پر قبضہ جمالینا، اس کا تعلق میدان جنگ کے ساتھ ہے۔ جبکہ اسے صلح کے میدانوں میں بھی دنیوی مفادات کے حصول سے اجتناب کرنا چاہیے۔ جن کے بارے میں اسے معلوم ہو کہ یہ شرعاً اس کے لیے جائز نہیں ہیں۔ مثلاً ایسے تحائف وصول کرنا جن سے مقصود ناجائز مفادات کا حصول ہو۔ اس لیے کہ یہ چیزیں بھی غلول کے ضمن میں آتی ہیں اور جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہوا ہے غلول فقر و فاقہ کے قریب کرتا ہے اور نصرت باری تعالیٰ کا راستہ روک دیتا ہے۔

مذکورہ بالا نکات سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وصیت کی عظمت کی عکاسی کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے کمانڈر کو اسے محاذ جنگ پر بھیجتے ہوئے فرمائی تھی۔ اس گرانقدر وصیت سے یہ حقیقت بھی نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے مسائل اوران کی مشکلات کا بڑی شدت کے ساتھ احساس تھا اور وہ ان امور سے بخوبی آگاہ تھے جن سے ان کے کمانڈروں کو واسطہ پڑ سکتا تھا، لہٰذا ان کی پوری کوشش ہوتی کہ انہیں ہر وہ مدد فراہم کی جائے جس سے وہ ان مشکلات کے وقوع پذیر ہونے سے محفوظ رہیں اور ان کے وقوع پذیر ہونے کی صورت میں ان کے ازالہ کے قابل ہوسکیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ اور اس جیسی دیگر وصیتیں ان کی طرف سے متعدد مواقع پر اختیار کردہ مواقف میں خوبصورت اور جدید اضافہ ہیں۔ [1]

بیان کردہ روایت میں واضح ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یزید (بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ) کو جنگ کے حوالے سے وصیت کرتے وقت بھی انسانی پہلوؤں کو نظر انداز نہیں فرمایا۔ آپ نے انہیں دس نکات پر مشتمل جنگی قوانین اپنانے کی وصیت فرمائی جو کہ اسلامی تہذیب کے انسانی پہلو اور رحمت و شفقت سے معمور اس کی روح کے عکاس ہیں۔ یہ وصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے: ''لوگو! میں تمہیں دس چیزوں کی وصیت کرتا ہوں انہیں اچھی

[1] التاریخ الاسلامی: ۹/ ۱۹۶.

طرح یاد کرلو۔ خیانت نہ کرنا، غلول نہ کرنا، فساد نہ مچانا، لاشوں کا مثلہ نہ کرنا، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، پھل دار درخت نہ کاٹنا، بکریوں اور اونٹوں کو ذبح نہ کرنا، الا یہ کہ انہیں کھانا مقصود ہو، گرجا گھروں میں بند لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا، اللہ کے کام پر روانہ ہو جاؤ۔ ❶

یزید بن ابوسفیان نے اس وصیت سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں شام فتح ہوا تو انہوں نے یزید کو فلسطین اور اس کے گرد ونواح کا والی مقرر کیا۔ ان کی موت ۱۸ھ میں طاعون عمواس کے دوران واقع ہوئی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ۱۹ھ میں فتح قیساریہ کے بعد فوت ہوئے۔ یہ بھی مروی ہے کہ وہ فتح قیساریہ سے قبل ہی رحلت فرما گئے تھے اور اسے معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ ❷

ابواسماعیل محمد بن عبداللہ بصری فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یزید بن ابوسفیان کی موت پر بڑا صدمہ ہوا اور انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی ولایت سنبھالنے کے لیے خط لکھا۔ ❸

۲۔ عتبہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما

ابوالولید عتبہ بن ابوسفیان کی پیدائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں طائف کا والی مقرر فرمایا تھا۔ عمرو بن العاص کی وفات پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں مصر کا والی مقرر کیا۔ بیان کیا جاتا تھا کہ مکہ کی امارت کے ایام میں ایک بادیہ نشین خلیفہ کہہ کر ان سے مخاطب ہوا تو انہوں نے کہا: میں تو اس کا اہل نہیں ہوں۔ پھر وہ ان سے بھائی کہہ کر مخاطب ہوا، تو انہوں نے کہا: تو نے اپنی بات سنالی، کچھ اور کہنا چاہے گا؟ اس نے کہا: بنو عامر کا شیخ تمہارا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے، اس کے تمہارے ساتھ چچاؤں اور خالووں والے مراسم ہیں۔ وہ تمہارے سامنے کثرت عیال، قلت مال، زمانے کی سختی، فقر و فاقہ کی شدت اور نقصانات کی شکایت کرتا ہے، اس لیے کہ تمہارے پاس وہ کچھ موجود ہے جو اس کی ضروریات پوری کر سکتا ہے اور اس کی مشکلات کا ازالہ کر سکتا ہے۔ ❹ عتبہ نے جواب دیا: ہم نے تجھے بے نیاز کرنے کا حکم دے دیا ہے کاش! ہم اپنی اس تاخیر کا ازالہ کر سکیں۔ ❺

عتبہ بڑے قادر الکلام اور فصیح البیان خطیب تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بنوامیہ میں ان سے بڑھ کر کوئی خطیب نہیں ہوا۔ ❻

عتبہ ایک سال تک مصر کے والی رہے، پھر مصر میں ہی ان کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ یہ ۴۳ھ یا ۴۴ھ کی بات ہے۔

۳۔ عنبسہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما

ان کی کنیت ابوعثمان تھی۔ ابوامامہ سے مروی ہے کہ جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو وہ گھبرا گئے اور انہیں شدید قسم کی پریشانی لاحق ہوگئی۔ جب لوگ ان کی بیمار پرسی کے لیے آئے تو وہ رونے لگ گئے۔ انہوں نے پوچھا:

❶ صور من تسامح الحضارة الاسلامية مع غير المسلمين، ص: ٦٢، تاريخ طبرى: ٣/ ٢٢٧.

❷ التبيين في انساب القرشيين، ص: ٢٠٥.

❸ ايضًا، ص: ٢٠٧، قادة فتح شام و مصر، ص: ٩٩. ❸ ايضًا، ص: ٢٠٧، قادة فتح شام و مصر، ص: ٩٩.

❹ التبيين في انساب القرشيين، ص: ٢٠٨ ❺ التبيين في انساب القرشيين، ص: ٢٠٨

آپ روتے کیوں ہیں؟ تمہیں کس چیز نے غمناک کیا ہے؟ آپ اسلام میں عمدہ عادات و اطوار اور اچھی سیرت و کردار کی حالت میں رہے ہیں۔ یہ سن کر وہ مزید غمناک ہو گئے اور پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ رونے لگے، اور پھر گویا ہوئے: میں کیوں نہ روؤں اور میرے غم میں شدت کیوں نہ آئے، مجھے نہیں معلوم کہ کل مجھے کس قسم کے حالات کا سامنا ہوگا۔ میں نے اپنے آگے کوئی ایسا عمل بھی نہیں بھیجا جس پر میں اعتماد کر سکوں۔ ❶

۴۔ ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہما

ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں، آپ نام سے زیادہ کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ ان کی والدہ کا نام صفیہ بنت ابوالعاص بن امیہ ہے۔ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ولادت سترہ سال قبل از نبوت ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان کی شادی عبیداللہ بن جحش سے ہوئی تھی۔ قریش کے مظالم سے تنگ آ کر یہ دونوں حبشہ کو ہجرت کر گئے وہیں ان کے ہاں حبیبہ کی پیدائش ہوئی اور اسی بیٹی کے نام پر ان کی کنیت ام حبیبہ قرار پائی۔ قیام حبشہ کے دوران ان کا خاوند مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہیں فوت ہو گیا۔ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس حالت میں بھی اسلام پر سختی کے ساتھ قائم رہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں عبیداللہ کے بدلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا شوہر عطا فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نکاح حبشہ کے حکمران نجاشی نے پڑھایا۔ ام حبیبہ نسب کے اعتبار سے دیگر تمام ازواج مطہرات کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مہر بھی انہوں نے پایا۔ ❷

امام ذہبی سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں رقمطراز ہیں: ان کا شمار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں کی بیٹیوں میں ہوتا ہے۔ ازواج مطہرات میں سے نسبی اعتبار سے کوئی بھی دوسری خاتون آپ کے قریب نہیں تھی اور نہ کسی دوسری زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے زیادہ مہر ادا کیا گیا۔ نکاح کے وقت وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت دور سرزمین حبشہ میں تھیں۔ شاہ حبشہ نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انہیں چار صد دینار مہر کے طور پر ادا کیے اور انہیں بہ طور ہدیہ اپنی طرف سے کئی اشیاء دیں۔ ❸ کتب حدیث اور کتب سیر میں ان کے بعض مناقب بھی وارد ہوئے ہیں جو ان کی عظمت، شان اور بلند تر مقام و مرتبہ پر دلالت کرتے ہیں، ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

۱: انہوں نے فی سبیل اللہ دو دفعہ ہجرت کی، پہلی دفعہ مشرکین مکہ سے اپنا دین بچانے کے لیے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ منورہ کی طرف۔ امام حاکم اپنی سند سے ان کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے خواب میں اپنے خاوند عبیداللہ بن جحش کو بڑی بری حالت میں دیکھا جس سے میں بہت زیادہ پریشان ہوئی اور کہنے لگی: واللہ! اس کی تو حالت ہی بدل گئی ہے۔ پھر جب صبح ہوئی تو وہ کہنے لگا: ام حبیبہ! میں نے تمام ادیان دیکھ لیے، مجھے تو نصرانیت سے بہتر کوئی دین نظر نہیں آیا۔ میں پہلے اسی دین کا پیروکار تھا، پھر میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اختیار

---

❶ التبیین فی انساب القرشیین، ص: ۲۰۸.

❷ طبقات ابن سعد (۸/ ۹۶-۱۰۰)، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۴۹. ❸ سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۱۹.

کر لیا، اب میں دوبارہ نصرانیت اختیار کر رہا ہوں۔ میں نے کہا: واللہ! یہ تیرے لیے بہتر نہیں ہے اور پھر میں نے اسے اپنے خواب کے بارے میں آگاہ کیا۔ مگر اس نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ وہ بکثرت شراب نوشی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے موت نے آلیا۔ پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے کوئی ام المومنین کہہ کر پکار رہا ہے، میں یہ سن کر پریشان سی ہوگئی اور اس خواب کی یہ تعبیر کی کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے شادی کریں گے۔ ابھی میں عدت کے ایام گزار کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ نجاشی کی لونڈی میرے پاس آ کر کہنے لگی: آپ کے نام بادشاہ کا پیغام ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے خط لکھا ہے کہ میں تمہارا نکاح ان کے ساتھ کرا دوں، آپ کو مبارک ہو۔ بادشاہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ آپ کسی آدمی کو اپنا وکیل مقرر کر دیں جو آپ ﷺ سے تمہارا نکاح کرا دے۔ میں نے خالد بن سعید بن العاص کو پیغام بھیج کر انہیں اپنا وکیل مقرر کر دیا۔ [1]

اس روایت سے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بڑی فضیلت ومنقبت ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ آپ ہجرت حبشہ سے مشرف ہوئیں اور نامساعد حالات میں بھی اسلام اور ہجرت پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ [2]

ب: ان کے فضائل ومناقب میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ان کے باپ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ آنے پر جب نبی کریم ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو انہوں نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور یہ اس لیے کہ اس وقت وہ مسلمان نہ ہوئے تھے۔ انہوں نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ [3] محمد بن مسلم زہری سے مروی ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آیا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ان دنوں آپ غزوہ مکہ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اس نے آپ ﷺ سے صلح حدیبیہ کی مدت میں اضافہ کرنے کی درخواست کی مگر آپ نے اسے مسترد فرما دیا، پھر وہ یہاں سے اٹھا اور اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچا۔ جب اس نے نبی کریم ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو انہوں نے آپ ﷺ کا بستر لپیٹ دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہنے لگا: بیٹی! تو نے یہ قدم میرے احترام میں اٹھایا یا بستر کے احترام میں؟ انہوں نے جواب دیا: یہ رسول اکرم ﷺ کا بستر ہے اور تم مشرک و پلید ہو۔ یہ سن کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہنے لگا: بیٹی! میرے بغیر تجھے برائی نے آلیا ہے۔ [4]

ج: ابن سعد اور حاکم، عوف بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا وہ فرما رہی تھیں: نبی مکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے موت کے وقت مجھے اپنے پاس بلایا اور پھر کہنے لگیں: ہوسکتا ہے کہ ہمارے درمیان سوتنوں جیسی کوئی بات ہوگئی ہو، اگر ایسا کچھ ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے بھی معاف فرمائے اور آپ کو بھی۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہاری اس قسم کی تمام باتیں معاف فرمائے۔ اس پر وہ کہنے

[1] المستدرك، كتاب معرفة الصحابة: ٤/ ٢٠، ٢١.
[2] العقيده في اهل البيت، ص: ١١٣.
[3] العقيده في اهل البيت، ص: ١١٣.
[4] سير اعلام النبلاء: ٢/ ٢٢٣، الطبقات الكبرى: ٨/ ٩٩، ١٠٠.

لگیں: تم نے مجھے خوش کیا اللہ تمہیں خوش فرمائے۔ پھر انہوں نے ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیج کر انہیں بلایا اور پھر ان سے بھی یہی درخواست کی۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ۴۴ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ایام میں وفات پائی۔ [1]

۵۔ ام الحکم بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا

ابوسفیانؓ کی یہ بیٹی ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ (الممتحنۃ: ۱۰) ''اور کافر عورتوں کی عصمتیں روک کر نہ رکھو۔'' کے نزول کے وقت عیاض بن غنم فہری کے نکاح میں تھیں، اس نے اسی وقت اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور پھر عبداللہ بن عثمان ثقفی سے نکاح کر لیا۔ [2]

۶۔ عزہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا

ابن شہاب نے رضاعت کے بارے میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ان سے مروی صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو میری بہن میں کوئی دلچسپی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: میں اسے کیا کروں گا؟ انہوں نے کہا: آپ اس سے نکاح کر لیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتی ہو؟ انہوں نے جواب دیا: میں آپ کے گھر میں اکیلی تو نہیں ہوں، میں چاہتی ہوں کہ اس خیر میں میری بہن بھی شراکت دار بنے۔ [3] یہ سن کر آپ نے صراحتاً فرمایا کہ وہ میرے لیے حلال نہیں ہے، [4] اس لیے کہ اسلام میں بیک وقت دو بہنوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ [5]

نبی کریم نے جب ۶ھ میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اس وقت ان کی عمر تینتیس برس تھی۔ امام ذہبی فرماتے ہیں جب خالد بن سعید رضی اللہ عنہ انہیں حبشہ سے مدینہ منورہ لے کر آئے اس وقت ان کی عمر تیس سال سے کچھ زائد تھی، [6] اور ان کی وفات ۴۴ھ میں ہوئی۔ [7]

۷۔ امیمہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا

ابن قتیبہ نے مختصراً ذکر کیا ہے کہ اس نے ابوسفیان بن حویطب بن عبدالعزیٰ اور جویریہ کو جنم دیا۔ [8]

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۲۳.
[2] التبیین فی انساب القرشیین، ص: ۲۰۹.
[3] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۴۴۹.
[4] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۴۹۹.
[5] الدولۃ الامویۃ المفتری علیہا، ص: ۱۴۲.
[6] سیر اعلام النبلا: ۲/ ۲۲۰.
[7] سیر اعلام النبلا: ۲/ ۲۲۲.
[8] التبیین فی انساب القرشیین، ص: ۲۰۹.

۵۔ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کی بیویاں اور اولاد

ا۔ میسون بنت بحدل الکلبی:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس بیوی نے ان کے بیٹے یزید کو جنم دیا۔ اس نے ان کی ایک بیٹی کو بھی جنم دیا جس کا نام امۃ رب المشارق تھا اور جس کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ [1]

معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی اس بیوی کا بڑا احترام کرتے تھے مگر وہ اس دیہی چراگاہ کے لیے ہمیشہ بے چین رہتی جہاں اس نے بچپن گزارا تھا۔ وہ اپنے گھر والوں اور ان کی سادہ زندگی کو یاد کرتی، اسے محلات کی زندگی اور ان میں موجود غلاموں اور لونڈیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ایک دن جب اسے اپنے گاؤں، اس کی مٹی اور وہاں کے لوگوں کی شدت کے ساتھ یاد آئی تو وہ ٹھنڈی آہیں بھر کر رونے لگی۔ جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو وہ یہ اشعار پڑھنے لگی:

لبيت تخفق الأرواح فيه
أحبّ إليّ من قصر منيف
وبكر يتبع الأظعان سبقاً
أحبّ إليّ من بَغْلٍ زفوف
وكلب ينبح الطّراق عني
أحبّ إليّ من قطٍ أليف
ولبسُ عباءةٍ و تقرّ عيني
أحبّ إليّ من لبس الشفوف
وأكل كسيرة في كِسْر بيتي
أحبّ إليّ من أكل الرّغيف
وأصوات الرّياح بكل فج
أحبّ إليّ من نقر الدفوف
وخِرق من بني عمي نحيف
أحبّ إليّ من عِلج كليف
خشونة عيشي في البدو أشهى
إلى نفسي من العيش الطّريف

---

[1] تاریخ طبری: ١٦/ ٢٤٦، ٢٤٧.

فـمـا أبـغـي سـوى وطـني بديلاً
فحسبي ذاك مـن وطـن شـريف

جب معاویہ اس کے پاس آئے تو ان کی ایک لونڈی نے انہیں اس سے آگاہ کیا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے اسے یہ اشعار پڑھتے ہوئے خود سنا تو فرمانے لگے: بحدل کی بیٹی نے تو مجھے چارہ کھانے والا جنگلی گورخر بنا دیا ہے۔ اسے میری طرف سے طلاق ہے۔ اسے بتاؤ کہ محل میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب اسی کی ملکیت ہے۔ پھر آپ نے اسے گاؤں میں اس کے گھر والوں کے پاس بھیج دیا۔ وہ اپنے بیٹے یزید کو بھی اپنے ساتھ لے گئی۔ چونکہ وہ بادیہ میں پروان چڑھا تھا لہٰذا وہ بڑا فصیح اللسان تھا۔ ❶

بغدادی رحمہ اللہ نے خزانۃ الادب میں ذکر کیا ہے کہ ''جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے طلاق دی تو کہنے لگے: تو ہمارا ساتھ چھوڑ کر جا رہی ہے۔ اس نے جواب دیا: جب ہم ایک ساتھ تھے تو خوش نہیں تھے اور اب جب ہم جدا ہو رہے ہیں تو اس جدائی کا کوئی غم نہیں ہے۔'' ❷

۲۔ فاختہ بنت قرظہ

ان کی دوسری بیوی کا نام فاختہ بنت قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن مناف ہے۔ اس نے ان کے لیے عبدالرحمٰن اور عبداللہ کو جنم دیا۔ عبداللہ ذہنی اور جسمانی اعتبار سے کمزور تھا اور اس کی کنیت ابوالخیر تھی۔ جبکہ عبدالرحمٰن کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ ❸

۳۔ کنود بنت قرظہ

ان کی بیویوں میں کنود بنت قرظہ کا نام بھی آتا ہے۔ یہ فاختہ بنت قرظہ کی بہن تھی جس سے انہوں نے اسے طلاق دینے کے بعد شادی کی تھی۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص فتح کیا اس وقت یہ خاتون ان کے ساتھ تھی۔ ❹

۴۔ نائلہ بنت عمارۃ کلبیہ

معاویہ رضی اللہ عنہ نے نائلہ بنت عمارۃ کلبیہ کے ساتھ بھی شادی کی مگر اسے جلد ہی طلاق دے دی تھی۔ ❺

معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں:

۱۔ رملہ، اس سے عمرو بن عثمان بن عثمان رضی اللہ عنہ نے شادی کی۔ ❻

۲۔ ہند، اس سے عبداللہ بن عامر نے شادی کی۔ ❼

۳،۴،۵۔ عائشہ، عاتکہ اور صفیہ۔ ❽

❶ شاعرات العرب، ص: ۳۹۷-۳۹۶، نساء من عصر التابعين، احمد خليل، ص: ٤٣.
❷ خزانة الادب: ۳/ ۵۹۳، نساء من عصر التابعين، ص: ٤٣.
❸ تاريخ طبرى: ٦/ ١٤٧.
❹ البداية و النهاية: ١١/ ٤٦٢.
❺ البداية و النهاية: ١١/ ٤٦٣.
❻ البداية و النهاية: ١١/ ٤٦٣.
❼ البداية و النهاية: ١١/ ٤٦٤.
❽ دراسة فى تاريخ الخلفاء الامويين، ص: ١٢٩.

٦۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام اوران کے فضائل

معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر اپنے باپ اور بھائی یزید کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ ❶ مشہور روایت تو یہی ہے مگر ان سے ان کا یہ قول بھی مروی ہے کہ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر ۷ھ میں مسلمان ہوا مگر میں نے اسے اپنے باپ سے مخفی رکھا، جب انہیں کچھ دیر بعد اس کا علم ہوا تو وہ مجھ سے کہنے لگے: تمہارا بھائی یزید تم سے بہتر ہے جو اپنی قوم کے دین پر کاربند ہے۔ اس پر میں نے ان سے کہا: مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اس وقت میں آپ کی تصدیق کر چکا تھا۔ پھر جب آپ فتح مکہ کے موقع پر شہر میں داخل ہوئے تو میں نے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کر دیا پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے خوش آمدید کہا اور میں آپ کی خدمت میں رہ کر کتابت کرنے لگا۔ ❷ معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ حنین میں شریک ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مال غنیمت کے ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا دیا۔ ❸ علماء نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعدد فضائل کا ذکر کیا ہے، جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ قرآن مجید کے حوالہ سے:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ حنین میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (التوبة: ٢٦)

”پھر اللہ نے اپنی تسکین اپنے نبی اور مومنوں پر اتاری اور اپنے وہ لشکر بھیجے جو تم دیکھ نہیں رہے تھے، اور کافروں کو پوری پوری سزا دی، ان کفار کا یہی بدلہ تھا۔“

چونکہ آپ اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، لہٰذا آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے سکینت نازل کی۔ ❹ اسی طرح ان کا شمار ان لوگوں میں بھی ہوتا ہے جن کے ساتھ اس نے حسنیٰ کا وعدہ فرمایا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿...لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾

(الحديد: ١٠)

”تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ دیا ہے اور قتال کیا ہے وہ دوسروں کے برابر نہیں

---

❶ الاصابة: ٣/ ٤٣٣، التبيين فى انساب القرشيين، ص: ١٠٥.

❷ البداية و النهاية: ١١/ ٣٩٦.

❸ البداية و النهاية ١١/ ٣٩٦.

❹ الفتاوى: ٤/ ٤٥٨.

بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیے اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے آگاہ ہے۔"

ان سے الحسنیٰ کا وعدہ اس لیے ہے کہ انہوں نے غزوہ حنین و طائف میں شرکت کی اور باقاعدہ طور سے دشمنان اسلام سے جنگ لڑی۔ [1]

۲۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے:

ا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ دعا کی:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَ اهْدِ بِهِ)) [2]

"یا اللہ! انہیں ہدایت دہندہ اور ہدایت یافتہ بنا اور انہیں ذریعہ ہدایت بنا دے۔"

ان کے حق میں آپ کی ایک دوسری دعا کے الفاظ ہیں:

((اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَ الْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ)) [3]

"اے اللہ! معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو حساب و کتاب سکھا اور انہیں عذاب سے بچا۔"

ب: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے میں آپ کو دیکھ کر پردے کے پیچھے چھپ گیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: "جاؤ اور معاویہ کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔" میں نے انہیں واپس آ کر بتایا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا اَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَهٗ)) [4]

"اللہ اسے سیر شکم نہ کرے۔"

اس حدیث کے تحت امام نووی رقمطراز ہیں: امام مسلم کا اس حدیث کو اس باب [5] کے تحت ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بددعا کو متضمن نہیں ہے۔ بلکہ یہ ان کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے۔ [6] ابن عساکر مذکورہ بالا حدیث کے تحت لکھتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں وارد احادیث میں سے یہ صحیح ترین حدیث نبوی ہے۔ اس کے بعد مقام صحت ((اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ)) اور پھر ((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا)) [7] کا ہے۔ اسی حدیث کے تحت امام ذہبی فرماتے ہیں: کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب پر مشتمل ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] الفتاوی: ٤/ ٤٩٥.
[2] الشریعة: ٥/ ٢٤٣٧.
[3] موارد الظمآن، هيثمي، تحقيق حسين داراني: ٧/ ٢٤٩. اس کی سند حسن ہے۔
[4] صحيح مسلم، رقم الحديث: ٢٦٠٤.
[5] باب کا نام یہ ہے: من لعنه النبي ﷺ اوسبه اودعا عليه وليس هو اهلا.
[6] شرح صحيح مسلم از نووی: ١٦/ ١٦٥.
[7] تاريخ دمشق: ٦٢/ ٢٤.

نے فرمایا تھا:

''میرے اللہ! میں جس پر لعنت کروں یا اسے برا کہوں تو اسے اس کے حق میں پاکیزگی اور رحمت بنا دینا۔''[1]

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ایک فرقہ اس حدیث کو معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنے کے لیے ناجائز طور پر استعمال کرتا ہے، حالانکہ اس سے ان کے مذموم عزائم کو کوئی مدد نہیں ملتی۔ پھر آخر انہیں مطعون کرنے کا جواز بھی کیا ہے۔ وہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔''[2]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: ''اللہ اسے سیر شکم نہ کرے۔'' ایسا کلمہ ہے جسے عرب اس کے لغوی معنی میں استعمال نہیں کرتے۔ جیسا کہ یہ کلمات: قاتله الله و ما اكرمه، ويل امه و ابيه ما اجوده، و غيرهما......[3]

ج: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ محترمہ ام حرام بنت ملحان کہتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سو گئے۔ جب آپ نیند سے بیدار ہوئے تو مسکرا رہے تھے۔ میں نے مسکرانے کی وجہ پوچھی، تو آپ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا گیا وہ سمندر میں شاہی تختوں پر بیٹھے بادشاہوں کی طرح سفر کریں گے۔ میں نے کہا: دعا فرمائیں اللہ مجھے بھی ان لوگوں میں شامل فرما دے۔ آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی اور پھر دوبارہ سو گئے۔ آپ پھر دوبارہ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے تو ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے وہی پہلے والا سوال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہی جواب دیا، انہوں نے دوبارہ پہلے والی دعا کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا: تم پہلے والوں میں سے ہو۔ پھر وہ دن بھی آیا کہ ام حرام بنت ملحان اپنے شوہر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ سمندر کے جہادی سفر پر روانہ ہوئیں، معاویہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں جہاد کرنے کے لیے سمندری سفر پر روانہ ہونے والا یہ پہلا لشکر تھا۔[4] جب یہ لشکر واپس آنے کے لیے روانہ ہوا تو انہیں سواری پر سوار کیا گیا، سواری نے انہیں گرا دیا جس سے ان کی موت واقع ہوگئی۔[5]

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خواب کے ضمن میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے کچھ لوگوں کو سمندری جہادی سفر پر روانگی کے منظر کو دیکھ کر مسکرانا انہیں خراج تحسین پیش کرنے کے مترادف اور ان کے مقام و مرتبہ پر خوشی کا اظہار تھا۔[6]

د: ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے آپ کے یہ

---

[1] سير اعلام النبلاء: ١٤/ ١٣٠.
[2] السلسلة الصحيحة: ١/ ١٦٥.
[3] الناهية عن طعن امير المومنين معاوية، ص: ٦٩.
[4] یہ واقعہ شام پر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے ایام کا ہے، یہ ۲۷ھ کی بات ہے اور اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین تھے۔
[5] فتح الباری: ٦/ ٢٢.
[6] فتح الباری: ١١/ ٧٦.

الفاظ سماعت کیے: ''میری امت کا پہلا لشکر جو سمندری جہاد کے سفر پر روانہ ہوگا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔'' یہ سن کر میں نے دریافت کیا: کیا میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوں گی؟ آپ نے فرمایا: ''ان لوگوں میں تم بھی شامل ہو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ''میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر میں جہاد کرے گا اس کی مغفرت فرما دی گئی ہے۔'' (1) میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ان میں میرا بھی شمار ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں'' (2)

مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت بیان فرمائی گئی ہے، اس لیے کہ سب سے پہلے انہوں نے ہی سمندر میں جہادی سفر کیا تھا۔ (3) معاویہ رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے (4) بلکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مختلف قبائل کے زعماء کو خطوط بھی لکھا کرتے تھے۔ (5) کاتب وحی ہونے کے ناطے انہیں آنحضرت کا خصوصی قرب حاصل تھا۔ ان کے لیے کتابت وحی کے اعزاز کا یہ عرصہ فتح مکہ سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کو محیط ہے جس کا ضروری نتیجہ یہ نکلا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست استفادہ کا سنہری موقع ملا۔ (6)

۷۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنا

معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست روایت کرنے کا شرف عظیم بھی حاصل ہے جس کی وجہ فتح مکہ کے بعد ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلسل ہم نشینی ہے۔ یاد رہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ان کی عمر تقریباً اٹھارہ برس تھی۔ (7) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی سسرالی رشتہ داری نیز ان کے کاتب وحی ہونے کے اعزاز نے انہیں جو سنہری موقع فراہم کیا اس نے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست فیض یاب ہونے کا بھرپور موقع فراہم کیا اور انہوں نے آپ سے ایک سو تہتر روایات اخذ و نقل کیں۔ (8) ان میں سے چار بخاری و مسلم، چار بخاری اور پانچ مسلم نے روایت کی ہیں۔ (9) ان میں سے چند احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور ابن عامر کے پاس آئے، ان کے آنے پر ابن عامر تو کھڑے ہو گئے مگر ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایسا نہ کیا۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوا کریں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔'' (10)

---

(1) مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہے۔ ملاحظہ ہو: فتح الباری: ٦/ ١٢٠ .

(2) فتح الباری: ٦/ ٢٢ .

(3) فتح الباری: ٣/ ١٢٠ .

(4) البدایة و النهایة: ١١/ ٣٩٦ .

(5) الاصابة فی تمییز الصحابة: ٣/ ٤٣٤ .

(6) الدولة الاموية المفترى عليها، ص: ١٤٥ .

(7) الطبقات الكبرى: ٧/ ٤٠٦ . خلافة معاوية، د. عمر العقيلي، ص: ١٤ .

(8) اسماء الصحابة الرواة لابن حزم، ص: ٥٥ .

(9) سير اعلام النبلاء: ٣/ ١٦٢ .

(10) الموسوعة الحديثية، مسند امام احمد: ٢٨/ ٤٠ . اس کی سند صحیح ہے۔

۲۔ آپ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین میں سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔'' ❶

۳۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد میں قائم ایک حلقہ میں آئے اور ان سے پوچھا: تمہیں کس چیز نے بٹھا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم اللہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: کیا تمہیں واقعی اس چیز نے بٹھا رکھا ہے؟ انہوں نے اس کا جواب اثبات میں دیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے تم سے قسم، تم پر تہمت لگانے کے لیے نہیں لی، آنحضرت ﷺ سے جس قدر میں قریب تھا کوئی دوسرا نہیں تھا۔ مگر میں نے اس کے باوجود آپ ﷺ سے بہت کم روایات نقل کی ہیں، ایک دفعہ آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حلقہ میں تشریف لائے اور ان سے دریافت فرمایا: تمہیں کس چیز نے بٹھا رکھا ہے؟ انہوں نے بتایا: ہم ادھر بیٹھے اللہ کا ذکر کر رہے ہیں اور اس بات پر اس کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کا راستہ دکھایا اور آپ کی صورت میں ہم پر احسان فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم، کیا واقعی تمہیں اس چیز نے بٹھایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم ہمیں اسی چیز نے بٹھایا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے تم پر تہمت لگانے کے لیے تم سے قسم نہیں لی ہے۔ میرے پاس جبریل آئے اور انہوں نے مجھے خبر دی کہ اللہ تمہاری وجہ سے فرشتوں پر فخر کر رہا ہے۔ ❷

۴۔ معبد جہنی کہتے ہیں: اگرچہ معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بہت کم احادیث روایت کیا کرتے تھے مگر وہ حدیث ہر جگہ بیان کیا کرتے تھے: ''اللہ جس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ یقیناً یہ مال شیریں اور تر و تازہ ہے جو شخص اسے اس کے حق کے ساتھ لے گا اس کے لیے اس میں برکت پیدا کر دی جائے گی، ایک دوسرے کی مدح سرائی سے بچو یہ ذبح کرنے کے مترادف ہے۔'' ❸

۵۔ ان سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن مؤذنوں کی گردنیں سب لوگوں سے لمبی ہوں گی۔'' ❹

۶۔ آپ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: شراب نوشی کرنے والے کو کوڑے مارو، دوبارہ ایسا کرنے پر پھر کوڑے مارو، تیسری بار شراب نوشی کرے تو پھر کوڑے مارو اور چوتھی دفعہ یہی کام کرے تو اسے قتل کر دو۔''

۷۔ مجاہد اور عطاء ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ معاویہ نے انہیں خبر دی کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے قینچی سے اپنے بال کاٹے۔ ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: یہ حدیث ہمیں صرف معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے پہنچی ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا: معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ پر تہمت نہیں لگائی۔ ❺

---

❶ الموسوعة الحديثية، مسند امام احمد: ۲۸/ ۴۸. اس کی سند صحیح ہے۔

❷ مسند احمد: ۲۸/ ۵۰. اس کی سند صحیح ہے۔ ❸ مسند احمد: ۲۸/ ۵۲. اس کی سند صحیح ہے۔

❹ مسند احمد: ۲۸/ ۷۵. اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ ❺ مسند احمد: ۲۸/ ۶۱. اس کی سند صحیح ہے۔

۸۔ آپ نے مدینہ منورہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرمارہے تھے: ''یہ عاشورہ کا دن ہے، اس کا روزہ رکھنا ہم پر فرض نہیں ہے، اگر کوئی روزہ رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے، اور میں روزے سے ہوں۔'' اس پر لوگوں نے بھی روزہ رکھ لیا۔ ❶

۹۔ حکم بن نیساء سے مروی ہے کہ انہیں یزید بن جاریہ انصاری نے خبر دی کہ وہ انصار کی ایک جماعت میں بیٹھے تھے کہ ان کے پاس معاویہ رضی اللہ عنہ آئے اور ان سے ان کی گفتگو کے بارے دریافت کیا، انہوں نے کہا: ہم انصارِ مدینہ کے بارے گفتگو کر رہے تھے۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا: کیا میں تم لوگوں کو وہ حدیث نہ سناؤں جو میں نے آنحضرت ﷺ سے سماعت کی ہے؟ انہوں نے کہا: امیر المومنین! ضرور سنائیں۔ وہ گویا ہوئے: میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا، آپ فرمارہے تھے: ''جو شخص انصار سے محبت کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا اور جو انصار سے بغض رکھے گا اللہ اس سے بغض رکھے گا۔'' ❷

۱۰۔ ابو صالح معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص امام کے بغیر مرا وہ جاہلیت کی موت مرا۔'' ❸

۱۱۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں: میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے: میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ آپ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَ لَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَ لَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ.)) ❹

''یا اللہ! جو کچھ تو عنایت فرمائے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو کچھ تو روک دے وہ کوئی دے نہیں سکتا، اور دولت والے کو تیرے بالمقابل دولت کوئی کام نہیں دے سکتی۔''

۱۲۔ معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جس بندہ مومن کو اس کے جسم میں کوئی تکلیف پہنچے گی اللہ اس کے بدلے اس کے گناہ معاف فرمادے گا۔'' ❺

۱۳۔ معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''میری امت سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر غالب رہے گی، اس کے مخالفین اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا اور وہ لوگوں پر حاوی ہوں گے۔'' ❻

❶ مسند امام احمد ۲۸/ ۸۱. اس کی سند صحیح ہے۔
❷ مسند امام احمد ۲۸/ ۸۵. اس کی سند صحیح ہے۔
❸ مسند امام احمد ۲۸/ ۸۹، صحیح لغیرہ.
❹ مسند امام احمد ۲۸/ ۱۰۰. اس کی سند صحیح ہے۔
❺ مسند امام احمد ۲۸/ ۱۰۷. اس کی سند صحیح ہے۔
❻ مسند امام احمد ۲۸/ ۱۱٦. اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

۱۴۔ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اپنی نماز میں کچھ بھول جائے وہ بیٹھنے کی حالت میں دو سجدے کرے۔'' ❶

۱۵۔ انہی سے مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص مجھ پر عمداً جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔'' ❷

۱۶۔ انہی سے مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت سے ایک جماعت اللہ کے حکم سے ہمیشہ حق پر قائم رہے گی۔ انہیں بے یارو مددگار چھوڑنے والا یا ان کی مخالفت کرنے والا ان کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکے گا یہاں تک کہ اللہ کا امر آ جائے گا اور وہ اس وقت لوگوں پر حاوی ہوں گے۔'' یہ سن کر مالک بن یمار سکسکی کھڑا ہو کر کہنے لگا: امیر المومنین! میں نے معاذ بن جبل سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ ان سے مراد اہل شام ہیں۔ یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے کہا: مالک کا خیال ہے کہ اس نے معاذ بن جبل سے سنا کہ اس سے مراد اہل شام ہیں۔ ❸

۱۷۔ ایک دفعہ معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہے تھے کہ اس دوران آپ نے فرمایا: معاویہ! اگر تمہیں حکومت ملے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل وانصاف سے کام لینا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: اس کے بعد میں ہمیشہ یہ خدشہ محسوس کرتا رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے مجھے آزمائش میں ڈالا جائے گا، یہاں تک کہ ایسا ہو کر ہی رہا۔ ❹

۱۸۔ ابوعامر عبداللہ بن لحی سے مروی ہے کہ ہم نے معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ حج کیا۔ جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو وہ ظہر کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہود و نصاریٰ بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے جبکہ میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، یہ تمام فرقے جہنمی ہوں گے بجز ایک کے، اور وہ جماعت ہے، میری امت میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن میں نفسانی خواہشات اس طرح سرایت کر جائیں گی جس طرح سگ گزیدہ آدمی میں سرایت کر جاتا ہے، وہ اس کی ایک ایک رگ اور ایک ایک جوڑ کو متاثر کر جاتا ہے، اللہ کی قسم! اے گروہِ عرب! اگر تم اپنے نبی کی تعلیمات و ہدایات کو نہیں اپناؤ گے تو دوسرے بطریق اولیٰ انہیں اپنالیں گے۔ ❺

❶ مسند امام احمد ۲۸/ ۱۱۸ .
❷ مسند امام احمد ۲۸/ ۱۱۸ .
❸ مسند امام احمد ۲۸/ ۱۲۹ .
❹ مسند امام احمد ۲۸/ ۱۳۰ . اس کے راوی ثقہ ہیں۔
❺ مسند امام احمد ۲۸/ ۱۳۵ . اس کی سند حسن ہے۔

۸۔ معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق غیر صحیح اور باطل روایات

ا۔ غیر صحیح احادیث:

ابن عساکر نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ضمن میں ضعیف اور باطل روایات کی طویل فہرست پیش کی ہے ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں: [1]

ا: واثلۃ سے مرفوعاً مروی ہے کہ معاویہ اپنے حلم وحوصلہ اور میرے رب کے کلام کے امین ہونے کی وجہ سے نبی بنا کر اٹھائے جانے کے قابل ہیں۔ [2]

ب: ابوموسیٰ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوا۔ جب یہ سلسلہ رک گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ کو طلب کیا، جب انہوں نے آیۃ الکرسی کی کتابت کر لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاویہ اللہ تیری مغفرت فرمائے تو قیامت کے روز کس قدر میرے قریب ہوگا۔ [3]

ت: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جبریل امین سونے کی قلم لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ فرماتا ہے: میں یہ قلم عرش کے اوپر سے معاویہ کو تحفہ کے طور پر دے رہا ہوں، انھیں حکم دیں کہ وہ اس کے ساتھ آیۃ الکرسی لکھیں۔ اس پر زبر زیر ڈالیں اور نکتے لگائیں۔ [4]

ث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب آیۃ الکرسی اتری تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ کو طلب کیا مگر انہیں کتابت کے لیے قلم نہ ملا، اس پر اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو حکم دیا کہ وہ اپنی دوات سے قلم پکڑے، اس پر جبریل قلم لانے کے لیے اٹھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قلم اپنے کان سے پکڑو'' قلم کو دیکھا تو اس پر لکھا تھا: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' یہ رب کائنات کی طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے تحفہ ہے۔ [5]

ج: حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ روز قیامت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ انھوں نے نور ایمان کی چادر اوڑھ رکھی ہوگی۔'' [6]

ح: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ''میں قیامت کے روز معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو گم نہیں کر پاؤں گا، میں انہیں ستر سال تک دیکھ نہیں سکوں گا، اس کے بعد وہ کستوری کی اونٹنی پر بیٹھ کر آئیں گے۔ میں پوچھوں گا:

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۲۷، ۱۲۸.
[2] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۲۸. یہ حدیث موضوع ہے۔
[3] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۲۹. موضوع۔
[4] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۲۹. موضوع۔
[5] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۳۰. موضوع۔
[6] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۳۱. موضوع۔

تم کہاں کھو گئے تھے؟ وہ جواب دیں گے: میں عرش کے نیچے ایک باغ میں تھا۔''

غ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے: ''معاویہ رضی اللہ عنہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں، مجھ سے تمھاری ملاقات جنت کے دروازے پر ہوگی۔ ❶

امام ذہبی مندرجہ بالا اور ان جیسی دیگر احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ان احادیث کا موضوع اور من گھڑت ہونا بالکل واضح ہے۔ ❷ واللہ اعلم

امام شوکانی نے ان میں سے زیادہ تر احادیث کو اپنی کتاب ''الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة'' میں ذکر کیا ہے۔ ❸

ان میں سے ایک حدیث کو ذکر کرنے کے بعد ابن کثیر فرماتے ہیں: اس کے بعد ابن عساکر نے بہت ساری موضوع احادیث کو ذکر کیا ہے۔ ❹ مگر تعجب ہے کہ انہوں نے اپنے حفظ و اطلاع کے باوجود ان کی نکارت اور ضعف کے بارے میں آگاہ نہیں کیا۔ ❺

۲۔ باطل احادیث:

ابن جوزی فرماتے ہیں کہ'' حامل سنت کے دعوے دار بعض لوگوں نے تعصب سے کام لیتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کئی احادیث وضع کر ڈالیں جس سے مقصود رافضیوں کو غضب ناک کرنا تھا، اس لیے کہ انہوں نے متعصّبانہ انداز میں ان کی مذمت میں وضع احادیث کا ارتکاب کیا تھا۔ ہمارے نزدیک ان دونوں گروہوں نے قابل نفرت غلط کاری کا مظاہرہ کیا۔'' ❻

ان کی مذمت میں وضع کردہ چند احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

ا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب جس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ تمہارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو میری سنت کے علاوہ کسی اور چیز پر مرے گا۔ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ ادھر آ گئے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ بھی سماعت نہ کیا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قائد اور اس کے زیر قیادت شخص پر لعنت کرے، یعنی اس دن جب بدکردار لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں گے۔ ❼

یہ حدیث باتفاق محدثین موضوع اور من گھڑت ہے۔ حدیث کی کسی بھی معتبر کتاب میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے اور نہ اس کی سند ہی معروف ہے۔ ❽

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۳۱ . موضوع۔
❷ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۳۱ .
❸ سیر اعلام النبلاء: ص: ۴۰۳-۴۰۷ .
❹ البدایة و النهایة: ۱۱/ ۴۰۹ .
❺ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۳۱ .
❻ الموضوعات: ۲/ ۱۵ .
❼ البدایة و النهایة: ۱۱/ ۴۳۸ .
❽ امیر المومنین معاویة لابن تیمیة ، جمع و تقدیم محمد مال الله ، ص: ۸۸ .

ہم معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کے اس پہلو سے بخوبی آگاہ ہیں کہ وہ بڑے ہمت وحوصلہ کے مالک تھے، جو لوگ ہمیشہ ان کے درپے آزار رہے وہ انہیں کھلے دل سے برداشت کرتے رہے، اپنی سیرت کے اس روشن ترین پہلو کے پیش نظر یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت کریں جبکہ وہ ان کے دینی اور دنیوی مقام و منصب سے بخوبی آگاہ تھے اور ان کے ہر معاملہ میں محتاج بھی۔

وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننا گوارا نہیں کرتے جبکہ وہ حکمران ہونے کے باوجود ان لوگوں کی باتیں بھی کھلے دل سے سنا کرتے تھے جو ان کے سامنے کھڑے ہو کر انہیں سب وشتم کیا کرتے تھے۔ پھر اگر وہ ایسے ہی تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کاتب وحی کیوں مقرر فرمایا؟

۳۔ عہد رسول اللہ میں بنوامیہ کا کردار:

دعوت اسلامیہ کے آغاز ہی سے بنوامیہ کے بہت سارے لوگ مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ انہوں نے راہ اسلام میں گرانقدر قربانیاں پیش کیں اور ان میں سے بعض حضرات نے ہجرت حبشہ کی سعادت بھی حاصل کی۔ پھر فتح مکہ کے موقع پر جب بنوامیہ کے تمام لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خوش آمدید کہا اور ان کے قبول اسلام پر دلی خوشی کا اظہار کیا۔ بڑے بڑے اہم معاملات میں ان پر اعتماد کیا اور انہیں ان کے مناسب حال مقام ومرتبہ پر فائز فرمایا تاکہ ان کی مساعی اور اہلیت سے استفادہ کیا جا سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو جس اعزاز سے نوازا وہ اہالیان مکہ میں سے کسی دوسرے کا مقدر نہ بن سکا۔ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی بھی ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے امن حاصل ہو گا۔''[1]
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو عطا کردہ یہ عظیم اعزاز اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے زعما اور بااثر لوگوں کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے، بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو نجران کا عامل مقرر کیا اور ان کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی الٰہی کے منصب پر فائز فرمایا۔[2] صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ مجھے کسی علاقے کا امیر مقرر کیا جائے تاکہ میں کفار کے ساتھ اس طرح جنگ کر سکوں جس طرح مسلمانوں کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ ان کا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ میرے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی مقرر کر دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا۔[3] فتح مکہ کے بعد جس شخص کو اس کا پہلا امیر مقرر کیا گیا تھا وہ بھی بنوامیہ کا ہی ایک فرد تھا، اور وہ تھا عتاب بن اسید بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس۔ ابن اسحاق زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید کو مکہ مکرمہ کا عامل مقرر کیا تو اس کا روزینہ ایک درہم مقرر فرمایا۔ اس پر وہ کہنے لگا: لوگو! جو ایک درہم پر بھوکا رہے اور وہ اسے بھوکا ہی رکھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا روزینہ ایک درہم مقرر فرمایا

---

[1] صحیح بخاری: ۴۲۸۰۔ [2] البدایة والنهایة: ۱۱/ ۸۳۴۔
[3] العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۱۱۔

ہے۔ اب مجھے کسی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ [1] اسی طرح آنحضرت ﷺ نے عمرو بن سعید بن العاص کو خیبر، وادی القریٰ، تیماء اور تبوک کا والی مقرر فرمایا۔ وہ آنحضرت ﷺ کی وفات تک اس منصب پر قائم رہے۔ [2] آپ نے ابان بن سعید بن العاص کو بحرین کا عامل مقرر فرمایا وہ بھی حضور ﷺ کے آخری وقت تک اس منصب پر کام کرتے رہے۔ [3] آپ نے حکم بن سعید بن العاص کو سوق مکہ [4] اور ان کے بھائی خالد بن سعید کو صنعاء کا عامل مقرر فرمایا۔ [5]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات تک بنو امیہ کے سرکردہ لوگ ولایت، کتابت اور تحصیل داری جیسے اعلیٰ مناصب پر فائز تھے، اور ان عہدوں پر ان کی تعداد دوسرے تمام قبائل کے افراد سے زیادہ تھی۔ [6] اور یہ ان کی امانت و دیانت اور بہترین انتظامی صلاحیتوں کی دلیل ہے۔ [7]

رہا آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد: ((اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ)) ''جاؤ کہ تم آزاد ہو'' [8] تو بعض لوگوں نے ان کلمات کو گالی قرار دیتے ہوئے صرف بنو امیہ کی پیشانی پر چپکا دیا اور انہیں یہ کہہ کر عار دلانے لگے کہ وہ آزاد کردہ اور آزاد کردہ لوگوں کے بیٹے ہیں۔ مگر وہ اپنے خبث باطن کی وجہ سے یہ نہ سمجھ سکے کہ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ مشرف باسلام ہوئے بلکہ ان کا اسلام بہت خوب بھی رہا۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں بھی اسلام کی نصرت و حمایت میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور بعد ازاں خلفاء راشدین کے دور مسعود میں بھی فتوحات اسلامیہ کے دوران بھی قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ [9]

ہم اس جگہ وصف طلقاء کے بارے میں چند نکات کی طرف اشارہ کرنا چاہیں گے:

۱۔ یہ تہمت شدید گروہی اختلافات کے زمانہ کی پیداوار ہے۔ جب خلافت عثمانیہ کے آخری ایام میں بنو امیہ کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کر دیا گیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی قسمت کا ستارہ بلندیوں کو چھونے لگا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا اختلاف سنگین صورت حال اختیار کر گیا تو اس دوران بنو امیہ کی طرف سے ان پر یہ تہمت لگا دی گئی کہ یہ لوگ ضعیف الایمان ہیں اور انہوں نے محض مالی مفادات کے لیے اور اپنی جانوں کے تحفظ کے لیے اسلام قبول کیا تھا تاکہ اس طرح وہ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازشوں کے جال بچھا سکیں اور اپنے ذاتی مفادات کے حصول کو یقینی بنا سکیں۔

۲۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار طلقاء میں نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ ابوسفیانؓ فتح مکہ سے قبل اس وقت مسلمان ہو گئے تھے جب آنحضرت اور ان کے ہمراہ آنے والا لشکر اسلام مکہ مکرمہ سے باہر مرالظہران

[1] صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱۶/ ۶۲.
[2] السیرة النبویة لابن ختعم: ٤/ ١٤٩-١٦٩، تاریخ خلیفة بن خیاط، ص: ٩٧
[3] منهاج السنة: ٣/ ١٧٥-١٧٦.
[4] منهاج السنة: ٣/ ١٧٥-١٧٦.
[5] تاریخ خلیفة، ص: ٩٧.
[6] منهاج السنة: ٣/ ١٧٥، العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ١٢.
[7] العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ١٢.
[8] الطبقات: ٢/ ١٤١-١٤٢.
[9] العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ٨.

کے مقام پر خیمہ زن تھا اور جب کہ ان کے اسلام کا نور ان کی قوم کے افراد کو صلح و آشتی کا پیغام دے رہا تھا۔ رہے، ان کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ تو بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بھی فتح مکہ سے قبل مسلمان ہو چکے تھے مگر انہوں نے بھی اس وقت بعض دوسرے لوگوں کی طرح اپنے اسلام کو مخفی رکھا۔ مروی ہے کہ وہ عمرۃ القضاء کے دن یا صلح حدیبیہ کے سال مخفی طور سے مسلمان ہو گئے تھے۔ ❶ مورخین کی طرف سے انہیں طلقاء کی فہرست میں شامل کرنے کی وجہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا فتح مکہ کے قریب مسلمان ہونا ہے۔ نیز اس لیے بھی کہ وہ مکہ مکرمہ کے سردار تھے اور ان کا اسلام اہل مکہ کے اسلام کے ساتھ مربوط تھا، مزید براں ان کے اسلام قبول کرنے کا چرچا فتح مکہ کے بعد ان آزاد کردہ لوگوں کے ساتھ ہوا تھا۔

۳۔ وصف طلقاء مذمت کا متقاضی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزادی کا پروانہ عطا فرمایا۔ ان لوگوں کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی اور ان میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل تھے جن کا شمار بہترین مسلمانوں میں ہوتا ہے۔ مثلاً حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابوجہل، یزید بن ابوسفیان، حکیم بن حزام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد ابوسفیان بن حارث۔ یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیہودہ گفتگو کیا کرتا تھا۔ مگر بعد ازاں اس کا اسلام بہت خوب رہا۔ ان لوگوں میں عتاب بن اسید بن شامل تھے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اس کا والی مقرر فرما دیا تھا۔ علاوہ ازیں کتنے ہی ایسے لوگ تھے جن کا اسلام بہت خوب اور قابل تعریف رہا تھا۔

۴۔ مشرف باسلام ہونے والوں کے بارے میں اسلامی نکتہ نظر یہ ہے کہ اسلام ماقبل کے تمام گناہوں کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ وہ ان لوگوں کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان کے لیے میدان عمل کو کھلا چھوڑ دیتا ہے اور پھر عظیم تر مقاصد کے حصول کے لیے انہیں اس میں آزادانہ کام کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے اور اس کے لیے وہ لوگوں کو ان کے مقام و مرتبہ پر فائز کرتا ہے۔ اسلام یہ بھی کہتا ہے کہ جو لوگ قبل از اسلام اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ دین میں سوجھ بوجھ پیدا کر لیں اور دینی شعور حاصل کر لیں۔ یہ انہیں سنہری تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کو ان کے اسلام کے متاخر ہونے نے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اعلیٰ مقام و مرتبہ کے حصول سے باز نہیں رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو سیف اللہ کے لقب سے ملقب کیا اور عمرو بن العاص کو ذات السلاسل کا امیر مقرر فرما کر بھیجا۔ مگر اس کے باوصف مخلصانہ انداز میں اسلام کی طرف سبقت لے جانے والے اہل ایمان کے اعلیٰ ترین اور عظیم ترین مقام و مرتبہ کی پورے طور پر حفاظت کی اور اسے کسی بھی صورت متاثر نہیں ہونے دیا۔ ان سابقین الی الاسلام میں بنو امیہ کے لوگ بھی شامل تھے اور دوسرے بھی۔ جس طرح کہ ان آزاد کردہ لوگوں میں بھی بنو امیہ وغیرہم کے متعدد لوگ شامل تھے۔ ❷

❶ البداية و النهاية: ١١/ ٣٩٦. ❷ الدولة الاموية المفترى عليها، ص: ١٤٤.

دوسری بحث:

اموی اور معاویہ رضی اللہ عنہ
ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں

ا...... ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کو مشکل ترین حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ پیروان اسلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے طور پر بالاتفاق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو انہوں نے مسلمانوں کو درپیش خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ مرتدین سے مسلسل جنگ کرنے کے بعد انہیں اسلام اور جماعت کے ساتھ وابستگی کے لیے مجبور کر دیا اور اس کے بعد رومیوں اور ایرانیوں کے شہروں میں فتوحاتِ اسلامیہ کا آغاز ہوا۔

مرتدین کے خلاف جنگ کرنے کے حوالے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلا خط مکہ مکرمہ کے اموی عامل عتاب بن اسید کے نام لکھا اور اس میں انہیں ہدایت کی کہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہنے والے لوگوں کے ساتھ مل کر ان لوگوں کے خلاف کارروائی کریں جو ان کے زیرنگیں علاقوں سے مرتد ہو گئے ہیں، چنانچہ عتاب نے تہامہ میں ان کا مقابلہ کیا اور ان کے خلاف بھرپور کامیابی حاصل کی۔ ❶ پھر مکہ اور اس کے گردونواح سے پانچ سو لوگوں پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا اور اس کا امیر اپنے بھائی خالد بن اسید کو مقرر کیا اور پھر یمن میں مرتدین کے خلاف مشترکہ کارروائی کی۔ ❷ اور حضرموت اور کندہ کے لوگوں کو دائرہ اسلام میں واپس لے آئے۔ ❸ مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی جنگوں میں لشکر اسلام کے کمانڈر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے اپنے لشکر میں شامل مہاجرین کی قیادت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس رضی اللہ عنہ کو سونپی اس دوران زید بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے شریک عمل تھے۔ ❹ اس جنگ میں ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے بڑا شاندار کردار ادا کیا جب جنگ کے آغاز میں مسلمان ادھر ادھر بکھرتے نظر آئے تو ابوحذیفہ نے چلاتے ہوئے کہا: اے اہل قرآن! قرآن کو اپنے کردار سے مزین کرو اور پھر لڑتے لڑتے جام شہادت نوش فرمایا۔ ❺ مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی یمامہ کی جنگوں میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود شرکت کی۔ ❻ طلیحہ اسدی کے

---

❶ تاریخ طبری: ۳/ ۳۱۹، الدولة الامویة المفتری علیها، ص: ۱٤۸.
❷ تاریخ طبری: ۳/ ۳۲۲، ۳۲۹، ۳۳۰.
❸ تاریخ طبری: ۳/ ۳۳۰، ۳٤۲.
❹ تاریخ طبری: ۳/ ۳۸۱.
❺ تاریخ طبری: ۳/ ۳۹۱.
❻ تاریخ طبری: ۳/ ۳۹۱، ۳۹۲، الدولة الامویة المفتری علیها، ص: ۱٤۸.

خلاف لڑی گئی جنگ میں بنوامیہ کے حلیف عکاشہ بن محصن شریک ہوئے۔ ❶ اوران کے ایک دوسرے حلیف العلاء الحضرمی نے بحرین میں مرتدین کی طرف سے بھڑکائی گئی جنگ کے شعلوں کو ٹھنڈا کرنے کے عمل میں بھرپور کردار ادا کیا اور آخر کار کامیابی سے نوازے گئے۔ ❷

ارتدادی جنگوں کے خاتمہ، مرتدین کو دائرہ اسلام میں واپس کرنے اور خلافت راشدہ کی ماتحتی قبول کرنے کے بعد لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوچ پروان چڑھنے لگی کہ محکوم اقوام کو ان کی ظالم حکومتوں کے پنجہ استبداد سے رہائی دلائی جائے اور انہیں اسلام کی دعوت دی جائے، چنانچہ تاریخ کی زبان میں ایران وروم کے دومحاذوں پر ''فتوحات کبریٰ'' کی تحریک کا آغاز ہوا۔ اوران جنگوں میں بھی بنوامیہ نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ جس سے اس موقف کو مزید تقویت ملتی ہے کہ ان کی اسلام سے بڑی گہری وابستگی تھی اور یہ کہ انہوں نے اس عرصہ کے دوران بڑا اہم اور تاریخی کردار ادا کیا۔ اس عرصہ کی اسلامی فتوحات کی تحریک کے دوران دو امور خاص طور سے ابھر کر سامنے آئے ❸ :

۱۔ اس دور کی اسلامی فتوحات کے دوران فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے والوں اور اس موقع پر آزاد کردہ لوگوں نے بڑا عظیم کردار ادا کیا۔ ان میں بنوامیہ کے بعض لوگ بھی شامل تھے اوران کا یہ کردار دو اسباب کی وجہ سے متوقع تھا:

ا: سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ کہ اسلام سے مرتد ہو کر دوبارہ حلقہ اسلام میں داخل ہونے والوں سے فتوحات کے دوران ہرگز کوئی تعاون حاصل نہ کیا جائے۔ ❹ اس کی وجہ صدیق اکبر کا اس بات کا حریص ہونا تھا کہ ان فتوحات اسلامیہ کو دین کی کمزوری کے آثار اور ان لوگوں کی نفسانی شہوات سے صاف رکھا جائے جو دین اسلام کے لیے مخلص نہیں ہیں یا انہوں نے اس کے لیے اپنے مخلص ہونے کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ بنابریں ان اشراف وسادات کو یہ شوق دامن گیر ہوا کہ انہیں اسلامی خدمات کے حوالے سے اپنی تقصیر کا ازالہ کرنا اور ان کے جو بھائی ان سے پہلے مسلمان ہو کر عظیم مراتب حاصل کر چکے ہیں ان کی صفوں میں شامل ہونا ہے۔ ❺

ب: فتوحات اسلامیہ کے سلسلہ میں شام کے محاذ پر اموی رجال کار کی گراں قدر سرگرمیاں ہیں۔ اس محاذ پر اہل مکہ میں سے فاتحین کی کثیر تعداد بھی ان کے ہم رکاب تھی۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ بات خلیفۃ المسلمین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر تھی جنہیں اس بات کا بخوبی ادراک تھا کہ بنوامیہ، اہل مکہ اور ان عرب قبائل کے درمیان بڑے گہرے تعلقات ہیں جو اس وقت سرزمین شام میں رہائش پذیر ہیں اور جو زمانہ جاہلیت میں مکہ اور شام کے درمیان مسلسل تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے مزید مستحکم ہو گئے تھے اور ان کی تجارت کی

---

❶ البداية و النهاية: ۱۱/ ۳۹۶. ❷ ديوان الردة، ص: ٦٦ .
❸ تاریخ طبری: ۳/ ۳۰۱-۳۱۳، سیرة ابی بکر الصدیق از صلابی، ص: ۲۲۵ .
❹ تاریخ طبری: ۳/ ۳۱۹-۳٤۷ . ❺ الدولة الاموية از حمدی شاهين، ص: ۱٤۹ .

زیادہ تر باگ ڈور بنو امیہ کے ہاتھ میں تھی۔ ❶ اسلامی فتوحات کی جنگوں میں بنو امیہ کی شرکت کا آغاز کافی دیر قبل ہی ہو چکا تھا اور وہ اس طرح کہ ولید بن عقبہ بن ابو معیط نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ عراق کی ابتدائی فتوحات میں شرکت کی۔ وہ ہرمز کے قتل کے واقعہ میں بھی ان کے ساتھ تھے اور بعد ازاں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں مال غنیمت، فتح کی بشارت اور ایرانیوں کی طرف سے نئی صف بندی پر مشتمل خبر کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ ❷ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد خلیفۃ المسلمین نے انہیں عیاض بن غنم کی مدد کے لیے ان کے پاس بھیجا جنہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے شمال کی طرف سے عراق فتح کرنے کے لیے مامور کیا تھا۔ اس وقت انہوں نے دومۃ الجندل کا محاصرہ کر رکھا تھا اور انہیں اس کی فتح کے لیے بڑی مشکلات کا سامنا تھا، ولید نے انہیں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مدد حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے ان سے اس کی درخواست کی تو اسے قبول کر لیا گیا۔

اور پھر ان دونوں نے مل کر دومۃ الجندل کو فتح کر لیا۔ ❸ اس کے بعد خلیفۃ المسلمین نے انہیں دومۃ الجندل سے متصل قضاعہ سے نصف صدقات فریضہ وصول کرنے کی تولیت دے دی ❹ مگر پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد انہیں جہاد فی سبیل اللہ کرنے کی پیش کش کرتے ہوئے ان کے نام خط لکھا تو انہوں نے اسے قبول کر لیا، چنانچہ آپ نے انہیں شام روانہ کر دیا۔ ❺

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے شام کے محاذ پر جنگ کے لیے پہلا پرچم خالد بن سعید بن العاص اموی کو دیا اور پھر انہیں معزول کر کے ان کی جگہ دوسرے اموی یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ ❻ یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے لشکر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ وہ پہلا بڑا لشکر تھا جسے خلیفۃ المسلمین نے شام کی طرف روانہ کیا اور اسے شہر کے باہر تک پیدل جا کر الوداع کہا۔ ❼ پھر اس کے پیچھے مزید تین لشکر بھیجے اور ان کی قیادت عمرو بن العاص، شرحبیل بن حسنہ اور ابوعبیدہ بن جراح کے سپرد کی۔ ❽ یزید بن ابوسفیان کے بارے میں امام ذہبی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: وہ ان چار امراء میں سے ایک ہیں جنہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بلایا۔ یزید بن ابوسفیان کو خود خلیفہ نے پرچم دیا اور اس کے قافلہ کے ساتھ پیدل چلتے ہوئے اسے الوداع کیا اور اسے پند و نصائح سے نوازا۔ اس کی وجہ اس کا عز و شرف اور دین میں کمال تھا۔ ❾ بعد ازاں خلیفۃ المسلمین نے جہاد کا شوق رکھنے والے بعض اور لوگوں کو بھی

---

❶ الدولة الاموية از حمدی شاهين، ص: ١٤٩. ❷ البداية و النهاية: ٦/ ٣٥٤.
❸ تاريخ طبری: ٣/ ٣٩٠، الدولة الاموية از حمدی شاهين، ص: ١٤٩.
❹ تاريخ طبری: ٣/ ٣٩٠، الدولة الاموية از حمدی شاهين، ص: ١٤٩.
❺ تاريخ طبری: ٣/ ٣٨٩، ٣٩٠، الدولة الاموية از حمدی شاهين، ص: ١٤٩.
❻ تاريخ طبری: ٣/ ٣٨٧، الدولة الاموية از حمدی شاهين، ص: ١٤٩.
❼ فتوح الشام از واقدی: ١/ ٣-٤. ❽ تاريخ طبری ٣/ ٣٩٤.
❾ سير اعلام النبلاء: ١/ ٣٢٨.

یزید کے لشکر کے ساتھ شامل کر دیا اور ان پر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو امیر مقرر فرمایا۔ [1] شامی محاذ پر لڑی گئی جنگوں میں ابوسفیان بن حرب بھی شامل تھے اگرچہ وہ اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ [2] شام کے جہاد میں خالد بن سعید، ابان بن سعید اور عمرو بن سعید رضی اللہ عنہم بھی شامل رہے اور اعدائے اسلام سے لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کیا۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے کہہ دیا: شام کا جو علاقہ بھی فتح ہوا وہاں سعید بن العاص کی اولاد سے کوئی نہ کوئی آدمی ضرور شہید ہوا۔ [3] جنگ یرموک سے پہلے قائدین لشکر جولان میں جنگ کرنے کے بارے میں ایک مجلس مشاورت میں شریک تھے کہ اس دوران ابوسفیان بن حرب ان کے پاس آئے اور کہنے لگے: میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں گا کہ قریش کے چند کم سن لوگ میرے گھر میں بیٹھ کر جنگ کے بارے میں گفتگو کریں اور دشمن کے خلاف جنگی پلان تیار کرنے کے لیے باہم مشاورت کریں گے مگر مجھے اس مشاورت میں شریک ہونے کی دعوت بھی نہیں دیں گے۔ یہ سن کر انہوں نے ان کے لیے جگہ خالی کی اور پھر آپ نے ان کے ساتھ مل کر جنگی منصوبہ تیار کیا۔ [4] جب جنگ یرموک کی تیاریاں آخری مرحلہ میں داخل ہو گئیں تو فریقین کے قائدین اپنی اپنی سپاہ کا حوصلہ بڑھانے کے لیے ان کے سامنے آئے۔ اگر ایک طرف رومیوں کے علماء اور پادری انہیں عیسائیت کا واسطہ دے کر میدان جنگ میں داد شجاعت دینے پر اکسا رہے تھے اور انہیں ایک ایسی جنگ میں شرکت کرنے کے لیے ابھار رہے تھے جس کی بعد ازاں مثال پیش کرنا بھی مشکل ہے۔ [5] تو مسلمان قائدین اپنی سپاہ کو بڑے دلنشین اور جذبات بھڑکانے والے خطبات سے آمادۂ جنگ کر رہے تھے، [6] بلکہ اسی مقصد کے لیے انہوں نے اپنے بزرگوں میں سے ایک سرکردہ شخص کو متعین کر دیا تھا اور یہ اعزاز حاصل کرنے والی شخصیت کا نام تھا: ابوسفیان بن حرب۔ [7]

یقیناً انہیں یہ منصب تفویض کیا جانا دین اسلام کے لیے ان کے صدق و اخلاص کی بہت بڑی دلیل ہے، اس لیے کہ اگر اس وقت قائدین لشکر کے علم میں ان کے اخلاص و وفا کے علاوہ کوئی اور بات ہوتی تو انہیں یہ ذمہ داری تفویض نہ کی جاتی کہ انہوں نے لشکر اسلام کی اسلامی حمیت کو بھڑکانا اور ان کے جذبۂ شجاعت و بسالت کو برانگیختہ کرنا ہے۔ نیز اگر سپاہ اسلام میں ان کے صادق الایمان ہونے کے علاوہ کوئی اور بات ہوتی تو ان پر ان کے اس عمل کے اس قدر اچھے اثرات مرتب نہ ہوتے۔ ذمہ داران لشکر اسلام کی طرف سے ابوسفیان کا انتخاب عملاً قابل تعریف اور لائق ستائش رہا جو اس لشکر کی تشکیل و ترتیب کے مزاج سے ہم آہنگ تھا اور جو اُن اہل مکہ اور دیگر عرب قبائل پر مشتمل تھا جو تاخیر سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے اور جنہیں عرصہ دراز سے اپنے زعیم و قائد ابوسفیان پر مکمل

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۳۲۸۔

[2] وفات کے وقت ان کی عمر اٹھاسی سال تھی اور جب جنگ یرموک میں شامل ہوئے تو اس وقت ان کی عمر ستر سال سے زائد تھی۔

[3] النزاع و التخاصم، ص: ٤٦، الدولة الأموية از حمدی شاهين، ص: ١٥٠۔

[4] فتوح الشام از واقدی: ۱/ ۹۹۔

[5] تاریخ طبری: ۳/ ۳۹۵۔

[6] تاریخ طبری: ۳/ ۳۹۵، ۳۹۷، ۳۹۸، ٤٠١۔

[7] تاریخ طبری: ۳/ ۳۹۷۔

اعتماد تھا۔ ❶ یہ ذمہ داری نبھانے کے لیے ابوسفیان لشکر اسلام کے سامنے کھڑے ہو کر ان کی دینی حمیت وغیرت کو اس طرح ابھارتے: اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، تم عرب قوم کے محافظ اور اسلام کے معاون و مددگار ہو۔ جبکہ تمہارے دشمن روم کے محافظ اور شرک کے انصار و معاونین ہیں۔ میرے اللہ! یہ دن تیرے دنوں میں سے ایک دن ہے۔ یا اللہ! اپنے بندوں کی نصرت فرما۔ ❷

۲......عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں

جب ۱۳ھ میں پہلے خلیفہ اسلام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وفات پا گئے اور ان کی جگہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ منتخب ہوئے تو انہوں نے بنوامیہ پر مکمل اعتماد اور ان کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ انہوں نے نہ تو بنوامیہ کے کسی فرد کو اس کے منصب سے معزول کیا اور نہ کسی پر کوئی اعتراض ہی کیا۔ سب لوگ عمر رضی اللہ عنہ کی سخت مزاجی سے بخوبی آگاہ تھے اور اس امر سے بھی کہ آپ ہمیشہ اپنے عمال اور ذمہ داران کے معاملات کی ٹوہ لگاتے رہتے اور ان کے اعمال و اخبار کی حقیقت سے آشنا رہتے ہیں اور بڑے حزم واحتیاط اور باریک بینی سے ان کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں، لہٰذا آپ کے زمانہ خلافت میں ان کا اپنے مناصب پر مسلسل فائز رہنا ان کی امانت و دیانت اور ذمہ داریوں کی کما حقہ ادائیگی پر دلالت کرتا ہے۔ اس دوران یزید بن معاویہ بدستور دمشق کے والی رہے۔ جبکہ شام میں معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے زیر ولایت علاقہ میں مزید اضافہ کر دیا گیا۔ ❸

ا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی قسمت کا ستارہ طلوع ہونے لگا:

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں سیاسی اور اداراتی میدان عمل میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی قسمت کا ستارہ طلوع ہونے لگا اور یہ اس وقت کی بات ہے جب فاروق اعظم نے ۱۵ھ میں انہیں قیساریہ ❹ کو فتح کرنے کی ذمہ داری تفویض کی۔ ❺ انہیں یہ ذمہ داری ایک خط کے ذریعے تفویض کی گئی جس کی عبارت یہ تھی: میں نے تمہیں قیساریہ کو فتح کرنے کی ذمہ داری دی ہے۔ اس کی طرف روانہ ہو جائیں۔ ان پر فتح حاصل کرنے کے لیے اللہ سے نصرت کی درخواست کریں اور بکثرت "لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" پڑھا کریں۔ اللہ ہمارا رب ہے، ہم اسی پر بھروسہ کرتے ہیں وہی ہمارا مولیٰ ہے۔ وہ بڑا اچھا مولیٰ اور بہت اچھا مددگار ہے۔ ❻

انہیں اس انتہائی ذمہ دارانہ مہم، میدان عمل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کا کڑا امتحان تھا جس میں وہ ہر اعتبار سے کامیاب رہے وہاں لشکر کے ساتھ قیساریہ کی طرف روانہ ہوئے جسے ان کے لیے ان کے بھائی

---

❶ الدولة الاموية از حمدى شاهين، ص: ١٥١ .
❷ التبيين فى انساب القرشيين، ص: ٢٠٣ .
❸ العالم الاسلامى فى العصر الاموى، ص: ١٥ .
❹ قیساریہ: ساحل شام پر ایک بستی ہے جو کہ فلسطین کے زیر انتظام ہے۔ یاقوت: ٤/ ٤٢١ .
❺ اثر العلماء فى الحياة السياسية فى الدولة الاموية، ص: ٥٩ .
❻ تاريخ طبرى: ٤/ ٤٣١ .

یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے تیار کیا تھا۔ جو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے ایک والی تھے۔ یہ شہر انتہائی محفوظ تھا اور اس کے باسی بھی بڑے دلیر تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرصہ دراز تک اس کا محاصرہ کیے رکھا اور اس کے شہریوں سے بھی متعدد جھڑپیں ہوئیں۔ اگرچہ حالات بڑے کٹھن تھے مگر وہ اس سے مایوس نہ ہوئے۔ انہوں نے بھی اسے فتح کرنے کا پختہ ارادہ کر رکھا تھا۔ آپ نے اپنی سر توڑ کوششیں جاری رکھیں یہاں تک اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح سے نواز دیا۔ شہر کو فتح کرنے کی مہم میں اس شہر کے باسیوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا اور ان کے تقریباً ایک لاکھ لوگ اس جنگ میں مارے گئے۔ [1] معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح قیساریہ کی مبارک بادی کا پیغام اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا مال غنیمت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ ارسال کیا۔ [2]

اس فاتحانہ معرکہ کے دوران معاویہ رضی اللہ عنہ نے توفیق ایزدی سے جس عزم صادق اور حسن قیادت کا مظاہرہ کیا اس سے انہیں سب لوگوں کا اعتماد حاصل ہوا۔ چنانچہ دمشق کے امیر اور ان کے بھائی یزید نے شام کے ساحلی علاقوں کو فتح کرنے کی مہم ان کے سپرد کر دی جس کے لیے انہوں نے اپنی بھرپور حربی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ [3] انہوں نے کوئی قلعہ دو دنوں میں فتح کیا اور کوئی چند دنوں میں۔ کبھی شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور کبھی صرف تیراندازی ہی اس کی فتح کے لیے کافی ثابت ہوئی۔ وہ جس شہر کو بھی فتح کرتے اسے بعض مسلمانوں کے حوالے کر دیتے اور اگر کسی جگہ مزید دستوں کی ضرورت ہوتی تو اس کا بندوبست کرتے۔ [4] ڈاکٹر عبدالرحمن شجاع کی رائے میں ملک شام کے شہر مسلمانوں کے یکے بعد دیگرے حملوں کے نتیجے میں سرنگوں ہوتے چلے گئے اس لیے کہ شکست و ریخت کے اس عمل نے رومیوں کو جس مقام پر لا کھڑا کیا تھا اس نے ان سے کسی جگہ جم کر لڑنے کی سوچ کو بھی سلب کر لیا تھا۔ ان کی اسی پست ہمتی کے نتیجہ میں بیروت، صیدا، نابلس، لد، حلب اور انطاکیہ ان کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ شام کے شہروں میں سے قیساریہ وہ آخری شہر تھا جو معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں فتح ہوا اور یہ القدس کی فتح کے بعد کا واقعہ ہے۔ [5]

قیساریہ کے محاصرہ کے دوران مسلم سپاہ کے میمنہ (دائیں جانب کا دستہ) کی قیادت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ وہ ایک دفعہ کھڑے ہو کر لوگوں کو نصیحت کرنے لگے اسی دوران آپ نے انہیں جانوں کے نذرانے پیش کرنے اور گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کی تلقین فرمائی اور پھر دشمن پر بھرپور وار کر کے کئی رومیوں کو موت کی نیند سلا دیا مگر اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آپ اپنی روانگی کی جگہ پر واپس گئے اور اپنے ساتھیوں کو جنگ کرنے کی ترغیب دلائی اور حملہ کے مقاصد کے حصول میں ناکامی پر اپنی شدید حیرت کا اظہار کیا۔ وہ اپنی سپاہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: اے اہل اسلام! میں نقباء میں سے سب سے کم سن تھا پھر اللہ نے مجھے اتنی زندگی

---

[1] البداية النهاية، ص: ٦٣، ٦٤.
[2] البداية و النهاية: ٧/ ٥٤.
[3] اثر العلماء فی الحياة السياسية فی الدولة الاموية، ص: ٥٩.
[4] فتوح البلدان از بلاذری، ص: ١٣٤.
[5] دراسات فی عهد النبوة و الخلافة الراشدة، ص: ٣٥٥.

عطا فرمائی کہ آج میں تمہارے ساتھ مل کر اس دشمن سے برسر پیکار ہوں۔ واللہ! میں جب بھی مومنین کی جماعت کے ساتھ مل کر مشرکین کی کسی جماعت پر حملہ آور ہوا انہوں نے ہمارے لیے میدان خالی کر دیا اور اللہ نے ہمیں کامیابی سے نواز دیا۔ مگر آج تمہیں کیا ہوا کہ تم لوگوں نے ان مشرکین پر حملہ کیا مگر تم انہیں پسپا نہ کر سکے۔ ❶ پھر فرمایا: اللہ کی قسم! میں تمہارے بارے میں دو چیزوں سے خائف ہوں: یا تو تم مال غنیمت میں خیانت کے مرتکب ہوئے ہو یا پھر تم اس حملہ کے دوران اللہ کے لیے مخلص نہیں تھے۔ ❷ انہوں نے انہیں صدق دل کے ساتھ طلب شہادت کی ترغیب دلائی اور انہیں اس بات سے مطلع کیا کہ میں ان کے آگے رہوں گا اور اپنی جگہ پر واپس نہیں جاؤں گا الا یہ کہ اللہ مجھے فتح سے نوازے یا پھر خلعت شہادت عطا فرما دے۔ ❸ پھر جب مسلمانوں اور رومیوں کی مڈبھیڑ ہوئی تو حضرت عبادہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترے اور پیدل ہی دشمن سے لڑنے لگے۔ جب عمیر بن سعد انصاری نے انہیں اس طرح جنگ کرتے دیکھا تو مسلمانوں کو آواز دے کر انہیں ان کے امیر کے اس کردار سے آگاہ کرتے ہوئے ان کی اقتداء کرنے کی تلقین فرمائی۔ پھر انہوں نے رومیوں سے اس طرح جم کر لڑائی کی کہ انہیں شکست فاش سے دوچار کرتے ہوئے انہیں ان کے قلعہ میں دھکیل دیا۔ ❹ قیساریہ کی فتح اور سواحل دمشق کی فتح میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی کامیابی کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں اردن کی ولایت سونپ دی۔ یہ ۱۷ھ کا واقعہ ہے۔ ❺

۲۔ دمشق، بعلبک اور بلقاء پر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت:

۱۸ھ میں یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما عمواس کے طاعون میں فوت ہو گئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے بھائی کی جگہ دمشق، بعلبک اور بلقاء کا والی مقرر فرما دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کا حضرت معاویہ کے والد اور ان کی والدہ پر گہرا اثر ہوا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے ان کے بیٹے یزید کی وفات پر تعزیت کی تو وہ کہنے لگے: امیر المومنین! آپ نے یزید کی جگہ کس کو والی بنایا؟ تو انہوں نے فرمایا: اس کے بھائی معاویہ کو، یہ سن کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: امیر المومنین! آپ نے صلہ رحمی کا حق ادا کر دیا۔

جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا منصب سنبھالنے کے بعد کام کا آغاز کیا تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ان کے نام خط لکھا جس میں دوسری باتوں کے علاوہ ایک بات یہ بھی تھی: میرے بیٹے! مہاجرین ہم سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے جبکہ ہم نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کر دی جس کی وجہ سے انہیں اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک بلند تر مقام و مرتبہ حاصل ہو گیا۔ جبکہ ہماری تاخیر نے ہمیں اس اعزاز سے محروم کر دیا۔ وہ سابق الاسلام ہونے کی وجہ سے قائد اور سردار بن گئے اور ہم ان کے پیروکار بن کر رہ گئے۔ اب انہوں نے تجھے بڑی اہم ذمہ داری تفویض کی ہے تو ان کی حکم عدولی نہ کرنا۔ اس دوران اگر تم کوئی قابل تحسین کام کرو گے تو اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ❻ اسی طرح ان کی والدہ نے

❶ الانصار فی العصر الراشدی، ص: ۲۰۷.
❷ الانصار فی العصر الراشدی، ص: ۲۰۹.
❸ الانصار فی العصر الراشدی، ص: ۲۰۹.
❹ الانصار فی العصر الراشدی، ص: ۲۰۹.
❺ الطبقات الکبری: ۷/ ۴۰۶، اثر العلماء فی الحیاة السیاسیة، ص: ۶۱.
❻ البدایة و النهایة: ۱۱/ ۳۹۹.

انہیں اس مضمون پر مشتمل خط لکھا: میرے بیٹے! اللہ کی قسم! تیرے جیسے بیٹے کو کسی ماں نے کم ہی جنم دیا ہوگا۔ خلیفۃ المسلمین نے تجھے یہ جو اتنا بڑا منصب عطا کیا ہے تو ان کی اطاعت کرنا، وہ کام تجھے پسند آئے یا نہ آئے۔ [1] بعض لوگوں نے اور خاص طور سے ان کے بزرگوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی کم سنی کے باوجود منصب ولایت پر فائز کر دیا جبکہ ان سے بہتر اور بڑی عمر کے لوگ بھی موجود ہیں۔ جب اس کی اطلاع عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے اس کا جواز پیش کرتے ہوئے فرمایا: تم لوگ اس کی ولایت کے حوالے سے مجھ پر اعتراض کرتے ہو، حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے: ''یا اللہ! اسے هادی اور مهدی بنا اور اس راہ راست پر رکھنا۔'' [2]

۳۔ ایک عظیم قافلہ کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کی آمد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ناپسندیدگی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کی صلاحیتوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ انہیں دوسروں سے بڑھ کر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ان خوبیوں کا ادراک تھا جن کی وجہ سے وہ قیادت و سیادت کا پورا پورا استحقاق رکھتے تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بڑے جلوس کے ساتھ ان کا استقبال کیا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا: اس بڑے قافلے کے صاحب تم ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: اس امر کے باوجود کہ مجھے تمہارے بارے میں یہ اطلاع ملی ہے کہ ضرورت مند لوگ دیر تک تمہارے دروازے پر کھڑے رہتے ہیں؟ انہوں نے جواباً کہا: آپ کی یہ اطلاع درست ہے۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ میرا ارادہ تو یہ ہے کہ میں تمہیں ننگے پاؤں چل کر سرزمین حجاز پہنچنے کا حکم دوں۔ اس پر وہ گویا ہوئے: امیر المومنین! ہم جس علاقہ میں رہتے ہیں وہاں دشمن کے جاسوس بڑی کثرت کے ساتھ موجود ہیں، لہٰذا ایسے اقدامات کرنا ضروری ہیں جن سے اسلام اور اہل اسلام کی شان و شوکت کا مظاہرہ ہو اور وہ اس سے مرعوب ہوں۔ اگر آپ مجھے حکم دیں گے تو یہ سلسلہ جاری رہے گا اور اگر آپ روک دیں گے تو اسے ختم کر دیا جائے گا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تمہارا یہ کہنا درست ہے تو یہ ایک دانشمندانہ بات ہے اور اگر غلط ہے تو پھر یہ ایک ادیب کا دھوکہ ہے۔ [3] اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: امیر المومنین! اب میرے لیے کیا حکم ہے؟ یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہ تو میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے منع کرتا ہوں۔ یہ سن کر ایک آدمی کہنے لگا: امیر المومنین! اس نوجوان نے تمہاری گرفت سے کتنی خوبصورتی کے ساتھ چھٹکارا حاصل کیا۔ اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کی انہی صلاحیتوں کی وجہ سے ہی تو ہم نے انہیں اتنی بڑی ذمہ داری کے لیے پابند کیا ہے۔ [4]

ایک روایت میں ہے کہ یہ بات کہنے والے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے، جو کہ اس وقت اس عظیم الشان قافلہ میں شامل تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے استقبال کے لیے آیا تھا۔ [5] معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ جواب اس بات

[1] البداية و النهاية: ۱۱/ ۳۹۹.
[2] السلسلة الصحيحة: ٤/ ٦١٥، رقم: ١٩٦٩۔
[3] البداية و النهاية: ۱۱/ ٤١٦.
[4] ايضا.
[5] ايضا.

پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بڑا گہرا سیاسی تجربہ رکھتے تھے۔ مختلف لوگوں کے احوال وظروف سے بخوبی آگاہ تھے، رعیت کے سیاسی امور کا پورا ادراک رکھتے اور اپنے زیر نگین علاقہ میں امن وامان کی فضا قائم رکھنے کے طور طریقوں سے آشنا تھے۔ ان کی انہی خوبیوں کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی سیاست کو بنظر استحسان دیکھا کرتے تھے اگرچہ وہ ان کی سیاست سے یکسر مختلف تھی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا ارشاد سے ہمارے اس موقف کی تائید ہوتی ہے کہ آپ ان کی سیاست کے انداز کو پسند کرتے تھے۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی تربیت کرنے کے لیے انہیں اکثر پند ونصیحت سے نوازا کرتے اور اس کے لیے کبھی ان پر سختی بھی روا رکھتے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اسلم سے مروی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ سفید رنگ کے اور بڑے خوبرو تھے۔ وہ ہمارے پاس آئے اور عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر حج پر روانہ ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں دیکھتے تو ان کے حسن وجمال کی وجہ سے بڑے تعجب کا اظہار کرتے اور فرماتے: واہ، واہ، اگر اللہ ہمارے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں جمع کر دے تو اس صورت میں ہم سب لوگوں سے بہتر ہوں گے۔ اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: امیر المومنین! ہم بڑے خوشحال علاقہ (شام) میں رہتے ہیں، جہاں جگہ جگہ خوشحالی کے مظاہر دیکھے جا سکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے لیے اس سے کہیں بہتر یہ ہے کہ تم دھوپ کی شدت میں ضرورت مندوں کی خبر گیری کرو اور ان کی مشکلات کے ازالے کے لیے ہر ممکن کوشش کیا کرو۔

پھر جب ہم طویٰ کے مقام پر پہنچے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے خوبصورت لباس زیب تن کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے عمدہ خوشبو آئی تو فرمانے لگے: تم میں سے ایک آدمی حج کے لیے تو خستہ حالت میں نکلتا ہے مگر جب اللہ کے نزدیک بڑے حرمت والے شہر میں آتا ہے تو ایسا لباس زیب تن کرتا ہے گویا کہ وہ خوشبو میں بسا رہا۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں نے یہ پوشاک اپنے خاندان اور قوم کے پاس جانے کے لیے پہنی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ناپسندیدگی کی وجہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ کپڑے اتار کر احرام والے کپڑے پہن لیے۔ [2]

عمرو بن یحییٰ بن سعید اموی اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت انہوں نے سبز رنگ کا خوبصورت لباس پہن رکھا تھا، اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی طرف دیکھنے لگے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو انہیں درے سے مارنے لگے۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: امیر المومنین! میرے بارے میں اللہ سے ڈریں، میرے بارے میں اللہ سے ڈریں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی نشست گاہ پر واپس لوٹ گئے۔ لوگ کہنے لگے: امیر المومنین! آپ نے انہیں کیوں مارا، جب کہ آپ کی قوم میں ان جیسا کوئی اور شخص نہیں ہے؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے صرف خیر ہی دیکھی اور مجھ تک صرف خیر ہی پہنچی، مگر میں نے انھیں ذرا اونچا دیکھا تو چاہا کہ ان کے تفوق میں ذرا کمی کر دوں۔ [3]

---

[1] الامویون بین الشرق و الغرب، از محمد وکیل: ۱/ ۹۰.
[2] البدایة و النهایة: ۱۱/ ۴۱۷.
[3] البدایة و النهایة: ۱۱/ ۴۱۸.

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرماتے: یہ عرب کے کسریٰ ہیں۔ ❶

معاویہ رضی اللہ عنہ شام پر امارت کے دوران شاہی شان وشوکت اور ہر طرح کی تیاری کی حالت میں رہتے۔ اس کے لیے وہ یہ جواز پیش کرتے کہ میں دشمن کے سامنے مورچہ بند ہوں جس کے لیے حربی اور جہادی شان وشوکت اور شاہانہ اندازِ زیست کے مظاہرہ کی شدید ضرورت ہے۔ ❷

ان کا موقف تھا کہ شارع علیہ السلام نے اس کی بادشاہت کی مذمت نہیں کی جو حق اور دین کے غلبہ کا فریضہ سرانجام دے اور عوام الناس کی مصالح کی نگہداشت کرے البتہ وہ بادشاہت یقیناً قابل مذمت ہے جس کے پیش نظر باطل کی سرپرستی کرنا اور لوگوں کو ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کا اسیر بنانا ہو۔ اگر بادشاہ اللہ کے لیے مخلص رہ کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور جہاد فی سبیل اللہ پر آمادہ کرنے کی ذمہ داری نبھائے تو اس میں سے کچھ بھی مذموم نہیں ہے۔ ❸

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِي ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ﴾ (ص: ٣٥)

''انہوں نے دعا کی: اے میرے رب! میری بخشش فرما اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے سوا کسی کو میسر نہ ہو بیشک تو بڑا دینے والا ہے۔''

چونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی شاہانہ شان وشوکت کے شرعی اغراض و مقاصد تھے، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں خاموشی اختیار کی۔ جب ایک دن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا تو انہوں نے بڑے خوبصورت الفاظ میں انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ ❹ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بہت زیادہ اعتماد حاصل تھا۔ ❺ پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس بات کو ثابت کر دکھایا کہ انہیں نہ صرف یہ کہ سیاسی ضروریات کا گہرا ادراک حاصل ہے بلکہ وہ ماحول اور معاشرہ میں مثبت تبدیلیاں لانے کی صلاحیت سے بھی بدرجہ اتم بہرہ مند ہیں۔ الغرض عمر رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فاروق اعظم نے انہیں دولت اسلامیہ کے بڑے اہم صوبوں کی ولایت کے منصب جلیلہ پر فائز کیا بلکہ ان کی ولایت میں مسلسل اضافہ کرتے رہے اور انہیں کبھی ان کے منصب سے معزول نہ کیا حالانکہ انہوں نے اپنے عمال اور امراء کی کثیر تعداد کو ان کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت و فطانت اور ان کی انتظامی

---

❶ البداية و النهاية: ١١/ ٤١٧، الاستيعاب، ص: ٦٦٨.

❷ ابن خلدون اسلامياً از عماد الله خليل، ص: ٧٨.

❸ ابن خلدون اسلامياً از عماد الله خليل، ص: ٧٦.

❹ الدونة الاموية از حمدى شاهين، ص: ٥٧.

❺ الدولة الاموية از حمدى شاهين، ص: ٥٧.

صلاحیتوں کو بنظر استحسان دیکھا کرتے تھے اور اس کا برملا اظہار بھی کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے ایک دن اپنے ہم نشینوں سے فرمایا: تم قیصر و کسریٰ اور ان کی شان و شوکت کا ذکر کرتے ہو جبکہ تمہارے پاس معاویہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ ❶

۴۔ معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے محاذ پر:

جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام کی ولایت کا منصب سنبھالا اور حضرت عمرو بن العاص مصر فتح کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو اسلامی مملکت شامی حدود کی حفاظت و توسیع کی ذمہ داری اس عمل سے مربوط ہوگئی۔ اس دوران معاویہ رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل دو اہم ترین عسکری منصوبوں کی تکمیل میں کامیابی حاصل کی: موسم سرما اور موسم گرما میں رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے نظام کی تشکیل اور اسلامی تاریخ میں پہلی بار بحری بیڑے کی تیاری۔

(۱)...... رومیوں کے ساتھ موسم سرما اور موسم گرما میں جنگ کرنے کا نظام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تشکیل پایا جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ رومیوں کو سپاہ اسلام کے ہاتھوں پے در پے شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجہ میں شام اور مصر ان کے ہاتھوں سے نکل گئے جبکہ اس وقت یہ دونوں علاقے اقتصادی، سیاسی اور فوجی اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ مگر رومیوں نے ان ہزیمتوں کو تسلیم نہ کیا اور انہوں نے ان پہاڑی راستوں سے شام پر حملے جاری رکھے جو انہیں رومی سلطنت کے دیگر علاقوں سے جدا کرتے تھے۔ جب خلیفۃ المسلمین ۱۶ھ میں شام کے دورے پر آئے تو وہ اس صورت حال کو دیکھ کر فرمانے لگے: میں چاہتا ہوں کہ ان پہاڑی گزرگاہوں کے اس طرف تو رومیوں کا عمل دخل رہے اور اس طرف ہمارا۔ ❷ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے شام کے اس دورے کے دوران یہ اصطلاح رائج کی اور آپ کے حکم سے شام کے ان پہاڑی راستوں کو بند کر دیا گیا۔ ❸ اس امر کا اہتمام بھی موجود ہے کہ ان اسلامی سرحدی شہروں پر رومیوں کے حملوں کا مقصد دیگر رومی شہروں کا دفاع کرنا اور مسلمان سپاہ کی طاقت کو کمزور کرنا ہو۔ مگر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے دشمن کے شہروں کو میدان جنگ میں تبدیل کر دیا جس سے مسلمانوں کے علاقے محفوظ ہو گئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کے حصول کے لیے دفاعی وسائل کو پہلے سے بہتر بنایا اور مختلف شہری مراکز اور چھاؤنیوں کو اگلے مورچوں میں تبدیل کر دیا جن کی ذمہ داری مشکل حالات کا سامنا کرنا اور دشمن کو خبردار کرنا تھا۔ ان مورچوں کو دشمن پر حملہ کرنے والی سپاہ کے لیے روانگی کے مراکز کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ جن میں سے بعض کی قیادت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنفس نفیس کی۔ مثلاً ۲۲ھ میں دس ہزار کے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے سرزمین روم میں داخل ہوئے، اور ۲۳ھ ❹ میں روم میں دور تک پیش قدمی کرتے ہوئے عموریہ تک جا پہنچے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے

---

❶ تاریخ طبری: ٥/ ٣٣٠.
❷ تاریخ یعقوبی: ٢/ ١٣٣.
❸ تاریخ طبری: ٤/ ٦٢.
❹ تاریخ الامم و الملوك: ٤/ ١٤٤، ١٦٠.

عبادۃ بن صامت، ابوایوب انصاری، ابوذر غفاری اور شداد بن اوس رضی اللہ عنہم بھی ان کے ساتھ تھے۔ ❶

(ب)......اسلامی بحری بیڑہ:......اللہ تعالیٰ نے پہلے اسلامی بحری بیڑے کی تیاری کی سعادت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بخشی جس سے سمندر میں جہاد فی سبیل اللہ کا دروازہ کھل گیا جو کہ مصر اور شام کی حمایت اور دشمن کے بحری بیڑے کی بڑھتی ہوئی نقل و حرکت کو روکنے کے لیے تھا ان دنوں صوبوں کی ساحلی پٹیوں پر ان کی مسلسل غارت گری اور اس سے متاثرین کی نصرت و امداد کے لیے ازحد ضروری ہو چکا تھا۔ موسم سرما اور موسم گرما کے دوران کی گئی جنگی کارروائیاں خشکی کے راستوں سے پیش آمدہ خطرات کو تو روکنے میں موثر ثابت ہوئی تھیں مگر انطاکیہ سے لے کر اسکندریہ تک کے ساحلی شہر ابھی تک رومی بحری بیڑے کے رحم و کرم پر تھے۔ نیز معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ ادراک بھی ہو گیا تھا کہ جب تک رومیوں کی بحری قوت کا خاتمہ نہیں ہوتا اس وقت تک افریقہ میں اسلامی فتوحات کے دائرہ کو وسیع کرنا ممکن نہیں ہے۔ ❷ مگر عملی طور پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری غزوات کا آغاز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کیا۔ اس کی تفصیل آگے چل کر آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

۳......عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت کا منصب سنبھالا تو اس وقت معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے بیشتر علاقوں کے حکمران تھے، جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یمن، بحرین، مصر اور دیگر صوبوں کے گورنروں کو ان کے مناصب پر برقرار رکھا تھا اسی طرح انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے عہدے پر برقرار رکھا بلکہ بعض مزید علاقے بھی ان کی عملداری میں دے دیئے۔ یہاں تک کہ وہ نہ صرف بلاد شام کے مطلق والی بن گئے بلکہ وہ دیگر والیوں کے مقابلے میں انتہائی طاقتور اور بڑے گہرے اثر و نفوذ کے مالک بھی بن گئے۔ حضرت عثمان کی خلافت کے ابتدائی ایام میں عمیر بن سعد انصاری حمص کے گورنر تھے مگر جب وہ بیماری کی وجہ سے اس عہدے کی ذمہ داریاں نبھانے کے قابل نہ رہے تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے معذرت کر لی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی معذرت قبول کرتے ہوئے ان کی ولایت کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت کر دیا جس سے ان کے نفوذ میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ❸ اس طرح فلسطین کے والی علقمہ بن محرز کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ صوبہ بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں کر دیا۔ اس طرح عثمان کے خلیفہ بننے کے دو سال بعد معاویہ رضی اللہ عنہ سارے شام کے گورنر قرار پائے اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک بلا شرکت غیرے شام کے گورنر رہے۔ ❹ شام پر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت کا دورانیہ احداث و واقعات سے بھرپور رہا۔ اس دوران اس علاقہ کا شمار جہاد اسلام کے اہم ترین علاقوں میں ہوتا تھا۔

---

❶ تاريخ الامم و الملوك: ٤/ ٢٤١، الدولة الاموية، ص: ١٥٥.

❷ معاويه بن ابوسفيان، از بسام العسلى، ص: ٤٠.

❸ تاريخ خليفة بن خياط، ص: ١٥٥.

❹ تاريخ طبرى: ٥/ ٤٤٣.

اگر چہ شام کے اندرونی حالات میں استحکام آ چکا تھا اور ہر طرف اسلام کا دور دورہ تھا، اور اس علاقہ میں رومیوں کی طرف سے بے چینی پھیلانے کی کوششوں میں نمایاں طور پر کمی آ چکی تھی البتہ اس کی سرحد سرزمین روم سے ملتی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ ان علاقوں میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے جہاد کے لیے میدان کھلا تھا جن کا سیاسی قد کاٹھ عثمانی خلافت کے اواخر میں خاصا بڑھ چکا تھا اس لیے کہ وہ ان والیوں میں شامل تھے جنھیں حضرت عثمان نے باہم مشاورت کے لیے اس وقت جمع کیا تھا جب فتنہ کے آثار نمایاں ہونے شروع ہوئے تھے اس اجتماع میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی کچھ خاص آراء کا اظہار کیا جنھیں بعد ازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اس کی تفصیل آگے چل کر آئے گی۔ [1]

ا۔ حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کی فتوحات:

بلاد شام پر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت کے دوران حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کا شمار جہاد کے ممتاز امراء میں ہوتا تھا۔ جب خلافت عثمانی کے آغاز میں رومیوں نے شام کے مسلمانوں پر زبردست چڑھائی کی تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مدد کے حصول کے لیے خط لکھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے والی کوفہ ولید بن عقبہ کے نام خط لکھا کہ میرا خط ملتے ہی آٹھ سے دس ہزار تک کے ایسے لوگوں پر مشتمل ایک لشکر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجیں جن کی شجاعت و بسالت اور اسلام سے وابستگی تمہارے نزدیک مسلمہ ہو۔ [2] خط پڑھتے ہی ولید بن عقبہ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ نے اس محاذ پر مسلمانوں کی بڑی اچھی آزمائش کی ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ شہر واپس دلا دیئے ہیں جنھوں نے کفر کا ارتکاب کیا تھا اور کئی نئے شہر بھی فتح کروا دیئے ہیں اور انہیں مال غنیمت اور اجر وثواب سے نوازتے ہوئے صحیح وسالم واپس لوٹا دیا۔ ہم اس پر اللہ رب العزت کے شکر گزار ہیں۔ امیر المومنین نے ایک خط کے ذریعے سے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم میں سے آٹھ ہزار سے لے کر دس ہزار لوگوں پر مشتمل ایک بڑا لشکر شام بھیجوں تاکہ تم وہاں اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کر سکو اور یہ اس لیے کہ رومی ان پر لشکر کشی کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔ اس میں تمہارے لیے اجر عظیم بھی ہے اور اس کا فضل وکرم بھی تمہارے شامل حال رہے گا۔ اللہ تم پر رحم کرے۔ اٹھو اور سلیمان بن ربیعہ کے ساتھ روانہ ہو جاؤ۔ لوگوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا اور تین دن کے اندر اندر کوفہ سے آٹھ ہزار لوگ اس مقصد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر چند دنوں میں شام جا پہنچے۔ اہل شام پر مشتمل لشکر کی قیادت حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ اور اہل کوفہ کے لشکر کی قیادت سلیمان بن ربیعہ باہلی کر رہے تھے اور انہوں نے آتے ہی سرزمین روم پر تابڑ توڑ حملے کیے۔ جس کے نتیجہ میں بہت سارے قیدی اور مال غنیمت ان کے ہاتھ لگا اور انہوں نے بہت زیادہ قلعے فتح کر لیے۔ [3]

---

[1] الولایة علی البلدان: ۱/ ۱۷٦ .

[2] تاریخ طبری: ٥/ ۲٤۷ .

[3] تاریخ طبری: ٥/ ۲٤۷ ، عثمان بن عفان از صلابی ، ص: ۱۸۱ .

حبیب رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ جہاد جاری رکھا اور آرمینیہ اور آذر بیجان کے علاقوں میں پے درپے کامیابیاں حاصل کیں اور انہیں بزور بازو یا پھر صلح کے ذریعے فتح کر لیا۔ ❶ حبیب فہری رضی اللہ عنہ کا شمار ان ممتاز کمانڈروں میں ہوتا ہے جنہوں نے بیزنطی آرمینیہ کے ساتھ جنگ کی۔ اس دوران انہوں نے دشمن کے متعدد لشکروں کو نیست و نابود کرتے ہوئے بہت سے قلعے اور شہر فتح کر لیے۔ ❷ اس طرح انہوں نے سرزمین روم میں عراقی جزیرہ کی سرحدوں سے متصل علاقوں میں موجود متعدد قلعوں پر بھی پرچم اسلام لہرانے کا اعزاز حاصل کیا۔ جن میں شمشاط اور ملطیہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ❸

۲۔ خلافت عثمانی میں معاویہ رضی اللہ عنہ بری محاذ پر:

معاویہ رضی اللہ عنہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ پورے طور پر رومی خطرات کا ازالہ صرف اس صورت ممکن ہے کہ انہیں مسلسل میدان جنگ میں الجھا کر رکھا جائے۔ شامی اور جزائری سرحدوں پر جہادی سرگرمیوں کو مزید تیز کیا جائے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے کافی وقت صرف کیا اور عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں اپنی ولایت کے دوران بڑی جدوجہد بھی کی۔ ۲۵ھ میں انہوں نے جب شامی سرحدوں کا دورہ کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ انطاکیہ اور طرطوس کے درمیان موجود قلعے خالی پڑے ہیں تو اہل شام، جزیرہ اور قنسرین کے کچھ لوگ وہاں مقیم ہو گئے۔ ❹ اس کے سال یا دوسال بعد انہوں نے اس مقصد کے لیے یزید بن حرعبسی کو روانہ کیا، ❺ دیگر ولاۃ بھی ایسی ہی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ ۳۱ھ میں انہوں نے مصیصہ کی طرف سے کارروائی کی اور درولیہ تک جا پہنچے (مصیصہ اور درولیہ شامی سرحدیں ہیں)۔ پھر جب یہاں سے نکلے تو انطاکیہ تک ان کے سامنے جو قلعہ بھی آیا اسے گراتے چلے گئے۔ ❻ اس دوران ان کی توجہ کا خصوصی مرکز جزائر کی سرحدیں رہیں۔ آپ نے اپنی اس ولایت کے ابتدائی ایام میں حبیب بن مسلمہ فہری اور صفوان بن معطل سلمی کو شمشاط بھیجا تو انہوں نے اسے فتح کر لیا۔ ملطیہ جو کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا اسے دوبارہ فتح کرنے کے لیے انہوں نے حبیب بن مسلمہ کو بھیجا تو انہوں نے بزور طاقت اسے دشمن کے ہاتھوں سے چھین لیا اور وہاں ایک عامل مقرر کیا جو مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ رابطے میں رہتا۔ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے بذات خود اعدائے اسلام پر حملہ کیا جس سے مقصود روم کے اندر تک رسائی حاصل کرنا تھا۔ اس دوران جب ان کا گزر ملطیہ پر ہوا تو انہوں نے وہاں اہل شام، اہل جزیرہ اور دیگر علاقوں کے کچھ لوگوں کو چھوڑا تاکہ موسم گرما کے حملوں کے لیے یہ راستہ پُرامن رہے۔

اسی سال انہوں نے حصن المرأۃ پر چڑھائی کی اور مرعش نامی شہر تعمیر کر کے اس میں اسلامی لشکر کو آباد کیا۔ ❼

❶ تاریخ الطبری: ۵/ ۸۴۲.

❷ الدولة الاسلامية فى عهد الخلفاء الراشدين از محمدى شاهين، ص: ۲۵۲.

❸ حروب الاسلام فى الشام فى عهود الخلفاء الراشدين، ص: ۵۷۷.

❹ عثمان بن عفان از صلابى، ص: ۲۰۵. ❺ فتوح البلدان، ص: ۶۹.

❻ فتوح البلدان، ص: ۱۶۹. ❼ تاريخ خليفة بن خياط، ص: ۱۶۷، فتوح البلدان، ص: ۱۸۹.

ان تمام شہروں اور قلعوں کا شمار جزری سرحدی مقامات میں ہوتا تھا۔ ❶ ان کارروائیوں کے بعد جب معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی قوت سے مطمئن ہو گئے تو انہوں نے رومی سرزمین کے اندر تک جنگی کارروائیاں بڑھانے کا پروگرام بنایا، چنانچہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۳۲ھ میں اپنے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے اس کے اندر بہت دور تک چلے گئے یہاں تک کہ قسطنطنیہ کے درے تک جا پہنچے۔ ❷

۳۔ معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بحری جنگ کی اجازت طلب کرتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بحری جنگ کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑے اصرار کے ساتھ اجازت طلب کرتے رہے اور انہیں بتاتے رہے کہ روم حمص سے بہت زیادہ قریب ہے۔ اس قدر قریب کہ حمص کی ایک بستی کے لوگ رومیوں کے کتوں کے بھونکنے اور ان کے مرغوں کی بانگ تک کو سن سکتے ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے سمندر اور اس میں سفر کرنے والوں کی صورت حال سے آگاہ کریں۔ اس لیے کہ میں اس بارے میں مطمئن نہیں ہوں۔ اس کے جواب میں حضرت عمرو نے انہیں لکھا: میں نے ایک بڑی مخلوق دیکھی ہے جس پر چھوٹی سی مخلوق سوار ہوتی ہے۔ اگر اس کا ایک طرف جھکاؤ ہو جائے تو دل پھٹ جاتا ہے، اور اگر حرکت کرے تو عقلوں کو ٹیڑھا کر دیتی ہے۔ اس دوران یقین میں کمی آ جاتی ہے اور شک میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کیڑے کسی لکڑی پر سوار ہیں۔ اگر وہ ایک طرف جھک جائے تو ڈوب جائے اور اگر بچ نکلے تو چمک آ جائے۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا یہ خط پڑھا تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا: میں آپ کی یہ درخواست قبول نہیں کر سکتا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں کبھی بھی کسی مسلمانوں کو اس پر سوار نہیں کروں گا۔ مجھے اللہ کی قسم مجھے ایک مسلمان روم کے سارے خزانوں سے زیادہ محبوب ہے۔ میں آپ کو حکماً کہتا ہوں کہ آئندہ کے لیے مجھ سے یہ درخواست نہ کرنا۔ ❸ چونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ روم کی حیثیت اور اس کے مال و ثروت سے بخوبی آگاہ تھے اور وہ چاہتے تھے کہ اسے فتح کر کے اس پر اسلام کا پرچم لہرایا جائے، لہٰذا ان کے دل میں بحری سفر کا خیال بار بار آتا رہا۔ پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت سنبھالا تو انہوں نے ان سے اس موضوع پر دوبارہ گفتگو کی اور ان سے اس کی اجازت کے لیے شدید اصرار کیا۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ جواب دیا: جب تم نے عمر رضی اللہ عنہ سے بحری جنگ کرنے کی اجازت طلب کی تھی اور انہوں نے تمہیں اس کا جواب دیا تھا تو میں اس سے بخوبی آگاہ ہوں۔ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں دوبارہ لکھا جس میں انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قبرص کی طرف بحری سفر کو بہت آسان بتایا۔ اس کے جواب میں انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اگر اس سفر کے دوران آپ کی بیوی آپ کے ساتھ ہو تو پھر تو آپ کو اس کی اجازت ہے بصورت دیگر ہرگز نہیں۔ ❹

---

❶ فتوح البلدان، ص: ۱۸۷ تا ۱۹۶۔

❷ تاریخ خلیفہ بن خیاط، ص: ۱۶۷، تاریخ طبری: ۴/ ۳۰۴، اثر العلماء فی الحیاة السیاسیة فی الدولة الامویة، ص: ۶۹

❸ تاریخ طبری: ۵/ ۲۵۸۔ ❹ الادارة العسکریة فی الدولة الاسلامیة: ۲/ ۵۳۸۔

خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ شرط بھی لگائی کہ اس کے لیے نہ تو آپ کسی کا انتخاب کریں گے اور نہ قرعہ اندازی ہی کریں گے۔ آپ لوگوں کو اختیار دیں گے ان میں سے جو شخص خوشی سے بحری جنگ میں شرکت کرنا چاہے اسے اپنے ساتھ لے لیں اور اس کے ساتھ تعاون کریں۔ [1] جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ خط پڑھا تو وہ قبرص کی طرف بحری سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ انہوں نے ساحلی پٹیوں پر رہنے والے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ کشتیاں تیار کر کے انہیں عکا کے ساحل کے قریب لے جائیں تا کہ مسلمان ان پر سوار ہو کر قبرص کی جانب روانہ ہو سکیں۔ [2]

۴۔ غزوہ قبرص:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے غازی لشکر کے لیے کشتیاں تیار کرنے کا حکم دیا اور ان کی روانگی کے لیے عکا کی بندرگاہ کو منتخب کیا۔ یہ کشتیاں کثیر تعداد میں تھیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ اپنی زوجہ محترمہ فاختہ بنت قرظہ کو بھی کشتی پر سوار کرایا۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اپنی بیوی ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس غزوہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے۔ [3] یہ وہی ام حرام رضی اللہ عنہا ہیں جن کے بارے میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ آپ کو کھانا کھلایا کرتیں۔ یہ خاتون حضرت عبادہ بن صامت کے نکاح میں تھیں۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: ''میری امت کے کچھ لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا گیا جو کہ فی سبیل اللہ جہاد کر رہے ہوں گے۔ وہ سمندر پر اس طرح سوار ہیں جس طرح بادشاہ تختوں پر بیٹھا کرتے ہیں۔'' ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا: اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بھی ان لوگوں میں شامل کرے۔ آپ نے اس کے لیے دعا کی اور پھر دوبارہ سو گئے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے والی بات دہرائی۔ ام حرام نے اس لشکر میں شامل ہونے کے لیے پہلے جیسی دعا کرنے کی درخواست کی۔ تو آپ نے فرمایا: ''آپ پہلے لوگوں میں سے ہیں۔'' ام حرام رضی اللہ عنہا نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ امارت میں سمندری سفر کیا۔ جب وہ سمندر سے باہر نکلیں تو اپنی سواری کے جانور سے گر گئیں۔ جس کی وجہ سے وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ [4] اگرچہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی کو بحری جہادی سفر کے لیے مجبور نہیں کیا تھا، اس کے باوجود مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر آپ کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ [5] اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کی نظروں میں دنیا و مافیہا کی کوئی قدر و منزلت نہیں تھی۔ اگرچہ دنیا کے تمام دروازے ان کے لیے کھول دیئے گئے تھے اور وہ اس کی نعمتوں سے لطف اندوز بھی ہو رہے تھے مگر وہ ان چیزوں کو قطعاً کوئی اہمیت نہ دیتے تھے اور یہ اس لیے کہ یہ بات ان کی گھٹی میں داخل کر دی گئی تھی کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس سے کہیں بہتر بھی ہے اور اسے بقا بھی حاصل ہے اور یہ کہ اللہ نے انہیں اس لیے منتخب کیا ہے کہ اس کے دین کی نصرت و حمایت کی جائے۔ دنیا میں

---

[1] تاریخ طبری: ۵/ ۲۶۰ .
[2] الادارة العسكرية فى الدولة الاسلامية: ۲/ ۵۳۸ .
[3] البداية والنهاية: ۷/ ۱۵۹ .
[4] بخاری، رقم: ۲۸۷۷ .
[5] جولة تاريخية فى عصر الخلفاء الراشدين، ص: ۳۵٦ .

عدل قائم کیا جائے، اچھائی کی اشاعت کی جائے برائی سے روکا جائے اور دین الٰہی کی سربلندی کے لیے انتھک کوشش کی جائے۔ ان کا یقین تھا کہ ان کی اصل ذمہ داری اس مہم کو سر کرنا ہے اور یہ کہ جہاد فی سبیل اللہ ہی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول کا واحد ذریعہ ہے، اگر وہ اس ذمہ داری کی ادائیگی سے قاصر رہتے ہیں اور اپنے فرائض کی تکمیل سے ہمت ہار بیٹھتے ہیں تو پھر اللہ دنیا میں ان کی مدد کرنے سے ہاتھ روک لے گا اور آخرت میں انہیں اپنی خوشنودی سے محروم کر دے گا تو یہ ایک کھلا خسارہ ہوگا۔

اسی بنا پر وہ امیر کے ساتھ کشاں کشاں چلے آئے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہوئے کشتیوں پر سوار ہو گئے۔ شاید ام حرام رضی اللہ عنہا کی حدیث ہی نے ان کے دلوں میں ان جذبات کو اجاگر کیا ہو اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے انہیں اس سمندری سفر کے لیے آمادہ کیا ہو۔

۲۸ھ بمطابق ۶۴۹ء میں موسم سرما کے اختتام پر مسلمان شام سے روانہ ہوئے [1] اور عکا کی بندرگاہ سے کشتیوں پر سوار ہوئے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا اپنی سواری پر سوار ہوئیں تو سواری کا جانور بدک گیا اور اس نے انہیں زمین پر گرا دیا جس سے ان کی گردن ٹوٹ گئی اور اس طرح وہ خالق حقیقی سے جا ملیں۔ [2] مسلمانوں نے ان قربانیوں کی یاد کے طور پر جو انہوں نے اپنے دین کی اشاعت کے لیے پیش کی تھیں ام حرام رضی اللہ عنہا کو جزیرہ کی زمین میں ہی سپرد خاک کر دیا۔ اس علاقہ میں ان کی قبر کو ''نیک بی بی کی قبر'' سے جانا جاتا ہے۔ [3] اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے رفقاء کے ساتھ اکٹھے ہوئے جن میں ابو ایوب انصاری، ابو الدرداء، ابو ذر غفاری، عبادہ بن صامت، واثلہ بن اسقع، عبداللہ بن بشر مازنی، شداد بن اوس بن ثابت، مقداد بن اسود، کعب الحبر بن ماتع اور جبیر بن نفیر حضرمی بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے باہم مشورہ کر کے اہل قبرص کے نام پیغام بھیجا کہ ہم تمہارے جزیرہ پر قبضہ کرنے کی غرض سے نہیں آئے۔ [4] ہم تمہیں اللہ کے دین کی دعوت دینے کے لیے آئے ہیں نیز ہمارے پیش نظر شام میں دولت اسلامیہ کی حدود کو پر امن رکھنا ہے اور یہ اس لیے کہ بیزنطی جب مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار ہوتے ہیں تو قبرص کو آرام گاہ کے طور پر استعمال کیا کرتے اور جب ان کا زاد راہ کم پڑ جاتا تو یہاں سے سامان رسد حاصل کیا کرتے تھے۔

اگر مسلمان اس جزیرہ کو اپنے زیر نگین کر کے مطمئن نہ ہوئے اور وہ ان کے ارادے کے تابع نہ ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کا وجود کانٹا بن کر ان کی پیٹھوں میں چبھتا رہے گا اور تیر بن کر مسلمانوں کے سینوں کو چھلنی کرتا رہے گا مگر اس پیغام کے جواب میں اہل جزیرہ نے نہ تو سپاہ اسلام کے سامنے ہتھیار ڈالے اور نہ ان کے لیے اپنے شہروں کے دروازے کھولے اور نہ ان کا سامنا کرنے کے لیے میدان میں ہی اترے بلکہ دار الحکومت میں قلعہ بند ہو

---

[1] جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: ٣٥٦.

[2] البداية و النهاية: ٧/ ١٥٩. [3] جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: ٣٥٧.

[4] جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: ٣٥٧.

گئے۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ اہل روم آگے بڑھ کر ان کا دفاع کریں گے اور مسلمانوں کی چڑھائی کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں گے۔ ❶

۵۔ اہل قبرص کی طرف سے صلح کا مطالبہ:

مسلمانوں نے پیش قدمی کرتے ہوئے قبرص کے دار الحکومت ''قسطنطنیہ'' کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے کو ابھی چند گھنٹے ہی گزرے تھے کہ وہ لوگ ان کے ساتھ صلح کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے جس کے لیے مسلمانوں نے چند شرائط رکھیں۔ جب کہ اہل قبرص نے یہ شرط رکھی کہ مسلمان ان پر کوئی ایسی شرط عائد نہیں کریں گے جس کی وجہ سے وہ اہل روم کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے کسی مصیبت میں پھنس جائیں اس لیے کہ ہم میں نہ تو ان کا سامنا کرنے کی ہمت ہے اور نہ ان سے جنگ کرنے کی ہی طاقت۔ اہل قبرص کے ساتھ مسلمانوں کی شرائط کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ اگر جزیرہ کے رہائشی آمادہ جنگ ہوئے تو مسلمان اس کا دفاع نہیں کریں گے۔
۲۔ جزیرہ کے باسی مسلمانوں کو ان کے دشمن رومیوں کی نقل و حرکت سے باخبر رکھیں گے۔
۳۔ اہل جزیرہ مسلمانوں کو سالانہ سات ہزار دو سو درہم ادا کیا کریں گے۔
۴۔ مسلمان ان کے راستے سے اپنے دشمن تک رسائی حاصل کریں گے۔
۵۔ اگر رومی مسلمانوں سے جنگ کریں گے تو وہ ان کی نہ تو مدد کریں گے اور نہ مسلمانوں کے خفیہ معاملات سے ہی انہیں آگاہ ہی کریں گے۔ ❷

اہل جزیرہ کے ساتھ صلح کرنے کے بعد مسلمان شام واپس چلے گئے۔ اس حملہ نے یہ ثابت کر دکھایا کہ مسلمان رومیوں کے ساتھ جنگ کی پوری پوری صلاحیت رکھتے ہیں نیز اس دوران انہیں دشمن کے ساتھ اس قسم کی معرکہ آرائی کے لیے مشق کرنے کا موقع بھی میسر آیا جو اُن پر حملہ آور ہونے کے لیے کمربستہ رہتا ہے چاہے وہ حملہ بلاد شام پر ہو یا اسکندریہ پر۔ ❸

۶۔ شام میں اسلامی بحری بیڑے کے کمانڈر عبداللہ بن قیس:

معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن قیس جاسی کو بحری بیڑے کا کمانڈر مقرر کیا، اس دوران انہوں نے شاتیہ اور صائفہ کے درمیان بحری جنگی کارروائیاں کیں جن کے دوران ان کی فوج کا کوئی ایک آدمی بھی نہ تو غرق آب ہوا اور نہ کسی کو کوئی زخم ہی آیا۔ وہ اللہ سے دعا کیا کرتے تھے کہ وہ انہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ان میں سے کسی کو بھی کوئی گزند نہ پہنچے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا۔ یہاں تک کہ جب انہوں نے اکیلے ہی جام شہادت نوش کرنے کا ارادہ کیا تو وہ کشتی پر سوار ہو کر سرزمین روم میں مرفأ کے مقام پر جا

❶ جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: ۳۵۸، ۳۵۹.
❷ تاريخ طبري: ۵/ ۲۶۱.
❸ جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين، ص: ۳۵۸، ۳۵۹.

پہنچے۔ وہ ادھر آئے تو کئی بھکاریوں نے انہیں گھیر لیا اور انہوں نے ان پر صدقہ کیا، ایک بھکاری عورت نے انہیں پہچان کر بستی کا رخ کیا اور لوگوں سے کہنے لگی: کیا تمہیں عبداللہ بن قیس میں دلچسپی ہے؟ انہوں نے دریافت کیا: وہ کہاں ہیں؟ اس نے بتایا: مرفأ میں، وہ کہنے لگے: اللہ کی دشمن، تو انہیں کیسے پہچانتی ہے؟ اس نے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا: تم لوگ تو بالکل ہی گئے گزرے ہو بھلا عبداللہ بھی کسی پر مخفی رہ سکتا ہے۔ وہ لوگ وہاں پہنچ کر ان پر حملہ آور ہوئے یہاں تک کہ وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ [1] جس عورت نے رومیوں کو عبداللہ بن قیس کے خلاف بھڑکایا اس سے پوچھا گیا کہ تو نے عبداللہ کو کیسے پہچانا؟ تو اس نے کہا: وہ تاجر کے روپ میں تھا مگر جب میں نے اس کے سامنے دست سوال دراز کیا تو اس نے مجھے بادشاہ کی طرح دیا جس سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ عبداللہ بن قیس ہے۔ [2]

یوں اللہ تعالیٰ نے جب اس عظیم قائد کو خلعت شہادت سے نوازنا چاہا تو اسے یہ موقع اس انداز سے فراہم کیا کہ وہ ایسی وضع اختیار کیے ہوئے تھے جو مسلمانوں کی بحری شہرت کے لیے ضرر رساں نہیں تھی۔ وہ تن تنہا دشمن کی نگرانی کرنے اور ان کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور پھر وہ انوکھا واقعہ پیش آیا جس کی گہرائی تک اس ملک کی عورتوں میں سے ایک ذہین عورت نے رسائی حاصل کر لی۔ اس عورت نے دیکھا کہ جو آدمی بظاہر عام تاجروں جیسا نظر آتا ہے وہ بادشاہوں کی طرح جود وسخا کرتا ہے۔ اگرچہ وہ سادہ سی وضع قطع اختیار کیے ہوئے تھے مگر وہ عورت ان میں سیادت و قیادت کی علامات کا مشاہدہ کر کے اس امر سے آگاہ ہو گئی کہ یہ مسلمانوں کا وہ قائد ہے جس نے اس سرزمین میں اپنے دشمنوں کو چکرا کر رکھ دیا ہے۔ اس طرح دشمنوں تک کے ساتھ اس عظیم قائد کا جود وسخا پر مبنی رویہ ان کے راز کو ظاہر کرنے اور ان کے مرکز سے آگاہی کے حصول کا سبب بن گیا اور یوں اللہ کا فیصلہ نافذ ہو کر رہا۔ مسلمان قائدین بڑی بڑی کامیابیوں کے حصول کے لیے اپنے اخلاق و کردار کے حوالے سے اس قسم کی اعلیٰ مثالیں قائم کیا کرتے ہیں۔ نیز اس لیے بھی کہ وہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے بہترین قائدانہ صلاحیتوں سے متصف یہ عظیم قائد دشمن کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے از خود اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور یہ معاملہ اپنے کسی لشکری کے سپرد نہیں کرتا۔ اس مہم کو سر کرنے کے لیے ان کا اکیلے نکل کھڑا ہونا اگرچہ اپنے آپ کو خطرات سے دوچار کرنے اور دشمن کے ہاتھوں اپنی ہلاکت کو دعوت دینے کے مترادف ہے مگر وہ مشکل ترین حالات کا سامنا کرتے ہوئے تن تنہا یہ فریضہ سرانجام دیتے اور اس دوران دشمن کی عورتوں اور اس کے کمزور لوگوں کے ساتھ بھی وہ اسلام کی اعلیٰ ترین اخلاقی قدروں کا مظاہرہ کرتے۔ ان کی طرف شفقت اور مہربانی کا ہاتھ بڑھاتے اور مال کے ساتھ جود وسخا کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ قبل ازیں اپنے لشکر کے ساتھ تشدد اور نفرت و غرور پر مبنی رویہ نہیں اپناتے بلکہ وہ بڑی وسیع ظرفی کے ساتھ اس کے رفیق اور دوست کے روپ میں دیکھے جاتے ہیں اور جب ہر طرف سے مشکلات میں گھر جاتے ہیں تو وہ ان پر سختی کرنے اور انہیں ملامت کرنے کی بجائے ان مشکلات کا خاتمہ کرنے کے لیے اکیلے ہی جان لڑا دیتے ہیں۔ نفسانی خواہشات کی غلامی کے بندھن سے آزاد ہونے کی یہ

[1] تاریخ طبری: ٥/ ٢٦٠. [2] تاریخ طبری: ٥/ ٢٦٠.

ایک عظیم مثال ہے اور یہ وہ عظیم اخلاق ہے جس سے اسلام کی پہلی نسل متصف تھی اور یہی وہ امتیازی اوصاف ہیں جن کی وجہ سے انہیں اسلامی فتوحات کی عظیم کامیابیاں میسر آئیں اور امت اسلامیہ کے مسائل و مشکلات کو حل کرنے میں ان کے حکام و قائدین کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ ان کا ذکر کس قدر دل آویز اور ان کی قربانیاں کتنی عظیم ہیں۔ وہ ظالم حکمرانوں کے خلاف کتنی بڑی قوت اور مساکین وضعفاء پر کس قدر مہربان، شفیق ثابت ہوئے۔ ❶

۷۔ اہل قبرص صلح کا معاہدہ توڑ دیتے ہیں:

۳۲ھ رومیوں نے اہل قبرص پر اس بات کے لیے شدید دباؤ ڈالا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے رومی لشکر کی کشتیوں کی صورت میں مدد کریں۔ یوں انہوں نے اس جبر کے تحت مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ توڑ ڈالا۔ جب یہ خبر معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے جزیرہ پر قبضہ جمانے اور اسے مسلمانوں کے سلطان کے زیر نگین لانے کا پروگرام بنالیا اور پھر اسے عملی جامہ پہناتے ہوئے جزیرہ پر بھرپور انداز میں حملہ کر دیا۔ یہ حملہ ایک طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے اور دوسری طرف سے عبداللہ بن سعد کے لشکر نے کیا۔ اس دوران دشمن کے بے شمار لوگ مارے گئے۔ متعدد کو قیدی بنالیا گیا اور بہت سارا مال غنیمت ان کے ہاتھ لگا۔ ❷ آخر کار اسلامی قوت کے اس دباؤ کے تحت قبرص کا حاکم مسلمان فاتحین سے صلح کی درخواست کرنے پر مجبور ہو گیا، چنانچہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ صلح کے گزشتہ معاہدہ کو بحال کر دیا۔ ❸

معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ تجویز آئی کہ اب جزیرہ میں کسی ایسے لشکر کو متعین کیا جائے جو اسے دشمن کی غارت گری سے محفوظ اور امن و امان کو برقرار رکھے تاکہ رومی مسلمانوں کے خلاف سرکشی کا مظاہرہ کرنے کی جرأت نہ کرسکیں، چنانچہ انہوں نے وہاں بارہ ہزار پر مشتمل ایک لشکر کو وہاں متعین کر دیا اور بعلبک سے ایک جماعت کو بھی وہاں منتقل کر دیا۔ پھر وہاں ایک شہر تعمیر کیا۔ اس میں ایک مسجد بنائی اور وہاں مامور فوجیوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ اب جزیرہ پُرامن تھا۔ مسلمان رومیوں کے اچانک حملوں سے محفوظ تھے۔ مگر پھر مسلمانوں نے دیکھا کہ اہل قبرص عسکری صلاحیت سے عاری ہیں اور وہ اپنے خلاف جنگ کرنے والوں کے سامنے بالکل کمزور ہیں۔ انہیں یہ بھی احساس ہوا کہ رومی ان کے معاملات کو اپنے کنٹرول میں لے لیں گے اور اپنے مفادات کے لیے انہیں زیر کرلیں گے۔ دریں حالات ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ انہیں رومیوں کے ظلم سے تحفظ فراہم کیا جائے اور انہیں ان کے تسلط سے آزاد رکھا جائے۔ اس وقت اسماعیل بن عیاش نے فرمایا تھا: اہل قبرص کمزور اور مجبور و مقہور ہیں اگر انہیں اسی حال پر چھوڑ دیا گیا تو رومی ان پر غالب آجائیں گے اور ان کی عورتوں پر تسلط جمالیں گے، چنانچہ ہم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ہم انہیں دشمن سے محفوظ رکھیں اور ان کی حفاظت کا بندوبست کریں۔ ❹

---

❶ التاریخ الاسلامی: ۱۲/ ۴۰۲.

❷ جولة تاریخیة فی عصر الخلفاء الراشدین: ۳۵۹-۳۶۰.

❸ فتوح البلدان از بلاذری، ص: ۱۵۸. ❹ جولة تاریخیة، ص: ۳۶۱.

۸۔ اللہ کے نافرمان اس کے نزدیک حقیر ترین ہیں:

مذکورہ بالا غزوہ کے سیاق میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ پڑھنے کو ملتا ہے کہ جب انہوں نے رومی دشمن کے قیدیوں کی طرف دیکھا تو رونے لگ گئے اور پھر فرمایا: جب لوگ اللہ کے نافرمان بن جاتے ہیں تو اس کے نزدیک بے وقعت ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں کی طرف دیکھیں، یہ ایک غالب قوت تھے، لوگ ان کے زیردست تھے مگر جب انہوں نے اللہ کے حکم کو ترک کر دیا اور اس کی نافرمانی میں لگ گئے تو وہ ان ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہو گئے۔ [1]

دوسری روایت میں وارد ہے کہ جبیر بن نفیر نے ان سے فرمایا: آپ رو رہے ہیں حالانکہ یہ ایسا دن ہے جس میں اللہ نے اسلام اور پیروان اسلام کو عزت و شان سے نوازا ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا: یہ غالب و زبردست قوم تھی اور ان کی اپنی بادشاہی تھی مگر جب انہوں نے اللہ کے حکم کو ضائع کر دیا تو اس نے انہیں ان برے حالات سے دوچار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا یہ حکم مسلط کر دیا کہ انہیں قیدی بنا لیا جائے اور جب قیدی ہونا کسی قوم کا حق ٹھہرتا ہے تو پھر اللہ کو ان کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا: جب بندے اللہ کے حکم کو ترک کر دیتے ہیں تو اس وقت اللہ کے نزدیک ذلیل ترین قرار پاتے ہیں۔ [2] ابودرداء رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی ان لوگوں پر از راہ حسرت رو رہے ہیں جن کی بصیرتیں اللہ تعالیٰ نے سلب کر لیں اور انہوں نے دعوت حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اس دردناک انجام سے دوچار ہوئے۔ بادشاہت اور عزت سے محروم کر دیئے گئے اور ذلت و اطاعت گزاری کے لیے مجبور کر دیئے گئے اور یہ اس لیے کہ وہ باطل کو اپنائے رکھنے پر مصر رہے اور دعوت حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کرتے رہے۔ اگر وہ لوگ عقل سے کام لیتے تو ان کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے ان کا ملک بھی باقی رہتا اور ان کے گھر بار بھی آباد رہتے اور انہیں اسلام اور اہل اسلام کی نصرت و حمایت بھی حاصل ہو جاتی۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی یہ گہری بصیرت عطف و رحمت کا ایک مظہر ہے جس نے آپ کے آنسوؤں کا روپ دھار لیا جو اس عظیم انسان کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ یہ آنسو جو اُن میں پنہاں شفقت و رحمت کے جذبات کی تعبیر اور اس قوم کے انجام بد پر اظہار غم کے عکاس ہیں جس نے عزت پر ذلت و رسوائی، ہدایت و گمراہی اور ملک کے زوال کی صورت میں برے انجام کو پسند کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کو لوگوں کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے کتنی خوشی ہوتی اور ان کے ذلت و رسوائی میں مبتلا رہنے سے کتنا دکھ ہوتا ہے۔ [3]

۹۔ معاویہ رضی اللہ عنہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو قبرص کے مال غنیمت کا نگران مقرر فرماتے ہیں:

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میں غزوہ حنین کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو لوگ مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کا مال اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: ''اس مال غنیمت میں خمس کے علاوہ میرا کوئی حق نہیں ہے اور خمس بھی تم پر

[1] التاریخ الاسلامی: ۱۲/ ۳۹۶.
[2] البدایة و النهایة: ۷/ ۱۵۹.
[3] التاریخ الاسلامی: ۱۲/ ۳۹۷.

ہی تقسیم کر دیا جائے گا۔'' عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: معاویہ! اللہ سے ڈریں اور مال غنیمت کو صحیح طور سے خرچ کریں اور کسی شخص کو بھی اس کے حصہ سے زیادہ نہ دیں۔ یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: میں اس کی تقسیم کا معاملہ تمہارے سپرد کرتا ہوں اس لیے کہ شام میں تم سے افضل شخص اور کوئی نہیں ہے۔ اسے اس کے حق داروں میں تم تقسیم کرو اور اللہ سے ڈرتے رہنا، چنانچہ اسے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے جملہ حق داروں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے لیے ابودرداء اور ابوامامہ نے ان کی معاونت کی۔ ❶

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا شمار مدرسہ شامیہ کے مؤسسین میں ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں معلم اور قاضی بنا کر شام بھیجا تھا۔ انہوں نے کچھ دیر حمص میں قیام کیا پھر فلسطین منتقل ہو کر منصب قضاء پر فائز ہوئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ آپ فلسطین میں یہ منصب سنبھالنے والے پہلے خوش نصیب تھے اس دوران آپ لوگوں کو قرآن حکیم کی تعلیم بھی دیا کرتے اور زندگی کے آخری ایام تک یہ ذمہ داری نبھاتے رہے۔ آپ نے فلسطین میں ہی وفات پائی۔ ❷

عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ نے خلافت راشدہ کی علمی، تربیتی اور جہادی سیاست کے نفاذ میں بڑا اہم کردار ادا کیا، آپ کا شمار اہل زہد وتقویٰ میں ہوتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حمص تشریف آوری پر لوگوں سے فرمایا: ''خبردار! دنیا ایک عارضی سامان ہے اور یقیناً آخرت سچا وعدہ ہے، خبردار دنیا کے بھی بیٹے ہیں اور آخرت کے بھی بیٹے ہیں۔ تم آخرت کے بیٹے بنو دنیا کے بیٹے مت بنو۔ اس لیے کہ ہر ماں کے بیٹے اسی کے پیچھے جاتے ہیں۔'' ❸

۱۰۔ ابوذر اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلاف کی حقیقت اور اس بارے عثمان رضی اللہ عنہ کا موقف:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والے انہیں اس لیے ہدف تنقید بناتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ربذہ جلاوطن کر دیا تھا۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ عبداللہ بن سبا نے شام میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور انہیں زہد وقناعت اختیار کرنے، فقراء کی دلجوئی کرنے اور ضرورت سے زائد مال خرچ کر دینے کی تلقین کی اور پھر وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی عیب گیری کرنے لگا۔ عبادہ رضی اللہ عنہ اسے پکڑ کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور ان سے کہنے لگے: اس شخص کو آپ کے پاس ابوذر نے بھیجا ہے۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابوذر کو شام سے باہر نکال دیا۔ ❹ احمد امین مصری نے اس بات کی پوری کوشش کی کہ وہ کسی طرح ابوذر غفاری اور مزدک فارسی کی آراء میں کوئی نہ کوئی مشابہت پیدا کر دے، اس کا کہنا ہے کہ ابن سبا یمن میں مقیم تھا اور اس کی عراق میں بھی آمد ورفت تھی زمانہ قبل از اسلام میں فارسی لوگوں کی کثیر تعداد یمن اور عراق میں آباد تھی، لہٰذا اس بات کا خاصا احتمال ہے کہ ابن سبا نے یہ سوچ عراقی مزدکیت سے اپنائی ہو اور اس سے ابوذر رضی اللہ عنہ نے اخذ کر لی ہو۔ ❺

❶ الرياض النضرة، ص: ٥٦١.
❷ عبادة بن صامت، صحابي كبير و فاتح مجاهد، ص: ٨٤.
❸ الاكتفاء، الكلاعي: ٣/ ٣١٠.
❹ المدينة المنورة، فجر الاسلام: ٢/ ٢١٦، ٢١٧.
❺ فجر الاسلام، ص: ١١٠.

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عیب گیری پر مشتمل ابوذر رضی اللہ عنہ کا واقعہ سراسر باطل ہے اور وہ کسی بھی صحیح روایت پر مبنی نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی بے اصل اور خود ساختہ ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ اور ابن سبا کے درمیان کوئی رابطہ تھا۔ ❶
اس بارے میں اصل صورت حال یہ ہے کہ ابوذر نے اپنی مرضی سے ربذہ میں رہائش اختیار کی تھی اور اس کا سبب قرآنی آیت کے فہم میں ان کا وہ اجتہاد تھا جو کہ دیگر صحابہ کرام کی آراء سے مختلف تھا۔ وہ اپنی اس رائے پر مصر رہے اور اس پر کسی نے بھی ان سے موافقت نہ کی۔ انہوں نے از خود خلیفۃ المسلمین سے ربذہ ❷ میں رہائش پذیر ہونے کی درخواست کی جہاں وہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں جایا کرتے تھے۔ انہیں اس علاقہ میں نہ تو کسی نے زبردستی جلاوطن کیا تھا اور نہ وہ وہاں جبری طور پر ہی مقیم رہے۔ خلیفۃ المسلمین نے انہیں اپنی رائے سے رجوع کرنے کا حکم بھی نہیں دیا تھا اس لیے کہ ان کا نکتہ نظر قابل قدر تھا مگر اس پر عمل کرنا مسلمانوں کے لیے واجب نہیں تھا۔ ❸

ابوذر کے واقعہ میں صحیح ترین روایت زید بن وہب سے مروی صحیح بخاری کی وہ روایت ہے جس میں وہ بتاتے ہیں کہ میں ربذہ گیا تو وہاں میری ملاقات ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ میں نے ان سے دریافت کیا: آپ یہاں کیوں آ بسے؟ انہوں نے فرمایا: میں شام میں مقیم تھا کہ اس دوران میرا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس آیت میں اختلاف ہو گیا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (التوبة: ٣٤)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک بہت سے عالم اور درویش یقیناً لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، تو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے۔''

معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی، جبکہ میرا موقف تھا کہ یہ آیت ان کے اور ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ جب ہمارے درمیان اس بارے میں اختلاف پیدا ہوا تو انہوں نے میری شکایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دی جس پر انہوں نے مجھے مدینہ منورہ آنے کے لیے کہا۔ میں ان کی خواہش کی تکمیل میں مدینہ منورہ گیا تو لوگ اس کثرت سے میرے پاس آنے لگے کہ گویا کہ انہوں نے اس سے قبل مجھے کبھی دیکھا ہی نہ ہو۔ میں نے اس بات کا ذکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا: ''اگر آپ چاہیں تو یہاں سے الگ ہو کر ہمارے قریب ہی کہیں جا بسیں۔'' یہ ہے وہ بات جس کی وجہ سے میں اس جگہ رہائش پذیر ہو گیا۔ اگر وہ کسی حبشی کو بھی میرا امیر مقرر کر دیں تو میں اس کی بات سنوں گا اور اس کی اطاعت بھی کروں گا۔ ❹ یہ اثر چند اہم امور

---

❶ المدينة المنوره، فجر الاسلام: ٢/ ٢١٧.
❷ ربذہ عراق اور مکہ کے راستے پر ایک منزل تھی۔
❸ المدينة المنورة، فجر الاسلام: ٢/ ٢١٧.
❹ بخاری، كتاب الزكوة، رقم: ١٤٠٦.

کی طرف اشارہ کرتا ہے جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

ا: زید بن وہب نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ سوال اس لیے کیا تھا تا کہ وہ اس بات کی تحقیق کر سکیں جسے دشمنان عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر جگہ پھیلا دیا تھا: کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں جلاوطن کیا تھا یا انہوں نے یہ جگہ خود ہی پسند کی تھی؟ پھر سیاق کلام سے یہ معلوم ہوا کہ جب بہت سارے لوگ ان سے شام سے نکلنے کی وجہ معلوم کرنے کے لیے ان کے پاس آنے لگے تو وہ یہاں سے باہر چلے گئے۔ نصِ حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں ربذہ جانے کا حکم دیا تھا بلکہ انہوں نے اپنے لیے یہ جگہ خود منتخب کی تھی۔ اس کی تائید عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے اپنا سر ننگا کیا اور فرمایا: اللہ کی قسم میرا خوارج کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم نے آپ کو اس لیے بلایا ہے تا کہ آپ مدینہ میں ہمارے قریب ہی رہیں۔ اس پر ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، آپ مجھے ربذہ جانے کی اجازت دے دیں۔ تو انہوں نے اس کی اجازت دے دی۔ [1]

ب: ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ: ''میں شام میں تھا'' انہوں نے شام میں رہائش اختیار کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''جب مدینہ کی تعمیرات ''سلع'' تک پہنچ جائیں تو پھر شام کوچ کر جانا۔'' جب میں نے یہ کچھ دیکھ لیا تو میں شام چلا آیا اور یہاں رہائش اختیار کر لی۔ [2]

ج: مال وزر کے بارے میں ابوذر کا موقف اس آیت کریمہ کے فہم میں ان کے اجتہاد پر مبنی تھا:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍo يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَo﴾ (التوبة: ٣٤-٣٥)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک بہت سے عالم اور درویش یقیناً لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، تو انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے۔ جس دن اسے جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا۔ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے خزانہ بنایا تھا، سو چکھو جو تم خزانہ بنایا کرتے تھے۔''

احنف بن قیس سے ان کا یہ بیان مروی ہے کہ میں مسجد نبوی میں کچھ قریشی سرداروں کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ

[1] فتح الباري: ٣/ ٢٧٤.
[2] المدينة المنورة، فجر الاسلام: ٢/ ٢١٩.

اس دوران بوسیدہ سے کپڑوں میں ملبوس پراگندہ بالوں اور عام سی ہیئت والا ایک آدمی آیا اور ان کے پاس کھڑا ہو کر انہیں سلام کیا، پھر فرمانے لگا: خزانہ جمع کرنے والوں کو گرم پتھر کی بشارت دے دو، وہ پتھر ان پر جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، اسے ان کی چھاتی کی نوک پر رکھ دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ ان کے کندھے کی نرم ہڈی کے پار ہو جائے گا، اسے کندھے کی نرم ہڈی پر رکھا جائے گا یہاں تک چھاتی کی نوک سے پار ہو جائے گا، اسی طرح وہ پتھر ڈھلکتا رہے گا۔'' یہ کہہ کر اس نے پیٹھ پھیری اور ایک ستون کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے چلا اور اس کے پاس جا بیٹھا، میں نہیں جانتا تھا کہ یہ شخص کون ہے۔ میں نے اس سے کہا: میرے خیال میں تمہاری اس بات کی وجہ سے یہ لوگ ناراض ہو گئے ہیں، اس نے کہا: یہ لوگ تو بے وقوف ہیں۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا: ''میں نہیں چاہتا کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو، اگر ہو تو میں وہ سارے کا سارا خرچ کر دوں بجز تین اشرفیوں کے۔''[1]

د: جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابوذر رضی اللہ عنہ کے موقف کے خلاف اس وعید کو مانعین زکوٰۃ پر محمول کرتے ہیں اور اس کے لیے وہ ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے، پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے، پانچ وسق سے کم غلہ میں زکوٰۃ نہیں ہے۔''[2]

اس حدیث کی شرح میں ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب یہ چیزیں پانچ سے بڑھ جائیں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے اس کا مالک اس وعید کی زد میں نہیں آتا اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد بچ جانے والے مال کو کنز سے موسوم نہیں کیا جائے گا۔[3]

میں نے اپنی کتاب ''عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ'' میں دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو جلا وطن نہیں کیا تھا، انہوں نے ان سے ربذہ منتقل ہونے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے اس کی اجازت دے دی۔

مگر اعدائے عثمان رضی اللہ عنہ نے گروہی تعصب سے کام لیتے ہوئے ان پر یہ الزام لگا دیا کہ انہوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے نکال دیا تھا۔ جب غالب القطان نے حسن بصری سے یہ سوال کیا: کیا عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے نکال دیا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا: معاذ اللہ، ہرگز نہیں۔[4] جن روایات میں یہ بتایا گیا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا تو وہ تمام کی تمام ضعیف الاسناد ہیں اور ان میں کوئی نہ کوئی علت ضرور پائی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا متن بھی قابل انکار ہے اس لیے کہ وہ ان صحیح اور حسن روایات کے مخالف ہے جو یہ بتاتی ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ سے ربذہ منتقل ہونے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے

---

[1] بخاري: كتاب الزكوة، رقم الحديث: ١٤٠٧. [2] بخاري، رقم الحديث: ١٤٠٥.
[3] فتح الباري: ٣/ ٢٧٢. [4] تاريخ المدينة، ابن شبه، ص: ١٠٣٧. اس کی سند صحیح ہے۔

اس کی اجازت دے دی۔ ❶ بلکہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے شام سے واپس آنے کا مطالبہ کیا تا کہ وہ مدینہ منورہ میں ان کی ہمسائیگی میں رہیں، پھر جب وہ شام سے واپس آئے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے تمہیں اچھے مقصد کے لیے یہاں آنے کو کہا تھا، آپ کو مدینہ میں ہماری ہمسائیگی میں رہنا چاہیے۔ ❷ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ بھی فرمایا: آپ میرے پاس رہیں تا کہ ہم صبح و شام ملاقات کرتے رہا کریں۔ ❸ کیا ان سے ایسی باتیں کرنے والا انہیں جلاوطن کر سکتا ہے؟ ❹ انہیں ربذہ کے مقام پر جلاوطن کرنے کی ایک ہی روایت ہے جسے ابن سعد نے روایت کیا، مگر اس کے ایک راوی بریدہ بن سفیان اسلمی کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ قوی نہیں ہے۔ اس میں رافضیت بھی تھی۔ کیا ایک رافضی کی ایسی روایت قبول کی جاسکتی ہے جو صحیح اور حسن روایات سے متعارض ہو؟ ❺ رافضیوں نے اس حادثہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ مشہور کر دیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو ربذہ جلاوطن کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کرنے والوں نے بھی اسے بہانہ بنا کر ان پر الزام لگایا یا اسے ان کے خلاف خروج کو وجہ جواز قرار دیا۔ ❻ شیعہ مؤلف ابن مطہر الحلی متوفی ۷۲۶ھ نے بھی ان پر یہی الزام لگایا بلکہ اس نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے تکلیف دہ انداز میں ابوذر رضی اللہ عنہ کو مارا پیٹا۔ مگر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھرپور اور جامع انداز میں اس کے اس الزام کی تردید کی ہے۔ ❼ سلف صالحین اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے۔ جب حسن بصری سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ دریافت کیا گیا کہ کیا انہوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے نکال دیا تھا؟ تو انہوں نے اس کی سختی سے تردید کی۔ ❽ جب ابن سیرین کے سامنے اس امر کا تذکرہ کیا جاتا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے نکال دیا۔ تو وہ اس سے شدید طور سے متاثر ہوتے اور فرماتے: وہ مدینہ سے اپنی مرضی سے گئے تھے۔ انہیں عثمان رضی اللہ عنہ نے نہیں نکالا تھا۔ ❾ اور جیسا کہ اس سے پہلے بھی صحیح الاسناد روایت کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ جب ابوذر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ بکثرت ان کے پاس جمع ہو جاتے ہیں تو وہ کسی فتنہ کے رونما ہونے سے ڈر گئے تو انہوں نے اس بات کا ذکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا جس سے ان کا مقصود یہاں سے نکل جانے کی اجازت طلب کرنا تھا جس کی انہوں نے اجازت دے دی۔ ❿ ابوذر رضی اللہ عنہ کسی بھی طرح یہودی الاصل عبداللہ بن سبا کی آراء سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ وفات تک ربذہ میں ہی مقیم رہے۔ انہوں نے فتنہ کے ایام میں مکمل غیر جانبداری کا مظاہرہ کیا۔ ⓫ ان سے فتنہ کے دوران اس میں کوئی کردار ادا کرنے سے نہی پر مشتمل کئی احادیث بھی روایت کیں۔ ⓬ ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان کے

---

❶ فتنة مقتل عثمان رضی اللہ عنہ: ۱/ ۱۱۰ .
❷ تاريخ المدينة، ص: ۱۰۳۷-۱۰۳٦ . اس کی سند حسن ہے۔
❸ طبقات ابن سعد: ٤/ ۲۲٦-۲۲۷ .
❹ فتنة مقتل عثمان: ۱/ ۱۱۱ .
❺ ایضا .
❻ فتنة لقتل عثمان: ۱/ ۱۱۱ .
❼ منهاج السنة لابن تيمية: ٦/ ۱۸۳ .
❽ تاريخ المدينة: ۱۰۳۷ . اس کی سند صحیح ہے۔
❾ تاريخ المدينة: ۱۰۳۷ .
❿ بخاري، كتاب الزكوة، رقم الحديث: ۱٤۰٦ .
⓫ احداث الفتنة الاولى بين الصحابة في ضوء قواعد الجرح و التعديل، ص: ۱۷٤ .
⓬ ايضًا

اہل وعیال کو اپنے اہل عیال میں شامل کرلیا۔ [1] رَضِیَ اللّٰہُ عَلٰی جَمِیْعِ الصَّحَابَۃِ الْاَبْرَارِ الطَّیِّبِیْنَ الْاَطْھَار۔

۱۱۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر اقرباء پروری کی تہمت:

خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر شورش پسندوں اور خارجیوں کی طرف سے یہ تہمت لگائی گئی کہ وہ بیت المال میں ناجائز تصرف کرتے ہوئے اقرباء نوازی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس اتہام کو بنیاد بنا کر اعداء اسلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک زوردار پروپیگنڈہ مہم شروع کردی اور پھر یہ زہریلا مواد کتب تاریخ میں سرایت کر گیا۔ بعض مفکرین اور مؤرخین نے اسے حقیقت سمجھ کر قبول کرلیا جبکہ حقیقتاً ان کا کوئی وجود ہی نہیں ہے اور اگر یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے بیت المال سے اپنے قرابت داروں کو کچھ دیا تو اس کا شمار ان کے مناقب میں ہوتا ہے نہ کہ ان کے عیوب میں۔ [2] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت زیادہ مالدار تھے اور وہ بہت صلہ رحمی کرنے والے شخص تھے۔ [3] اور وہ اس حوالے سے ان پر بڑی رقوم خرچ کیا کرتے تھے، وہ یہ سب کچھ اپنی جیب خاص سے کیا کرتے تھے جبکہ شرپسند لوگوں نے اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ پروپیگنڈہ شروع کردیا کہ وہ یہ پیسہ بیت المال سے خرچ کرتے ہیں۔ ان کے اس دعویٰ کا جواب عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ دیا تھا: لوگ یہ کہتے ہیں کہ میں اپنے اہل بیت سے محبت کرتا اور انہیں مال وزر سے نوازتا ہوں۔ جہاں تک ان کے ساتھ محبت کا تعلق ہے تو میں نے ان کی محبت میں آکر کسی پر ظلم نہیں کیا بلکہ میں ان کو حقوق کی ادائیگی کے لیے پابند کرتا ہوں۔ رہا انہیں مال وزر سے نوازنا، تو یہ میں انہیں اپنے مالِ خاص سے دیتا ہوں۔ میں مسلمانوں کے مال کو نہ تو اپنے لیے جائز سمجھتا ہوں اور نہ کسی اور کے لیے۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے ادوار میں بھی لوگوں کو اس وقت بڑے بڑے عطیات دیا کرتا تھا جب مجھے اس کی حرص بھی تھی اور شدید ضرورت بھی۔ اب جبکہ میں عمر کے آخری حصے میں ہوں تو ملحدین نے میرے خلاف یہ پروپیگنڈہ شروع کردیا۔ [4]

عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا مال اور زمین بنوامیہ میں تقسیم کردی تھی۔ اس دوران انہوں نے اپنی اولاد کو ان میں سے بعض کے برابر ہی حصہ دیا۔ آپ نے اس کا آغاز ابوالعاص کے بیٹوں سے کیا۔ آل حکم کے مردوں کو دس دس ہزار دیئے، اس طرح انہوں نے آپ سے ایک لاکھ وصول کیے۔ آپ نے اپنے بیٹوں کو بھی اتنا ہی دیا۔ آپ نے بنوالعاص، بنوالعیص اور بنوحرب پر بھی مال تقسیم کیا۔ [5] یہ اور اس قسم کی دیگر نصوص آپ کے اعطاء مال کے حوالے سے بھی بڑی شہرت کی حامل ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے متعدد فضائل ومناقب کے بارے میں وارد صحیح احادیث ان کے بارے میں مشہور کردہ ان بے اصل اور خرافاتی روایات کی بیخ کنی کے لیے کافی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ عثمان ذوالنورین بیت المال کا زیادہ تر حصہ اپنے قرابت داروں پر خرچ کردیا کرتے تھے۔ [6]

---

[1] تاریخ طبری: ۵/ ۳۱۴۔
[2] عثمان بن عفان از صلابی، ص: ۱۴۸۔
[3] فصل الخطاب فی مواقف الاصحاب، ص: ۸۲۔
[4] تاریخ طبری: ۵/ ۳۵۶۔
[5] تاریخ طبری: ۵/ ۳۵۶۔
[6] فصل الخطاب فی مواقف الاصحاب، ص: ۸۳۔

اپنے قرابت داروں کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کردار اسلام کے کریمانہ ورحیمانہ پہلو کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا۝﴾

(الاسراء: ۲٦)

''اور قرابت دار مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو، اور فضول خرچی نہ کرو۔''

ان کا یہ قابل تعریف رویہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے عملی پہلو کو اپنانے کی بھی اعلیٰ مثال ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کے بارے میں جو کچھ جانتے تھے وہ دوسرے نہیں جانتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قرابت داروں کے ساتھ بڑی محبت کرتے، ان کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے اور ان پر احسان فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال آیا تو آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دوسرے سب لوگوں سے زیادہ دیا۔ [1] صرف عثمان رضی اللہ عنہ ہی نہیں بلکہ دیگر تمام مومنین کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہترین نمونہ ہیں۔ [2] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ان کے مخالفین ومعاندین کے اس الزام واتہام کی تردید میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیت المال سے اپنے قرابت داروں کو بہت زیادہ مال دیتے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے قریش کے چار لوگوں میں چار لاکھ دینار تقسیم کر دیئے اور ایسے ہی مروان بن حکم کو لاکھوں روپے دے دیئے۔ مگر یہ محض الزام ہے اور یہ کسی بھی صحیح دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ ہاں آپ اپنے قرابت داروں کو بھی دیا کرتے تھے اور غیر قرابت داروں کو بھی۔ بلکہ آپ تو تمام اہل اسلام کے ساتھ حسن سلوک پر مبنی رویہ اپنایا کرتے تھے۔ مگر یہ کہنا کہ آپ اتنی کثیر مقدار میں لوگوں کو مال سے نوازا کرتے تھے تو اسے ثابت کرنے کے لیے صحیح اور ثابت شدہ دلیل کی ضرورت ہے، یہ ایک صریح جھوٹ ہے، اتنی بڑی رقم نہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی کو دی اور نہ خلفائے راشدین میں سے کسی اور نے۔ [3]

۱۲۔ کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا حق دبا کر اپنے کسی قرابت دار کو کوئی عہدہ دیا؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا حق دبا کر اپنے کسی قرابت دار کو کوئی عہدہ نہیں دیا۔ اگر آپ نے ایسا کرنا ہوتا تو اس رعایت کے سب زیادہ حق دار ان کے سوتیلے بیٹے محمد بن ابوحذیفہ تھے۔ مگر آپ رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر انہیں کسی ایسے منصب پر فائز کرنے سے انکار کر دیا جس کی وہ اہلیت نہیں رکھتے تھے: میرے بیٹے! اگر تم میں یہ کام کرنے کی صلاحیت ہوتی تو میں یہ ذمہ داری تمہیں ضرور دیتا، مگر تم اس کی اہلیت نہیں رکھتے۔ [4] یہ آپ رضی اللہ عنہ کی اصول پسندی تھی نہ کہ اس سے کراہت یا نفرت کا اظہار۔ اگر ایسا ہوتا تو جب انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے مصر جانے کی اجازت طلب کی تھی تو اسے اس سفر کے لیے تیار نہ کرتے اور نہ اسے زادراہ ہی دیتے۔ [5] اس کے لیے بھی حضرت

[1] بخاري كتاب الجزية. [2] البداية و النهاية: ٧/ ٢٠١. [3] منهاج السنة: ٣/ ١٩٠.
[4] تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة: ١/ ٢٤٧.
[5] ايضًا: ١/ ٢٤٧، تاريخ الطبري: ٥/ ٤١٦.

عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ موجود تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں روم سے جنگ کرنے کے لیے ایک لشکر تیار کیا اور اس پر اسامہ بن زید کو عامل مقرر فرمایا۔ ❶ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کی روانگی پر اصرار کیا مگر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چاہتے تھے کہ اس لشکر کا اسامہ کی جگہ کسی اور کو قائد بنایا جائے۔ انہوں نے اس بارے میں عمر رضی اللہ عنہ سے بات کی تاکہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بات کریں مگر جب انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بات سنی تو غضبناک ہو کر عمر رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے: عمر! اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل مقرر فرمایا تھا۔ اب تم یہ چاہتے ہو کہ اسے میں اس عہدے سے معزول کر دوں۔ ❷

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے فرمایا تھا: میں نے صرف ذمہ دار اور پسندیدہ لوگوں کو عامل بنایا، یہاں ان کے شہر والے اور ماتحت موجود ہیں تم ان کے بارے میں ان سے پوچھ لو، اور یہ کوئی نئی بات بھی نہیں ہے۔ اس سے پہلے ان سے زیادہ کم عمر لوگوں کو عامل مقرر کیا گیا اور آج میرے لیے جو بات کی جا رہی ہے اس سے زیادہ سخت بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی گئی تھی، کیا یہ درست نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا: یہ بالکل درست ہے۔ لوگ دوسروں پر ایسے الزامات لگاتے ہیں جن کی وہ وضاحت نہیں کر پاتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صرف ذمہ دار اور عادل لوگوں کو عامل بنایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عتاب بن اسید کو مکہ مکرمہ کا عامل مقرر فرمایا اس وقت ان کی عمر صرف بیس سال تھی۔ ❸

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شہروں کے والی شرعی امور سے ناواقف نہیں ہوتے تھے، وہ دین پر عمل کرنے میں کوتاہی کے مرتکب نہیں ہوتے تھے اور ان سے گناہوں کا صدور ہوا بھی تو انہوں نے بہت ساری نیکیاں بھی کی تھیں، پھر یہ گناہ ان کی ذات سے متعلق ہوا کرتے تھے، مسلم معاشرہ میں ان کے اثرات مرتب نہیں ہوتے تھے۔ جب ہم نے ان کے آثار و اعمال کا جائزہ لیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسلام اور اہل اسلام کے لیے بڑے بڑے فوائد کے حامل تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ولاۃ الامور کے ہاتھوں پر لاکھوں لوگوں نے اسلام قبول کیا اور ان کی فتوحات کی وجہ سے بڑے بڑے وسیع و عریض علاقے مملکت اسلامیہ میں شامل ہوئے۔ اگر وہ شجاعت و بسالت اور دین سے متصف نہ ہوتے جو انہیں جہاد کی ترغیب دلایا کرتے تھے تو وہ اس جہاد کے لیے لشکروں کی قیادت نہ کرتے جس میں ہلاکت کا خدشہ رہتا ہے اور آرام و راحت اور دنیوی ساز و سامان کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ جب میں نے عمال کی سیرت و کردار کا جائزہ لیا تو پتا چلا کہ ان سب لوگوں نے اپنے زیر ولایت علاقوں کے آس پاس اسلامی فتوحات کے دائرے کو وسعت دی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ان فضائل و مناقب اور صفات حسنہ سے بھی متصف تھے جو انسان کو قیادت کے اہل بناتی ہیں۔ میں نے اپنی کتاب کی ایک مستقل فصل میں ولاۃ عثمان رضی اللہ عنہ پر روشنی ڈالی ہے۔ ❹

---

❶ تحقیق مواقف الصحابة فی الفتنة: ١/ ٢٤٧، تاریخ طبری: ٥/ ٤١٦.

❷ تاریخ طبری: ٥/ ٣٥٥. ❸ البداية و النهاية: ٧/ ١٧٨.

❹ عثمان بن عفان از صلابی، ص: ٢٩٤.

جو شخص صحیح تاریخی واقعات کی طرف رجوع کرتے ہوئے عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ عمال وولاۃ کی سیرت و کردار کا مطالعہ کرے گا اور اسلامی دعوت کی تاریخ میں ان کے جہاد کے بہترین ثمرات کا مشاہدہ کرے گا اور ان عظیم نتائج کا جائزہ ضرور لے گا جو ان کے حسن انتظام کی وجہ سے امت اسلامیہ کی خوش نصیبی اور سعادت کی شکل میں سامنے آئے تو وہ انہیں داد دیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ [1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ولاۃ الامور اعدائے اسلام سے اپنا دفاع کرنے، ان سے جہاد کرنے اور ان کا راستہ روکنے کے لیے ہمیشہ مصروف عمل رہے۔ دولت اسلامیہ کے دائرہ کو توسیع دیتے رہے اور نئے نئے علاقوں پر اسلام کا پرچم لہراتے اور اس کے اثر و رسوخ کو بڑھاتے رہے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ نے سر اٹھایا اور الزامات واتہامات کا رخ ان کی طرف موڑ دیا گیا تو ان منصب داروں نے صورت حال کو براہ راست متاثر کیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امت کی خیر خواہی کے لیے کسی قسم کی کوتاہی روا نہ رکھی۔ اسی طرح انہوں نے اپنے خیال میں صرف باصلاحیت لوگوں کو ہی ذمہ دار عہدوں پر فائز کیا۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود وہ خود اور ان کے مقرر کردہ عمال وولاۃ فتنہ پردازوں کے اتہامات سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اسی طرح وہ ان بہت سارے مصنّفین سے بھی محفوظ نہ رہ سکے جو اپنی کتابوں میں ان کے عہد خلافت کی غیر حقیقی تصویر پیش کرتے ہیں۔ خصوصاً ان نئے محققین سے جو چند واقعات کو لے کر بلا تحقیق احکام صادر کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے اکثر اصحاب قلم و قرطاس ضعیف یا شیعی روایات کی بنا پر خلیفہ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں باطل اور ظالمانہ احکام صادر کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے چند نامور مؤرخین اور ان کی تالیفات کے نام درج ذیل ہیں:

نمبر شمار	نام مولف	نام کتاب
۱	طہ حسین	الفتنة الکبری
۲	راضی عبدالرحیم	النُظام الاداری و الحربی
۳	صبحی الصالح	النظم الاسلامية
۴	مولوی حسین	الادارة العربية
۵	صبحی محمصانی	تراث الخلفاء الراشدين فی الفقه و القضاء
۶	توفیق الیوزبکی	دراسات فی النظم العربية و الاسلامية
۷	محمد الملحم	تاريخ البحرين فی القرن الاوّل الهجری
۸	بدوی عبداللطیف	الاحزاب السياسية فی فجر الاسلام
۹	انور الرفاعی	النظم الاسلامية

[1] حاشية المنتقى من منهاج الاعتدال، ص: ۳۹۰.

۱۰	محمد الرّیّس	النظریات السیاسیة
۱۱	علی حسن خربوطلی	الاسلام و الخلافة
۱۲	ابوالاعلیٰ مودودی	خلافت وملوکیت
۱۳	سید قطب	العدالة الاجتماعیة [1]

اکثر مؤرخین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اپنے قرابت داروں کے ساتھ محبت کے بارے میں تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے بتایا ہے کہ عثمانی عہد خلافت میں حکومتی باگ ڈور انہی لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ ان مورخین کے خیال میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت سارے لوگوں کی ناراضی کا سبب یہی لوگ تھے۔ [2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قرابت داروں میں سے سب سے پہلے جس شخص کو والی مقرر کیا گیا وہ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما ہیں۔ دوسرے عبداللہ بن ابوالسرح، تیسرے ولید بن عقبہ، چوتھے سعید بن العاص اور پانچویں عبداللہ بن عامر ہیں۔ یہ پانچ لوگ ہیں جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف علاقوں پر والی مقرر کیا اور ان تمام کا شمار ان کے قرابت داروں میں ہوتا ہے اور یہ ان کے نزدیک عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے قابل اعتراض بات ہے۔ اگر ہم اعداد و شمار جمع کریں تو معلوم ہوگا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں والیوں کی تعداد چھبیس تھی۔ کیا بنوامیہ میں سے ولایت کا استحقاق رکھنے والے پانچ اشخاص کا منصب ولایت پر فائز ہونا صحیح نہیں ہے اور خاص طور سے اس وقت جب ہمیں معلوم ہے کہ خود نبی کریم ﷺ نے بنوامیہ کے افراد کو دوسروں سے زیادہ اس منصب پر فائز فرمایا تھا؟ یاد رہے کہ یہ پانچ لوگ ایک ہی وقت میں منصب ولایت پر فائز نہیں تھے۔ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلے ولید بن عقبہ کو والی مقرر کیا پھر انہیں معزول کر کے ان کی جگہ پر سعید بن العاص کو والی مقرر کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت بنوامیہ کے صرف مندرجہ ذیل تین افراد اس عہدہ پر متمکن تھے: معاویہ، عبداللہ بن سعد بن ابوالسرح اور عبداللہ بن عامر بن کریز۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ اور سعید بن العاص کو معزول کیا، مگر کہاں سے؟ کوفہ سے جہاں سے عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو معزول کیا تھا، وہ کوفہ جو کبھی بھی کسی والی سے راضی نہ ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ان لوگوں کو ان کے عہدوں سے معزول کرنا ان کے لیے قابل اعتراض نہیں ہے بلکہ اس شہر کے ان شورش پسندوں کے لیے ہے جن کا انہیں والی مقرر کیا گیا تھا۔ [3] بنوامیہ کو نہ صرف یہ کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں عامل مقرر فرمایا بلکہ ان کے بعد یہ سلسلہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی جاری رکھا جبکہ ان پر ان لوگوں کے ساتھ قرابت داری کی تہمت بھی نہیں تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے عمال میں سے بنوعبدشمس کے عاملین کی تعداد دوسرے تمام قریشی قبائل سے زیادہ تھی اور یہ اس لیے کہ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اور وہ شرف و سرداری میں بھی

[1] الولایة علی البلدان: ۱/ ۲۲۲-۲۳۲.
[2] الدولة الاسویة المفتری علیها، ص: ۱۵۹.
[3] حقبة من التاریخ، ص: ۷۵.

دوسروں سے بڑھ کر تھے۔ نبی کریم ﷺ نے عتاب بن اسید بن ابو العاص کو مکہ مکرمہ کا عامل بنایا۔ ابوسفیان بن حرب کو نجران کا اور خالد بن سعید کو بنو مدحج سے زکوٰۃ وصول کرنے کا مسئول مقرر فرمایا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ابان بن سعید کو بحرین کا عامل قرار دیا۔

عثمان رضی اللہ عنہ نے صرف ان لوگوں کو ہی عامل بنایا جنہیں نبی کریم ﷺ نے بنایا تھا اور ان کے خاندان اور ان کے قبیلہ سے بنایا۔ آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بھی یہی کچھ کیا تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو شامی فتوحات کے لیے والی مقرر کیا اور پھر عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اس عہدے پر برقرار رکھا اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے بھائی معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو والی بنایا۔ [1] اس جگہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان لوگوں نے اپنی منصبی ذمہ داریاں باندازِ احسن پوری کیں یا نہیں؟ علمی حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے قرابت داروں میں سے جن لوگوں کو منصب ولایت پر فائز کیا تھا انہوں نے اپنے اپنے زیر نگیں علاقوں کے معاملات کی انجام دہی کے لیے اپنی صلاحیت و طاقت کا لوہا منوایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں بہت سارے شہر اور علاقے فتح کروائے اور انہوں نے اپنی رعیت میں عدل و احسان پر کاربند رہنے کا طریقہ اپنایا۔ [2] مثلاً معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ولایت کے دوران لوگوں کے ساتھ بہترین رویہ اختیار کیے رکھا جس کی وجہ سے وہ آپ کے ساتھ بہت زیادہ محبت کیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے حکمرانوں میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لیے دعا گو رہو اور وہ تمہارے لیے دعائیں کرتے رہیں، تمہارے حکمرانوں میں سے بدترین لوگ وہ ہیں کہ تم ان سے نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں، تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنتیں برسائیں۔'' [3] قاضی ابن العربی نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس بات کا اثبات کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب مقرر فرمایا اور یہ اعزاز صرف انہی کے حصہ میں آیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی دولت اسلامیہ کے والی رہے اور آپ کے بعد آپ ﷺ کے تین خلفاء راشدین کے بھی، صرف اسی پر بس نہیں بلکہ حضرت حسن بن علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہما نے بھی آپ کے ساتھ صلح کرنے کے بعد ان کی خلافت کو تسلیم کیا۔ [4]

۱۳۔ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے اسباب:

زہری فرماتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بارہ سال تک امیر المومنین کے منصب پر فائز رہے۔ پہلے چھ سالوں میں کسی بھی شخص نے آپ پر انگلی نہیں اٹھائی۔ قریش عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے زیادہ آپ سے محبت کرتے تھے اور یہ اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ ان پر سختی روا رکھتے تھے، جبکہ عثمان رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ نرم رویہ اپناتے اور ان سے صلہ رحمی کیا کرتے تھے۔

---

[1] منہاج السنة: ۳/ ۱۷۵، ۱۷۶۔
[2] تحقیق مواقف الصحابة فی الفتنة: ۱/ ۴۱۷۔
[3] صحیح مسلم، کتاب الامارة، رقم الحدیث: ۶۵۔
[4] العواصم من القواصم، ص: ۸۲۔

پھر اس کے بعد فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ مسلمان مؤرخین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے نصف ثانی (۳۰-۳۵ھ) کے دوران پیش آنے والے واقعات کو فتنہ سے موسوم کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی صورت میں سامنے آیا۔ [1] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی چند سالوں میں مسلمان باہم اتفاق و یگانگت سے رہتے تھے اور ان کے درمیان کوئی نزاع نہیں تھا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اواخر میں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی وجہ سے ان کے درمیان قدرے اختلاف پیدا ہو گیا اور آخر کار فتنہ پردازوں کے ایک گروہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا جس کے بعد مسلمان تفرقہ بازی کا شکار ہو گئے۔ [2]

صدیقی و فاروقی خلافت اور عثمانی خلافت کے ابتدائی سالوں میں مسلمان معاشرہ مندرجہ ذیل امتیازات کا حامل تھا:

- عمومی طور سے یہ معاشرہ ہر اعتبار سے ایک اسلامی معاشرہ تھا۔ اس کا اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر پختہ ایمان تھا۔ اسلامی تعلیمات و احکام کی تطبیق کا پورا پورا التزام کیا جاتا تھا اور معاصی کا ارتکاب بہت کم دیکھنے میں آتا تھا۔
- یہ ایسا معاشرہ تھا جس میں امت کا حقیقی اور ربانی معنی اپنے اعلیٰ ترین معیار پر متحقق تھا۔ یہ ایک ایسی امت تھی جو زبان، رنگ، جنس اور علاقہ ارضی سے صرف نظر کرتے ہوئے محض عقیدہ دایمان کی بنیاد پر باہم مربوط تھی۔ یہ ایک ایسا امتیازی نشان ہے جو تاریخ عالم میں امت مسلمہ کے علاوہ اور کسی امت کو حاصل نہ ہو سکا۔
- یہ ایک اخلاقی معاشرہ تھا جو واضح اخلاقی بنیاد پر استوار تھا اور یہ بنیاد دینی احکام اور اس کی توجیہات سے ماخوذ تھی۔
- یہ ایک ذمہ دار اور سنجیدہ معاشرہ تھا جو بلند تر مقاصد کے حصول کے لیے مصروف عمل رہتا تھا۔ یہ معاشرہ جس سنجیدگی کا حامل تھا وہ ترش روئی اور تند مزاجی سے عبارت نہیں تھی بلکہ وہ ایسی روح تھی جو لوگوں میں عزم و ہمت پیدا کرتی اور انہیں سرگرمی، عمل اور حرکت پر آمادہ کرتی تھی۔ [3]
- وہ ایک ایسا معاشرہ تھا جسے ہر شعبہ حیات میں عمل و فعل کے لیے تشکیل دیا گیا تھا۔ جس میں فوجی روح کارفرما تھی اس روح کو نہ صرف یہ کہ جہاد فی سبیل اللہ میں بلکہ جملہ پہلوؤں اور رجحانات میں واضح طور سے محسوس کیا جا سکتا تھا۔ [4]
- یہ ایک عبادت گزار معاشرہ تھا جس کے جملہ تصرفات میں روح عبادت واضح طور سے دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ

[1] طبقات ابن سعد: ۱/ ۳۹-۴۷، الخلفاء الراشدون از خالدی، ص: ۱۱۲
[2] مجموع الفتاوی: ۱۳/ ۲۰۔ [3] کیف نکتب التاریخ الاسلامی، ص: ۱۰۲
[4] کیف نکتب التاریخ الاسلامی، ص: ۱۰۲۔

عبادت صرف فرائض ونوافل کی ادائیگی تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اس کا دائرہ کار تمام اعمال کی انجام دہی تک وسیع تھا۔

یہ ہیں وہ اہم صفات وامتیازات جن کے ساتھ اسلامی معاشرہ خلفاء راشدین کے عہد میں متصف تھا۔ مگر یہ بات پیش نظر رہے کہ ہم جس قدر عہد نبوت کے قریب ہوتے جائیں گے یہ صفات قوی ہوتی چلی جائیں گی اور جس قدر اس عہد زریں سے دور ہوتے چلے جائیں گے ان میں ضعف پیدا ہوتا چلا جائے گا۔ اس تبدیلی کا آغاز شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ کے ظہور کے ساتھ ہوا۔ امت مسلمہ کے اس سنگین آزمائش سے دوچار ہونے کے کئی اسباب ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

الف:...... آسودہ حالی اور اس کے معاشرہ پر اثرات:

مال و دولت کی کثرت اور فتوحات اسلامیہ کی وجہ سے حاصل شدہ آمدن کے اثرات معاشرے پر مرتب ہونے لازمی تھے۔ اس سے معاشرے میں آسودگی آتی ہے اور لوگ دنیوی امور میں منہمک ہو جاتے ہیں نیز اس سے باہم مقابلہ بازی اور منافرت کا ماحول پروان چڑھتا ہے خاص طور ان لوگوں میں جن کے نفوس کو ایمان نے صیقل نہیں کیا ہوتا اور تقویٰ نے انہیں مہذب نہیں بنایا ہوتا۔ جیسا کہ بادیہ نشین، فتوحات کے دوران مسلمان ہونے والے لوگ اور ناز ونعمت میں پلنے والی اقوام کے نوجوان لوگ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس بات سے بخوبی آگاہ تھے۔ آپ نے ایک دفعہ اس تبدیلی سے خبردار کرتے ہوئے لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا: دنیوی نعمتوں کا پورے طور سے میسر آنا، تمہاری لونڈیوں سے تمہاری اولاد کا جوان ہونا، بادیہ نشین اور غیر عرب اقوام کا قرآن پڑھنا۔ [1] پھر وہی کچھ ہوا جس کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ توقع کر رہے تھے، پہلے پہل تو اس تبدیلی کے آثار دولت اسلامیہ کے اطراف و کنار میں ظاہر ہونے لگے اور پھر آہستہ آہستہ خلافت اسلامیہ کا مرکز بھی اس کی زد میں آ گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں دنیا اس لیے دی ہے تا کہ تم اس کے ساتھ آخرت کو حاصل کرو۔ اس لیے نہیں دی کہ تم اسی کے ہو کر رہ جاؤ، یقیناً دنیا فنا ہونے والی ہے جبکہ آخرت باقی رہے گی۔ خبردار! فانی چیز تمہیں نہ تو قبول حق سے باز رکھے اور نہ باقی رہنے والی چیز سے تمہاری توجہ کو ہٹا دے۔ اپنی جماعت سے وابستہ رہو اور گروہ بندی سے اجتناب کرو۔ [2] پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ

[1] تاريخ طبري: ٥/ ٢٤٥.
[2] احداث و احاديث الهرج، ص: ٥٦٧.

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران: ۱۰۳، ۱۰۴)

''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور جدا جدا نہ ہونا، اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، تو تم اس کی نعمت کی بدولت بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اس نے تم کو اس سے بچا لیا، اللہ ایسے ہی کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تمہارے لیے اپنی آیات کو تاکہ تم ہدایت پر رہو، اور تم میں سے ایک ایسی جماعت ضرور ہونا چاہیے جو خیر کی دعوت دیتی رہے اور برائی سے روکتی رہے اور یہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے۔''

جب مسلمانوں کے لیے دنیوی نعمتوں کی فراوانی ہوگئی اور لوگ فتوحات کے بعد فارغ ہو کر بیٹھ گئے تو وہ اپنے ہی خلیفہ سے ناراض ہو کر ان سے حسد کرنے لگے۔ [1] یہیں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آسودگی و خوش حالی نے خلیفۃ المسلمین کے خلاف اٹھنے والی تحریک میں کیا کردار ادا کیا؟

ب:...... عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں اجتماعی تبدیلی کا مزاج:

مسلمان معاشرے میں جو گہری تبدیلیاں رونما ہوئیں وہ ایسی قوت اور خاموشی کے ساتھ زو بعمل رہیں کہ اکثر لوگ ان کا احساس کرنے سے قاصر رہے، یہاں تک کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے نصف ثانی کے آغاز میں پرتشدد طریقہ سے کھل کر سامنے آ گئیں اور پھر وہ سرکشی کی اس انتہاء تک جا پہنچیں جس کا نتیجہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی شکل میں سامنے آیا۔ [2]

فتوحات اسلامیہ کی تحریک کے دوران جب دولت اسلامیہ کی حدود میں وسعت پیدا ہوئی تو معاشرے کی ترکیب میں بھی تبدیلی رونما ہوئی اور اس کی بناوٹ میں کئی قسم کی خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ اس لیے کہ دولت اسلامیہ کو جہاں رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے وسعت میسر آئی وہاں اسے اس وسیع و عریض رقبہ پر مختلف اجناس والوان، لغات و ثقافات، عادات و اطوار، افکار و معتقدات، ادبی و عمرانی فنون اور متعدد دیگر مظاہر سے بھی پالا پڑا جس نے اسلامی معاشرہ کو غیر ہم آہنگ، غیر منظم اور مضطرب کر دیا، اور خاص طور سے موثر کردار کے حامل بڑے بڑے شہروں میں، مثلاً بصرہ، کوفہ، شام، مصر، مدینہ اور مکہ وغیرہ، یہ شہر اپنے محل وقوع اور اہمیت کی وجہ سے فتوحات کے لیے لشکر روانہ کرتے اور ان کی واپسی پر ان کا استقبال کرتے۔ جب موت یا قتل جیسی مختلف وجوہات کی بنا پر ان کی آبادی میں کمی آ گئی تو ان کی جگہ مفتوحہ علاقوں کے لوگوں نے لے لی، مثلاً فارسی، رومی، ترکی، قبطی، کرد اور بربر وغیرہ۔ ان میں سے زیادہ تر کا تعلق فارس، نصاریٰ عرب اور یہودیوں سے تھا۔ [3] ان شہروں کے زیادہ تر رہائشی عرب قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور عام طور سے شرف صحابیت سے بہرہ مند نہ تھے، یعنی ان لوگوں کا شمار ان خوش قسمت افراد میں

[1] تحقیق مواقف الصحابة فی الفتنة: ۱/ ۳۶۲.

[2] الدولة الاموية المفترى عليها، ص: ١٦٦ .

[3] دراسات فی عهد النبوة، ص: ۳٦۹.

نہیں ہوتا تھا جنہوں نے آنحضرت ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کافی تربیت حاصل کی یا تو اس لیے کہ وہ فتوحات میں مصروف رہے یا پھر صحابہ کرام کی تعداد میں کمی آ جانے کی وجہ سے وہ اس سعادت سے محروم رہے۔

ج:...... نئی نسل کا ظہور:

اسلامی معاشرہ میں یہ بڑی تبدیلی بھی رونما ہوئی کہ ایک نئی نسل وجود میں آ گئی جس نے معاشرہ میں اپنا مقام بنانا شروع کر دیا اور یہ نسل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نسل سے مختلف تھی۔ یہ نسل جس زمانے میں رہتی تھی وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے مختلف تھا اور اس نسل میں وہ اوصاف نہیں تھے جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متصف تھے۔ [1]

یہ نسل اپنے سے پہلی اس نسل سے کم تر حیثیت کی حامل تھی جس نے دولت اسلامیہ کی تعمیر و ترقی کا فریضہ اپنے سر لے رکھا تھا۔ مسلمانوں کی پہلی نسل ایمانی قوت اور اسلامی عقائد کے فہم سلیم سے متصف تھی اور وہ کتاب و سنت کے احکام و فرامین کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دینے کی پوری پوری استعداد رکھتی تھی جبکہ یہ اوصاف اس نئی نسل میں بہت ہی کم دیکھنے میں آتے ہیں جو وسیع و عریض فتوحات اسلامیہ کے نتیجہ میں معرض وجود میں آئی۔ اس نسل میں ذاتی مفادات کے حصول نے سر اٹھایا اور جنسی و قومی تعصبات ابھرنے لگے۔ ان میں سے بعض تو زمانہ جاہلیت کے بہت سارے طور طریقوں کو اپنائے ہوئے تھے اور وہ صحیح اسلامی عقائد کی بنیاد پر قائم اسلامی تربیت سے اس طرح فیض یاب نہ ہو سکے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فیض یاب ہوئے تھے۔ یہ لوگ اپنی کثیر تعداد اور نئی فتوحات میں مشغول رہنے کی وجہ سے صحیح اسلامی تربیت سے محروم رہے تھے۔ [2] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بعد کے تمام لوگوں سے بہت ہی کم فتنوں سے دوچار ہوئے۔ پھر زمانہ جس قدر دور نبوت سے دور ہوتا چلا گیا تفرقہ بازی اور اختلافات میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ [3]

د:...... معاشرے کا پروپیگنڈہ سے متاثر ہونا:

مخلوط قسم کا یہ غیر آہنگ معاشرہ اضطرابی کیفیت سے دوچار جھوٹے پروپیگنڈہ سے متاثر اور افواہوں پر کان دھرنے کا عادی بن چکا تھا۔ [4] یہی وجہ تھی کہ جب لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ایام میں عہد رسالت کے قریب اور ایمان و صلاح کے حوالے سے بڑی عظمت کے حامل اور ان کے ائمہ و حکمران اپنی ذمہ داری کو بانداز احسن نبھانے والے تھے تو ان میں کسی فتنہ نے سر نہیں اٹھایا تھا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری ایام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت کے دوران ایسے لوگوں کی کثرت ہوگئی جنہوں نے اگر کچھ نیک کام کیے تو ساتھ ہی ساتھ کئی گناہوں کے مرتکب بھی ہوئے، لہٰذا شہوت پرستی کا دور دورہ ہوا اور ایمان و دین کے ساتھ شکوک و شبہات کی آمیزش ہوگئی۔ یہ بیماری رعایا کے بعض لوگوں ہی میں نہیں بلکہ بعض حکمرانوں میں بھی سرایت کر گئی اور پھر اسی قسم کے لوگوں میں مزید اضافہ ہوتا گیا جس کی وجہ سے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا فتنہ کھڑا ہو گیا اور جیسا کہ ہم نے

[1] الدولة الاموية، يوسف العش، ص: ١٣٢.
[2] تحقيق مواقف الصحابة فى الفتنة: ١/ ٣٥٦.
[3] ذوالنورين عثمان بن عفان از مال الله، ص: ٩٩.
[4] مجموع الفتاوى: ٢٨/ ١٤٨.

عرض کیا اس کی وجہ طرفین میں اعلیٰ درجہ کے تقویٰ وا طاعت کا فقدان اور ان میں خواہش پرستی اور معصیت کی آمیزش تھی۔ ان میں سے ہر فریق تاویل کرتا اور یہ دعویٰ کرتا کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ یہ کہ وہ حق اور عدل کے ساتھ ہے۔ مگر ان کی اس تاویل میں نفسانی خواہشات کا بھی عمل دخل تھا۔ اگرچہ ان میں سے ایک جماعت دوسری سے زیادہ حق کے قریب تھی۔ ہمارے اس موقف کی وضاحت امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ایک پیروکار کے درمیان ان کی اس بات چیت سے ہوتی ہے، وہ آدمی کہنے لگا: مسلمانوں کو کیا ہوا کہ انہوں نے آپ کے بارے میں اختلاف کیا جبکہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں اختلاف نہ کیا؟ اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما مجھ جیسے لوگوں کے حکمران تھے جبکہ میں آج تم جیسے لوگوں کا حکمران ہوں۔ [1]

امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مسلم معاشرہ میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا بخوبی ادراک تھا۔ اسی لیے آپ نے امراء کے نام ایک خط میں لکھا: رعیت میں انتشار پیدا ہو رہا ہے اور وہ حریص اور لالچی ہو چکی ہے اور اس کی تین وجوہات ہیں: دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا، نفسانی خواہشات کی تکمیل کرنا اور دلوں میں بغض رکھنا۔ [2]

ھ:...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بننا:

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے فوری بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا مسند خلافت سنبھالنا۔ چونکہ ان دونوں کا مزاج ایک دوسرے سے مختلف تھا جس کی وجہ سے رعیت کے ساتھ ان کا طرز عمل اور رویہ بھی ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ سخت مزاج تھے وہ اپنا محاسبہ بھی بڑی سختی کے ساتھ کیا کرتے تھے اور اپنے ماتحت لوگوں کا بھی۔ جبکہ عثمان رضی اللہ عنہ نرم خو، نرم زبان اور نرم دل انسان تھے جس کی وجہ سے وہ نہ تو عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اپنا محاسبہ کرتے اور نہ دوسرے لوگوں کا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ عمر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے جو طاقت عمر رضی اللہ عنہ میں تھی وہ کسی اور میں کہاں؟ [3] اگرچہ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز ہی میں انہیں ان کی نرم مزاجی کی وجہ سے بڑا پسند کیا، اس لیے کہ وہ ان کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آتے تھے یہاں تک کہ ان کی محبت ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئی تھی مگر بعد ازاں انہوں نے احسان فراموشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان پر اعتراضات کرنے شروع کر دیئے۔ لوگوں کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محبت پر مبنی یہ رویہ ان کی نرم مزاجی، خوش اطواری اور ان کے حلم و حوصلہ کی وجہ سے تھا۔ اور اس کا انہیں بخوبی ادراک بھی تھا۔ انہوں نے بیت خلافت کا محاصرہ کرنے والوں سے فرمایا تھا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم لوگوں کو میرے خلاف اتنا دلیر کس نے بنایا؟ تمہیں میرے خلاف اس قدر دلیری میرے حلم و حوصلہ نے دی۔ [4] جب عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام لوگوں کے سامنے باغیوں کے ان تمام اعتراضات کا جواب دے دیا تو مسلمانوں نے انہیں قتل کرنے کے علاوہ کسی بھی بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو

[1] التمهيد و البيان، ص: ٦٤ . [2] تاريخ طبرى: ٥/ ٤١٨ .
[3] تاريخ طبرى: ٥/ ٤١٨ . [4] تاريخ طبرى: ٥/ ٢٥٠ .

آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے حلم وحوصلہ اور صلح جوئی کی وجہ سے انہیں قتل کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا: ہم ان سے درگزر کریں گے، ان کے عذر کو قبول کریں گے اور کسی سے نہیں لڑیں گے یہاں تک کہ وہ کسی شرعی حدود کا ارتکاب کریں یا کفر کو ظاہر کریں۔ ❶

و:...... کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا مدینہ منورہ سے چلے جانا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین میں قریش کے سرکردہ لوگوں پر ان کی اجازت کے بغیر مدینہ چھوڑ کر دوسرے شہروں میں آباد ہونے پر پابندی لگا دی تھی۔ جب لوگوں نے ان سے اس بارے میں شکایت کی تو آپ نے فرمایا: اس طرح قریش اللہ کے مال پر اللہ کے دوسرے بندوں سے ہٹ کر قبضہ جمانا چاہتے ہیں مگر میں ہر ممکن طریقہ سے ان کا راستہ روکوں گا۔ میں قریش کو جہنم میں گرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ ❷ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف مفتوحہ شہروں میں آباد ہونے سے خائف تھے، اگر مدینہ منورہ میں آباد مہاجرین میں سے کوئی شخص آپ کے پاس آکر شہر سے باہر جانے کی اجازت طلب کرتا تو آپ اس سے فرماتے: تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو کر جہاد کرنے سے جو مقام ومرتب ملا وہ آج کے جہاد سے حاصل ہونے والے مقام ومرتبہ سے کہیں افضل ہے۔ ❸ جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرتے ہوئے انہیں مدینہ منورہ سے نکل جانے کی اجازت دے دی۔

ز:...... جاہلی عصبیت:

ابن خلدون فرماتے ہیں: جب اسلامی فتوحات کی تکمیل ہو گئی، ملت اسلامیہ کی بادشاہت مکمل ہو گئی اور عرب لوگ بصرہ، کوفہ، شام اور مصر میں رہائش پذیر ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا اعزاز حاصل کرنے والے اور آپ کے آداب وسنن کی اتباع کرنے والے یہ لوگ تھے: انصار ومہاجرین، قریش، اہل حجاز اور یہ اعزاز حاصل کرنے والے دوسرے لوگ، جہاں تک دوسرے تمام عربوں کا تعلق ہے جیسا کہ بنوبکر بن وائل، عبدالقیس، ازد، کندہ، تمیم، قضاعہ، ربیعہ اور دوسرے لوگ تو ان میں سے صرف چند کو ہی شرف صحابیت حاصل ہو سکا۔

ح:...... فتوحات اسلامیہ میں توقف:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اواخر میں بعض اسباب کی وجہ سے اسلامی فتوحات کا سلسلہ رک گیا اور وہ فارس، افریقہ اور بلاد شام کے شمال میں آگے نہ بڑھ سکا۔ جس کے نتیجہ میں اموال غنیمت کی آمد کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ اس دوران بادیہ نشین لوگ سوال کرنے لگے کہ پہلی غنیمتیں کہاں گئیں؟ مفتوحہ اراضی کہاں گئی؟ ❹ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ انہوں نے اپنی خواہش کے مطابق مسلمانوں کے لیے وقف زمینوں میں ناجائز تصرف کرتے ہوئے انہیں اپنے پسندیدہ لوگوں کے نام الاٹ کر دیا ہے۔ اس قسم کی افواہوں نے

❶ تحقیق مواقف الصحابة فی الفتنة: ١/ ٣٦٤.
❷ تاریخ طبری: ٥/ ٤١٣.
❸ تاریخ طبری: ٥/ ٤١٤.
❹ تحقیق مواقف الصحابة: ١/ ٣٤٤.

بادیہ نشینوں کو بڑا متاثر کیا اور خصوصاً ایسے حالات میں کہ ان میں سے زیادہ تر لوگ بے کار بیٹھے اپنے وقت کا آدھا حصہ کھانے پینے اور سونے میں گزارتے اور آدھا حکومتی اور ریاستی سیاست میں بحث مباحثہ کرنے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے تصرفات کے بارے میں گفتگو کرنے میں جنہیں سبائی بڑھا چڑھا کر بیان کرتے تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک عامل عبداللہ بن عامر کو اس صورت حال کا ادراک ہوا تو انہوں نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ لوگوں کو جہاد کرنے کا حکم دیں اور انہیں جنگوں کا ایندھن بنا دیں تا کہ ان کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا جائے۔ ❶ ایسے افراد کی اس قسم کی گفتگو اور غور وفکر کے ماحول میں جو کہ دین کی زیادہ سوجھ بوجھ کے بغیر جنگ کے عادی تھے ان سے کسی بھی برائی کی توقع کی جا سکتی ہے، اور اس کے لیے یہی کافی تھا کہ اعراب کو تحریک دے کر انہیں کسی راستے پر لگا دیا جائے۔ پھر یہ ہوا کہ یہ لوگ بغاوت پر اتر آئے، ہیجان پیدا کرنے لگے، فتنے کھڑے کرنے لگے۔ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ میں اور اس کی آگ بھڑکانے میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا۔ ❷

ط:...... حلال کو حرام قرار دینے کا غلط مفہوم:

شریعت میں ورع و پرہیز گاری بڑا عمدہ وصف ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کو ترک کر دیا جائے جن کے اپنانے میں کوئی حرج نہیں اور جن میں کوئی حرج ہے ان سے ڈرا جائے اور یہ اصل میں ''اللہ کے لیے مباحات سے ہاتھ کھینچ لینا'' سے عبارت ہے۔ ورع و پرہیز گاری ایک شخصی وصف ہے جس کا انسان اپنے آپ سے تو مطالبہ کر سکتا ہے مگر دوسروں سے نہیں۔ اس کی سب سے خطرناک قسم کی پرہیز گاری یہ ہے جو یہ اپنی جہالت کی وجہ سے مباح کو حرام یا فرض قرار دے دیتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس میں فتنہ پرداز لوگ مبتلا ہو گئے تھے۔ ❸ باغی عناصر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے مباح امور کے اپنانے کو اسلام سے خروج اور ان سے پہلے لوگوں کی سنت کو تبدیل کرنے پر محمول کیا، لہٰذا جہلاء کے نزدیک یہ امور بڑے سنگین قرار پائے اور اس بنا پر انہوں نے خلیفہ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خون کو مباح قرار دے دیا اور یوں ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے لیے فتنہ کا دروازہ کھول دیا۔ ❹

ی:...... خود غرض لوگوں پر مشتمل نئی نسل کا ظہور:

دوسری نسل (اولاد صحابہ رضی اللہ عنہم) کے لوگوں میں سے کچھ ایسے افراد بھی سامنے آئے جو اپنے آپ کو حکومتی باگ ڈور سنبھالنے کا اہل تصور کرتے تھے۔ اس قسم کے لوگوں نے یہ سمجھا کہ حکومت تک رسائی کا راستہ ان کے سامنے بند ہے۔ عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ جب جاہ پسند اور خود غرض لوگ اپنے اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لیے کوئی راہ نہیں پاتے تو وہ تبدیلی کی جائز وناجائز ہر کارروائی میں حصہ لیا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے معاملات کو نمٹانا بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ ❺

❶ تاریخ طبری: ۲/ ۳٤٠.
❷ تحقیق مواقف الصحابۃ: ۱/ ۳٥۳
❸ الاساس فی السنۃ: ٤/ ۱٦۷٦.
❹ احداث و احادیث فتنۃ الھرج، ص: ٥۱۷
❺ الاساس فی السنۃ: ٤/ ۱٦۷٦.

ک:...... کینہ پرور گروہ کا وجود:

اس دوران دائرہ اسلام میں کچھ ایسے منافق بھی داخل ہو گئے جو اسلام اور مسلمانوں سے بدلہ لینے سے قاصر تھے چونکہ یہ لوگ کینہ پرور بھی تھے اور بڑے ذہین اور عیار و چالاک بھی، لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کے ان کمزور پہلوؤں کا ادراک کر لیا جن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ فتنہ کھڑا کرنے کی پوزیشن میں آ گئے اور پھر کچھ ایسے لوگ بھی ان کے ہتھے چڑھ گئے جو ان کی چکنی چپڑی باتوں کو پورے انہماک سے سنا کرتے تھے اور جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ ❶

ہم قبل ازیں مملکت اسلامیہ میں یہود و نصاریٰ اور فارسیوں کے وجود نا مسعود سے آگاہ ہو چکے ہیں اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ سب لوگ اسلام اور دولت اسلامیہ کے خلاف اپنے دلوں میں بغض اور کینہ رکھتے تھے، مگر ہم اس جگہ اس امر کا اضافہ کرنا چاہیں گے کہ اگر اس قسم کے لوگوں میں سے کسی پر اس کے کسی جرم کی پاداش میں حد یا تعزیر نافذ کی گئی اور اس کو یہ سزا خلیفہ نے یا اس کے نامزد کسی والی نے کسی شہر میں دی خصوصاً بصرہ، کوفہ، مصر اور مدینہ میں تو یہود و نصاری اور جرائم پیشہ لوگوں نے بعض ایسے لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکایا جن میں سے زیادہ تر بادیہ نشین تھے اور وہ دین کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے جس کے نتیجہ میں ان لوگوں کے حمایت کنندگان کی ایک ایسی جماعت معرض وجود میں آئی جن کے بارے سب کا کہنا یہی تھا کہ یہ شر پسند لوگ ہیں، اخلاق باختہ، بدکردار، پست ذہن اور پرلے درجے کے احمق، گھٹیا اور ذلیل اور شیطان کے آلہ کار ہیں۔ ❷ ان گھٹیا ترین ناقدین اسلام کے ضمن میں متعدد مآخذ و مصادر میں عبداللہ بن سبا صنعانی یہودی کا نام بار بار آتا ہے۔ یہ بدنام زمانہ شخص یہودی تھا پھر اس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا مگر اس کے خفیہ اور مذموم مقاصد سے کوئی بھی آگاہ نہ ہو سکا، وہ ایک مسلمان فرد کی حیثیت سے مختلف اسلامی شہروں میں گھومتا پھرتا رہا اور پس پردہ فتنہ کی آگ بھڑکاتا رہا، اس کے بارے میں تفصیلی گفتگو آگے چل کر کی جائے گی۔

ل:...... عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے کا ٹھوس منصوبہ:

خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں معاشرہ مختلف عوامل و اسباب کی وجہ سے جھوٹی افواہوں پر کان دھرنے کے لیے آمادہ اور اپنے اندر پیدا کردہ دراڑوں کو برداشت کرنے کے قابل ہو چکا تھا۔ اصحاب فتنہ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام پر خلیفۃ المسلمین کے امراء میں کیڑے نکالنے پر اتفاق کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے لوگوں کو اپنی طرف مائل کیا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ خلیفۃ المسلمین پر جو اعتراضات کیے گئے اور جن کی وجہ سے انہیں ہدف تنقید بنایا گیا، وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ منصب خلافت سنبھالنے سے قبل ان کا ذاتی کردار، یعنی بعض غزوات اور مواقع سے ان کا غائب رہنا۔

۲۔ ان کا طرز حکمرانی: اپنے قرابت داروں کو والی مقرر کرنا اور منصب ولایت کی تفویض کا طریقہ کار۔

❶ الاساس فی السنۃ: ٤/ ١٦٧٦.
❷ دراسات فی عہد النبوۃ، ص: ٣٩٤.

۳۔ ان کی اپنی ذات یا امت کی مصلحت کی خاطر ان کے اجتہادات (منیٰ میں پوری نماز پڑھنا، قرآن جمع کرنا، مسجد نبوی میں توسیع کرنا)

۴۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً عمار، ابوذر اور عبداللہ بن مسعود کے ساتھ ان کا برتاؤ۔

میں نے ان اعتراضات کے حوالے سے حضرت عثمان کا موقف اپنی کتاب "تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ امیر المومنین عثمان بن عفان شخصیته و عصره" میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کی زندگی میں یا ان کی شہادت کے بعد ان پر جتنے بھی اعتراضات کیے گئے اور جن جن لوگوں کی طرف سے بھی کیے گئے وہ صحیح نہیں ہیں اور وہ اس حد تک نہیں پہنچتے تھے کہ ان کی وجہ سے خلیفہ راشد کو قتل کر دیا جاتا۔ [1]

مذکورہ بالا اعتراضات پر مشتمل روایات جو کہ تاریخ طبری اور دیگر کتب تاریخ میں مندرج ہیں اور جو غیر معروف راویوں اور ضعیف مورخین اور خاص طور پر شیعہ سے مروی ہیں وہ ہمیشہ سے خلفاء اور ائمہ کی سیرت کے حقیقی پہلوؤں کے لیے ایک بڑی آفت بنی رہی ہیں۔ خصوصاً وہ روایات جو اضطراب و فتن کے دور سے متعلق ہیں۔

افسوس کہ امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی سیرت کو ان خرافاتی روایات سے وافر حصہ ملا۔ پیچیدہ انداز میں احداث و واقعات کو روایت کرنا اور لا اصل امور کو وضع کرنا غالی قسم کے منحرفین کی ایسی کارستانی ہے جس سے مقصود ان لوگوں کی روشن و نیر سیرت کو داغدار کرنا ہے اور جس کا ادراک خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی ہو گیا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنے امراء کے نام لکھا: لوگوں نے انتشار پھیلانا شروع کر دیا ہے اور وہ شر کی طرف مائل ہو رہے ہیں، اور ایسا تین وجوہ سے ہو رہا ہے: دنیا کو ترجیح دینا، نفسانی خواہشات کی فوری تسکین چاہنا اور دلوں میں کینہ رکھنا۔ [2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے ان الزامات و اتہامات کے بارے میں ابن العربی فرماتے ہیں: وہ کاذب راویوں کی روایات پر اعتماد کرتے ہوئے ازراہ ظلم و زیادتی یہ کہتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوران مظالم کا ارتکاب کیا اور غیر معروف طور طریقے اپنائے...... مگر سند اور متن کے اعتبار سے یہ سب کچھ باطل ہے۔ [3]

م:...... لوگوں کو اشتعال دلانے والے اسالیب و وسائل کا استعمال:

باغی عناصر بھی محفلوں میں لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکاتے، ان سے مناظرہ کرتے، لوگوں کے سامنے ان سے جھگڑا کرتے، ان کے امراء پر لعن طعن کرتے اور عائشہ، علی، طلحہ اور زبیر جیسے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے جھوٹے خطوط تحریر کرتے اور انہیں اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے۔ انہوں نے اس بات کی بڑی تشہیر کی کہ خلافت کے اصل حق دار علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ تھے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ان کے لیے خلافت کی وصیت کی تھی۔ انہوں نے کوفہ، بصرہ اور مصر ایسے شہروں میں کچھ گروہوں کو بھی منظم کیا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب کچھ ایک منصوبے کے تحت ہو رہا تھا۔ انہوں نے اہل مدینہ کو یہ تاثر دیا کہ ہم یہاں

---

[1] دراسات فی عهد النبوة و الخلافة الراشدة، ص: ٤٠٠ .

[2] التمهيد و البيان، ص: ٦٤ . [3] دراسات فی عهد النبوة، ص: ٤٠١ .

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعوت پر آئے ہیں، پھر انہوں نے معاملات کو یہاں تک بھڑکایا کہ بات خلیفۃ المسلمین کی شہادت تک جا پہنچی۔ ❶ جھوٹے پروپیگنڈہ کے ان وسائل کو استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے لوگوں سے یہ کہنا بھی شروع کر دیا کہ ہم عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے روا رکھے گئے مظالم کے خلاف جہاد کر رہے ہیں اور ہم صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں، ہمارا مطالبہ ہے کہ ولاۃ الامر کو معزول کر کے ان کی جگہ نئے لوگوں کا تقرر کیا جائے، پھر اس سے آگے بڑھ کر وہ عثمان رضی اللہ عنہ کی دست برداری کا مطالبہ کرنے لگے، پھر سرکشی پر مبنی ان کی جرأت اس حد تک بڑھ گئی کہ انہوں نے خلیفۃ المسلمین کو شہید کر ڈالا۔ انہوں نے یہ قدم اس وقت اٹھایا جب انہیں یہ خبر ملی کہ مختلف شہروں سے لوگ ان کی نصرت و معاونت کے لیے مدینہ منورہ کی طرف بڑھ رہے ہیں جس سے ان کے خلیفہ رضی اللہ عنہ کا گھلا گھونٹ دینے کے جذبات مزید بھڑکے اور انہیں یہ شوق چرایا کہ جس طرح بھی بن پائے انہیں فوراً قتل کر دیا جائے۔ ❷

ن:...... فتنہ کی آگ بھڑکانے میں ابن سبا کا کردار:

عثمانی خلافت کے آخری سالوں میں اسلامی معاشرہ میں اضطراب کی علامتیں ظاہر ہونا شروع ہو گئیں، بعض یہودی فتنہ کے عوامل سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مناسب وقت پر نمودار ہونے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ان میں سے عبداللہ بن سبا سرفہرست ہے۔ جسے ابن السوداء کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہودی الاصل اس شخص نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا فتنہ کھڑا کرنے میں جو کردار ادا کیا وہ بڑا واضح اور انتہائی خطرناک تھا۔ فتنہ کے بعض عوامل نے اس کے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور انہیں مزید ہوا دینے کے لیے اس نے ایسی آراء اور معتقدات کا دعویٰ پیش کیا جنہیں اس نے اپنی کینہ پرور یہودیت سے جعل سازی کرتے ہوئے اخذ کیا اور پھر اپنی طرف سے ان کا اختراع کر کے انہیں اپنے طے شدہ اہداف تک پہنچنے کے لیے لوگوں میں عام کرنا شروع کر دیا۔ اس کی اس سازش کے پس پردہ اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنا۔ فتنہ کی آگ کو بھڑکانا اور امت اسلامیہ کے افراد میں دشمنی کے بیج بونا جیسے مذموم مقاصد کارفرما تھے۔ وہ اپنے ان مقاصد میں کامیاب رہا۔ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کو ظلماً شہید کر دیا گیا اور امت مختلف گروہوں میں ہمیشہ کے لیے تقسیم ہو گئی۔ ❸

ابن سبا کے کردار کا خلاصہ یہ ہے کہ اس نے صحیح بنیادوں پر غلط عمارت کھڑی کی اور اس کی چکنی چپڑی باتیں سادہ لوح، انتہا پسند اور نفسانی خواہشات کے پجاری لوگوں میں رواج پکڑ گئیں اور وہ اس کے آس پاس اکٹھے ہو گئے۔ اس سے اس کی ہمت بڑھی تو اس نے قرآن کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اس کی اپنے فاسد خیال کے مطابق تاویل کرنے لگا۔ اس نے کہا: مجھے تو اس آدمی کو دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے جو عیسیٰ بن مریم کے واپس آنے کی تو تصدیق کرتا ہے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واپس آنے کی تکذیب کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ فرماتا ہے:

---

❶ دراسات فی عہد النبوۃ، ص: ۴۰۱۔ ❷ گزشتہ حوالہ، ص: ۴۲۰۔

❸ تحقیق مواقف الصحابۃ: ۱/ ۳۲۷۔

﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ﴾ (القصص : ۸۵)

''یقیناً جس اللہ نے آپ پر احکام قرآن فرض کیے ہیں وہ آپ کو دوبارہ پہلی جگہ واپس لائے گا۔''

محمد صلی اللہ علیہ وسلم عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ واپس آنے کے حق دار ہیں۔ [1] اسی طرح اس نے قیاس فاسد سے کام لیتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے وصیت کے اثبات کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا: ایک ہزار نبی ایسے گزرے ہیں کہ ان میں سے ہر نبی کا کوئی نہ کوئی وصی ہوتا تھا اور علی رضی اللہ عنہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ وہ یہ بھی کہتا تھا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور علی رضی اللہ عنہ خاتم الاوصیاء۔

ابن سبا نے جب یہ دیکھا کہ میری باتیں میرے پیروکاروں کے دلوں میں راسخ ہو گئی ہیں تو اس نے اپنی تمام تر توجہ اپنے طے شدہ ہدف تک رسائی کے لیے مرتکز کر دی اور وہ ہدف تھا خلیفۃ المسلمین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کی بغاوت کا حصول۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے لوگوں سے کہا: اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا نفاذ نہ کرے اور وصی رسول کا حق غصب کر کے امت کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اس نے لوگوں کو بغاوت پر اکساتے ہوئے ان سے یہ بھی کہا: عثمان رضی اللہ عنہ نے حق کے بغیر خلافت پر قبضہ جمایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تو یہ (علی رضی اللہ عنہ) ہیں، اٹھو اور اس صورت حال کو تبدیل کر دو اور اس کا آغاز اپنے امراء پر لعن طعن سے کرو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرو اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرو اور انہیں اس کام کی دعوت دو۔ [2]

ابن سبا نے اپنے دعاۃ کو مختلف علاقوں میں پھیلا دیا وہ اور مختلف شہروں میں اس کے ہم نوا ایک دوسرے سے خط و کتابت کرتے اور لوگوں کو خفیہ طور سے اپنے خیالات و آراء کی طرف بلاتے اور انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریقہ کی ادائیگی کا تاثر دیتے، شہروں میں ایسے خطوط بھیجتے جن میں ان کے امراء کے نقائص و عیوب گنوائے جاتے اور وہ بھی انہیں ایسے ہی خطوط ارسال کرتے۔ اس طرح وہ ایک دوسرے کی طرف خطوط لکھتے اور انہیں پڑھتے پڑھاتے یہاں تک کہ انہوں نے ہر طرف خط و کتابت کا جال پھیلا دیا۔ ان کا ارادہ کچھ اور ہوتا جبکہ ظاہر کچھ اور کرتے۔

ہر شہر والے یہ کہتے ہیں کہ جس ابتلاء سے یہ لوگ دوچار ہیں ہم اس سے محفوظ ہیں۔ یہاں تک کہ جب اہل مدینہ کے پاس تمام شہروں سے اس قسم کی خبریں آئیں تو وہ کہنے لگے: بحمد اللہ ہم اس صورت حال سے عافیت میں ہیں جس میں ان لوگوں کو مبتلا کر دیا گیا ہے۔ [3]

اس سے اس کا مقصد لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق غصب کیا گیا ہے اور اسے غصب کرنے والے عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کے بعد اس نے یہ کوشش کی کہ لوگوں کو اور خاص طور سے کوفہ کے لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام پر ان کے امراء کے خلاف

[1] تاریخ طبری: ۵/ ۲٤۷.
[2] تاریخ طبری: ۵/ ۳٤۸.
[3] تاریخ طبری: ۵/ ۳٤۸

متحرک کیا جائے، چنانچہ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنے امراء کے خلاف بھڑک اٹھتے، یہ بات پیش نظر رہے کہ اس کی توجہ کا زیادہ تر مرکز بادیہ نشین تھے جو اس کے منصوبہ کی تکمیل کے لیے زیادہ کارگر ثابت ہو سکتے تھے۔ اس نے ان کے علماء وقراء کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام سے امراء کے خلاف اکسایا، لالچی قسم کے لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اس قسم کے جھوٹے الزامات لگا کر بھڑکایا کہ وہ اپنے قرابت داروں کو نوازتے اور ان پر بیت المال کا خزانہ لٹاتے ہیں اور یہ کہ انہوں نے مسلمانوں کی مشترکہ چراگاہ اپنے لیے مخصوص کر لی ہے۔ علاوہ ازیں کتنے ہی ایسے اتہامات ہیں جو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے جس کا مقصد شورش پسند لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانا تھا۔ اس نے اپنے پیروکاروں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے شہروں سے بری خبروں پر مشتمل خطوط دوسرے شہروں میں ارسال کریں تاکہ سب لوگوں کو یہ تاثر دیا جائے کہ حالات اس حد تک بگڑ چکے ہیں کہ اب ان میں مزید بگاڑ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس صورت حال کا سارا اور اصل فائدہ ابن سبا کے پیروکاروں (سبیئہ) کو ہو رہا تھا۔ اس لیے کہ لوگوں کی طرف سے اس قسم کی باتوں کی تصدیق انہیں اسلامی معاشرے کے اندر فتنہ کی آگ بھڑکانے کے لیے ان کے لیے کارآمد ثابت ہو رہی تھی۔ [1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ سمجھ گئے تھے کہ مختلف شہروں میں منفی پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے اور امت کو برائی کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا: واللہ! فتنہ کی چکی گھومنے والی ہے۔ یہ عثمان کے لیے خوش قسمتی کی بات ہوگی کہ وہ مر جائے اور اسے حرکت نہ دے۔ [2]

ابن سبا نے مصر کو اپنی تحریک کا مرکز بنایا اور وہاں بیٹھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنی شورش کو منظم کرنے لگا، اور فتنہ کھڑا کرنے کے لیے یہ دعویٰ لے کر لوگوں کو مدینہ منورہ جانے پر اکسانے لگا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے بغیر حق کے خلافت حاصل کی ہے اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی (علی رضی اللہ عنہ) سے اس کا حق چھین لیا ہے۔ [3] اس نے لوگوں کو کچھ ایسے خطوط دکھا کر دھوکہ دیا جن کے بارے میں اس کا دعویٰ تھا کہ اسے یہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے موصول ہوئے ہیں۔ مگر جب وہ بادیہ نشین مدینہ منورہ پہنچے اور صحابہ کرام سے ملاقاتیں کیں تو انہوں نے ان کی کسی طرح سے حوصلہ افزائی نہ کی۔ انہوں نے ان خطوط سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا جو لوگوں کو عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف آمادہ جنگ کرنے کے لیے لکھے گئے تھے۔ [4] انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی کا کوئی حق نہیں دبایا بلکہ وہ تو لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے مناظرہ کرتے ہوئے اپنے طور سے عائد کردہ تمام الزمات واتہامات کی سختی سے تردید کی اور ان کے سامنے اپنے اعمال کے درست ہونے کی وضاحت کی۔ یہاں تک کہ ان اعراب میں سے ایک شخص مالک بن اشتر نخعی کہنے لگا: **مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ ان کے خلاف بھی**

---

[1] الدولة الاموية از يوسف العش، ص: ٨٥، تحقيق مواقف الصحابة: ١/ ٣٣٠.

[2] تاريخ طبري: ٥/ ٣٥٠.

[3] تحقيق مواقف الصحابة: ١/ ٣٣٠، تاريخ طبري: ٥/ ٣٤٨.

[4] تحقيق مواقف الصحابة: ١/ ٣٣٠، تاريخ طبري: ٥/ ٣٦٥.

سازش کی گئی ہے اور تمہارے خلاف بھی۔ ❶

امام ذہبی رحمہ اللہ کے نزدیک عبداللہ بن سبا ہی وہ شخص ہے جس نے مصر میں لوگوں کو فتنہ برپا کرنے کے لیے ابھارا۔ اس نے پہلے امراء و ولاۃ کے خلاف بغاوت اور انتقام کی طرح ڈالی اور پھر امام۔ خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کے لیے لوگوں کو اکسایا۔ ❷ اس فتنہ کے پس پردہ ابن سبا اکیلا ہی نہیں تھا بلکہ اس کا کردار سازشی عناصر کی طرف سے پھیلائے گئے جال کے ضمن میں آتا ہے۔ خلیفہ راشد کے خلاف بغاوت کھڑی کرنے کا ان کا یہ انداز دھوکہ دہی، حیلہ گیری اور مکر و فریب سے عبارت ہے جسے اپنا کر انہوں نے بادیہ نشینوں اور ان کے قراء وغیرہ کو اکٹھا کر لیا۔ ابن کثیر روایت کرتے ہیں: عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لشکروں کی چڑھائی کے متعدد اسباب میں سے ایک ابن سبا کا ظہور اس کا مصر جانا اور لوگوں میں خود ساختہ باتوں کی تشہیر کرنا تھا جس کی وجہ سے بہت سارے مصری اس کے جال میں پھنس گئے۔ ❸

مشاہیر مؤرخین اور امت کے علماء سلف و خلف اس بات پر متفق ہیں کہ ابن سبا مسلمانوں میں جو افکار و عقائد اور سبائی منصوبہ جات لے کر آیا تھا ان کا مقصد انہیں ان کے دین اور امام سے برگشتہ کرنا اور ان میں تفرقہ و جدائی اور اختلاف پیدا کرنا تھا۔ اس کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر نچلے طبقہ کے لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے جس سے مشہور سبائی جماعت تشکیل پائی اور جو اس فتنہ کا ایک عامل ہے جس کا نتیجہ امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی صورت میں سامنے آیا۔ سبائی جماعت نے جتنے بھی منصوبے تیار کیے وہ بڑے منظم ہوا کرتے تھے۔ یہ لوگ اپنے افکار و نظریات کی اشاعت کے بڑے ماہر اور نچلے طبقہ کے لوگوں کو متاثر کرنے کی بڑی صلاحیت رکھتے تھے۔ انہوں نے بڑی تیزی کے ساتھ بصرہ، کوفہ اور مصر میں اس جماعت کی ذیلی شاخیں قائم کر دیں تاکہ قبائلی عصبیت سے فائدہ اٹھایا جا سکے اور بادیہ نشینوں، غلاموں اور آزاد کردہ غلاموں کو اشتعال دلا کر ان سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ وہ ان کے حساس مقامات سے بخوبی آگاہ تھے اور ان کے ارادوں کو بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ ❹

فتنہ سبائیت کے بارے میں معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا موقف

یہ ۳۳ھ کی بات ہے کہ ایک والی کوفہ سعید بن العاص ایک عام مجلس میں چند لوگوں کے ساتھ بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ سبائی گروہ کے چند خارجی اس مجلس کو تہ و بالا کرنے اور فتنہ کی آگ بھڑکانے کے لیے اس میں گھس آئے۔ سعید بن العاص اور حاضرین مجلس میں سے ایک شخص خنیس بن حبیش اسدی کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا تو ان کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو گیا۔ اس مجلس میں سات فتنہ بردار خارجی بھی بیٹھے ہوئے تھے جن میں جندب الازدی، اشتر نخعی، ابن الکواء اور صعصعہ بن صوحان بھی شامل تھے۔ فتنہ پرداز اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھری مجلس میں خنیس اسدی کو مارنے لگے اور جب اس کا باپ اس کی مدد کرنے اور اسے ان سے

❶ تحقیق مواقف الصحابة: ۱/ ۳۳۱.
❷ تحقیق مواقف الصحابة: ۱/ ۳۳۸.
❸ البداية و النهاية: ۷/ ۱۶۷-۱۶۸.
❹ تحقیق مواقف الصحابة: ۱/ ۳۳۹.

چھڑانے کے لیے آگے بڑھا تو انہوں نے اسے بھی مارنا شروع کر دیا۔ سعید بن العاص نے انہیں روکنے کی کوشش کی تو وہ پھر بھی مار پیٹ سے باز نہ آئے۔ حتی کہ شدید زدوکوب کی وجہ سے دونوں باپ بیٹا بے ہوش ہو گئے۔ ادھر سے بنواسد اپنے آدمیوں کا بدلہ لینے کے لیے آن پہنچے۔ قریب تھا کہ فریقین میں لڑائی شروع ہو جاتی مگر سعید نے معاملہ رفع دفع کرا دیا۔ جب اس واقعہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو انہوں نے سعید بن العاص سے کہا کہ وہ اس معاملہ کو حکمت کے ساتھ نمٹائیں اور جس طرح بھی ممکن ہو فتنہ کو دبانے کی کوشش کریں۔ واقعہ کے بعد خوارج اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور خلیفۃ المسلمین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، والی کوفہ سعید بن العاص اور کوفہ کے سرکردہ لوگوں کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈہ کی زوردار مہم شروع کر دی۔ اہل کوفہ نے ان سے تنگ آ کر سعید بن العاص سے انہیں سزا دینے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے روک رکھا ہے۔ اگر تمہارا یہ ارادہ ہے تو اس سے انہیں مطلع کر دو۔ اس پر کوفہ کے معززین اور صلح جو لوگوں نے اس گروہ کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھ کر ان سے مطالبہ کیا کہ انہیں شہر سے نکال دیا جائے اس لیے کہ یہ فسادی اور تخریب کار لوگ ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے مطالبہ پر سعید بن العاص کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کو کوفہ سے نکال دیں۔ ان کی تعداد دس سے کچھ زائد تھی۔ سعید نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم پر انہیں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھیج دیا۔ ادھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے بارے میں ایک خط کے ذریعہ سے فرمایا: اہل کوفہ نے کچھ فتنہ پرداز لوگوں کو اپنے شہر سے نکال کر تمہارے پاس بھجوایا ہے، آپ ان پر دباؤ ڈال کر ان کی اصلاح کی کوشش کریں اور اگر ان میں اچھائی محسوس کریں تو ان کی معذرت قبول کر لیں۔ [1] جن لوگوں کو شام جلاوطن کیا گیا تھا ان میں اشتر نخعی، جندب ازدی، صعصعہ بن صوحان، سہیل بن زیاد، عمیر بن ضابی، اور ابن الکواء بھی شامل تھے۔ [2]

جب یہ لوگ شام پہنچے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں خوش آمدید کہا۔ ان کی خوب مہمان نوازی کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے انہیں وہی روزینہ اور سہولتیں فراہم کیں جو انہیں عراق میں فراہم کی جاتی تھیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی دلجوئی کے لیے صبح و شام کا کھانا بھی ان کے ساتھ کھایا کرتے۔ ایک دن معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے کہنے لگے: تم عربوں کی ایک معزز قوم ہو۔ تم لوگوں نے اسلام کی وجہ سے عزو شرف حاصل کیا۔ تم دوسری امتوں پر غالب آ گئے اور ان کا سب کچھ خود سمیٹ لیا مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم قریش سے ناراض ہو، مگر یاد رہے کہ اگر قریش نہ ہوتے تو تم ہمیشہ کی طرح ذلیل اور کمزور رہتے اور گمنامی کی زندگی گزارتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس بات کا ادراک تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ مشکلات کا سامنا کرنے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہیں۔ فصاحت و بلاغت اور ہمت و حوصلہ سے متصف ہیں اور اپنی ذہانت و ہیبت کی وجہ سے فتنوں کا سامنا کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سامنے جب بھی کوئی مشکل اور پیچیدہ معاملہ آتا وہ اسے حل کرنے کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیتے۔ اب کے معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے میل جول رکھا، ان کے ساتھ بیٹھا کرتے۔ اس سے قبل کہ وہ ان کے بارے میں

---

[1] تاریخ طبری: ۵/ ۳۲۴۔ [2] الخلفاء الراشدون، ص ۱۳۱۔

موصولہ معلومات کی بنیاد پر ان کے خلاف کوئی فیصلہ کرتے ان سے میل ملاپ کے ذریعے سے ان کی اندر کی باتوں سے آگاہی حاصل کی۔ ❶

جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے وحشت کا ازالہ کر دیا اور اپنے اور ان کے درمیان حائل تکلف کے پردہ کو ہٹا دیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ انہیں تحریک دینے والی اصل چیز ان کی قبائلی نخوت اور غرور ہے اور حکومت و برتری کی خواہش نے انہیں بھڑکا رکھا ہے، لہٰذا ان کے ساتھ دو زاویوں سے بات کرنا ضروری ہے:

۱۔ عربوں کی عزت وقوت میں اسلام کا کردار و اثر۔

۲۔ اسلام کی اشاعت میں قریش کا کردار اور اس حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے سامنے قبل از اسلام عربوں کی صورت حال کی وضاحت کی کہ کس طرح وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ایسی امت واحدہ میں تبدیل ہو گئے جو ایک ہی امام کے تابع تھی۔ انہوں نے طوائف الملوکی، بدنظمی اور خونریزی کو خیرباد کہہ دیا اور بدبودار قبائلی تعصب سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ❷ آپ نے ان کے ساتھ بات چیت کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا: تمہارے ائمہ تمہارے لیے ڈھال ہیں اور تم اپنی ڈھال سے انحراف نہ کرو، تمہارے ائمہ تمہارے ظلم و جور کو برداشت کرتے اور پھر تمہاری ہی طرف سے پریشان بھی رہتے ہیں۔ اللہ کی قسم! تم یا تو اپنی اس روش سے باز آ جاؤ گے یا پھر اللہ تمہاری ان لوگوں کے ذریعے آزمائش کرے گا جو تمہیں سختی کا مزہ چکھائیں گے۔ اگر تم ان کی سختیوں پر صبر کرو تو وہ اس کے لیے تمہارے قدردان نہیں ہوں گے۔ پھر تم اپنی رعیت پر جو مظالم ڈھاؤ گے تو تم دنیا میں بھی ان کے شراکت دار ہو گے اور آخرت میں بھی۔ ان کی یہ باتیں سن کر ان میں سے ایک شخص کہنے لگا: یہ جو تم نے قریش کی بات کی، تو وہ دوسرے عربوں سے کوئی زیادہ نہیں تھے اور نہ وہ زمانہ جاہلیت میں ان سے زیادہ طاقتور تھے۔ لہٰذا آپ ان سے ہمیں نہ ڈرائیں اور یہ جو آپ نے ڈھال کا ذکر کیا، تو جب ڈھال پھٹے گی تو ہمارے لیے میدان صاف ہو جائے گا۔ ان کی یہ باتیں سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اب تمہاری حقیقت سے آگاہ ہوا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہاری کم عقلی نے تمہیں ان کاموں کے لیے بھڑکایا ہے۔ مگر مجھے تجھ میں عقل نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی، میں تیرے سامنے اسلام کی عظمت بیان کر رہا ہوں اور تجھے اسلام یاد دلا رہا ہوں جبکہ تو مجھے دور جاہلیت یاد دلا رہا ہے۔ میں نے تجھے پند و نصیحت کی اور آپ نے اپنی ہی ڈھال کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ وہ ٹوٹ اور پھٹ جائے گی۔ اللہ ان لوگوں کو ذلیل کرے جنہوں نے تمہارے معاملہ کو اہمیت دی اور تم لوگوں کو خلیفہ کے سامنے پیش کر دیا۔ ❸

معاویہ رضی اللہ عنہ جان چکے تھے کہ ان لوگوں کو سرسری سا اشارہ مطمئن نہیں کر سکے گا، لہٰذا ان کے سامنے قریش کی اوّلین صورت حال کو بالتفصیل بتانا ضروری ہے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قریش کو زمانہ جاہلیت اور

---

❶ تاریخ طبری: ۵/ ۳۲۴۔ ❷ معاویۃ بن ابی سفیان، از منیر غضبان، ص: ۱۰۱۔

❸ تاریخ طبری: ۵/ ۳۲۴۔

زمانہ اسلام میں صرف اللہ عزوجل کی وجہ سے عزت نصیب ہوئی۔ یہ درست ہے کہ قبیلہ قریش عربوں کا اکثریتی قبیلہ نہیں تھا اور نہ وہ سب سے زیادہ طاقتور ہی تھا تاہم وہ حسب ونسب میں سب سے زیادہ شریف اور معزز تھا۔ اس کا مقام ومرتبہ سب سے بلند تھا اور وہ شرافت ومروت میں کامل ترین تھے۔ دور جاہلیت میں لوگ ایک دوسرے کو کھائے جا رہے تھے مگر اللہ کے فضل وکرم سے یہ قبیلہ ایسی صورت حال سے محفوظ تھا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جسے عزت سے نوازتا ہے اسے ذلیل نہیں کرتا اور جسے سربلند کرتا ہے اسے کا سرنگوں نہیں کرتا، کیا تم نہیں جانتے کہ عربی ہوں یا عجمی، کالے ہوں یا گورے، ہر قوم پر کسی بیرونی قوت نے ضرور حملہ کیا اور ان کے ملک کی عزت وحرمت کو نقصان پہنچایا مگر قریش اس آفت سے محفوظ رہے۔ جس کسی نے بھی انہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا اللہ نے اس کا سرنیچا کیا اور قبیلہ قریش کو عزت بخشی پھر اللہ رب العزت نے اس قبیلہ کو مزید عزت سے نوازا، اسے دنیا کی ذلت اور آخرت کے انجام بد سے نجات دلوائی تو اللہ تعالیٰ نے اسی قبیلہ سے بہترین شخص کا انتخاب کیا۔ پھر ان کے لیے ان کے ساتھیوں کا انتخاب کیا، چنانچہ ان کے بہترین صحابہ رضی اللہ عنہم قریش ہی میں سے تھے۔ پھر ان لوگوں نے اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی اور اللہ نے خلافت بھی ان لوگوں میں رکھی اور اس کے لیے زیادہ موزوں بھی یہی لوگ تھے۔ جب اللہ رب العزت نے قریش کو اس وقت محفوظ و مامون رکھا جب وہ اس کے منکر تھے تو کیا وہ ان کی اس وقت حفاظت نہیں فرمائے گا جب وہ اپنے آباء واجداد کے دین کو ترک کر کے اس کے دین کو قبول کر چکے ہیں؟ دورِ جاہلیت میں اللہ تعالیٰ نے قریش کو ان بادشاہوں سے محفوظ وسالم رکھا جو تم پر غالب آ گئے تھے۔ افسوس ہے تجھ پر اور تیرے ان ساتھیوں پر، کاش تیرے علاوہ کوئی اور شخص مجھ سے بات کرتا۔ آپ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: اے صعصعہ! اس زمانہ میں تیری بستی عرب کی بدترین بستی تھی۔ اس کی پیداوار سب سے زیادہ بدبودار اور اس کی وادی دوسری تمام وادیوں سے زیادہ عمیق تھی اور جو شر وفساد میں سب سے زیادہ شہرت رکھتی تھی اور یہ اپنے پڑوسیوں کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔ اس بستی میں جب بھی کسی شخص نے قیام کیا وہ شریف ہو یا رذیل اس پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی گئی اور اسے بدنام کر دیا گیا۔ وہاں کے رہنے والے سب لوگ تمام عربوں میں بدنام تھے۔ ہر ایک سے لڑنا جھگڑنا ان کا شیوہ تھا اور وہ ایرانیوں کے زیر تسلط تھے۔ جب تمہارے پاس اسلام کی دعوت پہنچی تو تم نے مدینہ منورہ آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہ کیا، بلکہ تو اس وقت عمان میں رہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں شریک بھی نہ ہوا۔ تو تو اپنی قوم کا بدترین شخص ہے۔ یہاں تک کہ جب اسلام نے تجھے نمودار کیا اور تو مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان لوگوں پر غالب آیا جو قبل ازیں تم پر غالب تھے تو تو اللہ کے دین میں کج روی اختیار کرنے لگا اور پھر آہستہ آہستہ ذلت ورسوائی کے کاموں کی طرف مائل ہونے لگا، مگر قریش ایسا نہیں کرتے۔ تیری ان حرکتوں کی وجہ سے قریش کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور نہ تو انہیں کوئی نقصان ہی پہنچا سکے گا اور اس طرح تم انہیں ان کے فرائض کی ادائیگی سے روک نہیں سکو گے۔ یاد رکھنا کہ شیطان تم سے غافل نہیں ہے، اس نے شر پھیلانے کے لیے تمہاری قوم سے تمہیں چن لیا ہے اور وہ تمہارے ذریعہ سے لوگوں کو فریب دے رہا ہے، شیطان

اپنے مقاصد میں کامیاب ہوا اور تم لوگوں پر غالب آ گیا۔ مگر اسے اس بات کا بھی بخوبی علم ہے کہ وہ تمہارے ذریعے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو رد نہیں کر سکتا اور نہ اس کے ارادوں میں دخل اندازی ہی کر سکتا ہے، لہٰذا تم اپنی شرارتوں میں کبھی کامیاب نہ ہوسکو گے۔ البتہ وہ تمہارے لیے برائی کا دروازہ کھول کر تمہیں ضرور ذلیل کرے گا۔

اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں یہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد یہ لوگ باہم مشورہ کرنے لگے مگر کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر رہے۔ [1] معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں مطمئن کرنے کے لیے اپنی تمام فکری، سیاسی اور ثقافتی صلاحیتیں کھپا دیں۔

تھوڑے دنوں کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس دوبارہ آئے اور ان سے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس دوران آپ نے فرمایا: مجھے یا تو کوئی اچھا جواب دو یا پھر خاموش رہو۔ تم لوگ وہ بات سوچو جو تمہیں اور تمہارے اہل خانہ کو فائدہ دے جو تمہارے قبائل کے لیے بھی نفع بخش ہو اور مسلمانوں کی جماعت کے لیے بھی۔ تم خود بھی زندہ رہو اور ہمیں بھی زندہ رہنے دو۔ اس کے جواب میں صعصعہ نے کہا: تم حکومت کے لیے اہل نہیں ہو اور تمہاری اطاعت میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں نے تمہیں گفتگو کے آغاز میں اللہ سے ڈرنے، اس کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کی تلقین نہیں کی تھی؟ اور کیا میں نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر اٹھو اور تفرقہ بازی سے پرہیز کرو؟ وہ کہنے لگے: تم نے تفرقہ بازی کا حکم دیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف بات کہی تھی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اگر میں نے ایسی کوئی بات کی تھی تو میں اللہ تعالیٰ کے حضور معافی کا خواستگار ہوں۔ اب میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اللہ سے ڈرو۔ اس کی اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ جماعت کو لازم پکڑو، تفرقہ بازی سے نفرت کرو۔ اپنے ائمہ کی عزت کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے ساتھ خیر خواہی کرو اور اگر ان میں کوئی برائی دیکھو تو انہیں نرمی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کرو۔ یہ سن کر صعصعہ کہنے لگا: ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم اپنے کام سے الگ ہو جاؤ اس لیے کہ مسلمانوں میں تم سے زیادہ باصلاحیت اور اس کام کے لیے موزوں اور لوگ بھی موجود ہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: وہ کون ہیں؟

اس نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جن کے آباء نے تمہارے آباء سے اور خود انہوں نے تم سے زیادہ اچھے اسلامی کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اسلام میں بڑا اچھا کردار ادا کیا ہے۔ یقیناً دوسرے لوگوں نے مجھ سے بھی بہتر اسلامی کارنامے انجام دیئے ہوں گے مگر میرے زمانے میں مجھ سے زیادہ طاقتور کوئی نہیں ہے اور نہ اس کام کے لیے مجھ سے زیادہ کوئی موزوں ہی ہے۔ میرے اس موزوں ہونے کو دیکھ کر ہی عمر رضی اللہ عنہ نے میرا انتخاب کیا تھا۔ اگر مجھ سے زیادہ اس کام کا کوئی اور اہل ہوتا تو وہ میرا انتخاب نہ کرتے۔ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس کی وجہ سے میں اپنے اس منصب سے الگ ہو جاؤں۔ اگر امیر المومنین مجھ میں ایسی کوئی

[1] تاريخ طبری: ٥/ ٣٢٦.

بات دیکھتے تو وہ مجھے اپنے ہاتھ سے خط لکھتے اور میں اپنے عہدے سے الگ ہو جاتا اور اگر اللہ کا یہی فیصلہ ہے تو مجھے امید ہے کہ اس سے بہتر کوئی صورت نکل آئے گی۔ مگر یاد رہے کہ تمہاری یہ باتیں شیطان کی تمنائیں ہیں اور وہی تمہیں ان باتوں کا حکم دیتا ہے۔ مجھے میری بقاء کی قسم! اگر تمہاری تمناؤں اور آراء کے مطابق فیصلے ہوا کرتے تو مسلمانوں کے معاملات کبھی درست نہ ہوتے اور یہ نظام ایک دن بھی نہ چل سکتا، مگر یہ ذات باری تعالیٰ ہی ہے جو ان معاملات کو سدھار رہی ہے اور وہی انہیں پایہ تکمیل تک پہنچائے گی۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم نیکی کی طرف لوٹو اور خیر خواہی کی باتیں کرو۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی یہ بات پھر دہرائی کہ تم اس منصب کے اہل نہیں ہو۔ انہوں نے فرمایا: سنو! اللہ کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تم اسی طرح شیطان کی اتباع کرتے رہے اور رب تعالیٰ کی نافرمانی سے باز نہ آئے تو اس کا قہر وغضب تمہیں اس دنیا میں بھی ذلیل وخوار کرے گا اور آخرت میں بھی۔ اس پر یہ لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ پر جھپٹے اور انہیں سر اور داڑھی سے پکڑ لیا۔ اس پر انہوں نے فرمایا: رک جاؤ یہ کوئی کوفہ نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! اگر اہل شام کو یہ معلوم ہو جائے کہ تم نے ان کے امام کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو میں انہیں تمہیں قتل کرنے سے نہیں روک سکوں گا، پھر آپ ان کے پاس سے اٹھ گئے اور فرمایا: میں آئندہ کے لیے تمہیں یہاں آنے کے لیے نہیں کہوں گا۔ ❶

اہل کوفہ کو مطمئن کرنے کے لیے امیر شام حضرت معاویہ کی یہ آخری کوشش تھی جس میں انہوں نے حلم وحوصلہ سے کام لیتے ہوئے اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کی کہ انہیں کسی طرح فتنہ وفساد اور شرپسندی سے باز رکھیں۔ اسی دوران آپ نے انہیں اللہ سے ڈرنے، اس کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے، جماعت سے وابستہ رہنے اور فرقہ بازی سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔

مگر انہوں نے بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ تمہاری اطاعت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ مگر انہوں نے وسیع ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں یاد دلایا کہ میں تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری کی تلقین کر رہا تھا اور اگر تمہارے خیال میں میں نے ایسا نہیں کہا تو میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں اور اب تمہیں اس کی اطاعت گزاری اور جماعت سے وابستگی کی دعوت دیتا ہوں۔ مگر انہوں نے ان کی پند ونصیحت سے تو کیا متاثر ہونا تھا الٹا ان سے یہ کہہ دیا کہ ہم تمہیں اپنے عہدے سے الگ ہونے کا حکم دیتے ہیں اس لیے کہ تم اس عہدے کے لیے موزوں نہیں ہو مسلمانوں میں تم سے زیادہ بہتر اور باصلاحیت لوگ بھی موجود ہیں۔ مگر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اس اشتعال انگیزی کا جواب بھی بڑے تحمل اور بردباری سے دیا۔ جو کہ چھ اہم اور اساسی نکات پر مشتمل تھا:

۱۔ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے لیے بڑی خدمات سرانجام دی ہیں اور یہ کہ وہ اپنے بھائی یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کی موت سے لے کر آج تک شامی سرحدوں کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

۲۔ اگرچہ مسلمانوں میں ان سے بہتر لوگ موجود ہیں اور جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے لیے بڑی بڑی

❶ تاریخ طبری: ۵/ ۳۳۰-۳۳۱.

تکالیف برداشت کی ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ میں شام کے اسلامی محاذ کا دفاع کرنے کی سب سے زیادہ صلاحیت اور طاقت رکھتا ہوں۔

۳۔ اپنے امراء اور ولاۃ کی کڑی نگرانی کرنے والے اور انہیں راہ راست پر رکھنے والے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے جو کہ اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی کوئی پروا نہیں کیا کرتے تھے اگر وہ معاویہ رضی اللہ عنہ میں کوئی کوتاہی یا انحراف دیکھتے تو اسے اپنی خلافت کے سارے عرصہ کے دوران اس عہدے پر بحال نہ رکھتے۔ جبکہ ان سے قبل خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں اپنے بعض اعمال کا والی مقرر فرمایا اور انہیں کاتب وحی کا منصب سونپے رکھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں ولایت تفویض کی اور ان کی صلاحیت پر کسی نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا۔

۴۔ عہدے سے برطرفی کے کچھ اسباب ہوا کرتے ہیں مگر داعیان فتنہ وفساد کے پاس وہ کون سی دلیل اور اساس ہے جس کی بنا پر وہ مجھ سے معزولی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

۵۔ کسی کو عہدے پر برقرار رکھنا یا کسی کو اس سے ہٹا دینا تمہارے اختیار میں نہیں ہے، یہ اختیار صرف امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ہے، امراء کی تعیین اور معزولی کا صرف وہی استحقاق رکھتے ہیں۔

۶۔ اگر خلیفۃ المسلمین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مجھے معزول کر دیں گے تو میں کھلے دل سے ان کے حکم کی تعمیل کروں گا اس لیے کہ مجھے یقین ہے کہ ان کا حکم سراسر خیر ہوگا۔ میں صرف امیر ہی نہیں ہوں بلکہ مامور بھی ہوں۔ خلیفہ المسلمین کے احکام کی تعمیل کرنا میری ذمہ داری ہے۔ [1]

مگر اس مجلس کا اختتام انتہائی افسوسناک اور تکلیف دہ رہا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اللہ کے قہر وغضب سے خبردار کیا اور انہیں نخوت وغرور ترک کرنے کی نصیحت کی تو وہ اس کے جواب میں ان پر جھپٹے اور انہیں سر اور داڑھی سے پکڑ لیا۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتنہ پرور کوفی عناصر کو ڈانٹ پلائی اور سخت سست کہا۔ آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یوں ان لوگوں کا راہ حق پر لانا مشکل ہے، لہٰذا ان کی صورت حال سے امیر المومنین کو مطلع کرنا ضروری ہے تاکہ وہ ان کے بارے میں خود کوئی فیصلہ کر سکیں۔ [2]

کوفہ کے فتنہ بازوں کے بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خط:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ...... اما بعد!

''امیر المومنین! آپ نے میری طرف ایسے لوگوں کو بھیجا ہے جو شیطانوں کے لہجے میں بات کرتے ہیں اور اس کے لیے شیطان ہی ان کی راہنمائی کرتا ہے۔ وہ لوگوں کے پاس جا کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ قرآنی تعلیمات

---

[1] معاویۃ بن ابوسفیان، صحابی کبیر و ملك مجاهد، ص: ۱۱٤ تا ۱۱۷.

[2] معاویہ بن ابوسفیان از غضبان، ص: ۱۱۷-۱۱۸.

پیش کرتے ہیں اور اس طرح وہ لوگوں میں غلط فہمی پیدا کر رہے ہیں اور اس لیے کہ سب لوگ ان کے اصل ارادوں سے واقف نہیں ہیں۔

ان لوگوں کا مقصد لوگوں میں تفرقہ اور انتشار پھیلانا ہے اور یہ لوگ اپنے عمل اور کردار سے فتنہ کو قریب لا رہے ہیں۔ اسلام انہیں گراں گزرتا ہے اور وہ اسلام سے بیزار ہیں۔ شیطان کی غلامی ان کے دلوں میں گھر کر چکی ہے اور انہوں نے کوفہ کا ماحول خراب کر دیا ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ اگر یہ لوگ مزید کچھ عرصہ اہل شام کے ہاں مقیم رہے تو یہ انہیں بھی اپنے فسق و فجور اور سحر بیانی سے خراب کر دیں گے، لہٰذا آپ انہیں اسی شہر میں واپس بلا لیں جہاں سے ان کی منافقت پھوٹی تھی۔'' ❶

خط پڑھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں سعید بن العاص کو تحریری حکم بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو واپس بلا لیں۔ انہوں نے ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان لوگوں کو واپس کوفہ بلا لیا مگر کوفہ آنے کے بعد ان کی زبانیں پھر کھل گئیں۔ اس پر سعید نے حضرت عثمان کو خط لکھا کہ وہ ان سے بہت تنگ ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ ان لوگوں کو عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس حمص بھیج دیں۔ عبدالرحمٰن اس وقت حمص کے امیر تھے۔ ❷

جب یہ لوگ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے انہیں اپنے پاس بلا کر بڑے سخت لہجے میں بات کی۔ اس دوران انہوں نے کہا: تم لوگ شیطان کے آلہ کار ہو، لہٰذا میں تمہیں مرحبا نہیں کہہ سکتا۔ شیطان تو ناکام و نامراد ہوا مگر تم ابھی تک باطل کے لیے کوشاں ہو۔ عبدالرحمٰن کے پاس کچھ نہ رہے اگر وہ تمہیں سیدھا نہ کرے اور تمہیں ذلیل نہ کرے۔ میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو، عربی ہو یا عجمی؟ مجھ سے وہ باتیں نہ کرنا جو تم سعید اور معاویہ سے کرتے رہے۔ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہوں۔ میں مرتدین کی گردنے توڑنے والے کا بیٹا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں تمہاری گردنیں جھکا کر چھوڑوں گا۔ عبدالرحمٰن نے ایک ماہ تک انہیں اپنے پاس رکھا اور ان کے ساتھ بڑا سخت برتاؤ کیا اور ان کے ساتھ سعید رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرح نرمی نہ برتی۔ انہیں ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے اور انہیں ذلیل کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ جب ان کا زعیم صعصعہ بن صوحان عبدالرحمٰن کے سامنے آتا تو وہ ان سے فرماتے: ارے گناہ کے بیٹے! کیا تو جانتا ہے کہ جسے خیر صحیح نہ کرے اسے شر صحیح کرتا ہے اور جسے نرمی صحیح نہ کرے اسے سختی صحیح کیا کرتی ہے؟ آپ ان سے یہ بھی کہا کرتے: تم مجھے اس طرح جواب کیوں نہیں دیتے جس طرح کوفہ میں سعید کو اور شام میں معاویہ کو دیا کرتے تھے؟ تم مجھ سے اس طرح مخاطب کیوں نہیں ہوتے جس طرح ان دونوں سے مخاطب ہوا کرتے تھے؟ ان کے ساتھ عبدالرحمٰن کا یہ رویہ ان کے لیے مفید ثابت ہوا۔ ان کی شدت اور سخت دلی رنگ لائی، چنانچہ انہوں نے ان کے سامنے توبہ اور ندامت کا اظہار کیا۔ وہ کہنے لگے: ہم اللہ کے حضور توبہ کرتے اور اس سے طلب بخشش کرتے ہیں۔ ہمیں معاف کر دیں وہ تمہیں معاف کر دے گا۔ ہمارے بارے میں درگزر سے کام لیں اللہ تم سے درگزر فرمائے گا۔ یہ لوگ جزیرہ میں عبدالرحمٰن کے پاس رہے اس دوران انہوں نے اشتر کو

❶ تاریخ طبری: ٥/ ٣٣١. ❷ تاریخ طبری: ٥/ ٣٣١.

حضرت عثمان کے پاس بھیجا تاکہ وہ انہیں بتائے کہ ہم نے توبہ کر لی ہے اور فتنہ سازی کی اپنی سرگرمیوں سے باز آ گئے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اشتر سے کہا: میں نے بھی تمہیں معاف کیا۔ تم اور تمہارے ساتھی جہاں چاہو قیام کر سکتے ہو۔ اشتر نے کہا: ہم کچھ دیر کے لیے عبدالرحمٰن کے پاس رہنا چاہتے ہیں۔ وہ ان کے پاس اپنے قیام کے دوران انہیں توبہ، استقامت اور درستگی کا تاثر دیتے رہے۔ [1] ادھر فتنہ پردازوں نے کوفہ میں بھی کچھ عرصہ تک خاموشی اختیار کیے رکھی ان کے نزدیک مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔ [2] البتہ فتنہ کے دیگر کرداروں نے بصرہ، مصر اور دیگر شہروں میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

عثمانی خلافت کے گیارہویں سال ابن سبا نے اپنے ناپاک منصوبے کو آگے بڑھاتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے مقرر کردہ امراء کے خلاف بغاوت کرنے کے لیے اپنی جماعت کے ساتھ مشاورت کی۔ اس کے لیے اس نے اپنی سازشوں کے گڑھ مصر میں بصرہ، کوفہ اور مدینہ میں موجود دیگر سازشی شیطانوں سے رابطے کیے اور ان کے ساتھ خلیفۃ المسلمین کے خلاف بغاوت کی تفصیلات پر اتفاق کیا۔ یہ لوگ باہم خط و کتابت کے ذریعے رابطے کرتے تھے۔ کوفہ میں سبائی گروہ سے تعلق رکھنے والے کل دس بارہ لوگ تھے جن میں سے بعض کو پہلے شام اور بعد میں عبدالرحمٰن کے پاس جزیرہ میں جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ ان کے یہاں سے نکالے جانے کے بعد کوفہ میں فتنہ پرور سبائی گروہ کا قائد یزید بن قیس تھا۔ [3]

۳۴ھ میں کوفہ سرکردہ اور معززین شہر سے خالی ہو گیا اس لیے کہ یہ سب لوگ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے روانہ ہو گئے تھے اور شہر میں نچلے طبقہ کے چند لوگ باقی رہ گئے تھے جن پر منحرف سبائیوں نے اثر انداز ہو کر ان کے ذہنوں کو اپنے خبیث اور گندے افکار و نظریات سے بھر دیا اور انہیں کوفہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ والی سعید بن العاص کے خلاف بھڑکا دیا۔ [4]

کوفہ کے جنگی حاکم قعقاع بن عمرو نے یزید بن قیس کی قیادت میں سبائیوں کی پہلی تحریک کو بڑی سختی کے ساتھ کچل دیا۔ مگر جب یزید کو اس کی سختی، بصیرت اور بیدار مغزی کا علم ہوا تو اس نے ان پر اپنے اس منصوبے کا افشاء تو نہ کیا کہ ہم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کر کے انہیں معزول کرنا چاہتے ہیں بلکہ انہیں یہ بتایا کہ ہمارا مقصد صرف کوفہ کے والی سعید بن زید کو معزول کر کے اس کی جگہ کسی دوسرے والی کا تقرر ہے۔ اس پر ان کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا گیا اور ان کے لوگوں کو رہا کر دیا گیا۔ یزید اس مطالبے کو تسلیم کروانے کے لیے مسجد کوفہ میں جا کر بیٹھ گیا۔ جب قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو اس نے کہا کہ اس کام کی تکمیل مسجد میں بیٹھ کر نہیں ہو سکتی اور یہاں تمہارے پاس آ کر بھی کوئی نہ بیٹھے۔ تم جو کچھ چاہتے ہو اس کا مطالبہ خلیفہ رضی اللہ عنہ سے کرو باذن اللہ تمہاری یہ خواہش

---

[1] تاریخ طبری: ۵/ ۳۲۷.

[2] الخلفاء الراشدون از خالدی، ص: ۱۳٤.

[3] الخلفاء الراشدون از خالدی، ص: ۱۳۵.

[4] الخلفاء الراشدون، ص: ۱۳۵.

ضرور پوری ہوگی۔ ❶ فتنہ کی آگ بھڑکانے کے لیے یزید (بن قیس) نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ ابن سبا کے پیروکاروں کے مکروفریب اور سازشوں کے نتیجہ میں شہر کے نچلے طبقہ کے گھٹیا لوگوں نے سعید بن العاص کو شہر کوفہ میں داخل ہونے سے روکنے کا فیصلہ کرلیا۔ یاد رہے کہ اس وقت سعید مدینہ منورہ میں تھے۔ ❷

جب سبائی مسجد سے باہر نکل گئے تو چند شرفاء اور عمائدین وہاں باقی رہ گئے۔ اس وقت عمرو بن حریث نائب حاکم تھا وہ منبر پر چڑھا اور لوگوں کو فرقہ بازی، اختلاف وانتشار اور فتنہ وخروج سے منع کیا اور انہیں باغیوں اور سرکشی اختیار کرنے والوں کی باتوں میں نہ آنے کی تلقین کی۔ ❸ اس پر قعقاع بن عمرو تمیمی نے کہا: اگر تم سمندر کے سیلاب کو لوٹا سکتے ہو تو دریائے فرات کی موجوں کو روک دو، مگر ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اب اگر کوئی چیز عوام کو مطمئن کر سکتی ہے تو وہ صرف بے نیام شمشیر ہے اور وہ جلد ہی سونت لی جائے گی۔ پھر عوام ایک زبردست ہنگامہ برپا کریں گے اور اپنے مقاصد پورے کیے بغیر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ اس لیے تم صبر کرو۔ عمرو نے کہا: ہاں میں صبر کروں گا۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر چلے گئے۔ ❹

فتنہ پرستوں نے والی کوفہ سعید بن العاص کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیا اور وہ واپس مدینہ چلے گئے، ان کی رائے تھی کہ حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ ان لوگوں کا سامنا نہ کیا جائے اور فتنہ کی آگ کو مزید نہ بھڑکایا جائے بلکہ اسے بجھانے کی کوشش کی جائے یا کم از کم اس کے بھڑکنے کو موخر کیا جائے۔ جب وہ مدینہ منورہ واپس آئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش کردہ صورت حال سے تفصیلاً آگاہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا وہ کیا چاہتے ہیں۔ کیا انہوں نے اطاعت سے دست کشی کی ہے؟ سعید نے جواب دیا: وہ حاکم کی تبدیلی چاہیے ہیں۔ آپ نے دریافت کیا: وہ اس کی جگہ کس کا تقرر چاہتے ہیں؟ سعید بن العاص نے بتایا کہ وہ ابوموسیٰ الاشعری کا ارادہ کیے ہوئے ہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے ان پر ابوموسیٰ کو حاکم مقرر کر دیا ہے، لیکن اللہ کی قسم! اب ہم کسی کا عذر نہیں سنیں گے اور نہ ان میں سے کسی کو حجت بازی کا موقع ہی دیا جائے گا۔ ادھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو تحریری طور سے اس امر کی اطلاع کر دی کہ انہیں کوفہ کا والی مقرر کر دیا گیا ہے۔ ❺ ابوموسیٰ نے کوفہ آنے کے بعد لوگوں کو پرسکون رہنے کی تلقین کی اور نافرمانی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: لوگو! تم مخالفت کے لیے نہ نکلو اور آئندہ کے لیے ایسی نافرمانی بھی نہ کرنا۔ اپنی جماعت کو لازم پکڑو اور اطاعت وفرمانبرداری اختیار کرو۔ جلد بازی کے کاموں سے پرہیز کرو اور صبر وحوصلہ سے کام لیا کرو اور اس بات کو بخوبی سمجھ لو کہ امیر تمہارے اوپر حاکم ہے۔ لوگوں نے کہا: آپ ہمیں نماز پڑھائیں۔ ابوموسیٰ نے کہا: میں تمہیں اس وقت تک نماز نہیں پڑھاؤں گا جب تک تم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے احکامات کو سننے اور ان کی تعمیل کرنے کا اقرار نہیں کرو گے، چنانچہ ان لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

❶ تاریخ طبری: ٥/ ٣٣٧.
❷ تاریخ طبری: ٥/ ٣٣٨.
❸ الخلفاء الراشدون از خالدی، ص: ١٣٩.
❹ تاریخ طبری: ٥/ ٣٣٨.
❺ تاریخ طبری: ٥/ ٣٣٩.

کے احکامات کی تعمیل کرنے کا اقرار کیا۔ ❶ مگر وہ اس بارے میں سچ نہیں بول رہے تھے۔ انہوں نے دوسرے لوگوں سے اپنے اہداف کو چھپا رکھا تھا۔ ابوموسیٰ لوگوں کو نمازیں پڑھاتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے انہیں کوفہ کا امیر مقرر کرنے کا حکم نامہ موصول ہو گیا، اس خط میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ سے خروج کرنے والوں کو لکھا کہ میں نے تم پر اس شخص کو امیر بنایا ہے جسے تم نے پسند کیا جبکہ میں نے سعید کو واپس بلا لیا ہے۔ اللہ کی قسم! میں اپنی عزت کو تمہارے لیے فرش راہ کر دوں گا۔ تمہاری زیادتیوں پر صبر کروں گا اور تمہیں صحیح کرنے کے لیے مقدور بھر کوشش کروں گا۔ مجھ سے ہر اس چیز کا سوال کر لو جسے تم پسند کرتے ہو بشرطیکہ اس میں اللہ کی معصیت نہ ہو۔ میں تمہیں وہ ضرور دوں گا اور تم جس چیز کو ناپسند کرو گے میں اسے تم سے واپس لے لوں گا بشرطیکہ اس میں اللہ کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔ تاکہ تمہارے پاس میرے خلاف کوئی حجت باقی نہ رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس قسم کے خطوط مختلف شہروں کو بھی ارسال کیے۔ ❷ اللہ تعالیٰ امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے راضی ہو وہ کس قدر صلح جو اور وسیع ظرف تھے اور کس قدر کینہ پرور سبائی باغیوں نے ان پر مظالم ڈھائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حکام سے مشورہ اور اس بارے معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے باغی عناصر کی طرف سے کھڑے کیے گئے فتنہ کا مختلف وسائل و اسالیب کے ساتھ مقابلہ کیا، اس دوران آپ نے پوری کوشش کی کہ اہل فتنہ کے اصل اغراض و مقاصد سے آگاہی حاصل کی جائے۔ مذاکرات کے ذریعے شورش پسندوں اور سرکشی اختیار کرنے والوں کے خلاف اتمام حجت کیا جائے اور ان کے جائز مطالبات کو تسلیم کر لیا جائے۔ اس کا ایک طریقہ یہ تھا کہ آپ نے مشورہ کے لیے مندرجہ ذیل حکام کو اپنے پاس بلایا: عبداللہ بن عامر، معاویہ بن ابوسفیان، عمرو بن العاص، عبداللہ بن سعد اور سعید بن العاص رضی اللہ عنہم، یہ سب لوگ مشورہ کرنے کے لیے ایک جگہ جمع ہوئے۔ سب حضرات نے اپنی اپنی آراء کا اظہار کیا اور اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ اپنے سپہ سالاروں کو حکم دیں کہ وہ اپنے اپنے علاقہ کا انتظام کریں۔ میں اہل شام کو قابو میں رکھنے کا ذمہ لیتا ہوں۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجلاس میں شریک تمام لوگوں کی آراء و تجاویز سن لیں تو آپ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد فرمایا: میں نے تمہاری آراء سن لیں، ہر آنے والے واقعہ کا ایک دروازہ ہوتا ہے جس سے وہ آتا ہے۔ اس امت کے لیے جس حادثہ کا خوف ہے وہ آ کر رہے گا۔ اگر اس کا دروازہ بند بھی کر دیا جائے تو اسے بزور کھول دیا جائے گا مگر میں اسے نرمی سے بند کروں گا۔ البتہ حدود اللہ میں کسی سے کوئی نرمی نہ ہوگی۔ اگر یہ دروازہ بزور بازو کھولا گیا تو پھر مجھ پر کسی کی حجت باقی نہ رہے گی۔ اللہ جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی بھلائی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ فتنہ کی چکی چلنے والی ہے اگر عثمان رضی اللہ عنہ اس حالت میں فوت ہو گیا کہ اس نے چکی کو حرکت نہ دی تو اس کے لیے بشارت ہے۔ تم لوگ واپس جا کر لوگوں میں سکون پیدا

❶ تاریخ طبری: ٥/ ٣٣٩۔ ❷ الکامل: ٢/ ٢٧٨، تاریخ طبری: ٥/ ٣٥١۔

کرو، ان کے حقوق ادا کرو، ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرو اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوئی مداہنت نہ کرو۔ ❶ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکام کو یہ بھی ہدایت کی کہ ہنگامہ آرائی کرنے والوں پر سختی نہ کی جائے۔ نہ انہیں قید کیا جائے اور نہ کسی کو قتل کیا جائے اور یہ کہ ان کے ساتھ اچھائی اور نرمی والا معاملہ کیا جائے۔ ❷ آپ نے اپنے عمال سے کہا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں لوٹ جائیں اور اس فتنہ کا اسی انداز سے مقابلہ کریں جس کا ان کے سامنے اعلان کیا گیا ہے۔ ایسا فتنہ جسے صاحب بصیرت آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ ❸

معاویہ رضی اللہ عنہ شام روانگی سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا: امیر المومنین! آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلیں قبل اس کے کہ ایسے امور و واقعات آپ پر ہجوم کر آئیں جن کا آپ سامنا نہ کر سکیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی کو کسی بھی چیز کے بدلے میں نہیں بیچ سکتا۔ چاہے اس کے بدلے میری شاہ رگ ہی کیوں نہ کاٹ دی جائے۔ یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: پھر میں آپ کے لیے شام سے لشکر بھیج دیتا ہوں۔ وہ متوقع خطرات کا مقابلہ کرنے، آپ اور اہل مدینہ کا دفاع کرنے کے لیے مدینہ میں قیام کرے گا۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس لشکر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسائیوں کا رزق کم نہیں کر سکتا اور نہ میں اہل ہجرت اور اہل نصرت کو مشکلات میں ہی ڈال سکتا ہوں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ گویا ہوئے: امیر المومنین! یا تو آپ کو اچانک قتل کر دیا جائے گا یا آپ سے جنگ کی جائے گی۔ اس پر عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: "حسبی اللہ و نعم الوکیل" "میرے لیے اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔" ❹ پھر وہی ہوا جس کی معاویہ رضی اللہ عنہ توقع کر رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرنے اور آخرکار انہیں قتل کر دینے کے ارادہ سے اہل فتنہ کے جتھے آنا شروع ہو گئے مگر مختلف صوبوں سے آنے والے ان باغیوں میں شام کی کوئی جماعت شامل نہیں تھی۔ ❺

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ اور اس بارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف:

باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ بڑا سخت کر دیا یہاں تک کہ انہیں مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے بھی روک دیا گیا مگر اس دوران جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا تھا انہوں نے بڑے صبر اور حوصلہ مندی کا مظاہرہ کیا۔ آپ قضاء وقدر پر بڑا پختہ ایمان رکھنے کے ساتھ اس امر کے لیے کوشش کرتے رہے کہ اس مصیبت کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے۔ اس کے لیے آپ کبھی تو مسلمان کے خون کی حرمت کے بارے لوگوں کو خطبہ دیتے نظر آتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے ہیں کہ کسی بھی مسلمان کا ناحق خون کرنا جائز نہیں ہے۔ کبھی لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے انہیں اپنے فضائل و مناقب سے آگاہ کرتے اور اسلام میں اپنی خدمات جلیلہ سے آشنا کراتے ہیں

❶ تاریخ طبری: ۵/ ۳۵۱۔ ❷ خلافۃ عثمان از ڈاکٹر سلمی، ص: ۷۷۔
❸ الخلفاء الراشدون از خالدی، ص: ۱۵۱۔ ❹ تاریخ الطبری: ۵/ ۳۵۳۔
❺ عبداللہ بن سبا از عودۃ، ص: ۱۵۲۔

اور اس کے لیے عشرہ مبشرہ کے فضائل سے استشہاد کرتے ہیں۔ ❶ گویا کہ آپ یہ فرمانا چاہتے تھے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بیان کردہ ان فضائل و مناقب اور اسلام کے لیے میری ان گراں قدر خدمات کے باوجود میرے لیے یہ ممکن ہے کہ میں دنیا کا طمع کرتے ہوئے اسے آخرت پر ترجیح دوں گا اور کیا یہ بات معقول ہے کہ ایسا شخص امانت میں خیانت کرے گا، امت کے اموال کو من مانے انداز میں لٹائے گا اور اس کے خون کا مذاق اڑائے گا؟ جبکہ وہ اللہ کے ہاں اس کے انجام سے بھی بخوبی آگاہ ہو؟ اور وہ وہی ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست تربیت حاصل کی، آپ نے اس کی پاکیزگی کی گواہی دی؟ جس شخص کا جوانی میں یہ کردار رہا ہو بھلا وہ اسی سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کرسکتا ہے؟

مدینہ منورہ پر سرکشوں کی گرفت اور مضبوط ہوگئی یہاں تک کہ وہ لوگوں کو نمازیں بھی خود ہی پڑھانے لگ گئے۔ ❷ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ ادراک ہوا کہ بات اس طرح نہیں ہے جس طرح اس کا تاثر دیا گیا اور وہ صورت حال کے برے انجام سے ڈرے اور انہیں یہ خبر ملی کہ باغی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے درپے ہیں، تو انہوں نے آپ کو ان کا دفاع کرنے اور شورش پسندوں کو مدینہ منورہ سے باہر نکال دینے کی پیش کش کی، مگر آپ نے اس خدشہ کے پیش نظر ان کی اس پیش کش کو رد کردیا کہ اس سے خونریزی ہوگی۔ ❸ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیے بغیر اپنے بیٹوں کو ان کے پاس بھیجا جن میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت کرتے اور ان کا احترام کیا کرتے تھے، جب ان کا محاصرہ کرلیا گیا تو انہوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو قسم دی کہ وہ اپنے گھر لوٹ جاؤ تاکہ انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ ❹ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میرے بھتیجے! واپس لوٹ جائیں یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے۔ ❺ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو محاصرہ کے دن بیت خلافت سے زخمی حالت میں اٹھایا گیا تھا۔ ❻ ان کے علاوہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، محمد بن حاطب رضی اللہ عنہما اور مروان بن حکم کو بھی زخم آئے۔ اس دوران حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ تھے۔ ❼ محاصرہ کے دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سب لوگوں سے زیادہ دفاع حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا جس کے گواہ مروان بن حکم ہیں۔ ❽ اسی طرح ابن عساکر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ میرے پاس پانچ سو زرہ پوش لوگ موجود ہیں، آپ اجازت دیں تو میں ان لوگوں سے آپ کا دفاع کروں۔ اس لیے کہ آپ نے ایسا کوئی

❶ اثر العلماء فی الحیاۃ السیاسیۃ، ص: ۷٦.
❷ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ٥١٥.
❸ فتنة مقتل عثمان: ١/ ١٦٧، صحیح الاسناد.
❹ تاریخ المدینة از ابن شبه: ٤/ ١٢٠٨.
❺ الریاض النضرة بحواله الحسن بن علی و دوره السیاسی، ص: ٤٦.
❻ طبقات ابن سعد: ٨/ ١٢٨، حسن سند کے ساتھ۔
❼ تاریخ الخلیفة، ص: ١٧٤.
❽ تاریخ الاسلام، ص: ٤٦٠، ٤٦١ اس کی سند قوی ہے۔

کام نہیں کیا جس کی وجہ سے آپ کو قتل کرنا جائز ہو۔ اس کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی کا خون ہو۔ [1] متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کے دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ مثلاً: جب شورش پسندوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پانی بند کر دیا اور آپ کے اہل خانہ پیاس کی شدت کی وجہ سے قریب الموت ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس پانی سے بھری ہوئی تین مشکیں بھجوائیں مگر وہ ان تک نہ پہنچ پاتیں اگر اس کے لیے بنو ہاشم اور بنو امیہ کے متعدد آزاد کردہ غلام زخمی نہ ہوتے۔ واقعات برق رفتاری سے آگے بڑھتے گئے اور آخر کار شرپسند عناصر اور باغی لوگوں نے آپ کو شہید کر ڈالا۔ جب یہ خبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ملی جن کے زیادہ تر لوگ مسجد میں موجود تھے تو وہ وحشت زدہ ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں سے پوچھا: جب تم دروازے پر موجود تھے تو پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو کیسے شہید کر دیا گیا؟ اس دوران انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو تھپڑ بھی مارا جب کہ وہ پہلے ہی زخمی تھے۔ [2] انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ضرب لگائی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور ابن طلحہ رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہا۔ پھر وہ ناراضی کے ساتھ یہ کہتے ہوئے اپنے گھر چلے گئے: تم ہمیشہ کے لیے برباد رہو۔ میرے اللہ میں تیرے سامنے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں۔ میں نے نہ تو انہیں قتل کیا اور نہ کسی کو ہی اس کا اشارہ کیا۔ [3] فتنہ کے ایام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑی دلیری کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا۔ ان سے مشاورت کرتے رہے۔ ان کی خیر خواہی کرتے اور سمع و اطاعت کا مظاہرہ کرتے رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سب سے بڑھ کر ان کا دفاع کیا اور انہیں کبھی برائی کے ساتھ یاد نہ کیا۔ آپ نے اصلاح احوال کی بڑی کوشش کی، خلیفۃ المسلمین اور ان کے خلاف خروج کرنے والوں کے درمیان افہام و تفہیم کے لیے سرگرم عمل رہے۔ مگر صورت حال ان کے کنٹرول سے باہر ہو چکی تھی۔ اللہ کا فیصلہ یہی تھا کہ امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو شہادت کی موت سے مشرف ہو کر فوز و فلاح سے ہم کنار ہونا ہے۔ [4] اور مفسدین کو یہ گناہ اپنے سر لینا ہے۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے قتل عثمان رضی اللہ عنہ کو ناپسند کیا اور ان کے خون ناحق سے براءت کا اظہار کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبات کے دوران اور دیگر متعدد مواقع پر یہ بات قسم اٹھا کر بیان کی کہ انہوں نے نہ تو عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ نہ کسی کو اس کا حکم دیا، نہ کسی کو اس کا اشارہ کیا اور نہ اسے پسند ہی کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے یہ بات متعدد ایسے طرق سے ثابت ہے جو قطعیت کا فائدہ دیتے ہیں۔ [5] اس کے برعکس روافض یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ ان کی رضامندی سے ہوا۔ [6] شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں وارد بعض اخبار و روایات کو ذکر کرنے کے بعد

[1] تاریخ دمشق، ص: ٤٠٣.

[2] ابن ابی عاصم الآحاد و المثانی: ١/ ١٢٥، بحواله خلافة علی، ص: ٨٧.

[3] مصنف ابن ابی شیبة: ١٥/ ٢٠٩، اس کی سند صحیح ہے۔ [4] مصنف ابن ابی شیبة: ١٥/ ٢٠٩، اس کی سند صحیح ہے۔

[5] البدایة و النهایة: ٧/ ٢٠٢.

[6] العقیدة فی اهل البیت بین الافراط و التفریط، ص: ١٢٩.

امام حاکم لکھتے ہیں: ''بدعتی لوگوں کا یہ دعویٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں باغیوں کو امیر المومنین علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کا تعاون حاصل تھا محض کذب ہے۔ متواتر اخبار و روایات صورت حال اس کے برعکس بتاتی ہیں۔'' [1]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ سب کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر محض کذب وافتراء ہے، وہ نہ تو قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں شریک ہوئے نہ اس کا حکم دیا اور نہ اسے پسند ہی کیا۔ ان سے یہی کچھ مروی ہے، اور وہ بالکل سچے ہیں۔'' [2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا تھا: میرے اللہ! میں تیرے حضور عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں۔ [3]

بعض کتب تاریخ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ کے دوران اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موقف کو مسخ کر کے پیش کیا ہے، جس کی وجہ سے مؤرخین کی بیان کردہ ضعیف اور موضوع روایات ہیں۔ تاریخ طبری اور دیگر کتب تاریخ میں مندرجہ ابومخنف، واقدی اور ابن اعثم کی روایات کے حوالے سے فتنہ کے احداث کا مطالعہ کرنے والا یہی تاثر لیتا ہے کہ اس تحریک کو چلانے والے اور اس کی آگ کو بھڑکانے والے دراصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ ابومخنف رافضی ہے، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بار بار یہ تہمت لگاتا ہے کہ ان سے بکثرت غلطیاں سرزد ہوئیں، لہٰذا وہ اس چیز کے مستحق تھے۔ جبکہ طلحہ اپنی مرویات میں ایک ایسے شخص کے روپ میں سامنے آتا ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی انتقام لینا چاہتا ہو۔ واقدی کی روایات بھی ابومخنف کی روایات جیسی ہی ہیں۔ روافض سے ایسی روایات بکثرت وارد ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش کرنے کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تہمت لگاتی ہیں۔ اور یہ کہ ان لوگوں نے فتنہ کو تحریک دی اور لوگوں کو اشتعال دلایا۔ مگر یہ سب کچھ جھوٹ اور فریب کاری ہے۔ [4] ضعیف اور موضوع روایات کے برعکس بحمد اللہ تعالیٰ کتب حدیث نے ہمارے لیے ایسی صحیح روایات کو محفوظ رکھا ہے جن سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دست و بازو بنے۔ ان کا دفاع کیا اور ان کے قتل سے لاتعلق رہے۔ [5] اور پھر ان کی شہادت کے بعد ان کے قصاص کا مطالبہ لے کر اٹھے۔ یہ سب کچھ اس امر کی دلیل ہے کہ فتنہ کو تحریک دینے اور اسے ہوا دینے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کسی طرح سے بھی شریک عمل نہیں تھے۔ [6]

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عثمان رضی اللہ عنہ کے خون ناحق سے لاتعلق ہیں۔ جو شخص بھی اس کے خلاف کوئی بات کرتا ہے تو اس کی بات باطل ہے۔ اپنے موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اس کے پاس کوئی ایک بھی صحیح دلیل نہیں ہے۔ خلیفہ اپنی تاریخ میں عبدالاعلیٰ بن ہیثم سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے باپ سے کہ میں نے حسن رضی اللہ عنہ سے

---

[1] مستدرك حاكم: ۳/ ۱۰۳.

[2] منهاج السنة: ٤/ ٤٠٦.

[3] العقيدة فى اهل البيت بين الافراط و التفريط، ص: ۲۲۹، طبقات ابن سعد: ۳۱۳ اس کی سند حسن ہے۔

[4] تحقيق مواقف الصحابة: ١٤/ ٢٠.

[5] خامس الخلفاء الراشدين الحسن بن علی از صلابی، ص: ۱۲۳.

[6] تحقيق مواقف الصحابة: ١٤/ ٢٠.

دریافت کیا: کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین میں انصار و مہاجرین میں سے بھی کوئی شخص شامل تھا؟ انہوں نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ وہ اہل مصر میں سے اجڈ اور وحشی قسم کے لوگ تھے۔ [1] امام نووی فرماتے ہیں: ان کے قتل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص بھی شریک نہیں تھا۔ عثمان کے قاتل نچلے طبقہ کے وحشی قسم کے ذلیل اور گھٹیا قسم کے لوگ تھے جو مصر سے گروہ در گروہ مدینہ پہنچے اور شہر میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انہیں روکنے میں بے بس ہو گئے۔ ان لوگوں نے بیت خلافت کا محاصرہ کر لیا اور پھر انہیں قتل کر ڈالا۔ [2] ابن زبیر رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ وہ مختلف شہروں کے شورش پسند لوگ تھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ مختلف قبائل کے دھتکارے ہوئے لوگ تھے۔ [3] ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ خوارج، فسادی، گمراہ، باغی اور زیادتی کرنے والے تھے۔ [4] امام ذہبی فرماتے ہیں: وہ سنگ دلی اور جفا و ظلم کی انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے۔ [5] فرماتے ہیں: وہ بڑے گھٹیا اور قبائل کے ذلیل ترین لوگ تھے۔ [6] اس کی تائید ان کے اس سنگدلانہ رویے سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے خلیفہ وقت کے ساتھ ان کے محاصرہ سے لے کر ان کی شہادت تک ان کے ساتھ روا رکھا اور ان پر بڑے بڑے مظالم ڈھائے گئے۔ ان تک پانی اور خوراک کی ترسیل روک دی گئی، حالانکہ انہوں نے اپنی جیب سے خرچ کر کے مسلمانوں کے لیے مفت پانی مہیا کیا تھا۔ [7] اور جب بھی انہیں بھوک اور کسی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا انہوں نے اس کے ازالہ کے لیے بھاری رقوم خرچ کیں اور ان کی مشکلات کو کم کرنے کے لیے ان کے ساتھ مالی تعاون کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا۔ [8] یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی محاصرین کو ڈانٹتے ہوئے اور صورت حال کی عکاسی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: لوگو! جو کچھ تم کر رہے ہو یہ امیر المومنین کے شایان شان نہیں ہے۔ تمہارا یہ رویہ کافروں سے بھی بدتر ہے۔ ان تک پانی اور خوراک کی ترسیل مت روکو، رومی اور فارسی تو اپنے قیدیوں کو بھی کھانا کھلاتے اور پانی پلاتے ہیں۔ [9]

الغرض صحیح اخبار و روایات اور تاریخی واقعات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لوگوں کو حضرت عثمان کے خلاف بھڑکانے یا ان کے خلاف فتنہ کھڑا کرنے میں باغیوں کے شراکت دار نہیں تھے۔ [10] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں میری کتاب ''سیّدنا عثمان بن عفان، شخصیت اور کارنامے۔''

---

[1] عثمان بن عفان از صلابی، ص: ٤٥٠ .

[2] شهيد الدار عثمان بن عفان، ص: ١٤٨ .

[3] شرح نووی علی صحیح مسلم: ١٥/ ١٤٨ .

[4] منهاج السنة: ٢/ ١٨٩-٢٠٦ .

[5] دول الاسلام از ذهبی: ١/ ١٢ .

[6] تحقيق مواقف الصحابة: ١/ ٤٨٢ ، شذرات الذهب: ١/ ٤٠ .

[7] تيسير الكريم المنان فی سيرة عثمان بن عفان، ص: ٤٥٠ .

[8] التمهيد و البيان، ص: ٤٢٤ .

[9] تاريخ طبری: ٥/ ٤٠٠ .

[10] تحقيق مواقف الصحابة: ٢/ ١٨ .

تیسری بحث:

امیر المومنین علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے عہد میں

معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ادوار اور خلافت میں شام کے حکمران رہے مگر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت سنبھالا تو انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدے سے الگ کرنے کا ارادہ کیا۔ بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ شورش پسندوں نے اس کے لیے ان پر دباؤ ڈالا تھا اور خصوصاً ایسے حالات میں کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ میں نے یہ موقف اس لیے اختیار کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے قبل معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ نیز اس لیے بھی کہ اس کے بعد ان لوگوں نے مصر سے قیس بن سعد کی معزولی کے لیے بھی ان پر دباؤ ڈالا اور جس میں وہ کامیاب بھی ہوئے اور جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مصر ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی جگہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو والی شام مقرر کرنا چاہا مگر انہوں نے اس سے انکار کر دیا اور اس بنا پر معذرت کی کہ میرے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان قرابت اور معاہرت کا رشتہ ہے۔ [1] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی اس معذرت کو قبول کرتے ہوئے انہیں شام جانے کے لیے مجبور نہ کیا۔ جن روایات میں یہ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے شام کی ولایت کا منصب سنبھالنے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے سے انکار کی وجہ سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر سختی کی، تو ان میں قطعاً کوئی صداقت نہیں ہے۔ [2] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ان کا یہ بیان مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میری طرف پیغام بھیجا اور فرمایا: ابوعبدالرحمٰن! اہل شام میں تمہاری بات مانی جاتی ہے، لہٰذا آپ شام کے لیے روانہ ہو جائیں میں نے آپ کو شام کا امیر مقرر کیا ہے۔ اس پر میں نے کہا: میں آپ کو اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی قرابت داری اور ان سے اپنی قرابت کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ مجھ سے درگزر فرمائیں۔ مگر علی رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار کر دیا۔ میں نے اس بارے میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذریعہ استعمال کیا تو انہوں نے پھر بھی انکار کر دیا، اس پر میں راتوں رات مکہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ [3] یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تھی اور یہ کہ وہ ان کی اطاعت میں داخل تھے، اس لیے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اس شخص کو منصب ولایت تفویض کریں جس نے ان سے بیعت ہی نہ کی ہو۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے موت کے وقت فرمایا: مجھے اس چیز کا ہمیشہ

---

[1] المصنف ابن ابی شیبۃ: ۷/ ٤٧٢ . اس کی سند صحیح ہے۔

[2] استشهاد عثمان و وقعة الجمل، ص: ١٦٠ .

[3] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲۲٤ . اس کے راوی ثقہ ہیں۔

افسوس رہے گا کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہو کر باغی گروہ کے ساتھ جنگ کیوں نہ کی۔ ❶ یہ روایت بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کر رکھی تھی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما اس بات پر اپنی ندامت کا اظہار کر رہے ہیں کہ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر باغی گروہ کے ساتھ جنگ نہ کی۔ یاد رہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو فتنہ کے دوران غیر جانبدار رہے اور کسی ایک گروہ کے ساتھ مل کر دوسرے گروہ سے لڑائی نہ کی۔ اگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت نہ کی ہوتی تو وہ اس بات پر ندامت کا اظہار کرتے اور اس کی صراحت بھی کرتے، اس لیے کہ امیر کی بیعت کرنا شرعاً واجب ہے اور ایسا نہ کرنے والے کو وعید سنائی گئی ہے۔ خود انہیں سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں امیر کی بیعت نہ ہوئی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔'' ❷ یہ معاملہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل رہ کر جنگ کرنے سے مختلف ہے، اس لیے کہ اس بارے صحابہ میں اختلاف رہا ہے اور ان میں کچھ اس جنگ سے بالکل الگ تھلگ رہے تھے، دریں حالات یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اس مختلف فیہ جنگ میں شریک نہ ہونے پر تو نادم ہوں مگر ترک بیعت پر نادم نہ ہوں جبکہ اس بارے بڑی سخت وعید بھی وارد ہو۔ اس سے ان بعض مورخین کے اس قول کا بطلان ہوتا ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں کی تھی۔ انہوں نے ان سے صرف بیعت ہی نہیں کی تھی بلکہ ان کا شمار ان کے مقرب لوگوں میں ہوتا تھا جنہیں وہ منصب ولایت تفویض کرنے اور ان سے تعاون حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ آپ جانتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما میرے سچے دوست اور خیر خواہ ہیں۔ ❸

جب ابن عمر رضی اللہ عنہما نے شام کی ولایت قبول کرنے سے معذرت کر لی تو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ سہیل بن حنیف کو شام کا والی بنا کر بھیجا اور ابھی وہ مشارف شام تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے شہسواروں نے انہیں پکڑ لیا اور پھر کہا کہ اگر تمہیں عثمان رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے تو ہم تم کو خوش آمدید کہتے ہیں اور اگر کسی اور نے بھیجا ہے تو پھر یہیں سے واپس لوٹ جائیں ❹ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ بلادِ شام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت پر بڑے غضبناک تھے۔

اولاً:...... صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس بارے میں اختلاف تھا کہ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کس طرح لیا جائے

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور طلحہ و زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف اور پھر علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف کا یہ سبب ہرگز نہیں تھا کہ ان لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر کوئی اعتراض تھا، ان لوگوں کا اس بات پہ اجماع تھا کہ علی رضی اللہ عنہ خلافت و ولایت کے زیادہ حق دار ہیں۔ ابن حزم رقمطراز ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ نے

---

❶ الاستیعاب لابن عبدالبر: ٦/ ٣٢٦، بر حاشیہ کتاب الاصابۃ.

❷ مسلم، کتاب الامارۃ، رقم الحدیث: ١٨٥١ . ❸ الانتصار للصحب و الآل، ص: ٥٠٧ .

❹ تہذیب تاریخ دمشق: ٤/ ٣٩، خلافۃ علی رضی اللہ عنہ از عبدالحمید، ص: ١١٠ .

نہ تو کبھی علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا انکار کیا اور نہ خلافت کے لیے ان کے استحقاق کا ہی۔ مگر ان کے اجتہاد نے انہیں اس نتیجہ پر پہنچایا کہ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینا بیعت پر مقدم ہے اور یہ کہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔ ❶ ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعویٰ نہ کیا، اور انہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تو کسی سے اپنی خلافت کے لیے بیعت نہیں لی۔ انہوں نے نہ تو خلیفہ کے طور پر علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی اور نہ خلافت کا حقدار ہونے کا دعویٰ کیا۔ سب لوگ علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے حتیٰ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس کا اقرار کرتے تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کا آغاز کبھی نہیں کیا اور نہ وہ اسے صحیح ہی خیال کرتے تھے۔'' ❷

اختلاف کا یہ سبب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے باعث عیب نہیں تھا۔ ان کا اختلاف خلافت کے مسئلہ میں نہیں تھا بلکہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینے کے قضیہ میں تھا اور اس طریقہ میں تھا جس کے ساتھ اس قضیہ کو نمٹایا جا سکے۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اصولی طور سے قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کے حق میں تھے مگر ان کی یہ رائے تھی کہ جب تک صورت حال میں استحکام نہیں آ تا اسے اس وقت تک موخر کر دیا جائے اور صائب بات بھی یہی تھی۔ ❸

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان جنگوں کا سبب مسائل کا الجھاؤ تھا اور اس الجھاؤ میں شدت کی وجہ سے ان کے اجتہاد میں اختلاف واقع ہوا جس کی وجہ سے وہ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ کے اجتہاد نے ان پر یہ بات عیاں کی کہ حق اس طرف ہے اور ان کا مخالف گروہ باغی ہے، لہٰذا ان کی مدد کرنا ضروری ہے، لہٰذا انہوں نے اپنے اعتقاد کی رو سے باغی گروہ سے جنگ کی اور امام عدل کی مدد کرنے میں کوئی تاخیر روا نہ رکھی۔ جبکہ اس کے برعکس دوسرے گروہ کی اجتہادی کاوشوں نے ان پر یہ امر منکشف کیا کہ حق دوسری طرف ہے، لہٰذا ان کی مدد کرنا اور اس پر زیادتی کرنے والے گروہ سے جنگ ہم پر واجب ہے اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جبکہ تیسرے گروہ کے سامنے یہ قضیہ الجھا رہا اور وہ اس بارے حیران ہو کر رہ گئے اور دونوں گروہوں سے کسی ایک گروہ کی ترجیح ان پر ظاہر نہ ہوئی، لہٰذا وہ غیر جانبدار ہو کر بیٹھ رہے اور ان کے حق میں یہ غیر جانبداری ہی واجب تھی اس لیے کہ کسی بھی مسلمان کے خلاف لڑائی کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ وہ اسی کا مستحق ہے۔ اگر ان لوگوں کے نزدیک کسی ایک فریق کا رجحان ظاہر ہو جاتا اور انہیں یہ علم ہو جاتا کہ حق اس کے ساتھ ہے تو ان کے لیے اس پر زیادتی کرنے والوں سے لڑائی کر کے اس کی مدد کرنے سے ہاتھ کھینچ لینا جائز نہ ہوتا۔'' ❹

---

❶ الفصل فی الملل و الاھواء و النحل: ٤/ ١٦٠.

❷ مجموع فتاوی: ٣٥/ ٧٢.

❸ أحداث و أحاديث فتنة الهرج، ص: ١٥٨.

❹ صحیح مسلم، شرح نووی: ١٥/ ١٤٩.

ثانیاً:......معرکہ صفین ۳۷ھ......قبل از معرکہ کے واقعات

ا۔ام حبیبہ بنت ابوسفیان، نعمان بن بشیر کو عثمان رضی اللہ عنہم کی قمیص دے کر جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام کے پاس بھیجتی ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا نے ان کے اہل خانہ کو پیغام بھیجا کہ میرے پاس عثمان رضی اللہ عنہ کے وہ کپڑے بھیجیں جن میں انہیں شہید کیا گیا تھا۔ اس پر انہوں نے ان کی طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قمیص بھیج دی جو خون میں لت پت تھی اور اس کے ساتھ ان کی داڑھی سے نوچے گئے بالوں کا گچھا بھی بھجوا دیا۔ پھر انہوں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انھیں شام میں معاویہ کے پاس بھجوا دیا۔ وہ قمیص اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا خط لے کر شام روانہ ہو گئے۔ [1] دوسری روایت میں ہے: نعمان بن بشیر روانہ ہوئے تو ان کے پاس خون سے تر حضرت عثمان کی قمیص اور حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کی انگلیاں تھیں جو اس وقت کٹ گئی تھیں جب وہ اپنے ہاتھ سے عثمان رضی اللہ عنہ کو بچانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ [2] نائلہ بنت فرافصہ کلبیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں اور یہ شام سے تعلق رکھتی تھیں۔ [3] جب نعمان رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام پہنچے تو انہوں نے وہ قمیص لوگوں کو دکھانے کے لیے منبر پر رکھ دی اور نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں قمیص کی آستین کے ساتھ لٹکا دیں جسے کبھی اوپر اٹھایا جاتا اور کبھی نیچے کیا جاتا، جسے دیکھ کر لوگ رو رہے تھے اور ایک دوسرے کو ان کا بدلہ لینے پر اُبھار رہے تھے۔ [4] شرحبیل بن سمط کندی آیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہمارے خلیفہ تھے اگر آپ ان کے خون کا بدلہ لے سکتے ہیں تو ٹھیک ورنہ ہم سے الگ ہو جائیں۔ [5] اس دوران شام کے مردوں نے قسمیں اٹھائیں کہ وہ جب تک قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کر لیں اس وقت تک نہ اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے اور نہ بستروں پر سوئیں گے۔ [6] امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی یہی چاہتے تھے۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے اہل شام کے سامنے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی بڑی بھیانک تصویر پیش کی: ''خلیفۃ المسلمین کی شہادت گاہ ہے، حرمت مدینہ کو پامال کرتے ہوئے شورش پسندوں کی تلواریں انہیں کاٹ رہی ہیں۔ بیت المال کو لوٹا جا رہا ہے اور نائلہ کی انگلیاں کٹی پڑی ہیں۔'' اس سے لوگوں کے جذبات بھڑک اٹھے، دلوں کو ٹھیس پہنچی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام سے ان کے ساتھیوں کا اصرار تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لیا جائے اور بیعت سے پہلے قاتلین عثمان کو ان کے حوالے کیا جائے۔ کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ کینہ پرور سازشی اور کمینے لوگوں کی طرف سے امیر المومنین اور سید المسلمین کو بڑی بے دردی اور سنگدلی کے ساتھ شہید کر دیا جائے اور عالم اسلامی ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس

---

[1] تاریخ الاسلام فی عهد الخلفاء الراشدین، ص: ۵۳۹. [2] البدایة و النهایة: ۷/ ۵۳۹.

[3] تاریخ الدعوة الاسلامیة از محمد جمیل، ص: ۳۹۸. [4] البدایة و النهایة: ۷/ ۵۳۹ اس کی سند ضعیف ہے۔

[5] الانساب: ٤/ ٤١٨، تاریخ الدعوة الاسلامیة، ص: ۳۹۸.

[6] تاریخ طبری: ۵/ ٦٠٠.

بھیانک جرم کا ارتکاب کرنے والوں سے قصاص کا مطالبہ نہ کرے۔ ❶

۲۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کیوں نہ کی؟

معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ادوار خلافت میں شام کے والی تھے۔ مگر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدے سے معزول کرنے اور ان کی جگہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو شام کا والی مقرر کرنا چاہا، مگر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے معذرت کر لی، چنانچہ انہوں نے اس کی جگہ سہل بن حنیف کو شام بھیج دیا مگر ابھی وہ مشارف شام -وادی القریٰ- بھی نہیں پہنچے تھے کہ انہیں مدینہ واپس لوٹنا پڑا۔ اس جگہ حبیب بن مسلمہ فہری کی قیادت میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے شہسواروں نے ان کا راستہ روک کر ان سے کہا کہ اگر تمہیں عثمان رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے تو ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں اور اگر کسی اور نے بھیجا ہے تو آپ یہیں سے واپس لوٹ جائیں۔ ❷
معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام نے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے ان کا قصاص لے لیں پھر ہم ان کی بیعت کر لیں گے۔ ❸ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ ہم اس شخص سے بیعت نہیں کریں گے جو عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو پناہ دے گا۔ ❹ پھر وہ اپنے آپ کو بھی قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے خطرے میں محسوس کرتے تھے جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو چکے تھے۔ دریں حالات انہوں نے سمجھا کہ ان پر قصاص سے پہلے علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنا واجب نہیں ہے اور یہ کہ اگر اس وجہ سے ان کے ساتھ لڑائی کی گئی تو وہ مظلوم ہوں گے۔ ان کا کہنا تھا: مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو ازراہ ظلم قتل کیا گیا اور ان کے قاتل علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہیں اور چونکہ ان کے پاس قوت ہے، لہٰذا غالب بھی وہی رہیں گے، لہٰذا اگر ہم علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لیں تو وہ ہم پر ظلم ڈھائیں گے اور ہم پر زیادتی کریں گے اور اس طرح عثمان رضی اللہ عنہ کا خون رائیگاں جائے گا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ عثمان کی مدد کرنا اور ان کے قاتلوں سے بدلہ لینا ان کی ذمہ داری ہے اور میں ان کے خون کا ولی ہوں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا﴾ (الاسراء: ۳۳)

''اور جس کو ازراہ ظلم قتل کر دیا گیا ہو تو پھر یقیناً ہم نے اس کے ولی کو غلبہ دیا ہے پس وہ قتل میں زیادتی نہ کرے، یقیناً اس کی مدد کی گئی ہے۔''

چنانچہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا اور عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان سے ہم کلام ہوئے اور انہیں بتایا کہ انہیں بے وقوف منافقین نے ازراہ ظلم قتل کر ڈالا ہے، انہوں نے محترم خون کی ناقدری کرتے ہوئے اسے حرمت والے شہر اور حرمت والے مہینے میں بہا دیا۔ یہ سن کر لوگ بھڑک اٹھے اور اس کام سے بڑی نفرت کا اظہار کیا اور

---

❶ معاویة بن ابی سفیان از غضبان، ص: ۱۷۸، ۱۸۳.

❷ تاریخ طبری: ۵/ ٤٦٦. ❸ البدایة و النهایة: ۷/ ۱۲۹. ❹ العواصم من القواصم، ص: ۱٦۲.

آوازیں بلند ہوگئیں۔ ان میں کچھ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک شخص مرہ بن کعب اٹھا اور کہنے لگا: اگر وہ حدیث نہ ہوتی جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے تو میں بات نہ کرتا: ...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی فتنوں اور ان کے قریب آنے کا ذکر کیا، اس دوران کپڑے سے چہرہ چھپائے ایک آدمی گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس وقت یہ شخص ہدایت پر ہوگا۔'' میں اٹھ کر اس کے پاس گیا تو پتا چلا کہ وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے آپ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: یہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں''۔ [1] کتب حدیث میں ایک اور حدیث بھی وارد ہے جس نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بدلہ لینے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمت بندھائی اور انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کا مصمم ارادہ کر لیا۔ وہ حدیث یہ ہے کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا...... اور آخری بات یہ ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ضرب لگاتے ہوئے فرمایا: عثمان! اللہ تعالیٰ آپ کو قمیص پہنائے گا اگر منافق تم سے وہ قمیص اتارنے کا مطالبہ کریں تو اسے مت اتارنا یہاں تک کہ آپ مجھ سے آملیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی۔ میں نے کہا: ام المومنین! اب تک یہ حدیث کہاں رہی؟ انہوں نے فرمایا: واللہ میں اسے بھول گئی تھی، میں اسے یاد نہ رکھ سکی، میں نے اس حدیث کی معاویہ رضی اللہ عنہ کو خبر دی تو انہوں نے اسے پسند نہ کیا یہاں تک کہ انہوں نے ام المومنین کو خط لکھا کہ مجھے یہ حدیث لکھ بھیجیں، چنانچہ انہوں نے یہ حدیث انہیں لکھ کر بھیج دی۔ [2] قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے نفاذ کی شدید خواہش وہ رئیسی سبب تھا جس کی وجہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اہل شام نے علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی، ان کی رائے میں قصاص کا حکم بیعت پر مقدم تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کو تو شام کی ولایت سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی چہ جائے کہ انہیں خلافت میں دلچسپی ہو۔ انہیں اس بات کا مکمل ادراک تھا کہ یہ معاملہ اہل شوریٰ کے چھ لوگوں کے سپرد ہے اور یہ کہ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے افضل اور اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ [3]

ابومسلم خولانی سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ علی رضی اللہ عنہ سے تنازع کرتے ہیں، کیا آپ ان سے افضل ہیں؟ انہوں نے کہا: ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے افضل ہیں اور مجھ سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں، لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو ازراہ ظلم قتل کیا گیا، میں ان کا عم زاد ہوں، اور ان کے خون کا مطالبہ کرتا ہوں، ان کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ اگر وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو میرے حوالے کر دیں تو میں ان سے بیعت کرلوں گا۔ وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے اس بارے میں بات کی مگر انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے نہ کیا۔ [4] اور یہ جو لوگوں میں ہمیشہ سے مشہور چلا آرہا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ میں اختلاف کا سبب یہ تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے خواہش مند

---

[1] صحیح سنن ابن ماجة: ۱/ ۲٤۰۔ [2] مسند احمد، رقم الحدیث: ۲٤۰٤۵۔ حدیث صحیح ہے۔

[3] خلافة علی بن ابی طالب از عبدالحمید، ص: ۱۱۲۔

[4] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱٤۰، اس کے راوی ثقہ ہیں اور اس کی سند جید ہے۔

تھے اور ان کا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کرنا اور ان کی بیعت سے انکار کرنا ہی ان کی شام کی ولایت سے معزولی کا سبب تھا، تو یہ روایات صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہیں۔ کتاب "الامارۃ و السیاسۃ" ابن قتیبہ دینوری کی طرف منسوب ضرور ہے، مگر یہ کتاب ان کی نہیں ہے اس کتاب کا مولف ذوانفاس رافضی ہے اس میں مندرج ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعویٰ کیا اور اس کی بنیاد اس روایت پر رکھی گئی کہ ابن الکلواء نے ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا: ''معاویہ اسلام سے منحرف ہیں، ان کا باپ گروہوں کا سردار تھا اور انھوں نے مشورہ کے بغیر خلافت کا دعویٰ کر دیا......'' ❶ یہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا نہیں بلکہ روافض کا کلام ہے۔ ہم آئندہ چل کر کتاب "الامارۃ و السیاسۃ" کے بارے میں تفصیلی گفتگو کریں گے اور اس کے کذب کی وضاحت کرتے ہوئے ان شاء اللہ یہ بھی بتائیں گے کہ اس نے تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کے لیے کیا کردار ادا کیا۔

تاریخ وادب کی کتابیں اس قسم کی ضعیف اور موضوع روایات سے بھری پڑی ہیں جن میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خلافت وامارت اور سرداری کے لیے اختلاف کیا۔ ❷ جبکہ صحیح بات یہ ہے ان دونوں میں اختلاف اس بارے میں تھا کہ کیا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء پر علی رضی اللہ عنہ سے بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے قصاص لینے سے پہلے واجب ہے یا اس کے بعد۔ اس کا حصول خلافت وامارت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے شامی رفقاء کا کہنا تھا کہ پہلے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے اس کے بعد ہم علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کریں گے۔ ❸ قاضی ابن العربی فرماتے ہیں: ''اہل شام اور اہل عراق میں لڑائی کا سبب دونوں گروہوں کے موقف میں اختلاف تھا۔''

عراقی اس امر کے داعی تھے کہ علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی جائے اور ان کی امامت پر اتفاق کیا جائے جبکہ شامی اس بات کے داعی تھے کہ پہلے قاتلین عثمان کو ہمارے حوالہ کیا جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم قاتلوں کو پناہ دینے والے سے بیعت نہیں کریں گے۔ ❹ امام الحرمین فرماتے ہیں: ''اگرچہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ سے قتال کیا مگر انہوں نے ان کی امامت سے انکار نہیں کیا اور نہ کبھی اپنے لیے اس کا دعویٰ کیا۔ وہ صرف خلیفہ مظلوم کے قاتلوں کو طلب کر رہے تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ میرا موقف صحیح ہے جبکہ علی رضی اللہ عنہ غلطی پر ہیں۔'' ❺

ہیثمی فرماتے ہیں: ''اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان لڑی گئی جنگوں کا سبب یہ نہیں تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خلافت کے بارے میں کوئی تنازع ہے۔ اس لیے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ علی رضی اللہ عنہ خلافت کے زیادہ حق دار تھے۔ یہ فتنہ خلافت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے بھڑکا تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عم زاد تھے اور اس حوالے سے وہ ان کے خون کا مطالبہ کر رہے تھے مگر علی رضی اللہ عنہ نے

❶ الامامة و السياسة: ١/ ١١٣.
❷ تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة: ٢/ ١٤٥.
❸ البداية و النهاية: ٨/ ١٢٩، فتح الباري: ١٣/ ٩٢.
❹ العواصم من القواصم، ص: ١٦٢.
❺ لمع الادلة في عقائد اهل السنة و الجماعة، ص: ١١٥.

اس سے انکار کر دیا۔'' ❶

ایسی روایات بکثرت موجود ہیں اور وہ اس امر کا اشارہ کرتی ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ لے کر اٹھے تھے اور انہوں نے اس بات کی صراحت کر دی تھی کہ اگر خلیفہ مظلوم کے قاتلوں پر شرعی حد قائم کر دی جائے تو وہ علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول کر لیں گے اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ انہیں عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں پر شرعی حد قائم کرنے کا موقع مل جاتا تو وہ پھر کیا کرتے؟ اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے اور ان سے بیعت کر لیتے اور ان کے ساتھ وہ تمام لوگ بھی ان سے بیعت کر لیتے جو ان کے ساتھ خلیفہ مظلوم کے قاتلوں پر شرعی حد کے نفاذ کی بنیاد پر لڑ رہے تھے۔ لیکن اگر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دل میں کوئی ایسی بات چھپائے ہوئے تھے جس کا انہوں نے اظہار نہیں کیا تھا تو وہ اپنے اس مقصد میں ناکام رہتے اور اپنی خواہشات کی تسکین نہ کر پاتے۔ ❷

معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار کاتبان وحی اور قائدین صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے آپ سب سے بڑھ کر حلم و حوصلہ کے مالک تھے۔ دریں حالات یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ وہ ایک ناپائیدار حکومت کے لیے شرعی خلیفہ کے ساتھ جنگ کرتے رہے اور مسلمانوں کے خون بہاتے رہے؟ جبکہ ان کا اپنا یہ فرمان ہے: ''اللہ کی قسم! اگر مجھے اللہ اور غیر اللہ میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا جائے تو میں اللہ کا ہی انتخاب کروں گا۔'' ❸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: ''اے اللہ! انھیں ہادی اور مہدی بنا دیجیے اور ان کی وجہ سے لوگوں کو ہدایت عطا فرما۔'' ❹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: ''یا اللہ! انھیں (معاویہ رضی اللہ عنہ) کتاب کی تعلیم دیجیے اور انھیں عذاب سے محفوظ رکھنا۔'' ❺ جہاں تک شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے موقف میں غلطی کا تعلق ہے تو اس کا اظہار اس امر سے ہوتا ہے کہ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینے سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے کو ردّ کر دیا، خون کا مطالبہ کرنے والے کے لیے اس کا خود فیصلہ کرنا درست نہیں ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ پہلے حاکم کی اطاعت قبول کرے اور پھر اپنا دعویٰ حاکم کے سامنے پیش کرے اور اس سے اپنے حق کا مطالبہ کرے۔ ❻ ائمہ فتویٰ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی شخص کے لیے بھی سلطان سے ہٹ کر از خود کسی سے قصاص لینا اور اپنا حق وصول کرنا جائز نہیں ہے، وہ اس کے لیے سلطان سے رجوع کرے یا اس کے مقرر کردہ کسی صاحب اختیار شخص سے۔ اس لیے کہ از خود کارروائی کرنے سے فتنہ کھڑا ہوگا اور انتشار پیدا ہوگا۔ ❼ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کیا اور انہوں نے ظن غالب کی رو سے یہ سمجھا کہ

---

❶ الصواعق المحرقة: ۲/ ۶۲۲.
❷ تحقیق مواقف الصحابة: ۲/ ۱۵۰.
❸ سير أعلام النبلاء: ۳/ ۱۵۱.
❹ صحیح سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۰۱۸ (۳/ ۲۳۶).
❺ فضائل الصحابة: ۲/ ۹۱۳ اس کی سند حسن ہے۔
❻ تحقیق مواقف الصحابة: ۲/ ۱۵۱.
❼ تفسیر قرطبی: ۲/ ۲۵۶.

حق ان کے ساتھ ہے، انہوں نے اہل شام کو اکٹھا کیا اور انہیں یاد دلایا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے عم زاد ہونے کے ناطے ان کے ولی ہیں اور یہ کہ عثمان کو از راہ ظلم قتل کیا گیا ہے اور انہوں نے لوگوں کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ إِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾ (الاسراء: ۳۳)

''اور نہ قتل کرنا اس جان کو جسے قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے، سوائے حق کے اور جس کو ظلم سے قتل کر دیا جائے تو یقیناً ہم نے اس کے وارثوں کو غلبہ دے دیا ہے، اس لیے وہ قتل میں زیادتی نہ کرے، یقیناً اس کی مدد کی گئی ہے۔''

اور پھر فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تم شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں مجھے مشورہ دو، اس پر تمام کے تمام اہل شام اٹھے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کر دیا۔ انہوں نے اس کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور ان سے یہ عہد کیا کہ وہ ان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے اپنی جانیں اور اموال قربان کر دیں گے۔ [1] اگر ہم طلحہ، زبیر اور معاویہ رضی اللہ عنہم کے مابین موازنہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے مقابلہ میں چار وجوہ سے درست موقف کے زیادہ قریب تھے:

۱۔ طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اعتراف کیا اور ان سے بیعت کر لی، جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی فضیلت کا تو اعتراف کیا مگر ان سے بیعت نہیں کی۔ [2]

۲۔ اسلام اور مسلمانوں میں ان کا مقام و مرتبہ اور ان دونوں کا معاویہ رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام قبول کرنا، جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہر دو اعتبار سے ان سے کم ہیں۔ [3]

۳۔ ان کا ارادہ صرف عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کرنے والوں کو قتل کرنے تک محدود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جنگ جمل کے موقع پر علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کرنے کا ارادہ نہ کیا۔ [4] جبکہ جنگ صفین میں معاویہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ جنگ کرنے پر مصر رہے۔ [5]

۴۔ انہوں نے حضرت علی کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا تھا کہ وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے میں سستی کا مظاہرہ کر رہے ہیں جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے انھیں اس کا موردِ الزام ٹھہرایا تھا۔ [6] ہم ان کے ساتھ پانچویں وجہ کا اضافہ کرتے ہوئے یہ کہنا چاہیں گے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کی

---

[1] صفين از ابن مزاحم، ص: ۳۲، تحقيق مواقف الصحابة: ۲/ ۱۵۲ .

[2] البداية و النهاية: ۸/ ۱۲۹ ، فتح البارى: ۱۳/ ۹۲ .

[3] طلحہ اور زبیر کا شمار ان دس خوش قسمت لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں آنحضرت ﷺ کی طرف سے جنت کی بشارت دی گئی تھی۔

[4] تحقيق مواقف الصحابة: ۲/ ۱۱۳ ، تاريخ طبرى: ۵/ ٤٧٥ .

[5] تاريخ طبرى: ۵/ ٦١٢-٦١٥ .

[6] تحقيق مواقف الصحابة: ۲/ ۱۳۹ ، البداية و النهاية: ۷/ ۲۵۹ .

صحت کا یقین تھا اور اسی لیے انہوں نے ان کی اطاعت بھی قبول کر لی۔ جنگ کے شعلے بھڑکانے والے شورش پسند اور سبائی گروہ کے لوگ تھے۔

۳۔ معاویہ رضی اللہ عنہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے خط کا جواب دیتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت سے خطوط لکھے مگر انہوں نے کسی بھی خط کا جواب نہ دیا، آخر کار انہوں نے ایک آدمی کے ہاتھ ایک مکتوب بھیجا، جب وہ آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے دریافت کیا: تیرے پیچھے کیا کچھ ہے؟ اس نے جواب دیا: میں تمہارے پاس ان لوگوں کے پاس سے آیا ہوں جو صرف قصاص چاہتے ہیں اور وہ سب کے سب بدلہ لینے پر تلے ہوئے ہیں۔ میں نے وہاں ستر ہزار ایسے شیوخ کو چھوڑا ہے جو عثمان رضی اللہ عنہ کی قمیص پر رو رہے ہیں اور قمیص دمشق کے منبر پر رکھی ہے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میرے اللہ! میں تیرے حضور عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔'' اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کا قاصد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا، اسے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کرنے والوں نے قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر وہ ان سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ [1]

۴۔ علی رضی اللہ عنہ شام سے جنگ کرنے کی تیاری کرتے ہیں:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام تحریر کردہ اپنے خطوط کا جواب وصول کرنے کے بعد اہل شام کے ساتھ جنگ کرنے کا عزم کر لیا۔ انہوں نے مصر میں قیس بن سعد، کوفہ میں ابوموسیٰ اشعری اور بصرہ میں عثمان بن حنیف کو خطوط لکھے کہ وہ لوگوں کو شامیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تیار کریں۔ آپ نے خود بھی لوگوں سے مخاطب ہو کر انہیں جنگ کی ترغیب دلائی اور پھر اس کی تیاری کا ارادہ کر لیا۔ شہر پر قثم بن عباس کو اپنا نائب مقرر فرما کر خود یہ ارادہ لے کر شہر سے نکل کھڑے ہوئے کہ مجھے اپنے اطاعت گزاروں کو ساتھ لے کر اپنے نافرمانوں کے ساتھ لڑنا ہے۔ مگر قثم نے ان کے حکم سے انحراف کیا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ آپ سے بیعت نہ کی۔ اس دوران ان کے صاحبزادے حضرت حسین رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے: ابا جان! یہ کام چھوڑیں اس کی وجہ سے مسلمانوں کی خون ریزی ہو گی مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات کو قبول نہ کیا اور اپنے ارادے پر ڈٹے رہے۔ آپ نے لشکر کو ترتیب دیا۔ پرچم محمد بن حنفیہ کو دیا، ابن عباس کو میمنہ پر اور عمر بن ابوسلمہ کو میسرہ پر مقرر کیا۔ ایک دوسری روایت کی رو سے میسرہ پر عمرو بن سفیان بن عبدالاسد کو اور اس کے مقدمہ پر ابوعبیدہ بن جراح کے بھتیجے لیلیٰ بن عمرو بن جراح کو مقرر کیا اور مدینہ پر قثم بن عباس کو اپنا نائب بنایا۔ اب صرف یہی کام باقی رہ گیا تھا کہ آپ مدینہ سے نکل کر شام کے لیے روانہ ہو جائیں کہ اس دوران کوئی ایسی صورت حال پیدا ہو گئی جس نے آپ کو اس سے روک دیا۔ [2] مزید تفصیل کے لیے میری کتاب سیرۃ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ملاحظہ فرمائیں۔ [3]

---

[1] البدایة و النهایة: ۷/ ۲٤۰۔ [2] البدایة و النهایة: ۷/ ۲٤۰، ۲٤۱۔

[3] علی بن ابی طالب از صلابی: ۱/ ٤۹۸-٦۲٤۔

۵۔ معرکہ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنا:

امیر المومنین علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ ۳۶ ھ میں بائیس رجب کو سوموار کے دن کوفہ میں داخل ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ آپ قصر ابیض میں قیام فرمائیں، مگر آپ نے یہ کہتے ہوئے اس سے انکار کر دیا کہ چونکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسے ناپسند کرتے تھے، لہٰذا میں بھی اسے ناپسند کرتا ہوں، چنانچہ آپ ایک کھلی جگہ سواری سے اترے اور مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا۔ انہیں خیر کی ترغیب دلائی اور شر سے منع فرمایا۔ انہوں نے اس خطبہ کے دوران اہل کوفہ کی مدح و ستائش کی۔ پھر آپ نے والی ہمدان جریر بن عبداللہ اور آذربیجان کے نائب والی اشعث بن قیس کو حکم دیا کہ وہ وہاں موجود لوگوں سے ان کے لیے بیعت لیں اور پھر ان کے پاس حاضر ہوں، چنانچہ انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ جب آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی بیعت کی دعوت دینے کے لیے انہیں پیغام بھیجنے کا ارادہ کیا تو جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: امیر المومنین! ان کے پاس میں جاؤں گا اس لیے کہ ہمارے درمیان دوستی کا رشتہ ہے، ان سے آپ کے لیے بیعت میں لوں گا۔ یہ سن کر اشتر کہنے لگا: امیر المومنین! انہیں مت بھیجیں، مجھے ڈر ہے کہ ان کے ساتھ ان کی ذاتی خواہش بھی ہوگی۔ مگر علی رضی اللہ عنہ نے اس کی بات کو رد کرتے ہوئے حضرت جریر کو حضرت معاویہ کے پاس بھیجا اور ان کو حضرت معاویہ کے نام ایک خط دیا جس میں انہیں بتایا گیا تھا کہ انصار و مہاجرین کا ان کی بیعت پر اتفاق ہو چکا ہے اس خط میں انہیں واقعہ جمل میں ہونے والے واقعات سے بھی آگاہ کیا گیا تھا اور دوسرے لوگوں کی طرح انہیں بھی اپنی بیعت کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ جب جریر بن عبداللہ، معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو آپ نے انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خط دیا۔ خط پڑھنے کے بعد انہوں نے عمرو بن العاص اور اہل شام کے سرکردہ لوگوں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے مشاورت کی مگر انہوں نے اس وقت تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا جب تک قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے قصاص میں قتل نہیں کر دیا جاتا یا انہیں ان کے حوالے نہیں کر دیا جاتا اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو پھر وہ ان سے جنگ کریں گے اور ان سے بیعت نہیں کریں گے، چاہے اس کی پاداش میں ان سب کو قتل ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔ جریر، علی رضی اللہ عنہما کے پاس آئے تو انہیں شامی رؤساء کی باتوں سے مطلع کیا۔ اس پر اشتر کہنے لگا: امیر المومنین! کیا میں نے آپ کو حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجنے سے منع نہیں کیا تھا؟ اگر آپ اس کی جگہ مجھے بھیجتے تو معاویہ رضی اللہ عنہ جو بھی دروازہ کھولتے میں اسے بند کر دیتا۔ اس پر جریر نے ان سے کہا: اگر وہاں تو ہوتا تو وہ تجھے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بدلے میں قتل کر ڈالتے۔ الغرض جریر رضی اللہ عنہ ناراض ہو کر وہاں سے اٹھے اور قرقیسیاء کے مقام پر جا کر قیام پذیر ہو گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط کے ذریعے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہونے والی بات چیت کی پوری تفصیل سے آگاہ کر دیا جس کے جواب میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک خط کے ذریعے اپنے پاس آنے کا حکم دیا اور وہ وہاں چلے گئے۔ [1] یوں اشتر نے جلیل القدر صحابی جریر بن عبداللہ کو علی رضی اللہ عنہ سے دور کر دیا جو قرقیسیاء اور دوسرے علاقوں کے

[1] البداية و النهاية: ۷/ ۲۶۵.

والی اور اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ یہ وہی جریر بن عبداللہ بجلی ہیں جنہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے جب بھی دیکھا مسکرا دیئے۔ انہی کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''تمہارے پاس اس دروازے سے وہ شخص آئے گا جس کا شمار یمن کے بہترین لوگوں میں ہوتا ہے جس کے چہرے پر فرشتے کا لمس ہوگا۔'' [1]

۶۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شام روانگی:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ شام کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہوئے تو اس کے لیے بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ اس لشکر کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں اور وہ سب کی سب ضعیف ہیں۔ [2] بجز ایک روایت کے جس کی سند حسن ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ اس کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ [3] یہ لشکر نخلہ [4] کے مقام پر جمع ہوا جو کہ اس وقت کوفہ سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ علی رضی اللہ عنہ کے پاس عراق کے مختلف صوبوں سے قبائل آنا شروع ہو گئے۔ [5] آپ اس بھاری بھرکم لشکر کے ساتھ مدائن کی طرف روانہ ہوئے اور اس میں موجود سارے جنگجو بھی اس میں شامل ہو گئے۔ آپ نے مدائن پر سعد بن مسعود ثقفی کو عامل مقرر کیا اور وہاں سے تین ہزار پر مشتمل ایک دستہ موصل روانہ کیا، [6] اور خود دریائے فرات کے مشرقی کنارہ پر واقع جزیرہ کے رئیسی راستے پر چلتے ہوئے قرقیسیا [7] کے قریب پہنچ گئے۔ اس دوران آپ کے پاس یہ خبریں آنا شروع ہو گئیں کہ ان سے ٹکراؤ کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ صفین کے مقام پر خیمہ زن ہو چکے ہیں۔ اس پر علی رضی اللہ عنہ بھی رقہ [8] کی طرف بڑھے، رقہ کے قریب سے دریائے فرات کو عبور کیا اور صفین کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے۔ [9]

۷۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی صفین کی طرف روانگی:

جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو عراقی لشکر کی صفین کی طرف پیش قدمی کا علم ہوا تو انہوں نے شام کے سرکردہ لوگوں پر مشتمل اپنے مشیروں کو جمع کیا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: حضرت علی عراقیوں کے ساتھ تمہارا مقابلہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اس پر ذوالکلاع حمیری کہنے لگا: آپ حکم کریں ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔ [10] قبل ازیں اہل شام عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے اور اس کے لیے جنگ کرنے پر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر چکے تھے۔ [11] عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ لشکر کو جنگ کی ترغیب دلانے کے لیے گویا ہوئے: اہل عراق نے اپنی وحدت کو پارہ پارہ

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۴۷۵.
[2] سیرۃ امیر المومنین علی بن ابی طالب: ۲/ ۶۳۰.
[3] تاریخ خلیفۃ، ص: ۱۹۳، حسن سند کے ساتھ۔
[4] نخلہ، شام کی طرف سے کوفہ کے قریب ایک جگہ۔ معجم البلدان: ۵/ ۲۷۸.
[5] خلافۃ علی بن ابی طالب از عبدالحمید، ص: ۱۸۸.
[6] تاریخ طبری: ۵/ ۶۰۳ منقطع سند کے ساتھ۔
[7] قرقیسیا، دریائے فرات میں گرنے کے مقام پر دریائے خابور پر واقع ایک شہر۔ معجم البلدان: ۴/ ۳۲۸.
[8] رقہ، شام میں دریائے فرات پر واقع ایک مشہور شہر۔
[9] تاریخ طبری: ۵/ ۶۰۴
[10] الاصابۃ: ۱/ ۴۸۰، خلافۃ علی بن ابی طالب از عبدالحمید، ص: ۱۹۲.
[11] انساب الاشراف: ۲/ ۵۲.

کر دیا ہے۔ اپنی طاقت کو کمزور کر دیا اور تلواروں کو دندانے ڈال دیئے ہیں۔ مزید برآں علی رضی اللہ عنہ کے مخالف اہل بصرہ نے انہیں شکست سے دوچار کر کے اسے برباد کر دیا ہے اور جمل کے دن ان کے سردار تباہی سے دوچار ہو چکے ہیں۔ اب علی رضی اللہ عنہ ایک چھوٹی سی جماعت لے کر تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں اور ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو تمہارے خلیفہ کے قاتل ہیں۔ اپنے حقوق ضائع کرنے اور اپنے خون باطل کرنے سے اللہ سے ڈرو۔ [1]

معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ ان کی تعداد کتنی تھی؟ اس بارے روایات مختلف ہیں اور ان تمام کی اسانید منقطع ہیں اور یہ وہی روایات ہیں جن میں علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد بتائی گئی ہے۔ ان میں سے کسی روایت میں ایک لاکھ بیس ہزار کی تعداد بتائی گئی ہے کسی میں ستر ہزار کی اور کسی میں اس سے بھی بہت زیادہ۔ مگر اقرب الی الصواب بات یہ ہے کہ یہ لشکر ستر ہزار کی نفری پر مشتمل تھا۔ [2] اگرچہ اس روایت کی سند بھی منقطع ہے، مگر اس کا راوی صفوان بن عمرو سکسکی حمصی ہے جس کا تعلق اہل شام سے ہے اور جو ۷۲ھ میں پیدا ہوا اور وہ ثقہ ہے اور جیسا کہ اس کے حالات زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے [3] اس نے جنگ صفین میں شامل ہونے والے بہت سے لوگوں کا زمانہ پایا اور اس تک کی سند صحیح ہے۔ [4] معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے قائدین کی ترتیب اس طرح سے تھی: عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اہل شام کے تمام شہسواروں کے سردار تھے۔ ضحاک بن قیس پیدل لوگوں کے، ذوالکلاع حمیری میمنۃ الجیش کے، حبیب بن مسلم میسرۃ الجیش کے اور ابوالاعور السلمی مقدمۃ الجیش کے قائد تھے۔ یہ بڑے قائدین تھے جبکہ ہر قائد کے ماتحت کئی کئی قائد تھے جنہیں قبائل کے لحاظ سے تقسیم کیا گیا تھا۔ لشکر معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ ترتیب صفین کی طرف روانگی کے دوران تھی مگر جنگ کے دوران حسب ضرورت قائدین کو تبدیل کیا جاتا رہا۔ غالباً اسی وجہ سے بعض مصادر میں قائدین کے ناموں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ [5]

۸۔ پانی کے لیے لڑائی:

جب علی رضی اللہ عنہ کا لشکر صفین پہنچا تو وہاں معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر پہلے سے خیمہ زن تھا۔ جب انہیں لشکر کے لیے کافی اور مناسب کھلی جگہ نہ ملی تو انہیں قدرے دشوار جگہ پر خیمہ زن ہونا پڑا اس لیے کہ یہ زمین زیادہ تر پتھریلی اور ٹیلوں والی تھی۔ [6] اس دوران عراقی لشکر کو اچانک یہ اطلاع ملی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان تک پانی کی ترسیل روک دی ہے۔ اس پر بعض لوگ گھبراہٹ کے عالم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے اس بارے میں شکایت کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشعث بن قیس کی طرف پیغام بھیجا تو وہ دو سو کی نفری لے کر لشکر سے باہر نکلے اور پھر فریقین کے درمیان پہلی جنگ چھڑی جس میں اشعث کامیاب ہوا اور اس نے پانی پر قبضہ جما لیا۔ [7] مگر دوسری روایت

[1] تاریخ طبری: ۵/ ۶۰۱، منقطع سند کے ساتھ۔
[2] خلافۃ علی بن ابی طالب از عبدالحمید، ص: ۱۹۴.
[3] سیر اعلام النبلاء: ۶/ ۳۸۰.
[4] خلافۃ علی بن ابی طالب از عبدالحمید، ص: ۱۹۴.
[5] امتداد العرب فی صدر الاسلام از صالح العلی، خلافۃ علی، ص: ۱۹۴.
[6] صفین از نصر بن مزاحم، ص: ۱۶۰، ۱۶۱.
[7] مصنف ابن ابی شیبۃ: ۱۵/ ۲۹۴، حسن سند کے ساتھ۔

میں اس واقعہ کا سرے سے ہی انکار کیا گیا ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ اشعث بن قیس، معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگا: معاویہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تم یہی سمجھو گے کہ تم نے اہل عراق کو قتل کر دیا۔ مگران وفود اور بچوں کا کون ذمہ دار ہے؟ اللہ تو فرماتا ہے:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ (الحجرات: ۹)

''اور اگر اہل ایمان کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کروا دیا کرو۔''

معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: ہمارے اور پانی کے درمیان راستہ کھول دو۔ اس پر انہوں نے ابوالاعور سے فرمایا: ہمارے بھائیوں اور پانی کے درمیان راستہ کھول دو۔ [1] فریقین میں پہلے دن لڑائی پانی کے لیے ہوئی اور یہ ماہ ذوالحجہ کے آغاز کی بات ہے۔ جس سے مسلمانوں کی دو جماعتوں پر برائی کا دروازہ کھل گیا۔ اس پورے مہینے کے دوران فریقین میں مسلسل جنگ جاری رہی۔ لڑائی کی صورت یہ تھی کہ طرفین میں سے ایک ایک سردار اپنی اپنی محدود جماعت لے کر نکلتا۔ یہ دونوں جماعتیں کبھی صبح کے وقت اور کبھی شام کے وقت دن میں ایک بار اور کبھی دو بار لڑتیں اور دوسرا لشکر انہیں خاموشی سے دیکھتا رہتا۔ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے جو امراء زیادہ تر میدان میں اترتے، وہ تھے: اشتر، حجر بن عدی، شبث بن ربعی، خالد بن معتمر اور معقل بن یسار ریاحی۔ جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر سے زیادہ تر یہ لوگ نکلتے: حبیب بن مسلمہ، عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید، عبیداللہ بن عمر بن خطاب، ابوالاعور سلمی اور شرحبیل بن السمط۔ طرفین نے ہلاکت اور یکسر تباہی کے خوف سے پورے لشکر کے ساتھ جنگ کرنے سے اجتناب کیا علاوہ ازیں انہیں یہ امید بھی تھی کہ شاید طرفین میں صلح ہو جائے جس سے انسانی جانوں اور خون کو بچایا جا سکے۔

۹۔ فریقین میں صلح کی کوششیں:

ماہ ذوالحجہ کے بعد جب محرم کا مہینہ شروع ہوا تو طرفین نے لڑائی بند کر کے ایک دوسرے کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعہ سے یا براہ راست بات چیت کے ذریعہ سے صلح کی کوششیں جاری رکھیں تاکہ مسلمانوں کی جانوں کو ضیاع سے بچایا جا سکے۔ اگرچہ ماہ محرم کے دوران کے مراسلات کے بارے میں معلومات ضعیف الاسناد اور مشہور روایات [2] کے ذریعہ سے ہمارے سامنے آئی ہیں مگر ان کا ضعف ان کے عدم وجود پر دلالت نہیں کرتا۔ سب سے پہلے سلسلہ خط و کتابت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شروع کیا گیا۔ انہوں نے بشیر بن عمرو انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی تمیمی کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے اور ان کی اطاعت قبول کرنے کی دعوت دی مگر انہوں نے حسب سابق اپنا یہ مطالبہ دہرایا کہ وہ پہلے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے حوالے کریں یا وہ خود ان سے قصاص لیں اس کے بعد وہ ان سے بیعت کر لیں گے جبکہ اس

---

[1] خلافة علی بن ابی طالب از عبدالحمید، ص: ۱۹۷، ۱۹۸، تاریخ طبری: ۵/ ۶۱۴، البداية و النهاية: ۷/ ۲۶۶.

[2] تاریخ طبری: ۵/ ۶۱۳، خلافة علی بن ابی طالب، ص: ۱۱۹.

بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف ہمارے سامنے ہے۔ ❶

فریقین کے قراء وعلماء کی بھی بہت ساری تعداد صفین کے ایک کونے میں خیمہ زن تھی انہوں نے بھی طرفین میں مصالحت کی بڑی کوششیں کیں مگر ان کا بھی کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوسکا اس لیے کہ ہر فریق اپنے موقف پر ڈٹا ہوا تھا۔ ❷ اس دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ابودرداء اور ابوامامہ رضی اللہ عنہما نے بھی ان لوگوں میں صلح کروانے کے لیے بڑی تگ ودو کی مگر وہ بھی اپنے مقصد میں ناکام رہے، لہٰذا وہ فریقین سے الگ ہوگئے اور پھر ان کے کسی معاملہ میں کوئی کردار ادا نہ کیا۔ ❸ اسی طرح کبار تابعین میں سے ایک شخص مسروق بن اجدرع تشریف لائے اور لوگوں کو باہمی رنجشیں دور کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: لوگو! خاموش ہوجاؤ مجھے یہ بتاؤ اگر کوئی آواز دینے والا تمہیں آسمان سے آواز دے تو تم اسے ضرور سنو گے اور اس کی بات پر غور بھی کرو گے۔ تم جو کچھ کررہے ہو اللہ تمہیں اس سے منع کرتا ہے۔ کیا تم اس کی بات تسلیم کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم جبریل یہ پیغام لے کر ہمیشہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتے رہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (النساء: ۲۹)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تمھاری آپس کی رضا مندی سے تجارت کی کوئی صورت ہو اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر ہمیشہ سے بے حد مہربان ہے۔''

انہوں نے یہ کہا اور پھر اپنی راہ لی۔ ❹

ابومخنف اور نصر بن مزاحم کی روایت میں طرفین کے درمیان سلسلہ خط وکتابت کے حوالے سے جو تفصیلات فراہم کی گئی ہیں ان پر نقد وتبصرہ کرتے ہوئے ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل سیر نے طرفین میں مذاکرات پر مشتمل جو طویل گفتگو نقل کی ہے تو میرے نزدیک اس کی صحت مشکوک ہے۔ اس حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے باپ کی تنقیص پر مشتمل گفتگو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر غیر مناسب تبصرہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ ❺

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف بالکل واضح تھا، جسے میں نے اپنی اس کتاب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی سیرت پر مشتمل اپنی دوسری کتاب میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

---

❶ تاریخ طبری: ۵/ ٦١٣، خلافة علی بن ابی طالب، ص: ۱۹۹.

❷ تاریخ طبری: ۵/ ٦١٤. ❸ البداية و النهاية: ۷/ ۲۷۰.

❹ طبقات ابن سعد: ٦/ ٧٨، القراء دورهم فی الحيات العامة فی صدر الاسلام و الخلافة الاموية، از هادی حسين حمود.

❺ البداية و النهاية: ۷/ ۲٦۹.

ثالثاً:...... جنگ کا آغاز

آغاز میں جنگ کی صورت یہ تھی کہ طرفین سے ایک ایک آدمی میدان میں اترتا اور پھر دونوں اپنی اپنی جوانمردی کا مظاہرہ کرتے اور کبھی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بھی ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار ہوتیں اور یہ اس خوف کے پیش نظر تھا کہ کہیں مکمل جنگ نہ چھڑ جائے۔ ایک ہفتہ تک یہی صورت حال رہی اس دوران اس قسم کی جنگ کے تقریباً ستر واقعات ہوئے، بعض روایات میں ان کی تعداد نوے بھی بتائی گئی ہے۔ [1] آخر محرم کے اختتام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کر دیا کہ کل بدھ کے دن سے بھرپور جنگ ہوگی اور اس میں سارا لشکر شریک ہوگا، پھر انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس سے آگاہ کر دیا۔ [2] دونوں طرف کے جنگجو رات بھر جنگی ہتھیاروں کو تیار کرتے رہے اور ان کے قائدین ان میں اسلحہ تقسیم کرتے رہے، [3] اور ساتھ ہی ساتھ مشاورت کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور قائدین کو ان کی ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔ [4]

ا۔ جنگ کا پہلا دن:

بدھ کے دن صبح کے وقت دونوں لشکروں نے اپنی صفوں کو منظم کیا اور پھر انہیں بڑی جنگوں کے دستور کے مطابق قلب، میمنہ اور میسرہ میں تقسیم کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی ترتیب اس طرح سے تھی کہ [5] انہوں نے قلب میں خود ذمہ داری سنبھالی، عبداللہ بن عباس کو میسرہ، اشعث بن قیس کو میمنہ اور عمار بن یاسر کو پیادہ فوج پر مامور کیا۔ جبکہ محمد بن حنفیہ اور ہشام بن عتبہ نے جنگی پرچم اور جھنڈے اٹھا رکھے تھے۔ شام کے لشکر کے امیر خود معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما تھے۔ وہ بلند ٹیلے پر موجود زرہ پوش لشکر میں موجود تھے۔ عمرو بن العاص شام کے تمام شہسواروں کی قیادت کر رہے تھے، ذوالکلاع حمیری اہل یمن کے میمنہ اور حبیب بن مسلمہ فہری مصر کے میسرہ پر مامور تھے جبکہ مخارق بن صباح کلاعی نے پرچم اٹھا رکھا تھا، [6] اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد دو بھاری بھرکم اسلامی لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آراء تھے۔ جب بدھ کی رات ایک عرب شاعر کعب بن جعیل تغلبی نے دیکھا کہ لوگ تلواریں، نیزے اور تیر تیز کر رہے ہیں، تو انہوں نے یہ شعر پڑھے:

اصبحت الامة فی امر عجیب
و الملك مجموع غدا لمن غلب
فقلت قولا صادقا غیر کذب
ان غدا تهلك اعلام العرب [7]

---

[1] الانباء بتواریخ الخلفاء، ص: ۵۹، شذرات الذهب: ۱/ ۴۵.
[2] البدایة و النهایة: ۷/ ۲۷۳. [3] سنن سعید بن منصور: ۲/ ۲۴۰، ضعیف
[4] علی بن ابی طالب از صلابی: ۲/ ۶۳۵. [5] تاریخ خلیفة بن خیاط، ص: ۱۹۳ بسند حسن.
[6] ایضاً، ص: ۱۹۳. [7] الاعلام از زرکلی: ۶/ ۱۸۰، البدایة و النهایة: ۷/ ۲۷۳، تاریخ طبری: ۵/ ۶۲۸.

''امت نے ایک عجیب کام کیا، کل پورا ملک اسی کی ملکیت میں آئے گا جو غالب رہے گا۔ میں نے ان سے ایک سچی بات کہی جس میں ذرا بھی جھوٹ نہ تھا کہ کل عرب کے بڑے بڑے لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔''

بعض ضعیف روایات میں بتایا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر سے مخاطب ہوتے ہوئے انہیں صبر کرنے، پیش قدمی کرنے اور بکثرت اللہ کا ذکر کرنے کی تلقین کی۔ [1] ان روایات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عمرو بن العاص اپنے لشکر میں آئے اور انہیں صفیں برابر کرنے کا حکم دیا۔ [2] ان روایات کو تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لیے کہ ہر کمانڈر اپنے لشکر کو ترغیب دیتا ہے، اس کی ہمت بڑھاتا اور ہر اس چیز کا اہتمام کرتا ہے جو اسے کامیابی سے ہمکنار کر دے۔ یہ خون ریز جنگ غروب آفتاب تک جاری رہی۔ جنگ کو نماز کی ادائیگی کے لیے روک دیا جاتا۔ ہر فریق اپنے اپنے کیمپ میں جا کر نماز ادا کرتا، ان میں حد فاصل صرف میدان میں پڑی مقتولین کی لاشیں تھیں۔ ایک دفعہ نماز پڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ واپس آ رہے تھے کہ کسی لشکری نے ان سے سوال کیا: امیر المومنین! آپ ہمارے اور ان کے مقتولین کے بارے میں کیا کہنا چاہیں گے؟ تو انہوں نے فرمایا: ان میں سے جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی بہتری کے لیے مقتول ہوا وہ جنت میں جائے گا۔ [3] یوں خون کی ندیاں بہاتے یہ دن اختتام پذیر ہوا۔ شام کے وقت علی رضی اللہ عنہ میدان جنگ میں آئے، اہل شام کی طرف دیکھا اور پھر یہ دعا کی: میرے اللہ مجھے بھی معاف فرمانا اور انہیں بھی۔ [4]

۲۔ جنگ کا دوسرا دن:

روایات بتاتی ہیں کہ جمعرات کے دن علی رضی اللہ عنہ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور لشکر کی قیادت میں قدرے تبدیلی کرتے ہوئے میمنہ پر اشعث بن قیس کی جگہ عبداللہ بن بدیل خزاعی کو متعین کیا، جبکہ میسرہ کو اشعث بن قیس کی ماتحتی میں دے دیا۔ [5] اور پھر دونوں فریق ایک دوسرے کی طرف بڑھے اور پہلے سے بھی زیادہ خون ریز جنگ شروع ہو گئی۔

اہل عراق نے شامیوں کی طرف پیش قدمی شروع کر دی اور عبداللہ بن بدیل نے اپنے میمنہ کے ساتھ ان پر اتنا سخت حملہ کیا کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے میسرہ کو توڑنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر (شہباء) کی طرف بڑھا اور اس دوران عدیم النظیر شجاعت و دلیری کا مظاہرہ کیا۔ پھر اس جزئی پیش قدمی کے ساتھ عراقی لشکر نے بھی آگے بڑھنا شروع کر دیا، وہ اس زور دار طریقہ سے آگے بڑھے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میدان جنگ

[1] البداية و النهاية: ۷:۲۷۳، تاريخ طبرى: ۵/ ۶۲۶.
[2] تاريخ طبرى: ۵/ ۶۲۲، من طريق أبى مخنف.
[3] طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۵۵، من طريق الواقدى.
[4] مصنف ابن أبى شيبة: ۱۵/ ۲۹۷، بسند صحيح.
[5] تاريخ طبرى: ۵/ ۶۳۰.

چھوڑنے کے بارے میں سوچنے لگے مگر ڈٹے رہے۔ حوصلہ سے کام لیتے ہوئے اتنا سخت جوابی حملہ کیا کہ وہ عبداللہ بن بدیل کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے، پھر اس کی جگہ میمنہ کی قیادت اشتر نے سنبھال لی جس سے اہل شام کے قدم جم گئے اور ان میں سے بعض لوگوں نے موت پر بیعت کر لی۔ انہوں نے بڑی عزیمت کے ساتھ دوبارہ ایک بھرپور وار کیا جس کے نتیجہ میں شامی فوج کے سرکردہ لوگوں میں سے ذوالسلاع، حوشب اور عبیداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ موت کی وادی میں اتر گئے۔ شامی لشکر کو برتری حاصل ہو گئی اور اس نے ایک بار پھر پیش قدمی شروع کرتے ہوئے عراقی لشکر کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ اس دوران کثیر تعداد میں عراقی مارے گئے جبکہ زخمیوں کا کوئی اندازہ ہی نہیں تھا۔ جب علی رضی اللہ عنہ نے اپنی سپاہ کو پیچھے ہٹتے دیکھا تو وہ انہیں بلانے اور جوش دلانے لگے اور پھر سخت جنگ کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ لشکر کے قلب کی طرف گئے جہاں قبیلہ ربیعہ کے لوگ ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے جس سے ان کی حمیت بھڑک اٹھی اور انہوں نے اپنے امیر خالد بن معمر سے موت پر بیعت کر کے جنگ کا حق ادا کر دیا۔ [1]

اس وقت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی عمر چورانوے سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ وہ بڑی دلیری سے لڑتے ہوئے لوگوں کو جنگ کی ترغیب دلا رہے تھے اور ان کی ہمت بڑھا رہے تھے، مگر اس سب کچھ کے باوجود وہ غلو اور انتہاء پسندی سے بہت دور تھے۔ جب انہوں نے اپنے پاس ایک آدمی کو یہ کہتے سنا کہ اہل شام کفر کے مرتکب ہوئے تو آپ نے اسے اس سے روکتے ہوئے فرمایا: انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی اور اسی بغاوت کی وجہ سے ہم ان سے لڑ رہے ہیں، ہمارا اللہ بھی ایک، ہمارا قبلہ بھی ایک اور ہمارے نبی بھی ایک ہیں۔ [2]

جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے ساتھی پیچھے ہٹ رہے ہیں اور ان کے مدمقابل لوگ آگے بڑھ رہے ہیں تو آپ انہیں ترغیب دلانے اور جنگ پر ابھارنے لگے، آپ نے انہیں یہ بھی بتایا کہ ہم حق پر ہیں، لہٰذا شامی سپاہ کی سخت ضربات انہیں ان کے راستے سے نہ ہٹائیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے: جو یہ چاہتا ہو کہ جنت کی حوریں اسے اپنی آغوش میں لے لے تو وہ حصول ثواب کے لیے صفین میں پیش قدمی کرے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر وہ ہمیں مارتے مارتے ہمیں ہجر کے کھجور کے باغوں تک لے جائیں تب بھی ہم یہ یقین رکھیں گے کہ ہم حق پر ہیں اور یہ لوگ باطل پر۔ [3] پھر آپ آگے بڑھنے لگے، آپ کے ہاتھ میں برچھا تھا جو کہ آپ کی کبرسنی کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔ آپ خود بھی آگے بڑھتے جاتے تھے اور پرچم بردار ہاشم بن عقبہ بن ابووقاص کو بھی آگے بڑھنے کی ترغیب اور اللہ کے ہاں موجود نعمتوں کے حصول کا شوق دلا رہے تھے۔ مزید برآں آپ اپنے اصحاب کو جنت کا طمع دلاتے ہوئے فرما رہے تھے: جنت قریب آ گئی اور جنت کی حوریں بن سنور گئیں جسے یہ شوق دامن گیر ہو کہ جنت کی حوریں اسے اپنی آغوش میں لے لیں تو وہ صفین کے میدان میں پیش قدمی

[1] الاصابۃ: ۱/ ٤٥٤، انساب الاشراف: ۲/ ٥٦، قتادہ تک حسن سند کے ساتھ۔

[2] مصنف ابن ابی شیبۃ: ۱۵/ ۲۹۰۔ حسن لغیرہ۔

[3] مجمع الزوائد: ۷/ ۲٤۳، خلافۃ علی بن ابی طالب، عبدالحمید، ص: ۲۱۹، اس کی سند صحیح ہے۔

کرے۔ عراقی لشکر کے لیے جلیل القدر بدری اور مہاجر صحابی رسول کا یہ کردار بڑا مؤثر تھا۔ اس وقت ان کی عمر چورانوے سال سے زائد ہو رہی تھی اور عمر کے اس حصے میں بھی آپ اس قدر شجاعت و بسالت اور بلند تر معنوی روح سے متصف نظر آ رہے تھے۔ ان کے اس کردار نے عراقی لشکر کی ہمت بڑھائی اور ان کی معنوی روح کو رفعتوں سے ہم کنار کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ [1] اس دوران ہاشم بن عتبہ بن ابووقاص یہ عربی اشعار پڑھتا ہوا آگے بڑھا تو آپ نے اس سے فرمایا: ہاشم آگے بڑھو، جنت تلواروں کے سائے تلے ہے اور موت نیزوں کے کناروں میں ہے۔ آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور جنت کی حوریں بن سنور چکی ہیں۔

اليوم القى الاحبة محمدا و حزبه [2] آج دوستوں سے ملاقات ہوگی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت سے ملاقات ہوگی۔ جمعرات کے دن غروب آفتاب کے وقت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے گھونٹ بھر دودھ طلب کیا اور پھر کہنے لگے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا: ''تو دنیا سے جو آخری گھونٹ نوش کرے گا وہ دودھ کا گھونٹ ہوگا۔ [3] پھر وہ آگے بڑھے اس وقت پرچم بردار ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص بھی ان کے ساتھ تھے، مگر ان میں سے کوئی بھی واپس نہ لوٹا۔ [4]

۳۔ لیلۃ الھریر اور جمعہ کا دن:

اس رات اتنا زور کا رن پڑا کہ گزشتہ دنوں میں اس کی مثال پیش کرنا مشکل ہے۔ رات بھر جنگ ہوتی رہی جس کے نتیجہ میں نعشوں کے انبار لگ گئے اور خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ اس رات کے خونریز معرکہ میں شامی کمزور نظر آ رہے تھے۔ اس دوران خود امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے بھی زبردست قتال کیا اور موت پر بیعت کی۔ [5] مذکور ہے کہ اس دن علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو مغرب کی نماز صلاۃ الخوف کے طور سے پڑھائی۔ [6] امام شافعی فرماتے ہیں: صحیح طور سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہریر کی رات صلاۃ الخوف پڑھائی۔ [7] ایک چشم دید گواہ کا بیان ہے کہ ہم تین دن اور تین راتیں مسلسل جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ جب نیزے ٹوٹ گئے اور تیر ختم ہو گئے، [8] تو ہم ہاتھوں سے لڑنے لگے اور چہروں پر مٹی اور پتھر پھینکنے لگے اور ایک دوسرے کو دانتوں سے کاٹنے لگے۔ جب دو آدمی باہم لڑتے لڑتے نڈھال ہو جاتے تو بیٹھ کر آرام کرنے لگتے اور اس کے بعد پھر ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہو جاتے۔ ان کی یہی صورت رہی یہاں تک کہ لوگوں نے جمعہ کے دن کی صبح کی اور صبح کی نماز اشاروں سے ادا کی حتیٰ کہ دن روشن ہو گیا اور عراقیوں کو شامیوں پر برتری حاصل ہونے لگی۔ [9]

---

[1] تاريخ طبرى: ٥/ ٦٥٢.
[2] تاريخ طبرى: ٥/ ٦٥٢.
[3] مصنف ابن ابى شيبة: ١٥/ ٣٠٢، ٣٠٣. منقطع سند کے ساتھ۔
[4] تاريخ طبرى: ٥/ ٦٥٢.
[5] مستدرك حاكم: ٣/ ٤٠٢، خلافة على، ص: ٢٢٦.
[6] سنن الكبرى از بيهقى: ٣/ ٢٥٢.
[7] ارواء الغليل: ٣/ ٤٢.
[8] تلخيص الحبير: ٢/ ٧٨، خلافة على بن ابى طالب، ص: ٢٢٧.
[9] شذرات الذهب: ١/ ٤٥، وقعة صفين، ص: ٣٦٩، البداية و النهاية: ٧/ ٢٨٣.

۴۔ تحکیم کی تجویز:

لیلۃ الھریر کے بعد دونوں لشکر جس سنگین ترین صورت حال سے دوچار ہو گئے تھے اس کے بعد مزید لڑائی کا کوئی احتمال باقی نہیں بچا تھا۔ اس رات کندہ کے زعیم اشعث بن قیس نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: مسلمانو! گزشتہ رات تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا اس سے تم بخوبی آگاہ ہو اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس دن عربوں کی کتنی بڑی تعداد موت کے گھاٹ اتر گئی۔ اللہ کی قسم! میں نے اپنی اس طویل عمر کے دوران اس قسم کے حالات کا مشاہدہ کبھی نہیں کیا۔ میری یہ بات توجہ سے سن لیں کہ اگر ہم ایک دوسرے سے پھر ٹکرائے تو اس میں عربوں کی تباہی بھی یقینی ہے اور حرمتوں کی پامالی بھی۔ خبردار! اللہ کی قسم! میں یہ بات جنگ سے گھبرا کر نہیں کر رہا۔ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ مجھے یہ ڈر کھائے جا رہا ہے کہ اگر کل ہم فنا ہو گئے تو ہماری عورتوں اور بچوں کا کیا بنے گا۔ یا اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے ہمیشہ اپنی قوم اور اپنے اہل دین کے لیے سوچا اور میں نے اس حوالے سے کبھی کوئی کوتاہی نہیں کی۔ [1] جب یہ خبر معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو وہ کہنے لگے: رب کعبہ کی قسم! اس نے درست کہا۔ اگر یہ خونریز جنگ جاری رہی تو مسلمانوں کی قوت تباہ ہو جائے گی تو رومی ہمارے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیں گے اور ایرانی عراقیوں کے اہل وعیال پر قبضہ جما لیں گے۔ ارباب دانش وبینش اور عاقبت اندیش لوگوں کو یہ صورت حال صاف نظر آ رہی ہے، پھر انہوں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ نیزوں کے کناروں پر قرآن باندھ دو۔ [2] یہ عراقی روایت ہے۔ اس میں نہ تو عمرو بن العاص کا ذکر ہے اور نہ کسی دھوکہ دہی یا حیلہ گری کا ہی۔ اصل بات یہ ہے کہ باہمی صلح وصفائی فریقین کی خواہش تھی۔ یہ چیز معاویہ رضی اللہ عنہ یا عمرو رضی اللہ عنہ کے لیے حیران کن نہیں ہے کہ وہ باہم متصادم امت کی بچی کھچی طاقت کو بچانے کے لیے کوئی دلیرانہ اقدام کریں۔ یہ بات امت کے ان دشمنوں کے لیے پریشان کن ہے جنہوں نے اس فتنہ کی آگ بھڑکائی اور پھر ہمارے لیے اپنے پیچھے ایسی گمراہ کن روایات کے پلندے چھوڑ گئے جو حق کو باطل اور فضل وشرف کو جرم، سازش اور حیلہ گری میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ [3] ان اعدائے امت نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی جانب ایسے جھوٹے اقوال منسوب کر دیئے جو صحیح روایات سے یکسر متعارض ہیں۔ مثلاً ان کا یہ قول کہ شامی سپاہ کی طرف سے نیزوں پر قرآن بلند کرنا محض دھوکہ اور فریب ہے۔ [4] اسی طرح قرآن بلند کرنے کے بارے میں ان کا یہ قول کہ یہ سب کچھ بدکار عورت کے بیٹے کے مشورہ سے ہوا۔ [5]

ان اعدائے امت اور اعداء اسلام نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے خلاف اس قدر جھوٹا پروپیگنڈہ کیا کہ آپ تاریخ کی جو کتاب بھی اٹھائیں گے اس میں ان کی تنقیص ضرور نظر آئے گی اور انہیں دھوکہ باز اور مکار کے القاب سے نوازا گیا ہوگا، اور یہ سب کچھ ان روایات کی وجہ سے ہے جنہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دشمنوں نے وضع کیا اور ابن اثیر، طبری ودیگر نے انہیں اپنی کتابوں میں نقل کر دیا اور پھر اسی بیماری میں عصر حاضر کے اکثر مورخین بھی مبتلا ہو

---

[1] وقعة صفين از منقری، ص: ۴۷۹۔ [2] ایضاً، ص: ۴۸۱-۴۸۴۔

[3] الدولة الاسلامية فی عصر الخلفاء الراشدين، ص: ۳۱۶۔ [4] الكامل: ۲/ ۳۸۶۔ [5] ایضا: ۵/ ۵/ ۶۶۲-۶۶۳۔

گئے۔ مثلاً حسن ابراہیم حسن تاریخ الاسلام میں، محمد خضری بک تاریخ الدولۃ الامویۃ میں اور عبدالوہاب نجار تاریخ الخلفاء الراشدون میں اور کتنے ہی ایسے دیگر مورخین جنھوں نے تاریخی حقائق کو مسخ کرنے میں اپنا سا کردار ادا کیا۔

ابن مخنف کی روایت یہ تصور کراتی ہے کہ جب اہل شام نے تحکیم قرآن کی تجویز پیش کی تو علی رضی اللہ عنہ نے پہلے تو اسے مسترد کر دیا اور پھر بعد ازاں اسے ان قراء کے دباؤ کے تحت قبول کر لیا جو آگے چل کر خوارج کے نام سے معروف ہوئے۔ ❶

یہ روایت اس امر کی متقاضی ہے کہ معاذ اللہ علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو برا بھلا کہا۔ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ امت کے سادات اور پھر خاص طور سے ان کے رئیس اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کسی کو گالی دیں۔ اس روایت کے غیر معتبر ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ اس کا ایک راوی ابومخنف رافضی ہے اور یہ ایسی روایت ہے جو ایک پاکیزہ بحث میں قدم نہیں جما سکتی اور نہ یہ اس روایت کے سامنے ہی ٹھہر سکتی ہے جسے امام احمد بن حنبل حبیب بن ابو ثابت کے طریق سے روایت کرتے ہیں، حبیب کا بیان ہے کہ ابو وائل (حضرت علی کے طرف دار) کے پاس آیا تو اس نے بتایا کہ ہم جنگ صفین میں شامل تھے جب اہل شام کے ساتھ جنگ کا محاذ گرم ہو گیا تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: علی رضی اللہ عنہ کے پاس قرآن بھیجیں اور انہیں کتاب اللہ کی طرف بلائیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس سے انکار نہیں کریں گے۔ ایک آدمی قرآن لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ فیصلہ کرے گی:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (آل عمران: ٢٣)

''کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان میں فیصلہ کرے، پھر پھر جاتا ہے ایک گروہ ان میں سے اور وہ ہیں ہی حق سے منہ موڑنے والے۔''

علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے یہ تسلیم ہے، میں اس کا زیادہ حق دار ہوں۔ اس پر وہ قراء جو بعد میں خوارج کے نام سے مشہور ہوئے اپنے کندھوں پر تلواریں رکھ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: امیر المومنین! کیا ہم ان لوگوں کے پاس نہ جائیں تاکہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے؟ اس پر سہل بن حنیف انصاری اٹھے اور کہنے لگے: لوگو! اپنے آپ کو ہی الزام دو۔ ہم حدیبیہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اگر ہم لڑائی کو بہتر خیال کرتے تو ضرور لڑتے، وہ اس صلح کی بات کر رہے تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان ہوئی، پھر انہوں نے صلح حدیبیہ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے صلح کی مخالفت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ فتح کے نزول کے بارے میں بتایا، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یقیناً یہ فتح ہے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس قضیہ کو قبول کیا، آپ واپس مڑے تو

❶ الکامل: ٥/ ٦٦٢، ٦٦٣.

لوگ بھی آپ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ❶

سہل بن حنیف نے ان لوگوں کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا جو بھائیوں کے مابین جنگ جاری رکھنے کے داعی تھے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! اپنے دین کے بارے میں اپنی رائے کو ہی موردِ الزام ٹھہراؤ۔ ❷ انہوں نے لوگوں کے سامنے اس بات کو واضح کیا کہ بات چیت اور صلح سے انحراف کا کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں اس لیے کہ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ فتنہ ہے۔ جس کے انجام کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔ سہل نے کہا: ہم نے جب بھی کسی ڈر کے وقت تلواریں اپنے کندھوں پر رکھیں تو اس کا نتیجہ وہ نکلا جسے ہم اچھا خیال کرتے تھے مگر اس جنگ کا یہ حال ہے کہ ہم فساد کے ایک سوراخ کو بند کرتے ہیں تو دوسرا کھل جاتا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ہمیں اس سے کس طرح نمٹنا ہے۔ ❸ ان صحیح روایات میں فتنہ کے علم برداروں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے والوں کی تردید ہے جو جھوٹی اخبار و روایات وضع کر کے اور از خود اشعار گھڑ کے انہیں ان بلند پایہ صحابہ و تابعین کی طرف منسوب کر دیتے ہیں جو جنگ صفین میں شامل رہے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیے بغیر کتاب اللہ کو حکم تسلیم کرنے کی دعوت اور علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان سے بیعت کیے بغیر اسے قبول کر لینا جنگ صفین کے احداث و واقعات کا رخ موڑنے میں ایک اہم قدم ثابت ہوا، اس لیے کہ جس جنگ نے بہت سارے مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اس نے اس امر پر اتفاق کی صورت پیدا کر دی کہ جنگ کو روک کر مسلمانوں کے خون بچانا ایک ایسی ضرورت ہے جس سے امت کی شان و شوکت کا تحفظ اور دشمن کے سامنے اس کی قوت کی حفاظت ہے۔ جو کہ اس کی زندگی اور ذمہ دارانہ رویے کی دلیل ہے۔ ❹

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین کو موقوف کرنے کی تجویز کو قبول کرتے ہوئے تحکیم کو پسند کیا اور اسے فتح قرار دیتے ہوئے کوفہ واپس لوٹ گئے، ❺ اور اختلافِ امت کے خاتمہ اور اس میں اتحاد و یگانگت کے لیے تحکیم سے کئی امیدیں وابستہ کر لیں۔

طرفین کی طرف سے تحکیم کے تصور تک رسائی میں چند عوامل نے بنیادی کردار ادا کیا جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

ا: یہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں ٹکراؤ رکوانے اور ان کے خون بچانے کی ان اجتماعی اور انفرادی کوششوں میں سے آخری کوشش تھی جن کا آغاز، جنگ جمل کے فوراً بعد سے ہی ہو گیا تھا مگر ان میں ابھی تک کامیابی حاصل نہ ہو سکی تھی۔ اس سلسلہ کی آخری کوشش گھمسان کی جنگ کے دوران معاویہ رضی اللہ عنہ کا وہ خط تھا جو انہوں نے جنگ بند کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام لکھا اور جس میں کہا گیا تھا کہ اگر فریقین کو علم ہوتا

❶ مصنف ابن ابی شیبة: ۸/ ۳۳٦، مسند احمد مع الفتح الربانی: ۸/ ٤۸۳.

❷ بخاری، رقم: ٤۱۸۹. ❸ ایضا، رقم: ٤۱۸۹.

❹ دراسة فی تاریخ الخلفاء الامویین، ص: ۳۸. ❺ ایضا، رقم: ۲۹۱٦.

کہ جنگ ہمیں اس مقام پر لا کھڑا کرے گی تو ہم اپنے ہی خلاف اس جرم کا ارتکاب نہ کرتے۔ اگر ہماری عقل وشعور پر پردے پڑ چکے ہیں تو جو کچھ ہو چکا اس پر ہم ندامت کا اظہار تو کر سکتے ہیں اور جس قدر عقل بچ گئی ہے اس کی اصلاح تو کر سکتے ہیں۔ [1]

ب: مقتولین کی لاشوں کا گرنا، بکثرت خون بہانا اور تباہی سے دوچار ہونے کا خوف، دریں حالات جنگ بند کرنے کا مطالبہ سب کے دلوں کی آواز تھی۔

ج: عرصہ دراز تک جاری رہنے والے قتل وقتال سے لوگ اکتا گئے تھے اور وہ صلح کی آواز سننے کے لیے بڑی بے تابی سے منتظر تھے۔ حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی غالب اکثریت بار بار کہا کرتی تھی، ہمیں جنگ کھا گئی۔ اب ہماری بقاء صرف صلح کرنے میں ہے۔ [2]

مذکورہ بالا امور اس بیمار رویے کی تردید کرتے ہیں کہ قرآن بلند کرنا عمرو بن العاص کا دھوکہ تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن بلند کرنے کی فکر کوئی نئی بات نہیں تھی اور نہ ہی یہ عمرو بن العاص کی اختراع تھی۔ بلکہ قبل ازیں جنگ جمل کے موقع پر یہ کام بصرہ کے قاضی کعب بن سور کر چکے تھے۔ جنہیں اس وجہ سے تیر مار کر قتل کر دیا گیا تھا۔

(د) صلح واصلاح کی داعی اس وحی الٰہی کی آواز پر لبیک کہنا:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ (النساء: ٥٩)

''اگر تم کسی چیز میں تنازع کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔''

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے تحکیم کی تجویز پیش کی گئی تو انہوں نے فرمایا: ''ہاں میں اس کا زیادہ حق دار ہوں، ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ ہے۔''

۵۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی شہادت اور مسلمانوں پر اس کے اثرات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا: ((تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ)) ''تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔'' اس حدیث کا شمار صحیح اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ احادیث میں ہوتا ہے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کا جنگ صفین پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے مینارۂ نور تھے، وہ جہاں بھی جاتے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اتباع کرتے، خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں شامل تھے اور انہوں نے اپنا اسلحہ سمیٹ رکھا تھا، پھر جب انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو شہید ہوتے دیکھا تو اپنی تلوار سونت کر اہل شام سے لڑنے لگے، اور یہ اس لیے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے بارے میں سن رکھا تھا: ''انہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔'' [3] پھر وہ مسلسل جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ جان سے ہاتھ

---

[1] الاخبار الطوال، دنیوری، ص: ۱۸۷، دراسات فی عهد النبوة، ص: ٤٣٢.

[2] صفين، ص: ٤٨٢-٤٨٥، دراسات فی عهد النبوة، ص: ٤٣٣.

[3] مسلم، رقم: ٢٩١٦.

دھو بیٹھے۔ ❶ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے کیمپ پر بھی شدید اثرات مرتب ہوئے۔ ابوعبدالرحمن اسلمی اہل شام کے کیمپ میں داخل ہوئے تو انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور ابواعور سلمی کو گھاٹ پر پانی پیتے دیکھا، یہ پانی کا ایک ہی گھاٹ تھا جس سے فریقین پانی پیا کرتے تھے، اس وقت وہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے گفتگو کر رہے تھے کہ اس دوران عبداللہ بن عمرو اپنے والد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ''ہم نے اس شخص کو قتل کر ڈالا، حالانکہ ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''اسے باغی جماعت قتل کرے گی۔'' اس پر عمرو رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ''ہم نے جس آدمی کو قتل کیا ہے اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ کچھ فرمایا تھا۔ یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: خاموش ہو جائیں، آپ میں ابھی تک پختگی نہیں آئی، اسے ہم نے نہیں بلکہ ان لوگوں نے قتل کیا ہے جو اسے یہاں لے کر آئے ہیں۔ ❷ معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ تاویل اہل شام میں اس طرح پھیل گئی جس طرح خشک گھاس میں آگ پھیل جاتی ہے۔

ایک صحیح روایت میں وارد ہے کہ عمرو بن حزم، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا: ''عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا: ''اسے باغی جماعت قتل کرے گی۔'' یہ سن کر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گھبراہٹ کے عالم میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، انہوں نے ان سے گھبراہٹ کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا: ''عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا ہے۔'' انہوں نے کہا: ''تو پھر کیا ہوا؟'' عمرو نے کہا: ''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ان سے فرما رہے تھے: ''تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔'' اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''تم ابھی تک ناپختہ ہو، کیا انہیں ہم نے قتل کیا ہے؟ انہیں علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے، انہیں وہ لوگ لے کر آئے اور پھر ہمارے نیزوں کے آگے پھینک دیا۔ یا کہا: ہماری تلواروں کے آگے پھینک دیا۔ ❸

ایک دوسری صحیح روایت ہی میں مروی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس دو آدمی آئے وہ دونوں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے میں جھگڑا کر رہے تھے اور ان میں سے ہر ایک انہیں قتل کرنے کا دعویٰ کر رہا تھا، یہ جھگڑا سن کر عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ ''اسے باغی جماعت قتل کرے گی۔'' اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: پھر تم ہمارے ساتھ کیوں ہو؟ انہوں نے کہا: میرے باپ نے میری شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تک تمہارا باپ زندہ رہے ان کی اطاعت کرنا اور ان کی حکم عدولی نہ کرنا۔'' اس لیے میں تمہارے ساتھ تو ہوں مگر میں لڑائی نہیں کرتا۔ ❹

مذکورہ صدر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیہ صحابی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ حق بات کہنے اور خیر خواہی کرنے کے حریص تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ معاویہ اور ان کا لشکر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو قتل کرنے کی وجہ سے باغی گروہ قرار

---

❶ خلافة علی رضی اللہ عنہ، ص: ۲۱۱. ❷ مسند احمد: ۲/ ۲۰۶. اس کی سند حسن ہے۔
❸ مصنف عبدالرزاق: ۱۱/ ۲۴۰. صحیح سند کے ساتھ۔
❹ مسند احمد: ۱۱/ ۱۳۸-۱۳۹۔ احمد شاکر فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔

پاتا ہے تو انہوں نے مختلف مواقع پر بار بار اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حدیث کی وجہ سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت نے اہل شام کو بڑا متاثر کیا، مگر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی غیر مناسب تاویل کی، ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ عمار کے قاتل وہ لوگ ہیں جو انہیں میدانِ جنگ میں لے کر آئے ہیں۔ [1]
عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی شہادت کا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر بھی خاصا اثر رہا، بلکہ ان کی شہادت کی وجہ سے ہی وہ جنگ بند کرانے کے لیے کوششیں کرنے لگ گئے تھے۔ [2] اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ کاش میں آج سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا۔ [3] صحیح بخاری میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ ہم ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما دو دو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو ان سے مٹی جھاڑنے لگے، اور فرمایا: ''عمار کو باغی جماعت قتل کرے گی، عمار انہیں جنت کی طرف بلائیں گے اور وہ انہیں جہنم کی طرف۔'' عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: میں فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ [4] امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث تواتر کے ساتھ ثابت ہے: ''عمار کو باغی جماعت قتل کرے گی۔'' یہ اخبار بالغیب کے قبیل سے ہے اور اس کا شمار صحیح ترین احادیث میں ہوتا ہے۔ [5] اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ذہبی فرماتے ہیں: اس باب میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث مروی ہیں، پس یہ متواتر حدیث ہے۔ [6]

اس حدیث کو علماء نے کیسے سمجھا!

ا:...... ابن حجر فرماتے ہیں: اس حدیث سے علی رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور نواصب کے اس دعویٰ کی تردید ہو رہی ہے کہ ان جنگوں میں علی رضی اللہ عنہ کا موقف صحیح نہیں تھا۔ [7] مزید فرماتے ہیں: حدیث ''عمار کو باغی جماعت قتل کرے گی۔'' اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان جنگوں میں علی رضی اللہ عنہ کا موقف درست تھا اس لیے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے قتل کیا تھا۔ [8]

ب:...... امام نووی فرماتے ہیں: جنگ صفین کے دن عمار جہاں بھی جاتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے پیچھے جاتے اس لیے کہ انہیں معلوم تھا کہ وہ عادل جماعت کے ساتھ ہیں۔ [9]

ج:...... ابن کثیر فرماتے ہیں: علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء معاویہ رضی اللہ عنہ اور اس کے رفقاء کے مقابلہ میں حق سے زیادہ قریب تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی ان پر زیادتی کر رہے تھے، جیسا کہ صحیح مسلم میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔'' [10] آپ مزید فرماتے ہیں:

---

[1] خلافة علی بن ابی طالب، عبدالحمید، ص: ۳۲۵.
[2] معاویة بن ابی سفیان، الغضبان، ص: ۲۱۵.
[3] انساب الاشراف: ۱/ ۱۷۰۔ عمرو العاص، الغضبان، ص: ۶۰۳.
[4] بخاری، رقم الحدیث: ٤٤٧. [5] الاستیعاب: ۳/ ۱۱٤۰. [6] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٤۲۱.
[7] فتح الباری: ۱/ ٦٤٦. [8] فتح الباری: ۱۳/ ۹۲.
[9] تهذیب الاسماء و اللغات: ۲/ ۳۸. [10] البدایة و النهایة: ٦/ ۲۲۰.

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی شہادت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی اور انہیں اہل شام نے قتل کیا۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا راز کھل گیا کہ انہیں باغی جماعت قتل کرے گی اور اس سے یہ بھی عیاں ہو گیا کہ علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف) بغاوت کرنے والے تھے، اس حدیث میں نبوت کے کتنے ہی دلائل موجود ہیں۔ ❶

د:...... ذہبی رقمطراز ہیں: اہل شام مومنوں کا ایک گروہ تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی، اور یہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ثابت ہوتا ہے: ''تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔'' ❷

ھ:...... قاضی ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا﴾ (الحجرات : ۹) ''اگر اہل ایمان کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں۔'' مسلمانوں کے قتال میں اصل اور متاولین کے ساتھ جنگ کی دلیل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسی پر اعتماد کیا اور اس امت کے سرکردہ لوگوں نے اسی کی پناہ لی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی یہی مراد ہے: ''عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا۔'' ❸

و:...... ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حضرت علی کی امامت و خلافت کے صحیح ہونے اور ان کی اطاعت کے وجوب کی دلیل ہے اور یہ کہ ان کی اطاعت کی دعوت دینے والا جنت کی دعوت دینے والا اور ان کے ساتھ جنگ کی دعوت دینے والا جہنم کی دعوت دینے والا ہے اگرچہ وہ تاویل کنندہ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنا جائز نہیں تھا، اسی بنا پر ان کے خلاف جنگ کرنے والا گناہ گار ہے، اگرچہ وہ تاویل کنندہ ہو یا بلا تاویل بغاوت کرنے والا ہو۔ یہ ہمارے اصحاب کے دو اقوال میں سے زیادہ صحیح قول ہے اور یہی ان ائمہ فقہاء کا مذہب ہے جنہوں نے اس سے تاویل کنندہ باغیوں کے ساتھ جنگ کرنے کا استدلال کیا ہے۔ ❹ مزید فرماتے ہیں: اگرچہ علی رضی اللہ عنہ اپنے مدمقابل لوگوں سے زیادہ حق کے قریب تھے، اور اگرچہ عمار کو باغی گروہ نے ہی قتل کیا تھا۔ جیسا کہ اس بارے میں نصوص وارد ہیں۔ مگر ہم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ہم ان سب چیزوں پر ایمان لائیں جو اللہ کی طرف سے آتی ہیں اور سارے حق کا اقرار کریں، نہ تو ہماری کوئی ذاتی خواہشات ہوں اور نہ ہم علم کے بغیر کوئی بات کریں، کچھ حق کو تسلیم کرنے اور کچھ کے انکار سے تفرقہ اور اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ ❺

ز:...... شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا۔'' عمار بن یاسر کو جنگ صفین میں معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب نے قتل کیا تھا۔ اس بنا پر اگرچہ وہ لوگ بغاوت کرنے والے تھے مگر تھے اجتہاد کرنے والے، انہوں نے یہ سمجھا کہ ہماری طرف سے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرنا صائب ہے۔ ❻

ح:...... سعید حوا لکھتے ہیں: عمار کو قتل کیے جانے کے بعد۔۔جس کے بارے میں نصوص وارد ہیں کہ انھیں

❶ البداية و النهاية: ۷/ ۲۷۷.
❷ سير اعلام النبلاء: ۸/ ۲۰۹.
❸ احكام القرآن: ٤/ ۱۷۱۷.
❹ مجموع الفتاوى: ٤/ ٤٣٧.
❺ ايضا: ٤/ ٤٤٩-٤٥٠.
❻ فتاوى و مقالات متنوعة: ٦/ ٨٧.

تلواروں کے سامنے لے کر آیا۔'' بہت دور کی تاویل ہے اس لیے کہ اگر یہ بات ہو تو جہاد فی سبیل اللہ کے دوران جام شہادت نوش کرنے والوں کا قاتل لشکر کا کمانڈر قرار پائے گا اس لیے کہ دشمن کی تلواروں کے سامنے انہیں وہ لے کر آیا۔ ❶

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جہاں تک مجھے معلوم ہے ائمہ اربعہ کے پیروکاروں اور ان جیسے دیگر اہل سنت میں سے یہ کسی کا بھی قول نہیں ہے، یہ بہت سارے مروانی اور ان کے ہم نوا لوگوں کا قول ہے۔'' ❷

ابن قیم اس تاویل کی تعلیق میں فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے لیے اس ارشاد کہ ''تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔'' ❸ تو اہل شام نے اس کی جو یہ تاویل کی کہ ''اسے ہم نے قتل نہیں کیا بلکہ اس کے قاتل وہ ہیں جنہوں نے اسے لا کر ہمارے نیزوں کے سامنے پھینک دیا۔'' تو ان کی یہ تاویل سراسر باطل ہے جو اس لفظ کے ظاہر کے بھی خلاف ہے اور اس کی حقیقت کے بھی، عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل وہی ہے جس نے انہیں قتل کیا نہ کہ وہ جو اُن سے مدد کا خواستگار ہوا۔ ❹

٦۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا قاتل کون ہے؟

ابو العادیہ جہنی اپنی طرف سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس نے جنگ صفین کے موقع پر دونوں گروہوں کی صفوں کے درمیان ایک آدمی کی سرین پر نیزہ مارا تو وہ لڑکھڑا کر گر پڑا اور اس کے سر سے خود گر گئی پھر میں نے اس پر تلوار کا وار کیا تو پتا چلا کہ یہ تو عمار کا سر ہے پھر اسے قتل کر ڈالا۔ جہنی نے پانی مانگا تو اسے شیشے کے برتن میں پانی دیا گیا مگر اس نے اس برتن میں پانی پینے سے انکار کر دیا پھر اسے پیالے میں پانی ڈال کر دیا گیا تو اس نے پی لیا۔ یہ منظر دیکھ کر ایک آدمی نے کہا:...... اسے دیکھو کہ یہ شیشے کے برتن میں تو پانی پینے سے پرہیز کرتا ہے مگر اس نے عمار کو قتل کرنے سے پرہیز نہیں کیا۔ ❺

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے: عمار کا قاتل اور ان کے جسم سے ہتھیار اتارنے والا جہنمی ہے۔'' ❻

ابن کثیر فرماتے ہیں: ''یہ بات سبھی کے علم میں ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما صفین کے دن علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اور انہیں اہل شام سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے قتل کیا ان کے قاتل کا نام ابو الغادیہ تھا، ایک (شاذ) قول کی رو سے وہ صحابی تھا۔'' ❼

ابن حجر فرماتے ہیں: ''ان جنگوں میں شریک صحابہ کرام کے بارے میں یہ گمان رکھنا چاہیے کہ وہ تاویل کنندہ تھے اور غلطی کرنے والے مجتہد کے لیے اکہرا اجر ہے۔ جب یہ اصول عام لوگوں کے لیے ثابت ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بطریق اولیٰ ثابت ہے۔'' ❽

---

❶ البدایة و النهایة: ٦/ ٢٢١ .
❷ منهاج السنة: ٤/ ٤٠٦ .
❸ مسلم، رقم: ٢٩١٦ .
❹ الصواعق المرسلة: ١/ ١٨٤ ، ١٨٥ .
❺ الطبقات الكبرى: ٣/ ٢٦٠ ، ٢٦١ .
❻ السلسلة الصحيحة: ٥/ ١٨ ، ١٩ .
❼ البدایة و النهایة: ٦/ ٢٢٠ .
❽ الاصابة: ٧/ ٢٦٠ .

تلواروں کے سامنے لے کر آیا۔'' بہت دور کی تاویل ہے اس لیے کہ اگر یہ بات ہو تو جہاد فی سبیل اللہ کے دوران جام شہادت نوش کرنے والوں کا قاتل لشکر کا کمانڈر قرار پائے گا اس لیے کہ دشمن کی تلواروں کے سامنے انہیں وہ لے کر آیا۔ ❶

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جہاں تک مجھے معلوم ہے ائمہ اربعہ کے پیروکاروں اور ان جیسے دیگر اہل سنت میں سے یہ کسی کا بھی قول نہیں ہے، یہ بہت سارے مروانی اور ان کے ہم نوا لوگوں کا قول ہے۔'' ❷

ابن قیم اس تاویل کی تعلیق میں فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے لیے اس ارشاد کہ ''تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔'' ❸ تو اہل شام نے اس کی جو یہ تاویل کی کہ ''اسے ہم نے قتل نہیں کیا بلکہ اس کے قاتل وہ ہیں جنھوں نے اسے لا کر ہمارے نیزوں کے سامنے پھینک دیا۔'' تو ان کی یہ تاویل سراسر باطل ہے جو اس لفظ کے ظاہر کے بھی خلاف ہے اور اس کی حقیقت کے بھی، عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل وہی ہے جس نے انہیں قتل کیا نہ کہ وہ جو ان سے مدد کا خواستگار ہوا۔ ❹

٦۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا قاتل کون ہے؟

ابو العادیہ جہنی اپنی طرف سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس نے جنگ صفین کے موقع پر دونوں گروہوں کی صفوں کے درمیان ایک آدمی کی سرین پر نیزہ مارا تو وہ لڑکھڑا کر گر پڑا اور اس کے سر سے خود گر گئی پھر میں نے اس پر تلوار کا وار کیا تو پتا چلا کہ یہ تو عمار کا سر ہے پھر اسے قتل کر ڈالا۔ جہنی نے پانی مانگا تو اسے شیشے کے برتن میں پانی دیا گیا مگر اس نے اس برتن میں پانی پینے سے انکار کر دیا پھر اسے پیالے میں پانی ڈال کر دیا گیا تو اس نے پی لیا۔ یہ منظر دیکھ کر ایک آدمی نے کہا: ...... اسے دیکھو کہ یہ شیشے کے برتن میں تو پانی پینے سے پرہیز کرتا ہے مگر اس نے عمار کو قتل کرنے سے پرہیز نہیں کیا۔ ❺

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے: عمار کا قاتل اور ان کے جسم سے ہتھیار اتارنے والا جہنمی ہے۔'' ❻

ابن کثیر فرماتے ہیں: ''یہ بات سبھی کے علم میں ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما صفین کے دن علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اور انہیں اہل شام سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے قتل کیا ان کے قاتل کا نام ابو الغادیہ تھا، ایک (شاذ) قول کی رو سے وہ صحابی تھا۔'' ❼

ابن حجر فرماتے ہیں: ''ان جنگوں میں شریک صحابہ کرام کے بارے میں یہ گمان رکھنا چاہیے کہ وہ تاویل کنندہ تھے اور غلطی کرنے والے مجتہد کے لیے اکہرا اجر ہے۔ جب یہ اصول عام لوگوں کے لیے ثابت ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بطریق اولیٰ ثابت ہے۔'' ❽

---

❶ البداية و النهاية: ٦/ ٢٢١.
❷ منهاج السنة: ٤/ ٤٠٦.
❸ مسلم، رقم: ٢٩١٦.
❹ الصواعق المرسلة: ١/ ١٨٤، ١٨٥.
❺ الطبقات الكبرى: ٣/ ٢٦٠، ٢٦١.
❻ السلسلة الصحيحة: ٥/ ١٨، ١٩.
❼ البداية و النهاية: ٦/ ٢٢٠.
❽ الاصابة: ٧/ ٢٦٠.

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رافضیوں کے نزدیک ابن ملجم آخرت میں ساری مخلوق سے زیادہ بدنصیب ہو گا۔ جبکہ اہل سنت اس کے لیے جہنم کی امید کرتے اور اسی امر کو جائز بتاتے ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو اس سے درگزر کر سکتا ہے۔ اس حوالے سے ان کا عقیدہ خوارج اور رافضیوں جیسا نہیں ہے اور اس کا حکم عثمان رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ، خارجہ رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں والا ہے۔ ہم ان سب سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ کے لیے ان سے بغض رکھتے ہیں ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔'' [1]

ابن حجر رحمہ اللہ کے اس قول کے بارے میں شیخ البانی فرماتے ہیں: ''ان کا یہ قول مبنی برحق ہے مگر امت کے ہر فرد پر اس کا اطلاق مشکل ہے، اس لیے کہ اس طرح قاعدہ مذکورہ اس حدیث کے مناقض ہوگا: ''عمار کا قاتل اور ان کے جسم سے ساز و سامان اتارنے والا جہنمی ہے۔'' [2]

اس لیے کہ یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ عمار کے قاتل ابوغادیہ کو اجر و ثواب سے نوازا جائے گا، کیونکہ اس نے عمار رضی اللہ عنہ کو اجتہاد کرتے ہوئے قتل کیا تھا اور یہ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''عمار کا قاتل جہنمی ہے۔'' [3]
دریں حالات یہ کہنا صائب ہوگا کہ یہ قاعدہ صحیح ہے الا یہ کہ کوئی قطعی دلیل اس کے خلاف پر دلالت کرے تو وہ صورت اس سے مستثنیٰ ہوگی جیسا کہ اس جگہ ہے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ اس قاعدہ کی رو سے صحیح حدیث کو مسترد کر دیا جائے۔ [4]

ابوالغادیہ جہنی کے حالاتِ زندگی میں ابن عبدالبر فرماتے ہیں: اس کے نام میں اختلاف ہے، ایک قول کی رو سے اس کا نام یسار بن سعید ہے، دوسرے قول کی رو سے یسار بن ازہر اور تیسرے قول کی رو سے اس کا نام اسلم ہے، وہ شام میں سکونت پذیر تھا، واسط میں بھی رہائش پذیر رہا، اس نے بچپن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا، اس سے اسی کا یہ قول مروی ہے کہ میں نے بچپن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ فرمان سنا تھا: ((لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ)) [5] ''میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔'' یہ شخص عثمان رضی اللہ عنہ کا محبّ تھا اور وہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا قاتل ہے، وہ ان کے قتل کا واقعہ بے دھڑک بیان کیا کرتا تھا، اہل علم کے نزدیک اس کا یہ واقعہ بڑا تعجب خیز ہے۔ [6]

۷۔ دورانِ جنگ طرفین کا قابل قدر رویہ:

جنگ صفین مسلمانوں میں ایک عجیب و غریب واقعہ کی حیثیت رکھتی ہے، یہ واقعہ اس حد تک انوکھا ہے کہ اس کا قاری جو کچھ پڑھتا ہے اس کی تصدیق نہیں کر سکتا اور طرفین کے رویے کے سامنے سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ ہر فریق جنگ کے دوران اپنے موقف کی صحت پر مکمل یقین رکھتے ہوئے تلوار لہرائے کھڑا ہے، یہ معرکہ ایسا نہیں تھا جسے قیادت کی طرف سے لشکر پر مسلط کر دیا گیا ہو اور وہ اس سے کسی حد تک بھی مطمئن نہ ہو، بلکہ یہ اپنے اسباب،

---

[1] تاریخ الاسلام، عهد الخلفاء الراشدین، ص: ٦٥٤.
[2] السلسلة الصحيحة: ٥/ ١٨، ١٩. [3] ایضا: ٥/ ١٨، ١٩. [4] السلسلة الصحيحة: ٥/ ١٩.
[5] مسند احمد: ٤/ ٧٦۔ اس کی سند حسن ہے۔ [6] الاستيعاب، رقم: ٣٠٨٩.

طریقہ کار اور نتائج کے اعتبار سے بڑا انوکھا اور یکتا معرکہ تھا، اس میں شریک ہونے والے دینی اعتبار سے ایک دوسرے کے بھائی تھے، وہ پانی کے گھاٹ پر ایک ساتھ جاتے اور سب مل کر پانی پیتے اور اگر اسی دوران رش زیادہ ہو جاتا تو وہ پھر بھی ایک ساتھ پانی پیتے اور ایک دوسرے کو کوئی تکلیف نہ دیتے [1] اور پھر جب جنگ کا سلسلہ موقوف کر دیا جاتا تو وہ بھائیوں کی طرح ایک ساتھ رہتے سہتے۔ اس جنگ میں شریک ایک شخص کا بیان ہے: جب ہم لڑائی موقوف کر دیتے تو ایک دوسرے کے کیمپ میں چلے جاتے اور باہم باتیں کرتے [2] اور وہ سب ایک ہی قبیلہ کے لوگ تھے اور ہر ایک کا اپنا اپنا اجتہاد تھا، ایک ہی قبیلہ کے لوگ طرفین میں منقسم ہو کر تباہ کن لڑائی کرتے، ان میں سے ہر شخص اپنے آپ کو حق پر خیال کرتا اور اپنے اندر اس کے لیے لڑنے کی پوری پوری استعداد رکھتا۔ دو آدمی باہم لڑتے رہتے یہی پھر جب لڑتے لڑتے تھک جاتے تو تھوڑی دیر بیٹھ کر آرام کر لیتے اور اسی دوران جی بھر کر باتیں بھی کر لیتے اور پھر دوبارہ اٹھ کر لڑنا شروع کر دیتے۔ [3]

حالانکہ وہ ایک ہی دین کے پیروکار تھے اور وہ انہیں اپنی جانوں سے کہیں بڑھ کر محبوب تھا، پھر جب نماز کا وقت ہوتا تو وہ اس کی ادائیگی کے لیے جنگ کو موقوف کر دیتے۔ [4] عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ دونوں طرف کے لوگوں نے ادا کی۔ [5] اس جنگ میں شریک ہونے والے ایک دوسرے شخص کا بیان ہے کہ ہم صفین میں خیمہ زن ہوئے تو کئی دن لڑتے رہے جس کے نتیجہ میں بہت سارے لوگ مارے گئے، اس پر علی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ مقتولین کو دفن کر لیں تو انہوں نے ان کی اس بات کو تسلیم کر لیا، اور پھر انہوں نے باہم گھل مل کر لاشوں کی تجہیز و تکفین اور تدفین کا فریضہ سرانجام دیا۔

اسی دوران وہ برائی سے اجتناب کی بھی سختی سے تاکید کرتے رہے۔ صفین کے مقام پر اہل عراق اور اہل شام سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں پر مشتمل ایک جماعت بھی موجود تھی جو قراء کے لقب سے مشہور تھی، وہ نہ تو علی رضی اللہ عنہ بن ابوطالب کے ساتھ تھے اور نہ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہی۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ہم نکلیں گے تو تمہارے ساتھ مگر تمہارے لشکر میں شامل نہیں ہوں گے۔ ہم الگ رہ کر تمہارے اور اہل شام کے معاملات کا جائزہ لیتے رہیں گے۔ اگر فریقین میں سے کسی نے کوئی ناجائز کام کیا یا اس سے کسی زیادتی کا صدور ہوا تو ہم اس کے خلاف جائیں گے، جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوشی کا اظہار کیا۔ یہ دینی سوجھ بوجھ اور دانست کے علم کا نتیجہ ہے اور اسے پسند نہ کرنے والا ظالم اور خائن ہے۔ [6]

---

1. تاریخ طبری: ٥/ ٦١٠۔ سیر اعلام النبلاء: ٢/ ٤١۔ مرویات ابی مخنف، ص: ٣٩٦.
2. البدایة و النهایة: ٧/ ٢٧٠۔ دراسات فی عهد النبوة، ص: ٤٢٣.
3. تاریخ طبری نقلا عن دراسات فی عهد النبوة، ص: ٤٢٤.
4. تاریخ طبری نقلا عن دراسات فی عهد النبوة، ص: ٤٢٤.
5. تاریخ دمشق: ٨/ ٢٣٣۔ دراسات فی عهد النبوة، ص: ٤٢٤.
6. صفین، ص: ١١٥۔ دراسات فی عهد النبوة، ص: ٤٢٤.

۸۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک:

جنگ صفین کے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک پر مبنی رویہ فریقین کے نزدیک ایک بدیہی امر تھا۔ اسلام نے قیدیوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے معاملہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کی عزت کرنے اور گنجائش کے مطابق انہیں اچھے طریقے سے اچھا کھانا کھلانے کی ترغیب دی ہے، یہ کریمانہ رویہ تو غیر مسلم قیدیوں کے ساتھ مطلوب ہے اور اگر وہ مسلمان ہوں تو یقیناً ان کا اکرام کرنا اور ان کے ساتھ احسان کرنا بطریق اولیٰ ہوگا۔ مگر چونکہ اس جنگ میں قیدی کو اپنی جماعت کی قوت کے طور سے دیکھا جاتا تھا۔ [1] لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے اسے قید میں رکھا جاتا اگر وہ آپ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لیتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا اور اگر اس سے انکار کرتا تو اس سے اس کا اسلحہ اور سواری لے لی جاتی، اور یہ چیزیں اسے قیدی بنانے والے کو دے دی جاتیں اور اس سے یہ حلف لیا جاتا کہ وہ آئندہ ہمارے خلاف جنگ نہیں کرے گا، ایک روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اسے چار درہم عطا فرماتے۔ [2] خلیفہ راشد کا مقصد اس سے بالکل واضح تھا اور وہ تھا باغی گروہ کے پلڑے کو کمزور کرنا۔ جنگ صفین کے موقع پر ایک قیدی کو لایا گیا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: مجھے باندھ کر قتل نہ کرنا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تجھے اس طرح قتل نہیں کروں گا، مجھے اللہ رب العالمین سے خوف آتا ہے۔ پھر آپ نے اسے رہا کرتے ہوئے فرمایا: کیا تجھ سے کسی خیر کی امید کی جا سکتی ہے۔ [3] مذکورہ صدر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جنگی قیدیوں کے ساتھ معاملہ اس طرح سے تھا:

- قیدی کی عزت کرنا اور اس پر احسان کرنا۔
- اسے بیعت کرنے اور اطاعت امیر کے دائرہ میں داخل ہونے کی دعوت دینا اور یہ دعوت قبول کرنے کی صورت میں اسے چھوڑ دینا۔
- بیعت سے انکار کی صورت میں اس کے ہتھیاروں پر قبضہ کر لینا اور آئندہ جنگ نہ کرنے کے حلف پر اسے آزاد کر دینا۔
- اور اگر وہ جنگ کرنے پر مصر رہے تو دوران قید اس کی نگہداشت کرنا اور اسے باندھ کر قتل نہ کرنا۔ [4]

ایک دفعہ علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پندرہ قیدی پیش کیے گئے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ وہ زخمی تھے۔ اگر ان میں سے کوئی مر جاتا تو آپ اسے غسل دیتے، کفن پہناتے اور اس کی نماز جنازہ پڑھتے۔ [5]

محب الدین خطیب اس جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس کے باوجود یہ شامی جنگ انسانی تاریخ

---

[1] قتال اهل البغی من الحاوی الکبیر، ص: ۱۳۳-۱۳۴.

[2] خلافة علی بن ابو طالب، عبدالحمید، ص: ۲۴۳.

[3] کتاب الام از امام شافعی: ۴/ ۲۲۴، ۲۵۶.

[4] خلافة علی بن ابو طالب، عبدالحمید، ص: ۲۴۳.

[5] تاریخ دمشق، تحقیق المنجد: ۱/ ۳۳۱۔ خلافة علی بن ابو طالب، ص: ۲۴۳.

کی وہ پہلی جنگ ہے جس میں دونوں متحارب گروہوں نے ان اعلیٰ اخلاقی قدروں کی پاس داری کی جن پر عمل درآمد کرنے کے لیے مغربی دانشور متمنی رہے ہیں چاہے ایسا اکیسویں صدی میں ہی ہو پائے۔ اسلام میں بیشتر جنگی قوانین کی تدوین اسی جنگ کی وجہ سے ہی ممکن ہو سکی اور اللہ کا ہر امر مبنی بر حکمت ہوا کرتا ہے۔ [1] ابن عدیم فرماتے ہیں: یہ باغیوں کے لیے احکامات ہیں۔ اس لیے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ رویہ ہمارے سامنے نہ آتا تو کسی کو مسلمانوں کی جنگوں میں سیرت و کردار کا علم نہ ہوتا۔ [2]

۹۔ جنگ صفین میں مقتولین کی تعداد:

اس جنگ میں مقتولین کی تعداد کے بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں، ابن ابی خیثمہ ذکر کرتے ہیں ان کی تعداد ستر ہزار تھی، ان میں پچیس ہزار اہل عراق سے اور پینتالیس ہزار شام سے تھے۔ [3] جبکہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی تعداد ستر ہزار یا اس سے بھی زائد تھی۔ [4] ہمارے نزدیک یہ شماریات غیر حقیقی بلکہ محض خیالی ہیں۔ اس لیے کہ حقیقی اور عام جنگ محض تین دن جاری رہی اور اسی دوران بھی جمعہ کی رات کے علاوہ رات کے وقت اسے موقوف کر دیا جاتا، اس اعتبار سے جنگ کا دورانیہ صرف تیس گھنٹے تھا۔ [5] یہ جنگ جس قدر بھی شدید تھی جنگ قادسیہ سے زیادہ شدید نہ تھی جس میں شہداء کی کل تعداد ساڑھے آٹھ ہزار سے زائد نہیں تھی۔ [6] علاوہ ازیں مقتولین کی اس بھاری تعداد پر مشتمل روایات کو عقل بھی قبول کرنے سے قاصر ہے۔

۱۰۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مقتولین کی خبر گیری اور ان کے بارے میں جذبہ رحم:

امیر المومنین علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ جنگی کارروائیوں کے اختتام پر مقتولین کی خبر گیری کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے، ایک چشم دید گواہ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہباء خچر پر سوار مقتولین کے درمیان گھوم رہے ہیں، [7] اس دوران اشتر بھی آپ کے ساتھ تھا، آپ کا گزر ایک ایسے مقتول پر ہوا جس کا شمار شام کے مشہور قاضیوں اور عبادت گزاروں میں ہوتا تھا، اسے دیکھ کر اشتر یا عدی بن حاتم کہنے لگا: امیر المومنین: کیا حابس [8] بھی ان کے ساتھ مارا گیا؟ اللہ کی قسم! اس کے بارے میں میرا تجربہ یہ ہے کہ یہ شخص مومن تھا۔ یہ سن کر علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: آج یہ واقعی مومن ہے۔ غالباً یہ مقتول شخص وہی قاضی تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: امیر المومنین! میں نے ایک پریشان کن خواب دیکھا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کون سا خواب؟ وہ کہنے لگا: میں نے خواب میں دیکھا کہ سورج اور چاند باہم لڑ رہے ہیں اور آدھے ستارے سورج کے ساتھ ہیں اور آدھے

---

[1] العواصم من القواصم، ص: ۱۶۸-۱۶۹۔

[2] بغیة الطالب فی تاریخ حلب: ۱/ ۳۰۹۔ خلافة علی، ص: ۲۴۵۔

[3] الانباء للقضاعی، ص: ۵۹ نقلاً عن خلافة علی رضی اللہ عنہ، ص: ۲۴۵۔

[4] الصواعق المرسلة: ۱/ ۳۷۷، بدون سند، تحقیق محمد دخیل اللہ۔

[5] الدولة الامویة، ص: ۳۶۰-۳۶۲۔

[6] تاریخ طبری: ۴/ ۳۸۸۔

[7] مصنف ابن ابی شیبه۔

[8] حابس بن سعد طائی، مخضرم، مقتول صفین۔

چاند کے ساتھ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: تو کس کے ساتھ تھا؟ اس نے کہا: میں چاند کے ساتھ تھا۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ جَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً﴾ (الاسراء: ۱۲) ''اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا، پھر ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا۔'' تو یہاں سے چلا جا اور آئندہ کے لیے میرا کوئی کام نہ کرنا۔ راوی کہتا ہے: مجھے یہ خبر ملی ہے کہ یہ شخص معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ساتھ شامل ہو کر جنگ صفین میں مارا گیا۔ [1] علی رضی اللہ عنہ اپنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے مقتولوں کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگے: اللہ تعالیٰ تم سب کی مغفرت فرمائے، اللہ تم سب کی مغفرت فرمائے۔ [2]

یزید بن اصم کہتے ہیں: فریقین میں صلح طے پا جانے کے بعد علی رضی اللہ عنہ اپنے مقتولین کے پاس آئے اور کہنے لگے: یہ سب لوگ جنتی ہیں، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقتولین کے پاس جا کر کہنے لگے: یہ بھی جنتی ہیں؛ یہ ذمہ داری مجھ پر اور معاویہ رضی اللہ عنہ پر عائد ہوتی ہے۔ [3] علی رضی اللہ عنہ ان مقتولین کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: یہ سب مومن ہیں۔ [4] آپ جنگ جمل میں کام آنے والوں کے بارے میں بھی یہی کچھ فرمایا کرتے تھے۔ [5]

۱۱۔ شاہ روم کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شاہ روم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر تصرف بعض اراضی پر قبضہ کرنے کا پروگرام بنایا اور اس کے لیے وہ ایک بڑا لشکر لے کر بعض بلاد اسلامیہ کے قریب آن پہنچا۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس کے نام یہ خط لکھا: اے ملعون! اللہ کی قسم! اگر تو اپنے اس پروگرام سے باز نہ آیا اور یہاں سے واپس نہ گیا تو میں اور میرے عم زاد مل کر تجھے تیرے تمام شہروں سے نکال باہر کریں گے اور زمین کو اس کی وسعت کے باوجود تجھ پر تنگ کر دیں گے، شاہ روم نے جب یہ خط پڑھا تو وہ ان کی ہیبت سے ڈر کر واپس ہٹ گیا اور پھر ان کے ساتھ صلح کی درخواست کرنے لگا۔ [6] یہ اثر اس بات پر دلالت کرتا ہے اگر شام میں دولتِ اسلامیہ کا امن خطرات سے دوچار ہوتا ہے تو معاویہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کا اختلاف لمحہ بھر کے لیے بھی نہیں رہتا اور اگر رومیوں کو اس بات کا علم نہ ہوتا کہ ان کے مخالفین کے یہ اختلافات نسیانِ مطلق کے قابل ہیں، تو وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس دھمکی کو سنجیدگی سے نہ لیتے اور نہ وہ آگے بڑھنے سے ہی باز آتے۔ [7]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۱/ ۷۴، منقطع سند کے ساتھ۔
[2] خلافة علی بن ابو طالب، ص ۲۵۰.
[3] مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۵/ ۳۰۳۔ حسن سند کے ساتھ۔
[4] تاریخ دمشق: ۱/ ۳۲۹-۳۳۱۔ خلافة علی رضی اللہ عنہ، ص: ۲۵۱.
[5] خلافة علی بن ابی طالب، عبدالحمید، ص: ۲۵۱، تنزیہ لخال المومنین، ص: ۱۶۹.
[6] البدایة و النهایة: ۱۸/ ۱۲۲.
[7] الدور السیاسی لصفوة فی صدر الاسلام، ص: ۲۲۱.

۱۲۔ جنگ صفین کے حوالہ سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک بے سروپا واقعہ:

نصر بن مزاحم کہتا ہے: اہل عراق نے حملہ کیا تو اہل شام ان کے مقابلہ پر آئے اور بڑی دلجمعی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا تو ان کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ آن کھڑے ہوئے اور انہیں نیزہ مار کر گرا لیا جس سے ان کی شرم گاہ ننگی ہوگئی جس پر علی رضی اللہ عنہ واپس لوٹ گئے۔ لوگ کہنے لگے: امیر المومنین! آپ نے اسے ایسے ہی چھوڑ دیا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ وہ آدمی کون ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی شرم گاہ کھل گئی تو میں نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ [1] اس واقعہ کو ابن الکلبی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ جیسا کہ سہیلی نے روض الانف میں اس کا ذکر کیا ہے۔ [2]

مگر یہ واقعہ محض کذب وافتراء اور سراسر تہمت ہے۔ اس کی تردید مندرجہ ذیل حقائق سے ہوتی ہے:

پہلی روایت کا راوی نصر بن مزاحم کوفی ہے جو کہ بڑا متعصب رافضی ہے۔ یہ ایک کذاب راوی ہے اور صحابہ کرام پر افتراء پردازی اس کا مشغلہ رہا ہے، اس کے بارے میں ذہبی فرماتے ہیں: نصر بن مزاحم کوئی متعصب رافضی ہے اور اس کی روایت کو قبول نہیں کیا جاتا۔ ابوخیثمہ نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔ [3] ابن حجر نے اس کے بارے میں عجلی کا یہ قول نقل کیا: وہ غالی قسم کا رافضی تھا...... وہ نہ تو ثقہ ہے اور نہ قابل اعتماد ہی۔ [4]

جہاں تک کلبی کا تعلق ہے، تو اس کے غالی رافضی ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے کون اخذ و بیان کرتا ہے؟ میرا نہیں خیال کہ کوئی ایک شخص بھی اس سے بیان کرتا ہو۔ جبکہ دارقطنی نے اسے متروک قرار دیا ہے۔ [5] ان دونوں رافضیوں کی سند سے یہ قصہ جگہ جگہ پھیل گیا اور ان کے بعد کے شیعہ اور بعض سنی مورخین نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ [6] ہم اس قصہ کو رافضیوں کے اکاذیب اور اصحاب پیغمبر پر افتراءات کے نمونوں میں شمار کرتے ہیں۔ رافضی مؤرخین میں سے دشمنان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود تراشیدہ بے شمار نقائص و عیوب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کر دیئے اور پھر انہیں حکایات و واقعات کا رنگ دے دیا تاکہ انہیں مسلمانوں میں آسانی سے پھیلایا جا سکے۔ جس سے مقصود ان عظیم ہستیوں کی سیرت کو داغ دار کرنا اور ان کے مقام و مرتبہ کو گھٹانا تھا، جبکہ اہل سنت غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ جب وہ بہت بعد میں تاریخ اسلامی کی روایات کی تحقیق کے میدان میں اترے تو اس وقت تک ان خرافات و روایات کو قصہ گو لوگوں میں بڑی پذیرائی مل چکی تھی اور ان میں سے زیادہ تر کو اہل سنت کے مورخین کے نزدیک مسلمات کی حیثیت دی جا چکی تھی۔ [7]

---

[1] واقعة صفين، ص: ٤٠٦-٤٠٨۔ قصص لا تثبت از سليمان خراشي: ٦/ ١٦.

[2] الروض الانف: ٥/ ٤٦٢۔ قصص لا تثبت: ٦/ ١٩.

[3] ميزان الاعتدال: ٤/ ٢٥٣، ٢٥٤. [4] لسان الميزان: ٦/ ١٥٧.

[5] المجروحين لابن حبان: ٣/ ٩١۔ تذكرة الحفاظ: ١/ ٣٤٣۔ معجم الادباء: ١٩/ ٢٨٧۔ قصص لا تثبت: ١/ ١٨.

[6] قصص لا تثبت: ١/ ٢٠. [7] ايضا: ١/ ١٠.

۱۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صفین سے واپسی کے بعد قبروں کے پاس سے گزرنا:

جب امیر المومنین صفین سے واپس لوٹتے وقت قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: وحشت ناک اور غیر آباد گھروں کے رہنے والو! تم پر سلام ہو جو اہل ایمان اور اہل اسلام مردوں اور عورتوں میں سے ہیں۔ تم ہم سے بہت پہلے چلے آئے جبکہ ہم تمہارے پیچھے آنے والے اور عنقریب تمہیں ملنے والے ہیں، یا اللہ! ہمیں بھی معاف فرما اور انہیں بھی معاف فرما، اور اپنے لطف و کرم سے ہم سے بھی درگزر فرما اور ان سے بھی درگزر فرما۔ سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی بنایا، سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تمہیں پیدا کیا، وہ زمین پر ہی تمہیں اکٹھا کرے گا اور اسی میں سے تمہیں اٹھائے گا، اس شخص کو مبارک ہو جس نے آخرت کو یاد کیا، حساب کے لیے تیاری کی اور قناعت سے نوازا گیا۔ [1]

۱۴۔ جنگ جاری رکھنے پر قاتلین عثمان کا اصرار:

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ اس بات کے شدت کے ساتھ خواہش مند تھے کہ یہ جنگ جاری رہے یہاں تک کہ دونوں طرف کے لوگ ختم ہو جائیں اور ان کی طاقت کمزور پڑ جائے اور اس طرح وہ قصاص اور سزا سے بچ جائیں۔ جب انہوں نے اہل شام کو نیزوں پر قرآن بلند کر کے آگے بڑھتے اور علی رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف سے صلح کی پیش کش کو قبول کرتے ہوئے مسلمانوں کے خون بچانے کے لیے جنگ بند کرنے پر آمادہ دیکھا تو انہوں نے انہیں اس سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی مگر جب وہ اس میں ناکام ہوئے تو "الحکم للّٰہ" کا نعرہ لگا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کر دی اور پھر طرفین سے الگ ہو کر بیٹھ گئے، مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے مؤرخین نے اس مرحلہ پر ان کے کردار کو اپنی توجہ کا مرکز نہ بنایا، حالانکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے، نہ تو انہوں نے ان مذاکرات کی ناکامی کے پس پردہ امور کی نشاندہی کی جو کئی مہینوں تک جاری رہے اور نہ اس کردار کی پردہ دری کی جو جنگ صفین میں شامل ہونے والے ان حامیان علی رضی اللہ عنہ نے ادا کیا تاکہ طرفین میں جاری صلح کی کوششوں کو ناکام بنا دیا جائے۔ اس لیے کہ اگر علی رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح ہو جاتی تو ان کی جانیں بچ نہ پاتیں، یہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں ہے کہ جن مؤرخین نے جنگ جمل کے فتنہ کے اسباب کی کھوج لگانے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر ڈالیں وہ معرکہ صفین میں ایسا کرنے سے کیوں قاصر رہے۔ [2]

۱۵۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کرنے اور اہل شام کو لعن طعن کرنے سے منع کرتے:

مروی ہے کہ جب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ ان کے دو ساتھی معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کرتے اور اہل شام کو لعن طعن کرتے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ وہ دونوں آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: امیر المومنین! کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، مجھے

[1] البیان و الیقین از جاحظ: ۳/ ۱۴۸ ۔ فرائد الکلام للخلفاء الکرام۔ ص: ۳۲۷.

[2] أحداث و أحادیث فتنة الهرج، ص: ۱۴۷.

رب کعبہ کی قسم! وہ گویا ہوئے: تو پھر آپ ہمیں ایسا کرنے سے کیوں روکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ تم لعن طعن کرنے والے بن جاؤ۔ تم یہ دعا کیا کرو: اے اللہ! ہمارے اور ان کے خون محفوظ فرما، ہمارے معاملات کی اصلاح کیجیے، اور انہیں گمراہی سے دور لے جائیے۔ ❶

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قنوت میں معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب ورفقاء پر لعنت کیا کرتے اور معاویہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ پر لعنت کیا کرتے تھے تو یہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شارع علیہ السلام کے احکام پر سختی کے ساتھ عمل پیرا تھے اور انہوں نے مسلمانوں کو گالی گلوچ کرنے اور ان پر لعن طعن کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ❷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔'' ❸ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''مومن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا۔'' ❹ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد گرامی ہے: ''لعنتیں کرنے والے قیامت کے دن نہ تو کسی کی شفاعت کر سکیں گے اور نہ کسی کے حق میں گواہی دے سکیں گے۔'' ❺ علاوہ ازیں طرفین کے سرکردہ لوگوں کی ایک دوسرے پر لعنت کرنے کی مذکورہ روایت سند کے اعتبار سے بھی ثابت نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا ایک راوی ابومخنف لوط بن یحییٰ رافضی ہے جس کی روایات قابل اعتماد نہیں ہیں، مزید براں روافض کے نزدیک ان کی صحیح ترین کتابوں میں بھی صحابہ کرام کو گالی گلوچ کرنے سے نہی وارد ہے، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کار کو گالیاں دینے والوں کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا: میں تمہارے لیے اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالیاں دینے والے بن جاؤ، اگر تم اس کی بجائے ان کے اعمال واوصاف کا تذکرہ کرو تو یہ زیادہ بہتر رہے گا، تم انہیں گالی گلوچ کرنے کی بجائے یہ دعا کیا کرو: یا اللہ! ہمارے اور ان کے خون کی حفاظت فرما اور ہمارے آپسی معاملات کی اصلاح فرما۔ ❻ سب وشتم اور تکفیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وطیرہ نہیں تھا، جس کا اعتراف اہل تشیع کی صحیح ترین کتب میں بھی کیا گیا ہے۔ ❼

سادسًا...... تحکیم

جنگ صفین کے اختتام پر فریقین میں تحکیم پر اتفاق ہوا، اس کا طریقہ کار یہ طے پایا کہ فریقین اپنی اپنی طرف سے ایک ایک آدمی کو حکم مقرر کریں گے اور پھر وہ دونوں مسلمانوں کی مصلحت پر مشتمل بالاتفاق کوئی فیصلہ کریں گے اس کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا تقرر کیا اور

---

❶ الاخبار الطوال، ص: ١٦٥ نقلا عن تحقيق مواقف الصحابة فى الفتنة: ٢/ ٢٣٢ .

❷ تحقيق مواقف الصحابة: ٢/ ٢٣٢ .

❸ بخاری، كتاب الادب: ٧/ ٨٤ .

❹ السلسلة الصحيحة، رقم: ٣٢٠۔ صحيح سنن ترمذى: ٢/ ١٨٩ .

❺ مسلم: ٤/ ٢٠٠٦ . ❻ نهج البلاغة، ص: ٣٢٣ .

❼ اصول مذهب الشيعة: ٢/ ٩٣٤ .

اس کے لیے فریقین کے مابین باقاعدہ ایک معاہدہ تحریر کیا گیا جس کی رو سے ان کے نمائندوں کو ماہ رمضان ۳۷ھ میں دومۃ الجندل کے مقام پر اکٹھا ہونا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے بعض لوگوں کی رائے میں ان کا یہ عمل ایسا گناہ تھا جو کہ موجب کفر تھا، لہٰذا انہیں اس سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنا چاہیے، مگر جب آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے اس موقف کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو انہوں نے آپ کے خلاف بغاوت کر دی جس کی وجہ سے انہیں خوارج کے نام سے موسوم کیا گیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا تو انہوں نے ان سے مناظرہ اور جدل و جدال کیا مگر وہ بے سود رہا۔ پھر ان سے بذاتِ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مناظرہ کیا جس کے نتیجہ میں ان سے کچھ لوگ تو واپس لوٹ آئے مگر دوسروں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر ان لوگوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان ایسی تباہ کن جنگیں ہوئیں جن کی وجہ سے ان کا لشکر کمزور پڑ گیا اور ان کے رفقاء کی کمر ٹوٹ گئی، خوارج نے علی رضی اللہ عنہ کا تعاقب جاری رکھا یہاں تک کہ قتل کر ڈالا۔

قضیہ تحکیم تاریخ خلافت راشدہ کا اہم ترین موضوع ہے جس کی وجہ سے اکثر قلم کار سر پکڑ کر بیٹھ گئے جبکہ بعض مؤرخین نے بے بصیرتی سے کام لیتے ہوئے اسے اپنی تالیفات میں درج کر دیا اور اس کے لیے انہوں نے ان ضعیف اور موضوع روایات پر اعتماد کیا جنہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خصوصاً ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی تنقیص و توہین کرنے کے لیے تراشا گیا جن کے بارے ان کا کہنا ہے کہ وہ انتہائی سادہ لوح اور کمزور رائے کے مالک تھے اور یہ کہ وہ بہت جلد لوگوں کی چکنی چپڑی باتوں کے دھوکے میں آ جاتے تھے اور یہ کہ وہ بڑی حد تک عاقبت نااندیش تھے، لہٰذا وہ قضیہ تحکیم میں عمرو بن العاص کی چال میں آ گئے، جبکہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کا یہ کہنا ہے کہ وہ بڑے مکار اور دھوکہ باز قسم کے انسان تھے۔ ناقدین اسلام نے ان اوصاف ذمیمہ سے ان دو عظیم انسانوں کو متصف قرار دیا جنہیں مسلمانوں نے اپنے اندر پائے جانے والے اس بہت بڑے اختلاف کو دور کرنے کے لیے منتخب کیا جس نے ان کی بہت بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، دشمنان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے وضع کردہ ان روایات کو بہت سارے مؤرخین، محققین اور ادباء نے تاریخی حقائق کے طور سے تسلیم کیا اور عوام الناس نے بھی انہیں بلا سوچے سمجھے قبول کر لیا، پھر چونکہ ان روایات کو جذبات بھڑکانے والے دھوکہ دہی اور مکر و فریب کے حامل واقعات کا رنگ دیا گیا تھا جس کی وجہ سے لوگوں نے انہیں بڑی اہمیت دی اور مؤرخین نے انہیں مدوّن کرنے میں بڑی دلچسپی دکھائی۔ آئندہ سطور میں ہم واقعہ تحکیم کی تفصیلات پر گفتگو کریں گے نہ کہ اصل واقعہ پر، اس لیے کہ وہ شک و شبہ سے بالاتر ایک تاریخی حقیقت ہے۔ [1]

خامسًا:...... وثیقہ تحکیم کی نص

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱۔ یہ معاہدہ علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ، ان کے گروہ اور معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما اور ان کے گروہ کے درمیان ہے۔

[1] مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری، ص: ۳۷۸۔ تنزیہ لخال امیر المؤمنین معاویۃ، ص: ۳۸.

انہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق اس معاہدہ کو خوشی سے تسلیم کیا ہے۔

۲۔ علی رضی اللہ عنہ اہل عراق کے ذمہ دار ہوں گے یہاں موجود لوگوں کے بھی اور غیر موجود لوگوں کے بھی جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ اہل شام کے ذمہ دار ہوں گے یہاں موجود لوگوں کے بھی اور غیر موجود لوگوں کے بھی۔

۳۔ قرآن عزیز جو بھی فیصلہ کرے گا ہم اسے صدقِ دل سے تسلیم کریں گے۔

۴۔ علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت نے عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) کو جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کیا ہے۔

۵۔ علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ فیصلہ کے دوران قرآن کو اپنا امام بنائیں گے اور اس سے ہرگز تجاوز نہیں کریں گے اور اگر انہیں قرآن سے راہنمائی نہ ملے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کریں گے۔

۶۔ یہ دونوں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں جو بھی فیصلہ کریں گے وہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہوگا اور انہیں اس سے انحراف کی اجازت نہیں ہوگی۔

۷۔ حَکَمین کی جان، مال، اہل و عیال اور اولاد بالکل محفوظ رہیں گے اور وہ حق سے تجاوز نہیں کریں گے، اس سے کوئی راضی ہو یا ناراض۔

۸۔ اگر فیصلہ کے اعلان سے قبل حَکَمین میں سے کوئی ایک مر جائے تو اس کے اُعوان و اُنصار کو اس کی جگہ کسی دوسرے ایسے شخص کو منتخب کرنے کا حق حاصل ہوگا جس کا شمار اہل عدل و صلاح میں ہوتا ہو۔

۹۔ اگر فیصلہ کے اعلان سے قبل امیرین میں سے کسی ایک امیر کا انتقال ہو جائے تو اس کی جماعت اس کی جگہ کسی دوسرے آدمی کو اپنا امیر مقرر کر سکے گی۔

۱۰۔ اس دوران فریقین میں مذاکرات ہوتے رہیں گے، ہتھیار اٹھانے پر پابندی ہوگی اور امن و امان کو برقرار رکھا جائے گا۔

۱۱۔ اس معاہدہ کی شرائط کا اطلاق امیرین، حکمین اور فریقین پر یکساں ہوگا، اور اگر حکمین اس معاہدہ کی مخالفت کریں یا اپنی حدود سے تجاوز کریں تو امت ان کے فیصلہ سے لاتعلق ہوگی اور وہ ان کے ساتھ کیے گئے عہد و پیمان کی پابند نہیں ہوگی۔

۱۲۔ فیصلہ آنے تک لوگوں کو ان کی جان، مال، اہل و عیال اور اولاد کے حوالے سے امن و امان حاصل ہوگا، اسلحہ رکھ دیا جائے گا، راستے پرامن رہیں گے اور فریقین میں غائب شخص پر بھی وہی حکم لاگو ہوگا جو حاضر پر ہوگا۔

۱۳۔ حکمین شام اور عراق کے درمیان کسی مناسب جگہ پر ملاقات کر سکتے ہیں۔

۱۴۔ ان کے پاس صرف وہی شخص آ سکے گا جسے وہ باہم مشاورت اور رضامندی سے وہاں آنے کی اجازت دیں گے۔

۱۵۔ صلح کی یہ مدت رمضان المبارک کے اختتام تک جاری رہے گی، اگر حکمین اس سے قبل فیصلہ سنانا چاہیں تو

انہیں اس کا حق ہوگا اور اگر وہ مدت کے اختتام تک اسے موخر کرنا چاہیں تو وہ ایسا بھی کر سکتے ہیں۔

۱۶۔ اگر مقررہ مدت میں فیصلہ نہ سنایا گیا تو فریقین کو ازسر نو جنگ شروع کرنے کا اختیار ہوگا۔

۱۷۔ امت اس عہد کی پاس داری کرے گی اور جو کوئی بھی اس معاہدہ کے حوالے سے ظلم والحاد اور خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا۔ اُمت متحدہ قوت کے طور سے اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوگی۔

اس تحریری معاہدہ پر فریقین کے مندرجہ ذیل لوگوں کے دستخط تھے: اہل عراق کے گواہ: حسن بن علی، حسین بن علی، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر بن ابو طالب، اشعث بن قیس کندی، اشتر بن حارث، سعید بن قیس ہمدانی، حصین بن حارث بن عبدالمطلب، طفیل بن حارث بن عبدالمطلب، ابوسعید بن ربیعہ انصاری، عبداللہ بن خباب بن الارت، سہل بن حنیف، ابو بشر بن عمر انصاری، عوف بن حارث بن عبدالمطلب، یزید بن عبداللہ اسلمی، عقبہ بن عامر جہنی، رافع بن خدیج انصاری، عمر بن حمق خزاعی، نعمان بن عجلان انصاری، حجر بن عدی کندی، یزید بن جحیہ بکری، مالک بن کعب ہمدانی، ربیعہ بن شرحبیل، حارث بن مالک، حجر بن یزید اور علبہ بن جحیہ۔

اور اہل شام کے گواہ تھے: حبیب بن مسلمہ فہری، ابوالاعور سلمی، بشر بن ارطاۃ قرشی، معاویہ بن خدیج کندی، مخارق بن حارث زبیدی، مسلم بن عمرو سکسکی، عبداللہ بن خالد بن ولید، حمزہ بن مالک، سبیع بن یزید حضرمی، عبداللہ بن عمرو بن العاص، علقمہ بن یزید حضرمی، یزید بن ابجر عبسی، مسروق بن حبلہ عکی، بسر بن یزید حمیری، عبداللہ بن عامر قرشی، عتبہ بن ابوسفیان، محمد بن ابوسفیان، محمد بن عمرو بن العاص، عمار بن احوص کلبی، مسعدہ بن عمرو عتبی، صباح بن جلہمہ حمیری، عبدالرحمٰن بن ذوالکلاع، ثمامہ بن حوشب اور علقمہ بن حکم۔

یہ معاہدہ سترہ صفر ۳۷ھ کو بدھ کے دن لکھا گیا تھا۔ [1]

سادسًا:...... تحکیم کا مشہور واقعہ اور اس کا بطلان

واقعہ تحکیم کے بارے میں بہت زیادہ گفتگو کی گئی ہے، اسے مورخین اور اصحاب قلم نے ایسی ثابت شدہ حقیقت کے طور پر ہاتھوں ہاتھ لیا جس میں شک وشبہ کا شائبہ تک نہ ہو، اس حوالے سے کسی نے طویل وعریض بحث کی، کسی نے مختصر اور کسی نے اس سے مواعظ وعبر کا استنباط کیا مگر ان میں سے بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے تحقیق کی زحمت گوارا کی ہوگی۔ ابن العربی نے اگرچہ اجمالاً مگر بڑے احسن انداز سے اس کی تردید کی ہے، اس قصہ کے تمام متون نہ صرف یہ کہ علمی نقد کے معیار پر پورے نہیں اترتے بلکہ وہ سارے کے سارے متعدد وجوہ سے سراسر باطل ہیں۔

۱۔ اس قصہ کی تمام اسناد ضعیف ہیں، اس کی سب سے قوی سند وہ ہے جسے عبدالرزاق اور طبری نے زہری سے مرسل طور پر ایسی سند سے نکالا جس کے راوی ثقہ ہیں۔ اس میں زہری کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ اہل شام نے مصاحف کو کھولا اور عراقیوں کو ان کا فیصلہ قبول کرنے کی دعوت دی، جس سے اہل عراق خوف زدہ ہو گئے اور

[1] ملاحظہ ہو: الوثائق السیاسیة، ص: ۵۳۷، ۵۳۸۔ الاخبار الطوال للدینوری، ص: ۱۹۶-۱۹۹۔

انہوں نے دو حاکموں کا فیصلہ قبول کرنے پر آمادگی کا اظہار کر دیا، چنانچہ اہل عراق نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اور اہل شام نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم منتخب کر لیا، پھر انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ دومۃ الجندل کے مقام پر جمع ہوں گے اور اگر اس سال ایسا نہ ہوسکا تو وہ آئندہ سال اذرح کے مقام پر اکٹھے ہوں گے، پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ واپس لوٹے تو حروریہ نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے ان سے بغاوت کر دی اور پھر ان سے جنگ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور "لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ" کا نعرہ لگا دیا ...... الخ [1] مگر یہ روایت مرسل ہے اس لیے کہ زہری موقع پر موجود نہیں تھے، اور جیسا کہ علماء نے قرار دیا ہے اس کی مرسل روایات کو دلیل کے طور سے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ [2]

اس واقعہ کی ایک دوسری سند ہے جسے ابن عساکر نے اپنی سند سے زہری تک نکالا ہے اور یہ بھی مرسل ہے۔ اس کا ایک راوی ابوبکر بن سبرہ ہے جس کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ [3] نیز اس کی سند میں واقدی ہے اور وہ محدثین کے نزدیک متروک ہے۔ [4] اس روایت میں بتایا گیا ہے کہ اہل شام نے مصاحف کو بلند کیا اور کہنے لگے: ہم تمہیں کتاب اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور اس کے احکامات کے مطابق فیصلہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ مگر یہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی چال تھی، چنانچہ وہ صلح پر آمادہ ہو گئے اور اس کے لیے انہوں نے ایک معاہدہ تحریر کیا کہ وہ سال کے اختتام پر اذرح کے مقام پر ملاقات کریں گے، انہوں نے دو ایسے حاکموں کا تقرر کیا جو لوگوں کے معاملات کا جائزہ لے کر فیصلہ کریں گے اور لوگ ان کے فیصلہ کو خوشی سے تسلیم کریں گے۔ اس کے لیے علی رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور پھر لوگوں میں تقسیم پیدا ہو گئی، لہٰذا جب علی رضی اللہ عنہ کوفہ واپس گئے تو بہت سارا اختلاف اور فساد بھی ساتھ لیتے گئے، آپ کے لشکر میں موجود آپ کے ساتھیوں نے ہی آپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور یہ کہتے ہوئے تحکیم کا انکار کر دیا کہ "لاحکم الا للہ" حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ الفت وانس اور اتحاد واتفاق کو ساتھ لے کر شام واپس لوٹے، سال کے اختتام پر شعبان ۳۸ھ میں حکمین اذرح کے مقام پر اکٹھے ہوئے اس دوران بہت سارے لوگ بھی ان کے پاس جمع ہو گئے، اندرونِ خانہ ان کا جس امر پر اتفاق ہوا تھا علانیہ طور سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کی مخالفت کر دی۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بات کا آغاز کرتے ہوئے علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو ان کے عہدوں سے معزول کر دیا مگر جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بات کی تو انہوں نے علی کو تو معزول کر دیا مگر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھا۔ اس طرح حکمین اور وہاں موجود لوگوں میں تفرقہ پیدا ہو گیا اور اہل شام نے ذوالقعدہ ۳۸ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔ [5] جہاں تک ابومخنف کے طرق کا تعلق ہے تو وہ تمام کے تمام اس کی اور

[1] انساب الاشراف: ۱/ ۳۸۲۔ تاریخ طبری: ۵/ ۶۶۵، ۶۶۶۔ البدایة و النهایة: ۷/ ۲۷۶، ۲۷۷.

[2] مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری، ص: ۴۰۲.

[3] تهذیب التهذیب: ۱۲/ ۲۷، مرویات تاریخ الطبری، ص: ۴۰۶.

[4] مرویات تاریخ الطبری، ص: ۴۰۶. [5] تاریخ دمشق: ۱۶/ ۵۳.

ابوخباب کلبی کی وجہ سے معلول ہیں۔ ابومخنف لوط بن یحییٰ ضعیف اور غیر ثقہ ہے۔ [1] نیز غالی قسم کا رافضی ہے، جبکہ ابوجناب کلبی کے بارے میں ابن سعد فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ [2] امام بخاری اور ابوحاتم فرماتے ہیں کہ یحییٰ القطان اسے ضعیف قرار دیتے تھے۔ [3] امام دارمی [4] اور امام نسائی بھی اسے ضعیف بتاتے ہیں۔ [5] یہ ہیں مشہور قصہ تحکیم کے طرق اور ان کی فنی حالت، کیا ان جیسی چیزوں سے کوئی دلیل قائم ہوسکتی ہے۔ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم جیسی شخصیات کی تاریخ میں ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ جو کہ مثالی دور اور اسوہ کا زمانہ تھا؟ ان روایات کے ضعیف ہونے کے لیے ان کے متون میں اضطراب ہی کافی تھا۔ مگر جب اس کے ساتھ ان کی اسانید کا ضعف بھی شامل کر دیا جائے تو ان کی پھر کیا حالت ہوگی؟ [6]

۲۔ یہ قضیہ عقیدہ اور تشریع کے حوالے سے بڑی اہمیت کا حامل ہے مگر اس کے باوجود یہ صحیح سند کے ساتھ منقول نہیں ہے اور یہ بات ناقابل تسلیم ہے کہ علماء اس کی اہمیت اور شدید ضرورت کے باوجود اس سے چشم پوشی اختیار کر لیں۔ [7]

۳۔ ایک ایسی روایت بھی وارد ہے جو ان روایات کے یکسر برعکس ہے اس روایت کو بخاری نے اپنی تاریخ میں ثقہ راویوں کی سند کے ساتھ مختصراً اور ابن عساکر نے طوالت کے ساتھ حصین بن منذر سے نقل کیا ہے، وہ بتاتے ہیں کہ مجھے معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور مجھ سے کہا: مجھ تک عمرو رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کچھ باتیں پہنچی ہیں، مجھے ان سے پوچھ کر بتائیں کہ انہوں نے اس بارے میں کیا کہا؟ انہوں نے کہا: لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے ہیں، مگر واللہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں ایسا ہوا کچھ نہیں ہوا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب میں اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اکٹھے ہوئے تو میں نے ان سے کہا: اس معاملہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میری رائے میں یہ معاملہ ایسے لوگوں سے متعلق ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو آپ ان سے راضی تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: آپ اس معاملہ میں مجھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہاں رکھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اگر اللہ تم سے کوئی خدمت لینا چاہے گا تو تم یقیناً ایسا کر پاؤ گے لیکن اگر وہ تم سے بے نیاز رہا تو بسا اوقات اللہ کا امر تم سے مستغنی رہا ہے۔ [8] ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی پرہیزگاری، ان کے محاسبہ نفس، ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی سیرت کو یاد کرنے اور ان کے بعد سر اٹھانے والے احداث وواقعات سے خوف کے بارے میں بہت سی باتیں روایت کی ہیں۔

---

[1] تحقیق مواقف الصحابة: ۲/ ۲۲۳.
[2] مرویات ابی مخنف، ص: ٤٠٧.
[3] التاریخ الکبیر: ٤/ ۲/ ۲٦٧۔ الجرح و التعدیل: ۹/ ۱۳۸.
[4] التاریخ للدارمی، ص: ۲۳۸۔ تحقیق مواقف الصحابة: ۲/ ۲۲۳.
[5] الضعفاء و المتروکون، ص: ۲٥۳.
[6] روایات ابی مخنف فی تاریخ الطبری، ص: ٤٠٨.
[7] مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری، ص: ٤٠٨.
[8] العواصم من القواصم، ص: ۱۷۸-۱۸۰.

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھ سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واللہ! اگر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے لیے حلال ہونے کے باوجود اس مال کو ترک کیا تو وہ غلط نہیں تھے اور نہ وہ ناقص الرائے ہی تھے، ہمیں یہ وہم اور ضعف اپنی طرف سے ہی لاحق ہوا ہے۔

۴۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ کو ان پر فضیلت حاصل ہے اور یہ کہ وہ ان سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں، انہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے نہ تو خلافت کا تنازع کیا اور نہ ان کی زندگی میں اپنے لیے اس کا ان سے مطالبہ کیا۔ یحییٰ بن سلیمان جعفی جید سند کے ساتھ [1] ابومسلم خولانی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ خلافت میں علی رضی اللہ عنہ سے تنازع کرتے ہیں یا آپ ان جیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، مجھے بخوبی علم ہے کہ وہ مجھ سے افضل ہیں اور مجھ سے خلافت کے زیادہ حق دار ہیں مگر کیا تم نہیں جانتے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو ازراہِ ظلم قتل کیا گیا، اور میں ان کا عم زاد اور ولی ہوں اور اس حوالے سے ان کے خون کا مطالبہ کرتا ہوں، تم لوگ علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ اگر وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو ہمارے حوالے کر دیں تو میں ان کی اطاعت قبول کر لوں گا۔ اس پر وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے بات کی مگر انہوں نے قاتلوں کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ [2] حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اصل تنازع یہ تھا، تحکیم کا فیصلہ اس متنازع فیہ قضیہ کو حل کرنے کے لیے کیا گیا تھا، خلیفہ کو منتخب کرنے یا اسے معزول کرنے کے لیے نہیں کیا گیا تھا۔ [3] اس حوالے سے ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس لیے جنگ کی کہ وہ سرزمین شام میں ان کے اوامر کے نفاذ سے انکاری تھے، حالانکہ وہ ایسے امام تھے جن کی اطاعت واجب تھی، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت سے انکار نہیں کیا اور نہ کبھی خلافت پر اپنا استحقاق جتلایا لیکن ان کے اجتہاد نے انہیں اس نتیجہ پر پہنچایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے سے مقدم ہے، ان کی رائے یہ تھی کہ میں اپنی عمر اور طاقت کی وجہ سے عثمان کے خون کا مطالبہ کرنے اور اس بارے بات کرنے کا عثمان رضی اللہ عنہ اور حکم بن ابوالعاص کی اولاد سے زیادہ حق دار ہوں، ان کا یہ موقف درست تھا ان سے غلطی صرف یہ سرزد ہوئی کہ انہوں نے بیعت پر قصاص کو مقدم رکھا۔ [4] طرفین میں اختلاف کی اس حقیقی تصویر کو سمجھنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ جن روایات میں یہ بتایا گیا ہے کہ حکمین کو علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا وہ یقیناً غلط ہیں۔ ان کا اختلاف نہ تو خلافت کے بارے میں تھا اور نہ اس بارے کہ ان دونوں میں سے خلافت کا زیادہ حق دار کون

[1] فتح الباری: ۱۳/ ۸۶۔ [2] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۴۰۔

[3] مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری، ص: ۴۰۹۔

[4] الفصل فی الملل و الاهواء و النحل: ۴/ ۱۶۰۔

ہے؟ ان کا اختلاف صرف قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کے بارے میں تھا اور اس کا خلافت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اگر حکمین نے اس اساسی قضیہ کو پس پشت ڈال کر خلافت کے بارے میں فیصلہ کیا جیسا کہ تشہیر کردہ روایات میں بتایا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نہ تو اصل نزاع کو سمجھ سکے اور نہ دعویٰ کے موضوع کا احاطہ کر سکے اور یہ بہت ہی بعید ہے۔ [1]

۵۔ جن شروط کا خلیفہ میں پایا جانا واجب ہے، مثلاً عدالت، علم، تدبیر مصالح اور اس کا قریشی ہونا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان تمام پر پورے اترتے تھے، تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی بیعت منعقد ہوئی یا نہیں؟ اگر منعقد ہوگئی - اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے اس لیے کہ انصار و مہاجرین میں سے اہل حل وعقد نے ان سے بیعت کی تھی اور اس کا ان کے مدمقابل بھی اقرار کرتے تھے - تو معاویہ رضی اللہ عنہ کا گزشتہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جب امام امامت کی صفات سے عاری نہ ہو اور پھر اس سے عقد امامت کرنے والے اسے فسخ کرنا چاہیں تو ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انہیں اس بات کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، اس لیے کہ عقد امام لازم ہے اور بغیر کسی حقیقی سبب کے اس سے علیحدگی کا کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ جب تک امامت و خلافت کے ساتھ قطعی لزوم نہ اپنایا جائے اس وقت تک وہ نہ تو منتظم ہوتی ہے اور نہ اس سے اصل مقصود حاصل ہوتا ہے۔ اگر امام کی قسمت کا فیصلہ رعایا کے ہاتھ میں دے دیا جائے تو پھر نہ تو اس کی کوئی اطاعت کرے گا اور نہ اسے رعایا پر کوئی قدرت ہی حاصل ہوگی اور اس طرح منصب امام کا کوئی مطلب ہی نہیں رہے گا۔ [2] دریں حالات مسئلہ کی اصل صورت حال وہ نہیں ہے جو روایات بتاتی ہیں کہ جو کوئی بھی امام سے راضی نہ رہے وہ اسے الگ کر دے، امامت کی گرہ لگانے والا ہی اسے کھول سکتا ہے، اور وہ ہیں اہل حل وعقد اور اگر امام شروط امامت پر پورا اترنے سے قاصر رہ جائے تو کیا علی رضی اللہ عنہ نے کوئی ایسا کام کیا؟ اور کیا اہل حل وعقد نے خلیفہ راشد کو خلافت سے علیحدہ کرنے پر اتفاق کیا یہاں تک کہ آگے بڑھ کر یہ کہا جائے کہ حکمین نے اس پر اتفاق کیا تھا؟ تو ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ ان کی وفات تک ان سے کسی ایسی چیز کا صدور نہیں ہوا جس سے ان کی بیعت کا نقض لازم آتا ہو۔ ان سے آخری دم تک صرف عدل و بر اور تقویٰ و خیر ہی کا ظہور ہوا۔ [3]

۶۔ جس زمانہ میں واقعہ تحکیم متحقق ہوا وہ فتنہ کا زمانہ تھا اور خلیفہ کے باوجود مسلمانوں کی حالت اضطراب کا شکار تھی ایسے میں اگر خلیفہ کو معزول کر دیا جاتا تو ان کی حالت کا سدھار کس طرح ممکن تھا؟ یقیناً اس سے حالات مزید بگڑ جاتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے اصحاب دانش و بینش لوگوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس بات کی طرف کوئی پیش قدمی کریں گے۔ اس سے اس رائے کا عقلاً اور نقلاً ہر دو طرح سے بطلان ہوتا ہے۔

[1] تحقیق مواقف الصحابة فی الفتنة: ۲/ ۲۲۵.

[2] غیاث الامم، ص: ۱۲۸۔ مرویات ابی مخنف، ص: ۴۱۰.

[3] الفصل فی الملل و الاهواء و النحل: ۴/ ۲۳۸.

۷۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کے چھ ارکان میں خلافت کو منحصر کر دیا تھا اور جسے انصار و مہاجرین سبھی نے پسند بھی کیا یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ جب تک ان میں سے ایک شخص بھی باقی رہے گا خلافت اسے چھوڑ کر کسی اور کے پاس نہیں جائے گی، جبکہ ان میں سے تحکیم تک صرف سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہی باقی تھے مگر انہیں ولایت و امارت میں کوئی دلچسپی نہ تھی اور وہ اس سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ جبکہ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ان چھ میں سے افضل ترین علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ تھے اور وہی منصب خلافت پر فائز تھے پھر امر خلافت ان کے علاوہ اور کس کے پاس منتقل ہو سکتا تھا۔ ❶

۸۔ روایات اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ اہل شام نے تحکیم کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی تھی۔ اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل شام کی طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے کا کیا جواز تھا؟ اگر ایسا تحکیم کی وجہ سے ہوا تو حکمین کا اس پر اتفاق نہیں تھا اور اس کا کوئی جواز بھی نہیں تھا۔ ابن عساکر ثقہ راویوں کی سند سے سعید بن عبدالعزیز تنوخی ❷ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: عراق میں علی رضی اللہ عنہ کا دعویٰ تھا کہ وہ امیر المومنین ہیں جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ شام میں امارت کا دعویٰ کرتے تھے پھر جب علی رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام میں امیر المومنین ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ ❸ یہ نص اس بات کی دلیل ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہی خلافت کی بیعت لی تھی۔ طبری کا بھی یہی مذہب ہے، وہ ۴۰ھ کے واقعات ذکر کر کے آخر میں فرماتے ہیں: اس سال ایلیاء کے مقام پر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کی بیعت لی گئی۔ ❹ اس پر ابن کثیر نے یہ تبصرہ کیا ہے: یعنی جب علی رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو اہل شام نے امیر المومنین کی حیثیت سے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اس لیے کہ ان کے نزدیک اب اس سے تنازع کرنے والا باقی نہیں رہا تھا۔ ❺ اہل شام اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے لیے علی رضی اللہ عنہ کے ہم پلہ نہیں ہیں اس لیے کہ ان کا علم و فضل، دین و ورع، شجاعت و بسالت، ان کا سابق الاسلام ہونا اور کئی دیگر فضائل سے متصف ہونا ان کے نزدیک معروف اور مسلم امر تھا۔ جیسا کہ ابوبکر، عمر، عثمان وغیرہم رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب سے بھی وہ بخوبی آگاہ تھے۔ ❻ علاوہ ازیں شرعی نصوص بھی پہلے خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے خلیفہ کی بیعت سے منع کرتی ہیں، صحیح مسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب دو خلفاء کی بیعت کی جا رہی ہو تو ان میں سے آخری کو قتل کر دو۔'' ❼ اس معنی میں بہت سی نصوص وارد ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے اس کی مخالفت کرنا امر محال ہے۔ ❽

---

❶ مرویات ابی محنف، ص: ٤١١.

❷ سعید بن عبدالعزیز تنوخی ثقہ امام ہیں (التقریب).

❸ تاریخ طبری: ٦/ ٧٦.
❹ ایضا.

❺ البدایة و النهایة: ٨/ ١٦.
❻ الفتاوی: ٣٥/ ٧٣.

❼ صحیح مسلم: ٣/ ١٤٨٠.
❽ سنن بیهقی: ٨/ ١٤٤.

۹۔ صحیح بخاری میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ میں حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ لوگوں کی صورت حال تمہارے سامنے ہی ہے۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں دیا گیا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تم ان کے پاس جاؤ وہ لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہاری عدم موجودگی میں تفرقہ بازی کا شکار ہو جائیں گے۔ میں ان کے اصرار پر وہاں چلا گیا۔ جب لوگ منتشر ہو گئے تو معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اس بارے میں جو کوئی بات کرنا چاہتا ہے وہ ہمارے سامنے آئے۔ ہم اس امر کے اس سے بھی زیادہ حق دار ہیں اور اس کے والد سے بھی۔ یہ سن کر حبیب بن مسلمہ کہنے لگے: آپ نے انہیں کوئی جواب کیوں نہ دیا؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہنے لگے: میں نے یہ کہنا تو چاہا تھا کہ تم سے زیادہ اس کا حق دار وہ ہے جس نے اسلام کے لیے تم سے اور تمہارے باپ سے جنگ کی، مگر میں ایسی بات کہنے سے ڈر گیا جس سے جمعیت میں تفرقہ پیدا ہو اور خون بہایا جائے۔ پھر میں نے ان نعمتوں کو یاد کیا جو اللہ نے جنتوں میں تیار کر رکھی ہیں۔ اس پر حبیب نے کہا: تم محفوظ بھی رہے اور معصوم بھی۔ ❶ اس حدیث سے معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلافت کے لیے بیعت لینا سمجھا تو جا سکتا ہے مگر اس میں اس کی تصریح نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں: یہ بات اس اجتماع سے متعلق ہے جس میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تھی۔ ابن جوزی فرماتے ہیں: یہ ان دنوں کی بات ہے جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد بنانے کا ارادہ کیا، جبکہ ابن حجر کی رائے میں یہ واقعہ تحکیم کے دنوں کا ہے۔ ❷ دلالت نص پہلے دو اقوال پر زیادہ قوی ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول: ''میں ایسی بات کرنے سے ڈرا جس سے جمعیت میں تفرقہ بازی ہو'' اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اتفاق تھا جبکہ تحکیم کے ایام فرقہ بندی اور اختلاف کے ایام تھے نہ کہ جمعیت اور میل ملاپ کے۔ ❸

۱۰۔ قرارداد تحکیم کی حقیقت:...... اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ میں اختلاف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے بارے میں تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تو خلافت کے مدعی تھے اور نہ وہ خلافت کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ کے حق سے منکر تھے، وہ ان کی بیعت اور شام میں ان کے اوامر واحکام کی تنفیذ سے اس لیے رکے ہوئے تھے کہ قانونی اعتبار سے نہیں بلکہ زمینی حقائق کی رو سے ان کا شام پر تسلط تھا، وہ تقریباً بیس برس تک شام کے والی رہے اور اس مدت امارت کے دوران لوگ ان کے اطاعت گزار رہے اور وہ اس سے مستفید بھی ہو رہے تھے۔ ❹

ابن دحیہ کلبی اپنی کتاب ''اعلام النصر المبین فی المفاضلة بین اهل الصفین'' میں رقم طراز ہیں: ابوبکر محمد بن طیب اشعری باقلانی ''مناقب الائمة'' میں فرماتے ہیں: علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی معزولی پر

---

❶ بخاری: ٥/ ٤٨ .
❷ فتح الباری: ٧/ ٤٦٦ .
❸ مرویات ابی مخنف .
❹ تحقیق مواقف الصحابة فی الفتنة: ٢/ ٢٣٤ .

حکمین کا اتفاق نہیں ہوا تھا، اور اگر ان کا اس پر اتفاق ہو بھی جاتا تو پھر بھی معاہدہ کی رو سے نہ تو وہ اپنے منصب سے معزول ہوتے اور نہ معاویہ ہی، الا یہ کہ وہ کتاب وسنت سے ایسے دلائل پیش کرتے جن کی رو سے ان کی معزولی واجب قرار پاتی اور اگر وہ ان سے انحراف یا تجاوز کرتے تو پھر ان کا حکم کسی کے لیے بھی واجب التسلیم نہ ہوتا...... جبکہ کتاب وسنت سے ان کی امامت کا اثبات ہوتا ہے، اور وہ ان کی عدالت وامامت صدق ووفا، سبقت و جہاد اور دیگر فضائل کے شاہد ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار تھے اور وہ حلم وحوصلہ اور معرفت احکام میں خصوصی مقام رکھتے تھے، لہٰذا آپ ہی منصب امامت کے حق دار اور خلافت کی ذمہ داریاں نبھانے کی اہلیت سے بہرہ مند تھے۔ [1]

۱۱۔ موتمر کے انعقاد کی جگہ:...... قرارداد کی رو سے حکمین کو ماہ رمضان المبارک ۳۷ھ میں عراق اور شام کے درمیان واقعہ دومۃ الجندل [2] کے مقام پر جمع ہونا تھا، ثقہ روایات میں اس جگہ کا یہی نام بتایا گیا ہے جبکہ ان سے کم درجہ کی دوسری روایات میں اس کا نام اذرح وارد ہوا ہے۔ [3] جو کہ دومۃ الجندل کے قریب واقع ہے حکمین کا اجتماع بغیر کسی رکاوٹ کے طے شدہ جگہ اور وقت پر منعقد ہوا۔ [4]

حکمین کا اجتماع دومۃ الجندل کے مقام پر ہوا، جبکہ یاقوت حموی بڑے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ اجتماع اذرح کے مقام پر انعقاد پذیر ہوا، اس کے لیے انہوں نے جن بعض روایات سے استدلال کیا ہے انہیں ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے اس کے لیے بعض اشعار اور خاص طور سے ذوالرمۃ [5] کے ان اشعار سے استشہاد کیا ہے جن میں بلال بن ابو بردہ کی مدح کی گئی ہے۔ [6]

اور وہ شعر ہے:

فَشدَّ اِصَارُ الدیْنِ أیام أذرح   و ردّ حروبًا قد لقحن الی عقر [7]

۱۲۔ کیا حکمین کے اجتماع میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے؟

حکمین مقررہ جگہ پر اکٹھے ہوئے، اس جگہ فریقین کی طرف سے سیکڑوں لوگ بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک وفد اہل شام کی نمائندگی کر رہا تھا اور دوسرا اہل عراق کی۔ حکمین نے اس موقع پر قریش کے سرکردہ اور معزز لوگوں کو بھی مشورہ کے لیے طلب کیا تھا، کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے متعدد لوگ اس اجتماع میں شریک نہیں ہوئے تھے اس لیے کہ انہوں نے آغاز سے ہی قتل وقتال سے علیحدگی اختیار کر رکھی تھی جن میں سے خاص طور سے

[1] ص: ۱۷۷.
[2] دومۃ الجندل: جزیرہ عربیہ کے شمال میں صوف شہر کے مغرب میں واقع ہے۔
[3] اذرح: اطراف شام میں ایک شہر کا نام۔ [4] تاریخ خلیفة، ص: ۱۹۱-۱۹۲.
[5] ذو الرمة، غیلان بن عقبة، متوفی ۱۱۷ھ، سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۲۶۷.
[6] بلال بن ابو بردة، عامر بن ابو موسی الاشعری، تهذیب تاریخ دمشق: ۳/ ۳۲۱.
[7] دیوان ذی الرمة، ص: ۳۶۱-۳۶۲ نقلا عن خلافة علی، ص: ۲۷۲.

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قابل ذکر ہیں۔ وہ نہ تو تحکیم کے موقع پر حاضر ہوئے اور نہ ہی کبھی اس کا ارادہ کیا۔ [1] عامر بن سعد سے مروی ہے کہ ان کا بھائی عمر بن سعد اپنے باپ سعد کے پاس گیا۔ اس وقت وہ مدینہ سے باہر اپنی بکریوں میں موجود تھے جب سعد رضی اللہ عنہ نے اسے آتے دیکھا تو کہنے لگے: میں اس قافلہ کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، جب وہ ان کے پاس گئے تو کہنے لگے: ابا جان! کیا آپ اپنی بکریوں میں ہی بادیہ نشین بن کر رہنے پر راضی ہو گئے ہیں جبکہ لوگ مدینہ میں حکومت و امارت کے لیے جھگڑ رہے ہیں؟ اس پر سعد رضی اللہ عنہ عمر کے سینے پر ہاتھ مار کر کہنے لگے: خاموش ہو جاؤ، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے: ''اللہ تعالیٰ متقی، غنی، چھپ کر رہنے والے بندے سے محبت کرتا ہے۔'' [2]

ان جنگوں کے بارے میں اہل سنت کا موقف:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہونے والی جنگوں کے بارے میں اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ اس حوالے سے خاموشی اختیار کی جائے اس لیے کہ ان کے باہمی تنازعات میں پڑنا فریقین میں سے کسی ایک کے لیے عداوت، کینہ اور بغض وغیرہ کو جنم دیتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ تمام صحابہ کرام سے محبت کرے، سب سے راضی رہے، ان کے لیے رحمت کی دعائیں کرے، ان کے فضائل و مناقب کا لحاظ کرے اور انہیں عام کرے، اس کا یہ اعتقاد ہونا چاہیے کہ ان کے باہمی اختلافات ان کے اجتہاد کا نتیجہ تھے۔ صواب اور خطا دونوں حالتوں میں انہیں اجر و ثواب سے نوازا جائے گا، البتہ اپنے اجتہاد میں صحیح نتیجے پر پہنچنے والے کو غلطی کرنے والے کے ثواب سے دگنا ثواب ملے گا اور یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے قاتل بھی جنتی ہیں اور مقتول بھی۔ اہل سنت والجماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی تنازعات میں پڑنے کی اجازت نہیں دیتے۔ قبل اس کے کہ میں اس حوالے سے اہل سنت کے بعض اقوال ذکر کروں میں آپ کے سامنے کچھ ایسی نصوص پیش کرنا چاہوں گا جن میں ان کے باہم قتل و قتال اور اس دوران ان کے راویوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ [3]

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (الحجرات: ۹)

''اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کروا دیا کرو، پھر اگر ان میں سے ایک جماعت دوسری پر زیادتی کرے تو تم سب زیادتی کرنے والے گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ

---

[1] خلافة علی بن ابی طالب، عبدالحمید، ص: ۲۷۲.

[2] المسند: ۱/ ۱۶۸، احمد شاکر فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے: (۳/ ۲۶)۔ خلافة علی بن ابی طالب، از سلمی، ص: ۱۰۷.

[3] عقیدة اهل السنة و الجماعة فی الصحابة الکرام: ۲/ ۷۲۷۔ تنزیه خال امیر المومنین معاویة بن ابی سفیان، ص: ۴۱.

کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پس اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور عدل کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس بات کا حکم دے رہا ہے کہ جب مومنین آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کروا دیا کرو۔ اس لیے کہ وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ یہ قتل وقتال انہیں وصف ایمان سے خارج نہیں کرتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مومنین کے نام سے موسوم کیا ہے۔ جب عام مسلمانوں کو قتل وقتال ایمان سے خارج نہیں کرتا تو اصحاب رسول ﷺ جو جنگ جمل کے موقع پر اور بعد ازاں آپس میں لڑ پڑے تو وہ سب سے پہلے اس ایمان کے دائرہ میں داخل ہیں جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ اپنے رب کے نزدیک حقیقی مومن ہیں اور ان کے باہمی مشاجرات کسی بھی حالت میں ان کے ایمان پر اثر انداز نہیں ہوئے۔ اس لیے کہ وہ ان کے اجتہاد کا نتیجہ تھے۔ [1]

۲۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کی گروہ بندی کے وقت ایک گمراہ جماعت تیزی سے نکلے گی جسے دو جماعتوں میں سے حق سے زیادہ قریب جماعت قتل کرے گی۔'' [2]

اس حدیث میں جس گروہ بندی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس سے مراد علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان پیدا ہونے والا اختلاف ہے۔ نبی کریم ﷺ نے دونوں جماعتوں کا یہ وصف بیان فرمایا کہ وہ مسلمان ہوں گی اور دونوں حق سے وابستہ ہوں گی، یہ حدیث آنحضرت ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ نے جو کچھ بتایا سب کچھ اس کے مطابق ہی ہوا، اس میں اہل شام اور اہل عراق دونوں جماعتوں کو مسلمان بتایا گیا ہے اور جاہل رافضی فرقہ کی طرف سے اہل شام کی تکفیر کرنے کو غلط قرار دیا گیا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اور اصحاب علی رضی اللہ عنہ حق سے زیادہ قریب تھے، اہل سنت کا بھی یہی مذہب ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کا موقف درست تھا، اور اگرچہ معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے اور وہ ان شاء اللہ ماجور من اللہ بھی ہیں۔ مگر امام علی رضی اللہ عنہ تھے اور وہ دوہرے اجر کے حق دار ہیں، جب کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''جب حاکم اجتہاد کرے اور صحیح نتیجے پر پہنچے تو اسے دوہرا اجر ملے گا اور اگر اجتہاد میں اس سے غلطی سرزد ہو جائے تو اسے ایک اجر ملے گا۔'' [3]

۳۔ ابوبکرہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اس دوران حسن رضی اللہ عنہ آئے اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میرا یہ بیٹا سردار ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔'' [4] اس حدیث میں اہل عراق اور اہل شام کی دو جماعتوں کے اسلام کی

---

[1] العواصم من القواصم، ص: ۱۶۹، ۱۷۰۔ احکام القرآن: ۴/ ۱۷۱۷.

[2] مسلم: ۲/ ۷۴۵.

[3] فتح الباری شرح صحیح بخاری: ۱۳/ ۳۱۸.

[4] صحیح بخاری، کتاب الفتن، رقم: ۷۱۰۹.

نبی کریم ﷺ کی طرف سے شہادت دی گئی ہے اور اس میں ان خوارج کا ردّ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی تکفیر کرتے ہیں اس لیے کہ حدیث ان سب کے لیے اسلام کی شہادت کو متضمن ہے۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: نبی کریم ﷺ کا انہیں مسلمانوں کی دو جماعتیں قرار دینا ہمیں بہت پسند ہے۔ بیہقی فرماتے ہیں: ابن عیینہ کو آپ ﷺ کا یہ ارشاد اس لیے پسند تھا کہ آپ ﷺ نے ان دونوں جماعتوں کو مسلمان کے نام سے موسوم فرمایا اور جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے خبر دی تھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد امارت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو سونپ دی۔ [1]

مذکورہ بالا احادیث میں اہل عراق کی طرف اشارہ ہے جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور اہل شام کی طرف بھی جو کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے جن سب کو آپ ﷺ نے اپنا امتی قرار دیا۔ [2]

اسی طرح آپ ﷺ نے ان کا یہ وصف بھی بیان فرمایا کہ وہ حق سے وابستہ ہوں گے اور اس سے باہر نہیں جائیں گے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے اس بات کی بھی گواہی دے دی کہ ان کا ایمان مسلسل برقرار رہے گا اور وہ آپس کے قتل وقتال کی بنا پر ایمان سے خارج نہیں ہوں گے، وہ لوگ اس ارشاد باری کے عموم میں داخل ہیں: ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا﴾ (الحجرات: ۹) ہم قبل ازیں بتا چکے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم ان سب کا احاطہ کرتا ہے اور یہ کہ وہ باہمی لڑائیوں کی وجہ سے کفر وفسوق کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ وہ مجتہد اور متأول تھے، ان کے قتال کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ پہلے بتایا جا چکا ہے، بنا بریں مسلمان پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے فرقہ ناجیہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ اختیار کرے اور وہ یہ کہ: ان کے باہمی تنازعات واختلافات کے بارے میں لب کشائی نہ کرنا اور ان کے بارے میں بحث ومباحثہ سے اجتناب کرنا بجز اس انداز کے جو، ان کے شایان شان ہو۔ اہل سنت کی کتابیں ان کے اس عقیدہ صافیہ کے بیان و وضاحت سے بھری پڑی ہیں جسے ان پسندیدہ اور منتخب شدہ ہستیوں کے بارے میں اپنانا ضروری ہے۔ علماء اہل سنت نے اپنے اقوال حسنہ میں ان کے درمیان ہونے والی جنگوں کے بارے میں اپنا موقف کھل کر بیان کر دیا ہے۔ [3] مثلاً:

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہونے والی جنگوں کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ان خونوں سے میرے ہاتھوں کو محفوظ رکھا، کیا میں اس سے اپنی زبان محفوظ نہ رکھوں؟'' [4]

---

[1] الاعتقاد للبیہقی، ص: ۱۹۸، فتح الباری: ۱۳/ ۶۶.

[2] صحیح مسلم: (۲/ ۷۴۶) میں ہے: میری امت میں دو فرقے بن جائیں گے۔

[3] عقیدۃ اہل السنۃ فی الصحابۃ: ۲/ ۷۳۲.

[4] الانصاف للباقلانی، ص: ۱۶۔ الطبقات: ۵/ ۳۹۴.

عمر بن عبدالعزیز کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے امام بیہقی فرماتے ہیں: یہ بڑی عمدہ اور خوبصورت بات ہے، اس لیے کہ غیر متعلقہ باتوں کے بارے میں خاموشی اختیار کرنا ہی امر صائب ہے۔ ❶

۲۔ جب حسن بصری سے قتال صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: اس قتال میں اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے جبکہ ہم غیر موجود، وہ عالم تھے اور ہم جاہل، ان کی جمعیت کی ہم اتباع کریں اور ان کے اختلافات کے سامنے رک جائیں۔ ❷ حسن بصری رحمہ اللہ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان امور کا ہم سے زیادہ علم تھا، ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ جن معاملات میں ان کا اتفاق تھا ان میں ان کی اتباع کریں اور جن امور میں اختلاف تھا وہاں رک جائیں اور اپنی طرف سے کوئی رائے پیش نہ کریں۔ ہمیں یہ علم ہونا چاہیے کہ ان لوگوں نے اجتہاد کیا۔ اللہ کے لیے مخلص رہے اس لیے کہ دین کے حوالے سے ان پر کوئی تہمت عائد نہیں کی جاسکتی۔ ❸

۳۔ جعفر بن محمد صادق سے مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواباً فرمایا: میں اس بارے میں وہی کچھ کہتا ہوں جو اللہ نے فرمایا: ﴿قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَ لَا يَنْسَى﴾ (طٰهٰ: ٥٢) ❹ ''اس نے کہا: ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے، میرا رب نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔''

۴۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو کچھ ہوا آپ اس کے بارے میں کیا کہنا چاہیں گے؟ تو انہوں نے فرمایا: ''میں تو ان کے بارے میں اچھی بات ہی کہوں گا۔'' ❺ ابراہیم بن آرز فقیہ سے ان کا یہ قول مروی ہے: میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس موجود تھا کہ اس دوران ایک آدمی نے ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والے امور کے بارے میں دریافت کیا تو آپ رحمہ اللہ نے اس سے منہ موڑ لیا۔ ان سے کہا گیا: ابوعبداللہ! اس آدمی کا بنو ہاشم سے تعلق ہے۔ تو پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ لو: ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (البقرة: ١٤١) ''یہ ایک امت تھی جو گزر گئی، ان کا کیا ان کے لیے اور تمہارا کیا تمہارے لیے، اور ان کے کیے کی تم سے پوچھ نہ ہوگی۔''

۵۔ ابن ابی زید قیروانی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مسلمان کے عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہمیشہ اچھے انداز اور اچھے الفاظ سے ہونا چاہیے، ان کے مشاجرات کے بارے میں لب کشائی نہیں کرنی چاہیے اور ان کے بارے میں حسن ظن سے کام لینا چاہیے۔

❶ مناقب الشافعي، ص: ٣٦.
❷ الجامع لاحكام القرآن: ١٦/ ٣٣٢.
❸ الجامع لاحكام القرآن: ١٦/ ٣٣٢.
❹ الانصاف للباقلاني، ص: ١٦٤.
❺ مناقب الامام احمد لابن جوزي، ص: ١٦٤.

وہ سب لوگوں سے بڑھ کر اس کا استحقاق رکھتے ہیں کہ ان کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے اور ان کے امور کو اچھائی پر محمول کیا جائے۔ ❶

۶۔ ابوعبداللہ بن بطہ اہل السنہ والجماعہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہمیں مشاجرات صحابہ کے بارے میں لب کشائی سے باز رہنا چاہیے، وہ ہر میدان شہادت میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے، سب لوگوں سے بڑھ کر فضل و شرف حاصل کیا، اللہ نے خود ان کی مغفرت فرما دی اور تمہیں ان کے لیے مغفرت طلب کرنے اور ان سے محبت کر کے اپنا قرب حاصل کرنے کا حکم دیا اور اسے اپنے نبی مکرم کی زبان مبارک سے تم پر فرض قرار دیا، وہ بخوبی جانتا تھا کہ آگے چل کر ان سے کیا کچھ سرزد ہونا ہے، انہیں کل کائنات پر اس لیے فضیلت دی گئی کہ ان کے عمد وخطا کو معاف کر دیا گیا اور ان کے باہمی مشاجرات کی مغفرت فرما دی گئی۔ ❷

۷۔ ابوبکر بن الطیب باقلانی فرماتے ہیں: ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہمیں مشاجرات صحابہ کرام کے بارے میں لب کشائی نہیں کرنی، بلکہ ان سب کے لیے رحمت کی دعا اور مدح و ثناء کرنی ہے۔ ہم ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے رضوان، امان، فوز و فلاح اور جنتوں کے خواستگار ہیں، ہمارا اعتقاد ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ بھی کیا درست کیا اور ان کے لیے دوہرا اجر ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جس چیز کا بھی صدور ہوا وہ ان کے اجتہاد کا نتیجہ تھا جس کے لیے وہ اجر کے مستحق ہیں وہ نہ تو فسق و فجور کے مرتکب ہوئے اور نہ کسی بدعت کے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ (الفتح: ۱۸)

''یقیناً اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اس نے اسے معلوم کر لیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔''

اسی طرح آپ ﷺ کا یہ ارشاد: ''جب حاکم اجتہاد کرے اور درست نتیجہ پر پہنچے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے اور جب وہ اجتہاد کرے اور اس سے غلطی ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔'' اگر ہمارے وقت کے حاکم کو اس کے درست اجتہاد کی وجہ سے دوہرا اجر مل سکتا ہے تو آپ کا ان لوگوں کے اجتہاد کے بارے میں کیا خیال ہے جن سے اللہ راضی ہو چکا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، اس قول کی صحت کی دلیل حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ''میرا یہ بیٹا سردار ہے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کروائے گا۔'' ❸ اس ارشاد گرامی میں دونوں جماعتوں کے لیے عظمت کا اثبات کیا گیا اور دونوں کے

❶ ان کا مشہور رسالہ شرح ''الثمر الدانی'': (۱۵۲) ص: ۲۳.

❷ الشرح و الابانة علی اصول السنة و الديانة، ص: ۲٦۸.

❸ بخاری، کتاب الفتن، رقم: ۷۱۰۹.

لیے صحت اسلام کا حکم لگایا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے سینوں سے رنجش وکینہ نکال دینے کا وعدہ کر رکھا ہے، ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ﴾ (الحجر: ۴۷) ''ان کے دلوں میں جو رنجش وکینہ ہے ہم وہ سب کچھ نکال دیں گے وہ بھائی بھائی بنے ہوئے ایک دوسرے کے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔'' اور آگے چل کر فرماتے ہیں: ان کے مشاجرات وتنازعات کے بارے میں خاموشی اختیار کرنا واجب ہے۔ ❶

۸۔ اس حوالے سے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل سنت مشاجرات صحابہ کرام کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی برائیوں کے بارے میں مروی آثار میں سے کچھ تو محض جھوٹے ہیں اور بعض میں کمی بیشی کر کے انہیں ان کے اصل مقصد سے ہٹا دیا گیا ہے۔ جبکہ صحیح طور سے ثابت شدہ امور میں وہ معذور ہیں، یا تو وہ صائب فیصلہ پر پہنچنے والے مجتہد ہیں یا مبنی بر خطا فیصلہ کرنے والے اور دونوں صورتوں میں اجر وثواب کے مستحق۔ ❷

۹۔ ابن کثیر فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رونما ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تنازعات ومشاجرات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی حیثیت یہ ہے کہ ان میں سے کچھ تو غیر ارادی طور سے واقع ہوئے جیسا کہ جنگ جمل کا واقعہ اور کچھ اجتہاد کے نتیجہ میں، جیسا کہ جنگ صفین اور اجتہاد میں خطاء کا امکان بھی ہوتا ہے اور صواب کا بھی، لیکن غلطی کرنے والا مجتہد معذور بھی ہوتا ہے اور عند اللہ ماجور بھی۔ جبکہ صحیح نتیجہ پر پہنچنے والا مجتہد دوہرے اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ ❸

۱۰۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ان سے صادر ہونے والے بعض امور کی وجہ سے طعن وتشنیع کرنا منع ہے، اس لیے کہ انہوں نے ان جنگوں میں اجتہاد کی بنیاد پر قتال کیا تھا، بلکہ یہ بھی ثابت ہے کہ ان میں سے غلطی کرنے والے کو ایک اجر اور صحیح فیصلہ کرنے والے کو دوہرا اجر دیا جائے گا۔ ❹ الغرض اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سر اٹھانے والے فتنوں کے بارے میں خاموشی اختیار کرنا واجب ہے، نیز ان کے لیے رحمت کی دعا کرنا، ان کے فضائل کا خیال رکھنا، ان کے سابق الاسلام ہونے کا اعتراف کرنا اور ان کے محاسن کو عام کرنا بھی ضروری ہے۔ رضی اللہ عنہم و ارضاهم. ❺

تاسعاً: ...... معرکہ صفین کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلاحیتوں کے انداز تبدیل ہو گئے

معرکہ صفین کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلاحیتوں کے انداز میں تبدیلی آنا شروع ہو گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر

---

❶ الانصاف فیما یجب اعتقاده و لا یجوز الجهل به، ص: ٦٧-٦٩.

❷ العقیده الواسطیه مع شرح از محمد خلیل هراس، ص: ١٧٣. ❸ الباعث الحثیث، ص: ١٨٢.

❹ فتح الباری: ١٣/ ٦٣٤- عقیده اهل السنة: ٢/ ٧٤٠. ❺ عقیدة اهل السنة: ٢/ ٧٤٠.

سے خوارج نے علیحدہ ہو کر ان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو وہ ان کے ساتھ جنگوں میں الجھ گئے، جبکہ تحکیم کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کی طاقت میں مزید اضافہ ہو گیا، وہ سری اور اعلانیہ طور سے مختلف وسائل کو استعمال میں لاتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کمزور کرنے کی کوششیں کرنے لگے اور انہوں نے ان کے لشکر میں پیدا ہونے والی پھوٹ اور اختلاف سے بھرپور فائدہ اٹھایا، چنانچہ انہوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر مصر روانہ کیا اور انہوں نے اس پر تسلط جماتے ہوئے اسے اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ وہ متعدد امور جو اُن کے لیے مددگار ثابت ہوئے ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱:...... امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ خوارج کے ساتھ جنگ میں الجھ گئے جس کی وجہ سے ان کی پوزیشن کمزور ہو گئی۔

۲:...... مصر پر علی رضی اللہ عنہ کے عامل محمد بن ابوبکر اپنے پیش رو قیس بن سعد انصاری کی طرح زیرک و ہوشیار نہیں تھے۔ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ جنگ میں کود پڑے اور ان کے ساتھ سابقہ والی مصر کی طرح فہم و فراست پر مبنی رویہ اختیار نہ کر سکے جس کی وجہ سے وہ شکست سے دوچار ہو گئے۔

۳:...... معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصر میں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرنے والوں کی رائے سے اتفاق کر لیا اور یہ چیز ان کے لیے مصر پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ممد و معاون ثابت ہوئی۔ [1]

٤:...... مصر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے مرکز سے دور جب کہ شام سے قریب تھا جس کا فائدہ بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوا۔

٥:...... مصر کا جغرافیائی محل وقوع چونکہ مصر سیناء کے راستے سے سرزمین شام سے متصل ہے، لہٰذا اس نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت بڑی افرادی اور اقتصادی قوت فراہم کی معاویہ رضی اللہ عنہ نے کئی فوجی لشکر جزیرہ عربیہ کے شمال، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور یمن کی طرف بھیجے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جانبازوں نے آگے بڑھ کر ان کا راستہ روک دیا اور پھر انہیں واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ [2] معاویہ رضی اللہ عنہ نے مختلف قبائل کے سرکردہ لوگوں کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمال کو بھی اپنی حمایت کے لیے آمادہ کر لیا، اسی سلسلہ میں انہوں نے مصر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عامل قیس بن سعد کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی مگر وہ اس میں تو کامیاب نہ ہو سکے مگر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے مشیروں کی نظروں میں اسے مشکوک ضرور بنا دیا جس کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کے عہدہ سے ہٹا دیا۔ [3] جس سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت زیادہ فائدہ پہنچا، اسی طرح انہوں نے فارس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عامل زیاد بن ابیہ کو بھی منحرف کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ اس میں بھی ناکام رہے۔ [4] مختلف سرکردہ لوگوں کی وفاداریاں حاصل

---

[1] خلافة علی ، از عبدالحمید ، ص: ۳۵۱ . صحیح سند کے ساتھ۔

[2] ولاة مصر ، ص: ٤٥ ، ٤٦ .

[3] الاستیعاب: ۲/ ۵۲۵ ، ۵۲٦ .

[4] الاستیعاب: ۲/ ۵ .

کرنے کی کوششوں سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ فائدہ ضرور ہوا کہ وہ بعض اعیان وولاۃ پر اثر انداز ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ایک خطبہ کے دوران فرمانا پڑا: سنو! بسر (بن ارطاہ) نے حضرت معاویہ کی جانب سے خبر دی ہے، مجھے تو یوں لگتا ہے کہ یہ لوگ تم پر غالب آ جائیں گے اس لیے کہ وہ ناحق پر ہونے کے باوجود مجتمع ہیں جبکہ تم حق پر ہونے کے باوصف متفرق ہو، وہ لوگ اپنے امیر کی اطاعت کرتے ہیں اور تم اپنے امیر کی نافرمانی کرتے ہو۔ میں نے فلاں کو عامل مقرر کیا مگر اس نے خیانت کی، غداری کا مرتکب ہوا اور مال وزر حضرت معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ بعض امراء معمولی معمولی چیزوں میں خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ میرے اللہ! میں ان سے نفرت کرتا ہوں اور یہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں انہیں مجھ سے اور مجھے ان سے راحت پہنچا۔ [1] امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ان مصائب ومشکلات اور اپنی سپاہ کی اس پست ہمتی کے سامنے ہتھیار نہ پھینکے، انہوں نے اپنے لشکر کی محبت بڑھانے کے لیے اپنا علم اور فصاحت وبیان سب کچھ کھپا ڈالا مگر اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ شجاعت وبسالت پر مبنی ان کے ان مشہور خطبات جن کا شمار اہم ترین ادبی ورثہ میں ہوتا ہے وہ ایسی کڑواہٹ تھی جس کے گھونٹ انہیں بار بار پینا پڑے اور وہ ایسا دردناک امر واقع تھا جس کا انہیں سامنا کرنا پڑا۔ میں نے ان میں سے بعض خطبات امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنی کتاب میں ذکر کیے ہیں۔ [2]

عاشرًا: ......امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ میں صلح

ان تھکا دینے والی کوششوں کے باوجود امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے، اس لیے کہ وہ اپنی سپاہ میں داخلی انتشار وخلفشار اور اس کی خواہش پرستی کی وجہ سے شام کے ساتھ جنگ کرنے کی پوزیشن میں نہ آ سکے، چنانچہ انہیں ۴۰ھ میں یہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس بات پر اتفاق کرنے کے لیے مجبور ہونا پڑا کہ عراق پر میرا اقتدار قائم رہے گا اور شام پر ان کا اور ہم ایک دوسرے کے معاملات اور علاقوں میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے، نہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ ہوگی نہ غارت گری اور نہ ہی کوئی دیگر فوجی کارروائی۔ [3] طبری اپنی تاریخ میں اس صلح کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ صلح جاری نہ رہ سکی، جس کی وجہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سال بسر بن ارطاۃ کو حجاز اور یمن کی طرف بھیجا۔ [4]

الحادي عشر: ......معاویہ رضی اللہ عنہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنتے ہیں

جب علی رضی اللہ عنہ اپنے ارادے اور چاہت کے مطابق لشکر کو تیار کرنے سے قاصر رہے اور انہیں اس حوالے سے

[1] التاريخ الصغير: ١/ ١٢٥ . منقطع سند کے ساتھ، اس کے اور بھی کئی شواہد ہیں۔
[2] سيرة امير المومنين علی بن ابی طالب: ٢/ ١٠٢٠ .
[3] تاريخ طبری: ٦/ ٥٦۔ خلافة علی رضی اللہ عنہ، عبدالحمید، ص: ٣٥٦ .
[4] التاريخ الصغير، امام بخاری: ١/ ٤١ .

اپنی ناکامی نظر آنے لگی تو زندگی سے اکتا کر موت کی تمنا کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر جلد از جلد موت کی دعائیں کرنے لگے۔ مروی ہے کہ آپ نے ایک دن دوران خطبہ ارشاد فرمایا: اے میرے اللہ! میں ان سے اکتا گیا اور یہ مجھ سے اکتا گئے، مجھے ان سے راحت عطا فرما اور انہیں مجھ سے راحت دے دے۔ پھر آپ نے اپنی ریش مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ان کے بدنصیب کو اسے خون میں رنگنے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔ [1] حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں بڑے اصرار کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے۔ جندب فرماتے ہیں: لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس قدر رش کیا کہ ان کی رہائش گاہ کو روند ڈالا، اس وقت آپ نے یہ دعا کی: یا اللہ! میں ان سے اکتا گیا ہوں اور یہ مجھ سے اکتا گئے ہیں۔ میں ان سے نفرت کرتا ہوں اور یہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں، مجھے ان سے راحت نصیب فرما اور انہیں مجھ سے راحت دے۔ [2] ابو صالح سے مروی ایک دوسری روایت میں ان کا یہ بیان مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سر پر مصحف رکھ کر یہ کہتے سنا: یا اللہ! میں نے ان سے اس چیز کا سوال کیا جو تیرے اس مصحف میں ہے مگر انہوں نے اس سے انکار کر دیا، یا اللہ! میں ان لوگوں سے اکتا گیا ہوں اور یہ مجھ سے اکتا گئے ہیں، میں ان سے نفرت کرتا ہوں اور یہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں، اور انہوں نے مجھے میرے اخلاق کے علاوہ کسی اور چیز پر اکسایا، انہیں میرے بدلے میں کوئی بہت برا آدمی عطا فرما اور مجھے ان کے بدلے میں بہت اچھے لوگ عطا فرما، اور ان کے دلوں کو اس طرح پگھلا دے جس طرح پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔ [3] دوسری روایت میں آتا ہے کہ اس کے تقریباً تین دن بعد انہیں شہید کر دیا گیا۔ [4]

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھ سے میرے باپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج رات مجھے خواب میں ملے تو میں نے کہا: مجھے آپ کی امت کی طرف سے کس قدر کج روی اور خصومت کا سامنا کرنا پڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: ان کے لیے بددعا کریں۔ میں نے کہا: یا اللہ! مجھے ان سے بہتر لوگ عطا فرما اور انہیں میرے بدلے میں کوئی برا انسان دے۔ حسن فرماتے ہیں: اس کے بعد انہیں شہید کر دیا گیا۔ [5] پھر جب ان کی شہادت کی خبر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملی تو وہ رونے لگ گئے، اس پر ان کی بیوی کہنے لگی: آپ انہیں رو رہے ہیں، حالانکہ آپ ان سے جنگیں لڑتے رہے؟ یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیرے لیے افسوس، تجھے نہیں معلوم کہ لوگ کس قدر علم و فضل اور فقہ سے محروم ہو گئے۔ [6] دوسری روایت میں ہے کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی

---

[1] مصنف عبدالرزاق: ١٠/ ١٥٤.
[2] الآحاد و المثانی، ابن ابی عاصم: ١/ ٣٧. حسن سند کے ساتھ۔ خلافۃ علی، ص: ٤٣٢.
[3] سیر اعلام النبلاء: ٣/ ١٤٤.
[4] المحن، ص: ٩٩ لابی العرب، خلافۃ علی، از عبدالحمید، ص: ٤٣٢.
[5] تاریخ الاسلام فی عہد خلفاء الراشدین، ص: ٦٤٩.
[6] البدایۃ و النہایۃ: ٨/ ١٣٣.

تو کہنے لگے: ابن ابو طالب کی موت سے فقہ اور علم جاتے رہے۔ یہ سن کر ان کا بھائی عتبہ کہنے لگا: اہل شام کو آپ کے منہ سے یہ بات نہیں سننی چاہیے۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جانے دیں۔ ❶

ایک دفعہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرار صدائی سے فرمایا کہ مجھ سے علی کے اوصاف بیان کریں۔ اس نے کہا: امیر المومنین! مجھ سے درگزر فرمائیں۔ مگر جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے اصرار کیا تو وہ کہنے لگا: اگر ان کے اوصاف بیان کرنا ضروری ہیں تو علی رضی اللہ عنہ کے مقاصد بڑے عظیم تھے، وہ بڑی قوت کے مالک تھے، فیصلہ کن بات کرتے، ❷ عادلانہ فیصلے کرتے، ان کے ہر پہلو سے علم کے چشمے پھوٹتے اور وہ حکمت پر مبنی گفتگو کرتے تھے، دنیا اور اس کی زیب وزیبائش سے متنفر، رات اور اس کی تنہائی سے مانوس تھے، بکثرت رویا کرتے اور طویل سوچ و بچار میں پڑے رہتے۔ آپ کو چھوٹا لباس اور سادہ کھانا پسند تھا، وہ ہم میں ایک عام آدمی کی طرح موجود رہتے، جب ہم ان سے سوال کرتے تو وہ اس کا جواب دیتے اور اگر کسی معاملہ کی آگاہی چاہتے تو ہمیں اس سے آگاہ کرتے، اللہ کی قسم! اگر چہ ہم ان کے قریب تھے اور وہ ہم سے قریب، تو بھی ہم ان کی ہیبت کی وجہ سے ان سے بات نہ کر پاتے۔ دین دار لوگوں کی تعظیم کرتے اور مساکین کو اپنے نزدیک رکھتے، طاقت ور ان کے باطل میں طمع نہ کرتا، کمزور ان کے عدل سے مایوس نہ ہوتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے انہیں متعدد بار دیکھا جب رات اپنے سائے پھیلا دیتی اور ستارے غروب ہو جاتے تو وہ اپنی داڑھی کو پکڑ کر بیمار انسان کی طرح تڑپتے اور غمگین انسان کی طرح روتے اور فرماتے: اے دنیا! میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے، تو میرے درپے ہوتی ہے یا میرے لیے بنتی سنورتی ہے۔ مجھ سے دور ہو جا، مجھ سے دور ہو جا، میں نے تجھے تین طلاق دے دیں جن میں رجوع کی گنجائش نہیں ہے، تیری عمر بڑی مختصر ہے اور تیرے خطرات بہت زیادہ۔ آہ، زاد سفر بہت کم، سفر بہت طویل اور راستہ پر خطر ہے۔

یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا: اللہ ابوالحسن پر رحم فرمائے، اللہ کی قسم! وہ انہی اوصاف سے متصف تھے۔ ضرار! ان پر تیرے غم کی کیا کیفیت ہے؟ اس نے جواب دیا: میرا غم اس ماں جیسا ہے جس کی گود میں اس کے شیر خوار بیٹے کو ذبح کر دیا جائے۔ ❸

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس بیٹھے تھے، میں نے آپ کو سلام کیا اور پھر بیٹھ گیا، میں اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو لایا گیا پھر انہیں گھر میں داخل کر کے اس کا دروازہ بند کر دیا گیا، میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے: رب کعبہ کی قسم! فیصلہ میرے حق میں ہوا، پھر جلد ہی معاویہ رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور وہ کہہ رہے تھے: رب کعبہ کی قسم! مجھے معاف کر دیا گیا۔ ❹

❶ الاستیعاب: ۳/ ۱۱۰۸.
❷ الاستیعاب: ۳/ ۱۱۰۷.
❸ الاستیعاب: ۳/ ۱۱۰۸.
❹ البدایة و النهایة: ۸/ ۱۳۳.

چوتھی بحث:

حسن بن علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہما کے عہد میں

عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی خارجی کے ہاتھوں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رمضان ۴۰ھ میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی امیر المومنین کے طور سے بیعت ہوئی۔ [1] جن کا آپ کے والد کے بعد لوگوں نے انتخاب کیا تھا، عبداللہ بن سبع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا آپ فرما رہے تھے: میری داڑھی کو میرے سر کے خون سے رنگ دیا جائے گا۔ بدنصیب میرے بارے میں کیا انتظار کر رہا ہے۔ [2] لوگوں نے کہا: امیر المومنین! آپ اپنے قاتل کے بارے میں ہمیں آگاہ فرمائیں، ہم اس کے قرابت داروں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ آپ نے فرمایا: اس طرح تو تم میرے بدلہ میں میرے قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل کر دو گے۔ انہوں نے کہا: آپ کسی کو ہمارا خلیفہ مقرر کر دیں، انہوں نے فرمایا: نہیں، میں تمہیں اس کے لیے چھوڑ جاؤں گا جس کے لیے تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا تھا۔ وہ کہنے لگے: جب اپنے رب کے پاس جاؤ گے تو اس وقت کیا کہو گے؟ فرمایا: میں یہ کہوں گا کہ میرے اللہ! جب تک تو نے چاہا مجھے ان میں باقی رکھا پھر تو نے مجھے اپنی طرف قبض کر لیا اگر تو چاہے تو ان کی اصلاح کر دے اور اگر چاہے تو انہیں خراب کر دے۔ [3] دوسری روایت میں ہے: میں کہوں گا: یا اللہ! جب تک تو نے چاہا مجھے ان کا خلیفہ بنائے رکھا پھر تو نے مجھے قبض کر لیا اور میں تجھے ان میں چھوڑ آیا۔ [4]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ چار تکبیروں کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور انہیں کوفہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ حسن رضی اللہ عنہ کی سب سے پہلے قیس بن سعد نے بیعت کی، انہوں نے کہا: اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور عہد شکن لوگوں کے ساتھ قتال پر آپ سے بیعت کرتا ہوں۔ اس کے جواب میں حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت پر، اس لیے کہ یہ ہر شرط کا احاطہ کرتی ہے، چنانچہ اس نے آپ سے بیعت کی اور خاموش ہو گیا اس کے بعد دوسرے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ [5] جب اہل عراق نے آپ سے بیعت کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے ان سے فرمایا: تم میری بات سنو گے بھی اور میری اطاعت بھی کرو گے جس سے میں صلح کروں گا اس سے تم بھی صلح کرو گے اور جس سے میں جنگ کروں گا اس سے تم بھی جنگ کرو گے۔ [6] دوسری

---

1. طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۵-۳۸۔ تحقیق ڈاکٹر احسان عباس۔
2. مجمع الزوائد: ۹/ ۱۳۹۔ مسند احمد: ۲/ ۳۲۵، حسن لغیرہ۔
3. مسند احمد: ۲/ ۳۲۵، حسن لغیرہ۔
4. کشف الاستار عن زوائد البزار: ۳/ ۲۰۴۔
5. تاریخ طبری: ٦/ ٧٧۔
6. ایضاً۔

روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم سے اپنی شرائط پر بیعت لوں گا۔ انہوں نے ان کے بارے پوچھا تو فرمایا: جس سے میں صلح کروں گا اس سے تم بھی صلح کرو گے اور جس سے میں جنگ کروں گا اس سے تم بھی جنگ کرو گے۔ ❶ ابن سعد کی روایت میں ہے: علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حسن رضی اللہ عنہ نے اہل عراق سے دو بیعتیں لیں: امارت پر اور اس بات پر کہ جہاں وہ داخل ہوں گے وہاں اہل عراق بھی داخل ہوں گے اور جس سے وہ راضی ہوں گے اس سے اہل عراق بھی راضی ہوں گے۔ ❷

گزشتہ روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت سنبھالنے کے فوراً بعد صلح کے لیے فضا ہموار کرنی شروع کر دی تھی، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے طور سے اپنی گرفت مضبوط بنانا شروع کر دی، عمال اور امراء کا تقرر کیا، لشکر تیار کیے، عطیات تقسیم کیے اور جنگجوؤں کے عطیات میں ایک ایک سو کا اضافہ کر دیا۔ جس سے آپ نے ان کے دل موہ لیے اور وہ آپ سے راضی ہو گئے۔ ❸

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کرنے کی بجائے ان سے جنگ کرنا بھی ممکن تھا، عسکری، اخلاق، سیاسی اور دینی پہلوؤں سے ان کی یکتا شخصیت اس کام کے لیے ان کی مدد ومعاون تھی علاوہ ازیں انہیں...... کئی ایسے تجربہ کار اور مردان کار کی حمایت بھی حاصل تھی جو اُن کے لیے فضا ہموار کر سکتے تھے مثلاً قیس بن سعد بن عبادہ، حاتم بن عدی طائی وغیرہ، یہ سب لوگ بدرجہ اتم قائدانہ صلاحیتوں سے مالا مال تھے، مگر حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے مسلمانوں کے خون بچانے، امت کو متحد کرنے اور اللہ تعالیٰ سے اخروی اجر وثواب حاصل کرنے کے لیے صلح وآشتی میں دلچسپی دکھائی اور حکومت اور حکومتی مراعات سے بے رغبتی کا مظاہرہ کیا، پھر انہوں نے آگے بڑھ کر اصلاحی پروگرام کی قیادت کی، وحدت امت کا تاج اپنے سر پر سجایا اور تمام تر قوت وطاقت کے باوجود معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔

ہمارے اس موقف کی تائید مندرجہ ذیل امور سے ہوتی ہے:

ا۔ علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب شوریٰ کی بنیاد پر ہوا تھا جس کے نتیجہ میں وہ حجاز، یمن، عراق اور ان تمام مقامات اور علاقوں سے شرعی اور قانونی خلیفہ قرار پائے جو اُن کے والد کے ماتحت تھے، آپ نے یہ منصب خلافت چھ ماہ تک سنبھالے رکھا، اور یہ مدت اس خلافت راشدہ کے ضمن میں آتی ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا تھا کہ اس کی مدت تیس سال ہے پھر بادشاہت کا دور دورہ ہوگا۔ اس سلسلہ میں آپ کا ارشاد ہے: ''میری امت میں تیس سال خلافت رہے گی اس کے بعد بادشاہت قائم ہو جائے گی۔'' ❹ اسی حدیث کے بارے میں ابن کثیر رقمطراز ہیں: خلافت کی یہ

---

❶ طبقات ابن سعد، تحقیق ڈاکٹر محمد سلمی: ۱/ ۲۸۶، ۲۴۷.

❷ ایضا: ۱/ ۳۱۶، ۳۱۷. ❸ تاریخ العراق فی ظل الحکم الاموی، ص: ٦٧، مقاتل الطالبین، ص: ٥٥.

❹ سنن ترمذی مع شرح تحفة الاحوذی: ٦/ ٣٩٥-٣٩٧، حدیث حسن.

تمیں سالہ مدت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر پوری ہوتی ہے اس لیے کہ وہ ماہ ربیع الاوّل ۴۱ھ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ربیع الاوّل ۱۱ھ میں ہوئی یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری تک کی درمیانی مدت پورے تیس سال بنتی ہے، آپ کے اس ارشاد کا شمار دلائل نبوت میں ہوتا ہے۔ صلوات اللّٰہ و سلامہ علیہ و سلم تسلیما . ❶

اس بنا پر حسن بن علی رضی اللہ عنہما پانچویں خلیفہ راشد قرار پاتے ہیں۔ ❷ آپ کی خلافت کی قانونی حیثیت کے بارے میں متعدد علماء نے گفتگو کی ہے جن میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں: ابوبکر بن العربی، ❸ قاضی عیاض، ❹ ابن کثیر، ❺ شارح عقیدہ طحاویہ، ❻ مناوی، ❼ اور ابن حجر ہیتمی۔ ❽ اگر حسن رضی اللہ عنہ چاہتے تو اپنی شرعی پوزیشن کی وجہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو تھکا سکتے تھے اور شامی حلقوں میں منظم پروپیگنڈہ مہم شروع کر کے ان کا اعتماد حاصل کر سکتے تھے یا کم از کم معاویہ رضی اللہ عنہ پر ان کے اعتماد کو متزلزل کر سکتے تھے اور یہ اس لیے کہ وہ جس معنوی قوت اور روحانی اثر ونفوذ کے مالک تھے اس کی حیثیت کوئی معمولی نہیں تھی، ایک تو اس لیے کہ انہیں شرعی اور قانونی حیثیت حاصل تھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

۲۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی قائدانہ صلاحیتیں:...... ایک دن نفیر بن حضرمی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آپ خلافت کے خواہش مند تھے، تو اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا: عرب کے بااثر لوگ میری مٹھی میں تھے وہ اس سے صلح کرتے جس سے میں صلح کرتا اور اس سے جنگ کرتے جس سے میں جنگ کرتا، مگر میں نے اللہ کی رضا کے حصول کے لیے خلافت کو ترک کر دیا۔ ❾ حسن رضی اللہ عنہ کی یہ شہادت اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ ان کی پوزیشن بہت مضبوط تھی اور یہ کہ ان کے پیروکار صلح ہو یا جنگ ہر حالت میں ان کے ساتھ تھے، علاوہ ازیں آپ بڑا موثر خطابی اور تقریری ملکہ رکھتے تھے۔ فصاحت بیانیہ، قوت تاثیر اور جذبات کی صداقت سے متصف تھے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ آپ نواسہ رسول تھے۔ ان سب چیزوں نے آپ کی قوت اور خود اعتمادی میں کئی گنا اضافہ کر دیا تھا۔ ہمارے پاس اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے انتہائی مشکل اور مایوس کن حالات میں اہل کوفہ کو اپنے باپ کا ساتھ دینے پر آمادہ کر لیا، اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جنگ میں شریک ہو کر قتل وقتال کرنے اور فتنہ میں حصہ لینے سے روک رکھا تھا اور اس کے لیے وہ انہیں فتنہ میں شریک ہونے سے ممانعت پر مشتمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنایا کرتے تھے۔ ❿ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی طرف حضرت حسن سے پہلے محمد بن ابوبکر اور محمد بن

---

❶ البدایة و النهایة: ۱۱/ ۱۳٤ . ❷ مأثر الانافة: ۱/ ۱۰۵۔ مرویات خلافة معاویة، ص: ۱۵۵ .
❸ احکام القرآن: ٤/ ۱۷۲۰ . ❹ صحیح مسلم پر شرح نووی: ۱۲/ ۲۰۱ .
❺ البدایة و النهایة: ۱۱/ ۱۳٤ . ❻ شرح عقیدة طحاویة، ص: ٥٤٥ .
❼ فیض القدیر: ۲/ ٤۰۹ . ❽ الصواعق المحرقة: ۲/ ۳۹۷ .
❾ البدایة و النهایة: ۱۱/ ۲۰٦ . ❿ تاریخ طبری: ٥/ ٥۱٤ . مصنف ابن ابی شیبة: ۱۲/ ۱٥ . اس کی سند حسن ہے۔

جعفر کو بھیجا مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے، پھر انہوں نے ہشام بن عقبہ بن ابووقاص کو بھیجا تو انہیں بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور اس کی وجہ ان کا ابوموسیٰ اشعری سے شدید طور سے متاثر ہونا تھا۔ ❶ اس کے بعد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا گیا اور پھر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حسن رضی اللہ عنہ کو، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ان لوگوں پر خاصا اثر تھا، آپ لوگوں میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: لوگو! اپنے امیر کی دعوت پر لبیک کہو اور اپنے بھائیوں کی طرف چلو، یقیناً کچھ لوگ ایسے ضرور ہوں گے جو اس کام کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے، اللہ کی قسم! اگر اس کے لیے اصحاب دانش و بینش اٹھیں گے تو اس کا انجام بہتر بھی ہوگا اور اس کا نتیجہ بھی جلدی سامنے آئے گا۔ ❷ لہٰذا ہماری دعوت پر لبیک کہو اور جس آزمائش سے ہم اور تم سبھی دوچار ہیں اس میں ہماری مدد کرو۔ ❸ اس پر بہت سارے اہل عراق نے ان کی دعوت پر لبیک کہا اور چھ سے سات ہزار تک لوگ عمار بن یاسر اور حسن رضی اللہ عنہما کے ساتھ امیر المومنین کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ ❹ ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت سے ہی کوفہ کے والی چلے آرہے تھے اور ان کا شمار عراق کے محبوب عوام قائدین میں ہوتا تھا اور وہ اپنے علم و فضل اور زہد کی وجہ سے لوگوں میں خصوصی مقام و مرتبہ کے حامل تھے۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود حضرت حسن رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کو اپنی صف میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور وہ ان کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔

۳۔ بعض بڑے قائدین کا ان صف میں موجود ہونا:...... حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے کیمپ میں بڑے بڑے قائدین شامل تھے، مثلاً ان کے بھائی حسین رضی اللہ عنہ، ان کے عم زاد عبداللہ بن جعفر، قیس بن سعد بن عبادۃ اور عدی بن حاتم وغیرہم۔ اگر حسن رضی اللہ عنہ خلافت کے متمنی ہوتے تو وہ اس قیادت کو متحرک کرنے کے لیے اسے میدان عمل میں اتار دیتے اور وہ لوگوں کو مطمئن کر کے انہیں معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے تیار کرتے اس طرح وہ کم از کم اپنے زیر اثر علاقہ پر خلافت قائم رکھ سکتے تھے۔

۴۔ ان کا اہل عراق کی نفسیات سے بخوبی آگاہ ہونا:...... حسن رضی اللہ عنہ کو اہل عراق کے ساتھ معاملات طے کرنے کی خصوصی صلاحیت و مہارت حاصل تھی اور آپ ان کی نفسیات سے بخوبی آگاہ تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آغاز کار میں ہی ان کے وظائف میں اضافہ فرما دیا، اگرچہ اپنے اپنے اصلاحی پروگرام کی کامیابی کی مہم جس کی وہ خود قیادت کر رہے تھے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے سے بھی مشکل تھی مگر وہ اس کے باوجود وہ ان کثیر مشکلات پر قابو پانے میں کامیاب رہے جن کا انہیں قدم قدم پر سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ان کی انہیں مصالحتی کوششوں کی وجہ سے بعض لوگوں نے انہیں قتل کرنے کی کوشش بھی کی اور ان کی اس پالیسی کو مسترد

---

❶ خلافۃ علی بن ابی طالب، ص: ۱۴۴۔ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۴۸۶۔
❷ فتح الباری: ۱۳/ ۵۳۔ علی بن ابی طالب، صلابی: ۲/ ۶۰۔
❸ تاریخ طبری: ۵/ ۵۱۶۔ ❹ ایضًا۔

کر دیا۔ مگر انہوں نے ان تمام مشکلات پر قابو پا لیا اور اپنے یہ مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب رہے کہ مسلمانوں کا خون محفوظ رہے، امت متحد رہے، راستے پرامن ہوں اور فتوحات اسلامیہ کی تحریک کو نئے سرے سے شروع کیا جائے...... یہ سب چیزیں ان کی قائدانہ صلاحیتوں پر دلالت کرتی ہیں۔

۵۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حسن رضی اللہ عنہ کی فورسز کا اندازہ لگانا:...... صحیح بخاری میں ہے: حسن بن علی رضی اللہ عنہما پہاڑوں جیسے لشکروں کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بالمقابل کھڑے نظر آئے تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میرے خیال میں یہ سپاہ اس وقت تک واپس نہیں جائیں گی جب تک وہ اپنے مدمقابل معاویہ رضی اللہ عنہ کی سپاہ کو قتل نہ کر ڈالیں۔ یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: عمرو! اگر انہیں قتل کر دیا گیا تو مجھے لوگوں کے امور اور ان کی عورتوں اور بچوں کی ضمانت کون دے گا؟ پھر انہوں نے خاندان قریش سے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا اور ان سے کہا: اس آدمی کے پاس جائیں، ان سے بات چیت کریں، انہیں پیش کش کریں اور ان سے گزارشات کریں۔ [1]

ا:...... عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جیسے مشہور اور تجربہ کار سیاسی اور فوجی کمانڈر کی طرف سے اعتراف کیا جا رہا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر واپس جانے سے پہلے پہلے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو نیست و نابود کر ڈالیں گے۔

ب:...... خود معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان کی عسکری صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر فریقین میں سے کسی کو فوجی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو ایسا طرفین کے بھاری نقصانات کے بعد ہی ممکن ہو گا اور اگر وہ جیت بھی جائیں تو وہ ان ذمہ داریوں کو نبھانے سے قاصر ہوں گے جو جنگ کے بعد بیوہ عورتوں، یتیم بچوں اور بہترین مسلمانوں کے قتل ہو جانے کی وجہ سے ان پر عائد ہوں گی اور وہ امت اسلامیہ کو لاحق ہونے والے معاشرتی، اخلاقی، سیاسی اور اقتصادی مفاسد و نقصانات کے متحمل کبھی نہیں ہو سکیں گے۔ انہیں خطرات و خدشات کے پیش نظر انہوں نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایسے دو سرکردہ اشخاص کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جنہیں اسلامی معاشرے میں اثر و رسوخ حاصل تھا اور وہ حسن رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی بڑے محترم تھے اور وہ دونوں قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے، ان حکیم و دانا شخصیات کو معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بھی حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کرنے کے شدید طور سے خواہش مند تھے چاہے اس کے لیے جو بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔ اگر حالات کی باگ دوڑ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور ان کے اعوان و انصار کے ہاتھ میں نہ ہوتی اور معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے خوفزدہ نہ ہوتے تو انہیں سیّدنا حسن رضی اللہ عنہما سے مذاکرات کرنے اور ان کی طرف سے طلب کردہ شروط اور ضمانتوں کو تسلیم کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اگر انہیں حسن بن علی رضی اللہ عنہما میں کوئی کمزوری نظر آتی تو وہ ان سے مذاکرات کیے بغیر ہی کوفہ میں داخل ہو جاتے اور ان کی شرائط اور مطالبات کو ہرگز کوئی اہمیت نہ دیتے۔ [2] سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما جس خلق عظیم سے متصف تھے وہ صلح و آشتی کی طرف مائل تھا اور

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلح، رقم: ۲۷۰۴۔
[2] دراسات فی تاریخ خلفاء الدولۃ الامویۃ، ص: ٦١۔

جس کی وجہ سے آپ اصلاح امت کا واضح تصور رکھتے تھے، آخرکار آپ صلح و امن کے راستے کے کانٹوں کو ختم کرنے اپنے سامنے حائل رکاوٹوں کو عبور کرنے اور مشکلات کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو گئے، پھر انہوں نے صلح کی شرائط لکھیں اور آخرکار معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسی شان دار صلح کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کا رہتی دنیا تک ان کے شاندار اور قابل فخر کارناموں میں شمار ہوتا رہے گا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کرنے اور مسلمانوں کے خون بچانے کے لیے وہی کردار ادا کیا جو عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کر کے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے جنگ کر کے ادا کیا تھا۔ [1] اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے صلح کے اس عمل کا شمار اہم ترین دلائل نبوت میں ہوتا ہے۔ اس کی دلیل ابوبکرہ سے مروی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: ''میرا یہ بیٹا سردار ہوگا اور یقیناً اللہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کی صلح کروا دے گا۔'' [2]

اولاً: ......صلح کے اہم مراحل

یہ صلح کئی مراحل سے گزری، جن میں سے اہم ترین مراحل مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا مرحلہ: ......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کروا دے۔ یہ اسی بابرکت دعا کا نتیجہ تھا کہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ مکمل اعتماد اور صمیم القلبی کے ساتھ صلح کے لیے پیش قدمی پر آمادہ ہوئے۔ [3]

دوسرا مرحلہ: ......حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے اہل عراق سے بیعت لینے کی یہ شرط کہ جس سے وہ صلح کریں گے اس سے اہل عراق بھی صلح کریں گے اور جس سے وہ جنگ کریں گے اس کے ساتھ اہل عراق بھی جنگ کریں گے۔ [4]

تیسرا مرحلہ: ...... جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کرنے کے لیے ان کا دلی ارادہ ظاہر ہوا تو انہیں اچانک موت کی نیند سلا دینے کی پہلی کوشش جو کہ بظاہر ان کے منصب خلافت سنبھالنے کے تھوڑی ہی دیر بعد کی گئی۔ [5]

چوتھا مرحلہ: ......حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عراقی لشکر کے ساتھ کوفہ سے مدائن کی طرف روانگی اور ان کی طرف سے قیس بن سعد بن قیس کی قیادت میں تباہ کن لشکر کی ترسیل۔ [6]

پانچواں مرحلہ: ......حضرت حسن کی اپنے لشکروں کے ساتھ کوفہ سے مدائن روانگی کا علم ہونے پر معاویہ رضی اللہ عنہ کا شام سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہونا۔

چھٹا مرحلہ: ......حسن رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان خط و کتابت اور ان کے درمیان صلح کا معاہدہ۔

ساتواں مرحلہ: ......حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اچانک قتل کر دینے کی کوشش۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور

---

[1] مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری، ص: ۱۳٤.

[2] صحیح بخاری، رقم: ۷۱۰۹.

[3] مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری، ص: ۳۱۷.

[4] ایضا، ص: ۱۵٦.

[5] ایضا، ص: ۱۲٦.

[6] ایضا، ص: ۱۲۸.

معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح کے مذاکرات کامیابی سے ہم کنار ہو گئے تو انہوں نے اپنے پیروکاروں کو اسے قبول کرنے کے لیے ذہنی طور سے تیار کرنا شروع کر دیا، چنانچہ آپ انہیں اس سے آگاہ کرنے کے لیے خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، تو اس دوران ان کے لشکر کے بعض لوگ انہیں قتل کرنے کے لیے ان پر حملہ آور ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بار پھر ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ [1]

آٹھواں مرحلہ: ......حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا خلافت سے دستبردار ہو کر اسے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دینا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو ان کے لشکر میں پیدا ہونے والے فتنہ سے نجات دے دی تو وہ مدائن کو چھوڑ کر کوفہ کی طرف چل دیئے، اور پھر اہل کوفہ کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: وہ معاملہ جس میں میرا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف تھا، اگر وہ حق میرا ہے تو میں نے اس امت کی اصلاح اور اس کے خون بچانے کی خاطر اسے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ترک کیا اور اگر یہ کسی ایسے آدمی کا حق ہے جو مجھ سے زیادہ اس کا حق دار ہے تو میں نے اسے اس کا حق دے دیا: ﴿وَ اِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ﴾ (الانبیاء: ۱۱۱) [2] ''اور میں نہیں جانتا شاید کہ یہ تمہارے لیے فتنہ اور ایک وقت تک کے لیے فائدہ ہو۔''

ثانیاً:......حسن رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والی اس صلح کے اہم اسباب

۱۔ اللہ کے ہاں موجود اشیاء میں رغبت اور امت کی بہتری واصلاح کا ارادہ:...... جب نفیر حضرمی نے حسن رضی اللہ عنہ کے سامنے کہا کہ لوگوں کا خیال ہے آپ تم خلافت کے خواہش مند ہو۔ تو انہوں نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: عرب کے سرکردہ اور موثر لوگ میری مٹھی میں ہیں، وہ اس سے صلح کریں گے جس سے میں صلح کروں گا اور اس سے جنگ کریں گے جس سے میں جنگ کروں گا، میں نے خلافت کو اللہ کی خوشنودی کے لیے ترک کر دیا ہے۔ [3]

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کرنا:...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی تھی کہ وہ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کروائے۔ [4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا حسن رضی اللہ عنہ کے دل کی گہرائی میں اتر گئی، ان کے احساسات ومشاعر پر غالب آ گئی اور ان کے رگ وریشہ میں رچ بس گئی، اس توجیہ کو اپنے قلب وذہن میں اتارنے کے بعد آپ نے اس پر اپنے اصلاحی پروگرام کی بنیاد رکھی اور اسے مختلف مراحل میں تقسیم کیا جس کے مثبت نتائج کا آپ کو پورا پورا یقین تھا۔ الغرض نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو صلح کے لیے آمادہ کرنے کا اساسی اور مرکزی سبب تھا۔

---

[1] مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری، ص: ۱۳۹.

[2] المعجم الکبیر: ۳/ ۲۶. اس کی سند حسن ہے۔

[3] البدایة و النهایة: ۱۱/ ۲۰۶.

[4] بخاری، رقم: ۷۱۰۹.

۳۔ **مسلمانوں کے خونوں کو بچانا:**...... حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھے یہ ڈر ہے کہ قیامت کے دن ستر ہزار یا اس سے کم وبیش لوگ اس حال میں آئیں کہ ان کی رگوں سے خون بہہ رہا ہو اور وہ سب کے سب اللہ سے مدد کے خواست گار ہوں۔ ❶ انہوں نے مزید فرمایا: خبردار! اللہ کا امر واقع ہو کر رہے گا اور اسے کوئی روک نہ سکے گا اگرچہ لوگ اسے ناپسند کریں۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ میری وجہ سے محمد ﷺ کی امت کا معمولی سا خون بھی بہایا جائے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میرے لیے نفع بخش کیا ہے اور ضرر رساں کیا۔ ❷

۴۔ **وحدت امت کی خواہش:**...... صلح کے ایک مرحلہ پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: لوگو! میرے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کینہ نہیں ہے۔ میں تمہارے لیے وہی کچھ چاہتا ہوں جو اپنے لیے چاہتا ہوں، میری ایک رائے ہے، اسے رڈ نہ کرنا جس جمعیت کو تم ناپسند کرتے ہو وہ اس تقسیم سے بہتر ہے جسے تم پسند کرتے ہو۔ ❸ پھر انہوں نے لوگوں کو وحدت امت جیسے عظیم مقصد پر تحریص دلائی، آپ نے مسلمانوں کے خون بچانے اور ان مفاسد سے بچنے کے لیے خلافت سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کرلیا تھا جو مستقبل میں امت کو لاحق ہو سکتے تھے۔ اور یہ کہ اگر وہ اپنے گزشتہ موقف پر ڈٹے رہتے تو اس سے فتنہ جاری رہے گا، خون ریزی اور قطع رحمی ہوگی، راستے پرخطر رہیں گے اور سرحدیں غیر محفوظ ہو کر رہ جائیں گی، بحمد اللہ ان کی خلافت سے دست برداری کی وجہ سے وحدت امت متحقق ہوگئی یہاں تک کہ اس سال کو ''عام الجماعۃ'' کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ ❹

۵۔ **امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت:**...... حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح پر آمادہ کرنے والا اہم ترین سبب ان کے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی۔ ان کے اچانک قتل نے ان کی نفسیات پر گہرے اثرات چھوڑے اور انہیں بہت زیادہ غم ناک کر دیا۔ امیر المومنین کو بلا کسی جواز کے ناحق قتل کر دیا گیا، خوارج نے نہ تو ان کے سابق الاسلام ہونے کا کوئی احترام کیا اور نہ ان کی ان خدمات جلیلہ کا ہی کوئی لحاظ کیا جو انہوں نے اسلام کے لیے پیش کی تھیں، ان کی حیات مبارکہ عمل وکردار سے عبارت تھی، سیدنا علی رضی اللہ عنہ مینارہ رشد و ہدایت اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والے تھے، یہ ایک طبعی سی بات تھی کہ مسلمان ان کی شہادت سے شدید طور سے متاثر ہوئے، ان کی شہادت مسلمانوں پر ایک بہت بڑی آفت بن کر ٹوٹی اور اس کے غم نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا، ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور ان کی زبانیں ان کی تعریف وستائش...... ان کی شہادت کی وجہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اہل عراق سے بددل ہو گئے، جن عراقیوں کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے مکارم اخلاق اور شرف صحبت نے جی بھر کر نوازا تھا۔ انہیں فتنوں اور طمع و لالچ نے گمراہ کر دیا اور وہ صراط مستقیم سے منحرف ہو گئے، ان سے وہ چند سچے لوگ مستثنیٰ ہیں جو اپنے دین اور

---

❶ البداية و النهاية: ١١/ ٢٠٦.
❷ تاريخ دمشق: ١٤/ ٨٩.
❸ الاخبار الطوال، ص: ٢٠٠.
❹ اعتبارات المآلات و مراعاة نتائج التصرفات، ص: ١٦٧

عظیم خلیفہ کے ساتھ مخلص تھے۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت عہد خلافت راشدہ کے لیے ایک بھاری ضرب ثابت ہوئی جو بعدازاں اس کے زوال کا ایک اہم سبب ثابت ہوئی۔

۶۔ **معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت:**...... اس امر کے باوجود کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ چالیس ہزار سے زائد ایسے لوگ تھے جنہوں نے ان سے موت پر بیعت کر رکھی تھی ان کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کی اہلیت رکھتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم منصب خلافت ان کے سپرد نہ کرتے۔ ❶ مؤرخین اور سوانح نگاروں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل کثیرہ اور اعمال جلیلہ کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے جن کا ذکر ان شاء اللہ اس کتاب میں اپنی جگہ پر آئے گا۔

۷۔ **عراقی لشکر اور اہل کوفہ کا اضطراب:**...... خوارج کے ظہور نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو کمزور کرنے میں خاصا کردار ادا کیا، جنگ جمل، جنگ صفین اور نہروان کی جنگ نے اہل عراق کو جنگوں سے اکتا دیا اور وہ ان سے متنفر ہو گئے۔ خصوصاً اہل شام کے ساتھ لڑی گئی جنگ صفین نے انہیں شدید طور پر متاثر کیا تھا، اہل شام کی یہ جنگ دوسری جنگوں جیسی نہیں تھی اور یہ ان کے ذہنوں کے ساتھ چپک کر رہ گئی تھی، اس جنگ نے کتنے ہی بچوں کو یتیم بنایا اور کتنی ہی عورتوں کے سہاگ لوٹے مگر اس سے ان کا کوئی بھی مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ اگر وہ صلح یا تحکیم نہ ہوتی جسے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے خوش دلی سے قبول کیا تھا تو پھر عالم اسلام پر ایسی آفت ٹوٹتی جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ اہل عراق علی رضی اللہ عنہ کو حق پر سمجھتے تھے ❷ مگر ان کی طرف سے دوبارہ ان کے ساتھ شام روانہ ہونے سے کم دلی کا مظاہرہ کرنے کی وجہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دست بردار ہو گئے اور وہ ایسا کیوں نہ کرتے جبکہ عراقی لشکر اضطرابی کیفیت سے دوچار تھا اور اہل کوفہ غیر یقینی صورت حال سے۔ ❸ مگر اس بات کا اطلاق سب لوگوں پر درست نہ ہوگا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر کو کچھ ایسے لوگوں سے تقویت دینا ممکن تھا جو جنگ کرنے کی پوری استعداد رکھتے تھے جن میں سے خاص طور پر قیس بن سعد خزرجی اور دیگر قائدین سرفہرست ہیں۔ ❹

۸۔ **لشکر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قوت:**...... دوسری جانب معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہی اہل عراق کو کمزور کرنے کے لیے سری اور اعلانیہ طور پر مختلف وسائل کا استعمال کر رہے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے خاص طور سے علوی لشکر کی پھوٹ اور تقسیم سے فائدہ اٹھایا جبکہ کئی ایک عوامل نے ان کی حربی قوت میں مزید اضافہ کر دیا، مثلاً: ان کا لشکر ان کا اطاعت گزار تھا، تمام اہل شام ان کی قیادت پر متفق تھے، ولایت شام میں

---

❶ الناهية عن امير المومنين معاوية، ص: ۵۷.

❷ خلافة علی بن ابی طالب، عبدالحمید، ص: ۳۴۵.

❸ الشيعة و اهل البيت، ص: ۳۷۹، نقلاً عن الاحتجاج للطبرسی، ص: ۱۴۸.

❹ خامس الخلفاء الراشدين الحسن بن علی، صلابی، ص: ۳۵۸.

انہیں انتظامی تجربہ حاصل تھا، ان کے مالی ذرائع مستحکم تھے اور وہ ان اہداف کے حصول کے لیے مال خرچ کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھتے جنہیں امت کے لیے مفید خیال کرتے۔

ثالثاً:...... صلح کی شرائط

تاریخی کتب اور جدید مصادر اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان یہ صلح طرفین کی طرف سے وضع کردہ شرائط کے مطابق ہوئی تھی۔ یہ شرائط مختلف کتب تاریخ میں ادھر ادھر بکھری پڑی ہیں۔ بعض علماء نے انہیں جمع اور مرتب کرنے کی کوشش کی ہے، ان میں سے اہم ترین شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم پر عمل کرنا:...... جن علماء نے اس شرط کا ذکر کیا ہے ان میں ابن حجر ہیثمی بھی شامل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے اس شرط پر صلح کی کہ وہ مسلمانوں کی ولایت ان کے سپرد کر دیں گے اور وہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سیرت کے مطابق کام کریں گے۔ [1] حتیٰ کہ بعض شیعہ کتب میں بھی اس شرط کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما حضرات ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کی اس حکومت کی تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے، اسی لیے کہ انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کی ایک شرط یہ رکھی کہ وہ کتاب و سنت کے ساتھ ساتھ خلفاء راشدین کی سنت کے مطابق نظام حکومت چلائیں گے۔ [2] ایک دوسرے نسخہ میں ''خلفاء صالحین'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ [3]

۲۔ اموال:...... امام بخاری اپنی صحیح میں ذکر کرتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن سمرۃ اور عبداللہ بن عامر بن کریز پر مشتمل معاویہ رضی اللہ عنہ کے وفد سے کہا: ہم عبدالمطلب کی اولاد کو خلافت کی وجہ سے بہت سا مال و زر حاصل ہوا ہے، میرے لیے اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ انہوں نے کہا: اس کے ذمہ دار ہم ہیں۔ [4] اس اثر میں حسن رضی اللہ عنہ بتا رہے ہیں کہ انہوں نے اور بنو عبدالمطلب سے دوسرے لوگوں نے گزشتہ ایام میں کافی سارا مال حاصل کیا، انہوں نے یہ بات اس لیے کی تاکہ معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے اس مال کی واپسی کا مطالبہ نہ کریں، انہوں نے مستقبل میں ان سے مال و زر کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ [5] رہیں وہ روایات جن میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہر سال حسن رضی اللہ عنہ کو دس لاکھ اور ان کے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کو بیس لاکھ درہم ادا کیا کریں گے اور بنو ہاشم کو بنو عبدشمس سے زیادہ عطیات سے نوازا کریں گے تو یہ روایات اور ان کی تحصیل وتشریح میں جو کچھ کہا گیا ہے ناقابل قبول اور غیر معتمد علیہ ہے۔ اس سے تو یہ لگتا ہے کہ گویا حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فروخت کی ہو۔ نیز ان روایات سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے ذاتی

---

[1] الصواعق المرسلة: ۲/ ۳۹۹۔
[2] الشیعة و اهل البیت، ص: ٥٤ .
[3] منتهی الآمال: ۲/ ۲۱۲ نقلًا عن الشیعة و اهل البیت، ص: ٥٤ .
[4] بخاری، رقم: ۲۷۰٤ .
[5] دراسة فی تاریخ الخلفاء الاموییین، ص: ٦٤ .

مفادات کا خیال زیادہ جبکہ امت کے مفادات کا خیال کم تھا۔ ❶ جہاں تک عطیات کا تعلق ہے تو ان پر صرف ان کا حق نہیں تھا بلکہ دوسرے مسلمان بھی ان میں برابر کے حق دار تھے البتہ اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ ان میں ان کا حصہ دوسروں سے زیادہ ہو مگر وہ اس مقدار کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچتا جس کا ذکر روایات میں کیا گیا ہے۔ ❷

۳۔ خون:...... جانبین میں صلح کے اتفاق کے ضمن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ دونوں طرف کے تمام لوگوں کو امن وامان حاصل ہوگا اور ان میں سے کسی کا بھی کسی لغزش یا کینہ کی وجہ سے مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا۔ بخاری کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے وفد سے کہا کہ ہمارے ساتھ کے لوگ خون خرابہ کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ تو وفد نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہ ضمانت دی کہ سب لوگوں کو خون خرابہ معاف کر دیا جائے گا۔ ❸

اس بات پر طرفین کا مکمل اتفاق تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جو کچھ بھی ہوا اس کا کسی سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ قاعدہ بڑی اہمیت کا حامل تھا جس کا مقصد ماضی سے ہٹ کر حال اور مستقبل پر ارتکاز کرنا ❹ اور گزشتہ دور کی رنجشوں کو بھلا کر نئے دور کا آغاز کرنا تھا۔ الغرض اس صلح کی بنیاد عام معافی پر رکھی گئی تھی اور عملاً بھی ایسا ہی ہوا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی بھی شخص کو اس کے گزشتہ گناہ پر سزا نہیں دی تھی، یوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ صلح عفو واحسان اور تالیف قلوب پر مبنی تھی۔

۴۔ ولایت عہد یا شوریٰ:...... یہ بھی کہا گیا ہے کہ شرائط صلح میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی جائے گی ❺ اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی میں وہ کسی حادثہ کا شکار ہو گئے تو جملہ معاملات ان کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔ ❻
مگر ابن اعثم حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: مجھے معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے معاملہ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اگر مجھے اس کی خواہش ہوتی تو خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے ہی نہ کرتا۔ ❼ اگر ہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد طلب خلافت کی روایات کا باریک بینی سے جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ وہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے کرم وسخا اور خودداری کے منافی ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کے خون بچانے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خلافت سے دست بردار ہو جائیں اور پھر دوبارہ اس کے حصول کے مطالبات کرنے لگیں، اس قول کے غیر صحیح ہونے کی دلیل

❶ دراسة فی تاریخ الخلفاء الامویین، ص: ٦٤.
❷ ایضا، ص: ٦٣.
❸ بخاری، کتاب الصلح: ٢/ ٩٦٣.
❹ الدور السیاسی للصفوة فی صدر الاسلام، ص: ٣٤١.
❺ فتح الباری: ١٣/ ٧٠.
❻ سیر اعلام النبلاء: ٣/ ٢٦٤.
❼ الفتوح: ٤٨/ ٤٩٣.

جبیر بن نفیر سے مذکوران کا یہ قول ہے کہ میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ آپ خلافت کے خواست گار ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عرب کے بااثر لوگ میری مٹھی میں تھے وہ ان سے صلح کرتے جن سے میں صلح کرتا اور اس سے جنگ کرتے جن سے میں جنگ کرتا، مگر میں نے اسے اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ دیا۔ [1] یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا ان کے ابناء میں سے کسی نے بھی یزید کی بیعت کے درمیان اس بات کا حوالہ نہیں دیا تھا، اگر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ولی عہد مقرر کرنے کی کوئی بات ہوتی تو اسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ یزید کے خلاف دلیل کے طور سے استعمال کرتے مگر ایسی کوئی بھی بات ہمارے علم میں نہیں آئی، اور یہ اس بات کی تاکیدی دلیل ہے کہ اس بات کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

اگر شروط صلح میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے ولی عہد کے منصب کی شرط رکھی گئی ہوتی تو وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد امارت میں حکومتی حلقوں کے قریب رہتے یا کسی بڑے صوبہ کے والی کے منصب پر فائز ہوتے نہ کہ حکومتی معاملات سے الگ ہو کر مدینہ منورہ میں گوشہ نشین ہو جاتے۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ بات بھی ہے کہ اس دور کی روح اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ امت اسلامیہ حاکم کا انتخاب شوریٰ کے ذریعہ کرتی تھی اور یہی اصل طریق کار ہے۔

رابعًا:...... صلح کے نتائج

۱۔ ایک ہی قیادت کے تحت امت کا اتحاد و یگانگت۔

۲۔ گزشتہ ادوار کی طرح فتوحات اسلامیہ کا آغاز۔

۳۔ خوارج کے خلاف حکومت کا یکسو ہونا۔

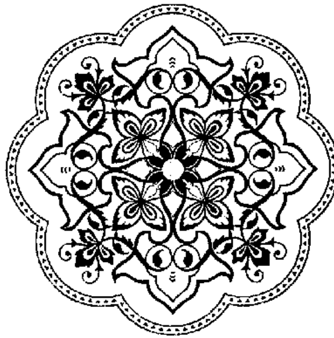
۴۔ اسلامی دارالحکومت کا سرزمین شام میں منتقل ہونا۔



[1] البداية و النهاية: ١١/ ٢٠٦.

دوسری فصل

بیعت معاویہ رضی اللہ عنہ
ان کی اہم صفات اور نظام حکومت



پہلی بحث:

بیعت معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کی اہم صفات اور علماء کی طرف سے ان کی تعریف

(۱)...... بیعت معاویہ رضی اللہ عنہ

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دستبرداری کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے منصب خلافت سنبھالنے کے تمام عوامل مکمل اور کل اسباب فراہم ہو گئے، ۴۱ھ میں امیر المومنین کے طور پر ان سے بیعت کی گئی اور اس سال کو عام الجماعۃ کے نام سے موسوم کیا گیا [1] اور پھر وہ امت کے ذہن میں اسی نام کے ساتھ محفوظ ہو گیا، یہ واقعہ امت کے قابل فخر کارناموں میں شمار ہوتا ہے جس پر وہ آج تک نازاں وفرحاں ہے۔ اس سال معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت پر امت کا اتفاق ہوا اور اس نے انہیں اپنے امیر کے طور سے پسند کر لیا، اس ہمہ گیر وحدت و یگانگت پر درد دل رکھنے والے مسلمانوں کو دلی خوشی ہوئی۔ امت اسلامیہ پر اولاً تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا اور پھر اس عظیم اصلاحی پروگرام کے منصوبہ ساز سیّد کبیر حضرت حسن بن علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہما کا یہ احسان عظیم تھا۔ عام الجماعۃ دلیل نبوت بھی ہے اور حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے ایک کھلی اور روشن فضیلت بھی۔ عقاد نے اپنے جس قول میں ان تمام مورخین کو گمراہ اور جاہل بتایا ہے جنھوں نے اس سال کو عام الجماعۃ کے نام سے موسوم کیا تو ان کا یہ قول غیر صحیح فہم کا نتیجہ ہے، لہٰذا ناقابل التفات ہے۔ [2] عقاد یہ غلط فیصلہ کرنے والا پہلا شخص نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے اکثر شیعہ مورخین بھی یہ بات کہہ چکے ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہی فخر کافی ہے کہ ان کے زمانے میں تمام بقید حیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے بیعت کی، معاویہ رضی اللہ عنہ پر امت کا اجماع ہوا اور علماء صحابہ و تابعین نے ان سے بیعت کی، ان کی خلافت کو شرعی قرار دیا، ان کی امامت کو پسند کیا۔ ان کے نزدیک معاویہ رضی اللہ عنہ ہی وہ بہترین فرد تھے جو مسلمانوں کے معاملات کو سرانجام دینے اور اس مرحلہ میں ان کا حق ادا کرنے کی صلاحیت سے بہرہ مند تھے۔ اوزاعی سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ خلافت معاویہ کا دور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پایا، مثلاً سعد، اسامہ، جابر، ابن عمر، زید بن ثابت، مسلمہ بن مخلد، ابوسعید خدری، رافع بن خدیج، ابو امامہ، انس بن مالک اور متعدد دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ یہ سب لوگ ہدایت کے چراغ اور علم کے ظروف تھے۔ جنھوں نے نزول قرآن کا مشاہدہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفسیر اخذ کی۔ اس دور کو پانے والے تابعین میں سے مسور بن مخرمہ، عبدالرحمن بن الاسود بن عبد یغوث، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن محیریز سرفہرست ہیں۔ رحمہم اللہ [3]

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۳۷ . [2] معاویۃ بن ابی سفیان از عقاد، ص: ۲۵ .

[3] البدایۃ و النہایۃ: ۱۱/ ۴۳۴، ۴۳۵ .

ابن حزم فرماتے ہیں: پہلے حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت کی گئی اور پھر یہ معاملہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا گیا۔ جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے جو بدون اختلاف ان دونوں سے افضل تھے اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے فتح سے قبل خرچ بھی کیا اور قتال بھی۔ ان سب لوگوں نے اوّل سے آخر تک معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور ان کی خلافت کو درست تسلیم کیا۔ [1]

یقیناً ان اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس وقت ہی بیعت کی جب انہوں نے دیکھا کہ ان میں عدالت سمیت امامت کی تمام شرائط پائی جاتی ہیں۔ اب اگر کوئی شخص معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالت و امامت پر طعن کرتا ہے، جس شخص کو ان عظیم لوگوں نے اپنے دین اور دنیا کے لیے پسند اور قبول کیا تو کیا اسے ہم قبول نہ کریں اور اسے ہم پسند نہ کریں؟ ان میں سے جس نے یہ کہا کہ شاید انہوں نے کسی خوف کے پیش نظر ان سے بیعت کی ہوگی، تو یہ ان نفوس قدسیہ پر بزدلی اور کتمان حق کی تہمت ہے جو کہ یقیناً ناروا ہے، وہ تو ایسے لوگ ہیں جن کی شجاعت و بسالت سے ہر کوئی آگاہ ہے اور یہ کہ وہ اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی کوئی پروا نہیں کیا کرتے تھے۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا اپنے اندر تشتت و افتراق سے نہی پر مشتمل قرآنی آیات کا گہرا فہم اور درس بلیغ رکھتا ہے، مثلاً قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

''اور یہ کہ یہ دین میرا سیدھا راستہ ہے، پس تم اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر نہ چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، اس کا اللہ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔''

صراط مستقیم سے مراد قرآن، اسلام اور فطرت ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا فرمایا، اور سبل سے مراد نفسانی خواہشات، فرقے اور بدعات وخرافات ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں: سبل سے مراد بدعات، شبہات اور گمراہیاں ہیں۔ [3]

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اختلاف اور تفرق جیسی ان چیزوں سے منع فرمایا جن میں گزشتہ امتیں مبتلا ہو گئیں اور یہ اس امر کے بعد ہوا جب ان کے پاس واضح دلائل آئے اور اللہ نے ان پر کتابیں اتاریں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ وَ اُولٰٓىٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ (آل عمران: ۱۰۵)

''اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، انہی لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اختلاف سے بچنے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

---

[1] الفصل فی الملل و النحل: ۵/ ۶. [2] من سب الصحابة و معاوية فامه هاوية، ص: ۱۲۰.

[3] تفسیر مجاهد، ص: ۲۲۷، دراسات فی الاهواء و الفرق و البدع، ص: ۴۹.

''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ فرقہ مت بنو۔''

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی کامیاب صلح سے شریعت کا وہ عظیم مقصد پورا ہو گیا جو مسلمانوں کی وحدت اور اجتماع سے عبارت ہے جو کہ زمین میں اللہ کے دین کو موثر اور طاقت ور بنانے کا اہم ترین ذریعہ ہے جبکہ ہم ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرنے اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرنے کے پابند ہیں۔ مسلمانوں کے مابین حقیقی اصلاح کے لیے اسلامی تحریکوں کے قائدین، داعی حضرات اور مسلم علماء و طلباء کی کاوشوں کو مربوط کرنا اور ان کا ایک دوسرے کی مدد کرنا ازحد ضروری ہے۔ اس لیے کہ کسی مسئلہ کا آدھا حل اصلاح سے زیادہ بگاڑ پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ مسلمانوں کے باہمی تعاون اور ان کی وحدت کے وجوب پر دلالت کرنے والی قرآنی آیات اور احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: سب سے بڑا جہاد مسلمانوں کے دلوں کو جوڑنا، انہیں ان کے دین پر اکٹھا کرنا اور ان کی دینی اور دنیوی مصالح کے لیے کوششیں کرنا ہے۔ [1]

ابوسعید اور مجالد [2] سے مروی یہ مزعومہ حدیث ہرگز قابل التفات نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم معاویہ رضی اللہ عنہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اسے قتل کر دو۔'' [3] اس لیے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کا ایک راوی علی بن زید ضعیف ہے۔ جبکہ مجالد بھی ضعیف ہے۔ اس حدیث کو حکم بن ظہیرہ [4] کے طریق سے بھی بیان کیا گیا ہے اور وہ متروک ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو سب سے پہلے اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمل کرتے اس لیے کہ وہ اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی کوئی پروا نہیں کیا کرتے تھے۔ [5]

۱۔ عہد خلافت راشدہ کا اختتام:

خلافت راشدہ علی منہاج النبوۃ کے دور کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہونے کے ساتھ اختتام ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تک اللہ چاہے گا تم میں نبوت باقی رہے گی، پھر جب اللہ چاہے گا اسے اٹھا لے گا، پھر خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہوگی اور وہ جب تک اللہ چاہے گا باقی رہے گی پھر جب اللہ چاہے گا اسے اٹھا لے گا، پھر بادشاہت قائم ہوگی اور جب تک اللہ چاہے گا وہ باقی رہے گی، پھر جب اللہ اسے اٹھانا چاہے گا اٹھا لے گا۔ اس کے بعد جبری بادشاہت قائم ہوگی اور جب تک اللہ چاہے گا وہ باقی رہے گی اور پھر جب چاہے گا اسے اٹھا لے گا۔ اس کے بعد پھر خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہوگی۔'' پھر آپ خاموش ہو گئے۔ [6] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی صراحتاً فرمایا: ''خلافتِ نبوت تیس سال تک رہے گی پھر اللہ جسے چاہے گا اسے بادشاہت یا اپنی بادشاہت عطا فرمائے گا۔'' [7] اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''میری امت میں خلافت تیس سال

[1] وجوب التعاون بین المسلمین، ص: ٥.
[2] الکامل فی الضعفاء: ٦/ ٢٤١٦.
[3] البدایة و النهایة: ١١/ ٤٣٤۔ الکامل فی الضعفاء: ٢/ ٦٢٦.
[4] الکامل: ٢/ ٦٢٦، ٦٢٧.
[5] البدایة و النهایة: ١١/ ٤٣٤.
[6] مسند احمد: ٤/ ٣٧١، ٣٧٢۔ السلسلة الصحیحة.
[7] سنن ابی داود شرح عون المعبود: ١٢/ ٢٥٩.

تک رہے گی پھر اس کے بعد بادشاہت قائم ہو جائے گا۔'' ❶ اور خلافت کی یہ تیس سالہ مدت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر پوری ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ماہ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو وفات پائی اور حسن رضی اللہ عنہ ربیع الاوّل ۴۱ھ میں خلافت سے دستبردار ہوئے، اس طرح یہ مدت تیس سال بنتی ہے اور یہ خبر دلائل نبوت میں سے ایک اہم دلیل ہے۔ ❷

یہ حدیث نبوی مندرجہ ذیل تاریخی مراحل کی طرف اشارہ کرتی ہے:

الف:...... عہد نبوت

ب:...... خلافت راشدہ کا دور

ج:...... متشددانہ بادشاہت کا دور

د:...... جابرانہ بادشاہت کا دور

ھ:...... بعد ازاں خلافت علی منہاج النبوۃ

رسول اللہ ﷺ نے اس امر کی وضاحت فرما دی کہ پہلے خلافت نبوت و رحمت ہو گی اور پھر بادشاہت و رحمت۔ ❸ خلفائے راشدین کے بعد کے حکمران اگرچہ بادشاہ تھے مگر انہیں خلفاء کے نام سے موسوم کرنا بھی جائز ہے۔ مگر وہ انبیاء کے خلفاء نہیں تھے۔ اس کی دلیل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کے ہاتھ میں ہوا کرتی تھی، جب ایک نبی موت سے دوچار ہو جاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی آ جاتا، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور عنقریب خلفاء ہوں گے اور بکثرت ہوں گے۔ لوگوں نے کہا: آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پہلے سے وفاداری کرو، پھر اس کے بعد والے کی، اور انہیں ان کا حق دو، اللہ ان سے ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں ضرور سوال کرے گا۔'' ❹ آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''وہ بکثرت ہوں گے'' اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے مراد خلفاء راشدین کے علاوہ دیگر خلفاء ہیں، اس لیے کہ وہ زیادہ نہیں تھے، نیز آپ ﷺ کا یہ قول: ''پہلے کی بیعت کا ایفاء کرو پھر اس کے بعد والے کی بیعت کا اور انہیں ان کا حق دو'' اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اختلاف کریں گے جبکہ خلفاء راشدین کا آپس میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد: ''انہیں ان کا حق دو اور اللہ ان سے ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں دریافت کرنے والا ہے۔'' اہل سنت کے اس مذہب کی دلیل ہے کہ امراء کو مال اور غنیمت سے ان کا حق ادا کرنا چاہیے۔ ❺ معاویہ رضی اللہ عنہ اس امت کے افضل ترین بادشاہ ہیں اور ان سے پہلے کے لوگ خلفائے نبوت ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ کی بادشاہت، بادشاہت بھی تھی اور رحمت بھی چونکہ ان کی بادشاہت میں رحمت بھی تھی، حلم و حوصلہ بھی اور مسلمانوں کی منفعت بھی، لہٰذا وہ دوسروں کی بادشاہت سے بہت بہتر تھی۔ ❻ معاویہ رضی اللہ عنہ پرہیز گار عالم اور عابد تھے البتہ ان میں یہ صفات خلفائے راشدین سے کم تھیں۔ یہ تفاوت اولیاء میں بھی ہے بلکہ فرشتوں اور انبیاء میں بھی ہے، ان کی امارت اگرچہ اس

---

❶ سنن ترمذی شرح تحفۃ الاحوذی: ٦/ ٣٩٥-٣٩٧ حسن حدیث۔ ❷ البدایۃ و النہایۃ: ٨/ ١٦۔
❹ سنن دارمی: ٢/ ١١٤۔ الاشربۃ، الفتاوی: ٣٥/ ١٤۔ ❺ بخاری، رقم: ٣٤٥٥۔
❻ الفتاوی: ٣٥/ ١٥۔

بنا پر صحیح تھی کہ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کے حق میں دستبردار ہو گئے تھے مگر وہ گزشتہ خلافت کے منہاج پر نہیں تھی، معاویہ رضی اللہ عنہ نے مباحات میں بڑی وسعت اختیار کی جبکہ خلفاء اربعہ ان سے احتراز کیا کرتے تھے، اسی طرح عبادات و معاملات میں بھی ان کا رجحان کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ ❷

ابن خلدون کا کہنا ہے کہ اگرچہ خلافت بادشاہت میں تبدیل ہوگئی تھی مگر اس میں خلافت کی بعض خصوصیات باقی تھیں، جو نظامِ حکومت پہلے دینی تھا اب وہ عصبیت اور شمشیر زنی میں تبدیل ہوگیا مگر خلافت کے اہداف و مقاصد باقی رہے۔ اس دوران شریعت اسلامیہ کے مطابق عدل کا دور دورہ تھا اور اسلامی احکامات کے مطابق واجبات شرعیہ کا التزام کیا جاتا تھا، یعنی حکومت یا بادشاہت اسلامی اور شرعی تھی۔ ❸ ابن خلدون خلافت کے مختلف ادوار کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: آغاز کار میں خلافت بادشاہت کی آمیزش کے بغیر معرض وجود میں آئی، پھر اس کے معانی و خصوصیات میں التباس پیدا ہوگیا اور اس کی بادشاہت کے ساتھ آمیزش ہوگی۔ ❹ ابن خلدون جس پہلے دور کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ خلفاء راشدین کا دور ہے اور وہ خالص یا کامل خلافت کا کارنامہ ہے۔ جب کہ دوسرا دور اموی اور عباسی خلفاء کا ہے، اس میں عثمانی دور حکومت کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ یہ بادشاہت کے ساتھ مخلوط خلافت یا خلافت کے ساتھ مخلوط بادشاہت کا ہے، یعنی ایسی بادشاہت جو مقاصدِ خلافت کی نگہبان تھی۔ جبکہ تیسرا دور محض بادشاہت کا دور ہے جس سے مقصود بادشاہت کی قدامت کا حصول اور دنیوی اغراض و مقاصد کی تکمیل تھا اور یہ حقیقت خلافت یا اس کی دینی خصوصیات سے بہت دور تھی۔ ❺

حقیقی یا کامل خلافت یا خلافتِ نبوت تیس سال تک جاری رہی اور یہ خلفاء راشدین کا زمانہ ہے، پھر خلافت بادشاہت میں تبدیل ہوگئی مگر اس دور میں خلافت کلیتًا ناپید نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کے معانی یا مقاصد باقی تھے تبدیلی اس اساس میں ہوئی تھی جس پر وہ قائم تھی جہاں تک اس کی حقیقت کا تعلق ہے تو وہ باقی تھی، گویا کہ یہ تبدیلی کلی نہیں بلکہ جزئی تھی، اس کی مزید وضاحت اس طرح بھی کی جا سکتی ہے کہ عصر اوّل میں خلافت کامل اور مثالی تھی پھر بعض وجوہات سے اس کی مثالیت میں نقص در آیا مگر اس کے زیادہ تر عناصر باقی رہے، یہ کم درجہ کی خلافت تھی یا بادشاہت سے مخلوط خلافت تھی۔ ❻ اسلام میں عمومی رائے مثالی خلافت، خلافت نبوت یا خلافت کاملہ سے وابستہ ہے اور یہ شوریٰ اور رامت کے انتخاب و اختیار تام پر قائم ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خلافت کا بادشاہوں اور ان کے نائبین، ولاۃ، امراء اور قضاۃ کے ہاتھوں میں آ جانا صرف ان میں موجود نقص کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ یہ نقص ان کے ساتھ ساتھ ان کی رعیت میں بھی موجود تھا اس لیے کہ جس طرح کی رعایا ہوتی ہے ان پر حکمران بھی ویسے ہی مسلط کیے جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

❶ الفتاوی: ٤/ ٢٩٢. ❷ الناهية عن طعن امير المومنين، ص: ٧٨.

❸ النظريات السياسية للريس، ص: ١٩٤ نقلاً عن المقدمة لابن خلدون.

❹ ايضا، ص: ١٩٥. ❺ النظريات السياسية، ص: ١٩٦. ❻ ايضا، ص: ١٩٦.

﴿وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ (الانعام: ۱۲۹)

''اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں اس لیے کہ وہ برے کام کرتے تھے۔''

جب خلافت بادشاہت میں تبدیل ہوگئی تو امراء و حکام میں نقص پیدا ہو گیا، صرف انہی میں نہیں بلکہ یہ اہل علم اور اہل دین میں بھی پیدا ہو گیا، جمہور صحابہ خلفاء اربعہ کی خلافت کے اختتام کے ساتھ ختم ہو گئے یہاں تک کہ اہل بدر میں سے چند لوگ باقی رہ گئے تھے۔ جمہور تابعین اصاغر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ کے آخر میں ختم ہو گئے اور جمہور تبع تابعین کا وجود دولت امویہ کے آخر اور دولت عباسیہ کے اوائل میں ناپید ہو گیا تھا۔ ❶

۲۔ کیا معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار بارہ خلفاء میں ہوتا ہے؟

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو میں نے آپ کو فرماتے سنا: ''یہ امر اس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک ان میں بارہ خلفاء نہیں گزریں گے۔'' پھر آپ نے ایسی بات کی جو مجھ پر مخفی رہی، میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ انہوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔'' ❷ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی دوسری روایت میں ہے: ''اسلام بارہ خلفاء تک غالب رہے گا ان سب کا تعلق قریش سے ہوگا۔'' ❸ انہی سے مروی ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: ''یہ دین بارہ خلفاء تک غالب اور محفوظ رہے گا، وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔'' ❹ سنن ابوداود میں جابر سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر واپس تشریف لائے تو قریش آپ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے: پھر قتل و قتال اور فتنہ کا دور دورہ ہوگا۔'' ❺ ابن کثیر اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس حدیث میں بارہ نیک خلفاء کی بشارت دی گئی ہے جن کے زمانے میں حق قائم رہے گا اور عدل ہوا کرے گا، اس سے ان کا پے در پے آنا لازم نہیں آتا، بلکہ ان میں سے چار تو یکے بعد دیگرے آئے اور وہ ہیں خلفاء اربعہ: ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم۔ ائمہ کرام کے نزدیک حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا شمار بھی ان خلفاء میں ہوتا ہے، بعض عباسی خلفاء بھی اس زمرے میں آتے ہیں، ظاہر یہ ہے کہ امام مہدی کا شمار بھی ان بارہ خلفاء میں ہوتا ہے جن کی احادیث میں بشارت دی گئی ہے۔ یقیناً یہ وہ مہدی نہیں ہیں جن کا رافضی انتظار کر رہے ہیں اور جن کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ اس وقت موجود ہیں اور سامراء کے تہہ خانہ سے ظاہر ہوں گے۔ ❻ اس لیے کہ اس بات کی نہ تو کوئی حقیقت ہے اور نہ اس کا کوئی وجود ہی۔ یہ محض کم عقلی کا شاخسانہ اور محض توہم و خیال ہے۔ اسی طرح ان بارہ خلفاء سے مراد شیعہ کے بارہ امام بھی نہیں ہیں۔ ❼ نص کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

❶ الفتاوی: ۱۰/ ۲۰۷.

❷ صحیح مسلم شرح نووی، ص: ۱۲/ ۵۰۲. ❸ ایضا: ۱۲/ ۵۰۳.

❹ ایضا: ۱۲/ ۲۰۳. ❺ صحیح سنن الالبانی: ۳/ ۸۰۷.

❻ سامراء: دریائے دجلہ کے مشرق میں بغداد اور تکریت کے درمیان ایک شہر۔

❼ تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۳٤.

بارہ خلفاء خلافت سنبھالیں گے، ان کے ادوار میں اسلام غالب اور محفوظ رہے گا، لوگوں کا ان پر اجتماع ہوگا اور لوگوں کے معاملات کامیاب اور درست رہیں گے۔ مگر ان اوصاف کا شیعہ کے بارہ اماموں پر انطباق نہیں ہوتا۔ ان میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی بھی خلیفہ نہیں بنا۔ [1] پھر اس حدیث میں ائمہ کی اس تعداد کا حصر نہیں ہے بلکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے آگاہ فرمایا ہے کہ ان کے زمانوں میں اسلام غالب، قوی اور محفوظ رہے گا اور اسلام کی ہر حالت خلفائے راشدین اور خلفائے بنوامیہ میں رہی۔ [2] اسی لیے ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اموی دور حکومت میں اسلام مابعد کے ادوار کے مقابلہ میں زیادہ غالب اور وسعت پذیر رہا۔ [3] امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار بھی ان بارہ خلفاء میں ہوتا ہے۔ [4]

(۲)......معاویہ رضی اللہ عنہ کی اہم صفات

معاویہ رضی اللہ عنہ بہت ساری صفات کے ساتھ شہرت رکھتے ہیں۔ جن میں سے زیادہ اہم مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ علم وفقہ:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل رفاقت سے علم وتربیت حاصل کی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت احادیث روایت کیں، جن میں سے بعض کا قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے۔ امام بخاری اور مسلم نے ان سے روایات لی ہیں، حالانکہ ان کی شرط یہ ہے کہ وہ صرف فقیہ، ضابط اور صدوق راویوں سے ہی روایات اخذ کریں گے۔ [5] عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی آپ کی فقاہت کی شہادت دی ہے۔ ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ ایک وتر پڑھتے ہیں، اس بارے میں آپ کیا کہنا چاہیں گے؟ انہوں نے فرمایا: وہ ٹھیک کرتے ہیں، وہ فقیہ ہیں۔ [6] شارحین حدیث فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مجتہد ہیں، ابن ملیکہ سے ہی مروی بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز وتر ایک رکعت ادا کی اس وقت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ان کے پاس تھے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور ان سے اس بات کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا: انہیں چھوڑیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا شمار فضلاء صحابہ میں ہوتا ہے، ان کی وسعت علمی کی وجہ سے انہیں حبر الامۃ اور ترجمان القرآن کا لقب دیا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے علم وحکمت اور تاویل وتفسیر کی دعا کی اور اسے شرف قبولیت سے نوازا گیا، آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حلقہ خواص سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے مخالفین پر شدید تنقید کیا کرتے تھے، علی رضی اللہ عنہ نے انہیں خوارج کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے بھیجا تو انہوں نے انہیں لاجواب کر دیا۔ ان جیسا انسان معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے

---

1. منهاج السنة: ٤/ ٢١٠.
2. اصول الشيعة: ٢/ ٨١٦.
3. منهاج السنة: ٤/ ٢٠٦.
4. ايضا: ٤/ ٢٠٦.
5. الناهية عن طعن امير المومنين معاوية، ص: ٤١.
6. بخاری، رقم: ٣٧٦٥، ٣٧٦٤.

اجتہاد کی گواہی دے رہا ہے اور وہ اپنے آزاد کردہ غلام کو اس بنیاد پر انہیں تنقید کا نشانہ بنانے سے روک رہے ہیں کہ وہ صحابی رسول ہیں۔ [1] مزید برآں معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی بھی تھے۔ مفتی حرمین احمد بن عبداللہ بن محمد طبری ''خلاصۃ السیر'' میں رقمطراز ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبان وحی کی تعداد تیرہ تھی: خلفائے اربعہ، عامر بن فہیرہ، عبداللہ بن ارقم، ابی بن کعب، ثابت بن قیس بن شماس، خالد بن سعید بن العاص، حنظلہ بن ربیع اسلمی، زید بن ثابت، معاویہ بن ابوسفیان اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم۔ ان میں معاویہ بن ابوسفیان اور زید رضی اللہ عنہم کو خصوصی حیثیت حاصل تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو اس کے لیے پابند کر رکھا تھا۔ [2] فقہاء کرام کو ان کے اجتہاد پر مکمل اعتماد تھا اور وہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ان کے فقہی مذہب کا ذکر کیا کرتے تھے۔ مثلاً ان کا قول ہے: معاذ بن جبل، معاویہ اور سعید بن مسیب کا مذہب ہے کہ مسلمان کافر کا وارث بنے گا۔ اسی طرح ان کا قول ہے: دونوں یمانی رکنوں کا استلام حسن رضی اللہ عنہ یا حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے [3] اور یہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت ہے۔ صحابی ابودرداء رضی اللہ عنہ نے اہل شام سے فرمایا: میں نے تمہارے اس امام (معاویہ رضی اللہ عنہ) سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ [4] معاویہ رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کا بڑا شوق تھا۔ ابوامامہ سہل بن حنیف سے مروی ہے: میں نے معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے سنا اس وقت وہ منبر پر بیٹھے تھے کہ موذن نے اذان دیتے وقت کہا: اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اس کے جواب میں انہوں نے کہا: اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر۔ موذن نے کہا: اشہد ان لا الہ الا اللّٰہ، تو معاویہ نے بھی یہی کلمات دہرائے۔ موذن نے کہا: اشہد ان محمد رسول اللہ، تو معاویہ نے بھی یہی کلمات ادا کیے۔ جب موذن نے اذان مکمل کر لی تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! میں نے اسی جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان کے جواب میں وہی کچھ سنا جو کچھ اب تم نے مجھ سے سنا۔ [5]

معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو دین میں سوجھ بوجھ حاصل کرنے کی ترغیب دلایا کرتے اور انہیں اس کی اہمیت کے بارے میں احادیث سنایا کرتے تھے۔ زہری سے مروی ہے کہ انہیں حمید نے بتایا کہ انہوں نے معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو دوران خطبہ یہ کہتے سنا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرما دیتا ہے، میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ دیا کرتا ہے، اس امت کا معاملہ ہمیشہ سیدھا رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی، یا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے گا۔'' [6] آپ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خط و کتابت کے ذریعے ان سے وہ احادیث سیکھا کرتے جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کی ہوتیں۔ وراد مولیٰ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے شعبہ کو خط لکھا کہ مجھے وہ چیز لکھ بھیجیں جو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے بعد پڑھتے سنی ہو۔ اس پر مغیرہ نے مجھے لکھوایا کہ

---

[1] الناھیۃ عن طعن امیر المومنین معاویۃ، ص: ٤١ ۔
[2] گزشتہ حوالہ، ص: ٤١ ۔
[3] گزشتہ حوالہ، ص: ٥٧ ۔
[4] منہاج السنۃ: ٣/ ١٨٥ ۔
[5] فتح الباری: ٢/ ٤٦٢ ۔
[6] فتح الباری: ١٣/ ٣٠٦ ۔

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے: ((لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ)) ابن جریج کہتے ہیں: مجھے کئی لوگوں نے خبر دی کہ اسے ورّاد نے اس کی خبر دی تھی۔ اس کے بعد میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو میں نے سنا کہ وہ لوگوں کو یہ دعا پڑھنے کی تلقین کیا کرتے ہیں۔ [1] معاویہ رضی اللہ عنہ سنت نبویہ کی اتباع کے بڑے حریص تھے۔ سعید بن مسیّب اور حمد بن عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ آخری دفعہ مدینہ منورہ آئے تو آپ نے منبر نبوی پر فرمایا: اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس دن یوم عاشوراء کے بارے میں سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جو شخص اس کا روزہ رکھنا چاہتا ہے وہ رکھ لے۔'' دوسری روایت میں ہے: ''اور میں روزے سے ہوں۔'' اس پر لوگوں نے بھی یہ روزہ رکھنا شروع کر دیا۔ [2] اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ان جیسی چیزوں سے منع فرمایا کرتے تھے، انہوں نے اپنی آستین سے بالوں کا ایک گچھا نکالا اور فرمایا: بنی اسرائیل اس وقت ہلاک ہوگئے جب ان کی عورتوں نے اسے اپنانا شروع کر دیا۔ [3] یعنی عورت کا اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے بالوں کو ملانا۔ متعدد احادیث صحیحہ سے بال ملانے والی اور ملوانے والی عورتوں پر لعنت ثابت ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے لوگوں سے کہا: تم نے بہت بری بدعت شروع کر رکھی ہے رسول اللہ ﷺ نے زُور [4] (جھوٹ) سے منع فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام زُور اس لیے رکھا کہ اس میں تزویر اور تبدیلی کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ ان آثار واحادیث کی روشنی میں ہم دیکھ رہے کہ وہ عاشوراء کے روزہ کی سنت کے احیاء کی حرص کرتے ہیں۔ جسے لوگوں نے غیر اہم سمجھ رکھا تھا۔ اسی طرح وہ لوگوں میں رواج پکڑنے والی ایک بدعت کو ختم کرنے کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں اور وہ ہے مصنوعی بال لگانے کے حوالے سے یہودیوں کی بدعت کی تقلید کرنا۔ [5] عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج روایت کرتے ہیں کہ عباس بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عبدالرحمٰن بن حکم سے اپنی بیٹی کا نکاح کروایا اور عبدالرحمٰن نے ان سے اپنی بیٹی کا نکاح کروا دیا اور اسے ہی دونوں کا مہر قرار دے دیا۔ اس وقت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما خلیفہ تھے انہوں نے مروان کو ایک خط کے ذریعے سے حکم دیا کہ وہ ان دونوں میں تفریق کروائیں۔ انہوں نے اپنے خط میں لکھا کہ یہ وہ شغار ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا۔ [6] معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے انفرادی، معاشرتی اور خاندانی الغرض تمام معاملات میں اقامت سنت کی نگرانی کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ [7] معاویہ رضی اللہ عنہ وقت کے تقاضے کے مطابق احادیث بیان کیا کرتے تھے کتب حدیث میں وارد ہے کہ وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور ابن عامر کے پاس گئے۔ ان کے لیے ابن عامر رضی اللہ عنہ تو

---

[1] فتح الباری: ۱۱/ ۵۲۱.
[2] فتح الباری: ٤/ ۲۸۷.
[3] فتح الباری: ٦/ ۵۹۱.
[4] ایضا: ٦/ ۵۹۵.
[5] تاریخنا المفتری علیه، قرضاوی، ص: ۷۱.
[6] مسند احمد، رقم: ۱٦۸۵٦.
[7] تاریخنا المفتری علیه، قرضاوی، ص: ۷۱.

کھڑے ہو گئے مگر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کھڑے نہ ہوئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر ڈانٹتے ہوئے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ کے بندے اس کے سامنے کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔'' ❶ مجاہد اور عطاء ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے دوران اپنے بال قینچی سے کٹوائے۔ ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: ہمیں یہ خبر صرف معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے پہنچی ہے۔ انہوں نے فرمایا: معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت نہیں لگا رہے۔ ❷

معاویہ رضی اللہ عنہ علمی مذاکرہ کرنے کا اہتمام کرتے اور اس میں بڑی دلچسپی لیتے۔ عبداللہ بن حارث سے مروی ہے کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو پلنگ پر بٹھایا، اس قصہ میں مذکورہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے ایک فقہی مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا، معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو تعلیم دیتے، انہیں اپنے سے سوالات کرنے اور اپنے علم سے استفادہ کرنے کی ترغیب دلاتے۔ آپ نے جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: لوگو! میری بات کو سمجھو، تم دنیا اور آخرت کے معاملات کو مجھ سے زیادہ سمجھنے والا کسی اور کو نہیں پاؤ گے، دورانِ نماز اپنے منہ اور صفیں سیدھی رکھا کرو، تم یا تو اپنے مونہوں اور صفوں کو سیدھا رکھو گے یا پھر اللہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا کر دے گا۔ اپنے بیوقوفوں کے ہاتھ روک لو، اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو اللہ انہیں تم پر مسلط کر دے گا اور پھر یہ تمہیں میرے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ صدقہ کیا کرو، کوئی آدمی اپنی تنگ دستی کا رونا نہ روئے اس لیے کہ تنگ دست کا صدقہ خوشحال کے صدقہ سے افضل ہے، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے بچو، کوئی آدمی یہ نہ کہے کہ میں نے سنا، مجھے یہ خبر ملی، اگر تم میں سے کسی نے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کی عورت پر بھی تہمت لگائی تو اس کے بارے میں قیامت کے دن اس سے جواب طلبی ہوگی۔ ❸

معاویہ رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے بڑے حریص تھے، جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کہاں پڑھی تھی؟ انہوں نے جواب دیا: اپنے اور دیوار کے درمیان دو یا تین بازو کا فاصلہ چھوڑ دو۔ ❹ آپ نے لیلۃ القدر کی تعیین میں اجتہاد سے کام لیا۔ ابن ابی شیبہ صحیح سند کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: لیلۃ القدر تیئس کی رات ہوتی ہے۔ ❺ وہ دوسروں کی دلیل اور برہان کا کھلے دل سے اعتراف کیا کرتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا، معاویہ رضی اللہ عنہ بیت اللہ کے تمام ارکان کا استلام کیا کرتے تھے، مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمایا: ان دو ارکان کا استلام نہیں کیا جاتا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بیت اللہ کی کوئی بھی چیز متروک نہیں ہے۔ ❻ ایک روایت میں ہے کہ ان سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

❶ بخاری، رقم: ۳٤۸۸.
❷ مسند احمد، رقم: ١٦٨١٣ اس کی سند صحیح ہے۔
❸ البدایة و النهایة: ١١/ ٤٣٧.
❹ فتح الباری: ٣/ ٥٤٤.
❺ الفتح: ٤/ ٣١١.
❻ الخلافة الراشدة و الدولة الاموية من فتح الباری، ص: ٥٨٥.

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب : ۲۱)

''تمہارے لیے رسول اللہ میں بہترین نمونہ ہے۔''

اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔ [1] معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کے ضمن میں ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن معقل کے طریق سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے: میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے خوبصورت کوئی فیصلہ نہیں دیکھا کہ ہم اہل کتاب کے وارث بنیں گے مگر وہ ہمارے وارث نہیں بنیں گے۔ جیسا کہ ان میں نکاح کرنا جائز ہے مگر ان کے لیے ہم میں نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ [2] معاویہ رضی اللہ عنہ سے مندرجہ ذیل فقہی مسائل منقول ہیں:

ا: آپ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک وتر پڑھا۔ [3]

ب: آپ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ صدقۃ الفطر میں نصف صاع گندم کی ادائیگی کفایت کر جائے گی۔ [4]

ج: احرام باندھتے وقت جسم پر خوشبو استعمال کرنا مستحب ہے۔ [5]

د: مکہ کے گھروں کی خرید و فروخت جائز ہے۔ [6]

ھ: اگر خاوند بیوی کے جنسی حقوق ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ان میں تفریق کروانا جائز ہے۔ [7]

و: نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ [8]

ز: مسلمان کو کافر کے بدلے میں از روئے قصاص قتل نہیں کیا جائے گا۔ [9]

ح: مقتول کے بیٹے کے بالغ ہونے تک قاتل کو قید میں رکھا جائے گا۔ [10]

جہاں تک سیاسی فقہ، سیاست شرعیہ، فقہ جہاد اور مقاصد شریعہ میں ان کے علوم کا تعلق ہے تو اس کی تفصیل آگے چل کر آئے گی۔ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ .

۲۔ حلم و حوصلہ اور عفو و درگزر:

امیر المومنین معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما حلم و حوصلہ کے حوالے سے بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ وہ غصہ ضبط کرنے اور لوگوں سے عفو و درگزر کرنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ آپ کے حلم و حوصلہ کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ کسی شخص نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بدکلامی کا مظاہرہ کیا تو ان سے کہا گیا: آپ اس کی گرفت کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے جواب دیا: مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ اپنی رعیت کے کسی

---

[1] الخلافة الرائدة و الدولة الاموية من فتح الباری، ص: ۵۸۶ .

[2] مصنف ابن ابی شیبة: ۱۱/ ۳۷۴، سنن سعید: ۱/ ۴۵ .

[3] فتح الباری: ۷/ ۱۳۰ .

[4] زاد المعاد: ۲/ ۱۹ .

[5] المغنی: ۵/ ۷۷ .

[6] ایضا: ۶/ ۳۶۶ .

[7] زاد المعاد: ۵/ ۱۸۱ .

[8] ایضا: ۵/ ۲۱۱ .

[9] المغنی: ۱۱/ ۴۶۶ .

[10] المغنی: ۱۱/ ۵۷۷ ، مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری، ص: ۲۹، ۲۸ .

آدمی کے گناہ کی وجہ سے میرے حلم و حوصلہ کا دائرہ تنگ ہو جائے۔ اصمعی رحمہ اللہ ثوری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ کسی کا گناہ میرے حلم و حوصلہ سے بڑا ہو، میرے حلم سے جہالت بڑی ہو یا میں کسی کی پردہ داری نہ کروں۔ ایک دفعہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بنو امیہ! حوصلہ مندی کی وجہ سے قریش سے ممتاز رہے، اللہ کی قسم! میں زمانہ جاہلیت میں ایک آدمی سے ملاقات کرتا وہ مجھے جی بھر کر گالی گلوچ کرتا اور میں اس کے لیے جی بھر کر حلم و حوصلہ کا مظاہرہ کرتا اور جب میں واپس لوٹتا تو وہ میرا دوست بن چکا ہوتا، پھر اگر میں اس سے مدد کا خواستگار ہوتا تو وہ میری مدد کرتا، میں اس کے ساتھ مل کر کسی پر حملہ آور ہونا چاہتا تو وہ میرے ساتھ ہوتا، نہ صرف یہ کہ حلم و حوصلہ شریف انسان کی شرافت میں کمی نہیں لاتا بلکہ اس سے اس کی عزت و توقیر میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ انہیں کا قول ہے: آدمی اس وقت تک صاحب رائے قرار نہیں پاتا جب تک اس کا حلم اس کی جہالت پر اور اس کا صبر اس کی شہوت پر غالب نہ آ جائے، آدمی اس مقام پر صرف حلم کی قوت سے ہی پہنچ سکتا ہے۔ [1] معاویہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا: سب سے بڑا سردار کون ہوتا ہے؟ فرمایا: وہ کہ جب اس سے سوال کیا جائے تو سب سے بڑھ کر سخی ہو، مجالس و محافل میں سب سے زیادہ بااخلاق ہو اور جہالت کے مقابلہ میں حلم و حوصلہ کا مظاہر کرنے والا ہو۔ [2] معاویہ رضی اللہ عنہ اکثر یہ شعر گنگنایا کرتے تھے:

۱۔ فماقتل السفاهة مثل حلم — يعود به على الجهل الحليم

۲۔ فلاتسفه وان ملئت غيظا — على احد فان الفحش لُؤم

۳۔ ولاتقطع اخالك عند ذنب — فان الذنب يغفره الكريم [3]

۱۔ ''سفاہت و حماقت کو ختم کرنے کے لیے حلم و حوصلہ جیسی کوئی چیز نہیں ہے، حلیم الطبع انسان اس کے ساتھ ہی اس کا علاج کیا کرتا ہے۔''

۲۔ ''تجھے جس قدر بھی غصہ دلایا جائے کسی کے خلاف بھی حماقت کا مظاہرہ نہ کرنا اس لیے کہ فحش گوئی لائق ملامت ہوتی ہے۔''

۳۔ ''گناہ کی وجہ سے اپنے بھائی سے قطع تعلقی نہ کرنا، کریم لوگ گناہوں کو معاف کر دیا کرتے ہیں۔''

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے نائب زیاد کو لکھا: سب لوگوں کے ساتھ ایک ہی جیسا رویہ اپنانا مناسب نہیں ہے۔ اگر ان کے ساتھ نرمی ہی برتی جائے تو اکڑ جاتے ہیں اور اگر سختی ہی کی جائے تو یہ بھی نقصان دہ ہے، تم شدت، سختی اور ترش روئی پر مبنی رویہ اختیار کرو جبکہ میں نرمی، رحمت اور الفت پر مبنی طرز عمل اختیار کرتا ہوں تا کہ اگر کوئی خوف محسوس کرے تو اسے کوئی ایسا دروازہ مل جائے جس سے وہ داخل ہو سکے۔ [4]

امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ اقوال اس امر کی عکاسی کرتے ہیں کہ وہ حلم و حوصلہ سے متصف تھے،

---

[1] البداية و النهاية: ١١/ ٤٤١.
[2] ايضا: ١١/ ٤٤٢.
[3] ايضا: ١١/ ٤٤٢.
[4] ايضا: ١١/ ٤٤٣.

اور ان کا یہ خلق ان کے اور ان کی رعیت کے ان افراد کے درمیان ہمزہ وصل کا کام دیتا تھا جو ان کے ساتھ قدرے سخت رویہ اختیار کرتے تھے یا وہ کسی چیز پر اپنا حق جتاتے ہوئے ان کے سامنے اپنی قوت کا اظہار کرتے اور وہ اس بارے ان کے مخالف ہوتے۔ حلم و حوصلہ پر مبنی ان کا یہ اخلاق ان کی حکومت کے استحکام کے لیے کارگر ثابت ہوا ان اخلاقی اقدار سے کام لیتے ہوئے وہ مخالفین کے قہر و غضب کو ضبط کر لیتے اور انہیں اپنی سیاست پر راضی اور مطمئن کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ مکارم اخلاق جن کے اہم ترین عناصر میں حلم و حوصلہ، عفو و درگزر اور صبر و کرم کا شمار ہوتا ہے اسی قسم کا ہی کردار ادا کیا کرتے ہیں، ان سے مروی ان کے ان اقوال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حلم میں قدرے کمزوری کی آمیزش بھی ہوتی ہے جس طرح کہ نصرت میں کسی قدر عزت و قوت کا بھی اختلاط ہوتا ہے، لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ اس کمزوری پر خوشی کا اظہار کرتے تھے اس لیے کہ اس کے قابل تعریف نتائج کے طور سے دوستوں اور مددگاروں کی رفاقت میسر آتی ہے۔ ❶ امیر عراق زیاد کے نام ان کے مذکورہ بالا خط سے ان کی عمدہ حکمت عملی کا اظہار ہوتا ہے جس سے معاشرے میں انارکی، بدامنی اور انتشار پیدا کرنے والے عناصر کو خوفزدہ کیا جا سکتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان لوگوں کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے جو سلامتی اور استقامت کی راہ پر گامزن رہنا چاہتے ہیں۔ ❷

معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے ارباب عقل و دانش ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتے اور ان کے مکارم اخلاق اور خاص طور سے حلم و حوصلہ کا بڑی خوبصورتی سے ذکر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس بارے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ایک دن عبدالملک بن مروان نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: میں نے حلم، قوت برداشت اور جود و کرم میں کسی کو معاویہ رضی اللہ عنہ جیسا نہیں دیکھا۔ ❸ قبیصہ بن جابر کہتے ہیں: میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو حلیم الطبع، خوددار، نرم مزاج سردار نہیں دیکھا۔ ❹ ابن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: معاویہ شیر سے بڑھ کر جری اور بڑے بارعب انسان تھے، واللہ! میں تو چاہتا ہوں کہ جب تک جبل ابوقبیس باقی رہے معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما بھی ہم میں باقی رہیں۔ ❺ ابن زبیر رضی اللہ عنہما ان کی درازی عمر کے اس لیے متمنی تھے کہ انہیں ان کی وفات کے بعد حالات میں تبدیلی آنے کا خوف لاحق تھا۔ ❻ حبر الامت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست اور حکمت عملی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: مجھے معلوم ہے کہ معاویہ لوگوں پر کیسے غالب آ گئے، جب وہ اڑتے تو معاویہ زمین پر گر جاتے اور جب وہ گرتے تو معاویہ اڑنے لگتے۔ ❼ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ دیکھتے کہ منہ زور سیلاب ان کی طرف بڑھ رہا ہے تو وہ اس کا راستہ نہ روکتے بلکہ اس کے لیے میدان کھلا چھوڑ دیتے یہاں تک کہ وہ آگے بڑھ جاتا اور پھر میدان خود سنبھال لیتے اور پھر جس طرح چاہتے حالات پر اپنی گرفت مضبوط بناتے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی اس پالیسی کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں: اگر میرے

❶ التاریخ الاسلامی: ۱۷/ ۲۶.
❷ التاریخ الاسلامی: ۱۷/ ۲۶.
❸ البدایة و النهایة: ۱۱/ ۴۳۹.
❹ ایضا.
❺ ایضا: ۱۱/ ۴۴۲.
❻ التاریخ الاسلامی: ۱۷/ ۲۷.
❼ البدایة و النهایة: ۱۱/ ۴۴۳.

اور لوگوں کے مابین تعلقات کا ایک بال بھی باقی رہ جائے تو وہ کبھی ٹوٹنے نہ پائے گا جب وہ اسے کھینچیں گے تو میں اسے ڈھیلا کر دوں گا اور جب وہ ڈھیلا کریں گے تو میں اسے کھینچ لوں گا۔ ان کے حلم و حوصلہ کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے اور ابوجہم نامی ایک آدمی کے درمیان تلخ کلامی ہوگئی تو اس نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی نازیبا بات کہہ ڈالی۔ جسے سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلے تو سر جھکا لیا اور پھر اسے اوپر اٹھاتے ہوئے فرمایا: ابوجہم سلطان وقت سے بچ کر رہا کر اس لیے کہ وہ بچوں کی طرح غضب ناک ہوتا ہے اور شیر کی طرح گرفت کرتا ہے اور اس کا قلیل بھی کثیر لوگوں پر غالب آ جاتا ہے۔ پھر انہوں نے اسے مال و زر دینے کا حکم فرمایا اور وہ خوشی خوشی واپس لوٹ گیا۔ ❶ یوں معاویہ رضی اللہ عنہ کی بردباری، حسن خلق اور برائی کے بدلے احسان نے ابوجہم کو شدید طور سے متاثر کیا اور وہ ہمیشہ کے لیے آپ کی زلف وفا کا اسیر ہو کر رہ گیا۔ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کا طرز عمل بالکل اس ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق تھا:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۝﴾ (حم السجدة: ٣٤-٣٥)

''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتیں، برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست، اور یہ بات انہی کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں، اور اسے سوائے بڑے نصیب والے کے اور کوئی نہیں پا سکتا۔''

معاویہ رضی اللہ عنہ کے حلم و حوصلہ، شجاعت و دلیری اور عزت و وقار کی تعریف کرتے ہوئے خلیفۃ المسلمین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قریش کے اس نوجوان اور اس کے سردار کے بیٹے کی بات نہ کرو۔ وہ ایسا باہمت ہے کہ غیض و غضب کی حالت میں بھی مسکراتا رہتا ہے۔ اس سے اگر کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے تو اسے راضی کر کے ہی لیا جا سکتا ہے اور وہ ایسا انسان ہے کہ اس کے سر کی چیز کو اس کے قدموں کے نیچے سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ❷

معاویہ رضی اللہ عنہ کی توصیف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بڑی باریک بینی پر مبنی ہے۔ جس میں وہ بتا رہے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حلم و حوصلہ اور عزت و وقار کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز تھے اور یہ ایسے اوصاف حمیدہ ہیں جنہوں نے انہیں اس حد تک محفوظ بنا رکھا تھا کہ ان سے زبردستی کچھ بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا، ان کی یہی وہ صفات تھیں جن کی وجہ سے امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں شام کی امارت پر برقرار رکھا۔ ❸

معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے: بندے کو جو کچھ بھی دیا جائے ان میں سے افضل ترین چیزیں عقل اور حلم ہیں۔ انہی کی وجہ سے جب اسے الوہی نعمتوں کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے تو وہ انہیں یاد کرتا ہے جب اسے کچھ دیا جائے تو

❶ التاریخ الاسلامی: ١٧/ ٢٨۔ البدایة و النهایة: ١١/ ٤٤٠.

❷ التاریخ الاسلامی: ١٧/ ٢٩، ٣٠. ❸ البدایة و النهایة: ١١/ ٤١٥.

اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ آزمائش آئے تو صبر کرتا ہے۔ غصہ آئے تو اسے پی جاتا ہے، قدرت میسر آئے تو معاف کر دیتا ہے، غلطی کر بیٹھے تو معافی کا طلب گار ہوتا ہے اور کسی سے وعدہ کرے تو اسے پورا کرتا ہے۔ [1] معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس خبر میں حکمت و دانش کے موتی جمع کر دیئے ہیں، اور وہ ہیں: خوش حالی کے وقت شکر کرنا، ابتلاء و آزمائش کے موقع پر صبر کرنا، ناراضی کے وقت رویے کو کنٹرول میں رکھنا، طاقت ملنے پر عفو و درگزر سے کام لینا، وعدہ پورا کرنا اور غلطی کے ارتکاب پر توبہ و استغفار کرنا، اس مختصر سی خبر میں چھ موضوعات کو جمع کر دیا گیا ہے۔ جن میں سے ہر موضوع پر متعدد صفحات لکھے جا سکتے ہیں، یہ جامع کلمات ہیں جن کا شمار بلاغت کی اعلیٰ ترین اقسام میں ہوتا ہے، گویا کہ انہوں نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اس قسم کی گفتگو کے حوالے سے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑی شہرت کے حامل ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا شرف عظیم حاصل ہوا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو جامع کلمات سے نوازا گیا تھا۔ [2]

۳۔ ذہانت و فطانت اور حیلہ گری:

وہ اوصاف حمیدہ جن میں معاویہ رضی اللہ عنہ امتیازی شان کے حامل ہیں ان میں سرفہرست ان کا رعب و دبدبہ ذہانت و فطانت اور حیلہ گری ہے۔ آپ کی انتظامی صلاحیتوں اور حسن تدبیر کے حوالے سے منقول ہے کہ ان کے زمانہ میں مسلمانوں نے ایک جنگ میں شرکت کی تو ان کے بعض ساتھیوں کو قیدی بنا لیا گیا، جب انہیں شاہ روم کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے ان میں سے کسی قیدی کے ساتھ بات چیت کی۔ اس وقت شاہ روم کے سامنے ایک پادری کھڑا تھا وہ آگے بڑھا اور اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا، جس قیدی کو تھپڑ مارا گیا وہ قریشی تھا، اس سے یہ توہین برداشت نہ ہو سکی اور وہ وہیں کھڑے کھڑے پکار اٹھا: ہائے اسلام! معاویہ تم کہاں ہو؟ تم نے ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا، ہماری سرحدوں کو ضائع کر دیا اور ہمارے دشمن کو ہمارے خون اور عزتوں کے بارے فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا۔ جب یہ خبر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملی تو اس سے انہیں اس قدر شدید دکھ پہنچا کہ لذیذ خوراک لینے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ لوگوں سے میل جول ترک کر دیا مگر کسی کو اس واقعہ سے مطلع نہ کیا اور پھر حیلہ گری سے کام لیتے ہوئے اسے اور اس کے دیگر قیدی ساتھیوں کو فدیہ دے کر رومیوں سے رہا کروا لیا، رہائی کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے پاس بلایا، اس کی جی بھر کر خدمت کی اور فرمایا: ہم نے نہ تو تجھے ضائع کیا اور نہ تیرے خون اور تیری عزت کو کسی کے لیے مباح قرار دیا، اسی دوران وہ رومیوں کے ہاتھوں اپنے ایک مسلمان مجاہد کی بے عزتی کا انتقام لینے کے بارے میں مختلف پہلوؤں پر سوچ و بچار کرنے میں مصروف رہے۔ آخر کار انہوں نے ساحل دمشق سے بحری جنگوں کے حوالے سے ایک تجربہ کار شخص کو اپنے پاس بلایا اور اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کرتے ہوئے اسے بڑے محتاط انداز میں کامیاب بنانے کے لیے کہا۔ پھر دونوں کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ وہ بھاری رقوم خرچ کر کے مختلف قسم کی عمدہ اشیاء خورد و نوش، خوشبو اور جواہرات خریدے گا اور پھر ان کے ذریعے سے بادشاہ تک رسائی

[1] انساب الاشراف: ۵/ ۳۳٦
[2] التاریخ الاسلامی: ۱۱/ ۳۰۔

حاصل کرے گا، اس مقصد کے لیے اس نے بڑی عمدہ اور تیز رفتار کشتی بھی تیار کروائی۔ وہ آدمی یہاں سے روانہ ہو کر قبرص پہنچا اور اس کے رئیس سے رابطہ کر کے اسے بتایا کہ وہ تجارت کی غرض سے قسطنطنیہ جانا چاہتا ہے اور بادشاہ اور اس کے خواص سے ملاقات کا ارادہ رکھتا ہے۔ جب بادشاہ کو اس کے بارے میں بتایا گیا تو اس نے اسے ملاقات کی اجازت دے دی۔ اس نے بادشاہ سے ملاقات کے موقع پر اسے اور اس کے درباری پادریوں کو قیمتی تحائف دیئے مگر اس قریشی کو تھپڑ مارنے والے پادری کی طرف التفات تک نہ کیا اور یہ سب کچھ اسی پروگرام کے مطابق ہوا جو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے تیار کیا تھا۔ جب وہ شام واپس آنے لگا تو ان پادریوں نے اسے اپنے لیے مختلف قسم کی چیزیں خرید کر لانے کو کہا۔ وہ آدمی شام واپس آیا تو خفیہ طور سے معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملا انہیں اپنے سفر کی تفصیلات سے آگاہ کیا اور رومی درباریوں کی طلب کردہ اشیاء کے بارے میں بتایا، معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طلب کردہ اور پسندیدہ چیزیں خرید کر انہیں اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ اب شام واپسی پر جب تو اس پادری سے ملاقات کرے گا تو وہ تجھ سے تیرے گزشتہ رویے کے بارے میں شکایت کرے گا مگر تو نے اس سے اس پر معذرت کرنا اور اسے تحائف دے کر اپنے سے مانوس کرتے ہوئے شام میں اپنے معاملات کا نگران بنا لینا اور پھر دیکھنا کہ وہ تم سے کون سی اشیاء کا مطالبہ کرتا ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ خفیہ سفیر رومی شاہی دربار کے لوگوں کی مطلوبہ اشیاء کے ساتھ جب قسطنطنیہ پہنچا اور ان کی فرمائش کردہ چیزوں سے بھی زیادہ اشیاء انہیں پیش کیں تو اس کی قدر و منزلت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا اور بادشاہ اور اس کے حاشیہ برداروں تک اس کی رسائی ہو گئی۔ جب وہ ایک دن بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کی تیاری کر رہا تھا تو شاہی دربار میں وہ پادری اس سے کہنے لگا: میں نے تیرا کیا گناہ کیا ہے، تو دوسروں کو تو نوازے چلا جا رہا ہے جب کہ مجھے تو کسی توجہ کا مستحق نہیں سمجھتا؟ اس نے کہا: میں تمہارے ملک میں ایک اجنبی شخص ہوں، مجھے یہ خوف لاحق ہے کہ مسلمانوں کے جاسوس کہیں میرے بارے میں دوسرے مسلمانوں کو آگاہ نہ کر دیں اگر ایسا ہوا تو میری موت یقینی ہے۔ اب جبکہ مجھے اپنی طرف تیرے میلان کا علم ہو چکا ہے تو میں چاہوں گا کہ یہاں تو ہی میرے تمام امور کی نگرانی کرے اور بادشاہ کے پاس بھی تو ہی میرے جملہ معاملات نمٹائے، تجھے سرزمین اسلام سے جس چیز کی بھی ضرورت ہو اگر تو مجھے حکم دے تو میں وہ سب چیزیں تجھے مہیا کر سکتا ہوں، پھر اس نے پادری کو خوشبو، ہیرے جواہرات اور قیمتی ملبوسات تحائف کی صورت میں پیش کیے، جس سے اس نے اس کا دل جیت لیا، وہ بار بار روم سے حضرت معاویہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے روم آتا جاتا رہا اور ہر بار اس پادری کو گراں قدر تحائف پیش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے اس کا پورا پورا اعتماد حاصل کر لیا، پھر ایک دن لوگوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ وہ زنجیروں میں جکڑا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑا تھا۔ [1] معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس قریشی کو لایا جائے، جب اسے ان کی خدمت میں حاضر کیا گیا تو اس وقت ان کے مقربین بھی ان کے پاس اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے تھے جب مجلس بھر گئی تو آپ نے قریشی سے فرمایا اٹھو اور اس پادری سے بدلہ لے لو

[1] الشهب اللامعة في السياسة النافعة، ص: ۸۷.

جس نے شاہ روم کے بھرے دربار میں تمہارے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ ہم نے نہ تو تمہیں ضائع کیا اور نہ تمہاری عزت اور خون کو کسی کے لیے مباح قرار دیا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے قریشی نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا، پھر وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا، جس نے تجھے رئیس بنایا اس نے تیرا اچھا فیصلہ کیا۔ تم بے مثل حکمران ہو، اپنی چراگاہ کی حفاظت کرنا اور اپنی رعیت کی پاسداری کرنا جانتے ہو، پھر انہوں نے پادری کو اس کے لیے اور اس کے بادشاہ کے لیے کئی تحائف دے کر واپس روانہ کر دیا۔ اس طرح معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی عقل وفکر کا بھرپور انداز میں استعمال کرتے ہوئے اپنی فوج کے ایک سپاہی کی بے عزتی کا انتقام لے کر اسے خوش کر دیا، مگر پادری کو بھی صرف اس کے کیے کی سزا دی اور اس پر کسی قسم کی زیادتی کا ارتکاب نہ کیا۔

دوسری طرف جب وہ پادری نادر اور قیمتی تحائف کے ساتھ شاہ روم کے پاس پہنچا تو بادشاہ اور اس کے مقربین نے اسے مسلمانوں سے رہائی پر مبارک باد دی اور پھر کہنے لگا، یہ عربوں کا بارعب اور بڑا سمجھ دار حکمران ہے اگر وہ تجھے بھی گرفتار کرنا چاہتا تو اس کا یہ حیلہ بھی کامیاب ہوتا۔ [1]

یہ واقعہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی فہم وبصیرت، حسن سیاست، رعایا کے امور کو اہمیت دینے اور اس کے ہر فرد کے حقوق اور اس کی عزت وآبرو کی حفاظت کرنے کی اہم دلیل ہے۔

۴۔ عقل و دانش اور معاملہ فہمی کی قدرت:

معاویہ رضی اللہ عنہ بڑی گہری عقل وفکر کے مالک تھے، معاملات کی گہرائی تک رسائی میں خصوصی قدرت رکھتے تھے۔ پیش آمدہ احداث و واقعات سے بھرپور استفادہ کرتے اور اس امر سے بخوبی آگاہ ہوتے کہ ان سے بچاؤ کیسے کرنا ہے اور اگر وہ سر پر آن پڑیں تو ان سے بچ نکلنے میں کیسے کامیاب ہونا ہے۔ آپ شام پر بیس سال تک امیر اور پھر بیس سال تک منصب خلافت پر فائز رہے۔ [2] چالیس سال پر محیط اس طویل عرصہ میں وہ فوجی مناصب پر بھی فائز رہے اور شہری ولایت پر بھی۔ جس نے انہیں ملکی سیاست میں بڑا وسیع تجربہ حاصل کرنے اور پیش آمدہ ہر طرح کے حالات و واقعات سے استفادہ کرنے کا موقع فراہم کیا، یہاں تک کہ ان کی حکومت کے آخری بیس سالوں میں ان سے جھگڑا کرنے والا کوئی ایک فرد بھی باقی نہ رہا۔ [3]

شیخ خضری فرماتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیاست میں گہرا اثر ونفوذ حاصل تھا، آپ عرب کے ذہن ساز تھے اور حلم وحوصلہ میں کوئی شخص بھی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ [4] یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کامیاب سیاست کا دار ومدار قہر وغضب کے وقت ضبط نفس پر قدرت اور مشکلات کا سامنا کرنے کی صلاحیت پر ہوتا ہے۔ جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس سے وافر حصہ میسر آیا تھا، اور ان کی یہ سیاست عوام وخواص کے ساتھ ایک جیسی تھی، بادشاہوں کے ساتھ بھی ان کی سیاسی روش وہی تھی جو اپنے ماتحت لوگوں کے ساتھ، اس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

---

[1] الشهب اللامعة في السياسة النافعة، ص: ٤٨٩.
[2] الطبقات الكبرى: ٧/ ٤٠٦.
[3] الأمويون بين الشرق و الغرب: ١/ ٨٢.
[4] الدولة الاموية للخضرى، ص: ٣٧٧

ا:......مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور ان کا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض:

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ وہ ایک وفد کی صورت میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے میری ضرورت پوری کر دی، پھر مجھے علیحدگی میں بلا کر کہنے لگے: مسور! تم ائمہ پر لعن طعن کیا کرتے تھے اب اس کا کیا بنا؟ انہوں نے جواب دیا: ہمارے بارے میں درگزر سے کام لیں اور ہم سے جو کچھ ہوا اسے جانے دیں۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم، تمہیں میرے عیوب ونقائص کے بارے میں بتانا ہوگا۔ مسور کہتے ہیں ان کے اصرار پر میں نے وہ تمام عیوب ان کے سامنے گنوا دیئے جو میں ان پر لگایا کرتا تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گناہ سے تو کوئی بھی بری نہیں ہے مگر کیا تم میرے وہ اصلاحی اقدامات بھی گنوا سکتے ہو جو میں نے عوام الناس کے لیے سرانجام دیئے اس لیے کہ نیکی کا اجر دس گنا ملتا ہے؟ یا تو میرے گناہ ہی گنتا رہے گا اور نیکیوں کو طاق نسیان پر رکھ دے گا؟ مسور کہنے لگے: ہم صرف انہی گناہوں کا ذکر کرتے ہیں جنہیں تم بھی دیکھ رہے ہو۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اللہ کے سامنے اپنے ہر گناہ کا اعتراف کرتے ہیں مگر کیا تم نے بھی کوئی ایسا گناہ کیا ہے کہ اگر اللہ نے تمہیں وہ گناہ معاف نہ کیا تو وہ تمہیں ہلاک کر ڈالے گا؟ مسور نے اس کا جواب اثبات میں دیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہیں کون سی چیز نے اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ تم مجھ سے زیادہ مغفرت کی امید کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! تم مجھ سے زیادہ اصلاحی امور سرانجام نہیں دیتے ہو۔ اللہ کی قسم! میں نے ہمیشہ اللہ کو اس کے علاوہ ہر چیز پر پسند کیا اور میں اس دین کا پیروکار ہوں جس میں اللہ تعالیٰ عمل کو پسند کرتا ہے، حسنات کا بدلہ دیتا ہے اور گناہوں کی سزا دیتا ہے مگر جسے چاہے اسے معاف بھی فرما دیا کرتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ ہر نیکی کا بدلہ کئی گنا دے گا، بحمد اللہ میں اللہ کے لیے ایسے بڑے بڑے امور سرانجام دیتا ہوں جنہیں نہ تو تم شمار کر سکتے ہو اور نہ ہی وہ میرے شمار میں ہیں۔ مثلاً اقامت صلاۃ کا اہتمام کرنا، فی سبیل اللہ جہاد کرنا، بما انزل اللہ کے مطابق فیصلے کرنا اور علاوہ ازیں متعدد امور۔ مسور نے کہا: مجھے معلوم ہو گیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جن باتوں کا ذکر کیا ہے میرے پاس ان کا کوئی جواب نہیں ہے۔ حضرت عروہ فرماتے ہیں: اس کے بعد مسور نے جب بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کو یاد کیا ان کے لیے بخشش کی دعا کی۔ [1] اس خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو مطمئن کرنے اور مخالفین کے غصے کو فرو کرنے کے فن میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسور بن مخرمہ کو اپنی سیاسی حکمت عملی کو قبول کرنے پر نہ صرف یہ کہہ کر آمادہ کر لیا بلکہ وہ اس سے مطمئن بھی ہو گئے اور اگر پہلے وہ ان پر جارحانہ انداز میں تنقید کیا کرتے تھے تو اب نہ صرف یہ کہ ان کی مدح وستائش کرنے لگ گئے بلکہ ان کے لیے دعائیں بھی کرنے لگ گئے۔ اس خبر میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے جس تربیتی پہلو کی طرف توجہ دلائی وہ یہ ہے کہ بندہ مسلم کے لیے عادلانہ رویہ یہی ہے کہ جہاں وہ حکمرانوں کی برائیوں اور خطاؤں پر نظر رکھتا ہے وہاں ان کی نیکیوں اور اچھائیوں کو بھی پیش نظر رکھا کرے اور پھر ان دونوں پہلوؤں میں موازنہ کرے، ہوسکتا ہے کہ جن حکمرانوں

[1] تاریخ بغداد: ۱/ ۲۰۸، ۲۰۹۔ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۵۱۔

پر وہ تنقید کے تیر برساتے رہتا ہے انہوں نے اتنے بڑے بڑے نیک اعمال کیے ہوں جن کے مقابلہ میں ان کے گناہ نہ ہونے کے برابر ہوں۔ [1]

ب:...... ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ:

ثابت بن قیس بن خطیم رضی اللہ عنہ بڑے خوددار شخص تھے۔ انہوں نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہ کر ابتلا و آزمائش کے دن بسر کیے۔ پھر انہوں نے انہیں مدائن کا عامل مقرر فرمایا اور وہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کوفہ آنے تک اس منصب پر فائز رہے۔ ایک دن ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے گھر گئے تو دیکھا کہ انصار بنوظفر کی مسجد میں جمع ہو کر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے حقوق کے بارے میں خط لکھنا چاہتے ہیں۔ آپ نے ان سے دریافت کیا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھنا چاہتے ہیں۔ فرمایا: ان کے نام ایک جماعت کے خط لکھنے سے تمہیں کیا حاصل ہوگا؟ انہیں ہم میں سے ایک آدمی خط لکھے اس لیے کہ اگر تم میں سے کسی ایک کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آئے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم سب کے ساتھ کچھ ہو اور تمہارے نام بھی ان کے پاس چلے جائیں۔ وہ کہنے لگے: ہمارے لیے یہ قربانی کون دے گا؟ ثابت نے کہا: اس کے لیے میں حاضر ہوں۔ انہوں نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا اور اپنی ذات سے آغاز کرتے ہوئے کئی باتوں کا تذکرہ کیا، مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور آگے چل کر لکھا: آپ نے ہمارے حقوق روک کر رکھے ہیں، ہم پر سرکشی اور زیادتی کی جبکہ ہمارا گناہ صرف یہی ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و معاونت کی۔ جب یہ خط معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملا تو انہوں نے اسے یزید کے حوالے کر دیا، اس نے وہ خط پڑھا اور پھر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: اسے اس کے گھر کے دروازے کے سامنے سولی پر چڑھا دیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے شامی اکابرین سے اس بارے مشورہ کیا تو وہ کہنے لگے: اسے پیغام بھیج کر یہاں بلائیں اور اسے اپنے حواریوں اور معززین کے سامنے کھڑا کریں تاکہ وہ اسے اچھی طرح دیکھ لیں اور پھر اسے سولی پر چڑھا دیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کیا تمہارے پاس اس کے علاوہ کوئی اور تجویز بھی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر انہوں نے ثابت رضی اللہ عنہ کے نام یہ خط لکھا: میں نے تمہارے خط کا مفہوم سمجھ لیا ہے۔ آپ مجھے تین دن کی مہلت دیں جب یہ خط ثابت کو ملا تو انہوں نے اسے پڑھ کر اپنی قوم کو سنایا۔ ابھی چوتھے دن کی صبح ہی ہوئی تھی کہ ان کی طرف سے ارسال کردہ عطیہ ان کے ہاتھوں میں تھا۔ [2]

اس خبر سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت و سیاست کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جب انہوں نے اپنے بیٹے یزید اور شام کے بعض سرکردہ لوگوں سے مشورہ کیا اور ان سے ان کی رائے مانگی تو آپ کو ان کی رائے پسند نہ آئی اور ان کے اس موقف کو تسلیم نہ کیا کہ لوگوں کے ساتھ سختی سے نمٹ جائے اور ان پر زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈالا جائے۔ اس کے برعکس آپ نے فوراً انصار مدینہ کے پاس ان کے لیے عطیات بھجوائے اور خط میں اختیار کردہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے سخت لہجہ پر ان کا کوئی مواخذہ نہ کیا۔ اس حکیمانہ تصرف اور سیاست رشیدہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا کچھ نہیں بگاڑا

[1] التاریخ الاسلامی: ۱۷، ۱۸/ ۵۳۹ [2] تاریخ بغداد: ۱/ ۱۷۶۔

تھا، بلکہ انہوں نے فیاضی پر مبنی رویہ اختیار کر کے انصار کی خوشنودی کے ساتھ ساتھ ان سب لوگوں کی خوشنودی بھی حاصل کر لی جو اس خبر سے مطلع ہوئے اگر وہ سادہ لوح شدت پسندوں کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ پر سختی کرتے تو انصار مدینہ ان کے خلاف بھڑک اٹھتے اور اسلام میں ان کے مقام و مرتبہ کی وجہ سے دوسرے کئی مسلمان ان کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔ [1]

ج:...... احنف بن قیس رضی اللہ عنہ:

ابن خلکان ان کے حالاتِ زندگی میں رقمطراز ہیں: امیر عراق عبیداللہ بن زیاد نے عراق کے سرکردہ لوگوں کو جمع کیا، ان میں احنف بن قیس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، اور معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو سلام کہنے کے لیے انہیں اپنے ساتھ شام لے گیا، جب وہ لوگ وہاں پہنچے تو ابن زیاد، معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور انہیں روساء عراق کی آمد سے آگاہ کیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ انہیں ان کے مراتب کے مطابق ایک ایک کر کے میرے پاس بھجوائیں، وہ ان کے پاس گیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق انہیں ان کے پاس بھجوا دیا جبکہ سب سے آخر میں احنف بن قیس رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے مقام و مرتبہ سے بخوبی آگاہ تھے اور وہ ان کی سیادت و قیادت کی وجہ سے ان کا بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے۔ انہوں نے احنف رضی اللہ عنہ کو اپنے قریب بلایا اور ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق انہیں اپنے ساتھ بٹھا لیا اور پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر ان سے باتیں کرنے اور حال احوال پوچھنے لگے۔ جبکہ دوسرے لوگوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ راوی کہتا ہے: پھر عراق سے آنے والے یہ لوگ عبیداللہ بن زیاد کی تعریفیں کرنے لگے اور اس کا شکریہ ادا کرنے لگے۔ جبکہ احنف رضی اللہ عنہ اس دوران خاموش بیٹھے رہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے، ابوبحر! آپ کیوں نہیں بولتے؟ انہوں نے جواب دیا: اگر میں کوئی بات کروں گا تو ان کی مخالفت کروں گا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں تم لوگوں سے ابن زیادہ کو الگ کرتا ہوں۔ جائیں اور کسی ایسے آدمی کا انتخاب کریں جسے میں تمہارا والی مقرر کروں اور میرے پاس تین دن کے بعد دوبارہ آنا۔ جب وہ لوگ یہاں سے باہر نکلے تو ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اپنے لیے امارت کے متمنی تھے جبکہ بعض نے کسی دوسرے کا نام تجویز کیا، وہ لوگ پس پردہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے خاص لوگوں سے مل کر اپنے لیے حصول امارت کی کوششوں میں لگے رہے۔ جب وہ تین دنوں کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے انہیں اگلی نشستوں پر بٹھایا اور خود حسب سابق احنف رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ بٹھا کر ان سے باتیں کرنے لگے، پھر ان سے دریافت کیا: تم لوگوں نے کیا فیصلہ کیا؟ اس پر وہ ایک دوسرے کا نام لینے لگے، پھر بحث نے طول پکڑا اور بات جدل و جدال تک جا پہنچی جبکہ احنف خاموشی سے بیٹھے رہے۔ انہوں نے ان تین دنوں میں بھی کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ابوبحر! آپ بات کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے جواب دیا: اگر آپ کے اہل بیت سے ہٹ کر کسی اور کا نام لوں تو وہ نہ تو عبیداللہ کے برابر ہوگا اور نہ اس کا قائم مقام ہی بن سکے گا، اور اگر میں کسی اور کا نام تجویز کر بھی دوں تو اس کا فیصلہ

[1] التاریخ الاسلامی: ۱۷/ ۵۳۷.

بھی آپ ہی نے کرنا ہے۔ جو لوگ پہلی مجلس میں ابن زیاد کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے ان میں سے اب کسی نے اس کا ذکر تک بھی نہ کیا اور نہ اس کے واپس آنے کے بارے میں کوئی سوال کیا۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے احنف کی بات سنی تو وہ ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے: گواہ رہنا کہ میں نے عبیداللہ کو اس کے عہدہ ولایت پر دوبارہ بحال کر دیا ہے۔ اس پر وہ اس کا نام تجویز نہ کرنے پر نادم ہونے لگے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس کا پتا چل گیا کہ یہ لوگ ابن زیاد کے اس لیے شکر گزار نہیں ہو رہے تھے کہ انہیں اس میں کوئی دلچسپی تھی بلکہ یہ وہی کچھ ہے جو لوگ حکمرانوں کے حق میں عادتاً کیا کرتے ہیں۔ جب یہ لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس سے الگ ہوئے تو انہوں نے عبیداللہ سے علیحدگی میں کہا: تو نے احنف جیسے آدمی کو کیوں ضائع کر دیا، اس نے خاموشی سے تجھے ولایت سے الگ کروایا اور پھر ولایت پر بحال بھی کروا دیا۔ جبکہ جن لوگوں کو تو نے آگے آگے رکھا اور ان پر اعتماد بھی کیا وہ نہ تو تیرے کسی کام آئے اور نہ انہوں نے ولایت و امارت کے لیے ہی تیرا نام پیش کیا۔

پھر جب یہ لوگ عراق واپس گئے تو عبیداللہ نے انہیں اپنے حلقہ خواص اور راز داں لوگوں میں شامل کر لیا۔ [1]

آپ نے دیکھا کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت کا علم ہوا اور انہیں ان کی بلند تر حیثیت کا ادراک ہوا تو ان کی عزت افزائی کرتے ہوئے انہیں اپنے سے قریب کر لیا اور ان کے لیے بہت زیادہ احترام کا اظہار کیا۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اہل فضل کے بڑے قدر دان تھے وہاں یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ طاقت ور اور با اثر افراد کو اپنے ساتھ ملانے اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی صلاحیت سے بھی بہرہ مند تھے۔ [2] نیز یہ واقعہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی وسعت قلبی اور معاملات کے انجام سے آگاہ ہونے کی بھی ایک بڑی دلیل ہے۔ بعدازاں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کے بعد جب معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو استحکام میسر آ گیا تو ایک دن احنف رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا: احنف! میں جب بھی جنگ صفین کو یاد کرتا ہوں میرا دل رنج و الم میں ڈوب جاتا ہے۔ اس پر احنف رضی اللہ عنہ نے کہا: معاویہ! اللہ کی قسم! جن دلوں میں ہم نے آپ کے لیے بغض پالا تھا وہ ابھی تک ہمارے سینوں میں ہیں اور جن تلواروں کے ساتھ ہم نے تم سے جنگ کی تھی وہ نیاموں میں ہیں، اگر تم انگلی بھر جنگ کے قریب ہو گے تو ہم ایک بالشت اس کے قریب ہوں گے اور اگر تم ادھر چل کر جاؤ گے تو ہم دوڑ کر جائیں گے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کر باہر نکل گئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن جو پردے کے پیچھے سے یہ باتیں سن رہی تھی، کہنے لگی: امیر المومنین! یہ دھمکیاں دینے والا کون تھا؟ انہوں نے کہا: یہ وہ شخص ہے کہ جب یہ غضب ناک ہوتا ہے تو اس کے غضب کی وجہ سے بنو تمیم کے ایک لاکھ افراد غضب ناک ہو جاتے ہیں اور انہیں اس کے غیض و غضب کی وجہ بھی معلوم نہیں ہوتی۔ [3]

---

[1] وفیات الاعیان: ۲/ ۵۰۳، ۵۰٤.

[2] التاریخ الاسلامی: ۱۷/ ۲٤.

[3] وفیات الاعیان: ۲/ ۱۸٦.

د:......ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ:

ابن عبدالبر الاستیعاب میں اپنی سند ❶ سے ذکر کرتے ہیں کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے تو ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے ان سے ملاقات کی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ابوقتادہ، سب لوگ مجھ سے ملاقات کے لیے آتے ہیں مگر تم انصار نہیں آتے ہو، تمہیں ایسا کرنے سے کس چیز نے روک رکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہمارے پاس سواریاں نہیں ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہارے اونٹ کہاں ہیں؟ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہم نے انہیں جنگ بدر کے دن آپ کے اور آپ کے باپ کی تلاش میں کاٹ دیا تھا۔ انہوں نے کہا: ہاں ابوقتادہ، پھر ابوقتادہ کہنے لگے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا تھا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ترجیح دیکھیں گے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کیا کرنے کا حکم دیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا: صبر کرنے کا۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: پھر تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات تک صبر کرو۔ ❷

۵۔ تواضع اور پرہیز گاری:

معاویہ رضی اللہ عنہ جن صفات میں بڑی شہرت رکھتے ہیں ان میں سے ایک اہم صفت انکسار و تواضع ہے، وہ اپنے عام خطبات میں اس امر کا اعتراف کرتے تھے کہ لوگوں میں ان سے بہت بہتر اور افضل لوگ بھی موجود ہیں، حالانکہ اس وقت وہ مسلمانوں کی امارت کے منصب پر فائز تھے لوگوں کا ان پر اتفاق ہو چکا تھا اور وہ ان کے غیر متنازع امیر قرار پائے تھے، انہوں نے ایک دفعہ فرمایا: لوگو! میں تم سے بہتر نہیں ہوں، تم میں مجھ سے بہت بہتر لوگ بھی موجود ہیں جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ متعدد فاضلین کرام، مگر شاید میں ولایت کے حوالے سے تمہارے لیے زیادہ مفید، دشمن کے لیے ضرب کاری اور تمہاری منفعت کا زیادہ ادراک کرنے والا ثابت ہوں گا۔ ❸ امام احمد اپنی سند کے ساتھ ابوعلی بن ابوحملہ سے روایت کی ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا اس وقت انہوں نے پیوند لگی قمیص زیب تن کر رکھی تھی۔ ❹

ان کی پرہیز گاری کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ اپنی کسی لونڈی کو شہوت کی نظر سے دیکھا مگر انہوں نے محسوس کیا کہ وہ اس سے جنسی تعلقات قائم کرنے سے قاصر ہیں، جو شخص اسے آپ کے پاس لے کر آیا تھا آپ نے اس سے فرمایا: اسے یزید بن معاویہ کے پاس لے جائیں، پھر کہنے لگے: نہیں، بلکہ میرے پاس ربیعہ بن عمرو جرشی کو لے کر آئیں۔ ربیعہ ایک فقیہ عالم دین تھے جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر

❶ مصنف عبدالرزاق، رقم: ۱۹۹۰۹۔ یہ سند مرسل ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انصار سے یہ فرمانا اسید بن حضیر کی حدیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو: بخاری، رقم: ۳۷۹۲۔ مسلم، رقم: ۱۸۴۵۔ الاستیعاب، ص: ۶۷۰۔

❷ الاستیعاب، ص: ۶۷۰، رقم الترجمۃ: ۲۳۴۶۔

❸ البدایۃ و النھایۃ: ۱۱/ ۴۳۶۔

❹ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۵۲۔ الزھد، ص: ۱۷۲۔

ہوئے تو ان سے فرمایا: جب اس لونڈی کو میرے سامنے پیش کیا گیا تو اس وقت یہ بے لباس تھی اور اس کے جسم کے فلاں فلاں حصے پر میری نظر پڑ گئی، لہٰذا میں نے ارادہ کیا کہ اسے یزید کے پاس بھیج دوں۔ اس پر ربیعہ کہنے لگے: امیر المومنین ایسا نہ کریں اس لیے کہ یہ تمہارے لیے مناسب نہیں ہے۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے بہت اچھی رائے دی، پھر آپ نے وہ لونڈی عبداللہ بن مسور فزاری کو ہبہ کر دی۔ یہ سیاہ فام تھے اور سیّدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے اس سے فرمایا: اس سے سفید اولاد حاصل کریں۔ [1] اس اثر کی تعلیق میں ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی فقہ اور ان کے محتاط رویہ کا نتیجہ ہے اس لیے کہ انہوں نے لونڈی کو شہوت کی نظر سے دیکھا تھا جس کی بنا پر اسے اپنے بیٹے یزید کو ہبہ کرنے میں حرج محسوس کیا اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ﴾ (النساء: ۲۲)

''اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباء نے نکاح کیا ہو۔''

اور پھر ربیعہ بن عمرو جرشی دمشقی نے ان کے اس موقف کی تائید کر دی۔ [2]

۶۔ اللہ کے ڈر سے رونا:

ایک دفعہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ مرفوع حدیث بیان کی گئی کہ قیامت کے دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے سب سے پہلے جن لوگوں کے ساتھ جہنم کی آگ کو بھڑکایا جائے گا وہ ہیں: دکھلاوا کرنے والا قاری، دکھلاوے کے لیے خرچ کرنے والا اور دکھلاوا کرنے والا مجاہد۔ اس حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندوں میں فیصلہ کرنے کے لیے ان میں نزول فرمائے گا اس وقت ہر امت نے گھٹنے ٹیک رکھے ہوں گے، سب سے پہلے ان لوگوں کو بلایا جائے گا: قرآن کا عالم، شہید فی سبیل اللہ اور متمول انسان۔ اللہ تعالیٰ عالم و قاری سے فرمائے گا: کیا میں نے تجھے ان چیزوں کا علم نہیں دیا تھا جنہیں میں نے اپنے رسولوں پر نازل کیا؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں میرے پروردگار، اللہ فرمائے گا: تو نے جو کچھ سیکھا اس پر کیا عمل کیا؟ وہ جواب دے گا: میں شب و روز اس پر عمل کیا کرتا تھا۔ اللہ فرمائے گا: تو جھوٹ بولتا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے: تو جھوٹ بولتا ہے۔ تیرا مقصد یہ تھا کہ لوگ تجھے قاری کہیں اور یقیناً ایسا کہا گیا۔ پھر مال دار شخص کو لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: کیا میں نے تجھے اتنا زیادہ مال نہیں دیا تھا کہ تو کسی کا محتاج نہ رہا؟ وہ جواب دے گا: میرے پروردگار! ایسا ہی ہوا۔ اللہ فرمائے گا: تو نے میرے عطا کردہ مال کے ساتھ کیا کیا؟ وہ جواب دے گا: میں صلہ رحمی کرتا رہا اور صدقہ وخیرات کرتا رہا۔ اللہ فرمائے گا: تو کذب بیانی سے کام لے رہا ہے۔ فرشتے بھی کہیں گے: تو کذب بیانی سے کام لے رہا ہے، پھر اللہ فرمائے گا: بلکہ تیرا ارادہ یہ تھا کہ لوگ تجھے سخی کہیں اور یقیناً ایسا کہا گیا، پھر اس شخص کو لایا جائے گا جسے اللہ کی راہ میں شہید کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: تجھے قتل کیوں کیا گیا؟ وہ

[1] البدایة و النهایة: ۱۱/ ۳۹۶.
[2] البدایة و النهایة: ۱۱/ ۳۹۶.

جواب دے گا: تو نے اپنے راستے میں جہاد کرنے کا حکم دیا تھا، لہٰذا میں نے تیرے حکم کی وجہ سے جہاد کیا یہاں تک کہ مجھے قتل کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: تو جھوٹ بول رہا ہے، فرشتے کہیں گے: تو جھوٹ بول رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بلکہ تو نے اس لیے قتال کیا کہ لوگ تجھے دلیر کہیں اور یقیناً تجھے دلیر کہا گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے میرے ٹخنوں پر مارتے ہوئے فرمایا: ابوہریرہ! اللہ کی مخلوق سے یہ تین وہ پہلے لوگ ہوں گے جن کے ساتھ قیامت کے دن جہنم کو بھڑکایا جائے گا۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنی تو فرمانے لگے: جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ یہ سلوک کیا تو پھر باقی لوگوں کے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ پھر وہ اس قدر زیادہ روئے کہ ان کے آس پاس کے لوگوں کو خیال ہوا کہ وہ ہلاک ہو جائیں گے، پھر جب انہیں کچھ افاقہ ہوا تو اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہنے لگے: اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ٥ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ٥﴾ (هود: ١٥-١٦) [1]

''جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت پر فریفتہ ہوا چاہتا ہو تو ہم ان کو ان کے اعمال کا بدلہ یہیں بھرپور انداز میں دے دیتے ہیں اور اس میں کوئی کمی نہیں کی جاتی، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں اور جو انہوں نے یہاں کیا ہوگا سب ضائع ہے اور جو ان کے اعمال تھے سب ضائع ہونے والے ہیں۔''

(۳)......علماء کی طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف اور اُموی دور کا ''خیر القرون'' میں شامل ہونا

ا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''تم قیصر و کسریٰ اور ان کے رعب و دبدبہ کی بات کرتے ہو جبکہ تمہارے پاس معاویہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔'' [2]

ابو محمد اموی فرماتے ہیں: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ معاویہ ایک مجمع کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے آ رہے ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: معاویہ! تم صبح بھی مجمع میں کرتے ہو اور اس جیسے مجمع میں شام بھی، اور مجھے یہ خبر ملی ہے کہ ضرورت مند تمہارے دروازے پر کھڑے رہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا: امیر المومنین! دشمن ہم سے بہت قریب ہے، اور اس کے جاسوس ہمیشہ سرگرم عمل رہتے

[1] اسے ترمذی اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح کہا ہے: ۱۷۱۳۔
[2] المعجم الكبير: ٥/ ٣٣٠۔ مرويات خلافة معاوية في تاريخ الطبري، ص: ٨٣.

ہیں۔ امیر المومنین! میں چاہتا ہوں کہ وہ اسلام کی عزت اور شان و شوکت کا مشاہدہ کریں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ ایک دانا شخص کی تدبیر ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: امیر المومنین! آپ مجھے جو بھی حکم دیں گے میں اس کی تعمیل کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: معاویہ! میں نے جب بھی کسی مسئلہ میں آپ پر اعتراض کیا آپ نے مجھے اس حالت میں لا کھڑا کیا کہ مجھے یہ نہیں پتا چلتا کہ آپ کو اس کا حکم دوں یا اس سے منع کروں۔ [1]

۲۔ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ:

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو ناپسند نہ کرو، اللہ کی قسم! اگر تم نے انھیں گم پایا تو تم ایسے سر دیکھو گے جو کندھوں سے اندرائن کی طرح گر رہے ہوں گے۔ [2] اس اثر میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اپنے اصحاب کو تلقین کرتے نظر آتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو کراہت کی نظر سے نہ دیکھا جائے۔

۳۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو سردار نہیں دیکھا۔ میں نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ کو بھی نہیں؟ انہوں نے فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ ان سے بہتر تھے جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے بڑے سردار تھے۔ [3] دوسری روایت میں ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑا سردار نہیں دیکھا۔ ان سے دریافت کیا گیا: ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی نہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم ان سے بہتر تھے مگر وہ سرداران سے بڑے تھے۔ [4]

۴۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو بادشاہت کے لائق نہیں دیکھا۔ [5] صحیح بخاری میں ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا: امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہما ہمیشہ ایک وتر پڑھتے ہیں اس کے بارے میں آپ کیا کہنا چاہیں گے؟ انہوں نے جواب دیا: معاویہ رضی اللہ عنہ فقیہ شخص ہیں۔ [6] ابن عباس رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ابن ہند بھی کیسا خوب آدمی ہے، وہ کس قدر شریف الاصل ہے، اور اس کا مقدر کس قدر محترم ہے۔ اللہ کی قسم! انہوں نے ہمارے اور اپنے اہل کا احترام کرتے ہوئے نہ کبھی ہمیں منبر پر سب و شتم کیا اور نہ زمین پر۔ [7] جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ان الفاظ کے ساتھ تعزیت کی: اللہ تعالیٰ آپ کو بے یار و مددگار نہ چھوڑے اور نہ حسن رضی اللہ عنہ کی وجہ سے تمھیں غم ناک کرے، تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تک اللہ میرے لیے امیر المومنین کو باقی رکھے گا وہ نہ تو مجھے غم ناک کرے گا اور نہ مجھے بے یار و مددگار چھوڑے گا۔ [8]

---

[1] انساب الاشراف: ٤/ ١٤٧۔ الاستیعاب رقم الترجمة: ٢٣٤٦۔ مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری، ص: ٨٤ .

[2] البدایة و النهایة: ١١/ ٤٣٠ .

[3] البدایة و النهایة: ١١/ ٤٣٨ .

[4] ایضا: ١١/ ٤٣٨ .

[5] ایضا: ١١/ ٤٣٩ .

[6] صحیح بخاری، رقم: ٣٧٦٥ .

[7] تاریخ دمشق: ٦٢/ ١٢٨-١٢٩ .

[8] مختصر تاریخ دمشق: ٢٦/ ٦٧، ٦٨ .

۵۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ:

ان کا قول ہے: میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس دروازے والے سے بڑھ کر کسی کو مبنی برحق فیصلہ کرتے نہیں دیکھا۔ ❶ یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر۔

٦۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے بازار میں چلتے ہوئے فرمایا: تمہارے لیے افسوس ہے، معاویہ رضی اللہ عنہ سے وابستہ ہو جاؤ، میرے اللہ! مجھے بچوں کی امارت سے بچانا۔ ❷

۷۔ ابودرداء رضی اللہ عنہ:

ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کی نماز تمہارے اس امیر (معاویہ رضی اللہ عنہ) کی نماز سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہت رکھتی ہو۔ ❸

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مذکورہ بالا اور ابودرداء رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ذکر کرنے کے بعد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت اور دین داری کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گواہی ہے، ان کی فقاہت کی شہادت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دے رہے ہیں جبکہ حسنِ صلاۃ کے گواہ ابودرداء رضی اللہ عنہ ہیں اور ان دونوں کی شخصیات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اس کی تاکید میں بکثرت آثار مروی ہیں۔ ❹

۸۔ سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ:

امام زہری فرماتے ہیں: میں نے سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: زہری میری بات توجہ سے سنیں: ''جو شخص خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہوئے، عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے لیے جنت کی گواہی دیتے ہوئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے کرتے مر گیا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ اس سے کرید کرید کر حساب نہ لے۔'' ❺

۹۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ:

جب عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں پڑنے والا غبار عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بہتر اور افضل ہے۔ ❻

۱۰۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ:

ابراہیم بن میسرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے کبھی بھی عمر بن عبدالعزیز کو کسی انسان کو مارتے نہیں دیکھا۔ بجز اس

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۵۰.
❷ مختصر تاریخ دمشق: ۲۵/ ۷۹۔ اثر العلماء، ص: ۸٤.
❸ مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۹/ ۳۵۷.
❹ منهاج السنة: ٦/ ۲۳۵.
❺ البداية و النهاية: ۱۱/ ٤٤۹.
❻ ایضا: ۱۱/ ٤٤۹.

شخص کے جس نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کیا اسے انہوں نے کئی کوڑوں کی سزا دی۔ ❶

۱۱۔ محمد بن عبداللہ بن عمار موصلی و دیگران کے اقوال:

معافی بن عمران سے پوچھا گیا: معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ؟ تو وہ ناراض ہو کر سائل سے کہنے لگے: کیا تو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تابعی کے برابر قرار دینا چاہتا ہے؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، سسرالی رشتے دار، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب اور وحی الٰہی کے امین ہیں۔ ❷

۱۲۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا: آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہنا چاہیں گے جو یہ کہتا ہے کہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی اور خال المومنین نہیں مانتا اس لیے کہ انہوں نے امارت تلوار کے زور پر غصب کی۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا: یہ بہت بری اور گھٹیا بات ہے، ایسے لوگوں سے الگ رہا جائے، ان کے ساتھ نشست و برخاست نہ کی جائے اور انہیں لوگوں کے سامنے ننگا کیا جائے۔

۱۳۔ ربیع بن نافع حلبی رحمہ اللہ:

ان کا قول ہے: معاویہ رضی اللہ عنہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پردہ ہیں، جب کوئی آدمی پردہ ہٹاتا ہے تو وہ پس پردہ چیز پر دلیر ہو جاتا ہے۔ ❸

۱۴۔ ابن ابوالعز حنفی رحمہ اللہ:

آپ کا قول ہے: مسلمانوں کے پہلے بادشاہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ ان کے بہترین بادشاہ ہیں۔ ❹

۱۵۔ قاضی ابن العربی المالکی رحمہ اللہ:

ابن العربی معاویہ رضی اللہ عنہ کی خصال حمیدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: انہوں نے سرحدوں کو محفوظ بنایا۔ فوج کی اصلاح کی، دشمن پر غالب رہے اور مخلوق کی منفعت کے لیے کوشاں رہے۔ ❺

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں منصب ولایت پر فائز کیا، اور عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں اس منصب پر برقرار رکھا۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ انہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے والی مقرر کیا تھا، اس لیے کہ انہوں نے ان کے بھائی یزید (بن ابوسفیان) کو والی مقرر فرمایا اور یزید نے اسے اپنا جانشین مقرر کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اس عہدہ پر برقرار رکھا اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کچھ کیا۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ سلسلہ کس قدر ٹھوس اور پائیدار ہے۔'' ❻

اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا کاتب مقرر فرمایا تھا...... پھر نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ صلح کرتے ہوئے ان کی خلافت کا اقرار کر لیا۔ ❼

❶ البداية و النهاية: ۱۱/ ۴۵۱. ❷ البداية و النهاية: ۱۱/ ۴۵۰. ❸ ايضا: ۱۱/ ۴۵۰.
❹ شرح العقيده الطحاوية، ص: ۷۲۲. ❺ العواصم من القواصم، ص: ۲۱۰، ۲۱۱.
❻ العواصم من القواصم، ص: ۸۲.
❼ سيرة عثمان بن عفان، صلابی، ص: ۳۰۰۔ المدينة المنورة، فجر الاسلام: ۲/ ۲۱۶.

۱۶۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اس امت کے افضل ترین بادشاہ ہیں، اس لیے کہ ان سے قبل کے خلفاء اربعہ خلفاء نبوت تھے، جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے بادشاہ ہیں اور ان کی بادشاہت رحمت تھی۔ [1] مزید فرماتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان سے بہتر کوئی بادشاہ نہیں تھا۔ [2] ابن تیمیہ رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ جب اعمش کے سامنے امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ، کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کو پا لیتے تو پھر کیا ہوتا؟ انہوں نے کہا: ان کے حلم کے بارے میں؟ فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! ان کے عدل کے بارے میں۔

۱۷۔ امام ذہبی رحمہ اللہ:

امام ذہبی معاویہ رحمہ اللہ کو امیر المومنین اور شاہ اسلام [3] بتاتے ہیں، مزید فرماتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار ان بہترین بادشاہوں میں ہوتا ہے جن کا عدل ان کے ظلم پر غالب تھا، مگر وہ کمزوریوں سے مبرا نہیں تھے، اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے۔ [4] ان کے لیے یہی بات کافی ہے کہ پہلے عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک صوبے کا گورنر بنایا اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے، اور انہوں نے یہ ذمہ داری خوب نبھائی، لوگ ان کی جود و سخا اور حلم و حوصلہ سے ہمیشہ خوش رہے۔ اس شخص نے لوگوں کی سیادت و قیادت کی اور اپنی عقل و فکر، حلم و حوصلہ، وسیع النظر فی اور صائب رائے کو کام میں لاتے ہوئے بڑی خوبی کے ساتھ ایک دنیا کا نظام چلایا۔ [5]

۱۸۔ ابن کثیر رحمہ اللہ:

۴۱ھ میں ان کی بیعت پر رعایا کا اجماع ہو گیا۔ آپ جس سال فوت ہوئے اس سال وہ فیصلے کرنے میں آزاد تھے، دشمن کے علاقوں میں جہاد کا سلسلہ قائم تھا، اللہ کا کلمہ سربلند تھا، زمین کے دور دراز علاقوں سے مال غنیمت کی آمد کا سلسلہ جاری تھا مسلمان آرام و راحت کے ساتھ رہ رہے تھے اور ان کی طرف سے عفو و درگزر کا التزام کیا جا رہا تھا۔ [6] مزید فرماتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے حلیم الطبع اور باوقار رئیس اور سردار تھے، منصف مزاج اور بڑی شان و شوکت کے حامل تھے۔ [7] انہی کا قول ہے: معاویہ رضی اللہ عنہ عمدہ سیرت و کردار کے مالک، عفو و درگزر کے پیکر اور پردہ پوشی کرنے والے عظیم انسان تھے۔ [8]

۱۹۔ ابن خلدون:

ابن خلدون فرماتے ہیں: مناسب یہی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت اور اس کے اخبار و واقعات کے ساتھ ملحق کیا جائے، اس لیے کہ وہ عدل و انصاف، فضل و شرف اور حجت میں ان کے ہم پلہ ہیں اور حق تو یہ ہے کہ

[1] الفتاوی: ۱۴/ ۴۷۸.
[2] منهاج السنة: ۳/ ۲۸۵، ۶/ ۲۳۲.
[3] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۲۰.
[4] ایضا: ۳/ ۱۵۹.
[5] ایضا: ۳/ ۱۳۲، ۱۳۳.
[6] البداية و النهاية: ۱۱/ ۴۰۰.
[7] ایضا: ۱۱/ ۳۹۷.
[8] ایضا: ۱۱/ ۴۱۹.

معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار خلفائے راشدین میں ہی ہوتا ہے۔ مؤرخین نے صرف دو باتوں کی وجہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان سے مؤخر رکھا ہے:

۱۔ ان کی خلافت ان کے زمانہ میں سر اٹھانے والی عصبیت، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے، کی وجہ سے دوسری قوتوں پر غلبہ حاصل کرنے والی خلافت تھی، جبکہ قبل ازیں وہ اختیار اور اجماع سے عبارت تھی۔ مؤرخین نے اس حوالے سے ان دونوں حالتوں میں فرق کو ملحوظ رکھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ مغالبہ اور عصبیت کے خلفاء میں سے پہلے خلیفہ تھے جنہیں اہل ہواء لوگ بادشاہ کے نام سے تعبیر کرتے اور انہیں ایک دوسرے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ مگر حاشا للہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے بعد آنے والے خلفاء کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جا سکتی، وہ خلفائے راشدین میں سے ہیں، دین اور فضل وشرف میں ان جیسے مروانی خلفاء نیز ان کے ہم مرتبہ عباسی خلفاء کا شمار بھی خلفاء راشدین میں ہوتا ہے۔ یہ کہنا ناروا ہے کہ بادشاہت کا رتبہ خلافت کے رتبہ سے کم تر ہے، لہٰذا بادشاہ خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ یہ بات آپ کے علم میں رہنی چاہیے کہ جو بادشاہت خلافت کے مخالف بلکہ اس کی ضد ہے وہ جابرانہ بادشاہت ہے جسے کسرویت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس وقت ناپسند کیا تھا جب انہوں نے اس پر اس کے بعض مظاہر کا مشاہدہ کیا تھا، رہی وہ بادشاہت جو عصبیت اور قوت وشوکت کے ساتھ غلبہ وقہر سے عبارت ہے تو وہ نہ خلافت کے منافی ہے اور نہ نبوت کے۔ سلیمان علیہ السلام اور ان کے والد حضرت داؤد علیہما السلام اللہ کے نبی تھے اور بادشاہ بھی، اور وہ دونوں دینی اور دنیوی ہر دو حوالوں سے استقامت کی انتہاء پر فائز تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان وشوکت بکثرت دنیا کے حصول کے لیے نہیں تھی بلکہ انہیں (قومی) عصبیت نے اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ یہاں لا کھڑا کیا تھا اور یہ اس وقت کی بات ہے جب مسلمان ساری حکومت پر قابض ہو گئے اور وہ ان کے خلیفہ قرار پائے تو انہوں نے بھی اپنی قوم کو اسی بات کی طرف بلایا جس کی طرف بادشاہ اپنی اپنی قوموں کو بلایا کرتے ہیں۔

۲۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف وتوصیف میں یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور بعدازاں کے علمائے امت کے بعض اقوال ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے پہلے بادشاہ ہیں اور ان کا شمار ان بہترین شاہانِ اسلام میں ہوتا ہے جن کا عدل ان کے ظلم پر غالب تھا۔ جبکہ وہ بشری کمزوریوں سے بری نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائیں گے جیسا کہ انہوں نے خود کہا وہ اس دین کے پیروکار تھے جس میں اللہ تعالیٰ اعمال کو قبول فرماتا، حسنات کا بدلہ دیتا اور گناہوں کی سزا دیتا ہے الا یہ کہ وہ جسے چاہے معاف فرما دے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی حکومت کو خاص طور سے اور بنو امیہ کی حکومت کو عام طور سے بعض مؤرخین کے زہریلے تیروں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ بعض لوگوں کے خیال میں تو وہ سلطنت مدینہ تھی جبکہ بعض دوسروں کے نزدیک وہ اسلامی نہیں بلکہ عربی دولت تھی، بلکہ بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وہ لادینی حکومت تھی یا اخلاق کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ ایسا کذب وافتراء ہے جس کی دینی حقائق بھی تکذیب کرتے ہیں اور تاریخی شواہد بھی۔ جہاں

تک دینی حقائق کا تعلق ہے تو اموی دور حکومت کا آغاز ۴۰ھ میں ہوا اور ۱۳۲ھ تک جاری رہا اور یہ طویل دور امت کے تین بہترین ادوار کو شامل ہے، یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے ادوار کو۔ [1] یہ وہ ادوار ہیں جن کی فضیلت آنحضرت ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے، مثلاً ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی یہ مرفوع حدیث: ''زمانوں میں سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے اور پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔'' [2] عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے: ''تم میں سے بہترین میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئیں گے اور پھر ان کا جو، ان کے بعد آئیں گے۔'' [3] ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایک زمانہ آئے گا کہ کچھ لوگ جہاد کریں گے تو پوچھا جائے گا: کیا تم میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی صحابی بھی موجود ہے؟ اس کا جواب اثبات میں دیا جائے گا تو انہیں فتح سے نوازا جائے گا، پھر ایک اور زمانہ آئے گا ان سے پوچھا جائے گا: کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے اصحاب نبی میں سے کسی کی صحبت اختیار کی ہو؟ اس کا جواب بھی اثبات میں دیا جائے گا تو انہیں فتح سے ہمکنار کر دیا جائے گا۔'' [4] مرفوع احادیث میں مذکور تین قرون سے مراد تین زمانے ہیں، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ، تابعین کا زمانہ اور تبع تابعین کا زمانہ۔ [5] اس کی یہی تفسیر راجح ہے۔

جن احادیث صحیحہ سے اموی دور حکومت کی فضیلت و منقبت ثابت ہوتی ہے ان میں صحیح بخاری میں خالد بن مہران سے مروی یہ حدیث بھی ہے کہ عمر بن اسود نے اس سے بیان کیا کہ وہ حمص میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت ان کی بیوی ام حرام بھی ان کے ساتھ تھی، عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ام حرام نے ہم سے بیان کیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''میری امت کا پہلا لشکر جو سمندر میں جہاد کرے گا اس نے جنت کو واجب کر لیا۔'' (یعنی انہوں نے وہ کام کیا جس کی وجہ سے ان کے لیے جنت واجب ہو گئی۔) ام حرام کہتی ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ان میں میں بھی شامل ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان میں تو بھی شامل ہے۔'' نبی کریم ﷺ نے پھر فرمایا: ''میری امت سے پہلا لشکر جو قیصر کے شہر میں جہاد کرے گا اس کی مغفرت فرما دی گئی ہے۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ان لوگوں میں میں بھی شامل ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں''۔ [6] قیصر کے شہر سے مراد قسطنطنیہ ہے، جو کہ بیزنطی حکومت کا دار الحکومت تھا۔ [7] شارحین حدیث فرماتے ہیں: اس حدیث سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ سب

---

[1] تاریخنا المفتری علیه، یوسف قرضاوی، ص: ٦٢ .

[2] متفق علیه، اللؤلؤ و المرجان فیما اتفق علیه الشیخان، رقم: ١٦٤٥ .

[3] ایضا، رقم: ١٦٤٦ . [4] ایضا، رقم: ١٦٤٧ .

[5] تاریخنا المفتری، یوسف قرضاوی، ص: ٦٣ .

[6] بخاری، رقم: ٢٩٢٤ .

[7] تاریخنا المفتری علیه، یوسف قرضاوی، ص: ٦٣ .

سے پہلے سمندر میں جہاد انہوں نے کیا اور یہ خلافت عثمانیہ کے دور کی بات ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سمندری جنگ کے لیے مسلسل آمادہ کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے ان کی بات کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں بحری جنگ کی اجازت دے دی، اسلامی بحری بیڑے کا عہد عثمان رضی اللہ عنہ سے آغاز ہوا اور عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں اس میں مزید توسیع کی گئی۔ [1] اس غزوہ کے دوران ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے وفات پائی جو کہ اس لشکر میں شامل تھے، انہوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے قسطنطنیہ کے دروازے کے قریب دفن کیا جائے۔ ہمارے نزدیک یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ جس سارے لشکر کی مغفرت فرما دی گئی وہ بنوامیہ کے عہد حکومت کا لشکر تھا، اس لیے کہ یہ جنگ ۵۲ھ میں ہوئی تھی، یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں۔ جو شخص نواسہ رسول حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہونے کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کا بنظر انصاف جائزہ لے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں میں اقامت اسلام اور اتباع سنت کے بڑے حریص تھے۔



[1] تاریخنا المفتری علیه، یوسف قرضاوی، ص: ٦٣.

دوسری بحث:

اُمت اور دولت اسلامیہ کے رئیس کے طور پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعلقات

جس طرح امت کے کچھ حقوق ہیں اسی طرح خلیفہ کے بھی کچھ حقوق ہیں اور ان حقوق کے ساتھ ساتھ ان کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں جن کے لیے وہ جواب دہ ہیں اور جن کے حوالے سے ان کا احتساب بھی ہوگا، اس کی قدرے تفصیل پیش خدمت ہے:

اولاً:...... خلیفہ کی ذمہ داریاں:

فقہائے کرام نے خلیفہ پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے، ان ذمہ داریوں اور ان کی تعداد کے اظہار و بیان کے لیے علماء کی تعبیرات جس قدر بھی مختلف ہوں ان کے حوالے سے یہ کہنا ممکن ہے کہ یہ واجبات اپنی حقیقت کے اعتبار سے دینی اور دنیوی مصالح کی پوری پوری حفاظت کرنے سے عبارت ہیں۔ ان واجبات کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے:

۱۔ دین کو غلط ہاتھوں سے بچانے کے لیے مختلف ذرائع اور وسائل کو اپنانا، اس کا تعلق اسلامی عقیدہ کے ساتھ ہو یا کسی اور چیز کے ساتھ۔ اس واجب کے اظہار کے لیے ماوردی کی تعبیر ملاحظہ فرمائیں: دین کی اس کے طے شدہ اصولوں پر حفاظت کرنا اور ان چیزوں کی حفاظت کرنا جن پر علماء سلف کا اجماع ہے، اگر کوئی بدعتی شخص منظر عام پر آتا ہے یا شکوک وشبہات میں مبتلا کوئی شخص انحراف کرتا یا ٹیڑھا پن اختیار کرتا ہے تو خلیفہ اس کے لیے حجت کو واضح کرے گا اور صواب کی تبیین کرے گا اور اس پر جو حقوق اور حدود لازم آتی ہیں ان کے مطابق اس کا مواخذہ کرے گا۔ تاکہ دین خلل سے اور امت غلطی سے محفوظ رہے۔[1]

۲۔ خلیفہ قاضیوں کا تقرر کرے گا تاکہ وہ لوگوں میں اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں تاکہ معاشرے میں زیادتی کرنے والے ایسے لوگوں کا وجود باقی نہ رہے جنہیں کسی سزا کا ڈر نہ ہو اور نہ کوئی ایسا مظلوم باقی رہے جو اس حق تک رسائی کی استطاعت نہیں رکھتا جس کی اس کے لیے شریعت نے ذمہ داری لی ہے۔[2]

۳۔ امت کے تمام افراد کو امن وامان کی فضا مہیا کرنا تاکہ ہر شخص آزادانہ انداز میں روزی کما سکے اور وہ اپنی جان و مال اور اہل عیال کے حوالے سے کوئی خوف وخطرہ محسوس نہ کرے۔

---

[1] الاحکام السلطانیۃ، ص: ۱۵۔

[2] ریاسۃ الدولۃ فی الفقہ الاسلامی، ص: ۳۵۶۔

۴۔ حد کو واجب کرنے والے جرم کے مرتکب اشخاص پر شرعی حدود قائم کرنا اور اس کے لیے چھوٹے بڑے میں تفریق روا نہ رکھنا تاکہ محارم شرعیہ کو پامال ہونے اور اللہ کے بندوں کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکے۔ [1]

۵۔ ملکی سرحدوں کو پوری قوت کے ساتھ محفوظ بنانا، تاکہ دشمنان اسلام کو کوئی ایسا راستہ نہ مل سکے جسے اپنا کر وہ امت کا کوئی نقصان کرنے کی جرأت کر سکیں۔ مملکت کے رئیس اعلیٰ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے تمام وسائل کو بروئے کار لائے جو امت کو اس کے دشمنوں کی شرارتوں سے محفوظ رکھنے کی ضمانت دے سکیں۔

۶۔ دشمنانِ اسلام اور معاندین اسلام سے جہاد کرنا یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں یا ذمی بن کر رہیں۔

۷۔ اموال مستحقہ کا حصول، ان اموال کا تعلق فرض صدقات کے ساتھ ہو یا وہ مال غنیمت ہو۔ مگر یہ بات یاد رہے کہ یہ سب کچھ شرعی قواعد وضوابط کے مطابق ہونا چاہیے اور حصول اموال میں کسی نقص یا زیادتی کا ارتکاب نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ زیادتی کی صورت میں زکوٰۃ دینے والوں کا نقصان ہوگا اور نقص کی صورت میں اس کے مستحقین مثلاً فقراء، مساکین اور عاملین وغیرہم کا۔

۸۔ بیت المال سے ضرورت مند لوگوں کو مالی اعانت فراہم کرنا، دفاعی اور سول اداروں کے ملازمین کو تنخواہیں ادا کرنا اور اس کے لیے قواعد وضوابط تشکیل دینا اور ان پر عمل پیرا ہونا۔

۹۔ قیادت کے عہدوں پر قابل اعتماد، دیندار اور باصلاحیت لوگوں کا انتخاب کرنا، تاکہ اعمال واختیارات ان امین لوگوں کے ہاتھوں میں رہیں جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہو اور وہ لوگوں کے حقوق پر ڈاکے ڈالنے والے نہ ہوں۔

۱۰۔ امت کے حوالے سے اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کی نگرانی کرنا، اس لیے کہ بااختیار عمال اور لوگوں کی ہر کوتاہی کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے جس کے لیے اسے اللہ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا، اس لیے کہ امام راعی (نگران) ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد مبارک ہے۔

۱۱۔ شوریٰ، اس لیے کہ اس کا شمار اسلامی حکومت کے امتیازات میں ہوتا ہے۔ [2] ہم ان شاء اللہ آئندہ چل کر دیکھیں گے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد کے اموی خلفاء نے ان فرائض وواجبات کے حوالے سے کس قسم کا طرز عمل اختیار کیا۔

ثانیاً:......خلیفہ کے حقوق:

امت کے ذمے خلیفہ کے بھی کچھ حقوق ہیں جن کی ادائیگی پر ہی خلیفہ اپنی ذمہ داریوں کو باندازِ احسن پورا کرنے

---

[1] الاحکام السلطانیۃ، ص: ۱٦، ریاسۃ الدولۃ فی الفقہ الاسلامی، ص: ۳۵۷.

[2] ریاسۃ الدولۃ فی الفقہ الاسلامی، ص: ۳۵۸.

کے قابل ہو سکے گا۔ علماء اسلام نے ان حقوق کی بھی نشان دہی کر دی ہے، جن میں سے اہم تر مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اس کے جملہ اوامر ونواہی میں اس کی اطاعت کرنا بشرطیکہ وہ احکام شرعیہ سے متعارض نہ ہوں جب تک وقت تک خلیفہ وقت یا سربراہ مملکت اپنے احکامات ومنہیات میں شرعی حدود وقیود کا التزام کرتا رہے گا اور ان سے تجاوز نہیں کرے گا اسے تمام اہل وطن کی طرف سے ولاء کا حق حاصل رہے گا۔ چاہے وہ امت کے رئیس کے طور پر اس کی بیعت کرنے والے اہل حل وعقد ہوں یا اس کے تمام اہل وطن جن پر اس بیعت کے اتمام کے ساتھ ہی اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔

۲۔ بوقت ضرورت اس کی نصرت وحمایت کرنا، خلیفہ جب تک اپنے حکم میں راہ حق پر گامزن رہے گا اس وقت تک باغیوں اور اس کے خلاف ہتھیار اٹھانے والوں کے خلاف اس کی مدد کرنا ساری امت پر واجب رہے گی، اس لیے کہ امام حق کی مدد کرنا درحقیقت مسلمانوں کی مدد کرنا ہے، تاکہ دین قائم رہے اور غلط کار لوگوں کو جرائم کے ارتکاب سے روکا جا سکے۔

۳۔ دیگر مراعات کے ساتھ اسے اس قدر مشاہرہ دینا جو اس کے لیے اور اس کے زیر کفالت لوگوں کے لیے کافی ہو، اور یہ اس لیے کہ اس کا سارا وقت ریاستی ذمہ داریاں ادا کرنے میں صرف ہو جاتا ہے اور اسے اکتسابِ رزق کے لیے کوئی وقت نہیں ملتا، لہٰذا اس کے لیے اس قدر مشاہرہ مقرر کرنا ضروری ہے جو اسے دوسروں سے بے نیاز کر دے اور جو اس کے مقام ومنصب کے شایان شان ہو، بایں طور کہ وہ نہ تو اس کی ضرورت سے کم ہو اور نہ اس سے اسراف وتبذیر ہی لازم ہوتا ہو، اور یہ اس لیے کہ حکمرانوں اور قاضیوں کی تنخواہیں مسلمانوں کے مال سے ادا کی جاتی ہیں۔ جسے خرچ کرتے وقت محتاط رہنا چاہیے۔

۴۔ خلیفہ کی طرف سے جن امراء، ولاۃ اور قضاۃ کو ان کے عہدوں پر فائز کیا گیا ہو اگر وہ اپنے اختیارات سے تجاوز کریں یا اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی سے کوتاہی برتیں تو اس سے خلیفہ کو مطلع کرنا اور یہ اس لیے کہ امام شرعاً اس بات کے لیے مکلّف ہے کہ وہ ان لوگوں کے اعمال وافعال کی نگرانی کرے جنہیں اس نے بااختیار عہدوں پر فائز کیا ہے۔ اگر یہ لوگ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی عدم ادائیگی کے مرتکب ہوں گے اور خلیفہ اس حوالے سے اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے قاصر رہے گا تو وہ اس کے لیے عند اللہ جواب دہ ہو گا۔ جبکہ افرادِ امت کے تعاون کے بغیر اس کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔

۵۔ اگر اسے امت کے مفادات کے تحفظ کے لیے معاونت کی ضرورت ہو تو اسے ضروری تعاون فراہم کرنا۔ اس لیے کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى﴾ (المائدۃ : ۲) ”نیکی اور تقویٰ کے کاموں کے لیے ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو۔“ حکمران اور بااختیار سرکاری اہل کار اس تعاون کے سب سے بڑھ کر حق دار ہیں۔ [1]

---

[1] رياسة الدولة في الفقه الاسلامي، ص: ۳۷۰-۳۷۴.

امت اسلامیہ نے عمومی طور سے امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد آنے والے خلفاء کے حقوق کی ادائیگی میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا تھا۔

ثالثاً:...... دولت امویہ کا دار الحکومت اور شام کے فضائل میں احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

شام مشرقی رومی سلطنت ''بیزنطیہ'' کا ایک اہم صوبہ تھا، بلکہ بیت المقدس کے قریب ہونے اور اپنی قدیم تاریخ کی وجہ سے اس سلطنت کا بڑا اہم تہذیبی مرکز تھا، عرب قبل از اسلام اسے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے، اس لیے کہ وہ تہذیبی مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا خوشحال، سرسبز و شاداب اور کاروباری مرکز تھا۔ سرزمین شام میں دمشق کو پہلا شہر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ جس نے اس علاقہ کی تاریخ میں بڑا اہم کردار ادا کیا، اس کی اسی اہمیت کی وجہ سے رومانی حاکم نے اسے اپنی حکومت کا مرکز قرار دیا، جب اسلام ملک شام اور خاص طور سے دمشق میں داخل ہوا تو معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی ولایت کے طویل دور میں اسے بڑی اہمیت دیتے رہے، انہوں نے وہاں کے باشندوں کے ساتھ بڑے مضبوط تعلقات قائم کیے۔ [1] چونکہ وہ دمشق اور شام میں مقیم یمنی قبائل کی اہمیت سے آگاہ تھے، لہٰذا انہوں نے وہاں کے قبیلے بنوکلب میں شادی کر لی جس سے تعلق رکھنے والی ان کی بیوی نے ان کے بیٹے یزید کو جنم دیا۔ بنوکلب نے نہ صرف ان کے ساتھ بلکہ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں کے ساتھ خوب وفاداری کا ثبوت دیا، اس لیے کہ عرب قبائل ماموں کے رشتے کا بڑا پاس کیا کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے نزدیک دامادی کا رشتہ سیاسی معاہدے کی حیثیت رکھتا ہے۔ [2] معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام اور دمشق میں مقیم یمنی قبائل پر اعتماد کر کے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا۔ [3] دولت امویہ قائم ہونے کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ دولت اسلامیہ وسعت اختیار کرتے ہوئے شرقاً غرباً بہت دور تک پھیل گئی ہے، لہٰذا انہیں اموی خلافت کے دار الحکومت کے لیے دمشق سے بہتر کوئی جگہ نظر نہ آئی، اس لیے کہ یہ شہر عالم اسلام کے دو حصوں کے درمیان میں واقع تھا، ایک اس کا مشرقی حصہ جو کہ عراق اور فارس پر مشتمل تھا اور دوسرا مغربی حصہ جو کہ مصر اور مغرب پر مشتمل تھا، علاوہ ازیں ان سے مربوط ان کے حامی قبائل نے ان کی تائید کرتے ہوئے ان کے موقف کو تقویت دی اور اس طرح وہ ان کی حکومت کے استحکام کے لیے ان کے دست راست بن گئے، دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ قبائل ان کی فوجی اور سیاسی قوت کے طور سے سامنے آئے جن پر حکومت اور دولت امویہ کا دار و مدار تھا۔ مزید برآں اس شہر کے باشندوں نے جہاں تک ممکن ہو سکا انہیں اپنی تجربہ کاری اور ادارتی عملہ کی خدمات بھی پیش کیں۔ [4] علاوہ ازیں انہیں دمشق میں تجربہ کار انتظامی مشینری دستیاب ہو گئی اور اس طرح انہیں آغاز کار میں ہی انتظامی اور مالی دونوں میدانوں میں کام کرنے والے تجربہ کار ملازمین کی کھیپ میسر آ گئی جس نے ان کے مقاصد کو آگے بڑھانے

---

[1] رجال الادارۃ فی الدولۃ الاسلامیۃ العربیۃ، ص: ۱۳۵-۱۳۶

[2] الدولۃ الاسلامیۃ فی العصر العباسی، ص: ۴۲.

[3] ایضا، ص: ۴۲.

[4] رجال الادارۃ فی الدولۃ الاسلامیۃ العربیۃ، ص. ۱۳۶.

میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ پھر یہ بات بھی ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے کہ دیگر شہروں کی نسبت دمشق تہذیبی اعتبار سے بہت آگے تھا۔ جو عرب قبائل اسلامی فتوحات سے قبل ہجرت کر کے یہاں رہائش اختیار کر چکے تھے وہ عموماً حکومت اور مرکزی حکومت کے تصور کے عادی تھے جبکہ عراقی عربوں کی صورت حال اس کے بالکل برعکس تھی۔ انہوں نے اس تصور کو آسانی کے ساتھ قبول نہیں کیا تھا، اس کا اطلاق ان لوگوں پر بھی ہوتا ہے جو اسلامی فتوحات سے قبل عراق میں آ کر آباد ہوئے یا اس کے بعد۔ قبل از فتح عراق میں آباد ہونے والے لوگ فارسی حکومت کے ساتھ ہمیشہ سے تنازعات اور ٹکراؤ کی صورت حال میں الجھے چلے آ رہے تھے [1] جبکہ شام کے رہائشی بیزنطیوں کے ساتھ پرامن انداز میں زندگی گزارنے کے عادی ہو چکے تھے۔ فتح کے بعد شام آنے والے عرب مستقل چھاؤنیوں میں رہائش نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ مقامی لوگوں اور پہلے سے شام میں آباد دیگر قبائل کے ساتھ مل جل کر رہا کرتے تھے جس سے ایک طرف قبائلی سرکشی کی حدت کو ختم کرنے میں بڑی مدد ملی۔ [2] تو دوسری طرف اس شامی لشکر کے حوالے سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کامیابیاں حاصل کرنے میں آسانی رہی جس لشکر کو انہوں نے منصب ولایت سنبھالنے کے ساتھ ہی منظم کرنا اور اسے تربیت دینا شروع کر دیا تھا اور جسے خوش رکھنے کے لیے خلافت سنبھالنے کے بعد اس پر نوازشات کی بارش کر دی تھی۔ انہوں نے بحر و بر میں بیزنطی سلطنت کے ساتھ متعدد ملاقاتیں کیں جن کے نتیجے میں شامی لشکر کو عملی مشقوں کے لیے موقع میسر آیا اور جن سے انہیں ضروری تجربات حاصل ہوئے۔ [3] اس کے ساتھ ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث کی وجہ سے لوگوں کو شام کی طرف ہجرت کرنے کا شوق دامن گیر ہوا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل شام کا یہ امتیازی وصف بیان فرمایا کہ وہ آخر زمانہ تک امر الٰہی کی ادائیگی کرتے رہیں گے اور یہ کہ آخری وقت طائفہ منصورہ ان میں موجود رہے گی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کی کثرت اور قوت کے ساتھ ساتھ ان میں ایک مسلسل اور دائمی امر کی اطلاع ہے۔ [4] معاویہ رضی اللہ عنہ اہل شام کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے دلیل لیا کرتے تھے: ''میری امت سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی، ان کی مخالفت کرنے والے اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑنے والے ان کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔'' [5]

مالک بن یخامر فرماتے ہیں: میں نے معاذ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرما رہے تھے: یہ لوگ شام میں رہتے ہیں۔ یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: یہ مالک بن یخامر ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے معاذ کو یہ فرماتے سنا کہ یہ لوگ شام میں ہوں گے۔ [6] اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اہل مغرب ہمیشہ غالب رہیں گے۔'' [7] امام احمد فرماتے ہیں: اہل مغرب اہل شام ہیں۔ [8]

---

[1] تاریخ خلافۃ بنی امیۃ، نبیہ عاقل، ص: ٦٢.

[2] ایضا، ص: ٦٢۔ الجذور التاریخیۃ للاسرۃ الامویۃ: ٧۔ احسان صدقی العمد، ص: ٩٤.

[3] رجال الادارۃ فی الدولۃ الاسلامیۃ العربیۃ، ص: ١٣٦.

[4] الفتاوی: ٤/ ٢٧٥. [5] بخاری، رقم: ٧٣١١، مسلم، رقم: ١٩٢٠- ١٩٢١.

[6] الفتاوی: ٤/ ٢٧٣. [7] مسلم فی الامارۃ. [8] الفتاوی: ٤/ ٢٧٣.

یہ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں مقیم تھے، لہٰذا جو علاقے اس سے مغرب کی طرف واقع تھے وہ آپ سے مغرب کی طرف تھے اور جو مشرق کی طرف واقع تھے وہ آپ ﷺ سے مشرق کی طرف تھے۔ ❶ نبی کریم ﷺ نے اس امر سے مطلع فرمایا کہ ان کی امت سے حق پر قائم طائفہ منصورہ مغرب میں ہوگی۔ مغرب سے مراد شام اور اس کے مغربی علاقہ جات ہیں۔

اہل مدینہ، اہل شام کو اہل مغرب کہا کرتے تھے۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اہل مغرب کے امام ہیں۔ ❷ پھر جب نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی امت سے حق کے ساتھ قائم جماعت کو نہ تو ان کے مخالفین کی مخالفت کوئی نقصان پہنچا سکے گی اور نہ انہیں بے یار و مددگار چھوڑنے والوں کی بے مددگاری۔ تو یہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے معارض نہیں ہے: ''عمار کو باغی جماعت قتل کرے گی۔'' ❸ اور نہ یہ خوارج ہی کے بارے میں آپ ﷺ کے اس ارشاد سے ہی متصادم ہے کہ ''انہیں وہ جماعت قتل کرے گی جو دو جماعتوں میں سے حق سے زیادہ قریب ہوگی۔'' ❹ ان نصوص میں تطبیق دینا ضروری ہے، مگر اس کی صورت کیا ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ: آپ ﷺ کا یہ ارشاد: اہل مغرب ہمیشہ غالب رہیں گے۔'' ❹ اور اس جیسی دیگر نصوص جو اہل شام کے ظہور وانتصار پر دلالت کرتی ہیں، تو یہ امر واقع ہے، اس لیے کہ وہ ہمیشہ غالب رہے اور ان کی مدد کی جاتی رہی۔ ❺ رہا آپ کا یہ ارشاد کہ: ''میری امت سے ہمیشہ ایک جماعت اللہ کے حکم سے قائم رہے گی۔'' ❻ تو یہ اس امر کا متقاضی نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی باغی نہیں ہوگا اور ان کے غیر ان سے زیادہ حق کے قریب نہیں ہوں گے۔ بلکہ ان میں دونوں طرح کے لوگ ہوں گے۔ ❼ جہاں تک آپ ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ: ''انہیں وہ جماعت قتل کرے گی جو دو جماعتوں میں سے حق کے زیادہ قریب ہوگی۔'' تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اس وقت دوسری جماعت کے مقابلہ میں حق کے زیادہ قریب تھے، اگر کوئی شخص یا جماعت بعض احوال میں مرجوح ہو تو یہ اس کے قائم بامر اللہ ہونے سے مانع نہیں ہے اور نہ اس بات سے مانع ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت گزار ہو۔ اس لیے کہ کبھی ایک فعل اطاعت ہوتا ہے جبکہ دوسرا فعل اس سے زیادہ اطاعت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس طرح ان میں سے بعض کا بعض اوقات میں باغی ہونا اور پھر اس کی بغاوت کو معاف کر دیا جانا بھی اس چیز سے مانع نہیں ہے جس کی نصوص شہادت دے رہی ہیں اور یہ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ جملہ اہل شام کی عظمت کی خبر دے رہے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سب کے سب عمومی احوال میں راجح تھے۔ ❽ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دوران اہل شام کو اہل عراق پر ترجیح دیتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ شام میں تو کئی دفعہ تشریف لے گئے مگر عراق جانے سے ہمیشہ انکار کرتے رہے، اس کے لیے جب

❶ الفتاوی: ٤/ ٢٧٣.
❷ بخاری، رقم: ٤٤٧.
❸ مسلم فی الزکوۃ.
❹ مسلم فی الامارۃ.
❺ الفتاوی: ٤/ ٢٧٤.
❻ بخاری، رقم: ٧٣١١.
❼ الفتاوی: ٤/ ٢٧٤.
❽ ایضا.

آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا تو انہیں یہی مشورہ دیا گیا کہ آپ عراق مت تشریف لے جائیں۔ اسی طرح ان کی وفات کے وقت ان کے پاس سب سے پہلے اہل مدینہ کو لایا گیا جو کہ اس وقت امت کے افضل ترین لوگ تھے، پھر اہل شام کو اور سب سے آخر میں اہل عراق کو لایا گیا۔ ❶ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عراق کو فتح کرنے سے کہیں زیادہ شام کو فتح کرنے میں دلچسپی تھی، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: ''مجھے شام کے پہاڑ عراق کو فتح کرنے سے زیادہ پسند ہیں۔'' ❷

نجد، عراق اور تمام اہل مشرق پر شام اور اہل مغرب کی فضیلت کے بارے میں کتاب و سنت کی نصوص اور اصحاب رسول ﷺ سے مروی آثار اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے ذکر کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ سے مشرق کی مذمت میں کئی صحیح نصوص وارد ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ فتنہ اور کفر کا سر وہاں سے اٹھے گا۔ اگر مشرق کو مغرب پر فضیلت حاصل تھی تو وہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے وجود مسعود کی وجہ سے تھی اور یہ ایک وقتی بات تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی وفات کے بعد اس سے نفاق، ارتداد، بدعات اور فتنوں نے سر اٹھایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اہل شام سے کم تر تھے۔ ❸ نیز اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ اہل عراق میں کتنے ہی ایسے علماء اور صالحین موجود تھے جو اہل شام سے کہیں افضل تھے۔ مثلاً علی، ابن مسعود، عمار، حذیفہ وغیرہم رضی اللہ عنہم شام میں موجود زیادہ تر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل تھے مگر یہ دوسری جماعت کے امر راجح کے ساتھ اختصاص سے مانع نہیں ہے اور یہ چیز بعض وجوہ سے شامی گروہ کے رجحان کو واضح کرتی ہے اگرچہ علی رضی اللہ عنہ اپنے سے جدا ہونے والوں کے مقابلہ میں حق سے زیادہ قریب تھے اور اگرچہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ نے قتل کیا تھا۔ جیسا کہ اس بارے میں نصوص وارد ہیں۔ بناء بریں ہم پر فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ہم ہر اس چیز پر ایمان لائیں جو اللہ کی طرف سے آئی اور سارے کے سارے حق کا اقرار کریں اور علم کے بغیر کوئی بات نہ کریں اور علم و عدل کی راہ پر گامزن رہیں، یہی کتاب و سنت کی اتباع ہے۔ بعض حق کو اپنانا اور بعض کو ترک کر دینا اختلاف اور تفرقہ کا باعث بنتا ہے۔ ❹

رابعاً:...... عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں اہل حل وعقد:

خلفائے راشدین کے زمانے میں اسلامی معاشرہ بڑی سرعت کے ساتھ تبدیل ہو رہا تھا بایں طور کہ اس سے ان کی حکومت کے اساسی امتیازات متاثر ہونے لگے جو کہ باہم محبت و یگانگت، خلیفہ و رعایا کے ایک دوسرے کے لیے احساس اور آپسی تعلقات میں خوف باری تعالیٰ سے عبارت تھے۔ اس تبدیلی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ مدینہ منورہ میں مقیم اہل حل وعقد کا کردار محدود ہو گیا جس کی وجہ ان میں سے زیادہ تر کی وفات یا دوسرے شہروں میں بکھر جانا تھا۔ ان شہروں کو مرکز خلافت سے کہیں زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی تھی اور یہ اس لیے کہ بعد میں مسلمان ہونے والے قبائل کا کردار بڑھ گیا تھا، ان لوگوں نے بڑی بڑی اسلامی فتوحات کی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا جس

❶ الفتاوی: ٤/ ٢٧٥۔
❷ ایضا: ٤/ ٢٧٥۔
❸ الفتاوی: ٤/ ٢٧٥۔
❹ ایضا: ٤/ ٢٧٥۔

کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ اس قدر خوش حال ہو گیا جس کی قبل ازیں کوئی نظیر نہیں ملتی تھی اور جس کی وجہ سے اخلاقیات کے پیمانے بھی تبدیل ہو گئے تھے۔ ❶ اور پھر آہستہ آہستہ بعض مفاہیم میں بھی تبدیلی آنا شروع ہو گئی جیسا کہ اہل حل وعقد کا مفہوم۔ اب اس سے مراد اہل بدر یا مدینہ منورہ میں سابقین الی الاسلام کی جماعت مراد نہیں لی جاتی تھی جن کی مرور زمانہ کے ساتھ تعداد کم ہو گئی تھی۔ تاثیر اور فاعلیت کے میدان میں مختلف شہروں کے زعماء کا ظہور ہو گیا تھا جن میں زعماء شام بھی شامل تھے، اگر ہم احداث تاریخ سے فیصلہ چاہیں تو وہ اس بات کو مؤکد کرتے ہیں کہ مختلف شہروں کے لوگ سیاسی فیصلے کرنے کی طاقت رکھتے تھے جبکہ اہل مدینہ اس سے بے بس ہو کر رہ گئے تھے تاریخی واقعات کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل شام کو اطاعت، اجتماعی وحدت، حکومتی نظام کی پاس داری، اداراتی اسالیب اور تہذیبی طور طریقوں سے وافر حصہ میسر آیا تھا، اہل شام اپنی انہی خوبیوں کی وجہ سے عراق اور دیگر تمام اسلامی شہروں پر اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی، انہوں نے اپنی انہی اہلیتوں کی بنیاد پر نوے سال سے زائد عرصہ تک اپنا اقتدار قائم رکھا جو کہ دولت امویہ کی کل عمر ہے۔ اس سے اس بات کی تاکید ہوتی ہے کہ شامی قائدین سیاسی امر واقع کے اعتبار سے اسلامی معاشرہ میں اہل حل وعقد قرار پائے۔ جنہیں خلیفہ منتخب کرنے کی قدرت بھی حاصل تھی اور وہ اس انتخاب سے دوسرے شہروں کو مطمئن بھی کر سکتے تھے، وہ ایسا صلح وصفائی سے کرتے یا سینہ زوری سے، اور یہ وہ معاشرہ تھا جس پر مختلف گروہ حکومت کرتے تھے اور ان کی اپنی اپنی رغبتیں اور ترجیحات تھیں۔ ❷

ا۔ اہل حل وعقد کے مفہوم ومعنی کے بارے میں فقہاء کی آراء:

اہل حل وعقد کے مفہوم ومعنی کے بارے میں علمائے اسلام کے متعدد اقوال ہیں۔ جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

الف: اولوالامر:...... یہ شرعی اصطلاح ہے، جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آتا ہے:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَطِيعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾

(النساء: ۵۹)

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (ﷺ) کی اور اپنے میں سے اولوا الامر کی۔''

اولوا الامر سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں، جن میں سے مشہور اقوال یہ ہیں:

ا۔ امراء وحکام:...... اسے امام طبری نے ترجیح دی ہے۔ ❸ امام نووی فرماتے ہیں: یہ جمہور سلف وخلف کا قول ہے۔ ❹

---

❶ الدولة و المجتمع في العصر الاموي، ص: ۱۲۸۔ ❷ ایضاً

❸ ایضا، ص: ۱۲۸۔ تفسیر طبری، تحقیق محمود شاکر: ۸/ ۵۰۲۔

❹ شرح نووی علی صحیح مسلم: ۱۲/ ۲۲۳۔

۲۔ علماء وفقہاء:...... یہ بعض سلف کا قول ہے، جن میں جابر بن عبداللہ، حسن بصری اور نخعی وغیرہم بھی شامل ہیں۔

۳۔ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

۴۔ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔

۵۔ امراء وحکام اور علماء وفقہاء:...... امام ابن کثیر ❶، ابن قیم ❷ اور شوکانی ❸ وغیرہم کا اسی طرح رجحان ہے۔

۶۔ علماء، امراء، زعماء اور ہر متبوع:...... یہ امام ابن تیمیہ ❹ اور محمد عبدہ ❺ کی رائے ہے۔ شیخ محمد عبدہ فرماتے ہیں: ''یہ لوگ اہل حل وعقد ہیں۔'' ❻ شاید پانچواں اور چھٹا قول اقرب الی الصواب ہے اور ان میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ ❼

ب: علماء:...... ان سے مراد علمائے شریعت ہیں اور یہ قرآنی لفظ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُا﴾ (فاطر: ۲۸)

''اللہ سے اس کے بندوں سے علم رکھنے والے ہی ڈرتے ہیں۔''

اسے (اولوا العلم) کے الفاظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَ الْمَلَٰٓئِكَةُ وَ أُولُوا الْعِلْمِ﴾ (آل عمران: ۱۸)

''اللہ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

یہ اصطلاح متعدد احادیث میں بھی وارد ہے۔ مثلاً اس مشہور حدیث میں: ((إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَ لٰكِنْ بِمَوْتِ الْعُلَمَاءِ)) ❽ ''اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح ختم نہیں کرے گا کہ اسے لوگوں سے چھین لے بلکہ علم کا خاتمہ علماء کی وفات کی وجہ سے ہوگا۔''

ج: ارباب اختیار:...... یہ وہ لوگ ہیں جنہیں امام کے اختیارات تفویض کیے جاتے ہیں، بعض علماء کے نزدیک یہ لوگ اہل حل وعقد ہیں۔ ❾ یہ اجتہادی اصطلاح ہے اور بعض اہل علم کی وضع کردہ ہے۔ ❿

د: اہل اجتہاد:...... اس سے مراد وہ علماء ہیں جو شریعت اسلامیہ میں اجتہاد کے مقام ومرتبہ پر فائز ہیں اور اہم امور کی سرانجام دہی کی صلاحیت سے بہرہ مند ہیں، مثلاً امامت کبریٰ، قضاء، فتویٰ اور ان جیسے دیگر امور، یہ اصطلاح بغدادی ⓫ اور قرطبی ⓬ کی وضع کردہ ہے۔

---

❶ تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۳۰۔ ❷ الرسالة التبوكية، ص: ۴۱۔
❸ فتح القدير از شوكانی: ۱/ ۴۸۱۔ ❹ الحسبة، ص: ۱۸۵۔
❺ تفسير المنار: ۵/ ۱۸۱۔ ❻ اهل العقد و الحل از عبيدالله الطريقی، ص: ۱۲۔ ❼ ايضا۔
❽ مسلم، رقم: ۱۳۔ ❾ الموسوعة الفقهية، اصدار وزارة الاوقاف كويت: ۷/ ۱۱۵۔
❿ اهل الحل و العقد عبدالله الطريقی، ص: ۱۳۔
⓫ اهل الحل و العقد، ص: ۱۳۔ اصول الدين: ۲۷۹۔
⓬ تفسير قرطبی: ۱/ ۲۶۵۔

ھ: اہل شوریٰ:...... یہ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ مسلمانوں کے امور کے بارے میں اس آیت کریمہ کے مطابق مشاورت کی جاتی ہے۔ ﴿وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ (آل عمران : ۱۵۹) ''اوران سے کام کا مشورہ کیا کریں۔'' نیز ﴿وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (الشوری : ۳۶) ''اوران کا ہر کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے۔''

و: بااثر لوگ:...... اس سے مراد لوگوں میں اثر ونفوذ رکھنے والے طاقت ور لوگ ہیں۔ یہ اصطلاح امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی وضع کردہ ہے۔ [1]

ز: اہل رائے اور مدبرین:...... اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ٹھوس عقل وفکر کے حامل ہوں اور معاملات کو صحیح انداز میں حل کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔ یہ اصطلاح ابن عابدین کی اختیار کردہ ہے۔ [2]

خلاصہ کلام کے طور سے اہل حل وعقد وہ لوگ ہوتے ہیں جو مسلمانوں کے سیاسی، انتظامی، تشریعی، قضائی اور دیگر معاملات کا نظام وضع کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں اور حالات کے مطابق ان میں کمی بیشی کرنے کی صلاحیت سے متصف ہوں۔ [3]

معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں امراء وولاۃ، مختلف قبائل کے زعماء، فوجی قائدین اور ان جیسے دوسرے لوگ اہل حل وعقد ہوا کرتے تھے اور عملاً قوت وشوکت اہل شام میں مرتکز ہو کر رہ گئی تھی، اس لیے کہ ان لوگوں کو اپنے ارادوں کی تکمیل اور اپنے مخالفین پر اپنی مرضی تھوپنے کی پوری قدرت حاصل تھی، اہل شام کے تاریخی دور میں یہی کچھ ہوا، لیکن اگر ہم زیادہ انصاف سے کام لیں تو یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ ارباب حل وعقد کا دائرہ اس سے بہت وسیع ہونا چاہیے تھا تاکہ زعماء شام کے ساتھ عراق، مصر، حجاز اور دیگر اسلامی علاقوں میں مقیم زعماء بھی اس میں شامل ہو جاتے اور ان لوگوں کے ساتھ ساتھ امت کے علماء اور اس کے دین دار لوگوں پر مشتمل اصحاب رائے کو بھی اس حوالے سے اپنا کردار ادا کرنے کا موقع دیا جاتا اور ان لوگوں کو بھی خلیفہ کے انتخاب اور اس کی معزولی کے فیصلہ میں شامل کیا جاتا اور امت کو لاحق مسائل کے حل میں ان کی خدمات سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا۔ اگر اموی دور حکومت میں ایسا ہو پاتا تو امت اسلامیہ اختلاف اور خون ریزی سے بچ سکتی تھی، مگر عملاً جو کچھ ہوا وہ یہ تھا کہ اس دور میں اہل شام ہی خلیفہ کا انتخاب کرتے رہے اور وہ بھی صرف اموی خاندان کے افراد سے۔ اس کا آغاز معاویہ رضی اللہ عنہ کے ولی عہد کے طور پر یزید بن معاویہ کی بیعت سے ہوا اور پھر کئی قسم کی مشکلات اور مصائب کے بعد اموی خانوادے سے ہی خلفاء کا تسلسل ایک امر واقع بن کر رہ گیا اور اس بات کی کوئی پروانہ کی گئی کہ دیگر امصار اسلامیہ اسے پسند کرتے ہیں یا اس کی مزاحمت۔ [4] ولایت عہد کی بحث آگے چل کر اپنے وقت پر آئے گی۔ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

[1] منہاج السنة: ۱/ ۵۵۰.

[2] حاشیه ابن عابدین: ٤/ ٢٦٣.

[3] اهل الحل و العقد، ص: ١٥.

خامساً: ...... شوریٰ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں:

جب بنوامیہ کو خلافت ملی تو معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما ایسے شخص نہیں تھے جو شوریٰ کے فوائد سے ناآشنائی اور اسے اپنانے سے قاصر رہے ہوں۔ وہ جو بھی اہم کام کرنا چاہتے اس کے لیے مشورہ ضرور کرتے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اصحاب رائے امراء وولاۃ، سرکردہ لوگوں، اہل علم اور معززین قوم سے مشورہ کیا کرتے تھے ان کے بعد آنے والے خلفاء بنی امیہ نے بھی یہ سلسلہ جاری رکھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے مشیروں میں عمرو بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما سرفہرست تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے پاس آنے والے مختلف وفود سے بھی مشاورت کیا کرتے تھے۔ [1] دوران مشاورت لوگ ان سے آزادانہ انداز میں گفتگو کرتے اور اپنی آراء کا اظہار کرتے اور خلیفہ انہیں بڑی اہمیت دیتے، ان سے مناقشہ کرتے اور جن آراء پر عمل کرنا ممکن ہوتا ان پر عمل پیرا ہوتے، انہیں عملی شکل دینے والے ذمہ دار عہدے داروں کو آزادانہ مواقع دیتے۔ ان پر مکمل اعتماد کرتے اور انہیں حکومتی قوت سے نوازتے۔ خلیفہ کی ذات حکومت کا مرکز نہیں تھی، اس لیے کہ اس کی حکومت بڑی وسیع وعریض تھی اور تن تنہا اس کے جملہ امور کی انجام دہی تنہا خلیفہ کے بس کا روگ نہیں تھا، وہ مختلف علاقوں پر ولاۃ وامراء کا تقرر کرتا اور انہیں پوری آزادی کے ساتھ کام کرنے کا موقع دیتا، وہ منصب ولایت پر اپنے قابل اعتماد لوگوں کا ہی تقرر کرتا اور صرف انہی لوگوں کو اختیارات تفویض کرتا جن سے اسے کوئی خوف وخطرہ محسوس نہ ہوتا۔ [2]

وہ اپنے ولاۃ وامراء سے معینہ حدود میں رہ کر ہی مشاورت کرتا، جہاں تک امر خلافت کا تعلق ہے تو وہ بنوامیہ میں ہی محصور اور اموی خانوادے کے ساتھ ہی خاص تھا، اموی خلفاء حکمران کے انتخاب کے لیے غالباً اموی جماعت پر مشتمل شوریٰ ہی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ [3] بنا بریں کہا جا سکتا ہے کہ بنوامیہ کے دور حکومت میں دو قسم کی شوریٰ تھی، ایک شوریٰ کا تعلق مصالح عامہ کے ساتھ تھا جو قوم کے اصحاب رائے، معززین اور امراء وولاۃ پر مشتمل تھی جس سے اموی خلفاء مشاورت کیا کرتے تھے اور دوسری شوریٰ خاص طور سے سلطان وقت سے متعلق تھی جو ان کے خانوادے پر مشتمل تھی اور جو خلافت کے معاملات نمٹایا کرتی تھی۔ [4] معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت خالصتاً شخصی حکومت نہیں تھی۔ افراد معاشرہ اور حکومت میں اسلام کا وجود از روئے سلوک اور نظام حکومت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مسعود اور خلفاء راشدین کے زمانے میں شخصی قیادت اور اس کی برائیوں کے مظاہر سے مبرا تھا۔ جبکہ سیاست، قیادت، ادارہ اور رعایت مصالح جیسے حوالوں میں شوریٰ کا رنگ نمایاں تھا۔ [5]

خلافت راشدہ کی موروثی بادشاہت میں تبدیلی ایسی کامل تبدیلی نہیں تھی کہ جس میں خلفاء راشدین کی شوریٰ

---

1. في تاريخ الحضارة العربية و الاسلامية، ص: ٥٥ .
2. الدولة الاموية، يوسف العشي، ص: ١٣٩ .
3. في تاريخ الحضارة العربية و الاسلامية، ص: ٥٦ .
4. ايضا، ص: ٥٧ .
5. دراسة في تاريخ الخلفاء الامويين، ص: ١٠٢ .

سے انحراف یا اوامر اسلام اور اس کے حکومتی منہج سے ارتداد اختیار کیا گیا ہو اور جو تبدیلی آئی تھی اس کا بھی سیاسی اور اجتماعی ارتقاء کا جواز موجود تھا اور جیسا کہ ابن خلدون کا موقف ہے، معاویہ رضی اللہ عنہ اور اموی عہد حکومت میں خلافت کی حقیقت اس طرح سے موجود تھی کہ دین اور موقف دین کی جستجو کی جاتی تھی اور مواقف حق کا التزام کیا جاتا تھا۔ تبدیلی صرف یہ آئی کہ دین (قومی) عصبیت اور تلوار میں تبدیل ہو گیا، معاویہ، مروان، عبدالملک بن مروان اور عباسی خلفاء کے آغاز سے رشید اور اس کے بعض بیٹوں کے ادوار حکومت میں یہی صورت حال برقرار رہی۔ پھر اس کے بعد مفہوم خلافت کا یکسر اختتام ہو گیا اور وہ صرف نام کی حد تک باقی رہ گئی۔ [1] ابن خلدون کا یہ موقف مطلقاً قابل تسلیم نہیں ہے، اس لیے کہ دولت عثمانیہ کے عہد کے دوران محمد الفاتح کے زمانہ میں اسلامی فتوحات، دعوت اسلام، عدل و انصاف اور اعزاز اسلام جیسے خلافت کے بعض معانی و مقاصد نے نئے سرے سے انگڑائی لی تھی۔ شرع عصبیت یا بادشاہت کی اس صورت میں قطعاً مذمت نہیں کرتی جب اس سے مقصود اقامت دین اور اظہار حق ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی:

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ﴾ (صٓ: ۳۵)

"میرے پروردگار! مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد کسی ایک کے لیے بھی درست نہ ہو۔"

اور یہ اس لیے کہ انہیں اپنے بارے میں معلوم تھا کہ وہ نبوت اور بادشاہت کے دوران باطل سے الگ تھلگ رہیں گے۔ [2] اسی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ جو بادشاہت خلافت کے مخالف بلکہ اس کے منافی ہے وہ جبر وقہر ہے۔ [3] جس سے مقصود بغیر حق لوگوں پر تسلط جمانا ہو۔ جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنی خلافت کے دوران یہ رویہ ہرگز نہیں تھا۔ خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقاصد اور خلفاء راشدین کی خلافت کے مقاصد میں اس شدید قرب کو ہمارے بعض فقہاء اور مؤرخین نے بخوبی محسوس کیا اور پھر اس کا اظہار بھی کیا، مثلاً ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اس امر کا متقاضی ہے کہ ہماری شریعت میں خلافت کی بادشاہت کے ساتھ آمیزش جائز ہے اگرچہ خالص خلافت افضل ہے۔ [4] اگر ہم یہ کہیں تو حقیقت سے دور نہیں جائیں گے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور بعض اموی خلفاء خلفائے راشدین کی سیرت کاملہ پر گامزن رہنے کی شدید خواہش رکھتے تھے مگر وہ اپنی رعایا اور زمانے کے احوال وظروف کی وجہ سے اس پر قادر نہ ہوں گے۔ خلفائے راشدین نے اسلامی اور انسانی سیاست میں جو رفیع الشان مثالیں قائم کیں ان کی پر کشش تاثیر بعض خلفاء اور رعیت کے نزدیک کارگر تھی مگر اسے اپنانا ان کی ہمت وقدرت میں نہیں تھا، وہ اسے متحقق کرنے کے لیے اپنے آپ کو کھپا دیتے مگر پھر اس کوشش اور تجربہ کی صعوبت کا اعتراف کرتے ہوئے امر واقع کی کشش کی طرف واپس لوٹ آتے۔ [5]

---

[1] مقدمه ابن خلدون نقلاً عن الدولة الاموية المفترى عليها، ص: ۲۷۷.

[2] ایضا۔ [3] ایضا۔ [4] الفتاوى: ۱۸/۳۵.

[5] الدولة الاموية المفترى عليها، ص: ۲۷۶.

ایک دن معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے اور ولی عہد یزید سے دریافت کیا کہ وہ خلیفہ بننے کے بعد کس طرح کام کرے گا؟ تو اس نے جواب دیا میں لوگوں میں عمر بن خطاب جیسا کردار ادا کروں گا۔ یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ مسکرائے اور پھر کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں نے پوری کوشش کی کہ عثمان رضی اللہ عنہ جیسا ہی کردار ادا کر سکوں مگر میں ایسا کرنے سے قاصر رہا، اور کیا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسا کردار ادا کر لے گا؟ [1] اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خلفائے راشدین کے زمانے کی صاف زندگی کی طرف لوٹنا امر محال ہے، ایسا ممکن ہے مگر یہ اکیلے حاکم کے بس کا روگ نہیں ہے اگرچہ اس کی نیت بھی صاف اور اس کا عزم بھی پختہ ہو، بلکہ اس کے لیے راعی اور رعایا کے درمیان توافق و مطابقت ازحد ضروری ہے۔ اس کا راستہ طویل بھی ہے اور کٹھن بھی، اس کے لیے ایسے دعاۃ اور حکام کی ضرورت ہے جو رعیت کی کمال ایمان پر تربیت کے لیے بھرپور کوشش کریں اور ان کے سامنے اپنے آپ کو نمونے اور مثال کے طور پر پیش کریں، اس کے لیے اپنا پورا پورا وقت بھی دیں اور تمام مساعی کو بھی بروئے کار لائیں۔ [2] ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی رائے میں جب حاکم کسی معاشرہ میں برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو ایسا راعی اور رعیت میں ایک ساتھ کسی نقص کی وجہ سے ہوتا ہے۔ [3]

معاویہ رضی اللہ عنہ اور اموی دور حکومت کے دور میں شوریٰ کا وہ معیار نہیں رہا تھا جو خلافت راشدہ کے دور میں تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس کے بعض پہلو ہی باقی تھے۔

سادساً: ...... عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں آزادیٔ رائے:

پرامن معارضہ:...... معاویہ رضی اللہ عنہ پرامن معارضہ اور مسلح معارضہ میں فرق کو ملحوظ خاطر رکھا کرتے تھے۔ آپ کے دور میں لوگوں کو مکمل طور سے آزادیٔ رائے حاصل تھی بشرطیکہ وہ اپنی حدود میں رہیں، مگر جب بات اس سے آگے بڑھ کر ہتھیار اٹھانے اور تلوار لہرانے تک پہنچ جاتی تو پھر اس صورت حال کا سامنا کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ پاتے۔ خوارج کے ساتھ آپ کے طرز عمل کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ قول مروی ہے: میں لوگوں اور ان کی زبانوں کے درمیان حائل نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ ہمارے اور ہماری حکومت کے درمیان حائل نہ ہوں۔ [4] عراق پر ان کے عامل زیاد بن ابیہ نے بھی اہل بصرہ کو خطاب کرتے ہوئے کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا تھا۔ [5] کتب تاریخ میں متعدد ایسی مثالیں موجود ہیں جو اسی دور میں لوگوں کو حاصل حریت تعبیر اور آزادی اظہار رائے پر دلالت کرتی ہیں اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کی نشان دہی کرتی ہیں۔ نیز جن سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ آپ اس قسم کی تنقید کا کس طرح سامنا کرتے تھے۔

---

[1] البداية و النهاية نقلاً عن الدولة الاموية، ص: ٢٧٦.
[2] الدولة الاموية، ص: ٢٧٧.
[3] مجموع الفتاوى: ٣٥/ ٢٠ـ الدولة الاموية، ص: ٢٧٧.
[4] مجموع الفتاوى: ٣٥/ ٢٠ـ الدولة الاموية، ص: ٢٧٧.
[5] تاريخ الطبرى نقلا عن الدولة الاموية: ٣٠٣.

ا۔ ابومسلم خولانی:

ابومسلم رحمہ اللہ کا شمار ربانی علماء میں ہوتا تھا۔ آپ حق گوئی کے بارے میں مداہنت سے کام لینے کے عادی نہیں تھے۔ ایک دفعہ آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور انہیں پند ونصیحت کرتے ہوئے فرمایا: عربوں کے کسی خاص قبیلہ کی طرف رجحان رکھنے سے بچیں۔ آپ کی طرف سے روا رکھا جانے والا یہ ظلم آپ کے عدل کو ختم کر دے گی۔ ❶ ابومسلم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی رعیت کے سامنے ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے اور فرائض کی ادائیگی کی تلقین فرماتے، ایک دن وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہنے لگے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْأَجِيْرُ (مزدور)۔ لوگوں نے کہا: یوں نہیں بلکہ یوں کہیں: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْأَمِيْرُ. اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابومسلم کو کچھ نہ کہیں۔ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے بہتر جانتے ہیں۔ ابومسلم کہنے لگے: آپ کی مثال اس آدمی کی سی ہے جس نے کسی کو اجرت پر حاصل کیا اور اپنے مویشی اس شرط پر اس کے حوالے کر دیئے کہ اگر وہ انہیں اچھی طرح چرائے گا ان کے گوشت اور دودھ میں اضافہ کرے گا تو اجرت کا حق دار ہوگا۔ اب اگر اس نے اپنا فرض ادا کرتے ہوئے جانوروں کو اچھی طرح چرایا اور انہیں خوب موٹا تازہ کر دیا تو مالک خوش ہو کر اسے اس کی مزدوری کے علاوہ اپنی طرف سے کچھ اور بھی دے گا اور اگر وہ اس میں کوتاہی کرتے ہوئے جانوروں کو پہلے سے بھی کمزور کر دے گا تو مالک اس پر غضب ناک ہوگا۔ یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: مَا شَاءَ اللّٰهُ. ❷

آپ نے دیکھا کہ کس طرح ابومسلم خولانی نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو رعیت کے معاملات میں دلچسپی لینے اور ان کے مسائل حل کرنے کی ترغیب دلائی اور ان کے امور کی اصلاح میں سستی برتنے یا کوتاہی کرنے سے خبردار کیا، اور اس کے لیے انہوں نے ایک ضرب المثل سے کام لیا۔ ❸ اسی طرح جب ایک دفعہ معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اس وقت انہوں نے لوگوں کے عطیات روک رکھے تھے تو ابومسلم کھڑے ہو کر کہنے لگے: معاویہ! آپ نے لوگوں کے عطیات کیوں روک رکھے ہیں؟ یہ آپ کی، آپ کے باپ اور آپ کی ماں کی کدوکاوش کا نتیجہ نہیں ہیں کہ آپ انہیں اپنی مرضی سے روک لیں۔ یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ شدید طور پر غضب ناک ہو گئے، منبر سے نیچے اترے اور لوگوں سے کہا: تم لوگ اپنی اپنی جگہ پر موجود رہو اور پھر خود تھوڑی دیر کے لیے ان کی آنکھوں سے غائب ہو گئے، پھر جب واپس لوٹے تو کہنے لگے: ابومسلم کی بات نے مجھے غضب ناک کر دیا تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: ''غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وہ غسل کر لیا کرے۔'' ❹ میں اندر گیا اور غسل کر لیا۔ ابومسلم کا یہ کہنا درست ہے کہ یہ مال میری اور میرے باپ کی محنت کا نتیجہ نہیں ہے۔ اپنے عطیات وصول کرنے کے لیے آؤ۔ ❺

❶ سیر اعلام النبلاء: ٤/ ١٣۔ اثر العلماء فی الحیاۃ السیاسیۃ فی الدولۃ الامویۃ، ص: ٢٧٤.

❷ فضیلۃ العادلین من الولاۃ از اصفہانی، ص: ٣٠٦.

❸ اثر العلماء فی الحیاۃ السیاسیۃ فی الدولۃ الامویۃ، ص: ٣٠٦. ❹ سنن ابی داود: ٤/ ٢٤٩.

❺ مقالامت العلماء بین یدی الخلفاء والامراء، ص: ٣٠٧، اثر العلماء فی الحیاۃ السیاسیۃ فی الدولۃ الامویۃ، ص: ٣٠٧.

۲۔ فرزدق معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہجو کرتے ہوئے کہتا ہے:

فرزدق کا چچا حتات بن یزید مجاشعی ایک وفد کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے دوسروں کے مقابلہ میں اسے کم انعام دیا، پھر جب وہ راستے میں ہی مر گیا تو انہوں نے وہ انعام اس سے واپس لے کر بیت المال میں جمع کرا دیا اس پر فرزدق نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت کرتے ہوئے اور اپنے نسب اور آباء و اجداد پر فخر کرتے ہوئے کہا:

فلو كان هذا الامر في جاهلية　　علمت من المرء قليل جلائبه

و لو كان هذا الامر في غير ملككم　　لابديته او غص بالماء شاربه

و كم من اب لي يا معاوی لم يكن　　ابوك الذي من عبد شمس يقاربه

''اگر یہ کام زمانہ جاہلیت میں ہوتا تو مجھے معلوم ہوتا کہ اس آدمی کے پاس وسائل کی کمی ہے۔

اور اگر یہ کام تمہاری بادشاہت کے علاوہ کہیں اور ہوتا تو میں اسے ظاہر کر دیتا حتیٰ کہ پانی پینے والے کو اچھو لگ جاتا۔

اے معاویہ! میرے کتنے ہی آباء ایسے ہیں کہ عبد شمس سے تمہارا باپ ان کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔''

یہ اشعار سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اور تو کچھ نہ کیا البتہ الحتات کا انعام اس کے گھر والوں کو بھجوا دیا۔ [1]

معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیٹوں میں سے سرکردہ حضرات کی بڑی قدر و منزلت کیا کرتے تھے اور یہ اس امر کے باوجود تھا کہ ان میں سے بعض ان پر کڑی تنقید کیا کرتے تھے، وہ اکثر فرمایا کرتے: میں اپنے آپ کو اس سے بچا کر رکھتا ہوں کہ کوئی گناہ میرے عفو و کرم سے بڑا نہ ہو جائے۔ کوئی جہالت میرے حلم و حوصلہ سے بڑھ نہ جائے، کوئی باپردہ چیز ایسی نہ ہو جس کی میں پردہ پوشی نہ کروں، اور کوئی برائی میرے احسان سے زیادہ نہ ہو۔ [2]

۳۔ ام سنان بنت خیثمہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں:

اس خاتون کا شمار علی رضی اللہ عنہ کے انصار و معاونین میں ہوتا تھا، یہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد امارت میں دمشق آئیں، اس نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اجازت طلب کی تو اسے اجازت دے دی گئی، اس نے امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا تعارف کروایا تو آپ نے اسے پہچان لیا اور اسے بیٹھنے کا حکم دیا۔ جب وہ بیٹھ گئی تو اس سے فرمایا: بنت خیثمہ! ہم تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں، ہماری زمین میں کیسے آنا ہوا، مجھے معلوم ہے کہ تو میری قوم سے نفرت کیا کرتی تھی اور میرے دشمن کو میرے خلاف بھڑکایا کرتی تھی؟ وہ کہنے لگی: امیر المومنین! بنو عبد مناف پاکیزہ اخلاق، امتیازی نشانات اور بڑے حلم و حوصلہ کے مالک ہیں، وہ علم کے بعد جہالت کا مظاہرہ نہیں کرتے، حلم کے بعد سفاہت کے مرتکب نہیں ہوتے اور عفو و درگزر کے بعد تعاقب نہیں کرتے اور اپنے آباء و اجداد کے طور طریقوں کی اتباع میں آپ سب لوگوں کے بڑھ کر حق دار ہیں۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ام سنان! تم نے درست کہا۔ پھر تھوڑی دیر

[1] الدولة الاموية المفترى عليها، ص: ۳۰۴۔ تاريخ طبرى: ۶/ ۱۵۹.
[2] ايضا، ص: ۳۰۴.

کے لیے ماحول پر خاموشی چھا گئی جسے انہوں نے ام سنان سے سوال کر کے توڑا جس میں انہوں نے اسے اس کے وہ شعر یاد دلائے جن کے ذریعے وہ لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکایا کرتی تھی، اس دوران معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تیرے یہ اشعار کیسے ہیں؟

عزب الرقاد فمقلتی ما ترقد و اللیل یصدر بالهموم و یورد
یا آل مذحج لا مقام فشمّروا إن العدو لا أحمد یقصد
هذا علی کالهلال تحفّه وسط السماء من الکواکب اسعد
ما زال مذ شهد الحروب مظفرا و النصر فوق لوائه ما یُفقد

''سونے والے دور چلے گئے جبکہ میری آنکھ نہیں سوتی۔ رات آتی بھی غموں کے ساتھ ہے اور جاتی بھی غموں کے ساتھ۔
یہ علی چاند کی طرح ہے جسے آسمان کے وسط میں باسعادت ستاروں نے گھیر رکھا ہے۔
اس نے جب سے جنگوں میں شریک ہونا شروع کیا ہے کامیاب رہا ہے اس کے پرچم سے نصرت کبھی مفقود نہیں ہوتی۔''

جب معاویہ رضی اللہ عنہ ام سنان کو اس کے یہ اشعار سنا رہے تھے اس وقت وہ انہیں توجہ سے سنتی رہی اور پھر ان سے کہنے لگی: امیر المومنین! ایسا ہی ہوا تھا، اب ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ان باتوں کو بھول جائیں گے، آپ جیسے لوگ ایسے ہی کیا کرتے ہیں۔ قبل اس کے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کوئی بات کرتے ان کے ہم نشینوں میں سے ایک آدمی کہنے لگا: امیر المومنین! مجھے اس کے وہ اشعار یاد ہیں جو اس بات کے خلاف ہیں جو یہ اس وقت آپ سے کہہ رہی ہے، یہ اشعار اسی کے ہیں:

اما هلکت ابا الحسین فلم تزل بالحق تعرف هادیا مهدیا
فاذهب علیك صلاة ربك ما دعت فوق الغصون حمامة قمریا
فالیوم لا خلف یؤمل بعده هیهات نمدح بعده انسیا[1]

''ابوالحسین اگر تم ہلاک ہو گئے ہو تو کیا ہوا، تم ہمیشہ حق کے ساتھ ہادی و مہدی پہچانے گئے۔
جاؤ تم پر تمہارے رب کی رحمت ہو جب تک قمری ٹہنیوں پر پکارتی رہے۔
آج کے بعد کوئی دن ایسا نہیں آئے گا جس کی امید کی جا سکے، بہت مشکل ہے کہ ہم اس کے بعد کسی انسان کی تعریف کریں۔''

یہ اشعار سن کر ام سنان کہنے لگی: امیر المومنین! زبان سے نکلنے والا یہ قول صداقت پر مبنی ہے، جو کچھ ہم نے سمجھا اگر وہ آپ میں موجود ہے تو پھر آپ کا حصہ سب سے بڑھ کر ہے۔ پھر اس نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعض شرکاء مجلس

[1] العقد الفرید: ۲/ ۱۰۸۔ نساء من عصر التابعین، ص: ۲۷۵-۲۷۸.

کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ان جیسے لوگوں نے ہی مسلمانوں کے دلوں میں تم سے نفرت وبغض پیدا کیا ہے، لہٰذا ان کی باتوں پر نہ جائیں اور انہیں ان کے عہدوں سے ہٹا دیں، اگر آپ یہ کام کر گزریں تو آپ اللہ تعالیٰ سے مزید قریب ہو جائیں گے اور مسلمان آپ سے زیادہ محبت کرنے لگیں گے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی باتوں پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے اس سے سلسلہ کلام یہ کہتے ہوئے منقطع کر دیا کہ: ام سنان! تو بھی یہ باتیں کہتی ہے؟

وہ بولی: سبحان اللہ! امیر المومنین! اللہ کی قسم! تم جیسے لوگوں کی نہ تو باطل کے ساتھ تعریف کی جا سکتی ہے اور نہ ان کے سامنے جھوٹ کے ساتھ معذرت کی جا سکتی ہے۔ آپ ہماری رائے سے بخوبی آگاہ ہیں اور ہمارے دلوں کی آواز سے بخوبی آشنا۔ واللہ! جب تک علی رضی اللہ عنہ زندہ تھے وہ ہمیں تم سے زیادہ پسند تھے اور جب تک آپ زندہ رہیں گے ان کے علاوہ دوسروں سے زیادہ پسند رہیں گے۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے سوال کیا: میں جب تک زندہ رہوں گا تجھے کن لوگوں سے زیادہ پسند رہوں گا؟ اس نے جواب دیا: امیر المومنین! آپ ہمیں مروان بن حکم اور سعید بن العاص سے زیادہ پسند ہیں، پھر انہوں نے پوچھا: میں ان پر اس کا استحقاق کس وجہ سے رکھتا ہوں؟ اس نے بتایا: حلم و حوصلہ اور عفو و کرم کی وجہ سے۔ [1] بات چیت ختم ہوگئی تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: میں اس وقت تمھاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ اس نے کہا کہ مدینہ میں گرفتار میرے پوتے کو رہا کر دیا جائے۔ انہوں نے اس کی درخواست کو قبول کر لیا، پھر اس کا اکرام اور صلہ رحمی کرتے ہوئے اسے واپس مدینہ بجھوا دیا۔ بعد ازاں وہ ہمیشہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعائیں کرتی رہی۔ [2] یہ ہے عصر تابعین کی ایک خاتون ام سنان جو حق گوئی اور صاف دلی سے متصف تھی اور اسے ایسی حکمت و بلاغت سے نوازا گیا تھا جس کی وجہ سے اس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ [3]

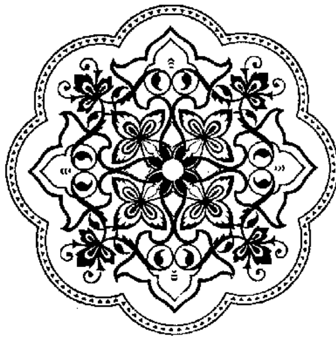
ام سنان ایسی اکیلی عورت نہیں تھی جو آزادانہ انداز میں اپنی رائے کا اظہار کرتی اور کھل کر اپنے اعتقادات بیان کیا کرتی تھی بلکہ اس جیسی اور بھی بہت ساری خواتین اپنے اندر یہ حوصلہ پاتی تھیں۔ جن میں سے زرقاء بنت عدی [4] اور ام الخیر بنت حریش [5] سرفہرست ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو کھل کر اپنی آراء کے اظہار کا موقع دیتے اور تنقید کرنے اور پر امن معارضہ کے حق کو استعمال کرنے پر ان کی حوصلہ افزائی کرتے۔



[1] العقد الفرید: ۲/ ۱۰۸۔ تاریخ دمشق، نقلا عن نساء من عصر التابعين، ص: ۲۷۸.
[2] شاعرات العرب، ص: ۱۷٦-۱۷۷.
[3] نساء من عصر التابعين، ص: ۲۸۰.
[4] ایضا، ص: ۲۹٦.
[5] ایضا، ص: ۱٤۸.

تیسری فصل

معاویہ رضی اللہ عنہ کی داخلی سیاست



داخلی سیاست

۴۱ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر امت اسلامیہ کا اجماع ہوا تو انہوں نے عالم اسلام کے گوشے گوشے میں امن و امان قائم کرنے اور استقرار و استحکام کی بنیادوں کو پختہ کرنے کے لیے اپنی تمام تر ذہانت و فطانت کو کام میں لانا شروع کر دیا۔ اس کے لیے انہوں نے داخلی سیاست کا جو منہج اپنایا وہ متعدد امور پر قائم تھا:

....

پہلی بحث:

شیوخ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ان کے بیٹوں اور خاص طور سے بنو ہاشم کی بڑی شخصیات کے ساتھ احسان پر مبنی رویہ

معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالنے کے بعد اہل حجاز میں خطبہ دیتے ہوئے ان سے اس بارے میں معذرت کی کہ وہ خلفائے راشدین کا طریقہ اپنانے سے قاصر رہے۔ آپ نے فرمایا: ان جیسے لوگ اب کہاں ملیں گے؟ اور ان جیسے اعمال بجا لانے کی اب کس میں قدرت ہے۔ ان کے بعد کسی کے لیے بھی ان جیسے فضل و احسان کا حصول ممکن نہیں ہے۔ البتہ میں نے جو طریقہ کار اختیار کیا ہے اس میں میری بھی منفعت ہے اور تمہاری بھی، اس طریقہ میں تمہارے لیے خورد و نوش کا اچھا سامان موجود ہے جب تک سیرت و کردار درست رہے اور اطاعت گزاری خوب رہے، اگر تم مجھے اپنے سے بہتر نہیں پاتے تو میں تمہارے لیے بہت بہتر ہوں، اللہ کی قسم! میں اس کے خلاف تلوار نہیں اٹھاؤں گا جس کے پاس تلوار نہیں ہے۔ گزشتہ ایام میں جو کچھ بھی ہوا اسے میں نے بھلا دیا، اگر میں تمہارے تمام حقوق ادا نہیں کر سکا تو جس قدر ادا کر سکا ہوں اس پر راضی رہو، فتنہ سے کنارہ کش رہو اور اس کا ارادہ بھی نہ کرو اس لیے کہ فتنہ معیشت کو تباہ کرتا، نعمتوں کو بے مزہ بناتا اور تباہی کو جنم دیتا ہے۔ میں اپنے لیے اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ [1]

خلیفۃ المسلمین معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس جیسی سیرت اپنائی تو انصار و مہاجرین کی اولاد اور وہ سب لوگ آپ کے تابع فرمان ہو گئے جو انہیں اپنے سے زیادہ خلافت کا حق دار سمجھتے تھے، وہ لوگوں کے دل جیتنے اور ان کے ساتھ احسان کرنے کا بڑا اہتمام کرتے اور لوگوں کی تنقیص سے بچنے کے لیے بہت زیادہ محتاط رہتے۔ معاشرے میں قائدانہ کردار ادا کرنے والی کبار شخصیات پر بلا حساب خرچ کرتے اور یہ سمجھتے کہ ان کی رعایا کی طرف سے ان پر

[1] البدایة و النهایة: ۱۱/ ۴۳۲.

بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، لہٰذا انہیں ان کی ضروریات کی تکمیل اور ان کی مشکلات کے حل کے لیے ہمیشہ کمربستہ رہنا چاہیے اور غالباً بنو ہاشم کے اشراف و رؤساء کو سب سے زیادہ مال و زر سے نوازا کرتے اور اس میں کوئی انوکھا پن بھی نہیں تھا اس لیے کہ وہ گروہی قیادت کے حوالے سے جماہیر امت کی نمائندگی کرتے تھے اور افراد امت کو امراء و ولاۃ سے زیادہ ان کی ضرورت رہتی تھی۔ یہ قیادتیں نہ تو حکومت میں شامل تھیں اور نہ انہیں اس میں کوئی دلچسپی ہی تھی۔ [1]

اولاً:...... صلح کے بعد حسن رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعلقات

حضرت حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ان کے پاس جایا کرتے تھے، جب وہ ایک بار ان کے پاس گئے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں ایسا انعام دینا چاہتا ہوں جو میں نے آپ سے پہلے کسی کو دیا اور نہ بعد میں دوں گا، چنانچہ انہوں نے انہیں چار لاکھ درہم دیئے جنہیں حسن رضی اللہ عنہ نے قبول کر لیا۔ [2] دوسری روایت میں ہے: حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہر سال معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے جاتے اور وہ انہیں ایک لاکھ درہم دیا کرتے، ایک سال وہ نہ جا سکے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس کوئی چیز نہ بھیجی، حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھنے کے لیے دوات منگوائی تو انہیں خط لکھنے سے پہلے نیند آ گئی، انہوں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو یوں لگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہوں: ''حسن! کیا تو اپنی ضرورت کے لیے مخلوق کو خط لکھتا ہے اور اپنے رب سے سوال نہیں کرتا؟ حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں کیا کروں جبکہ میرا قرضہ بہت زیادہ ہو چکا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دعا کیا کر: ''یا اللہ! میں تجھ سے ہر اس چیز کا سوال کرتا ہوں جس سے میری قوت اور حیلہ کمزور ہے اور جس تک میری رغبت نہیں پہنچی، اس کا میرے دل میں خیال نہیں آیا، اس تک میری امید نہیں پہنچی اور میری زبان پر وہ یقین جاری نہیں ہوا جسے تو نے پہلی مخلوق میں سے کسی کو دیا، مہاجرین اور دوسروں کو دیا مگر تو مجھ کو اس سے نواز دے، یا ارحم الراحمین۔'' حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں بیدار ہوا تو یہ دعا مجھے یاد ہو چکی تھی، میں یہ دعا کرتا رہا، تھوڑی ہی دیر بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے میرا تذکرہ کیا تو انہیں بتایا گیا کہ وہ اس سال نہیں آئے۔ جس پر انہوں نے میرے لیے دو لاکھ درہم کا حکم دے دیا۔ [3] دوسری روایت میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن رضی اللہ عنہ کو خواب میں یہ دعا سکھائی تھی: ''میرے اللہ! میرے دل میں اپنی امید پیدا کر دے اور اپنے سے علاوہ لوگوں سے میری امید منقطع کر دے کہ میں تیرے علاوہ کسی سے امید نہ رکھوں، یا اللہ! جس چیز سے میری قوت کمزور پڑ گئی، میرا عمل اس سے قاصر رہا۔ اس تک میری رغبت نہ پہنچی، اس تک میرا سوال نہ پہنچا اور میری زبان پر وہ جاری ہوا جو یقین تو نے اگلوں اور پچھلوں میں سے کسی ایک کو دیا، تو یا رب العالمین مجھے وہ بھی عطا فرما۔'' حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم،

[1] معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ از غضبان، ص: ۳۱۴.

[2] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲۶۹.

[3] تاریخ دمشق: ۱۴/ ۸.

میں نے یہ دعا ہفتہ بھر بھی نہیں کی ہوگی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے ڈیڑھ لاکھ درہم بھجوا دیے۔ میں نے کہا: سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو اپنا ذکر کرنے والوں کو نہیں بھولتا اور اپنے سے دعا کرنے والوں کو ناکام نہیں لوٹاتا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حسن تم کیسے ہو؟'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں خیریت سے ہوں، اور میں نے آپ کو اپنا واقعہ سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے بیٹے! جو لوگ خالق سے امید رکھتے اور مخلوق سے نہیں رکھتے ان کی امیدیں اسی طرح پوری ہوتی ہیں۔'' [1]

زہری روایت کرتے ہیں: ...... جب علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اگر تمہیں یزید پر بجز اس کے اور کوئی فضیلت حاصل نہ ہوتی کہ تمہاری ماں قریشی خاتون ہے جبکہ اس کی ماں بنو کلب سے ہے تو تمہیں پھر بھی اس پر فضیلت ہوتی، مگر اس پر تمہاری فضیلت کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں ہے اس لیے کہ تمہاری ماں فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ [2]

ثانیا:...... معاویہ رضی اللہ عنہ کے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تعلقات

جعفر بن محمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما معاویہ رضی اللہ عنہ سے عطیات قبول کیا کرتے تھے۔ [3] ایک دفعہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے ایک لاکھ درہم بھیجے تو وہ اپنے پاس موجود لوگوں سے کہنے لگے: اس میں سے جو شخص کچھ لے لے وہ اس کا ہوا۔ انہوں نے حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے ایک لاکھ درہم بھجوائے تو ان کے پاس دس لوگ بیٹھے تھے انہوں نے وہ درہم دس دس ہزار کر کے ان میں تقسیم کر دیئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔ [4] معاویہ رضی اللہ عنہ کی حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوتی تو فرماتے: نواسہ رسول! اہلا وسہلا مرحبا۔ پھر ان کے لیے تین لاکھ درہم کا حکم دیتے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے ملاقات کرتے تو فرماتے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور ان کے حواری کے بیٹے! میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں اور پھر انہیں ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیتے۔ [5] عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد انہیں اچھے الفاظ سے یاد کیا کرتے تھے۔ ہشام بن عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے نماز پڑھی اور پھر نماز ادا کرنے کے بعد کچھ دیر کے لیے خاموش رہے اور پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے: ابن ہند دور نہ ہو ان میں کچھ ایسی گنجائش موجود ہیں جو ہمیں ان کے بعد کسی میں نظر نہیں آتیں۔ اللہ کی قسم! ہم انہیں خوفزدہ کرتے تھے مگر وہ تو شیر سے بھی زیادہ دلیر تھے۔ وہ ہم سے کیسے خوفزدہ ہو سکتے تھے، ہم انہیں دھوکہ دینا چاہتے مگر وہ بڑے دانا اور بارعب تھے وہ ہمارے دھوکے میں آنے والے نہیں تھے۔ واللہ! میں چاہتا ہوں کہ جب تک اس

[1] تاریخ دمشق: ١٤/ ٨.
[2] الشریعة للآجری: ٥/ ٢٤٧٠ اس کی سند حسن ہے۔
[3] ایضا، ص: ٢٤٧٠ اس کی سند حسن ہے۔
[4] تاریخ دمشق: ٦٢/ ١٣٣.
[5] ایضا: ٦٢/ ١٣٣.

(جبل ابوقبیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) میں ایک پتھر بھی موجود رہے ہم ان سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ [1] عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا یہ قول اس وقت کا ہے جب عبدالملک بن مروان کے عہد میں انہیں حصار میں لے لیا گیا تھا۔ [2]

ثالثا:...... عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ

معاویہ رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بڑا احترام کیا کرتے تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس جاتے تو وہ ان کی تعظیم وتوقیر کرتے انہیں اپنے پاس بٹھاتے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے بڑے مشکل اور پیچیدہ قسم کے سوالات کرتے اور وہ فوراً ان کا جواب دیتے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کسی کو حاضر جواب نہیں دیکھا، جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات کی خبر ملی تو اتفاق سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی ان کے پاس موجود تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر بڑے اچھے انداز سے تعزیت کی اور انہوں نے اس کا بہت خوبصورت جواب دیا۔ [3] معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو تعزیت کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا تو اس نے ان کے سامنے بیٹھ کر ان سے بڑی مختصر اور فصیح عبارت میں تعزیت کی جس کے لیے انہوں نے یزید کا شکریہ ادا کیا۔ [4] حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے تعزیت کرتے ہوئے کہا تھا: اللہ تعالیٰ تمہیں حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے غم ناک نہ کرے۔ اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا: جب تک امیر المومنین زندہ ہیں اللہ تعالیٰ مجھے غم ناک نہیں کرے گا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہزاروں درہم نقد اور کئی اشیاء عطیہ کے طور پر ان کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے فرمایا: انہیں اپنے اہل وعیال میں تقسیم کر دینا۔ [5] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا شمار اسلامی معاشرے کے سادات اور اس کے بڑے قائدین میں ہوتا تھا اور معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے سماجی اور علمی مقام ومرتبہ کا اعتراف کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو علمی معاملات میں خلیفہ کے مشیر کا اعزاز حاصل تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کو بنو امیہ پر بنو ہاشم کی فضیلت کا بھی اعتراف تھا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا تم افضل ہو یا بنو ہاشم؟ تو انہوں نے کہا: کبھی ان کا اور کبھی ہمارا پلڑا بھاری ہوتا رہا یہاں تک کہ اگلوں اور پچھلوں میں بے مثل اور بے مثال محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہمیشہ کے لیے سربلند کر دیا۔ [6] معاویہ رضی اللہ عنہ بنو امیہ کو آل علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے یہ کہہ کر خبردار کیا کرتے تھے: جنگ کا آغاز سرگوشی، اس کا درمیان شکایت اور آخر بلوئی ہوا کرتا ہے۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقربین سے ان کے اوصاف اور ان کے عمدہ اعمال واطوار کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے۔ [7]

---

1. عیون الاخبار: ١/ ١١، ١٢.
2. العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ١١٥.
3. البدایة و النهایة: ١١/ ٦٤٢.
4. ایضا: ١١/ ٦٤٢.
5. ایضا: ١١/ ٤٤٦.
6. ایضا: ١١/ ٤٤٦.
7. الدور السیاسی للصفوة، ص: ١٧٢.

رابعاً:......کیا معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبروں پر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی کھلی اجازت دے رکھی تھی؟

کتب تاریخ بتاتی ہیں کہ بنوامیہ کے ولاۃ وامراء عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کیا کرتے تھے۔ لوط بن یحییٰ سے ابن سعد کا روایت کردہ یہ اثر صحیح نہیں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے قبل بنوامیہ کے امراء حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کیا کرتے تھے مگر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس سے روک دیا۔ [1] اس اثر کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ایک راوی علی بن محمد مدائنی ضعیف ہے اور اس کا شیخ لوط بن یحییٰ بھی بہت زیادہ ضعیف ہے۔ اسے یحییٰ بن معین غیر ثقہ جبکہ ابو حاتم متروک الحدیث قرار دیتے ہیں۔ دارقطنی بھی اسے ضعیف اخباری بتاتے ہیں۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسے غیر ثقہ قرار دیا ہے۔ [2] اس نے زیادہ روایات ضعفاء اور مستور الحال لوگوں سے اخذ کی ہیں [3] اور وہ خود بھی روایات گھڑ لیا کرتا تھا۔ روافض نے معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ تہمت لگائی ہے کہ وہ لوگوں کو مساجد کے منبروں پر علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم اور لعن طعن کرنے پر اکسایا کرتے تھے۔ مگر ان کا یہ دعویٰ باطل ہے اور اس کی کوئی صحیح اساس نہیں ہے۔ تباہ کن بات تو یہ ہے کہ محققین نے اس کذب وافتراء کو نقد وتعدیل کے اصولوں پر پرکھے بغیر ہی قبول کر لیا یہاں تک کہ متاخرین کے نزدیک اس نے ایسی مسلمہ حقیقت کا روپ دھار لیا جس کے مناقشہ کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ جبکہ نہ تو یہ بات کسی صحیح روایت سے ثابت ہے اور نہ وہ روایات قابل اعتماد ہیں جنہیں دمیری یعقوبی اور ابوالفرج اصفہانی نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ صحیح تاریخ ان لوگوں کی مرویات کے خلاف کا اثبات کرتی ہے۔ [4] وہ یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت کا احترام کرتے اور انہیں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بنوامیہ کے منبروں پر علی رضی اللہ عنہ کو لعن طعن کرنا نہ تو حوادث وواقعات کی منطق سے ہم آہنگ ہے اور نہ متحارب فریقین کے مزاج وطبائع سے۔ اگر ہم بنو امیہ کی معاصر کتب تاریخ کا مطالعہ کریں تو ان میں ہمیں ایسی کوئی بھی چیز نہیں ملتی۔ یہ حکایات ان متاخرین کی کتب میں نظر آتی ہیں جنہوں نے بنوعباس کے دورِ حکومت میں تاریخ کو مدوّن کیا اور جن کے پیش نظر جمہور مسلمانوں کی نظر میں بنوامیہ کی شہرت کو نقصان پہنچانا تھا۔ یہ بے سروپا باتیں مسعودی نے مروج الذہب میں اور اس کے علاوہ دیگر شیعہ مورخین نے لکھیں اور وہاں سے اہل سنت کی کتب تاریخ میں داخل ہو گئیں۔ جبکہ ان میں سے کوئی روایت بھی صریح اور صحیح نہیں ہے۔ [5] اس دعویٰ کے اثبات کے لیے جرح سے محفوظ سند اور اعتراض سے محفوظ متن کی ضرورت ہے۔ محققین اور باحثین کے نزدیک اس دعویٰ کا وزن سبھی کے علم میں ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ ان جیسی تہمتوں سے بہت دور اور مبرا ہیں۔ دین میں ان کی فضیلت ثابت شدہ حقیقت ہے۔ افراد امت میں ان کی سیرت قابل

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱۴۷۔ [2] المیزان: ۳/ ۴۱۹۔

[3] دفاعا عن السلفیة، ص: ۱۸۷۔ [4] الحسن و الحسین، محمد رضا، ص: ۱۸۔

[5] الانتصار للصحب و الآل از رحیلی، ص: ۳۶۷۔

تعریف تھی۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خیار تابعین رحمہم اللہ نے ان کی تعریف و توصیف اور ان کے لیے دین، علم، عدل، حلم اور تمام خصائل خیر کی شہادت دی۔ ❶ یہ سب کچھ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ثابت ہے۔ اس قسم کی سیرت و کردار کے حامل شخص کے لیے ناممکن و محال ہے کہ وہ لوگوں کو منبروں پر کھڑے ہو کر علی رضی اللہ عنہ کو لعن طعن کرنے پر اکسائے جب کہ وہ عز و فضل میں اپنی مثال آپ ہو۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت، ان کے حلم و حوصلہ، عفو و درگزر اور حسن سیاست سے آگاہ شخص پر یہ بات عیاں ہے کہ اس قسم کی باتیں ان پر محض کذب و افتراء ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ کا حلم ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ نسلوں کے لیے اسوہ و قدوہ ہے۔

صحیح مسلم میں عامر بن سعد بن ابی وقاص اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تجھے ابوتراب رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کرنے سے کس نے روکا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: جب تک مجھے وہ تین باتیں یاد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے فرمائی تھیں میں انہیں سب و شتم نہیں کروں گا۔ اگر مجھے ان میں سے ایک بھی مل جائے تو یہ مجھے سرخ رنگ کے اونٹوں سے بھی زیادہ پسند ہوگی۔ ❷ [illegible] کا اس روایت سے اپنے کذب و افتراء کے لیے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ ان کے زعم باطل پر دلالت نہیں کرتی۔ امام نووی فرماتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس قول میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ انہوں نے سعد کو علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینے کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے سعد سے صرف اس سبب کے بارے میں پوچھا تھا جو ان کے لیے علی رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کرنے سے مانع تھا، گویا کہ وہ ان سے پوچھ رہے تھے کہ تم یہ کام ورع و پرہیز گاری کی وجہ سے نہیں کرتے، کسی خوف کی وجہ سے نہیں کرتے یا اس کی کوئی اور وجہ ہے؟ اگر تو انہیں سب و شتم نہ دینے کی وجہ تورّع یا ان کا احترام ہے تو پھر تمہارا یہ رویہ بہت خوب ہے اور شاید سعد رضی اللہ عنہ کسی ایسی جماعت میں موجود ہوں جو انہیں سب و شتم کا نشانہ بناتی ہو مگر وہ ان کے ساتھ یہ کام نہ کرتے ہوں اور انہیں اس سے روک بھی نہ سکتے ہوں۔ اس کی ایک دوسری تاویل بھی کی جا سکتی ہے اور وہ یہ کہ اس کا معنی یہ کیا جائے: تمہیں اس چیز سے کس نے روکا کہ تم علی رضی اللہ عنہ کی رائے اور اجتہاد کو غلط بتاؤ اور لوگوں کے سامنے ہماری رائے اور اجتہاد کے حسن کو واضح کرو۔ ❸

ایک دفعہ جب ضرار ہمدانی نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف کی جسے سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ رونے لگے اور ضرار کی باتوں کی تصدیق کی تو ابوالعباس قرطبی نے اس کی تعلیق میں لکھا: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کے مقام و مرتبہ سے بخوبی آگاہ تھے۔ جب صورت حال یہ ہے تو پھر ان کی طرف سے علی رضی اللہ عنہ کو صراحتاً سبّ و شتم کرنے کے حوالے سے ان کے بارے میں جو کچھ مروی ہے اس کا زیادہ تر حصہ جھوٹ اور غیر صحیح ہے۔ اس میں سے سب سے زیادہ صحیح ان کا سعد بن ابی وقاص سے ان کا مذکورہ بالا ارشاد ہے۔ مگر وہ سب و شتم کے لیے صریح نہیں ہے۔ وہ اس بارے

❶ خامس الخلفاء الراشدین الحسن بن علی بن ابی طالب، ص: ۳۵۳.

❷ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ: ٤/ ١٨٧١.

❸ شرح صحیح مسلم: ١٥/ ١٧٥.

میں محض ایک سوال تھا کہ ان کے لیے علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم دینے سے کون سی چیز مانع ہے؟ پھر جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا جواب سنا تو پر سکون ہو کر اپنا سر جھکا لیا اور سمجھ گئے کہ حق حق دار کو ملا ہے۔ [1]

ڈاکٹر الزحیلی اپنی کتاب "الصحب و الآل" میں رقمطراز ہیں: اس سے جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ سے یہ بات خوش طبعی کے انداز میں کی تھی جس سے مقصود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض فضائل سے آگاہی حاصل کرنا تھا۔ اس لیے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے ذہین و فطین شخص تھے آپ لوگوں سے ان کے اندر کی باتیں معلوم کرنے کو پسند کرتے تھے، جب انہوں نے سعد رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کا موقف معلوم کرنا چاہا تو ان سے اس انداز میں سوال کرنا مناسب سمجھا۔ ان کا یہ سوال ان کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس سوال جیسا ہے کہ کیا آپ علی رضی اللہ عنہ کی ملت پر ہیں؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا: میں نہ علی رضی اللہ عنہ کی ملت پر ہوں اور نہ عثمان رضی اللہ عنہ کی ملت پر۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر ہوں۔ [2] ظاہر ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سوال خوش طبعی کے انداز میں تھا، اسی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ قول بھی خوش طبعی کی قبیل سے تھا۔ رہا روافض کا یہ دعویٰ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کیا کریں تو ان سے اس جیسی بات کا صدور ہرگز نہیں ہوسکتا۔ [3] اس کے مانع کئی امور ہیں:

۱۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرتے تھے اور نہ انہوں نے اس کا کسی اور کو حکم دیا، بلکہ وہ ان کی تعظیم کیا کرتے اور ان کی فضیلت اور سابق الاسلام ہونے کا اعتراف کیا کرتے تھے جس طرح کہ ان کے اقوال سے ثابت ہوتا ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابومسلم خولانی اور اس کے ساتھ کچھ اور لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا: کیا آپ علی رضی اللہ عنہ سے تنازع کرتے ہیں یا آپ ان جیسے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے بخوبی علم ہے کہ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے بہت بہتر اور افضل ہیں اور مجھ سے زیادہ حکومت کے حق دار ہیں۔ [4] مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو وہ رونے لگے، ان کی بیوی کہنے لگی: آپ انہیں رو رہے ہیں جن سے قتال کرتے رہے؟ انہوں نے جواب دیا: تو نہیں جانتی کہ لوگ کس قدر فضل وشرف، علم اور فقہ سے محروم ہوگئے۔ [5] کیا عقل و دین کے حوالے سے اس امر کا کوئی جواز پیدا ہوسکتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کر سکتے ہیں یا انہیں سب وشتم کرنے کا کسی دوسرے کو حکم دے سکتے ہیں جبکہ وہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس قسم کا اعتقاد بھی رکھتے ہوں۔ [6]

---

[1] المفهم للقرطبی: ٦/ ٢٧٨ .
[2] الإبانة: ١/ ٣٥٥ .
[3] الانتصار للصحب و الآل، ص: ٣٧٥ .
[4] البداية و النهاية: ٨/ ١٣٣ .
[5] ايضا: ٨/ ١٣٣ .
[6] الانتصار للصحب و الآل، ص: ٣٧٦ .

۲۔ کسی صحیح دلیل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کے دوران بھی انہیں کبھی سب وشتم کیا ہو تو کیا یہ بات معقول ہے کہ وہ ان کے ساتھ جنگ کے اختتام اور ان کی وفات کے بعد انہیں گالی دیں گے۔ یہ بات اہل عقل و دانش کی سمجھ میں آنے والی نہیں ہے۔ جب وہ خود ایسا نہیں کر سکتے تو دوسروں کو اس کے لیے کیسے پابند کر سکتے ہیں؟

۳۔ معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے دانا شخص تھے اور وہ عقل و فکر میں بڑی شہرت کے حامل تھے۔ اگر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینے کے لیے لوگوں کو اُکسانا چاہتے تو کیا وہ اس کام کے لیے سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ جیسے انسان سے مطالبہ کرتے جبکہ ان کی شجاعت و دلیری، فضیلت و پرہیز گاری کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی اور پھر وہ فتنہ میں سرے سے داخل ہی نہیں ہوئے تھے۔ ایسا کام تو کوئی احمق شخص بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ معاویہ رضی اللہ عنہ جیسا انسان یہ کچھ کرنے لگے۔

۴۔ معاویہ رضی اللہ عنہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت سے دست برداری کے بعد خلافت کے ساتھ منفرد تھے۔ سب لوگوں نے ان پر اتفاق کر لیا تھا اور تمام شہران کے ماتحت تھے۔ ایسے حالات میں علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرنا انہیں کیا فائدہ دے سکتا تھا؟ بلکہ حکمت و دانائی اور حسن سیاست تو اس کے برعکس کی متقاضی تھی تاکہ انسانی نفوس کو اطمینان ملتا اور امور مملکت میں ٹھہراؤ آتا۔ یہ باتیں معاویہ رضی اللہ عنہ سے مخفی رہنے والی نہیں تھیں۔

۵۔ استقلال خلافت کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کے درمیان قربت و الفت پیدا ہو چکی تھی جیسا کہ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مشہور ہے۔ [1] مثلاً حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما وفد کی صورت میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے دو لاکھ درہم ہدیہ کی صورت میں ان کے حوالے کیے اور پھر فرمایا: اتنا گراں قدر ہدیہ مجھ سے پہلے آپ کی خدمت میں کسی نے پیش نہیں کیا۔ اس پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے ہم سے افضل کسی شخص کو بھی تو کبھی عطیہ نہیں دیا۔ [2] ایک دفعہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید کہتے ہیں، پھر انہیں تین لاکھ درہم عطیہ دینے کا حکم جاری فرمایا۔ [3] اس سے اس جھوٹ کی جڑ کٹ جاتی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرنے کے لیے لوگوں کو اُکسایا کرتے تھے۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور اولاد علی رضی اللہ عنہ کے درمیان اس طرح کی الفت و مودت بھی ہو اور وہ ایک دوسرے کی تعظیم و توقیر بھی کریں اور پھر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے والد گرامی کو سب وشتم بھی کریں۔ اس سے اس مسئلہ کے بارے میں حق عیاں ہو جاتا ہے اور اصل حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ [4] مزید برآں چونکہ وہ معاشرہ عمومی طور سے احکام شریعت کا پابند اور نفاذ شریعت کے لیے بڑا حریص تھا، لہٰذا وہ لوگ لعن طعن اور

---

[1] الانتصار للصحب و الآل، ص: ۳۷۵.
[2] البداية و النهاية: ۸/ ۱۳۹.
[3] ایضا: ۸/ ۱۴۰.
[4] الانتصار للصحب و الآل، ص: ۳۷۷.

فحش گوئی سے کوسوں دور تھے۔ ❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مشرک مُردوں کو سب وشتم کرنے سے منع فرمایا ہے اور اولیاء اللہ کو گالی گلوچ کرنے کی کس طرح اجازت دے سکتے ہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی ہے کہ: ''مُردوں کو گالیاں مت دو اس لیے کہ انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا اس تک پہنچ چکے ہیں۔'' ❷

خامساً :......معاویہ رضی اللہ عنہ ،اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو زہر دیا جانا

بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا تھا اور اس کا الزام ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس پر عائد کیا گیا، اس زہر کی وجہ سے حسن رضی اللہ عنہ شدید بیمار ہو گئے۔جس کی وجہ سے آپ کے نیچے ایک تھال رکھا جاتا اور دوسرا اٹھا لیا جاتا اور یہ سلسلہ چالیس روز تک جاری رہا۔ ❸ مگر اس روایت کی سند صحیح نہیں ہے۔ ❹ بعض مورخین اور رواۃ نے سرتوڑ کوشش کی ہے کہ کسی نہ کسی طرح یزید کی بیعت اور حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کے درمیان تعلق پیدا کیا جائے۔ان کا خیال ہے کہ یزید بن معاویہ نے جعدہ بنت قیس کی طرف پیغام بھیجا کہ اگر تو حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے دے تو میں تجھ سے شادی کر لوں گا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ان کی وفات کے بعد جعدہ نے یزید سے ایفاء عہد کی درخواست کی تو اس نے کہا: ہم نے تجھے حسن رضی اللہ عنہ کے لیے پسند نہیں کیا تھا تو کیا اب اپنے لیے کر لیں؟ ❺ اس روایت کی سند میں ایک راوی یزید بن عیاض بن جعدبہ ہے جسے مالک وغیرہ نے کذاب بتایا ہے۔ ❻ اس قسم کی روایات بلاتحقیق اہل سنت کی کتابوں میں داخل ہو گئیں۔ جبکہ ان روایات کی اسانید ضعیف ہیں۔ ❼

۱۔ ابن العربی رقمطراز ہیں: ''یزید کی طرف سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دینے کی سازش تیار کرنا دو طرح سے محال ہے، پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یزید کو ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا اس لیے کہ وہ خلافت سے دست بردار ہو چکے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ ایک غیبی امر ہے جسے اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، تم بغیر کسی معتبر دلیل کے یہ الزام کسی معین شخص پر کس طرح عائد کر سکتے ہو جبکہ اس پر ایک طویل عرصہ بھی بیت چکا ہو اور ہم کسی نقل کی توثیق بھی نہ کر سکتے ہوں، پھر وہ دور بھی خواہش پرستی کا ہو، حالات فتنہ وعصبیت کے ہوں اور ہر کوئی دوسرے کی طرف ناروا باتیں منسوب کر رہا ہو، ایسے حالات میں تو صرف صاف بات ہی تسلیم کی جا سکتی ہے اور صرف عدل وانصاف پر مبنی بات ہی سنی جا سکتی ہے۔'' ❽

۲۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض لوگ ذکر کرتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا تھا۔ مگر یہ الزام کسی شرعی دلیل معتبر قول یا قابل اعتماد نقل سے ثابت نہیں ہوتا اور یہ ایسی صورت حال ہے کہ جس

❶ صحیح ابن حبان، رقم: ٤٧، شیخ البانی نے الصحیحہ میں اسے صحیح کہا ہے، رقم: ۳۲۰.
❷ بخاری، رقم: ٦٥١٦. ❸ الطبقات، تحقیق السلمی: ١/ ٣٣٨. اس کی سند ضعیف ہے۔
❹ ایضا: ١/ ٣٣٨. ❺ تہذیب الکمال: ٦/ ٤٥٣.
❻ تقریب التهذیب، ص: ٦٠٤. ❼ مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری، ص: ٣٩٣.
❽ العواصم من القواصم، ص: ٢٢٠، ٢٢١.

سے علم کا حصول ممکن نہیں ہوتا، اس بنا پر یہ بات کرنا بدون علم بات کرنا ہے۔ ❶ بعض لوگوں کی طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ پر حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دینے کی تہمت لگائی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اشعث بن قیس کو یہ مجرمانہ فعل سرانجام دینے کا حکم دیا تھا اور یہ وہ شخص ہے جس کی بیٹی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی۔ اس اتہام کی تردید کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر یہ کہا جائے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کے باپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا تو یہ محض گمان ہے اور گمان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: گمان سے بچو اس لیے کہ بعض گمان سب سے بڑا جھوٹ ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جعدہ کا باپ اشعث بن قیس ۴۰ھ یا ۴۱ھ کو فوت ہو گیا تھا یہی وجہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والی صلح میں اس کا کہیں نام نہیں آتا، اگر وہ موجود ہوتا تو اس کا ذکر ضرور ہوتا، جب وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے دس سال قبل فوت ہو گیا تھا تو اس نے اپنی بیٹی کو ایسا کرنے کا حکم کس طرح دیا؟ ❷ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ تبصرہ تاریخی روایات پر ان کی ماہرانہ علمی تنقید پر قدرت کی دلیل ہے۔

۳۔ امام ذہبی فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے آخر اس کی اطلاع کیسے ہوئی؟'' ❸

۴۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ''بعض لوگ روایت کرتے ہیں کہ یزید بن معاویہ نے جعدہ بنت اشعث کی طرف پیغام بھیجا کہ اگر تو حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے دے تو میں ان کے بعد تجھ سے شادی کر لوں گا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، پھر جب ان کی وفات ہو گئی تو اس نے یزید کو اس کا وعدہ یاد دلایا تو اس نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہم تو تجھے حسن رضی اللہ عنہ کے لیے پسند نہیں کرتے تھے کیا اب ہم تجھے اپنے لیے پسند کر لیں؟ جبکہ میرے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے، اور اس کے باپ معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کی عدم صحت بطریق اولیٰ اور زیادہ موزوں ہے۔'' ❹

۵۔ ابن خلدون فرماتے ہیں: اور یہ جو نقل کیا جاتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن کی بیوی جعدہ بنت اشعث کے ذریعے انہیں زہر دینے کی سازش کی، تو یہ روافض کی اختراع ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ ❺

۶۔ ڈاکٹر جمیل مصری اس قضیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ یا یزید کی طرف سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دینے کے قضیہ کے بارے میں بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اسے اس وقت شہرت حاصل نہیں ہوئی تھی، اس لیے کہ اس کا نہ تو کوئی حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نوٹس لیا اور نہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ہی معاویہ رضی اللہ عنہ پر کوئی عتاب کیا۔ ❻ جہاں تک حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیئے جانے کا تعلق ہے تو ہم اس سے انکار نہیں

❶ منهاج السنة النبوية: ٤/ ٤٦٩ . ❷ المنتقى من منهاج الاعتدال، ص: ٢٦٦ .
❸ تاريخ الاسلام، عهد معاوية، ص: ٤٠ـ اتهامات لا تثبت، سليمان بن صالح الخراشی، ص: ١٧٤ .
❹ البداية و النهاية: ٨/ ٤٣ . ❺ تاريخ ابن خلدون: ٢/ ٥٢٧ .
❻ أثر اهل الكتاب فی الفتن و الحروب الاهلية، ص: ٤٨٢ـ مرويات خلافة معاوية، ص: ٣٩٥ .

کرتے، اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ زہر کی وجہ سے فوت ہوئے تھے تو یہ ان کے لیے شہادت اور باعث عزت وکرامت ہے۔ ❶ مگر اس کی معاویہ رضی اللہ عنہ یا ان کے بیٹے یزید پر تہمت لگانا نہ تو سند کے اعتبار سے ثابت ہے اور نہ متن کے اعتبار سے۔ جیسا کہ روایات میں وارد ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی جعدہ بنت اشعث کو عز وشرف یا مال وزر کی کوئی ضرورت تھی تاکہ وہ یہ سب کچھ یزید سے حاصل کر سکے اور پھر اس کی بیوی بن جائے۔ کیا جعدہ کے لیے یہ بات کافی نہیں تھی کہ اس کا باپ اشعث بن قیس کندہ قبیلے کا سردار ہے؟ پھر کیا حسن بن علی رضی اللہ عنہما عزت وشرف اور مقام ومرتبہ میں سب لوگوں سے بڑھ کر نہیں تھے؟ ان کی ماں فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں جبکہ نانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جس سے بڑھ کر کوئی بھی چیز قابل فخر نہیں ہے۔ ان کے باپ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ تھے جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک اور چوتھے خلیفہ راشد تھے۔ آخر وہ کون سی چیز تھی جس کے حصول کے لیے جعدہ نے اس قدر سنگین واردات کا ارتکاب کر ڈالا؟ ❷ میں کہتا ہوں کہ اس وقت بکثرت ایسے لوگ موجود تھے جو وحدت اسلامیہ کے دشمن تھے اور جن کے غیظ وغضب میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری کی وجہ سے کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا اور جو شدت کے ساتھ اس بات کو محسوس کر رہے تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا وجود مسعود امت اسلامیہ کے امن واستقرار کی ضمانت ہے اور یہ کہ وہ غیر متنازعہ طور سے اس کی الفت ویگانگت کے امام اور اس کی وحدت کے زعیم وقائد ہیں، لہٰذا امت کو دوبارہ اضطرابی کیفیت سے دوچار کرنے اور اس میں دوبارہ فتنہ برپا کرنے کے لیے انہیں راستے سے ہٹانا اور ان کا صفایا کرنا ضروری ہے۔ میری نظر میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دینے کا الزام سب سے پہلے ابن سبا کے پیروکاروں پر عائد ہوتا ہے جن کے تمام مذموم مقاصد کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ان کی دست برداری سے شدید نقصان پہنچا تھا اور پھر اس کی تہمت ان خوارج کے سر آتی ہے جنہوں نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور حسن رضی اللہ عنہ کی ران میں نیزہ مارا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے جنگ نہروان اور دوسرے معرکوں میں اپنے مقتولین کا انتقام لینے کے لیے اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا ہو۔ ❸

سادساً:...... قاتلین عثمان کے بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ اہل مدینہ، اہل حجاز اور اہل عراق سے کسی بھی شخص سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کریں گے، ❹ لہٰذا انہوں نے اسی وقت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ ترک کر دیا۔ ❺ اسی طرح اس بات پر بھی اتفاق ہوا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں جو کچھ

---

❶ منهاج السنة: ٤/ ٤٢.

❷ مواقف المعارضة فی خلافة یزید بن معاویة، ص: ١٢٣.　❸ ایضا، ص: ١٢٤.

❹ التبيين في انساب القرشيين، ص: ١٢٧.

❺ الخلفاء الراشدون، نجار، ص: ٤٨٢.

بھی ہوا اس کا کسی سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ اصول بڑی اہمیت کا حامل تھا جس کا مقصد ماضی کو بھلا کر تاریخ کا نیا باب رقم کرتے ہوئے حاضر اور مستقبل پر ارتکاز کرنا تھا۔ [1] اس کا مطلب یہ ہوا کہ صلح کا یہ معاہدہ فریقین کے تمام لوگوں کے لیے عام معافی کی بنیاد پر ہوا، اور پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی مکمل پاس داری کی اور عملاً کسی کو بھی اس کے کسی گزشتہ گناہ کی سزا نہ دی۔ بڑی حد تک ان کے دور حکومت میں ہر طرف امن کا دور دورہ رہا اور خون محفوظ رہے۔ [2] ابن قتیبہ کی عیون الاخبار میں وارد ہے کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ صلح و اتفاق کے سال مدینہ منورہ آئے تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے جنہیں دیکھ کر عائشہ بنت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے والد کو آوازیں دیتے ہوئے رونے لگی۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری بھتیجی! لوگوں نے ہماری اطاعت قبول کر لی ہے اور ہم نے انہیں امان دے دی ہے۔ ہم نے ان کے سامنے حلم و بردباری کا اظہار کیا جس کے نیچے قہر و غضب ہے اور انہوں نے ہمارے سامنے تابعداری کا اظہار کیا۔ جس کے نیچے کینہ و بغض ہے۔ ہر انسان کے پاس تلوار ہے اور وہ اپنے ساتھیوں کی جگہ دیکھ رہا ہے۔ اگر ہم ان سے عہد شکنی کریں گے تو یقیناً وہ بھی ایسا ہی کریں گے اور ہم نہیں جانتے کہ ایسا کرنا ہمارے خلاف جائے گا یا ہمارے حق میں رہے گا۔ تیرے لیے امیر المومنین کے چچا کی بیٹی بننا عام عورت بننے سے بہتر ہے۔ [3] ابن قتیبہ کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والی اس صلح کے نتیجے میں جنگ ختم اور خون ریزی بند ہو گئی تھی۔ لوگ پرامن اور پرسکون ماحول میں زندگی گزارنے لگے۔ علاوہ ازیں جنگ جمل، صفین، نہروان اور مصر کی جنگوں نے ان لوگوں کو ختم کر دیا تھا جن کے نام قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی فہرست میں آتے تھے مگر یہ بات یاد رہے کہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا مسئلہ اغلباً بنوامیہ کے خلفاء اور ان کے نائبین کے ذہنوں میں موجود رہا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرف دار رہے۔ [4]

سابعًا:...... حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کا قتل

زیادہ تر مصادر حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے قتل کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں، ان میں سے مندرجہ ذیل مصادر سرفہرست ہیں: ابن سعد [5]، خلیفہ بن خیاط [6]، بلاذری [7]، یعقوبی [8]، مسعودی [9]، ابو الفرج الاصفہانی [10]، ابن جوزی [11]، ابن الاثیر [12]، الذہبی [13] اور ابن کثیر [14]۔ حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کی خبر میں طبری مشہور رافضی

[1] الدور السیاسی للصفوۃ فی صدر الاسلام، ص: ۳٤۱۔
[2] خامس الخلفاء راشدین الحسن بن علی رضی اللہ عنہ، ص: ۳٤۹۔
[3] دراسۃ فی تاریخ الخلفاء الامویین، ص: ٦۹۔ السلطان لابن قتیبۃ، ص: ٥۸۔
[4] دراسۃ فی تاریخ الخلفاء الامویین، ص: ۷۰۔
[5] الطبقات: ٦/ ۲۱۷۔ تحقیق إحسان عباس۔
[6] تاریخ خلیفہ بن خیاط، ص: ۲۱۳۔
[7] انساب الاشراف: ٤/ ۲٤۲۔
[8] تاریخ الیعقوبی: ۲/ ۲۳۰۔
[9] مروج الذھب: ۳/ ۱۲۔
[10] الاغانی: ۱۷/ ۱۳۳۔
[11] المنتظم: ٥/ ۲٤۱۔
[12] الکامل فی التاریخ: ۲/ ٤۸۸۔
[13] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ٤٦۲۔
[14] البدایۃ و النھایۃ: ۱۱/ ۲۲۷۔

مورخ ابومخنف پر اعتماد کرتے ہیں، جو کہ اہل سنت علماء کے نزدیک غیر ثقہ اور نا قابل اعتماد ہے۔ طبری نے اس سے سولہ روایات نقل کی ہیں۔ عموی طور سے حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر متعدد مصادر میں وارد ہوئی ہے اور اس پر شیعی روایات کی اجارہ داری نہیں ہے۔ لیکن علماء جرح و تعدیل کے نزدیک ساقط الاعتبار ابومخنف کی روایت اس جانب اشارہ کرتی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ کی مذمت کرنے اور انہیں سب وشتم کرنے کی وصیت کی، ان کی اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے مغیرہ رضی اللہ عنہ کوفہ پر اپنی ولایت کے سارے عرصہ میں خطبہ کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذمت کرتے رہے۔ ان کے جس خطبہ نے حجر بن عدی کو غضب ناک کر دیا وہ ابومخنف کی وارد کردہ روایت کی رو سے حسب ذیل ہے: یا اللہ! عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر رحم فرما، ان سے درگزر فرما اور ان کے اچھے اعمال کا انہیں صلہ عطا فرما۔ وہ تیری کتاب پر عمل کرتے رہے، تیرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرتے رہے، انہوں نے ہمیں متحد کیا اور ہمارے خون کو محفوظ بنایا اور انہیں مظلوم قتل کیا گیا۔ یا اللہ! ان کے انصار و معاونین، ان کے دوستوں اور ان سے محبت کرنے والوں اور ان کے خون کا مطالبہ کرنے والوں پر رحم فرما۔ اس دوران وہ ان کے قاتلوں کے لیے بددعا کیا کرتے تھے۔ [1]

جس طرح کہ خطبہ کی نص سے واضح ہے اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذمت میں ایک لفظ بھی وارد نہیں ہے، الا یہ کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر لعنت کی یہ تاویل کی جائے کہ یہ ان کی مذمت سے عبارت ہے۔ [2] جبکہ قریب و بعید کا ہر شخص اس امر سے بخوبی آگاہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے کوئی تعلق نہیں ہے، جس کا میں نے عثمان و علی اور حسن رضی اللہ عنہم پر مشتمل اپنی کتابوں میں اثبات کیا ہے۔ صورت حال جو بھی ہو حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے قتل کی تحقیق کرنے والا اس بات کو ملاحظہ کرے گا کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کا موقف دو مراحل سے گزرا:

پہلا مرحلہ:......قومی معارضہ (۴۱-۵۰ھ):

ابوعبدالرحمٰن، حجر بن عدی کندی شرف صحابیت سے مشرف ہیں، آپ اپنے بھائی ہانی بن ادبر کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہیں کی۔ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ سے سماعت کی۔ [3] آپ شریف اور اپنی قوم کے مطاع امیر تھے۔ ان کا شمار شیعان علی رضی اللہ عنہ میں ہوتا ہے۔ امیر لشکر کی صورت میں جنگ صفین میں شامل ہوئے۔ آپ بڑے نیک اور عبادت گزار تھے۔ [4] عدی بن حجر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح کے مخالف تھے۔ یہ مخالف ضرور تھے، مگر یہ مخالفت صرف اقوال تک محدود رہی اور اس دوران عملاً کوئی کارروائی نظر نہیں آتی۔ [5] اس بارے میں بلاذری رقمطراز ہیں:

---

[1] تاریخ طبری: ٦/ ١٦٨-١٦٩ .
[2] اثر التشییع علی الروایات ، ص: ٣٦٨-٣٧٠ .
[3] سیر اعلام النبلاء: ٣/ ٤٦٢ .
[4] ایضا: ٣/ ٤٦٣ .
[5] مرویات خلافت معاویة فی تاریخ الطبری ، ص: ٤٢٢ .

حجر بن عدی رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح پر معترض رہے، وہ اس بارے میں انہیں ملامت کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: تم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ترک قتال کیا حالانکہ تمہارے ساتھ تمہارے دشمن سے جنگ کرنے کے لیے چالیس ہزار مخلص اور تجربہ کار جنگجو موجود تھے، پھر وہ معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہوئے انہیں ظالم قرار دیا کرتے اور وہ ہمیشہ یہی کچھ کرتے رہے۔

دوسرا مرحلہ:...... فعلی معارضہ:

اس مرحلہ کا آغاز ۵۱ھ سے ہوا، اس سال ان کے اور والی عراق زیاد بن ابیہ کے تعلقات اچانک کشیدہ ہو گئے جس کے دو اسباب بتائے جاتے ہیں:

۱۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف کرتے اور ان کے لیے رحمت ایزدی کی دعائیں کرتے جبکہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی مذمت کیا کرتے، اس کے برعکس حجر بن عدی رضی اللہ عنہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی مدح و ستائش کرتے اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مذمت کرتے، جس پر مغیرہ، حجر بن عدی کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے، پھر جب مغیرہ فوت ہو گئے اور زیاد بن ابیہ نے ولایت سنبھالی تو وہ بھی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چل نکلے۔ ادھر سے جو حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے بھی ان دونوں کے بارے میں مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روش اپنائی جس سے حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اور زیاد کے درمیان ٹکراؤ کا آغاز ہوا۔ ❶

۲۔ زیاد بن ابیہ طویل خطبہ دیتا اور نماز تاخیر سے پڑھاتا جبکہ حجر اس لیے زیاد کو ہدف تنقید بناتے، جس کی وجہ سے بھی ان دونوں میں ٹکراؤ کا آغاز ہوا۔ ❷ مگر ان اسباب کو مندرجہ ذیل امور مکدر کرتے ہیں:

اہل کوفہ کے ساتھ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی سیاست عفو و کرم اور درگزر پر مبنی تھی نہ کہ دشمنی اور کینہ ابھارنے پر، اس کی دلیل بخاری میں مروی جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اپنی وفات کے دن کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا: ''اللہ وحدہ لاشریک لہ سے تقویٰ اختیار کرو۔ وقار اور سکینت اپنائے رکھو یہاں تک کہ امیر یہاں پہنچ جائے جو کہ ابھی آنے ہی والے ہیں۔'' پھر فرمایا: اپنے موجودہ امیر کے لیے بخشش کی دعا کرو، وہ عفو و درگزر کو پسند کیا کرتے تھے۔ ❸ پھر فرمایا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میں اسلام پر آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر یہ شرط عائد کی کہ میں ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔ میں نے اس شرط پر آپ سے بیعت کر لی۔ اس مسجد کے رب کی قسم! یقیناً میں تمہارا خیر خواہ ہوں، پھر انہوں نے استغفار کیا اور منبر سے نیچے اتر آئے۔ ❹

---

❶ تاريخ طبري: ٦/ ١٦٩. ❷ ايضا: ٥/ ١٦٩.

❸ مرويات خلافة معاوية، ص: ٤٢٤.

❹ صحيح بخاري مع فتح الباري: ١/ ١٦٨.

کوفہ کو ۴۹ھ میں زیاد کی فرمانروائی میں دیا گیا، اس بارے میں فیل مولیٰ زیاد کہتا ہے: زیاد نے عراق پر پانچ سال تک حکومت کی پھر ۵۳ھ میں اس کی موت واقع ہوگئی۔ یہ اس باب میں وارد صحیح ترین روایت ہے۔ ۴۹ھ میں عراق پر حکومت کے حصول کے بعد والی کوفی زیاد اور حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے حامیوں کے درمیان ٹکراؤ نہ ہوا، اس لیے کہ اس وقت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بقید حیات تھے اور ان کا وجود مسعود صلح کے مخالف ان کے اعوان وانصار کی طرف سے چلائی جانے والی تحریکوں کا سر کچلنے کی ضمانت تھا۔ اس لیے کہ انہوں نے ان پر یہ شرط عائد کی تھی کہ تم ان سے جنگ کرو گے جن سے میں جنگ کروں گا اور ان سے صلح کرو گے جن سے میں صلح کروں گا۔ مگر ۵۱ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بعض عراقی قائدین کا موقف تبدیل ہو گیا۔ [1] جن میں حجر بن عدی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جن کا قولی معارضہ فعلی معارضہ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ بلاذری شعبی وغیرہ تک اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ جب ۴۹ھ میں زیاد کوفہ آیا تو اس نے حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کو خبردار کرتے ہوئے انہیں اپنی روش تبدیل کرنے کو کہا اور بصورت دیگر ان کے خلاف سخت کارروائی کی دھمکی دی۔ جب وہ اپنے گھر پہنچے تو روافض ان کے پاس جمع ہو کر کہنے لگے: تم ہمارے شیخ ہو اور سب لوگوں سے بڑھ کر اس امر کا انکار کرنے کا حق رکھتے ہو۔ [2] پھر جب زیاد کو کسی کام سے بصرہ جانے کی ضرورت پیش آئی تو اس نے نماز اور جنگ کے لیے عمرو بن حریث اور خراج کے لیے اپنے مولیٰ مہران کو اپنا قائم مقام بنایا اور عمال کو عمرو بن حریث کے ساتھ خط وکتابت کرنے کی تلقین کی...... عمرو نے زیاد کو خط لکھا کہ اگر تمہیں کوفہ میں کوئی دلچسپی ہے تو جلدی واپس آئیں اس لیے کہ میں حجر رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں کچھ کرنے سے قاصر ہوں، وہ فوراً کوفہ واپس آیا اور عدی بن حاتم طائی اور جریر بن عبداللہ بجلی وغیرہم سے کہا کہ اس شیخ کو سمجھائیں مجھے ڈر ہے کہ وہ ہمیں کوئی ایسا کام کرنے کے لیے مجبور کرے گا جو ہم کیا نہیں کرتے۔ وہ لوگ اس کے پاس گئے اور اس سے بات کرنا چاہی مگر انہوں نے اس وفد کے کسی فرد سے کوئی بات نہ کی۔ وہ لوگ زیاد کے پاس واپس آئے تو اس نے مذاکرات کے بارے میں ان سے آگاہی چاہی۔ اس پر عدی رضی اللہ عنہ گویا ہوئے: امیر محترم! وہ ایک بوڑھا آدمی ہے آپ اس کے بارے میں اپنا عہد وپیمان نبھائیں۔ اس پر زیاد نے جواب دیا: پھر تو میں ابوسفیان کا نہ ہوا۔ پھر اس نے ان کے پاس پولیس کی نفری بھیجی تو اس کی بھی مزاحمت کی گئی۔ [3]

دوسری روایت میں آتا ہے کہ جب ۴۹ھ میں زیاد امیر بن کر کوفہ آیا تو اس نے حجر رضی اللہ عنہ کا بڑا اکرام کیا اور انہیں اپنے سے قریب کیا، پھر جب اس نے بصرہ جانے کا ارادہ کیا تو انہیں اپنے پاس بلا کر کہنے لگا: حجر! میں نے تمہارے ساتھ جو سلوک کیا وہ تمہارے سامنے ہے۔ میرا بصرہ جانے کا ارادہ ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی میرے ساتھ چلیں، میری عدم موجودگی میں تمہارے یہاں رہنے کی صورت میں ہوسکتا ہے کہ مجھے تمہاری طرف سے کوئی ایسی خبر ملے جس سے مجھے دلی طور سے ٹھیس پہنچے اگر تم میرے ساتھ رہو گے تو پھر اس کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔ میں

---

[1] مرویات خلافة معاویة، ص: ٤٢٥.
[2] مرویات خلافة معاویة، ص: ٤٢٨۔ انساب الاشراف: ٤/ ٢٤٦.
[3] انساب الاشراف: ٤/ ٢٤٦، ٢٤٧.

علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمہاری رائے سے بخوبی آگاہ ہوں، ان کے بارے میں پہلے میری بھی یہی رائے تھی، مگر جب میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے خلافت کا معاملہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا ہے تو میں نے اس کے فیصلے پر کوئی تہمت نہ لگائی اور اسے خوشی سے تسلیم کر لیا۔ اب علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے معاملات کس رُخ پر ہیں، میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ کہیں تمہارا بھی وہی انجام نہ ہو جو تمہارے سرکردہ لوگوں کا ہوا۔ زیاد بتانا یہ چاہتا تھا کہ میرا شمار علی رضی اللہ عنہ کے حلقہ خواص میں ہوتا تھا، پھر جب میں نے دیکھا کہ حسن رضی اللہ عنہ ان کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے ہیں اور ان پر امت کا اجماع ہو گیا ہے تو میں بھی جماعت میں شامل ہو گیا۔ تا کہ امت کی وحدت قائم رہے اور فتنوں سے بچا جا سکے۔ مگر حجر کہنے لگے: میں بیمار ہوں، لہٰذا آپ کے ساتھ جانے سے قاصر ہوں، یہ سن کر زیاد کہنے لگا: تم سچ کہتے ہو۔ تم دین، دل اور عقل کے مریض ہو۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے تمہاری طرف سے کوئی ناگوار اطلاع ملی تو پھر میرے ہاتھوں تمہیں زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ اب اگلا فیصلہ آپ خود ہی کر لیں۔ جب زیاد بصرہ پہنچ گیا تو اہل کوفہ کے قراء حجر رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہو گئے اور انہوں نے زیاد کے عامل کو مفلوج کر کے رکھ دیا وہ کوئی بھی حکم جاری کرنے اور اسے نافذ کرنے سے بے بس ہو کر رہ گیا۔ اس کی اطلاع ملنے پر زیاد کوفہ واپس آ گیا مگر اس کی کوفہ آمد کے ساتھ ہی حجر رضی اللہ عنہ روپوش ہو گئے اور زیاد تلاش بسیار کے باوجود ان تک رسائی حاصل نہ کر سکا۔ ❶

جہاں تک زیاد کی پولیس اور حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے انصار کے درمیان ٹکراؤ پر مبنی تفصیلی روایت کا تعلق ہے تو ان کے ساتھ میری معلومات کی حد تک ابومخنف منفرد ہے۔ ❷ اسی طرح وہ حجر رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے خلاف اہل کوفہ کی گواہی کی تفصیلات سے آگاہ کرنے میں بھی ابومخنف منفرد ہے۔ ❸

ا۔ حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ:

جب حجر اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے زیاد بن ابیہ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے مطالبہ کیا کہ ان کا قضیہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا جائے تا کہ وہ اس بارے میں خود فیصلہ کریں اور ان کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا گیا۔ ❹

حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کا ذکر کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان پر عائد کردہ الزامات کا ذکر کر دیا جائے۔ ان الزامات کی تفصیل ابومخنف کی روایت میں اس طرح وارد ہے: حجر رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کئی گروہوں کو منظم کیا، امیر المومنین کے خلاف جنگ کرنے کے لیے لوگوں کو اکسایا اور خلیفہ کو سرعام سب و شتم کیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ منصب خلافت کے لیے صرف آل ابو طالب ہی موزوں ہیں۔ مصر پر حملہ آور ہو کر امیر المومنین کے عامل کو شہر سے نکال دیا، علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کا عذر ظاہر کیا، ان کے لیے رحمت ایزدی کی دعا کی، اپنے دشمنوں اور اپنے اہل حرب سے لاتعلقی اظہار کیا، لوگوں کو

---

❶ انساب الاشراف: ٤/ ٢٧٠-٢٧١۔ ❷ تاریخ طبری: ٦/ ١٧٧-١٨٣۔

❸ ایضا: ٦/ ١٨٤، ١٨٦۔ ❹ ایضا: ٦/ ١٨٧-١٨٨۔

بتایا کہ جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ ان کے ساتھیوں کے سرکردہ لوگ ہیں، وہ میرے جیسی رائے کے حامل اور میرے حکم کے پابند ہیں۔ ❶ جب ان لوگوں کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے انہیں فوراً قتل نہیں کروایا تھا اور نہ ہی ان سے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لاتعلقی اختیار کرنے کا مطالبہ کیا تھا جیسا کہ بعض روایات کا دعویٰ ہے۔ ❷ بلکہ اس کے لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا۔ اپنے اہل مشورہ سے مشاورت کی اور پھر ان کے بارے میں یہ فیصلہ کیا کہ ان میں سے بعض کو قتل کر دیا جائے جبکہ بعض دوسروں کو زندہ چھوڑ دیا جائے۔ اس کی دلیل شرحبیل بن مسلم کی یہ روایت ہے کہ جب حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو عراق سے لا کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے انہیں قتل کرنے کے بارے میں لوگوں سے مشورہ کیا، اس پر بعض لوگوں نے تو اپنی رائے کا اظہار کیا جبکہ کچھ خاموش رہے، جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز ادا کر لی تو خطبہ دینے کے لیے لوگوں میں کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد منبر پر بیٹھے تو اعلان کرنے والے نے اعلان کیا: عمرو بن اسود عنسی کہاں ہیں؟ ❸ وہ اٹھے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ہم اللہ کی طرف سے جس مضبوط قلعہ میں محفوظ ہیں ہمیں اسے ترک کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اہل عراق کے بارے میں آپ کا فیصلہ ہی معتبر ہوگا، اس لیے کہ آپ راعی ہیں اور ہم رعیت، ان کی بیماری کے بارے میں آپ ہم سے زیادہ آگاہ ہیں اور آپ ہی ان کا بہتر علاج کر سکتے ہیں، ہم تو صرف یہی کہنے کے پابند ہیں: ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ (البقرۃ: ۲۸۵) ''ہم نے سن لیا اور مان لیا، ہمارے پروردگار! تیری معافی مقصود ہے اور تیری طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔'' پھر اعلان کیا گیا کہ ابو مسلم خولانی کہاں ہیں؟ وہ اٹھے اور حمد ثنا کے بعد کہنے لگے: امیر المومنین! جب سے ہم نے تم سے پیار کیا ہے تم سے بغض نہیں رکھا، نہ تمہاری اطاعت قبول کرنے کے بعد تمہاری نافرمانی کی ہے۔ تمہارے ساتھ اکٹھے ہونے کے بعد تم سے جدا نہیں ہوئے اور تم سے بیعت کرنے کے بعد اسے توڑا نہیں۔ اگر تم حکم دو گے تو ہم تمہاری اطاعت کریں گے، اگر ہمیں بلاؤ گے تو تمہاری دعوت پر لبیک کہیں گے۔ پھر عبداللہ بن مخمر شرعبی اٹھے اور اللہ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد فرمانے لگے: امیر المومنین! اگر تم اس عراقی گروہ کو سزا دو گے تو درست کرو گے اور اگر معاف کر دو گے تو احسان کرو گے، اس کے بعد عبداللہ بن اسد قسری کو آواز دی گئی تو انہوں نے اللہ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد فرمایا: امیر المومنین! ہم تمہاری رعیت اور تمہارے اطاعت گزار ہیں۔ اگر آپ انہیں سزا دیں گے تو یہ اس کے سزاوار ہیں اور اگر معاف کر دیں گے تو معاف کرنا تقویٰ سے قریب تر ہے۔ ہمارے بارے میں کسی ایسے ظالم کی بات نہ ماننا جو رات بھر سویا رہتا ہے اور آخرت کے علم سے اکتایا رہتا ہے۔ ❹

میں نے شرحبیل سے پوچھا: ❺ ان لوگوں کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا: بعض کو

---

❶ تاریخ طبری: ٦/ ١٨٨ ❷ مرویات خلافت معاویۃ، ص: ٤٣٠.

❸ مخضرم، ثقہ، عابد، کبار تابعین میں سے ہیں، معاویہ کی خلافت کے ایام میں فوت ہوئے۔

❹ مرویات خلافۃ معاویۃ، ص: ٤٣٤، نقلاً عن تاریخ دمشق: ٤/ ٢٧١.

❺ اس کے قائل اسماعیل بن عیاش ہیں۔

قتل کر دیا اور بعض کو زندہ رکھا۔ مقتولین میں حجر بن عدی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ❶ حجر رضی اللہ عنہ نے قتل ہونے سے قبل دو رکعت نماز ادا کرنے کی درخواست کی تو انہیں چھوڑ دیا گیا۔ انہوں نے وضو کیا پھر دو رکعت نماز ادا کی اور اسے لمبا کیا۔ ان سے پوچھا گیا: بڑی لمبی نماز پڑھی ہے کیا پریشان ہو گئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے اس سے ہلکی نماز کبھی نہیں پڑھی اور اگر میں گھبرا بھی گیا ہوں تو اپنی آنکھوں سے سونتی ہوئی تلوار، کھلا کفن اور کھودی گئی قبر دیکھ رہا ہوں۔ مقتولین کے ورثاء ان کے لیے کفن لے کر آئے، ان کی قبریں تیار کیں اور انہیں دفنا دیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب حجر رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے امیر المومنین کہہ کر انہیں سلام کہا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: کیا میں امیر المومنین ہوں؟ ان کی گردن اڑا دو، انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور اپنے گھر والوں سے فرمایا: میری بیڑیاں نہ کھولنا، میرے جسم سے خون صاف نہ کرنا اس لیے کہ میں معاویہ کو راستے پر ملنے والا ہوں۔ ❷

ابن العربی حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے قتل کے ضمن میں رقمطراز ہیں:...... انہوں نے فتنہ کھڑا کرنے کے لیے لوگوں کو اکسایا جس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں ان لوگوں میں شمار کیا جو زمین میں فساد برپا کرنے کے لیے کوشاں ہوتے ہیں۔ ❸ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ فیصلہ کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر اعتماد کیا: ''جب تم لوگ کسی ایک آدمی پر متفق ہو اور اس دوران تمہاری جمعیت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے کوئی شخص تمہارے پاس آئے تو اسے قتل کر دو۔'' ❹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے: ''کچھ سنگین قسم کے واقعات سامنے آئیں گے، جو شخص میری امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا چاہے وہ جو کوئی بھی ہو اس کی تلوار سے گردن اڑا دو۔'' ❺ اس جگہ یہ امر پیش نظر رہے کہ اگر حجر بن عدی رضی اللہ عنہ قومی معارضہ تک محدود رہتے تو معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے قتل کا فیصلہ نہ کرتے۔ اس پر مسور بن مخرمہ و دیگر کے گزشتہ واقعات دلالت کرتے ہیں۔ ❻

۲۔ حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے قتل کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف:

حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے قتل کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقف کے بارے میں وارد روایات مبالغہ آمیزی پر مبنی ہیں۔ بعض روایات بتاتی ہیں کہ جب ۵۱ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کے لیے گئے تو انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو سرزنش کی۔ اسی طرح ان کی طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنگ کی دھمکی کی روایت بھی مبالغہ پر مبنی ہے۔ ❼

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے یہ روایات صحیح نہیں ہیں۔ ان کے حقیقی موقف کی عکاسی

---

❶ احمد بن حنبل: المسائل، ان کے بیٹے صالح کی روایت: ۲/ ۳۲۸، ۳۳۱۔ ❷ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۴۶۵۔
❸ العواصم من القواصم، ص: ۲۲۰۔ ❹ صحیح مسلم بمع شرح نووی: ۱۲/ ۲۴۲۔
❺ ایضا: ۱۲/ ۲۴۱۔ ❻ مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری، ص: ۴۳۵۔
❼ ایضا، ص: ۴۳۸۔

ابن ابی ملیکہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کی اجازت لینے کے لیے آئے تو انہوں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ ذکوان نامی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام باہر آیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مجھ سے ناراض ہیں مجھے ان کے پاس پہنچا۔ ذکوان نے اس کے لیے ان سے اصرار کیا تو انہوں نے اس کی اجازت دے دی۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کہنے لگے: امی جان! اللہ تم پر رحم فرمائے، آپ مجھ سے ناراض کیوں ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اس لیے کہ تم نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کروا ڈالا۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ...... جہاں تک حجر اور ان کے ساتھیوں کا تعلق ہے تو مجھے ایک ایسے فتنہ کا خوف دامن گیر ہوا جس میں خون بہائے جاتے اور حرمتیں پامال کی جاتیں۔ آپ اس بات کو جانے دیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: واللہ! میں نے تجھے چھوڑا۔ واللہ! میں نے تجھے چھوڑا، واللہ! میں نے تجھے چھوڑا۔ [1] دوسری روایت میں ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا: کیا تم نے حجر کو قتل کر دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ام المومنین! میں نے لوگوں کی بہتری کے لیے ایک آدمی کے قتل کو ان میں فساد برپا کرنے کے لیے باقی چھوڑنے سے بہتر سمجھا۔ [2]

۳۔ حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے قتل پر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ندامت:

مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو حجر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں بات کرنے کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ جب عبدالرحمٰن ان کے پاس پہنچے تو وہ انہیں قتل کر چکے تھے، اس پر عبدالرحمٰن نے ان سے کہا: تم سے ابوسفیان کا حلم وحوصلہ کہاں غائب ہو گیا؟ انہوں نے جواب دیا: وہ اس وقت سے غائب ہوا جب سے میری قوم میں سے تم جیسے حلیم الطبع لوگ غائب ہو گئے۔ [3] اس روایت کے تحت امام ذہبی فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حجر رضی اللہ عنہ کے قتل پر نادم ہوئے۔ [4] اگرچہ حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنے کے کئی جواز بتائے جاتے اور اس کے لیے کئی عذر پیش کیے جاتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی غلطی تھی۔ انہیں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک صحابی کے لیے وسیع ظرفی کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا۔ اس غلطی کا انہیں بعد میں شدید احساس ہوا اور وہ اس پر زندگی بھر ندامت کا اظہار کرتے رہے۔ [5] مروی ہے کہ انہوں نے اپنی موت کے وقت کہا: ابن ادبر (حجر بن عدی رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے میرا دن بڑا طویل ہوگا۔ [6]

۴۔ مالک بن ہبیرہ کا موقف:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مالک بن ہبیرہ سکونی رضی اللہ عنہ کی سفارش بھی قبول نہیں کی تھی۔ مالک اپنی قوم کے لوگوں کو ساتھ لے کر انہیں اور ان کے ساتھیوں کو رہائی دلانے کے لیے روانہ ہوئے تو ان

---

[1] تاریخ دمشق: ۴/ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔
[2] ایضا: ۴/ ۲۷۳، نقلاً عن مرویات معاویۃ، ص: ۴۴۰۔
[3] تاریخ طبری: ۶/ ۱۹۵۔
[4] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۴۶۵۔
[5] العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۱۱۶۔
[6] تاریخ طبری: ۶/ ۱۹۶۔

کی حجر رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے ملاقات ہوگئی۔ مالک رضی اللہ عنہ نے ان سے اس بارے میں پوچھا، تو انہوں نے بتایا کہ انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔ پھر اس خبر کی ان کے باپ عدی سے بھی تصدیق ہوگئی۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی آمد سے مطلع کیا گیا تو انہوں نے کہا: یہ ایک تپش ہے جو وہ اپنے جی میں پاتے ہیں اور گویا کہ میں اسے ٹھنڈا کر چکا ہوں، پھر انہوں نے مالک کے پاس ایک لاکھ درہم بھجوائے اور ساتھ ہی یہ پیغام بھیجا کہ مجھے یہ خوف دامن گیر ہوا کہ حجر لوگوں کو دوبارہ جنگ میں جھونک دیں گے جس کی وجہ سے مسلمانوں پر ان کے قتل سے بھی بھاری مصیبت ٹوٹتی، جس سے وہ مطمئن ہو گئے۔ ❶ مالک بن ہبیرہ سکونی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے جنہیں معاویہ رضی اللہ عنہ نے حمص کا والی مقرر کیا تھا۔ آپ مالک کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں دیکھا۔ ❷

حجر بن عدی اور ان کے رفقاء کے قضیہ کے علاوہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ اپنی پر امن حکمت عملی کی نگہداشت کی جو کہ رعایا کے حوالے سے حلم و حوصلہ اور وسیع ظرفی پر مبنی تھی۔ وہ اپنی اس حکمت عملی کا چند جملوں میں اس طرح اظہار کرتے ہیں: جس جگہ کوڑا کافی ہو میں وہاں تلوار استعمال نہیں کرتا، اور جہاں میری زبان کام دے جائے میں وہاں کوڑا استعمال نہیں کرتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان تعلقات کا ایک بال بھی باقی رہ جائے تو وہ ٹوٹ نہیں پائے گا، اگر وہ اسے کھینچیں گے تو میں اسے ڈھیلا کر دوں گا اور جب وہ اسے ڈھیلا کریں گے تو میں اسے کھینچ لوں گا۔ ❸
یہ ایک حکیمانہ اور دانش مندانہ سیاست ہے جس میں حدود کے اندر رہ کر بات کرنے کی کھلی آزادی ہوتی ہے۔ جب زبان کی جگہ مال کفایت کرتا تو معاویہ رضی اللہ عنہ اس پر اعتماد کرتے۔ جس جگہ زبان سے کام نکلتا وہ اس جگہ کوڑا استعمال نہ کرتے اور جہاں کوڑا کام نکال سکتا وہاں تلوار استعمال نہ کرتے۔ ❹

ایک دفعہ زیاد کا آزاد کردہ غلام سلیم معاویہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں زیاد پر فخر کرنے لگا تو انہوں نے فرمایا: خاموش ہو جا تیرا مرحب (زیاد) تلوار سے بھی وہ چیز حاصل نہیں کر سکتا جس سے کہیں زیادہ میں زبان سے حاصل کر لیتا ہوں۔ ❺

❶ تاریخ ابن خلدون: ۳/ ۱۷ .
❷ اثر الحیاة السیاسیة فی الدولة الاموية، ص: ٦٧١ ـ الطبقات الكبرى: ٧/ ٤٢٠ .
❸ السلطان لابن قتيبة، ص: ٥١ .
❹ السّلطه و المعارضة فی الاسلام، زهیر هواری، ص: ٢٦٢ .
❺ السلطان لابن قتيبة، ص: ٥٣ .

دوسری بحث:

معاویہ رضی اللہ عنہ کا امور مملکت کی براہ راست نگرانی کرنا اور استحکام امن کے لیے کوشاں رہنا

اولاً:...... معاویہ رضی اللہ عنہ کا امور مملکت کی براہ راست نگرانی کرنا

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی داخلی سیاست جن بنیادوں پر قائم تھی ان میں ایک یہ تھی کہ آپ مختلف امور مملکت کی بنفس نفیس نگرانی کیا کرتے اور مملکت میں رونما ہونے والی ہر چھوٹی بڑی بات سے آگاہ رہتے تھے۔ اگرچہ انہیں اس زمانے کے بڑے بڑے ماہرین کا تعاون حاصل تھا مگر وہ ان پر انحصار نہیں کرتے تھے، بلکہ انہوں نے اپنا سارا وقت اور تمام صلاحیتیں مسلمانوں کی مصالح کے لیے وقف کر رکھی تھیں۔ [1]

ا۔ روزانہ مجلس:

معاویہ رضی اللہ عنہ ہر روز پانچ دفعہ منظر عام پر آتے صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد قصہ گو لوگوں کے پاس بیٹھتے ان سے فارغ ہو کر اندر جاتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے، پھر گھر جاتے، امر ونہی کا فریضہ سرانجام دیتے، پھر چار رکعت نماز ادا کرتے اور اس کے بعد اپنی مجلس میں تشریف لے آتے۔ اپنے مقربین کو اپنے پاس بلاتے اور ان سے ضروری بات چیت کرتے، اس دوران ان کے وزراء ان سے ملاقات کے لیے آتے اور دن بھر کے معاملات کے بارے میں ان سے گفتگو کرتے، پھر ناشتہ کرتے اور بعد ازاں دیر تک بات چیت کا سلسلہ جاری رکھتے، پھر جب چاہتے گھر جاتے اور جب باہر آتے تو اپنے غلام کو کرسی لانے کا حکم دیتے اور مقصورہ کی طرف کمر کر کے بیٹھ جاتے ان کے پہرے دار اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاتے، ضرورت مند عورتیں، بچے، بوڑھے اور اعرابی آپ کے سامنے پیش ہو کر اپنے اپنے مسائل اور مشکلات بیان کرتے اور آپ ان کی داد رسی کے لیے الگ الگ احکام جاری کرتے، جب تمام سائلین واپس چلے جاتے تو بااثر لوگوں کو ملاقات کے لیے بلاتے، وہ انہیں سلام کہتے ہوئے اندر آتے اور آپ ان کے سلام کا جواب دیتے، پھر جب وہ مجلس میں بیٹھ جاتے تو فرماتے: تمہیں شرفاء اس لیے کہا جاتا ہے کہ تم لوگوں کو دوسروں سے ہٹ کر اس مجلس میں شرکت کا شرف بخشا گیا ہے، جو لوگ ہم تک نہیں پہنچ سکتے ان کے مسائل سے ہمیں آگاہ کیا کرو، اس پر ایک آدمی اٹھ کر کہتا کہ فلاں شخص شہید ہو گیا ہے۔ آپ فرماتے کہ اس کے بچوں کا وظیفہ مقرر کر دو۔ دوسرا بتاتا کہ فلاں شخص اپنے اہل وعیال سے بہت دور ہے۔ آپ فرماتے ان کی ضروریات پوری کرو اور ان کی خدمت کرو...... پھر کھانا لایا جاتا اور ادھر سے ان کا کاتب بھی آ جاتا، لوگ آتے

[1] العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۱۱۷.

جاتے، کھانا تناول کرتے اور امیر المومنین کے سامنے اپنی اپنی درخواستیں پیش کرتے، کاتب انہیں پڑھتا اور معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی دادرسی کے لیے موقع پر احکام جاری کرتے جاتے یہاں تک کہ وہ سب لوگوں سے فارغ ہو جاتے، اس دوران کئی کئی لوگ آپ کے دسترخوان سے سیر شکم ہوکر کھانا کھاتے اور پھر واپس لوٹ جاتے۔ پھر آپ گھر تشریف لے جاتے، ظہر کی اذان ہونے پر باہر آتے، نماز ادا کرتے اور پھر خاص الخاص لوگوں کو ملاقات کی اجازت دیتے اور موسم کے مطابق مأکولات ومشروبات سے ان کی تواضع کرتے، اس دوران وزراء بھی ملاقات کرتے اور باقی ماندہ دن کی ضروریات کے لیے ان سے مشاورت کرتے اور یہ سلسلہ نماز عصر تک جاری رہتا، عصر کی نماز کے بعد گھر تشریف لے جاتے، غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے باہر آتے، پھر اپنے تخت پر بیٹھ جاتے اور لوگوں کو ان کے مراتب کے مطابق ملاقات کی اجازت دیتے۔ پھر رات کا کھانا لایا جاتا جس سے نماز مغرب تک فارغ ہو جاتے۔ پھر نماز مغرب ادا کرنے کے بعد چار رکعت نوافل ادا کرتے جن میں سے ہر رکعت میں پچاس آیات کی تلاوت کرتے، پھر گھر تشریف لے جاتے یہاں تک کہ عشاء کی اذان دی جاتی۔ اذان کے بعد باہر آتے، نماز عشاء ادا کرتے اور پھر اپنے مقربین، وزراء اور حاشیہ برداروں سے ملاقات کی غرض سے بیٹھ جاتے۔ وزراء آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آغاز شب کے ضروری امور کے لیے آپ سے مشورہ کرتے۔ آپ ایک تہائی رات تک عرب وعجم کے اخبار وایام، ان کے حالات وواقعات، ان کے بادشاہوں، ان کی سیاست، مختلف اقوام کے عادات واطوار، رعایا کے بارے میں ان کی سیاسی حکمت عملی اور ان کی جنگوں کے بارے گفتگو کرتے، پھر ان کے اہل خانہ کی طرف سے ان کے پاس حلوہ وغیرہ پر مشتمل ہلکے پھلکے کھانے بھجوائے جاتے اور پھر سونے کے لیے گھر تشریف لے جاتے۔ رات کے دوسرے ثلث تک نیند لیتے اور پھر رات کے آخری ثلث میں مختلف بادشاہوں کی سیرت وکردار، ان کی جنگوں اور ان کی قومی اور ملکی خدمات وسیاست پر مشتمل کتابیں انہیں پڑھ کر سنائی جاتیں۔ انہوں نے اس کے لیے کچھ غلاموں کا تقرر کر رکھا تھا جو اس قسم کا مواد پڑھتے، اسے یاد کرتے اور پھر انہیں سنایا کرتے تھے، اس طرح ہر رات انہیں اخبار وسیر اور آثار امم پر مشتمل مواد سننے کو ملتا۔ صبح کی نماز کا وقت ہوتا تو نماز ادا کرتے اور پھر گزشتہ دن کی طرح یہ دن بھی گزار دیتے۔ اگرچہ ان کے بعد عبدالملک بن مروان وغیرہ نے ان کے اس طریقہ کار کی پیروی کی مگر وہ ان جیسے حلم وحوصلہ، اتقان سیاست اور معاملات تک رسائی جیسے اوصاف سے عاری تھے، وہ لوگوں کے حسب مراتب ان کی خاطر ومدارات کرنے اور شفقت ورحمت سے کام لینے کی خوبیوں سے بھی تہی دامن تھے۔ [1]

۲۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت مرکزی دواوین:

ا: دیوان رسائل:...... یہ ادارہ خلیفہ کے خطوط، احکام، عہود، وصایا اور دیگر سرکاری دستاویزات کی نگرانی کا

---

[1] اشهب اللامعة في السياسة النافعة، ص: ۳۰۹.

[1] الشهب اللامعة، ص: ۳۱۰، ۳۱۱۔ مروج الذهب: ۳/ ۲۲۰، ۲۲۲.

فریضہ سرانجام دیتا تھا جو اقالیم اسلامیہ میں ان کے ملازمین اور عہدے داروں اور ان بیرونی شہروں سے متعلق ہوتے جن کا مملکت اسلامیہ کے ساتھ کوئی تعلق ہوتا۔ ❶ معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں دیوان رسائل کے مشہور نگرانوں اور کاتبوں میں عبداللہ بن اوس غسانی اور زمل بن عمرو عذری کے نام سرفہرست ہیں۔ یہ دونوں کاتب یزید اوّل کی حکومت کے دوران بھی کتابت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ ❷ یہ دیوان امراء، فوجی کمانڈروں، قاضیوں اور ان قبائل کے زعماء سے رابطہ کا موثر ذریعہ تھا جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے تابع تھے اور ان کی براہ راست نگرانی میں مختلف امور سرانجام دیا کرتے تھے۔

ب: دیوان الخاتم:......اس دیوان کے قیام کا مقصد سرکاری احکامات وخطوط کو خائن اور جعل ساز قسم کے لوگوں سے بچانا ❸ اور محفوظ طریقہ سے متعلقہ لوگوں تک پہنچانا تھا، دارالخلافہ اور مملکت اسلامیہ کے صوبوں کے درمیان آمدن واخراجات کے حسابات سے متعلق احکامات ومراسلات کی تحقیق کے لیے حکومت اس دیوان پر اعتماد کرتی تھی۔ ❹ مزید برآں دیوان دوسرے محکمہ جات اور ان کے جاری کردہ احکامات کی نگرانی کرتا اور ان میں پائی جانے والی غلطیوں کی نشاندہی کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔ یہ دیوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی مہر سے یکسر مختلف تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر کا مطلب مہر کے ساتھ دستخط کرنا تھا، جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور اموی دور حکومت کا یہ دیوان دیگر دواوین کے جاری کردہ اعمال واحکام کی تحقیق وتفتیش کی مشینری کی حیثیت رکھتا تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی سرکاری مہر کے انچارج عبداللہ بن محصن حمیری تھے اور یہ مہر بنوانے کا سبب یہ بنا کہ ایک دفعہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن زبیر رضی اللہ عنہما کی مدد اور اس کے قرض کی ادائیگی کے لیے ایک لاکھ درہم دینے کا حکم جاری کیا اور اس کے لیے عراق کے گورنر زیاد بن ابیہ کے نام خط لکھا، مگر عمرو بن زبیر رضی اللہ عنہما نے جعل سازی کرتے ہوئے ایک لاکھ کو دو لاکھ میں تبدیل کر دیا۔ زیاد نے اس رقم کی ادائیگی کر دی مگر جب اس کا حساب معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس پر اعتراض لگا دیا، جس پر زیاد نے اسے گرفتار کروا کر اس سے رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا جس کی ادائیگی اس کی طرف سے اس کے بھائی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کی۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیوان الخاتم کا محکمہ قائم کیا اور خطوط کو سیل بند کیا جانے لگا جبکہ قبل ازیں یہ طریقہ مروج نہیں تھا۔ ❺

درحقیقت دیوان خاتم قائم کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں دولت اسلامیہ کی جغرافیائی حدود میں بڑی وسعت ہوگئی تھی اور خلیفہ کو اپنے عمال، قائدین اور حکومتی اہلکاروں

---

❶ ادارة بلاد الشام في العهدين الراشدي و الاموي، ص: ١٢٤ .

❷ ایضا، ص: ١٥٦ .

❸ الدولة الاموية المفترى عليها، ص: ٤٣٣ .

❹ ادارة بلاد الشام، ص: ١٧٠ .

❺ الادارة في العصر الاموي، ص: ٢٨٧، مرويات خلافة معاوية، ص: ٧٥ .

کے ساتھ پرامن انداز میں خفیہ روابط کی شدت سے ضرورت محسوس ہونے لگی تھی۔ ❶

ج: دیوان البرید:...... مورخین کا کہنا ہے کہ دولت اسلامیہ میں سب سے پہلے دیوان البرید (محکمہ ڈاک) قائم کرنے کا سہرا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے سر ہے، ان کے حکم سے متعدد مقامات پر تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے جنہیں سرکاری اہل کار مختلف خبریں اور سرکاری احکامات و خطوط ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لیے استعمال کیا کرتے۔ ❷ بعض مصادر اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ چیز رومیوں سے اخذ کی۔ ❸ چونکہ ان کے زمانہ خلافت میں دولت اسلامیہ کا دائرہ وسیع ہو گیا تھا اور اس تناسب سے ان کے اعمال میں بھی وسعت اور تنوع آ گیا تھا، لہٰذا اس محکمہ کے قیام کی شدید ضرورت محسوس کی جانے لگی، پھر اموی خلفاء نے مواصلات کے راستوں کو بہتر بنایا، یہ راستے واضح بھی تھے اور سبھی کے علم میں بھی۔ ان راستوں کی عمدگی کی دلیل یہ ہے کہ مختلف علاقوں سے مختلف خبریں بڑی سرعت کے ساتھ شام میں قائم دار الخلافہ میں پہنچ جاتیں۔ ❹ محکمہ ڈاک صرف سرکاری خدمات ہی سرانجام نہیں دیتا تھا بلکہ بعض اوقات لوگوں کے خطوط بھی ایک شہر سے دوسرے شہر تک پہنچانے کی ذمہ داری نبھایا کرتا تھا۔ ❺ معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں حکومت امن اور جنگ دونوں طرح کے حالات میں اس محکمہ سے فائدہ اٹھاتی جس کے ملازم اعلیٰ کا ان کے اعوان و انصار میں شمار ہوتا تھا۔ نصر بن زبیان اور کمیت کا نام اس محکمہ کے ملازمین کے طور سے لیا جاتا ہے۔ یہ دونوں معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام میں شام اور حجاز کے درمیان خبروں کی ترسیل کے ذمہ دار تھے۔ ❻ اس وقت حرکت و نقل کے اہم وسائل ❼ خچر اور گھوڑے تھے۔ ❽

معاویہ رضی اللہ عنہ کو اسلام میں اس محکمہ کے بانی کی حیثیت حاصل ہے۔ قبل ازیں خلیفہ کے خطوط قاصد کے ذریعے بھیجے جاتے تھے جنہیں وہ خود ہی متعلقہ لوگوں تک پہنچایا کرتا اور پھر خود ہی انہیں پڑھ کر سنایا کرتا اور اس کے لیے ایک طویل عرصہ درکار ہوتا۔ جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیزنطیوں سے اخذ کردہ نظام ہر اس امر کا متقاضی تھا کہ راستوں پر منزلیں مقرر کر دی جائیں ہر منزل پر تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار کیے جائیں اور انہیں استعمال کرتے ہوئے سرکاری اہل کار خلیفہ کے خطوط مختصر مدت میں مختلف مقامات پر متعلقہ لوگوں تک پہنچائیں اور عملاً یہی کچھ کیا گیا۔ دو منزلوں کی درمیانی مسافت تقریباً بیس کلومیٹر ہوا کرتی تھی جسے برید کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا چونکہ سرکاری اہل کار منزل بمنزل تبدیل ہوتے رہتے تھے، لہٰذا اس مسافت کو بڑی آسانی کے ساتھ طے کر لیا جاتا۔ ❾ ابو ہلال عسکری رقم طراز ہیں: اسلام میں برید کا آرام دہ اور اہم نظام معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے وضع کیا جسے

❶ مرویات خلافة معاوية، ص: ٧٦. ❷ ادارة بلاد و شام، ص: ١٧٤.
❸ ايضا، ص: ١٧٤. ❹ ايضا، ص: ١٧٥.
❺ ايضا، ص: ١٧٥. ❻ ايضا، ص: ١٧٦.
❼ ايضا، ص: ١٧٦. ❽ العيون و الحدائق: ٣/ ٨٢، ادارة بلاد الشام، ص: ١٧٦.
❾ الامويون بين الشرق و الغرب: ١/ ١٠٠.

عبدالملک نے مزید مستحکم کیا۔ ❶

س: نظام کاتبین:...... اس دور میں متعدد دیوان تھے اور ہر دیوان کا ایک کاتب (سیکرٹری) ہوا کرتا تھا۔ دیوان رسائل کا کاتب الگ تھا اور دیوان خراج کا الگ، صیغہ آرمی کا کاتب اپنا تھا اور صیغہ پولیس کا اپنا، اسی طرح دیوان قضاء کا بھی ایک کاتب تھا، خلیفہ جو حکم جاری کرتا اسے سیل بند کر کے دیوان خاتم کے سپرد کر دیا جاتا اور پھر اس پر صاحب دیوان کی مہر ثبت کر دی جاتی۔ ❷ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ سے لے کر عہد عباسی کے وسط تک دیوان خاتم سب سے بڑا اور اہم دیوان تھا۔ ❸ یہ مختلف دواوین وزارت مال، (دیوان الخراج) وزارت دفاع (وزارت الجند)، وزارت داخلہ (دیوان شرطہ) وزارت عدل (وزارۃ القضاء) کی ذمہ داریاں ادا کرتے، دیوان رسائل سیکرٹیریٹ اور دیوان خاتم نقول تیار کرنے اور انہیں سنبھال کر رکھنے کا ذمہ دار تھا اور ہر دیوان کے ملازمین بڑے بڑے ماہر کاتبین ہوا کرتے تھے۔ دیوان خراج عراق میں فارسی زبان میں کام کرتا جبکہ شام اور مصر میں رومی زبان میں، یہ معاملہ اسی طرح ہی چلتا رہا یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان نے ان کی زبان عربی کر دی۔ ❹

ثانیاً:...... معاویہ کا اپنی خلافت کے ایام میں امن وامان کے استحکام پر حریص ہونا

معاویہ رضی اللہ عنہ کی داخلی سیاست کا اہم ترین اصول عالم اسلامی کے گوشے گوشے میں امن وامان کی صورت حال کو مستحکم کرنا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے متعدد وسائل اختیار کیے جن کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے:

۱۔ پہرے دار:...... ظہورِ اسلام کے بعد معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے سب سے پہلے ذاتی پہرے دار مقرر کیے جس سے مقصود زیادتی کی کوششوں سے بچنا تھا۔ ❺ اس تاریخی دور میں ان کے بعض شاہانہ مظاہر بھی اس کا جواز فراہم کرتے تھے۔ اس بارے میں ابن خلدون فرماتے ہیں: ریاست میں پہرے داری اور لوگوں سے پردے میں رہنے کی رسم کا آغاز ہوا، اس لیے کہ خلفاء کو خوارج وغیرہم کے اچانک حملوں کا خوف لاحق رہتا تھا۔ جیسا کہ عمر، علی، معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم وغیرہم کے ساتھ ہوا، لہٰذا انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے کچھ لوگوں کا تقرر کیا اور انہیں حاجب کے نام سے موسوم کیا۔ ❻ پھر اسی مقصد کے تحت مقصورات بنانے، رات کے وقت حفاظتی ذمہ داریاں دینے والے چوکیدار بھرتی کرنے اور ایسی پولیس قائم کرنے کا حکم دیا جو نماز پڑھتے وقت ان کے پاس موجود رہے۔ ❼ مزید برآں چونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنو امیہ کے لوگ اپنے

---

❶ الاوائل، ص: ۲۳۷۔ ❷ تاریخ الاسلام: ۱/ ۴۵۸۔
❸ ایضا: ۱/ ۴۵۹۔ ❹ الامویون بین الشرق و الغرب: ۱/ ۱۰۲۔
❺ ادارة بلاد الشام، ص: ۱۰۲۔ ❻ تاریخ ابن خلدون: ۲/ ۱۴۹-۱۵۰۔
❼ تاریخ طبری: ۶/ ۶۵۔

رومی دشمنوں سے قریب شام میں رہتے تھے، دوسری طرف ملک کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے روافض اور خوارج بھی ان کے دشمن تھے، لہٰذا جس دولت اسلامیہ کے تین خلفاء کو ان جیسے لوگوں کی وجہ سے زندگی سے ہاتھ دھونے پڑے اس میں امن وامان کی صورت حال کو قائم رکھنے کے لیے اس قسم کے حفاظتی انتظامات کی اشد ضرورت تھی۔ ❶

مورخین نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حاجب کی ذمہ داریاں ادا کرنے والے ان لوگوں کے نام گنوائے ہیں: سعد، ابو ایوب اور صفوان۔ ❷ حاجب کی تقرری کے لیے شرط یہ تھی کہ وہ لوگوں کے سماجی مقام ومرتبہ، ان کے خاندان اور طبقات سے بخوبی آگاہ ہو، تاکہ اسے معلوم ہو کہ اس نے کس آدمی کو ان سے ملاقات کی اجازت دینا ہے اور کسے نہیں، اس بات کی تائید بہت ساری روایات سے ہوتی ہے۔ جب شریک حارثی معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اس سے پوچھا: تو کون ہے؟ اس پر شریک کہنے لگا: امیر المومنین! میں نے آج سے پہلے آپ کو ایسا کرتے نہیں دیکھا، کیا آپ جیسا آدمی اپنی رعیت میں مجھ جیسے آدمی کے لیے اجنبیت کا اظہار کر سکتا ہے۔ یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیری پہچان متفرق ہے۔ میں چہروں میں تیرے چہرے اور ناموں میں تیرے نام کو پہچانتا ہوں لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ کیا اس چہرے کا وہی نام ہے جو مجھے بتایا گیا ہے۔ ❸ جب کوئی شخص خلیفہ سے ملاقات کے لیے آتا تو حاجب خلیفہ کو اس کی آمد سے مطلع کرتا پھر خلیفہ خود فیصلہ کرتا کہ اسے ملاقات کی اجازت دینا ہے یا نہیں۔ ایک دن احنف بن قیس اور محمد بن اشعث معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے دروازے پر کھڑے تھے کہ آپ نے پہلے احنف کو اور پھر محمد بن اشعث کو ملاقات کی اجازت دی۔ مگر ابن الاشعث تیز تیز چلتے ہوئے احنف سے آگے نکل گیا اور اس سے پہلے اندر داخل ہو گیا، جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھی تو پریشان سے ہو گئے، پھر احنف کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے: واللہ! میں نے اسے تم سے پہلے ملاقات کی اجازت نہیں دی تھی، ہم تمہارے آداب کی پوری پوری رعایت رکھتے ہیں، یوں تیز چل کر آگے بڑھنے والا اپنے اندر موجود کسی نقص کی وجہ سے ایسا کرتا ہے۔ ❹

۲۔ حراست:...... معاویہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے دولتِ اسلامیہ میں حراست وحفاظت کا بندوبست کیا اور ایسا خوارج کے خوف کی وجہ سے کیا گیا جو ان کے قتل کے درپے تھے، چنانچہ انہوں نے جامع مساجد میں مقصورات بنانے کا حکم دیا جن میں ان کے قابل اعتماد اور ان کے محافظ دستے کے لوگ ہی داخل ہو سکتے تھے۔ ❺ مقصورات کے قیام کا مقصد ان کے حفاظتی انتظامات کو مزید سخت بنانا تھا۔ ❻ بعض تاریخی کتب میں

---

❶ الدولة الاموية المفترى عليها، ص: ۲۷۱.

❷ ادارة بلاد الشام فى العهدين، ص: ۱۰۳۔ البداية و النهاية: ۱۱/ ٤٦٥.

❸ عيون الاخبار: ۱/ ۹۰. ❹ العقد الفريد: ۱/ ٦۸، ادارة بلاد الشام، ص: ۱۰۸.

❺ ادارة بلاد الشام، ص: ۱۱۱. ❻ ايضاً

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں حفاظتی دستے کے سربراہوں کے نام بھی ذکر کیے گئے ہیں، اور وہ ہیں: مختار [1]، ابوالمخارق [2] اور یزید بن حارث عبسی۔ [3]

۳۔ پولیس:...... اس کا مقصد اندرونِ ملک امن و امان قائم رکھنا، چوروں، جرائم پیشہ لوگوں اور فسادیوں کو گرفتار کرنا اور خلیفہ کا دفاع کرنا تھا، پولیس کسی بھی بیرونی حملے کو روکنے کی ذمہ دار نہیں تھی۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے پولیس کا ادارہ شام میں منظّم کیا اور پھر اسے مزید ترقی بھی دی۔ مؤرخین نے اس ادارے کے سربراہوں کے مندرجہ ذیل چار نام گنوائے ہیں: قیس بن ہمزہ ہمدانی، زمل بن عمرو عذری، ضحاک بن قیس فہری اور یزید بن حر عبسی۔ [4] پولیس کا دائرہ کار صرف دار الخلافہ تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ اسے دوسری اسلامی ولایات میں بھی متعین کیا گیا تھا، صوبوں میں پولیس مقامی گورنروں کے ماتحت ہوتی تھی، پولیس اہل کاروں کے انتخاب اور تعین کے اختیارات بھی انھی کے پاس تھے۔ پولیس کا وجود حکومت اور معاشرہ دونوں کے لیے بڑی اہمیت کا حامل تھا، حکومت سرکش لوگوں، شورشوں اور بے امنی کے ماحول کو ختم کرنے کے لیے پولیس پر ہی اعتماد کرتی اور اس کی ہی خدمات سے فائدہ اٹھایا کرتی تھی، پولیس معاشرے کے لیے بھی بڑی اہمیت رکھتی تھی اس لیے کہ امن و استقرار کا قیام اس کی اولیں ذمہ داری تھی اور لوگوں کے مال جان اور ان کے دیگر حقوق کے تحفظ کے حوالے سے ساری ذمہ داریاں اسی پر عائد ہوتی تھیں۔ اموی خلفاء پولیس کے سربراہوں کو بلاد شام کے داخل و خارج میں مختلف اعمال کی انجام دہی کے لیے ذمہ دار ٹھہرایا کرتے تھے۔ مثلاً معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضحاک بن قیس کو اس امر کے لیے پابند کیا تھا کہ وہ یزید کے لیے ان کی وصیت لوگوں تک پہنچائیں اور اس کے لیے بیعت لیں۔ [5]

۴۔ **اعوان و انصار اور رجال کا اچھا انتخاب:**...... معاویہ رضی اللہ عنہ کو ارباب دانش و بینش اور بارعب لوگوں میں قابل اعتماد اور انتظامی تجربہ رکھنے والے رجال کار کے انتخاب کی صلاحیتوں سے نوازا گیا تھا، ان میں سے چند نام بطور مثال مندرجہ ذیل ہیں: عمرو بن العاص سہمی، مغیرہ بن شعبہ ثقفی، یزید بن حر عبسی، ضحاک بن قیس فہری، عبداللہ بن عامر بن کریز اور اہم جنگی قائدین میں سے مہلب بن ابوصفرہ، عقبہ بن نافع فہری، مالک بن ہبیرہ اور جنادہ بن امیہ ازدی جیسے لوگ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: میں اچانک پیش آمدہ امور کے لیے، معاویہ رضی اللہ عنہ بردباری اور حوصلہ کے لیے، مغیرہ پیچیدہ امور کے لیے اور زیاد چھوٹے بڑے امور کے لیے ہیں۔ [6]

مذکورہ صدر لوگوں نے اسلامی فتوحات، دولت اسلامیہ کے انتظامی امور اور اس کے دشمنوں کے تعاقب کے حوالے سے گرانقدر خدمات سرانجام دیں، ان لوگوں نے ملک میں امن و امان کے قیام و استحکام اور اموی

---

[1] البدایة و النهایة: ۱۱/ ۴۶۵ .
[2] ادارة بلاد الشام، ص: ۱۱۷۔ العقد الفرید: ۴/ ۳۶۲ .
[3] ایضا، ص: ۱۱۵ .
[4] ادارة بلاد الشام فی العهدین، ص: ۱۱۷ .
[5] ایضا، ص: ۱۲۳ .
[6] انساب الاشراف: ۴/ ۱/ ۱۳۱ .

خلافت کی پائیداری میں بڑا اہم اور ممتاز کردار ادا کیا تھا۔ ❶

۵۔ **لوگوں کے دل جیتنے اور اعوان و انصار کی وفاداریوں کو یقینی بنانے کے لیے مال و زر کا استعمال:**
...... معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار عرب کے بڑے سخی لوگوں میں ہوتا ہے، وہ مال و زر اور عطیات کے ذریعے لوگوں کے دل جیتنے میں یدِطولیٰ رکھتے تھے، خاطر و مدارات میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، اگر انہیں کسی آدمی کی طرف سے کوئی غیر پسندیدہ خبر ملتی تو مال کے ساتھ اسے خاموش کروا دیتے (اس کی ضرورت پوری کر دیتے) ❷

٦۔ **حالات وظروف کے مطابق بیک وقت سختی اور نرمی پر مبنی سیاست:**...... اموی خلافت کو استحکام حاصل ہو جانے کے بعد سیاست کا یہ انداز واضح شکل میں سامنے آیا۔ اس بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن آبیہ کو لکھا: ہم دونوں کے لیے ایک ہی انداز میں سیاست کرنا موزوں نہیں ہے۔ اگر ہم دونوں سختی کریں گے تو لوگوں کو تباہی سے دوچار کر دیں گے اور اگر دونوں نرمی کا مظاہرہ کریں گے تو وہ اترانے لگیں گے، ہونا یوں چاہیے کہ جب تو نرمی کرے تو میں سختی کروں، اور اگر میں سختی کروں تو تو نرمی کرے۔ ❸ اس قسم کی سیاست کے بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف یہ اقوال منسوب ہیں: میں اس جگہ کوڑا نہیں رکھتا جس جگہ میری زبان کام دے جائے اور اس جگہ تلوار نہیں رکھتا جس جگہ میرا کوڑا کام دے جائے اور جس جگہ تلوار سے کام لینا ضروری ہو وہاں اس کا استعمال ضرور کرتا ہوں۔ ❹ ان کا مشہور قول ہے: اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی رشتہ باقی رہ جائے تو وہ ٹوٹ نہیں پائے گا۔ اگر وہ اسے کھینچیں گے تو میں ڈھیلا کر دوں گا اور اگر وہ اسے ڈھیلا چھوڑ دیں گے تو میں اسے کھینچ لوں گا۔ ❺

۷۔ **باہم مفادات پر مبنی سیاست اپنانا:**...... خلافت راشدہ جیسی سیاست اپنانا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دولت اسلامیہ میں وسعت آ جانے کے بعد مال و دولت کی کثرت نے بہت سارے مسلمانوں کو اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ وہ اپنے جی میں دنیوی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کی خواہش پالنے لگے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا اظہار کرتے ہوئے واضح طور سے فرمایا: میں نے ایسا طریقہ اپنایا ہے جس میں میرا بھی فائدہ ہے اور تمہارا بھی۔ جب تک سیرت درست رہے گی اور اطاعت اچھی رہے گی ہر ایک کو اچھی اشیاء خورد و نوش میسر آتی رہیں گی۔ اگر میں تم سے اچھا نہیں ہوں تو تمہارے لیے اچھا ضرور ہوں۔ ❻

۸۔ **اپنی ذات اور اپنی خلافت کی تعریف و توصیف پر مبنی تشہیر اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی اطلاعاتی سیاست اپنانا:**...... معاویہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: لوگوں کے دلوں میں میری سب سے زیادہ محبت

---

❶ الجذور التاريخية للأسرة الأموية، ص: ١٠١ .
❷ ایضا، ص: ١٠٢ .
❸ انساب الاشراف: ٤/ ١/ ٨٤ .
❹ الجذور التاريخية للأسرة الأموية، ص: ١٠١ .
❺ انساب الاشراف: ٤/ ١/ ٢١ .
❻ سير اعلام النبلاء: ٣/ ١٤٨ .

پیدا کرنے والا مجھے سب سے زیادہ پیارا لگتا ہے۔ ❶ ان کی اس سیاست کو ان کے بعد اموی خلفاء نے بھی اپنائے رکھا۔ انہوں نے دسیوں شعراء کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے ان کے لیے تجوریوں کے منہ کھول دیئے جس کے صلے میں انہوں نے ان کی تشہیر کرنے، خلافت پر ان کا حق ثابت کرنے اور ان کی اطاعت و نصرت کے وجوب کے اثبات کے لیے اپنی تمام تر شاعرانہ صلاحیتیں وقف کر ڈالیں۔ ❷ اسی پس منظر میں مشہور اموی شاعر اخطل کہتا ہے:

تمت جدودهم و الله فضلهم   و جدّ قوم سواهم خامل نكد

و انتم اهل بيت لا يوازنهم   بيت اذا عُدّت الاحساب و العدد ❸

''ان کے نصیب پورے ہیں اور اللہ نے انہیں فضیلت عطا فرمائی ہے جبکہ ان کے علاوہ دوسروں کے نصیب بے وقعت و گم نام ہیں، تم وہ گھر والے ہو کہ جب عز و شرف اور تعداد کو شمار کیا جائے تو کوئی بھی گھر اس کا ہم پلہ نہیں ہے۔''

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اعلام و اطلاع کے اس فن کو بڑی اہمیت دی اور اسے بھرپور انداز میں استعمال کرنے کے لیے اسے اپنے حامی چند لوگوں کے سپرد کر دیا۔ آپ شعراء اور مختلف قبائل کے شیوخ کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے انہیں عطیات سے نوازتے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ماتحت امراء اور والیوں کو سیاسی، اعلامی اور مقاصد امن کے حصول کے لیے وسیع اختیارات دے رکھے تھے والی بصرہ زیاد نے بصرہ کے تقریباً پانچ صد سر کردہ لوگوں کی وفاداریاں حاصل کر رکھی تھیں جنہیں وہ تین سو سے لے کر پانچ سو درہم تک ادا کیا کرتا تھا۔ ❹ اس کے بارے میں حارثہ بن بدر غدانی کہتا ہے:

ألا من مبلغ عني زيادا   فنعم اخو الخليفة و الامير

فانت إمام معدلة و قصد   و حزم حين تحضرك الامور

اخوك خليفة الله بن حرب   و أنت وزيره نعم الوزير ❺

''میری طرف سے زیاد کو یہ پیغام کون پہنچائے گا کہ تو خلیفہ کا بہت اچھا بھائی اور امیر ہے
تو عدل و اعتدال اور حزم و دانائی والا امیر ہے جب تجھے امور کا سامنا کرنا پڑے
تیرا بھائی ابن حرب اللہ کا خلیفہ ہے اور تو اس کا بڑا اچھا وزیر ہے۔''

معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے حلم و حوصلہ اور عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے شعراء کی ناراضی ختم کرنے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے، انہیں عزت دیتے، ان کے ساتھ محبت کا اظہار کرتے اور ان کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی روا

---

❶ الجذور التاريخية، ص: ١٠٢.   ❷ ايضا، ص: ١٠٢، تاريخ طبرى: ٦/ ٢٥٥.

❸ التطور و التجديد في الشعر الاموى، شوقى ضيف، ص: ١٣٤.

❹ تاريخ طبرى: ٦/ ١٣٩.   ❺ ايضا: ٦/ ١٣٩.

نہ رکھتے اور اسی طرح وہ انہیں اپنی صف میں شامل کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ یاد رہے کہ اس وقت شعراء کی اہمیت عصر حاضر کے ذرائع ابلاغ سے کم نہ تھی۔

۹۔ **اطلاعاتی مشینری:**...... معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں داخلی اور خارجی امن و امان قائم رکھنے کی مشینری بڑی فعال تھی۔ معلومات اکٹھی کرنے کی جس کی صلاحیت ایک مسلمہ امر تھی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اس اطلاعاتی مشینری کی بذاتِ خود نگرانی کرتے، انہوں نے حکمرانوں اور رعیت کی نگرانی کے لیے ایک مربوط اور خفیہ نظام وضع کر رکھا تھا۔ ہر علاقہ کے ہر عامل اور امیر لشکر پر ایک جاسوس کو متعین کیا جاتا جو انہیں اس کی حرکات و سکنات سے آگاہ کرتا رہتا، خفیہ سراغ رسانی کا یہ نظام اندرون ملک ہی نہیں بلکہ بیرون ملک بھی سرگرم عمل تھا، مثلاً

ا۔ **حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اہل عراق کے درمیان ہونے والی خط و کتابت سے آگاہی:**...... حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد شیعہ سلیمان بن صرد کے گھر اکٹھے ہوئے اور ان کی وفات پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تعزیتی خط لکھا، انہوں نے اس خط میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اخلاق عالیہ سے نوازا ہے، ہم تمہارے شیعہ ہیں، تمہاری مصیبت ہماری مصیبت، تمہارا غم ہمارا غم ہے اور تمہاری خوشی میں ہماری خوشی ہے، ہم تمہارے حکم کے منتظر ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کے خطوط کا یہ جواب دیا: میں امید کرتا ہوں کہ صلح کا عمل اور ظالم لوگوں کے خلاف میرے بھائی کی رائے صائب اور درست ہوگی، جب تک ابن ہند زندہ ہے اپنے ارادوں کا اظہار نہ کرو، زیر زمین چلے جاؤ اور اپنے آپ کو چھپا کر رکھو، اگر میری زندگی میں کوئی حادثہ رونما ہوا تو ان شاء اللہ میری رائے تم تک پہنچ جائے گی۔ [1]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اہل کوفہ کے درمیان ہونے والی اس خط و کتابت نے بنو امیہ کے لیے خطرات کی گھنٹی بجا دی، چنانچہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشورہ کرنے کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھا، جس کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ وہ کسی بھی صورت حسین رضی اللہ عنہ سے تعرض نہ کریں۔ [2] معاویہ رضی اللہ عنہ اس خط و کتابت، حسین رضی اللہ عنہ اور کوفیوں کے درمیان مضبوط تعلقات سے بخوبی آگاہ تھے، اسی وجہ سے انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ اللہ سے ڈریں، مسلمانوں کی وحدت کو نقصان نہ پہنچائیں اور ان کے معاملہ میں اللہ کو یاد رکھیں۔ [3]

اس حوالے سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا موقف بالکل واضح تھا، انہوں نے صاف صاف اعلان کرتے ہوئے فرمایا: ہم بیعت کر چکے اور صلح کا معاہدہ کر چکے اب ہم کسی بھی صورت نقض بیعت نہیں کریں گے۔ [4] حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کے پورے عرصے میں اپنی اس بیعت کا التزام کیا اور ان کے اطاعت

---

[1] انساب الاشراف: ۳/ ۱۵۲۔ مواقف المعارضۃ، ص: ۱۷۹۔ [2] ایضًا

[3] ایضا: ۳/ ۱۵۲، ایضا، ص: ۱۷۹۔ [4] الاخبار الطوال، ص: ۲۲۰۔

گزار رہے۔ ❶

(ب) معاویہ رضی اللہ عنہ اور مسورہ بن مخرمہ کا واقعہ:...... معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کھلم کھلا کہا: مسور! ائمہ کے بارے میں تمہارے اعتراضات کا کیا بنا؟ ❷ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں سرکردہ لوگ ان کے بارے میں جو کچھ کہتے تھے وہ اس سے بخوبی آگاہ تھے۔

(ج) بازنطینیوں کے ہاں گرفتار مسلمان قیدی کا واقعہ:...... جب شاہ روم کی موجودگی میں ایک مسلمان قیدی کے چہرے پر تھپڑ مارا گیا تو وہ چلا کر کہنے لگا: ہائے اسلام، معاویہ رضی اللہ عنہ تم کہاں ہو؟ پھر کچھ ہی عرصہ بعد یہ خبر معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئی۔ ❸ یہ بعض شواہد اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دولت امویہ کے تابع اطلاعاتی مشینری بڑی متحرک اور مضبوط تھی۔

(د) کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض پیروکاروں کو نگرانی میں رکھنا:...... زیاد معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت میں آسانی سے داخل نہیں ہوا تھا۔ اس نے آغاز کار میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمرانی کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور بلاد فارس میں جا کر چھپ گیا۔ بعد میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے بڑی مشکل سے مطمئن کر کے اپنی اطاعت میں داخل کیا، زیاد نے ان سے کوفہ چلے جانے کی درخواست کی تو آپ نے اسے اس کی اجازت دے دی، اس کی کوفہ آمد پر مغیرہ رضی اللہ عنہ اس کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط کے ذریعے مغیرہ کو حکم دیا کہ زیاد، سلیمان بن صرد، حجر بن عدی، شبث بن ربعی، ابن کواء اور عمر بن حمق کو نماز باجماعت ادا کرنے کا پابند بنائیں، چنانچہ یہ لوگ ان کے ساتھ ہی نماز ادا کیا کرتے تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ احتیاطی تدبیر تھی جس سے مقصود ان لوگوں کو مسلسل والی کوفہ کی نگرانی میں رکھنا تھا۔ ❹ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض لوگ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح کے خلاف تھے، لہٰذا ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض حامی عناصر کے پاس اکٹھا ہو جانا بعید نہیں تھا، لہٰذا فتنہ کی سرکوبی کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا۔ ❺

۱۰۔ اسلامی لشکر کا قیام:...... معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے والی مقرر ہوئے تو انہوں نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے مضبوط اسلامی فوج کی تشکیل کا آغاز کر دیا جس نے اندرون ولایت امن و امان قائم رکھا اور بعد ازاں اسلامی فتوحات میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ ❻ جس کی تفصیل آگے چل کر آئے گی۔ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ.



❶ اثر العلماء فی الحیاۃ السیاسۃ فی الدولۃ الامویۃ، ص: ٤٦٩.
❷ سیر اعلام النبلاء: ٣/ ١٥١. اس کی سند صحیح ہے۔
❸ اشهب اللامعة فی السیاسة النافعة، ص: ٤٨٩.
❹ الکامل فی التاریخ: ٢/ ٤٥٨. ❺ مرویات خلافة معاویة، ص: ١٧٥.
❻ الدولة الامویة، د. فرست مرعی الدهوکی، ص: ٦٤

تیسری بحث:

معاویہ رضی اللہ عنہ کی معاشرتی زندگی اور علمی خدمات

اولاً:...... معاویہ رضی اللہ عنہ کی معاشرتی زندگی

معاویہ رضی اللہ عنہ کی معاشرتی زندگی کے مختلف پہلو درج ذیل ہیں:

ا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:

ایک دفعہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیا میں سب لوگوں سے بڑھ کر تمہارا خیر خواہ نہیں ہوں؟ تو اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا: تمہیں جو کچھ ملا اسی وجہ سے ملا۔ ❶

۲۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں جھگڑا:

جویریہ بن اسماء سے مروی ہے کہ بسر بن ابوارطاۃ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی نازیبا بات کی، اس وقت زید بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے، زید نے یہ باتیں سنیں تو لاٹھی اٹھا کر انہیں دے ماری جس سے وہ زخمی ہو گئے۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید سے کہا: تم نے اہل شام کے سردار اور قریش کے شیخ کو لاٹھی دے ماری، پھر بسر کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: تم فاروق اعظم کے بیٹے کی موجودگی میں علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرتے ہو کیا تم سمجھتے تھے کہ وہ اسے برداشت کر لیں گے؟ پھر انہوں نے ان دونوں کو راضی کر لیا۔ ❷

۳۔ میں اس کا تم سے زیادہ حق دار ہوں:

ایک دفعہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے زرخیز زمین میں پر جوش چشمہ سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں ہے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اس سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں ہے کہ میں عرب کی پردہ نشیں عقل مند دلہن کے ساتھ رات گزاروں۔

وردان مولیٰ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہنے لگا: مجھے بھائیوں پر مہربان ہونے سے بڑھ کر کوئی چیز پیاری نہیں لگتی۔ یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس کا تم سے زیادہ حق دار ہوں، وردان کہنے لگا: تم جو چاہتے ہو کر گزرو۔ ❸

۴۔ اس نے مجھے میری موت کی خبر دی ہے:

مدینہ منورہ پر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عامل جب ان کے پاس ڈاک بھیجنا چاہتا تو وہ اعلان کرواتا کہ جس شخص کو امیر المومنین سے کوئی کام ہو وہ اس کے لیے تحریر لکھ دے۔ زر بن حبیش یا ایمن بن خریم نے ایک لطیف سا (پوشیدہ) خط

---

❶ تاریخ طبری: ٦/ ٢٥٣. ❷ ایضا: ٦/ ٢٥٣. ❸ ایضا: ٦/ ٢٥٤.

لکھ کر اسے دوسرے خطوط میں پھینک دیا، اس خط میں یہ اشعار بھی لکھے تھے:

اذا الرجال ولدت اولادها و اضطربت من كبير اعضادُها
و جعلت اسقامها تعتادها فهي زروع قد دنا حصادها

جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ خط پڑھا تو فرمانے لگے: اس نے مجھے میری موت کی خبر دی ہے۔ [1]

۵۔ بنو امیہ کے شاعر کو معاویہ رضی اللہ عنہ کی نصیحت:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن حکم بن ابو العاص سے فرمایا: میرے بھتیجے! تو شعر کہا کرتا ہے، عورتوں کے اوصاف و محاسن بیان کرنے سے پرہیز کرنا ورنہ تو شریف خاتون کے ساتھ برا سلوک کرنے کا مرتکب ہوگا، ہجوگوئی سے بچنا ورنہ تو شریف انسان کے ساتھ برائی کا ارتکاب کرے گا اور کمینے انسان کو اس کے خلاف بھڑکائے گا۔ کسی کی مدح و ستائش سے اجتناب کرنا اس لیے کہ یہ بد افعال لوگوں کی خوراک ہے، تو اپنی قوم کے کارناموں پر فخر کیا کر، ایسی ضرب الامثال بیان کیا کر جس سے تو اپنے آپ کو سنوارا کرے اور دوسروں کو مودب بنایا کرے۔

۶۔ یہ نہ کہہ کہ میرا گھر بصرہ میں ہے بلکہ یہ کہہ کہ بصرہ میرے گھر میں ہے:

ایک آدمی نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے گھر تعمیر کرنے کے لیے بارہ ہزار لکڑیوں کا مطالبہ کیا۔ آپ نے اس سے پوچھا: تیرا گھر کہاں ہے؟ اس نے کہا: بصرہ میں، آپ نے دریافت کیا: اس کی پیمائش کتنی ہے؟ اس نے جواب دیا: 2×2 فرسخ۔ [2] آپ نے فرمایا: یہ نہ کہہ کہ میرا گھر بصرہ میں ہے بلکہ یہ کہہ کہ بصرہ میرے گھر میں ہے۔ [3]

۷۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کا اس قدر زیادہ کھانا اسے بیمار کر دے گا:

مذکور ہے کہ ایک آدمی اپنے بیٹے کے ساتھ آیا اور پھر وہ دونوں کھانا کھانے کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کے دسترخوان پر بیٹھے۔ اس کا بیٹا بہت زیادہ تیز کھانا کھانے لگا اور معاویہ رضی اللہ عنہ اسے دیکھتے رہے۔ اس کا باپ اسے ایسا کرنے سے روکنے کی کوشش کرتا رہا مگر وہ اسے سمجھ نہیں رہا تھا، جب وہ باہر نکلے تو اس کے باپ نے اسے ملامت کی اور آئندہ کے لیے ادھر آنے سے منع کر دیا۔ جب وہ اکیلا آیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: وہ بڑے بڑے لقمے اٹھانے والا تیرا بیٹا کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: وہ بیمار ہو گیا ہے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے معلوم تھا کہ اس قدر زیادہ کھانا اسے بیمار کر دے گا۔ [4]

۸۔ آپ میرے لقمہ میں بال دیکھ رہے ہیں:

مروی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک اعرابی سے فرمایا: اپنے لقمہ سے بال نکال دے۔ وہ کہنے لگا: آپ میرے لقمہ میں بال دیکھ رہے ہیں، واللہ، میں تمہارے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ [5]

---

[1] تاریخ طبری: ٦/ ٢٥٤.
[2] فرسخ: تین میل ہاشمی، اور بقول بعض بارہ ہزار گز۔
[3] البداية و النهاية: ١١/ ٤٥٣.
[4] ایضا: ١١/ ٤٥٣.
[5] المنتخب و المختار، ص: ٥٩

۹۔ آپ لباس سے نہیں بلکہ اس میں ملبوس شخص سے مخاطب ہیں:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سامنے کھڑے ایک شخص کی طرف دیکھا جو معمولی سا لباس پہنے ان سے مخاطب تھا، انہوں نے اس کے لباس کی وجہ سے اسے حقیر خیال کیا تو وہ کہنے لگا: امیر المومنین! آپ لباس سے نہیں بلکہ اس شخص سے مخاطب ہیں جس نے یہ لباس پہن رکھا ہے۔ ❶

۱۰۔ میری بیٹی! یہ تیرا خاوند ہے جسے اللہ نے تیرے لیے حلال قرار دیا ہے:

عبداللہ بن عامر نے ہند بنت معاویہ رضی اللہ عنہما سے شادی کی، جب اسے اس کے خاوند کے پاس بھیجا گیا اور اس نے اس کے پاس جانا چاہا تو اس نے اس سے انکار کر دیا جس پر ابن عامر نے اسے اس زور سے مارا کہ وہ چلا اٹھی، جب باندیوں نے اس کے چلانے کی آواز سنی تو وہ بھی بلند آواز سے رونے لگیں۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی آواز سنی تو وہ صورت حال معلوم کرنے کے لیے ان کے پاس گئے تو انہوں نے بتایا: جب ہم نے اپنی مالکہ کی آواز سنی تو ہم بھی چلانے لگیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے تو وہ مار پڑنے کی وجہ سے رو رہی تھی۔ اس پر انہوں نے ابن عامر سے فرمایا: بڑے افسوس کی بات ہے، کیا اس جیسی عورت کو اس جیسی رات میں بھی مارا جاتا ہے؟ پھر اس سے فرمایا: تم ذرا باہر جاؤ، پھر وہ بیٹی کے پاس گئے اور فرمایا: میری بیٹی! یہ تیرا خاوند ہے جسے اللہ نے تیرے لیے حلال قرار دیا ہے، کیا تو نے شاعر کا یہ قول نہیں سنا:

من الخضرات ❷ البیض اما حرامها فصعب و اما حلّها فذلول

"ان کا شمار شرم وحیا والے لوگوں میں ہوتا ہے جن کے لیے عمل حرام بہت مشکل جبکہ حلال آسان ہے۔"

پھر وہ اس کے پاس سے نکلے اور اس کے خاوند سے فرمانے لگے: اب اندر جاؤ، میں نے تمہارے لیے اس کے اخلاق کو درست کر دیا ہے اور اسے آمادہ کر دیا ہے۔ اس پر ابن عامر اس کے پاس گیا تو معلوم ہوا کہ اب وہ سدھر چکی ہے، لہٰذا اس سے اپنی ضرورت پوری کر لی۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ) ❸

۱۱۔ کیا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول صحیح ہے کہ کریم انسان خوشی سے جھوما کرتا ہے:

محمد بن عامر سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن جعفر کی موسیقی پر مذمت کی، پھر وہ اپنے ایک آزاد کردہ غلام بدیح کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اس وقت وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ عبداللہ بدیح سے کہنے لگے: گانا سنائیں، جس پر اس نے گانا شروع کر دیا، اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹانگ کو حرکت دی تو عبداللہ کہنے لگے: امیر المومنین! رک جائیے۔ یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کریم شخص خوشی سے جھوم اٹھتا ہے۔ ❹ اس خبر کو بلاذری ❺ اور ابن عبدربہ ❻ نے بھی بعض منکر اضافوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ❼ اس

❶ البدایة و النهایة: ۱۱/ ۴۵۳. ❷ الخضرات، خضیرة کی جمع ہے اور یہ خضر سے مشتق ہے: شدت حیاء۔
❸ البدایة و النهایة: ۱۱/ ۴۶۴. ❹ مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری، ص: ۸۲.
❺ انساب الاشراف: ۴/ ۲۷۔ مرویات خلافة معاویة، ص: ۸۳.
❻ العقد الفرید: ۶/ ۲۱، ۲۲۔ مرویات خلافة معاویة، ص: ۸۳. ❼ مرویات خلافة معاویة، ص: ۸۳.

ضعیف روایت کی تردید اس روایت سے ہوتی ہے جسے طبرانی نے حسن سند کے ساتھ کیسان مولیٰ معاویہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: لوگو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نو چیزوں سے منع فرمایا ہے، ان سے میں بھی تمہیں منع کرتا ہوں: نوحہ کرنا، مصنوعی بال لگانا، زیب و زیبائش کو ظاہر کرنا، تصاویر، درندوں کے چمڑے، گانا بجانا، سونا، شرم گاہ اور ریشم۔ ❶ معاویہ رضی اللہ عنہ گانا سننے سے منع فرمایا کرتے اور ایسا کرنے والے کو ناپسند کیا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ پر ان کا عامل مروان بن حکم فسق و فجور کے مرتکب لوگوں پر سختی کیا کرتا تھا، وہ اس کی ولایت کے دوران مدینہ سے بھاگ گئے تھے۔ ❷

۱۲۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قرضوں کی ادائیگی:

معاویہ رضی اللہ عنہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بڑا خیال رکھتے اور ان کے ذمہ واجب الاداء قرضوں کی ادائیگی کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے اٹھارہ ہزار دینار قرض ادا کیا۔ ❸ عروہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے جو انہوں نے شام ہونے سے پہلے پہلے تقسیم کر دیے۔ ❹

۱۳۔ لوگوں کی ضروریات کی تکمیل:

معاویہ رضی اللہ عنہ اس بات سے خائف رہتے کہ ان کا کبھی کبھار مسلمانوں سے الگ رہنا ان کے لیے قابل مواخذہ گناہ نہ بن جائے۔ جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنی: ''اللہ تعالیٰ جس شخص کو مسلمانوں کے معاملات میں سے کوئی چیز تفویض کرے اور پھر وہ ان کی حاجات و ضروریات اور فقر و فاقہ سے پردے میں رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت و ضرورت اور فقر سے پردہ کرے گا۔'' تو انہوں نے لوگوں کے مسائل ان تک پہنچانے کے لیے ایک آدمی کا تقرر کر دیا تاکہ لوگوں کی کوئی بھی حاجت و ضرورت ان کے علم میں آنے سے نہ رہے۔ ❺

مدینہ پر ان کا عامل جب معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ڈاک بھیجنا چاہتا تو اعلان کرواتا کہ جس شخص کو بھی امیر المومنین سے کوئی کام ہو وہ اس کے لیے خط لکھ دے۔ ❻

۱۴۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صالحین کی موت سے متاثر ہونا:

جب عتبہ بن ابوسفیان کا بیٹا فوت ہوا تو لوگ تعزیت کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا: ابوسفیان کی اولاد سے ایک لڑکے کی موت کوئی ایسی مصیبت نہیں ہے، مصیبت تو ابومسلم خولانی اور کریب بن سیف انصاری کی موت کی وجہ سے ٹوٹی۔ ❼

❶ المعجم الكبير: ١٩/ ٣٧٣. اس کی سند حسن ہے۔

❷ الدولة و المجتمع في العصر الاموي، ص: ٩٤.

❸ سير اعلام النبلاء: ٣/ ١٥٤. ❹ ايضا.

❺ الدولة الاموية، ص: ٢٧٣. ❻ تاريخ طبرى: ٦/ ٢٥٤.

❼ تاريخ دمشق: ١/ ٢٢٧، نقلا عن اثر العلماء فى الحياة السياسية فى الدولة الاموية، ص: ٥٣.

۱۵۔ مساجد اور چشموں کا اہتمام کرنا:

معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے مسجد حرام کو بڑی اہمیت دی، اس کو وسعت دی اور اس میں چراغ رکھنے اور انہیں روشن کرنے کے لیے بیت المال سے رقوم جاری کیں اور طواف کرنے والوں کے لیے روشنی کا بندوبست کیا۔ انہوں نے مسجد اقصیٰ میں بھی گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ ان کی طرف سے مصر کے امیر مسلمہ بن مخلد نے ۵۳ھ فسطاط کی جامع مسجد کی توسیع کی۔ اس کی دیواروں کو پلستر کیا اور اس کے بلند و بالا چار مینار بنائے اور فرش پر چٹائیاں بچھوائیں، ان کے عہد حکومت میں اہل مصر نے مسجدوں میں مینار تعمیر کروائے اور انہیں رات کی نمازوں کے لیے ایک ہی وقت میں اذان دینے کا حکم دیا گیا۔ ❶ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی جامع مسجد کی توسیع کی، پھر زیاد بن ابیہ نے اسے نئے سرے سے تعمیر کیا، اس میں مزید اضافہ کیا اور کنکریوں کا فرش ڈلوایا، وہ کہا کرتا تھا: میں نے کوفہ کی مسجد کے ہر ستون پر اٹھارہ صد درہم خرچ کیے، اس نے مسجد میں ایک مقصورہ بھی تعمیر کروایا جس کی تجدید عراق پر اپنی ولایت کے دوران خالد بن عبداللہ قسری نے کی، بعدازاں عبیداللہ بن زیاد نے جامع مسجد میں اور اضافہ کیا اور اس میں کنکریوں کا فرش لگوایا۔ ❷ زیاد بن ابیہ نے بصرہ کی جامع مسجد میں بہت زیادہ اضافہ کیا، اسے اینٹوں اور چونے سے تعمیر کیا، اس کی بلڈنگ میں ستون تعمیر کیے، اس پر ساج کی چھت ڈالی اور مینار پتھروں سے بنائے، مزید براں اس نے بصرہ میں اور بھی بہت ساری مسجدیں تعمیر کروائیں، عبیداللہ بن زیاد آیا تو اس نے جامع مسجد میں مزید اضافہ کیا۔ ❸

معاویہ رضی اللہ عنہ نے دولت اسلامیہ میں عوام کے لیے متعدد سہولیات کا اہتمام کیا۔ مدینہ منورہ میں پینے کے پانی کا بندوبست کیا، حرم مکی میں پانی کے لیے چشمے جاری کیے ❹ اور راستوں پر کنویں کھدوائے اور مملکت اسلامیہ کے مختلف علاقوں کو باہم مربوط کیا۔ ❺

۱۶۔ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں گھوڑ دوڑ:

اسلامی تاریخ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار ان اوّلیں خلفاء میں ہوتا ہے جنھوں نے گھوڑ دوڑ کے مقابلوں کا آغاز کیا، گھوڑ دوڑ کا ایک مقابلہ دمشق میں منعقد ہوتا جس میں ملک کے گوشے گوشے سے گھوڑ سوار شریک ہوتے، وہ اپنے اور اپنے گھوڑوں کے کارناموں پر مشتمل اشعار پڑھتے ہوئے میدان میں اترتے، اس کے اختتام پر خلیفہ کی طرف سے کامیاب ہونے والوں کو قیمتی انعامات سے نوازا جاتا۔ ❻

---

❶ دراسة فی تاریخ الخلفاء الامویین، ص: ۳۴۷.

❷ ایضا، فتوح البلدان، ص: ۳۴۰-۳۹۹.

❸ فتوح البلدان، ص: ۴۲۶، ۴۲۷۔ دراسة فی تاریخ الخلفاء الامویین، ص: ۳۴۸.

❹ اخبار مکه: (۲/ ۲۲۷۔ دراسة فی تاریخ الخلفاء الامویین، ص: ۳۴۱.

❺ الخلافة الامویة، عبدالمنعم هاشمی، ص: ۲۵.

❻ التربیة و الثقافة الاسلامیة فی الشام و الجزیرة خلال القرون الثلاثة الاولی هجرة، ماخوذ از مخطوطة تاریخ مدینة دمشق لابن عساکر، ص: ۹۴، الرفق بالحیوان، و سلامة الهرفی، ص: ۴۹.

۱۷۔ حجاج کرام اور روزہ داروں کو کھانا کھلانا:

امیر المومنین معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے مکہ مکرمہ میں کھانا تیار کرنے کے کئی مراکز قائم کیے جن میں حجاج کرام اور ماہ رمضان المبارک میں فقراء روزے داروں کے لیے کھانا تیار کیا جاتا۔ ❶

۱۸۔ اللہ کی طاقت:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو دیکھا کہ وہ اپنے غلام کو مار رہا ہے۔ اس پر انہوں نے اس سے فرمایا: تجھے علم ہونا چاہیے کہ جتنی قدرت تجھے اس پر حاصل ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے کہیں زیادہ قدرت تجھ پر حاصل ہے۔ کیا تو اس شخص کو مارتا ہے جو تجھ سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا؟ اللہ کی قسم! مجھے قدرت نے کینہ پرور لوگوں سے انتقام لینے سے روک رکھا ہے۔ سب سے اچھا معاف کرنے والا وہ ہے جو قدرت حاصل ہونے کے باوجود معاف کر دے۔ ❷

یہ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنے بیٹے کے لیے صحیح اور عمدہ توجیہ ہے جس میں وہ بتاتے ہیں کہ قدرت کے باوجود معاف کرنا کریمانہ اخلاق کے زمرے میں آتا ہے اور یہ سیادت و قیادت اور سیاست امت کا اہم ترین عنصر ہے۔ امیر المومنین اپنے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اس لیے یاد کروا رہے ہیں تاکہ وہ احساس برتری کو ختم کرے اور اپنے ماتحت لوگوں کے بارے میں اللہ سے ڈرے۔ ❸

ثانیاً:...... علمی دلچسپی

معاویہ رضی اللہ عنہ امراء، علماء اور فرزندان امت مسلمہ کو تہذیبی ثقافتی اٹھان کے لیے متحرک ہونے کے لیے حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے ان کے دور حکومت میں تفسیر، علوم القرآن، فقہ اور عقیدہ جیسے علوم کو خوب ترقی ملی اور متعدد ایسے ممتاز علماء پیدا ہوئے جن کے بعد مسلمان آج تک ان کے علوم سے استفادہ کرتے اور ان کے اقوال و اجتہادات سے استشہاد کرتے چلے آئے ہیں، جن میں عبداللہ بن عباس، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمرو غیرہم رضی اللہ عنہم قابل ذکر ہیں۔ اس دوران قرآن کریم، سنت نبویہ، فقہ اور عربی زبان کو رئیسی علوم کی حیثیت حاصل تھی، معاویہ رضی اللہ عنہ ان علوم کے علاوہ دیگر کئی علوم کا اہتمام کیا کرتے تھے، مثلاً:

۱۔ تاریخ:

معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے عربی زبان میں تاریخ مدون کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس جگہ تاریخ سے مغازی نبویہ، قصص الانبیاء، ایام العرب اور انساب مراد نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد گزشتہ امتوں کی تاریخ، بادشاہوں کے اطوار و احوال اور سیاست کے مختلف انداز ہیں جن سے آگاہ رہنا بادشاہوں اور حکمرانوں کے لیے ضروری ہے۔ ❹

❶ التطور الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲۶۔ حواشی صفحه هذا.

❷ البدایة و النهایة، نقلا عن التاریخ الاسلامی: ۱۷/ ۲۳.

❸ التاریخ الاسلامی: ۱۷/ ۲۴. ❹ الدولة الامویة، حمدی شاهین، ص: ٤٥٤۔ التاریخ العربی: ۱/ ۹۵.

معاویہ رضی اللہ عنہ رات کا ایک تہائی حصہ نیند لیتے پھر بیدار ہو کر بیٹھ جاتے اور پھر بادشاہوں کے احوال و واقعات ان کی سیرت و کردار، جنگوں کے بارے معلومات اور جنگی حربوں پر مشتمل کتب تاریخ انہیں پڑھ کر سنائی جاتیں اور یہ ذمہ داری اس کام کے لیے مقرر کردہ غلام ادا کرتے وہ اس قسم کا مواد یاد کرتے اور ہر رات انہیں سنایا کرتے۔ ❶

انہوں نے عبیدہ بن شریہ کو اپنے ہاں تشریف لانے کی دعوت دی۔ ان کا شمار یمن اور دمشق کے ممتاز علماء تاریخ میں ہوتا تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے گزشتہ لوگوں کے حالات و واقعات اور عرب و عجم کے بادشاہوں کے بارے میں مختلف معلومات حاصل کرتے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے کاتبین کو حکم دیا تھا کہ عبید اللہ بن شریہ انہیں جو کچھ بتائیں اسے لکھ لیا کریں، چنانچہ انہوں نے ان سے سن کر کتاب الامثال، کتاب الملوک اور اخبار الماضیین ❷ نامی کتابیں مدوّن کیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے صرف عبیدہ ہی نہیں بلکہ عرب و عجم سے اور بھی کئی ایسے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے جو گزشتہ اقوام کے حالات و واقعات سے آگاہ ہوتے اور جن سے وہ انہیں مستفید کیا کرتے تھے۔ ❸

سیاستدانوں، بادشاہوں اور حکمرانوں کے لیے تاریخ بڑی اہمیت کی حامل ہے، تاریخ سے بخوبی آگاہ سیاستدان میدان عمل میں دوسروں سے بڑھ کر کامیاب ہوا کرتا ہے، اس لیے کہ تاریخ اور سیاست میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

۲۔ شعر و لغت:

معاویہ رضی اللہ عنہ شعر کی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھے اور انہوں نے حکومت کے سیاسی ابلاغی مقاصد کے لیے اسے استعمال کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کی شعر و شاعری، اس کی معرفت اور شعری ذوق پر تربیت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے زیاد کو لکھا کہ اپنے بیٹے کو میرے پاس بھیجیں، جب وہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے جو سوال بھی کیا اس نے اس کا اطمینان بخش جواب دیا، مگر جب اس سے شعر و شاعری کے بارے سوال کیا تو وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس پر آپ نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: امیر المومنین! مجھے اپنے سینہ میں کلام الرحمٰن کے ساتھ شیطانی کلام جمع کرنا ناپسند ہے، یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جنگ صفین کے دن راہِ فرار اختیار کرنے سے مجھے صرف ابن اطنابہ کے ان اشعار نے روکا تھا:

ابت لی عفتی و ابی بلائی — و اخذی الحمد بالثمن الربیح

و اعطائی علی الاعدام مالی — و اقدامی علی البطل المشیح

و قولی کلما جشأت و جاشت — مکانك تحمدی او تستریحی ❹

نیز معاویہ رضی اللہ عنہ اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

❶ مروج الذهب: ۲/ ۴۱۔ الدولة الاموية، حمدی شاهين، ص: ۴۵۵ .

❷ ايضا: ۲/ ۸۵۔ ايضا، ص: ۴۵۵۔ التعليم فی العصر الاموی، انتصار السيتی، ص: ۱۷۷ .

❸ التاريخ العربی و المؤرخون: ۱/ ۹۵۔ الدولة الاموية، حمدی شاهين: ۴۵۵ .

❹ البداية و النهاية: ۱۱/ ۴۲۶ .

ترجمہ:...... جہالت وحماقت کو قتل کرنے والی حلم جیسی کوئی چیز نہیں ہے، بردبار انسان اس کے ساتھ جہالت کو ختم کیا کرتا ہے، کسی کے خلاف حماقت نہ کر اگرچہ تو غصے سے بھرا ہوا ہو۔ اس لیے کہ برائی و قباحت قابل ملامت ہوا کرتی ہے، کسی گناہ کی وجہ سے اپنے بھائی سے قطع تعلقی نہ کرنا کریم (معزز) انسان گناہ معاف کر دیا کرتا ہے۔''

معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت سارے اشعار زبانی یاد تھے، ایک دن ان کی مجلس میں مشہور عربی شاعر ابن ابومحجن ثقفی حاضر ہوا تو آپ نے اس سے فرمایا: تمہارا باپ وہ ہے جو کہتا ہے:

اذا مت فادفني إلى جنب كرمة   تروى عظامي بعد موتي عروقها

و لا تدفنني بالفلاة فإنني   اخاف اذا ما مت ان لا اذوقها

''جب میں مر جاؤں تو مجھے انگور کی بیل کے پہلو میں دفن کرنا اس کی جڑیں میری موت کے بعد میری ہڈیوں کو راحت پہنچائیں گی۔ اور مجھے بیابان میں دفن نہ کرنا اس لیے کہ میں ڈرتا ہوں کہ مرنے کے بعد اسے چکھ نہیں سکوں گا۔''

اس پر ابن ابی محجن نے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو ان سے اچھے اشعار ذکر کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا: وہ کون سے ہیں؟، اس نے کہا: وہ یہ ہیں:

لا تسئل الناس مالي و كثرته   و سائل القوم ما حزمي و ما خلقي

القوم اعلم أني من سراتهم   اذا تطيش يد الرعديدة الفرق

قد اركب الهول مسدولا عساكره   و اكتم السر فيه ضربة العنق

''لوگوں سے میرے مال اور اس کی کثرت کے بارے میں سوال نہ کر ان سے میری ہوشیاری، دوراندیشی اور میرے اخلاق کے بارے میں سوال کر، میری قوم اچھی طرح جانتی ہے کہ میرا شمار اس کے سرداروں میں ہوتا ہے۔ جب ڈرپوک اور بزدل کا ہاتھ لرزنے لگتا ہے۔ جب ہولناکی ہر طرف اپنے لشکر پھیلا دے تو اس پر سوار ہو جاتا ہوں اور میں وہ راز چھپالیتا ہوں جس میں گردن کٹ جایا کرتی ہے۔''

شاعر مسکین دارمی کا شمار معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے کے مقربین میں ہوتا تھا، ایک دفعہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں عطارد بن حاجب سے پوچھا: خوبرو اور فصیح اللسان دارمی کا کیا ہوا؟ تو اس نے اسے اچھے الفاظ سے یاد کیا۔ انہوں نے اس سے فرمایا: اسے اس امر سے مطلع کر دے کہ میں نے اس کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو اپنے علاقہ میں مقیم رہے اور اگر چاہے تو ہمارے پاس چلا آئے۔ اس کا وظیفہ اس کے پاس پہنچتا رہے گا اور اسے یہ بھی خوش خبری دینا کہ میں نے اس کی قوم کے چار ہزار لوگوں کے لیے وظائف مقرر کیے ہیں۔ [1] اسی شاعر نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا تھا:

---

[1] تاریخ دمشق: ۲۰/ ۳۹، ۴۰

إليك امير المؤمنين رحلتها تثير القطا ليلا و هن هجود
على الطائر الميمون و الجد صاعد لكل اناس طائر و جدود
اذا المنبر الغربى خلى مكانه فان امير المؤمنين يزيد

''امیر المومنین اس کے کوچ کرنے کو دیکھو وہ رات کے وقت سوئے ہوئے بھٹ تیتروں کو جگا دیتا ہے، بابرکت پرندے پر اور نصیب بلند ہوتا رہے، سب لوگوں کے اعمال بھی ہوتے ہیں اور نصیب بھی، مغربی منبر نے اپنی جگہ خالی کر دی، بے شک امیر المومنین یزید ہے۔''[1]

کہا جاتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسکین دارمی کو یزید کی بیعت کے بارے میں قصیدہ لکھنے کا حکم دیا، جب اس نے بنوامیہ اور دیگر معززین کی موجودگی میں اپنا قصیدہ پڑھا تو ان سب لوگوں نے اس کی تائید کی، اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید نے اسے بھاری انعام سے نوازا۔[2] مسکین دارمی کا شمار عہد معاویہ رضی اللہ عنہ کے ممتاز شعراء میں ہوتا ہے۔ اس کے خوبصورت اشعار میں سے چند اشعار:

ناري و نار الجار واحدة و اليه قبلى تنزل القدر
ما ضر جارا لى اجاوره ان لا يكون لبابه ستر
اعمى اذا ما جارتى برزت حتى يعيب جارتى الخدر

''میری اور میرے ہمسائے کی آگ ایک ہی ہے، ہنڈیا مجھ سے پہلے اس کے پاس رکھی جاتی ہے، میرے پڑوسی کے لیے یہ بات ضرر رساں نہیں ہے کہ اس کے دروازے پر پردہ نہیں ہے۔ جب میری ہمسائی ظاہر ہوتی ہے تو میں اندھا ہو جاتا ہوں یہاں تک کہ پردہ اسے چھپا لے۔''[3]

معاویہ رضی اللہ عنہ اعرابی غلطی کو انتہائی ناپسند کیا کرتے تھے، جب والی عراق زیاد بن ابیہ نے اپنے بیٹے کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو اس نے ان سے گفتگو کرتے وقت اعرابی غلطیاں کیں، اس پر انہوں نے زیاد کو لکھا: تمہارا بیٹا اسی طرح ہے جس طرح تم نے بیان کیا، لیکن اس کی زبان کو درست کریں۔[4] جب ایک آدمی نے زیاد کے سامنے وراثت کا مقدمہ پیش کرتے وقت یہ کہا: ''ان ابونا مات و إن اخينا وثب على مال ابانا فاكله'' تو زیاد نے اس سے کہا: تیرے ضائع شدہ مال نے تیرا اتنا نقصان نہیں کیا جتنا نقصان تو نے اپنی زبان کو ضائع کر کے کیا۔[5]

معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت کے دوران بصرہ میں بہت سارے نحوی علماء کا ظہور ہوا، ابوالاسود الدؤلی وہ پہلا نحوی عالم ہے جس نے بصرہ میں علم نحو کی بنیاد رکھی اور عربی زبان کے قواعد وضع کیے، اس زمانہ میں سرداران قوم اور رؤساء اعرابی غلطیوں کے مرتکب ہوا کرتے تھے، لہٰذا انہوں نے فاعل، مفعول، مضاف، رفع، نصب، جر اور

---

1. الشعر و الشعراء لابن قتيبة: ١/ ٥٤٤.
2. الاغانى للاصفهانى نقلا عن الحياة العلمية فى العراق، ص: ١١٥
3. الشعر و الشعراء: ١/ ٥٤٥.
4. البيان و التبين: ٢/ ٢١٠.
5. ايضا: ٢/ ٢٢٢.

جزم [1] دینے والے حروف کے ابواب وضع کیے اور علم نحو میں ایک کتاب لکھی۔ [2] ابوالاسود نحوی ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے، ان کے چند مشہور اشعار ملاحظہ فرمائیں:

یا ایها الرجل المعلم غیره
هلا لنفسك كان ذا التعليم
تصف الدواء لذی السقام و ذی الضنا
كيما يصح به و انت سقيم
و نراك تصلح بالرشاد عقولنا
ابدا و انت من الرشاد عديم
ابدأ بنفسك فانهها عن غيها
فإذا انتهت عنه فانت حكيم
فهناك يسمع ما تقول و يهتدى
بالقول منك و ينفع التعليم
لا تنه عن خلق و تاتی مثله
عار عليك اذا فعلت عظيم [3]

''دوسروں کو تعلیم دینے والے یہ تعلیم تیرے لیے کیوں نہیں ہے؟ تو بیماروں اور کمزوروں کو تندرست کرنے کے لیے علاج تجویز کرتا ہے جبکہ تو خود بیمار ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تو ہمیشہ ہماری عقلوں کی رشد و ہدایت سے اصلاح کرتا رہتا ہے، حالانکہ تو خود اس سے محروم ہے۔ پہلے اپنے آپ سے آغاز کر اور اپنی ذات کو گمراہی سے روک جب تیری ذات اس سے باز آ جائے گی تو تو حکیم کہلائے گا۔ اس وقت تیری بات سنی بھی جائے گی اور اس سے راہنمائی بھی لی جائے گی اور پھر تعلیم بھی نفع بخش ہوگی۔ دوسروں کو اس کام سے منع نہ کر جو تو خود کیا کرتا ہے اگر تو یہ کام کرے گا تو یہ تیرے لیے باعث عار ہوگا۔''

زہد کے بارے میں اس کے چند اشعار ہیں:

و اذا طلبت من الحوائج حاجة
فادع الإله و أحسن الاعمالا

---

[1] طبقات النحويين، زبيدی، ص: ٢١۔ الحياة العلمية فی العراق، ص: ١٠٤ .
[2] الشعر و الشعراء: ٧/ ٧٢٩ .
[3] الادب الاسلامی و تأريخه، عابد الهاشمی: ٢/ ١٧ .

فلیعطینك ما اراد بقدرۃ
فھو اللطیف لما اراد فعالا
و دع العباد و شانھم و امورھم
بید الالہ یقلب الاحوالا [1]

"اگر تجھے کوئی ضرورت درپیش ہو تو الہ العالمین سے دعا کر اور نیک اعمال کر۔ وہ جو چاہے گا اپنی قدرت سے تجھے عطا کرے گا، وہ باریک بین ہے جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ لوگوں کو چھوڑ اور ان کے معاملات کو ترک کر سب کچھ الہ العالمین کے ہاتھ میں ہے وہی احوال کو تبدیل کیا کرتا ہے۔"

۳۔ تجرباتی علوم:

رومی اور ایرانی حکومتوں کے اختتام کے بعد دولت امویہ ان کے علوم کی وارث بنی، چونکہ یہ علوم غیر عربی زبان میں تھے، لہٰذا ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان کا عربی زبان میں ترجمہ کرنا ضروری تھا اور اس کے لیے بڑی محنت کی ضرورت تھی، اموی حکمرانوں نے ان علوم سے بھرپور انداز میں استفادہ کرنے کے لیے متعلقہ ماہرین کی بڑی حوصلہ افزائی کی، اس کار خیر کا آغاز معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد سے ہوا اور جن کے حکم سے بیت الحکمت کا قیام عمل میں آیا، مروانی حکمرانوں کو تو اس بیت الحکمت سے اس حد تک دلچسپی تھی کہ وہ دوران سفر حتیٰ کہ دوران جنگ بھی اس کے بارے میں دریافت کیا کرتے اور اسے مزید ترقی دینے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ [2]

بعض مؤرخین بتاتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذاتی معالج ابن اثال نصرانی نے بعض طبی کتب کو عربی زبان میں منتقل کرنے کے لیے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ [3]

مگر ان علوم کو عربی زبان میں منتقل کرنے کی حقیقی کوششوں کا آغاز خالد بن یزید نے کیا، اس نے سب سے پہلے طب اور کیمیا کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کروانے میں دلچسپی دکھائی، چنانچہ اس کے حکم سے کچھ ایسے یونانی علماء و ماہرین کو یہاں آنے کی دعوت دی گئی جو مصر میں قائم مدرسہ اسکندریہ سے اکتساب کرتے رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ فصیح عربی زبان بولنے کی بھی اہلیت رکھتے تھے۔ خالد بن یزید نے ان سے یونانی اور قبطی زبانوں میں تحریر کردہ بہت سی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کرنے کی درخواست کی اور پھر انہوں نے اس کام کا آغاز کر دیا۔ تاریخ اسلام میں غیر عربی کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کرنے کی یہ پہلی کوشش تھی۔ [4] اسی طرح خالد نے انہیں طب کے موضوع پر جالینوس کی تحریر کردہ کتابوں کا بھی عربی میں ترجمہ کرنے کی درخواست کی اور اس طرح اس نے عالم اسلام میں طبی علوم کی بنیاد رکھ دی، ابن یزید وہ پہلا شخص ہے جس نے مترجمین اور فلاسفہ کو عطیات سے نوازا،

[1] الادب الاسلامی و تاریخہ: ۲/ ۱۷، دیوان ابی الاسود الدؤلی
[2] الدولۃ الامویۃ، یوسف العش، ص: ۳۴۸
[3] عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص: ۱۷۱۷.
[4] الدولۃ الامویۃ، حمدی شاهین، ص: ٤٦٠.

اہل حکمت اور ہر صنعت وفن کے ماہرین کو اپنے حلقہ خواص میں شامل کیا اور اس کے لیے نجوم، طب، کیمیا، جنگوں اور آلات وصناعات پر مشتمل کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اس کے لیے بے شمار کتابیں اکٹھی کی گئیں اور انہیں خزانہ اسلام میں شامل کیا گیا اور اس طرح دمشق میں عالم اسلام کا پہلا دارالکتب معرض وجود میں آیا۔ ❶

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں طب کے میدان میں کام کرنے والوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا، اس دوران پانچ صد چونتیس (۵۳۴) افراد کے لیے ایک طبیب موجود تھا۔ ❷ ابن کثیر بتاتے ہیں کہ جب والی بصرہ زیاد بن ابیہ کے ہاتھ پر زخم آئے تو اس نے ان کے علاج کے لیے ایک سو پچاس طبیب بلائے۔ اس وقت بصرہ کی آبادی تقریباً اسی ہزار تھی۔ ❸



❶ خطط الشام: ٤/ ٢٣، ٢٤ .. ❷ البداية و النهاية: ١١/ ٢٦١ ..
❸ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ٢٥٥ .

چوتھی بحث:

خوارج، عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں

خوارج اس نام سے معرکہ صفین میں تحکیم کے بعد معروف ہوئے۔ قبل ازیں ان کا شمار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انصار میں ہوتا تھا، یہ لوگ جنگ جمل اور معرکہ صفین میں ان کے ساتھ تھے، بعد ازاں وہ تحکیم کو مسترد کرتے ہوئے ان کی مخالفت پر اتر آئے، علی رضی اللہ عنہ نے انہیں مطمئن کر کے واپس اپنی جماعت میں لانے کی بڑی کوشش کی مگر وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور پھر انہوں نے انتہا پسندی سے کام لیتے ہوئے زمین میں فساد برپا کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی اور ان میں سے زیادہ تر لوگوں کا جنگ نہروان میں خاتمہ کر دیا۔ وہ اپنے لیے خوارج کے نام کو پسند نہیں کرتے تھے اس لیے کہ انہیں اس نام سے ان کے مخالفین نے موسوم کیا تھا جس کی وجہ ان کا مسلمانوں کے ایام اور ان کی جماعت کے خلاف خروج کرنا تھا، وہ اپنے آپ کو شراۃ کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے کیوں کہ انہوں نے اس امید سے اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے فروخت کر دیا تھا کہ انہیں آخرت میں جنت کا داخلہ نصیب ہوگا۔ ان کا اشارہ اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرف تھا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾

(التوبۃ: ۱۱۱)

''یقیناً اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں اس کے عوض کہ ان کے لیے جنت ہے۔''

خوارج کو محکمۃ بھی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ انہوں نے ((لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ)) کا نعرہ لگایا تھا۔ نیز ان پر حروریۃ کا بھی اطلاق کیا جاتا ہے، یہ حروراء نامی اسی بستی کی طرف نسبت ہے جو کوفہ کے مضافات میں واقع ہے اور جہاں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغاوت کرنے کے بعد پہلی دفعہ جا ٹھہرے تھے۔ [1] چونکہ ان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کا سبب ان کے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان واقعہ تحکیم تھا، لہٰذا انہوں نے خلافت کے بارے میں جو نظریہ اختیار کیا وہ دو عام اصولوں پر قائم تھا جن پر ان کے مختلف گروہوں کا اتفاق ہے۔ [2]

پہلا اصول: ...... خلافت قریش کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جیسا کہ اہل سنت کا مذہب ہے۔ [3] بلکہ ہر وہ مسلمان اس کا استحقاق رکھتا ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہو اگرچہ وہ حبشی غلام ہو۔ خلیفہ کا مسلمانوں کے آزادانہ اختیار

---

[1] العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ٤٥٤ .

[2] النظریات السیاسیة الاسلامیة، محمد رضا، ص: ٥٧ .

[3] الدولة الامویة فی المشرق، محمد النجار، ص: ٨٧ .

کے ذریعے منتخب ہونا ضروری ہے، پھر جب اس کا انتخاب پایہ تکمیل کو پہنچ جائے تو پھر نہ تو اس کے لیے اس منصب سے الگ ہونا جائز ہے اور نہ ہی وہ تحکیم کو قبول کر سکتا ہے، اس اصول کی روشنی میں وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کرتے ہیں، عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے نصف اوّل کو تسلیم کرتے جبکہ بعد ازاں کے عہد خلافت سے لاتعلقی کا اظہار کرتے اور انہیں کافر بتاتے ہیں، جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو وہ ان کی خلافت کا آغاز سے لے کر تحکیم سے قبل تک اعتراف کرتے ہیں جبکہ تحکیم کے بعد نہ صرف یہ کہ ان کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ انہیں کافر گردانتے ہیں۔ ❶ اسی طرح وہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنوامیہ کی خلافت کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ ❷ اور انہیں کافر بتاتے ہیں۔ خوارج حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، طلحہ، زبیر، عمرو بن العاص اور ابوموسی الاشعری رضی اللہ عنہم کو بھی کافر کہتے ہیں۔ المختصر وہ مسلمانوں میں سے ہر اس شخص کو کافر گردانتے ہیں جو ان کی رائے سے اختلاف کرتا اور ان کے مذہب کو اختیار نہیں کرتا، اس بنا پر وہ ان کے ملک کو دارالکفر خیال کرتے، ان کے اموال اور خون کو مباح قرار دیتے اور ان کے بچوں تک کے قتل کو جائز تسلیم کرتے ہیں۔ ❸

دوسرا اُصول:...... دوسرا اصول جس پر نظریہ خوارج قائم ہے وہ یہ ہے کہ ظالم امام کے خلاف خروج کرنا واجب ہے۔ ❹ خارجی نظریات کا یہ پہلو انتہائی خطرناک ہے، اگر ان کا اختلاف نظری اختلاف تک محدود رہتا یا دلیل و برہان کے ساتھ جدل و جدال سے آگے نہ بڑھتا تو معاملہ بالکل آسان تھا، مگر انہوں نے اپنے مخالفین کے خلاف ہتھیار اٹھا لیے اور اس کا آغاز علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے کیا اور بزورِ بازو اپنی آراء اور اپنے مذہب کو دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کی، وہ جس طرح اپنی رائے اور مذہب میں انتہا پسند ثابت ہوئے اسی طرح طاقت اور تشدد کے استعمال میں بھی آخری حد تک جا پہنچے، اسی طرح انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو بلکہ امت کو بھی شدید نقصان پہنچایا اور دولت امویہ کو سنگین صورتِ حال سے دوچار کر دیا جس کے وہ زبردست مخالف تھے۔ ❺ خوارج کے بارے میں مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں میری کتاب: "سیرۃ امیر المومنین علی بن ابوطالب شخصیته و عصره"۔ ❻

جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا خوارج کی تحریک کی خطرناکی ان کی شدت پسندی میں پنہاں تھی اور چونکہ وہ اپنے خودساختہ اصولوں پر سختی کے ساتھ کاربند تھے، لہٰذا انہوں نے اس کے لیے خوشی خوشی اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے اور دولتِ امویہ کے ساتھ اپنی جنگوں میں شجاعت و دلیری کی عجیب و غریب داستانیں رقم کیں۔ اس دوران وہ خودکش گروہوں کے مماثل نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اکثر اوقات انتہائی کم تعداد میں ہونے کے باوجود

---

❶ مقالات الاسلامیین: ۱/ ۸۹، ۱۵۶ . ❷ الدولة الامویة فی المشرق، ص: ۸۷ .
❸ مقالات الاسلامیین: ۱/ ۱۵۹، ۱۸۹ .
❹ النظریات السیاسیة الاسلامیة، ص: ۵۷ .
❺ العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ٤٥٥ .
❻ سیرة امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ، ص: ٦٣٣ .

بڑے بڑے حکومتی لشکروں کو شکست فاش دے کر اپنی طاقت کا لوہا منوایا۔ اگر شجاعت و دلیری، پیش قدمی اور قربانی کا یہ جذبہ صحیح رخ پر گامزن ہوتا اور وہ اعدائے اسلام کے ساتھ دولتِ امویہ کی جنگی کوششوں کے ساتھ اپنی کوششیں شامل کر دیتے تو انسانی تاریخ کا رُخ بدل جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ خوارج نہ تو دنیا کے طالب تھے اور نہ مادہ پرست، وہ جس فکر پر ایمان رکھتے تھے اس کے لیے مخلص تھے اور اسے بروئے کار لانے کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ تن کوشاں رہے۔ [1] انہوں نے اس کے لیے اپنے آپ کو تباہ کروا لیا اور امت کو اس کے وقت، مال اور جانوں کے حوالے سے بڑے بڑے مسائل سے دوچار کر دیا۔ اگر خوارج نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی، ان سے جنگیں لڑیں اور انہیں کافر تک قرار دے ڈالا تو انہوں نے دولت امویہ کے خلاف اس سے بھی سخت رویہ اختیار کرتے ہوئے اسلحہ سے لیس ہو کر اس کے سامنے آن کھڑے ہوئے اور ۴۱ھ میں کوفہ چھوڑنے سے قبل معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت پر اتر آئے۔ [2]

اولاً:......کوفہ میں خوارج کی تحریکیں

۱۔ فروہ بن نوفل اشجعی کی تحریک:

۴۱ھ کے واقعات کے ضمن میں طبری رقمطراز ہیں: ''اس سال خوارج نے جو شہر زور میں علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہو گئے تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا۔'' [3] عوانہ سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ ابھی کوفہ سے روانہ نہیں ہوئے تھے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا گزر نخیلہ کے مقام پر ہوا، پانچ صد حروریہ [4] جو (حضرت علی رضی اللہ عنہ سے) الگ ہو کر فروہ بن نوفل اشجعی کے ساتھ شہر زور کے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے، کہنے لگے: اب ہمارا سابقہ اس شخص سے پڑا ہے جس کے بارے میں ہمیں کوئی شک نہیں ہے، چلو اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد کرو، وہ فروہ بن نوفل کی قیادت میں آگے بڑھے اور کوفہ میں داخل ہو گئے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا مقابلہ کرنے کے لیے اہل شام کے شہ سواروں کا دستہ روانہ کیا مگر انہوں نے شامیوں کو منتشر کر دیا۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ سے کہا: اللہ کی قسم! تمہیں میرے پاس امان نہیں ملے گی یہاں تک کہ تم اپنے یہاں کی اس آفت کو دور کر دو۔ یہ سن کر اہل کوفہ خوارج کی طرف نکلے اور ان سے جنگ کرنے لگے۔ خوارج نے ان سے کہا: تم پر افسوس ہو، تم ہم سے کیا چاہتے ہو، معاویہ ہمارا اور تمہارا مشترکہ دشمن ہے، ہمیں اس سے لڑنے دو، اگر ہم کامیاب رہے تو ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے بچا لیا اور اگر وہ کامیاب ہو گئے تو تم ہم سے بچ گئے۔ انہوں نے کہا: واللہ! ہم تم لوگوں سے لڑیں گے۔ وہ کہنے لگے: اللہ ہمارے نہروان والے بھائیوں پر رحم فرمائے۔ [5]

---

[1] العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ٤٥٨.

[2] العالم الاسلامی فی العصر الموی، ص: ٤٥٨۔ تاریخ خلیفة، ص: ٢٠٣-٢٠٤.

[3] تاریخ طبری: ٦/ ٨١.

[4] حروریہ: خوارج، حروراء کوفہ سے باہر ایک بستی ہے جس میں یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کرنے کے بعد آباد ہو گئے تھے۔ (معجم البلدان: ٢/ ٢٤٥).

[5] تاریخ طبری: ٦/ ٨١.

اہل کوفہ! وہ تمہیں بخوبی جانتے تھے، اس وقت ان کا سردار فروہ بن نوفل مارا گیا تو انہوں نے عبداللہ بن ابوالحر کو اپنا رئیس بنالیا۔ ❶ یہ فروہ بن نوفل وہی ہے جس نے معرکہ نہروان سے تھوڑی دیر پہلے کہا تھا: واللہ! میں نہیں جانتا کہ ہم علی رضی اللہ عنہ سے کس بنا پر لڑائی کریں، پھر وہ پانچ سو شہ سواروں کے ساتھ واپس چلا گیا۔ ❷ معاویہ رضی اللہ عنہ کا منصب خلافت سنبھالنے کے بعد خوارج کے بارے میں کیا موقف تھا؟ اس کے بارے میں ابن حجر فرماتے ہیں: لوگوں نے واپس جا کر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی، پھر نہروان پر موجود لوگ (یعنی خوارج) بھی ان سے بیعت کرنے لگے یہاں تک کہ ان میں سے تقریباً تین صد لوگ باقی رہ گئے، اور وہ اصحاب نخیلہ تھے۔ ❸

۲۔ مستورد بن علفہ تمیمی کی تحریک ❹:

طبری نے اپنی تاریخ میں مستورد بن علفہ تمیمی کی تحریک کے بارے میں بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ جبکہ دیگر اکثر مصادر میں اس کے بارے میں اختصار سے کام لیا گیا ہے، جبکہ خلیفہ بن خیاط ❺ نے تو اس سے بھی زیادہ اختصار سے یہ واقعہ نقل کیا ہے، طبری کی طرف سے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ ذکر کرنے کی غالباً یہ وجہ ہے کہ وہ اس تحریک کی اہمیت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے تھے جس کا تعلق اس بات سے ہے کہ اس کے اصحاب نہروان کے ان خوارج کی فکر کی نمائندگی کرتے ہیں جن کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی تھی، اس لیے کہ اس حرکت کی طرف منسوب اکثر لوگ معرکہ نہروان کے دوران ایک ہی خندق میں موجود رہے تھے اور یہی وہ بات ہے جس نے والی کوفہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اعوان و انصار کی طرف متوجہ کیا۔ خصوصاً وہ لوگ جو معرکہ نہروان میں شریک ہوئے مثلاً معقل بن قیس ریاحی جو کہ نہروان کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک کمانڈر تھا۔ ❻ اور یہ اس لیے کہ انصار علی رضی اللہ عنہ خوارج کے بارے میں زیادہ باخبر تھے اور ان کے بارے میں ان کا رویہ زیادہ سخت تھا۔ تاریخ طبری کی روایات اس واقعہ کے بارے میں ہمیں بڑی اہم تفصیلات فراہم کرتی ہیں: مثلاً:

ا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں خوارج کا موقف:...... یہ خوارج کے اس قول سے مستفاد ہوتا ہے:...... اللہ اس ہاتھ کو قطع نہ کرے جس نے اس (علی رضی اللہ عنہ) کے سر پر تلوار ماری۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سن کر تمام خوارج اللہ تعالیٰ کی حمد بجالائے ❼ اور اس کے شکر گزار ہوئے۔

ب: خوارج کے ساتھ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی سیاست:...... یہ مندرجہ ذیل سے مستفاد ہے: انہوں نے لوگوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا اور ہوس پرستوں کی بھی کچھ تفتیش نہ کی، انہیں بتایا جاتا کہ فلاں روافض کا

---

❶ یہ ان لوگوں میں شامل تھا جو جنگ نہروان کے دن علی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے سے الگ رہے تھے۔ (انساب الاشراف: ٤/ ١٦٤).

❷ مرویات خلافۃ معاویۃ، ص: ١٨٢ .

❸ انہیں اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں نخیلہ میں قتل کیا گیا تھا۔

❹ تاریخ طبری: ٦/ ٨٧-٩٢ .

❺ مرویات خلافۃ معاویۃ فی تاریخ الطبری، ص: ١٨٩ .

❻ أیضا، ص: ١٩٠ .

❼ تاریخ طبری: ٦/ ٨٨ .

عقیدہ رکھتا ہے اور فلاں خوارج والی رائے رکھتا ہے، وہ سب کو یہی جواب دیتے کہ اللہ کو یہی منظور ہے کہ لوگوں میں اختلاف موجود رہے، جن باتوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کے مابین اللہ ہی فیصلہ کرے گا۔ ❶

س: حیان بن ظبیان سلمی کی تحریک:...... یہ تحریک ۵۸ھ میں عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عثمان بن ربیعہ کی ولایت کے ایام میں اٹھی، اس کی ولایت کے دوران اس جماعت نے خروج کیا جسے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جیل میں بند کر رکھا تھا اور جس کا تعلق ان خوارج کے ساتھ تھا جنہوں نے مستورد بن علفہ سے بیعت کی تھی، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ان پر فتح یاب ہونے کے بعد انہیں جیل میں ڈال دیا پھر جب ان کی وفات ہوگئی تو وہ جیل سے رہا ہو گئے ❷ اور خلافت کے خلاف تحریک شروع کر دی ان لوگوں کا رئیس حیان بن ظبیان سلمی تھا، والی کوفہ نے ان کی طرف ایک لشکر بھیجا جس نے تمام خوارج کو قتل کر ڈالا۔ ❸

ثانیاً:...... بصرہ میں خوارج کی تحاریک

ا۔ یزید باہلی اور سہم ہجیمی کی تحریکیں:

۴۱ھ میں عبداللہ بن عامر کی ولایت کے ایام میں یزید بن مالک باہلی نے خروج کیا، اس وقت اس کے ساتھ سہم بن غالب ہجیمی بھی تھا۔ جب وہ صبح کے وقت پل کے قریب پہنچے تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی عبادہ بن قرص رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھتے دیکھا تو اسے قتل کر ڈالا، پھر انہوں نے ابن عامر سے امن کی درخواست کی تو اس نے انہیں امن دے دیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ میں نے انہیں تمہاری ذمہ داری میں دے دیا ہے۔ اس کے جواب میں اسے معاویہ رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ اگر تم اس ذمہ داری کو توڑ ڈالو تو تم سے جواب طلبی نہیں ہوگی۔ ان لوگوں کو ابن عامر کی معزولی تک امن حاصل رہا۔ ❹ ۴۶ھ میں جب زیاد کو والی مقرر کیا گیا تو سہم بن مالک ہجیمی اور یزید بن مالک باہلی دونوں نے پھر خروج کیا، سہم اہواز کی طرف نکل گیا پھر واپس آنے پر چھپ گیا اور زیاد سے امن کا طلب گار ہوا مگر اس نے اس کا یہ مطالبہ رد کرتے ہوئے اسے قتل کر ڈالا اور اس کی لاش اس کے گھر کے دروازے پر لٹکا دی۔ رہا یزید بن مالک تو زیاد نے اسے بحرین کی طرف بھگا دیا، پھر اسے اجازت دی تو وہ واپس آ گیا، زیاد نے اس سے کہا: اپنے شہر سے باہر نہیں جانا، مسلم بن عمرو باہلی سے اس کی ضمانت طلب کی ❺ تو اس نے اس سے انکار کر دیا، البتہ یہ کہا کہ اگر اس نے گھر سے باہر رات گزاری تو میں تجھے اس سے آگاہ کر دوں گا، پھر ایک دن مسلم زیاد کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ اس نے آج کی رات گھر میں نہیں گزاری، اس پر اسے قتل کر دیا گیا اور اس کی لاش کو باہلہ میں پھینک دیا گیا۔ ❻

---

❶ تاریخ طبری: ٦/ ٨٩.
❷ البدایة و النهایة: ١١/ ٣١٣.
❸ تاریخ طبری: ٦/ ٣٢٦.
❹ الکامل: ٢/ ٤٥٤.
❺ عمرو باہلی: فاتح کبیر قتیبہ کے والد
❻ الکامل: ٢/ ٤٧٧.

۲۔قریب ازدی اور زحاف طائی کی تحریک:

جب ۵۰ھ میں قریب ازدی اور زحاف طائی نے خروج کیا تو اس وقت زیاد کوفہ میں تھا اور سمرہ ❶ بصرہ میں، وہ دونوں بنوضبیعہ میں آئے، وہاں ستر آدمی موجود تھے جن میں سے ایک بوڑھے شخص کو انہوں نے قتل کر ڈالا، بنوعلی اور بنوراسب کے چند نوجوان قریب اور زحاف سے لڑنے کے لیے اٹھے اور انہیں تیر مارے، عبداللہ بن اوس طائی نے قریب کو قتل کر ڈالا اور اس کا سر کاٹ کر لے آیا، زیاد نے منبر پر سرزنش کرتے ہوئے کہا: اے اہل بصرہ! اگر ان میں سے کوئی ایک شخص بھی بچ نکلا تو تم اس سال اپنے عطیات میں سے ایک درہم بھی وصول نہیں کر پاؤ گے۔ اس پر لوگ ان پر جھپٹے اور ان کو قتل کر ڈالا۔ ❷

۳۔عروہ بن اُدیہ خارجی کی خبر:

۵۸ھ میں عبیداللہ بن زیاد نے خوارج پر سختی کرتے ہوئے ان میں بہت ساروں کو گرفتار کر کے قتل کر ڈالا جبکہ کچھ دوسروں کو لڑائی میں مار دیا، ان میں سے جن لوگوں کو گرفتار کر کے قتل کیا گیا ان میں عروہ بن اُدیہ ابو بلال مرداس بن ادیہ بھی شامل تھا۔ ❸ اسے قتل کرنے کا سبب یہ بنا کہ ابن زیاد اپنے شرط لگانے کے گھوڑوں میں نکلا جب وہ ایک گھوڑے کا انتظار کرنے کے لیے بیٹھا تو اس کے پاس کئی لوگ اکٹھے ہو گئے ان میں عروہ بھی شامل تھا وہ ابن زیاد کی طرف متوجہ ہو کر اسے وعظ کرنے لگا، اس دوران اس نے ان آیات کی تلاوت کی:

﴿اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝﴾ (الشعراء: ۱۲۸-۱۳۰)

''کیا تم محض ایک فضول یادگار پر اونچے مقام بناتے ہو اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے تمہیں ہمیشہ ہی رہنا ہے اور جب کسی کو پکڑتے ہو تو بالکل جابر بن کر پکڑتے ہو۔''

جب وہ خاموش ہو گیا تو ابن زیاد نے یہ سمجھا کہ اس نے برسرِ محفل میری توہین کی ہے اور اس کے ساتھ اس کے ساتھیوں کی کوئی جماعت ضرور موجود ہے، پھر وہ یہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ عروہ سے کہا گیا کہ ابن زیاد تجھے مروا ڈالے گا اس پر وہ چھپ گیا۔ جب ابن زیاد نے اسے تلاش کیا تو وہ بھاگ کر کوفہ چلا گیا مگر اسے پکڑ کر زیاد کے سامنے پیش کر دیا گیا اور اس نے اس کے دونوں ہاتھ اور پیر کٹوا دیئے۔ ❹ ابن زیاد نے اسے بلا کر پوچھا: اب کیسا لگ رہا ہے؟ اس نے کہا: تو نے میری دنیا خراب کر دی اور میں نے تیری آخرت، اس پر ابن زیاد نے اسے قتل کر دیا اور چونکہ اس کی بیٹی بھی اس کے مذہب پر تھی ❺ لہٰذا اس نے اسے بھی قتل کروا دیا۔ ❻ مبرد نے عروہ بن ادیہ کے

❶ یعنی سمرہ بن جندب فزاری، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ ۵۸ھ کو بصرہ میں فوت ہوئے۔ (الاستیعاب: ۲/ ۶۵۳)

❷ الکامل فی التاریخ: ۲/ ۴۸۲. ❸ تاریخ طبری: ۶/ ۲۳۰.

❹ الکامل فی التاریخ: ۲/ ۵۱۷.

❺ انساب الاشراف: ٤/ ۳۸۷-۳۸۸۔ تاریخ طبری: ٦/ ۲۳۰.

❻ مرویات خلافة معاویة، ص: ۲۰٤.

قتل کے دو اہم سبب ذکر کیے ہیں: ان میں سے پہلا سبب یہ تھا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر کہتا تھا، اور دوسرا یہ کہ اس نے اپنے بھائی مرداس بن ادیہ کی خروج کے لیے مدد کی۔ ❶

۴۔ مرداس بن ادیہ کی تحریک:

۵۸ھ میں مرداس بن ادیہ نے اہواز میں بغاوت کی، قبل ازیں زیاد نے اسے دوسرے خوارج کے ساتھ قید کیے رکھا تھا، قید کے دوران جیل کا داروغہ اس کی عبادت گزاری کا مشاہدہ کرتا، وہ اس سے متاثر ہو کر اسے رات کے وقت گھر جانے کی اجازت دے دیتا، وہ گھر چلا جاتا اور صبح کے وقت واپس آ کر جیل میں داخل ہو جاتا، مرداس کا ایک دوست رات کو ابن زیاد کے ساتھ باتیں کیا کرتا تھا اس دوران ایک دفعہ خوارج کا ذکر کیا اور صبح ہونے پر انہیں قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو مرداس کے دوست نے اس کے گھر والوں کو اس سے باخبر کر دیا چونکہ مرداس گھر میں تھا، لہٰذا، اس نے بھی یہ بات سن لی ادھر جب یہ خبر داروغہ جیل کو ملی تو وہ اس خوف کے پیش نظر رات بھر پریشان رہا کہ اگر مرداس کو اس بات کا علم ہو گیا تو وہ واپس نہیں آئے گا مگر صبح کے وقت جب اس کے آنے کا وقت ہوا تو اس نے دیکھا کہ مرداس واپس آ رہا ہے۔ داروغہ جیل نے اس سے پوچھا: کیا تجھے امیر کے ارادہ کا علم ہو گیا تھا؟ اس نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: تو پھر بھی چلا آیا؟ مرداس نے جواب دیا: تیرے احسان کا بدلہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ تجھے میری وجہ سے سزا ملے، پھر جب صبح ہوئی تو ابن زیاد خوارج کو قتل کرنے لگا، پھر اس نے مرداس کو آواز دی، جب وہ حاضر ہوا تو جیل کے داروغہ نے جو کہ ابن زیاد کی رضاعی ماں کا خاوند تھا اس کے پاؤں پکڑ لیے اور اس کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اسے رہا کرانے کی سفارش کی جس پر ابن زیاد نے اسے رہا کر دیا۔ ❷ بلاذری اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ابن زیاد نے جیل میں محبوس خوارج کو قتل کرنے کا اس لیے ارادہ کیا کہ ان میں سے بعض لوگوں نے کسی پہرے دار کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ ❸ پھر مرداس ابن زیاد کے خوف سے چالیس دوسرے لوگوں کے ساتھ اہواز بھاگ گیا، جب ان کے پاس سے بیت المال کا مال گزرتا تو وہ اس سے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا وظیفہ لے کر دوسرا مال واپس کر دیتا۔ جب ابن زیاد کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے اسلم بن زرعہ کی قیادت میں ان کی طرف ایک لشکر بھیجا، ایک دوسری روایت میں اس قائد کا نام ابو حصین تمیمی بتایا گیا ہے۔ یہ لشکر دو ہزار لوگوں پر مشتمل تھا اور یہ ۶۰ھ کی بات ہے۔ جب وہ ابو بلال کے پاس پہنچے تو اس نے انہیں لڑنے کو کہا مگر انہوں نے ایسا نہ کیا، جب اسلم نے انہیں جماعت سے صلح کرنے کی دعوت دی تو وہ کہنے لگے: کیا تو ہمیں فاسق ابن زیاد کے حوالے کرنا چاہتا ہے؟ اسلم کے ساتھیوں میں سے کسی شخص نے ابو بلال کے ایک ساتھی کو تیر مار کر اسے ہلاک کر ڈالا تو ابو بلال کہنے لگا: تم سے جنگ کا آغاز انہوں نے کیا ہے، اس پر خوارج نے اسلم اور اس کے ساتھیوں پر اس قدر بھرپور وار کیا کہ انہیں شکست فاش سے دوچار کر دیا۔ اس پر ابن زیاد نے اسلم کو ملامت کرتے ہوئے کہا: تیرے دو ہزار لوگوں کو

---

❶ الکامل فی اللغۃ: ۳/ ۱۰۹۸ نقلا عن مرویات خلافۃ معاویۃ فی تاریخ الطبری، ص: ۲۰۵۔

❷ تاریخ طبری: ۶/ ۲۳۱۔ ❸ انساب الاشراف: ۴/ ۱۸۱

چالیس افراد نے ہزیمت دے دی، تجھ میں کوئی خیر نہیں۔ وہ کہنے لگا: اگر تو میری زندگی میں مجھے ملامت کرے تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ تو میرے مرنے کے بعد میری تعریف کرے۔ جب بچے اسلم کو دیکھا کرتے تو چلا کر کہتے: تیرے پیچھے ابو بلال آ رہا ہے۔ اسلم نے بچوں کے اس رویے کی شکایت ابن زیاد سے کی تو اس نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ ❶

ثالثاً:......اہم دروس وعبر اور فوائد

۱۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خوارج کے طرزِ عمل پر نگاہ رکھنے والا اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اس عہد میں ان کے خروج کا مقصد بنوامیہ کی حکومت کو غیر مستحکم اور کمزور کرنا تھا۔ انہیں اس کو ختم کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ❷

۲۔ خوارج کی بعض تحریکوں کا انحصار ان چند جماعتوں پر تھا جو جنگ نہروان سے پسپا ہو کر ادھر ادھر بکھر گئی تھیں اور جن کے ساتھ کوفہ میں مقیم خارجی بھی شامل ہو گئے تھے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حکومت تبدیل ہونے کے باوجود خوارج کے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

۳۔ معاویہ رضی اللہ عنہ خارجی معارضہ کی حقیقت، حکومت اور خاص طور سے ان کی ذات کے بارے میں ان کے موقف سے بخوبی آگاہ تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے خوارج کو اپنی صف میں شامل کرنے کے لیے کسی سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ انہوں نے پہلے دن سے ہی ان کے خلاف طاقت استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ❸

۴۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے خارجیوں کے خلاف جنگ میں پولیس اور لشکر کو استعمال کرنے میں کبھی تردّد سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے اپنے مقتولین کا بدلہ لینے والوں کے خلاف ہی طاقت کا استعمال نہیں کیا بلکہ اسے ان لوگوں کے خلاف بھی استعمال کیا جن کے بارے میں خروج کا ارادہ کرنے کی بھی اطلاع ملی، اس کی مثال کے طور پر معین بن عبدالرحمٰن محاربی اور حیان بن ظبیان سلمی وغیرھما کا نام لیا جا سکتا ہے، اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ شہر میں خوارج کی نقل وحرکت کی نگرانی کیا کرتے تھے، ان کی جاسوسی کرتے اور ان کے بارے میں انہیں جو خبریں ملتیں ان کی روشنی میں انہیں سزا بھی دیا کرتے تھے۔ ❹

۵۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا اہم ترین کردار یہ ہے کہ انہوں نے خوارج کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انصار ومعاونین کو استعمال کیا اور اس کے لیے انہوں نے ان کی باہمی عداوت سے فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے دولت امویہ کو کوئی قابل ذکر نقصان پہنچائے بغیر کوفہ میں موجود مخالفین کو خاموش کروا دیا اور کوفیوں کو دولت امویہ کے ساتھ معارضہ سے ہٹا کر دوسری باتوں میں الجھا دیا۔ جس سے دولت امویہ کو اپنا اثر ونفوذ مضبوط بنانے کا موقع میسر آ گیا۔ ❺ جبکہ دوسری طرف انہوں نے روافض اور خوارج میں پہلے سے موجود خلیج کو مزید گہرا کر

❶ الکامل فی التاریخ: ۲/ ۵۱۸۔ ❷ الخوارج فی العصر الاموی، نایف معروف، ص: ۱۳۰۔
❸ حرکۃ الخوارج، لطیفۃ البکائی، ص: ۶۰۔
❹ ایضا، ص: ۶۵۔ ❺ ایضا، ص: ۶۵۔

دیا اور اس دوران انہوں نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ دولت امویہ کو متحد اور قوی معارضہ کے خطرہ سے بچائے رکھا، کوفہ میں انہوں نے معارضہ کے بارے میں یہی موقف اختیار کیے رکھا کہ وہ خلیفہ کے احکامات کی تعمیل کریں گے، اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بعض اجتہادات سے بھی کام لیا جن کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اس طرح دولت امویہ کی زیادہ خدمت کی جاسکتی ہے۔ ❶

جہاں تک امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے انصار اور خاص طور سے ان میں سے زعماء کا تعلق ہے تو دولت امویہ انہیں قریب رکھنے اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہی، یہی وجہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ نرمی پرمبنی رویہ اختیار کیے رکھا، یہی وجہ ہے کہ ان کی ولایت کے سارے عرصہ میں کوفہ پرامن اور پرسکون رہا۔ ❷

۶۔ زیاد کی طرف سے بصرہ کی ولایت کا منصب سنبھالنے کے ساتھ ہی خوارج کا قلع قمع کرنے کی کارروائیاں تیز ہوگئیں وہ نہ صرف یہ کہ انہیں قتل کرتا بلکہ وہ لاشوں کا مثلہ کرکے انہیں پبلک مقامات پر یا ان کے گھروں کے سامنے لٹکا دیتا اور اس میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی تمیز نہ کی جاتی، اگرچہ لاشوں کی اس انداز میں بے حرمتی کرنا انتہائی غیر پسندیدہ عمل ہے اور جس سے نبی کریم ﷺ نے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، حتیٰ کہ کفار کی لاشوں کا مثلہ کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے مگر زیاد نے یہ کام خوارج کے ساتھ روا رکھا اور اس حوالے سے مردوں اور عورتوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جس سے مقصود دوسرے لوگوں کو مرعوب کرنا اور انہیں امن سے رہنے کے لیے مجبور کرنا تھا۔ خوارج کو دی جانے والی سزائیں انہیں قتل کرنے، لاشوں کا مثلہ کرنے اور دیگر جسمانی سزاؤں تک ہی محدود نہیں تھیں بلکہ وہ مالی عطیات اور وظائف تک کا احاطہ کرتی تھیں اور زیاد اس میدان میں اپنے سے گزشتہ حکمرانوں سے بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ اس نے سرکاری خزانے سے عطیات وصول کرنے والے لوگوں کے ناموں کی فہرست والے رجسٹر سے خوارج کے نام تک خارج کرکے ان کے عطیات و وظائف بند کر دیئے تھے۔ ❸

۷۔ زیاد نے اپنی متشددانہ پالیسی کو ملکی سیاست میں اہم ستون کے طور سے اپنا رکھا تھا، اس کے نزدیک ان لوگوں کے خلاف اندھی طاقت کا استعمال ریاستی مصلحت کا تقاضا تھا جو اس کی طاقت کے سامنے ہتھیار پھینک کر پرامن زندگی گزارنے سے انکاری تھے۔ ❹

۸۔ زیاد کی پرتشدد سیاست کی وجہ سے خوارج کی تحریکیں دم توڑ گئیں، ریاستی قوت کی دھاک بیٹھ گئی اور مختلف قبائل اس کے ہم نوا بن گئے جس کی وجہ سے شہر میں امن وامان کی صورت حال بہت بہتر ہوگئی۔ اگرچہ زیاد مخالف تحریکوں کو دبانے اور عراق کے دوسرے رہائشیوں کو مرعوب کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا اور اس نے آزادی

❶ حركة الخوارج، ص: ٦٦. ❷ ايضا، ص: ٦٦.
❸ صدر الاسلام و الدولة الاموية، محمد عبدالحى شعبان، ص: ٩٩- حركة الخوارج لطيفة البكائى، ص: ٧٠.
❹ حركة الخوارج، ص: ٧١.

سے لطف اندوز ہونے والے جنگجوؤں کو مکمل طور سے ریاستی مشینری کے تابع کر دیا تھا مگر وہ بہت سارے خوارج کے دلوں سے خروج کے ارادوں کا گلا گھونٹنے میں کامیاب نہ ہو سکا، یہی وجہ تھی کہ وہ اس کے بیٹے عبیداللہ کی ولایت کے دوران دوبارہ پھر میدان میں اتر آئے۔ ❶

۹۔ خوارج کا قلع قمع کرنے میں عبیداللہ بن زیاد اپنے باپ سے بھی آگے نکل گیا، جو بھی خارجی اس کے ہتھے چڑھ جاتا وہ کسی کو بھی معاف نہ کرتا اوران کے لیے ہر قسم کی سزا روا رکھتا، اگرچہ اس کے نزدیک ان کے لیے قابل ترجیح سزا انہیں قتل کرنا ہی تھا مگر وہ حالات کے تحت کسی کو پابند سلاسل بھی کر دیتا اور کبھی کسی کے بارے میں درگزر سے بھی کام لیتا، مختلف قبائل کے سرکردہ لوگوں کی سفارش پر رہا کردہ خوارج میں سے اگر کوئی دوبارہ سرکاری احکامات تسلیم کرنے سے انکار کرتا یا ان کی مخالفت پر کمربستہ ہوتا تو اسے موت کا سامنا کرنا پڑتا۔ ابن زیاد اس بات کا انتظار نہیں کرتا تھا کہ کوئی خارجی بغاوت پر اترے گا تو وہ اس سے نمٹ لے گا بلکہ وہ تمام امکانی وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے انہیں تلاش کیا کرتا جن میں مالی وسائل کو استعمال کرتے ہوئے بعض قبائل کے لوگوں کا ان کی سرگرمیوں کی ٹوہ لگانا اور پھر انہیں اس کے یا اس کے دیگر اہل کاروں کے سامنے پیش کرنا سرفہرست تھا۔ یہ طریقہ کار اپناتے ہوئے وہ کتنے ہی ایسے لوگوں کو اپنی گرفت میں لانے میں کامیاب ہو گیا جو خارجی نظریات کے حامل تھے یا خوارج کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے۔ مگر اس کا نقصان یہ ہوا کہ چغل خوروں اور دوسروں پر جھوٹی تہمتیں لگا کر اپنے مقاصد پورے کرنے والوں کو وسیع میدان حاصل ہو گیا۔ ❷ جس سے قدیم قبائل میں تنازعات وتعصبات بھڑک اٹھے اور قبائل کے درمیان نئے نئے اختلافات اٹھ کھڑے ہوئے۔ ❸

۱۰۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ایام میں خارجی تحریکوں کے عمومی امتیازات:

ا: غیر منظم اور جلد بازی سے عبارت۔

ب: اجتماعی خودکشی کی سی کارروائیاں جیسی، اس لیے کہ وہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی صورت میں نکلتے جنہیں تھوڑی ہی دیر میں تہس نہس کر دیا جاتا۔

ج: ایسی ذمہ دار اور تجربہ کار قیادت کا فقدان جو اُن کے مقاصد کے حصول کے لیے ان کی شجاعت و بہادری سے فائدہ اٹھا سکتی۔

د: ایک دوسرے کی غلطیوں کو بار بار دہرانا اور دوسری تحریکات کے تجربات سے فائدہ نہ اٹھانا۔

ھ: قومی دھارے میں واپس آنے کے لیے بات چیت اور تبادلہ خیالات سے اجتناب کرنا اور مسلم معاشرے پر فکر ورائے کو طاقت کے زور پر ٹھونسنا۔

---

❶ حركة الخوارج، ص: ٧٤.
❷ حركة الخوارج، ص: ٧٤.
❸ ايضا، ص: ٧٤.

و: ان کے خیال میں جن دینی اسباب نے انہیں خروج کے لیے مجبور کیا ان کا خلط ملط ہونا، علاوہ ازیں ان میں جاہلی عصبیت کا عنصر بھی موجود تھا، مثلاً یہی کہ ان میں سے بعض لوگ اپنے مقتول ساتھیوں کا بدلہ لینے کے لیے خروج پر کمربستہ ہو جاتے تھے۔

ز: اسلامی معاشرے میں رہ کر اس سے اجنبیت کا احساس اور اس سے نفرت اور ان کا یہ یقین کہ کفار کے ساتھ جہاد کرنے سے اہل قبلہ کو قتل کرنا اولیٰ ہے۔

ح: اپنی دعوت کو پھیلانے کے لیے کسی نئی زمین کی جستجو نہ کرنا اور صرف عراق کے بعض شہروں خاص طور سے کوفہ اور بصرہ پر انحصار کرنا۔

ط: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے غلط طریقہ کار اپنانا، جس کی وجہ ان کی کم علمی اور دین سے جہالت تھی اس لیے کہ عبادت کی کثرت آدمی کی سمجھ داری کی دلیل نہیں ہوتی، اگر یہ بات ہوتی تو خوارج اپنے زمانے کے سب سے زیادہ سمجھ دار اور باشعور ہوتے۔ [1] وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مصداق تھے:
''تمہارا ایک آدمی اپنی نماز کو ان کی نماز اور اپنے روزے کو ان کے روزے سے کم تر سمجھے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔'' [2]

ی: انہیں تبدیلی پر مبنی اپنے پروگرام کے لیے زیادہ انتظار اور صبر و حوصلہ کی ضرورت تھی۔

۱۱۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بعض خوارج کے لیے ابوبکرہ ثقفی کی سفارش اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت:...... ۴۱ھ میں حمران بن ابان نے بصرہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا، اسے اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنے کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نے ادھر ایک لشکر بھیجا تو ابوبکرہ ثقفی ان کے پاس آیا اور ان سے انہیں معاف کرنے اور درگزر سے کام لینے کی درخواست کی، معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں درگزر سے کام لیتے ہوئے انہیں رہا کر دیا اور بصرہ پر بسر بن ارطاۃ کو والی مقرر کر دیا۔ [3] اس موقع پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابوبکرہ سے فرمایا: کیا تو ہمیں کسی چیز کی وصیت کرنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، امیر المومنین! میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ آپ اپنا اور اپنی رعیت کا خیال رکھیں، اور نیک اعمال بجا لائیں، آپ نے بہت بڑی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے اور وہ ہے اللہ کی مخلوق پر اللہ کی خلافت۔ اللہ سے ڈرا کریں، آپ کے سامنے ایک حد ہے آپ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے، آپ کے پیچھے ایک تیز رو متلاشی ہے ہوسکتا ہے کہ جب تم اپنی آخری حد کو پہنچو تو آپ کا متلاشی آپ کو آ لے اور پھر آپ کو اس کے حوالے کر دیا جائے جو آپ سے ہر اس چیز کے بارے میں سوال کرے جو آپ کرتے رہے جس کا اسے آپ سے زیادہ علم ہے۔ اللہ کی رضا پر کسی چیز کو ترجیح نہ دینا۔ [4]

۱۲۔ خوارج کے ساتھ جنگ میں نرم جذبات کا استعمال:...... حوثرہ بن وداع بن مسعود اسدی نے دولت امویہ

---

[1] مرویات خلافة معاوية في تاريخ الطبري، ص: ۲۱۰.
[2] بخاري مع فتح الباري: ۱۲/ ۲۰۳. [3] البداية و النهاية: ۱۱/ ۱۴۹. [4] ايضا: ۱۱/ ۱۵۰.

کے خلاف خروج کیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے باپ کو بلا کر اس سے فرمایا: اپنے بیٹے کے پاس جاؤ ہو سکتا ہے کہ تمھیں دیکھ کر اس کا دل نرم پڑ جائے، وہ اس کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا: کیا میں تیرے پاس تیرے بیٹے کو لے کر نہ آؤں، شاید جب تو اسے دیکھے تو اس سے جدا ہونے کو پسند نہ کرے؟ وہ کہنے لگا: کافر کے ہاتھ سے لگے نیزے کے زخم میں تڑپنے کا شوق اپنے بیٹے کے شوق سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ سن کر اس کا باپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس واپس گیا اور انہیں اس کی اس بات سے آگاہ کیا، اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف عبداللہ بن عوف الاحمر کی قیادت میں دو ہزار کی نفری پر مشتمل ایک لشکر بھیجا، دوسرے لوگوں کے ساتھ حوثرہ کا باپ بھی اس کے مقابلے میں اترا اور اسے دعوت مبارزت دی تو وہ کہنے لگا: ابا جان! اس کام کے لیے میرے علاوہ اور بہت ہیں۔ خوارج عبداللہ بن عوف کے ساتھ بڑی دلیری سے لڑے، خود حوثرہ ابن عوف کے مقابلے میں آیا تو ابن عوف نے اسے نیزہ مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بجز پچاس لوگوں کے اس کے تمام ساتھی بھی مارے گئے۔ یہ جمادی الاخریٰ ۴۱ھ کا واقعہ ہے۔ حوثرہ بڑا عبادت گزار تھا جب ابن عوف نے اس کے چہرے پر سجدوں کے آثار دیکھے تو وہ اسے قتل کرنے پر نادم ہوا اور کہنے لگا:

قتلت اخا بنی اسد سفاها
لعمر ابی فما لُقیت رشدی
قتلت مصلیا مِحیاء لیل
طویل الحزن ذا بر و قصد
قتلت اخا تقی لانال دنیا
و ذلك لشقوتی و عثار جدی
فهب لی توبة یا رب و اغفر
لما قارفت من خطاء و عمد [1]

''میں نے از راہ حماقت بنو اسد کے بھائی کو قتل کر ڈالا، مجھے میرے باپ کی قسم، مجھے رشد و ہدایت القاء نہیں کیا گیا، میں نے شب زندہ دار نمازی کو قتل کر دیا، جو نیک خو، نیک ارادہ اور غم ناک رہا کرتا تھا، میں نے دنیا کے حصول کے لیے اپنے متقی بھائی کو قتل کیا، اور ایسا میری بدبختی اور بدنصیبی کی وجہ سے ہوا، میرے پروردگار! میری مغفرت فرما اور مجھے توبہ کرنے کی توفیق دے، ہر اس گناہ سے جو مجھ سے ارادتاً ہوا یا غیر ارادی طور سے۔''

رابعاً:...... عہد معاویہ میں خوارج کے بعض قصائد

ا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی قید میں معاذ بن جوین بن الحصین کے چند اشعار:......

[1] الکامل فی التاریخ: ۳/ ۴۵۰.

الا ایھا الشارون قد حان لامرئ
شری نفسہ للہ ان یترحلا
اقمتم بدار الخاطئین جھالۃ
و کل امرئ منکم یصاد لیقتلا
فشدوا علی القوم العداۃ فانما
اقامتکم للذبح رایا مضلّلا
و یا لیتنی فیکم اعادی عدوکم
فیسقینی کاس المنیۃ اولا [1]

''اپنے آپ کو اللہ کے لیے فروخت کرنے والو! جس شخص نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے بیچ دیا ہے اس کے کوچ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ تم ازراہ جہالت غلط کار لوگوں کے علاقہ میں مقیم ہو، تم میں سے ہر شخص کو قتل کرنے کے لیے شکار کیا جائے گا، اس غلط کار قوم سے سخت دشمنی رکھو، تمہارا ادھر قیام کرنا غلط خیال کی رو سے ذبح ہونے کے لیے ہے، کاش میں تم میں موجود رہ کر تمہارے دشمن سے عداوت رکھ سکتا، اور وہ پہلے مجھے موت کا پیالہ پلاتا۔''

۲۔ بنو تیم اللہ بن ثعلبہ سے ایک خارجی شاعر کہتا ہے:...... مرداس ابو بلال بن ادیہ نے چالیس ساتھیوں کے ساتھ مل کر عبیداللہ بن زیاد کے خلاف خروج کیا تو اس نے اس کے مقابلہ کے لیے ایک لشکر روانہ کیا مگر وہ مرداس سے شکست کھا گیا تو اس پس منظر میں یہ اشعار کہے گئے:

االفا مومن منکم زعمتم
و یقتلھم باسك [2] اربعون
کذبتم لیس ذاك کما زعمتم
و لکن الخوارج مؤمنونا
ھی الفئۃ القلیلۃ قد علمتم
علی الفئۃ الکثیرۃ ینصرونا [3]

''کیا تمہارے خیال میں دو ہزار اہل ایمان کو باسک کے مقام پر چالیس لوگوں نے قتل کر دیا۔ تم جھوٹ بولتے ہو، بات وہ نہیں ہے جو تم سمجھتے ہو، اصل بات یہی ہے کہ خوارج مومن ہیں، تم جانتے ہو کہ یہ قلیل سی جماعت ہے، جس کی بڑی جماعت کے خلاف مدد کی جاتی ہے۔''

[1] الکامل فی التاریخ: ۲/ ٤٥٠ .
[2] آسک: نواحی اہواز میں ایک شہر، ملاحظہ ہو: معجم البلدان: ۱/ ۵۳ .
[3] تاریخ طبری: ٦/ ۲۳۱، ۲۳۲ .

پانچویں بحث:

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں مالی نظام

اولاً:......ذرائع آمدن

ا۔زکوٰۃ:

زکوٰۃ اسلام کے مالی نظام کا اہم ترین عنصر ہے، زکوٰۃ کی فرضیت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ دونوں سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوْٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ٥﴾ (البينة: ٥)

''اور انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے، ایک طرف ہونے والے ہوں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی مضبوط ملت کا دین ہے۔''

زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے اہم رکن ہے اور اس کی فرضیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف قتال کرنے پر اتفاق کیا۔ [1] لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنے اور اسے خرچ کرنے کی ذمہ داری سلطان وقت کو تفویض کی گئی ہے، رسول اکرم ﷺ زکوٰۃ جمع بھی فرمایا کرتے اور پھر اسے تقسیم بھی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ سلسلہ برقرار رکھا، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اموال کی کثرت ہوگئی تو انہوں نے اموال باطنہ سے متعلقہ امور کو امام کے وکلاء کے حوالے کر دیا جبکہ اموال ظاہرہ مثلاً کھیتیاں اور مویشی وغیرہا کی زکوٰۃ حکومت وصول کرتی اور وہی اسے خرچ بھی کیا کرتی تھی۔ [2] حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں وارد ہے کہ وہ خود زکوٰۃ وصول کیا کرتے تھے۔ [3] پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اس بارے میں اختلاف رونما ہوا کہ مقامی ولاۃ کو زکوٰۃ دی جائے یا نہیں؟ [4] یہ اختلاف اموال باطنہ کے بارے میں تھا جہاں تک اموال ظاہرہ کا تعلق ہے تو ان کی زکوٰۃ حکومت ہی وصول کیا کرتی تھی۔ چونکہ اموی دورِ حکومت میں بعض لوگ ولاۃ الامور کو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے، لہٰذا اس کے نتیجہ میں زکوٰۃ کی وصولی میں کمی واقع ہوگئی۔ یاد رہے کہ اس سے

---

[1] المغنی و الشرح الکبیر: ۲/ ٤٣٤۔ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ٦٤ .

[2] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع از کسانی، کتاب الزکوٰۃ: ۲/ ۸۲۰ .

[3] کتاب الاموال، از ابو عبید قاسم بن سلام، ص: ۳۷۲-۳۷۳ . [4] ایضا، ص: ٥٠٤ تا ٥١١ .

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا دورِ حکومت مستثنیٰ ہے لوگوں نے جب ان کی ولایت کی خبر سنی تو وہ حکومت کو زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے دوڑتے چلے آئے۔ ❶ اسی طرح ان کے عہد حکومت میں سرکاری محاصل میں زکوٰۃ کا کردار پہلے سے کئی گنا بڑھ گیا، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اموی دورِ حکومت کے تمام عرصے میں زکوٰۃ کے اہم کردار سے چشم پوشی کی گئی تھی، اگرچہ اس کی وصولی میں خاصی کمی واقع ہوئی تھی مگر متعدد دلائل اس کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور وہ اس طرح کہ زکوٰۃ اموی اقتصاد کے دو مرکزی ذرائع سے وصول کی جاتی تھی اور وہ تھے زراعت اور تجارت۔ ❷ اس کی اہمیت اس امر سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اس کے لیے دیوان صدقات کے نام سے ایک خاص دیوان قائم کیا گیا۔ ❸ یہ دیوان زکوٰۃ اور صدقات کے امور کی نگرانی کرتا جو مالی طور سے مستحکم لوگوں سے وصول کیے جاتے اور قرآن وسنت کی رو سے اس کے مستحقین پر خرچ کیے جاتے تھے۔ ❹ بتایا جاتا ہے کہ اس کا آغاز ہشام بن عبدالملک کے دورِ خلافت میں ہوا، یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس کے دور میں دیوان صدقات وزکوٰۃ کا نگران اسحاق بن قبیصہ بن ذؤیب تھا۔ زکوٰۃ کی مد سے آمدن کی پوری تفصیل فراہم نہ ہو سکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سرکاری طور سے اس کا اندراج نہیں کیا جاتا تھا بلکہ وہ ساری کی ساری یا اس کا زیادہ حصہ اسی وقت اس کے مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا۔ ❺ عمومی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اموی عہد حکومت میں نظام زکوٰۃ شرعی اصولوں کے تابع تھا۔ زکوٰۃ کی مد میں ہونے والے محاصل حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دورِ خلافت میں اپنی آخری حدود کو چھونے لگے، چونکہ ان کے دور میں حکومت عملی طور پر نفاذ اسلام کے لیے حریص تھی، لہٰذا لوگ اس پر اعتماد کرتے ہوئے اسے زکوٰۃ ادا کرنے میں جلدی دکھانے لگے اور پھر چونکہ لوگ یہ کام اپنی خوشی سے ازخود کیا کرتے تھے، لہٰذا وصولی زکوٰۃ کے اخراجات میں بھی خاصی کمی واقع ہوگئی۔ یوں اخراجات کی کمی اور محاصل کی کثرت نے زکوٰۃ کی آمدن میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا۔ ❻

۲۔ جزیہ:

اہل ذمہ سے وصول کی جانے والی رقم جزیہ کہلاتی ہے۔ یہ ٹیکس حکومت وصول کرتی ہے جو کہ اس کے دفاع کے مقابل ہے۔ جزیہ دولت امویہ کے لیے ثابت شدہ اہم ذریعہ آمدن تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ۝﴾ (التوبة: ۲۹)

''ان لوگوں سے لڑو جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں رکھتے، جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ

❶ عمر بن عبدالعزیز از ابن جوزی، ص: ۱۰۴۔ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ٦٥.

❷ کتاب الخراج، ص: ۲۷۱، ۲۷۲. ❸ النظم الاسلامیة، انور الرفاعی، ص: ۸۲، ۸۳.

❹ الدواوین فی العصر الاموی، نجم المسعودی، ص: ٦١.

❺ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ٦٦. ❻ ایضا، ص: ٦٦.

شے کو حرام نہیں جانتے اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے
یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔"

جزیہ سنت سے بھی ثابت ہے، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کے عامل کے ترجمان سے فرمایا تھا: "ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم تم سے قتال کریں یہاں تک کہ تم ایک اللہ کی عبادت کرو یا پھر جزیہ ادا کرو۔ [1] اہل ذمہ سے جزیہ کی وصولی اجماع امت سے بھی ثابت ہے۔ [2] امویوں نے جزیہ کے نظام میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں کیا تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس دور میں جزیہ کا حصول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں رائج نظام کے ہی تابع تھا، اور اس کے مندرجہ ذیل نکات تھے:

ا: کن لوگوں سے جزیہ وصول کیا جائے گا، اس ضمن میں صرف عاقل و بالغ مرد ہی آتے تھے۔ [3]

ب: جو لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں، وہ یہ تھے: عورتیں، بچے، پرانے مریض، غلام، دیوانے، اندھے، بوڑھے اور راہب جن کا کوئی ذریعہ آمدن نہ ہو۔ [4] جزیہ عائد کرتے وقت لوگوں کی مالی حالت کا بھی خیال رکھا جاتا۔ متمول آدمی پر اڑتالیس درہم سالانہ، متوسط طبقہ کے لوگوں پر فی کس چوبیس درہم سالانہ اور اس سے نچلے طبقہ کے لوگوں پر فی کس بارہ درہم سالانہ، بشرطیکہ وہ برسر روزگار ہو۔ [5] جزیہ وصولی کے مندرجہ ذیل دو معیار تھے:

(۱) **معیار مسئولیت:**......اس کی رو سے جزیہ کی دو اقسام تھیں:

جزیہ فردیہ:...... یہ وہ جزیہ تھا جو اس کی شروط پوری کرنے والے ہر شخص پر محدود مقدار میں عائد کیا جاتا جو اسلام قبول کرنے کی صورت میں ساقط کر دیا جاتا۔

اجتماعی یا مشترکہ جزیہ:......اس کی صورت یہ تھی کہ کسی بستی یا شہر والوں پر کسی معین مقدار میں جزیہ عائد کیا جاتا اور وہ اس رقم کو اپنے افراد پر تقسیم کر لیتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اس کی مثال یہ ہے کہ آپ نے اہل اذرح کے ساتھ اس شرط پر صلح کی کہ وہ ہر سال ماہ رجب میں سو دینار جزیہ ادا کیا کریں گے۔ [6] عصر اموی میں زیادہ تر جزیہ اسی قسم کا تھا۔ [7]

(۲) **نقدی اور عینی معیار:**......اس کی رو سے جزیہ تین اقسام میں منقسم تھا: نقدی جزیہ، عینی جزیہ اور مشترکہ جزیہ۔ عصر اموی میں جزیہ کی ان تمام اقسام پر عمل کیا جاتا تھا، ہمارے سامنے ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو اس سے خروج کی طرف اشارہ کرتی ہو، اور خاص طور سے اس وقت جب شریعت اسلامیہ شرائط صلح کے التزام کا

[1] فتح الباری: ٦/ ٣١٧.
[2] المغنی، کتاب الجزیة: ١٠/ ٥٦٧.
[3] التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ٦٦.
[4] الاحکام السلطانیة، ص: ١٤٤.
[5] التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ٦٧.
[6] فتوح البلدان از بلاذری، ص: ٧١.
[7] التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ٦٧.

تقاضا کرتی ہو۔

مگر یہ اس امر سے مانع نہیں ہے کہ کبھی کبھی بعض ولاۃ وامراء شرعی قواعد وضوابط سے خروج کے بھی مرتکب ہوا کرتے تھے۔ ❶ جزیرہ میں آنے والے غلے کے حجم اور کل حکومتی آمدن میں اس کے تناسب کی تحدید کرنا دشوار امر ہے۔ البتہ بعض اشارات جزیہ میں آنے والی اشیاء کے بھاری حجم پر دلالت کرتے ہیں۔ اس دور میں دولت امویہ نے بہت سارے شہروں میں اسلام کی نشر واشاعت کرنا اور پھر انہیں فتح کر کے وہاں کے ان شہریوں پر جو اسلام قبول کرنے سے انکاری تھے ان پر جزیہ عائد کرنا جیسے حوالہ جات سے دولت امویہ کا عظیم کردار رہا ہے۔ ❷

۳۔ خراج:

حکومت کے ذرائع آمدن کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وضع کردہ نظم سے دولت امویہ نے بھرپور استفادہ کیا، حکومت کے زیادہ تر صوبوں میں اسی نظم کی پیروی کی جاتی تھی بجز چند تبدیلیوں کے جن کا آگے چل کر ذکر آئے گا۔ ❸ خراج کا ایک خاص مفہوم ہے، اور وہ ہے: ان اراضی کی پیداوار جنہیں مسلمانوں نے بزور بازو فتح کیا اور حکمران نے مسلمانوں کی مصالح کی خاطر اسے ہمیشہ کے لیے وقف کر دیا۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق اور شام کی اراضی کے ساتھ کیا تھا۔ ❹ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خراج کو اجارہ اور قیمت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، وہ بنفسہ اصل ثابت ہے اسے کسی دوسری چیز پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ ❺ دولت امویہ کے لیے خراج بڑی اہمیت کا حامل تھا، بطور مثال عبیداللہ کے زمانے (۵۴-۶۶ھ) میں سواد عراق کے خراج کی آمدن ایک سو پینتیس ملین درہم تھی۔ ❻ جہاں تک علاقہ جزیرہ اور شام کا تعلق ہے تو ان میں خراج کا نظام معاویہ ابن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے وضع کردہ نظام کے مطابق ہی چلتا رہا۔ جنھوں نے جزیہ اور خراج کی دو صورتوں میں مختلف شہروں پر ٹیکس عائد کر رکھا تھا۔ جس کی تفصیل اس طرح سے ہے:

الف: اہل قسرین پر دس لاکھ پچاس ہزار درہم۔ (تقریباً)

ب: اردن پر ساٹھ لاکھ درہم تقریباً

ج: اور فلسطین پر تقریباً ساٹھ لاکھ درہم۔ ❼

---

❶ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ٦٨۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تاریخ بلاد الشام الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ٢٩٤.

❷ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ٧١.

❸ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ٧٣.

❹ کتاب الخراج لابی یوسف، ص: ٢٤، ٢٥۔ اقتصادیات الحرب، ص: ٢١٥.

❺ الاستخراج لاحکام الخراج، ص: ٤٠۔ اقتصادیات الحرب، ص: ٢١٥.

❻ الاحکام السلطانیة، ص: ١٧٥۔ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ٧٤.

❼ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ٧٦.

اس دوران خراج کی وصولی میں بعض انحرافات دیکھنے میں آئے جن میں سے اہم تر یہ ہیں:

ان اراضی پر بھی خراج عائد کر دیا گیا جو صلح کے معاہدہ کی نص کی رو سے اس سے مستثنیٰ تھیں۔ [1] یہ کچھ یزید بن معاویہ کے عہد (۶۰-۶۴ھ) میں ہوا جب اس نے اردن اور فلسطین میں سامرہ [2] کی زمین پر خراج عائد کر دیا۔

بعض صوبوں میں خراج وصول کرنے کے لیے سختی برتی گئی۔ اس سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا دور مستثنیٰ ہے اور اس کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے۔ [3]

خراج جمع کرنے کے اخراجات خراج دینے والوں کے ذمہ لگانا۔ ان اخراجات میں اس کاغذ کی قیمت بھی شامل کی جاتی جس پر خراج کی مقدار لکھی جاتی تھی، ان اخراجات میں ان سٹورز کا کرایہ بھی شامل ہوتا جن میں عینی خراج کو محفوظ کیا جاتا تھا حتی کہ خراج وصول کرنے والے کی اجرت بھی ان پر ڈال دی جاتی تھی۔ مزید برآں وصولی خراج کے دیگر کئی اخراجات بھی ان لوگوں پر ڈال دیئے جاتے تھے۔ [4] تحصیل محاصل کا یہ غیر منصفانہ انداز خاص طور سے صوبہ عراق میں اپنایا گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت سے قبل یہی کچھ ہوتا رہا مگر انہوں نے زمام خلافت سنبھالنے کے ساتھ ہی اس کا ابطال کر دیا جبکہ ان کی وفات کے بعد اسی طرز عمل کو دوبارہ بحال کر دیا گیا۔ [5] اموی دور حکومت میں خراج کے لیے ایک خاص دیوان تھا جو کہ دیوان خراج کے نام سے موسوم تھا جس کی ذمہ داری خراج وصول کرنا، اسے جمع کرنا، اس کا ریکارڈ رکھنا اور اس کی مقدار کا تعین کرنا تھا اور یہ اس لیے کہ خراج حکومتی آمدن کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ [6] اموی حکمرانوں نے خراج جمع کرنے کے لیے مسئولین کا الگ سے تعین کر رکھا تھا۔ مختلف مصادر نے ان لوگوں کے نام گنوائے ہیں جو خراج وصول کرنے اور اسے جمع کرنے کے ذمہ دار تھے اور جو دیوان خراج کی کارکردگی پر نظر رکھتے تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے دمشق کے خراج پر سرجون بن منصور، [7] فلسطین کے خراج پر سلیمان مشجعی [8] اور حمص کے خراج پر ابن اثال نصرانی [9] کو متعین کر رکھا تھا۔ سرجون بن منصور، یزید بن معاویہ کے عہد حکومت نیز معاویہ ثانی، مروان بن حکم اور عبدالملک کے ادوار میں بھی اسی منصب پر کام کرتا رہا آخر عبدالملک نے اپنی حکومت کے آخری دنوں میں اسے معزول کر دیا۔ [10]

---

[1] فتوح البلدان، ص: ۱۶۲-۱۶۳.

[2] سامرہ: ایک یہودی قوم، التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۷۸.

[3] کتاب الخراج لابی یوسف، ص: ۲۶۹-۲۷۰.

[4] کتاب الخراج لابی یوسف، ص: ۱۸۶، ۱۸۷۔ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۷۸.

[5] الوثائق السياسية و الادارية العائدة للعصر الاموی، ص: ٤٥٦.

[6] ادارة بلاد الشام فی العهدين الراشدی و الاموی، ص: ۱۷۷.

[7] الجهشياری، ص: ٢٤.

[8] ايضا، ص: ٢٦۔ ادارة بلاد الشام، ص: ۱۷۸.

[9] تاريخ اليعقوبی: ۲/ ۲۲۳.

[10] ادارة بلاد الشام، ص: ۱۷۸.

معاویہ رضی اللہ عنہ نے بعض صوبوں کے والیوں کو وہاں موجود ایسی وسیع و عریض زمینوں کی اصلاح کی ذمہ داری بھی تفویض کی جن کے لیے بکثرت پانی مہیا ہوسکتا تھا جس کے نتیجے میں لوگ خوشحال ہوئے اور ملکی آمدن میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا جس کا اندازہ پانچ لاکھ درہم لگایا گیا ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ اس امر کے لیے کوشاں رہے کہ شہریوں کی اقتصادی حالت کو بہتر سے بہتر بنایا جائے، انہیں مطمئن رکھا جائے، خراج اور اس کی وصولی کے ذمہ داروں کے حوالے سے ان کے لیے آسانیاں پیدا کی جائیں اور انہیں پرامن زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ ❶

مزید برآں وہ یہ ٹیکس ادا کرنے والوں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرنے کے لیے جن عمال کا انتخاب کرتے ان کی کڑی نگرانی کرتے اور ان کی طرف سے کسی زیادتی کو برداشت نہ کرتے، چاہے وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں، انہوں نے اپنے بھانجے عبدالرحمٰن بن عبداللہ ثقفی کو اسی لیے اس عہدے سے معزول کر دیا کہ اس نے خراج کے بارے میں سختی برتی تھی۔ ❷ اموی دور حکومت میں بکثرت ایسے اشارے ملتے ہیں کہ وہ خراج میں غیر عرب لوگوں کی خدمات سے بھی فائدہ اٹھایا کرتے تھے، اور یہ اس لیے کہ وہ خراج کے امور سے بخوبی آگاہ تھے اور ان کا زمینوں کی آبادی میں اہم کردار رہا تھا۔ ❸ اس حوالے سے زیاد بن ابیہ کا کہنا تھا: خراج کے کاتبین غیر عرب اقوام کے سرکردہ لوگ ہونے چاہئیں جو کہ خراج کے امور سے بخوبی آگاہ ہیں۔ ❹ زیاد نے دیہاتی سرداروں کو مراعات دینے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے حوالے سے کہا تھا: دہکانوں ❺ سے اچھا سلوک کیا کرو، اس لیے کہ اگر وہ خوشحال ہوں گے تو تم بھی خوشحال رہو گے۔ ❻

۴۔ عشور:

اس سے مراد اندرون ملک یا بیرون ملک تجارت سے حاصل شدہ اموال ہیں، جن کی حیثیت عصر حاضر میں کسٹم محصولات جیسی ہوا کرتی تھی، انہیں ایک سرکاری ملازم وصول کیا کرتا تھا جسے ''عاشر'' یعنی عشور وصول کرنے والا کہا جاتا تھا۔ ❼ اسلام میں سب سے پہلے نظام عشور وضع کرنے والے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں، انہوں نے اسے حربی پر عشر، ذمی پر نصف عشر اور مسلمان پر ربع عشر کی نسبت سے عائد کیا ❽ اور نظام مندرجہ ذیل قواعد کے مطابق اموی عہد حکومت میں بھی جاری رہا:

ا: راس المال کی کم از کم حد قابل معافی تھی، جو کہ مسلمان کے لیے دو سو درہم تھی، ❾ جہاں تک اس حوالے سے

---

❶ الخراج، د: غیداء خزانة کاتبی، ص: ۲۳۹.
❷ الخراج، د: غیداء خزانه کاتبی، ص: ۲۳۹.
❸ ایضا، ص: ۲٦۲.
❹ ایضا، ص: ۲٦۲.
❺ دہکان: کھیتی باڑی اور زمین کی درستی کے لیے مناسب اشجار کا ماہر دیہاتی سردار۔
❻ الضرائب فی السواد فی العصر الاموی، از دُوری، ص: ٤٨۔ الخراج، ص: ۲٦۳.
❼ الخراج لابی یوسف، ص: ۲۷۱۔ اقتصادیات الحرب، ص: ۲۲۳
❽ کتاب الاموال لابی عبید، ص: ٤۷٥، ٤۷٦.
❾ الخراج لابی یوسف، ص: ۲۷٦.

حربی اور ذمی کا تعلق ہے، تو اس بارے اختلاف وارد ہوا ہے۔ ❶

ب: عشر سال میں صرف ایک بار وصول کیا جائے گا۔

ج: مسلمان کے چوپائے جانوروں سے عشر وصول کرنے کی شرط یہ تھی کہ وہ کھلے چرنے والے ہوں۔

د: عشور غلام، مکاتب اور مضارب سے وصول نہیں کیا جائے گا، وہ صرف مال کے مالک سے وصول کیا جاتا تھا۔ ❷

ھ: تاجر سے عشر وصول کرنے کے بعد اسے رسید جاری کی جائے گی اور پھر اس کی بنیاد پر اس سے آئندہ سال عشر وصول کیا جئے گا۔ ❸

و: تاجر سے نہ تو تفتیش کی جائے گی اور نہ اس پر سختی کی جائے گی۔ ❹

ز: جو تاجر اس قدر قرضے کا دعویٰ کرے جس کی ادائیگی پر اس کے پاس موجود مال تجارت ختم ہو جاتا ہو تو مسلمان ہونے کی صورت میں اس کی تصدیق کی جائے گی اور شک گزرنے کی صورت میں اس سے حلف لیا جائے گا۔ (اس بارے اختلاف وارد ہے) ❺ رہا ذمی تو اس کے بارے میں زیادہ صائب قول یہ ہے کہ اگر اس کے حق میں دو مسلمان گواہی دے دیں تو اسے معاف کر دیا جائے گا۔ ❻

ح: مسلمان کے مال سے زکوٰۃ اور عشور ایک ساتھ وصول نہیں کیے جا سکتے۔ ❼

ط: اگر کوئی غیر مسلم کوئی ایسا مال لے کر گزرے جو ان کے نزدیک تو مال ہے مگر وہ مسلمانوں کے نزدیک مال نہیں ہے مثلاً شراب، خنزیر اور ان جیسی دیگر اشیاء، تو غیر مسلم اس کی قیمت کا تعین کریں گے اور پھر اس قیمت کو اس کے پاس موجود دوسرے مال تجارت کی قیمت کے ساتھ ملا کر اس سے عشور وصول کیا جائے گا۔ ❽

کچھ ایسے دلائل موجود ہیں جو اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس دور میں عشور ملکی آمدن کا بڑا اہم جز تھا۔ مثلاً جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک سال کے لیے عشور کی وصولی سے منع کیا تو اس کے نتیجے میں ریاستی آمدن میں کمی واقع ہو گئی تھی۔ جس کی وجہ سے انہیں اپنا یہ حکم واپس لینا پڑا۔ ❾

۵۔ الصوافی:

یہ وہ مال ہے جسے امام ارض فے سے بیت المال کے لیے خاص کرے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ یا اسے بزور بازو مفتوحہ علاقوں سے خمس کے حق سے حاصل کیا جائے یا غانمین کی دلی خوشی سے حاصل کیا

❶ الاموال لابی عبید، ص: ٤٧٧. ❷ الخراج لابی یوسف، ص: ٢٧٤

❸ الاموال لابی عبید، ص: ٤٧٥.

❹ الخراج لابی یوسف، ص: ٢٧٥۔ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ٨٠.

❺ الاموال لابی عبید، ص: ٤٨٠، ٤٨١.

❻ ایضا، ص: ٤٧٩۔ التطور الاقتصادی، ص: ٨٠.

❼ الخراج لابی یوسف، ص: ٢٣٧. ❽ ایضا: ٢٧٣.

❾ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ٨٠.

جائے۔ جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ [1] اس کا کچھ حصہ اسے حاصل کرنے والوں کو بھی دیا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ بیت المال کے حوالے سے اپنی ذمہ داری پوری کریں۔ یہ حصہ سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ادا کیا۔ [2] جس کا مقصد غلہ میں اضافہ کرنا تھا۔ [3] لہٰذا اس وقت غلہ پچاس ملین کی مالیت تک جا پہنچا تھا۔ [4] معاویہ رضی اللہ عنہ صوافی کی اہمیت سے پہلے دن سے آگاہ ہو چکے تھے، لہٰذا انہوں نے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام بقول ابن عساکر یہ خط ارسال کیا کہ انہیں جو اخراجات وہ ادا کرتے ہیں اس سے لشکروں کے اخراجات اور ان کے امراء کے قاصدوں کی خدمات کا معاوضہ ادا نہیں ہو پاتا اور نہ ہی ان کے پاس حاضر ہونے والے اہل روم کے قاصدوں اور ان کے وفود پر اٹھنے والے اخراجات ادا کیے جا سکتے ہیں، پھر انہوں نے اپنے اس خط میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کھیتیوں کے بارے میں بتایا اور ان سے درخواست کی کہ وہ انہیں ان کھیتوں سے کچھ حصہ دلوائیں تاکہ وہ اس سے ان ذکر کردہ لوگوں کے اخراجات پورے کرنے پر قادر ہو سکیں۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ بھی بتایا کہ یہ کھیت اہل ذمہ کی بستیوں کے نہیں ہیں اور نہ ہی خراجی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے انہیں بذریعہ خط اس کی اطلاع دی [5] اور ان کھیتوں کے ساتھ بنوفوقا کے کھیت اور زمینیں بھی شامل کر دیں جن کا کوئی وارث نہیں تھا۔ [6] جب یہ حکم معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملا تو انہوں نے ان زمینوں کو مسلمانوں اور اپنے اہل خانہ کے فقراء کے لیے وقف کر دیا۔ شیعہ مورخ یعقوبی اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حکم ملا تو انہوں نے ان اراضی اور شام، جزیرہ، یمن اور عراق میں بادشاہوں کی اراضی کو اپنی ذات کے لیے مخصوص کر لیا۔ [7]

جن سے وہ اپنے اہل بیت کے فقراء اور اپنے حلقہ خاص کے لوگوں کو نوازا کرتے تھے، اس طرح اس نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ تاثر دیا کہ پوری دنیا میں صوافی سب سے پہلے ان کے تصور میں آئے۔ [8] مگر اس کا یہ تاثر غلط ہے اور پھر خود اس کے اپنے بیان میں بھی تضاد ہے اور وہ اس طرح کہ جزیرہ اور یمن میں صوافی کا ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ یہ بات سبھی کے علم میں ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سواد عراق اور شام کی اراضی سے کچھ مخصوص حصے صوافی کے طور سے حاصل کیے تھے مگر ان میں جزیرہ اور یمن کی صوافی شامل نہیں تھیں۔ [9] یعقوبی نے اس جانب بھی اشارہ کیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان اراضی کو اپنی ذات کے لیے مخصوص کر لیا تھا جن سے وہ اپنے اہل بیت کے فقراء اور اپنے حلقہ خواص کے لوگوں پر خرچ کیا کرتے تھے۔ اگر اس نص کا اسی موضوع سے متعلق ابن عساکر کی نص کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آ جائے گی کہ اس روایت میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے۔

[1] الاحکام السلطانية، ص: ١٩٢.
[2] فتوح البلدان، بلاذری، ص: ٢٧٣.
[3] الاحکام السلطانية، ص: ١٩٣.
[4] ایضا، ص: ١٩٣.
[5] تاریخ تهذیب دمشق: ١/ ١٨٤، الخراج، د: غيداء، ص: ٣٠٧.
[6] ایضا.
[7] تاریخ اليعقوبی: ٢/ ٢٣٢-٢٣٤.
[8] ایضا: ٢/ ٢٣٤.
[9] المعرفة و التاریخ: ١/ ٤٣٤ - الخراج، غيداء، ص: ٣٠٧.

ان اراضی کے بارے میں ابن عسا کر فرماتے ہیں: ''یہ اراضی معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں رہیں یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا اور اختیارات معاویہ رضی اللہ عنہ کو منتقل ہو گئے تو انہوں نے انہیں اسی حالت پر برقرار رکھا پھر بعد ازاں انہیں اپنے اہل بیت کے فقراء اور مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دیا، یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابتداءً ان میں کوئی تصرف نہ کیا بلکہ انہیں گزشتہ حالت میں ہی چھوڑے رکھا۔'' ❶ البتہ شام میں کچھ ایسی ضروریات نے ضرور سر اٹھایا جن کی وجہ سے ریاست کوئی تنظیم کی ضرورت لاحق ہوئی اور اسے ملکی مفادات میں کئی اقدامات کرنا پڑے۔ ان ضروریات کے ضمن میں سرزمین شام میں یمنی اور قیسی قبائل میں توازن قائم رکھنا سرفہرست تھا جس کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں۔ ❷ ملکی مصلحت پر مبنی اس کارروائی کو یعقوبی جیسے مؤرخین نے غلط رنگ دیتے ہوئے اسے اموی خاندان اور خاص طور سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذاتی مفادات کا شاخسانہ قرار دے دیا۔ ❸ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ان اموال کو ملکی استحکام اور وحدت امت کی بقاء کے لیے استعمال کیا تھا وہ عوام الناس کے مفادات کے لیے جو بہتر سمجھتے اس پر عمل پیرا ہوا کرتے تھے۔ ❹ اور یہ چیز ان کے خاندان اور قریبی لوگوں کے ساتھ احسان کرنے سے مانع نہیں تھی۔

۶۔ خمس غنائم:

غنیمت سے وہ مال مراد ہے جس پر مسلمانوں نے کافروں کے ساتھ لڑائی میں غلبہ حاصل کیا ہو۔ ❺ غنیمت کا اثبات نص قرآنی سے ہوتا ہے۔ اموی دورِ حکومت میں اسلامی فتوحات میں اضافہ ہوا تو بیت المال کے ذرائع آمدن کے طور سے غنائم میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اموال غنیمت اور مفتوحہ اراضی کے حوالے سے امویوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ اپنائے رکھا۔ غنائم سے پانچواں حصہ نکال کر باقی ماندہ فاتحین میں تقسیم کر دیا جاتا، اور اراضی کو مسلمانوں کے لیے بطور رفے کے چھوڑ دیا جاتا اور ساتھ ہی ساتھ ان پر خراج عائد کر دیا جاتا۔

یہ اہم ملکی ذرائع آمدن ہیں، ان کے علاوہ کچھ مزید ذرائع آمدن بھی ہیں مثلاً رکاز کا خمس اور لاوارث مال۔ یہ نظام عصر اموی میں بھی اسی طرح قائم تھا جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مسعود اور خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں تھا۔ ❻

خامساً:......نفقات عامہ

۱۔ فوجی اخراجات:

دولت امویہ نے آباد زمین کے گوشے گوشے میں اسلام کی نشر واشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لے رکھی تھی،

❶ الخراج، غیداء، ص: ۳۰۸۔ ❷ ایضا، ص: ۳۰۸۔

❸ ایضا، ص: ۳۰۹۔ دراسات فی حضارات الاسلام، ص: ۴۶۔

❹ الخراج، غیداء، ص: ۳۱۱۔ ❺ ایضا، ص: ۳۱۱۔

❻ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی: ۸۶۔

یہی وجہ ہے کہ اموی دورِ حکومت میں دولت اسلامیہ کی حدود میں بہت زیادہ وسعت ہوگئی اور یہ اس امر کے باوجود ہوا کہ انہیں کئی قسم کے فتنوں اور داخلی مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ یہ ایسی آگ تھی جسے سرد کرنے کے لیے بھاری رقوم کی ضرورت تھی۔ عصر اموی میں عسکری اخراجات دو قسم کے تھے: فوجی اخراجات اور حربی صنعتیں۔ ❶

ا: فوجیوں کی تنخواہیں:...... اس شعبے پر دیوان الجند کی نگرانی تھی، مصادر کا اسی بات پر اتفاق ہے کہ ۲۰ھ میں سب سے پہلے اس دیوان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وضع کیا اور ترتیب دیا تھا۔ ❷ یہ دیوان جنگجوؤں سے ان کے کارناموں، انساب و اوصاف اور ان کے عطیات کی مقدار کے ریکارڈ کو محفوظ رکھتا، ❸ معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوج کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے ان کی تنخواہوں میں اضافہ کیا اور یہ اس لیے کہ ملک کی اقتصادی حالت بہت بہتر ہوگئی تھی۔ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی سیاست کے ایک حصے کے طور پر یمنی اور قیسی قبائل کے مابین توازن برقرار رکھنے کے لیے مختلف قبائل کے احوال وظروف کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ انہوں نے مصر میں سے عرب قبیلہ پر ایک ایسے شخص کا تقرر کر رکھا تھا جو ہر روز مختلف مجالس میں جا کر دریافت کرتا: کیا آج رات کسی کے گھر بچہ پیدا ہوا؟ کیا تمہارے ہاں کوئی مہمان آیا؟ اس پر اسے بتایا جاتا کہ فلاں شخص کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے اور فلاں کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے، پھر ان کے بتانے پر ان کے نام لکھ لیے جاتے، اسے کبھی یہ بھی بتایا جاتا کہ اہل یمن سے ایک شخص اپنے اہل وعیال سمیت ہمارے پاس مہمان آیا ہے، پھر جب تمام قبائل سے اس قسم کی معلومات اکٹھی کر لیتا تو دیوان جا کر رپورٹ کرتا۔ ❹ فوج کا مرکزی دیوان دمشق میں تھا جبکہ مختلف صوبوں میں اس کی شاخیں بھی کام کرتی تھیں۔ جیسا کہ کوفہ، بصرہ اور فسطاط ہیں۔ ❺ معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں فوجیوں کی تنخواہوں کے چند درجات تھے، جن کی تفصیل اس طرح سے ہے:

اعزازی عطیہ:...... ۲۰۰۰ درہم

عرب عطیہ:...... (ا): ۳۰۰ درہم، (ب): ۱۰۰۰ درہم، (ج) ۱۵۰۰ درہم۔

عطیات میں موالی کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ ❻ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے عہد حکومت میں فوجیوں کی تنخواہوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

منطقہ مصر:...... اس علاقہ میں رجسٹرڈ فوجیوں کی تعداد چالیس ہزار تھی، جن میں سے چار ہزار اعزازی عطیات کے لیے رجسٹرڈ تھے۔ ❼ اسی طرح ان کے عطیات کی مقدار اسی لاکھ درہم تک جا پہنچی تھی۔ دیوان میں

❶ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۹۷۔ ❷ طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۱۳۔ تاریخ الیعقوبی: ۲/ ۱۴۳۔

❸ التراتیب الاداریۃ، کتانی: ۱/ ۲۲۵۔ الدواذین فی العصر الاموی، ص: ۳۷۔

❹ حسن المحاضرۃ، سیوطی: ۱/ ۶۵۔ الدواوین فی العصر الاموی، ص: ۳۷۔

❺ الجیش و الاسطول الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۵۳۵۔

❻ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۹۸۔

❼ دیوان الجند، سلومی، ص: ۱۴۹۔ التطور الاقتصادی، ص: ۹۹۔

دوسرے رجسٹرڈ فوجیوں کی تعداد چھتیس ہزار تھی، اگر ایک فوجی کی سالانہ تنخواہ تین سو درہم بھی تسلیم کر لی جائے تو ان کی تنخواہ ایک کروڑ تیس لاکھ درہم سالانہ قرار پاتی ہے۔ ❶

منطقہ شام:......شامی دیوان میں رجسٹرڈ فوجیوں کی کل تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ ہر فوجی کی سالانہ تنخواہ ایک ہزار درہم تھی، اسی طرح شام میں فوجیوں کو تنخواہ کی مد میں ساٹھ لاکھ درہم ادا کیے جاتے تھے۔ ❷

منطقہ عراق:......منطقہ عراق میں بصری دیوان میں رجسٹرڈ جنگجوؤں کی تعداد اسی ہزار تک جا پہنچی تھی۔ ❸ جن کی تنخواہوں پر زیاد کے عہد میں تین کروڑ ساٹھ لاکھ درہم خرچ آتا تھا، اگر ہم دیوان مصر پر قیاس کرتے ہوئے دس فیصد کے تناسب سے اعزازی عطیات وضع کر لیں تو باقی دو کروڑ درہم بچتے ہیں، اس بنا پر دیوان بصرہ میں ایک فوجی کی تنخواہ دو سو اٹھتر درہم بنتی ہے، منطقہ عراق کے دیگر علاقوں کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ❹

چونکہ دیوان جند فوجیوں کی تنخواہوں اور دیگر اخراجات کا ذمہ دار تھا، لہٰذا دولت امویہ اسے ترقی دینے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہی۔ مثلاً:

- مدینہ منورہ کے عطیات پر مامور معاویہ رضی اللہ عنہ کا مندوب ہر شخص کو اس کا عطیہ براہ راست ادا کرتا تھا جبکہ قبل ازیں کے نظام کے تحت انہیں عرفاء (رؤسا) کے ذریعے تقسیم کیا جاتا تھا اور وہ انہیں من پسندانہ انداز میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ ❺
- معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں عراق پر ان کے والی زیاد بن ابیہ نے دیوان جند کے دفتری اخراجات میں کمی کرنے کے لیے عطیات کی تقسیم کے ذمہ دار عرفاء کی تعداد میں کمی کر دی تاکہ ہر قبیلہ کے لیے یہ ذمہ داری ایک ہی عریف (رئیس) ادا کرے۔ ❻

ب: حربی صنعتوں کے اخراجات:......اگرچہ حربی صنعتوں پر اٹھنے والے اخراجات کے حوالے سے رقوم کی متعین تعداد ہمارے سامنے موجود نہیں ہے مگر کچھ اشارات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ اخراجات مسلسل بڑھ رہے تھے، دولت امویہ بحری اسلحہ میں اضافہ کرنے اور اسے ترقی دینے میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کر رہی تھی، آغاز کار میں بحری اسلامی بیڑا دو سو کشتیوں پر مشتمل تھا۔ ❼ جن کی تعداد سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ حکومت میں اٹھارہ سو تک جا پہنچی تھی۔ ❽

---

❶ الخطط، القریزی: ١/ ١٢٨. ❷ الخراج و النظم المالیة، ریس، ص: ٩٤.
❸ الحیاة الاقتصادیة فی صدر الاسلام نقلا عن التطور الاقتصادی، ص: ٩٩.
❹ ایضا، ص: ١٠٠.
❺ دیوان الجند، سلومی، ص: ١٦٩۔ التطور الاقتصادی، ص: ١٠٢.
❻ الادارة فی العصر الاموی، ص: ٣٢٠.
❼ تاریخ الاسکندریة و حضارتها فی العصر الاسلامی، ص: ١١٥-١١٦.
❽ التطور الاقتصادی، ص: ١٠٦.

۲۔ ادارہ جاتی اخراجات:

ادارہ کے اخراجات دو قسم کے تھے: ملازموں کی تنخواہیں اور دفتری ضروریات کے اخراجات، دوسری قسم کے اخراجات بالکل معمولی تھے جو کہ روشنی کے انتظامات، کاغذات اور دیگر عام سے سامان پر اٹھتے تھے جو کہ آج کل کے دفتری اخراجات کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر تھے۔ [1] لہٰذا ہم اپنی گفتگو کو ملازمین کی تنخواہوں تک محدود رکھیں گے۔

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ ملازمین کی تنخواہیں والی صوبہ کے صوابدید پر تھیں وہ جس قدر چاہتا اپنے اور اپنے عمال کے لیے تنخواہیں مقرر کر لیتا۔ جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس قسم کے اخراجات کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھیں اور یہ لامرکزیت کا نتیجہ تھا، مثلاً معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں والیٔ عراق زیاد بن ابیہ کی ماہانہ تنخواہ پچیس ہزار درہم تھی۔ [2] ان بھاری بھر کم تنخواہوں کے ساتھ ساتھ بعض لوگوں کے لیے اضافی مراعات بھی مختص تھیں، مثلاً زیاد اپنے ادارے کے ماتحت ایک والی کو اس کی تنخواہ کے علاوہ ایک لاکھ درہم سالانہ ادا کیا کرتا تھا۔ [3] یہ عصرِ اموی کے دوران ملازمین کی تنخواہوں کے چند نمونے ہیں جن سے حکومتی ملازمین کی تنخواہوں اور ان کے دیگر وظائف کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اس لیے کہ اس وقت ہمارے سامنے تفصیلی معلومات موجود نہیں ہیں۔

ا: اموی دورِ حکومت کے پورے عرصے اور عباسی دورِ حکومت میں مامون کے عہدِ حکومت تک کاتبوں کی تنخواہ زیادہ سے زیادہ چھتیس صد درہم سالانہ ہوتی تھی، جبکہ اس کی کم از کم حد سات صد بیس درہم سالانہ تھی۔ [4]

ب: عصرِ اموی میں پولیس کے سربراہ کی زیادہ سے زیادہ تنخواہ ایک لاکھ درہم سالانہ تھی۔ [5]

ج: قاضیوں کو بیت المال سے تنخواہیں ادا کی جاتی تھیں تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کر سکیں۔ [6] عصرِ اموی میں قاضی کی کم از کم تنخواہ بارہ صد درہم سالانہ تھی۔ [7] جبکہ زیادہ سے زیادہ تنخواہ تین ہزار درہم سالانہ تک جا پہنچتی تھی۔ [8]

۳۔ مصارف زکوٰۃ:

اس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (التوبة: ٦٠)

[1] التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ١٠٦.
[2] الادارة فی العصر الاموی، ص: ٣١٠.
[3] ایضا، ص: ٣١٠.
[4] ایضا، ص: ٣١٠.
[5] ایضا: ٣١٨.
[6] ایضا، ص: ٣٣١.
[7] التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ١٠٧.
[8] فتوح مصر و اخبارها، ص: ٢٣٦.

''صدقات صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے لیے جن کے دل پرچائے جاتے ہوں اور گردن چھوڑنے میں، قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے، فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔''

۴۔ مصارف فے:

اس بارے قرآن مجید میں وارد ہے:

﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ (الحشر : ۷)

''بستیوں والوں کا جو مال اللہ تمہارے لڑے بغیر اپنے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ لگائے وہ اللہ کا ہے اور رسول کا، قرابت والوں کا، یتیموں، مسکینوں کا اور مسافروں کا۔''

۵۔ مصارف عشور:

مسلمانوں سے وصول کردہ عشور نفقات تحویلیہ کے زمرے میں آتے ہیں چونکہ انہیں ان کے حق میں زکوٰۃ سمجھا جاتا ہے، لہٰذا انہیں بھی مصارف زکوٰۃ میں خرچ کیا جاتا ہے۔

۶۔ اجتماعی ضمانت کے اخراجات:

دولت امویہ میں اجتماعی ضمانت کے اخراجات میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا جو کہ عینی صورت میں ہوتے تھے، مثلاً وارد ہے کہ سن ۴۵-۵۳ھ کے درمیانی عرصہ میں حجاز اور عراق کے صوبوں کے فقراء کو ایسے کارڈز جاری کیے جاتے تھے جن پر ان کے ہر فرد کے لیے عینی مدد کی مقدار درج ہوتی تھی۔ ❶ جن پر بعد ازاں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ میں نقدی اخراجات کا بھی اندراج کر دیا گیا، نقدی کی صورت میں تعاون کی یہ مثال بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ ضرورت مند مقروض لوگوں کے ذمہ واجب الاداء قرضہ جات ادا کیے جاتے اور ایسے لوگوں کی شادی کے اخراجات برداشت کیے جاتے جنہیں اس کی ضرورت ہوتی مگر وہ اس کے اخراجات ادا کرنے سے قاصر ہوتے۔ ❷ عینی اخراجات کی مثال یہ ہے کہ ہر نابینا شخص کے لیے ایک قائد اور ہر پانچ یتامٰی کے لیے ایک خادم رکھنے کا حکم جاری کیا گیا۔ ❸ جن کے اخراجات حکومت برداشت کرتی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اجتماعی کفالت کے اخراجات غیر مسلموں کو بھی ادا کیے جاتے تھے۔ ❹ آگے چل کر اس نظام کو مزید وسعت دی گئی اور (۱۲۰-۱۲۶ھ) کے عرصہ کے دوران عراق میں اس کا سلسلہ سالانہ عمومی اخراجات تک بڑھا دیا گیا اور اس سلسلے میں دس ہزار درہم نوجوانوں (مردوزن) کے گھروں کی حفاظت کرنے کے لیے مخصوص کیے گئے تھے۔ ❺

❶ الادارة فی العصر الاموی، ص: ۳۳۵۔ ❷ الاموال لابی عبید، ص: ۲۳٤، ۲۳۵۔

❸ سیرة عمر بن عبدالعزیز لابن الجوزی، ص: ۱۸۳۔

❹ الوثائق السیاسیة و الاداریة العائدة للعصر الاموی، ص: ٤۳۳۔

❺ الاحکام السلطانیة ماوردی، ص: ۱۷۵، ۱۷٦۔

ثالثاً:......حکومت کی طرف سے زراعت کا اہتمام

دولت امویہ کے آغاز کے ساتھ ہی بھاری زرعی ملکیتوں کا ظہور ہو گیا تھا جو کہ اس میدان میں خلفاء اور ولاۃ کے اترنے کا نتیجہ تھا۔ انہوں نے صوافی اور زرخیز مفتوحہ اراضی کو آباد کرنے میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ خاص طور سے صوبہ عراق اور اس جیسے دیگر علاقہ جات میں، اس بارے میں ان کے لیے ان کے زیر ملکیت آبی گزرگاہیں بڑی مددگار ثابت ہوئیں۔ عراق کے خراج پر متعین معاویہ رضی اللہ عنہ کے والی نے ان کے لیے زمینیں آباد کیں، اس نے ان کا پانی خشک کر کے انہیں زراعت کے قابل بنایا جن کا غلہ پانچ ملین درہم کی مالیت تک جا پہنچا۔ [1] غلہ کی اس قدر پیداوار سے ان کے رقبہ کی وسعت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ ان زمینوں کی آمدن کو اپنے خصوصی اخراجات میں شامل نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے کچھ حصے کو عوام الناس کے اخراجات کے لیے بھی صرف کیا جاتا تھا۔ [2] اور نہ ہی ان کے بعد ان زمینوں کو ان کے ترکہ کے طور پر تقسیم کیا گیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جس زمین کو حجاج بن یوسف نے بعد ازاں عبدالملک کے لیے آباد کیا تھا یہ وہی زمین تھی جسے معاویہ رضی اللہ عنہ نے آباد کیا تھا اور جو زیادہ پانی کی وجہ سے غیر آباد ہو گئی تھی۔ [3] شرعی حوالے سے غیر آباد زمینوں کو آباد کرنا جائز ہے اور یہ زمین کی ملکیت حاصل کرنے کا ایک سبب ہے۔ اور جس کا اثبات اس بارے وارد متعدد احادیث سے ہوتا ہے اور اس میں حاکم و محکوم سب برابر ہیں۔ حاکم کے بارے میں اس حوالے سے کچھ اضافی قیود ہیں، جن میں سے اہم تر یہ ہیں:

- حاکم اپنی حیثیت اور اقتدار سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھا سکتا وہ زمین کی آبادی کے عمل میں رعایا کے عام افراد کی طرح داخل ہوگا۔
- زمین کو آباد کرنے کے لیے مسلمانوں کا مال خرچ نہیں کر سکتا، وہ یہ کام اپنے خاص مال سے کرے گا۔
- زمین آباد کرنے کی صورت میں زمین کی ملکیت کے حصول کی وجہ سے نہ تو مسلمان افراد یا جماعت کو کوئی نقصان پہنچنا چاہیے اور نہ ذمی لوگوں کو۔ [4]

زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اسے مختلف لوگوں کے حوالے کرنے کی وجہ سے بڑی بڑی زرعی ملکیتیں معرض وجود میں آئیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو نہروں کے درمیان واقع جزیرہ اپنے بعض بھائیوں کو الاٹ کر دیا جسے بعد ازاں زیاد بن ابیہ نے دو سو درہم میں خرید کر کسی اور کے نام الاٹ کر دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑا رقبہ تھا جسے آباد کرنے کے لیے زیاد نے کئی نہریں کھدوائیں۔ [5] ایک دفعہ زیاد نے دریائے ابلہ کے کنارے پر زمین کا

---

[1] فتوح البلدان، ص: ۲۹۱۔ الخراج و النظم المالیة للدولة الاسلامیة، ص: ۱۸۷۔

[2] الحیاة الاقتصادیة و الاجتماعیة، ص: ۱۳۵۔

[3] الخراج و النظم المالیة الدولة الاسلامیة، ص: ۲۱٤۔

[4] التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۱۷۸۔ [5] ایضا، ص: ۱۷۸۔

ایک بہت بڑا قطعہ اراضی کسی کے نام الاٹ کیا اور پھر اسے سیراب کرنے کے لیے ایک نہر کھدوائی، اسی طرح اس نے اپنی ہر بیٹی کو ساٹھ ساٹھ جریب زمین الاٹ کی۔ ❶ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ان زرعی ملکیتوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا، یہ زرعی زمینیں صرف اموی خاندان کے لوگوں کو ہی الاٹ نہیں کی جاتی تھیں اگرچہ غالب اکثریت انہی لوگوں کی تھی ❷ بلکہ رعایا کے عام لوگوں کو بھی یہ سہولت حاصل تھی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ زیاد جس کسی کو زرعی زمین کا قطعہ اراضی الاٹ کرتا اسے دو سال تک اس کے پاس رہنے دیتا اس دوران اگر وہ اسے آباد کر لیتا تو ٹھیک ورنہ اس سے واپس لے کر کسی اور کو دے دیتا۔ ❸ ان قطعات اراضی کی ساخت ساٹھ سے سو جریب کے درمیان تھی ❹ اور ان زمینوں کے بڑے بڑے مالک یا تو اموی خاندان کے لوگ تھے یا ان کا تعلق اشراف قریش کے ساتھ تھا۔ حکومت اراضی الاٹ کرنے کے لیے ایسے مال دار لوگوں کو تلاش کرتی جو ان پر خرچ کر کے ان سے پیداوار حاصل کر سکیں، مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا بہت بڑی ملکی دولت معاشرے کے چند ہاتھوں میں آ گئی۔ ❺ اموی دور حکومت میں عمومی طور سے زراعت کا انحصار نہری پانی پر تھا یہی وجہ ہے کہ زرعی پیداوار کے رئیسی مراکز عراق، مصر اور شام تھے، خصوصاً نہروں کے آس پاس کے علاقہ جات۔ ❻ بنوامیہ کے دور حکومت میں زرعی ترقی میں پرائیویٹ الاٹمنٹ کا بڑا اہم کردار تھا جس سے وسیع وعریض زمینی رقبے کو قابل کاشت بنایا گیا، اسی کی مثال وہ نشیبی زمینیں ہیں جو فارسیوں کے عہد سے اموی دور حکومت کے آغاز تک پانی میں ڈوبی رہتی تھیں۔ اموی حکمرانوں نے انہیں قابل کاشت بنانے کے لیے ان کا پانی روک کر انہیں خشک کرنے کی تحریک کا آغاز کیا جس کی وجہ سے بکثرت اناج پیدا کرنے والی وسیع اور زرخیز زمینیں میسر آ ئیں۔ ❼ زرعی ملکیتوں میں اضافہ ہوا تو زرعی پیداوار میں بھی اضافہ دیکھنے میں آیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آبپاشی کے مرکز سے بہت دور زمینیں معرض وجود میں آ گئیں اور جنہیں سیراب کرنے کے لیے ماہرانہ انداز میں متعدد بڑی اور چھوٹی نہریں کھودی گئیں جس سے زرعی پیداوار میں بے پناہ اضافہ ہو گیا، ❽ مگر زرعی زمینوں کی الاٹمنٹ کا کام دولت امویہ کے مشرقی علاقہ میں ناکامی سے دوچار ہوا جس کے چند عوامل یہ تھے:

ا۔ سیاسی اضطراب:

علاقہ میں سیاسی اضطراب اور امن وامان کے فقدان کا اثر زرعی پیداوار پر پڑنا یقینی تھا جس کا آغاز یزید بن معاویہ، معاویہ ثانی اور مروان بن حکم کی آمد کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔

---

❶ معجم البلدان: ۱/ ٤٣٥۔ التطور الاقتصادی، ص: ۱۸۰ .
❷ ارض الصوافی، مصری، ص: ۱۲۲ .
❸ تطویر نظام ملکیة الاراضی، محمد علی، ص: ۱۹۰-۱۹۱ .
❹ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۱۸۸ .
❺ تطویر نظام ملیکة الاراضی، محمد علی، ص: ۱۹۰-۱۹۱ .
❻ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۱۸۸ .
❼ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۱۹۰ .
❽ الادارة فی العصر الاموی، ص: ۱۵۱ .

۲۔ چند لوگوں کے ہاتھوں میں مال و دولت کا ارتکاز:

وہ اس طرح کے علاقہ میں رہائش پذیر زیادہ تر لوگ موالی تھے، ❶ جس کی وجہ سے علاقہ میں سرمائے کی گردش کمزور پڑ گئی جس کی وجہ سے سامانِ تجارت کے تبادلہ کی تحریک بھی کمزور پڑ گئی اور یوں پورا علاقہ کساد بازاری کا شکار ہو گیا۔

۳۔ نیروز اور مہرجان کے ٹیکس کا اعادہ:

اس کے بارے میں مروی ہے کہ اس کا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے عہد حکومت سے آغاز ہوا تھا۔ ❷ اس کے اعادہ کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ اگرچہ اسلام نے اس قسم کی تقریبات سے منع کر رکھا تھا مگر لوگ اس کے عادی ہو چکے تھے۔ ❸ معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ تھا کہ اسے ان غیر مسلم دہکانوں سے وصول کیا جائے جو محاصل وصول کرنے کے ذمہ دار تھے تاکہ وہ مالی طور سے مضبوط ہو کر دولت اسلامیہ کے خلاف کارروائیاں کرنے کی پوزیشن میں نہ آ جائیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اسے امت اسلامیہ کی مصالح کے لیے خرچ کیا کرتے تھے، مگر ان کے بعد دہکانوں اور مقامی امراء پر متعدد نئے ٹیکس لگا دیے گئے۔ ❹ جن کی وجہ سے مزارعوں پر بھاری بوجھ ڈال دیا گیا مزید براں ان کی وصولی کے لیے ان پر سختی بھی روا رکھی جاتی تھی۔ ❺

۴۔ زرعی منصوبہ جات کو سیاسی دباؤ میں رکھنا:

حکومت کی طرف سے اپنے سیاسی مخالفین کے ساتھ جنگ وجدال کی وجہ سے اس کے زرعی منصوبہ جات تباہی سے دوچار ہو گئے جس کے حکومت کی اقتصادی حالت پر بڑے منفی نتائج مرتب ہوئے، مثلاً حجاج بن یوسف نے بعض لوگوں کے خلاف سیاسی بنیادوں پر کارروائی کرتے ہوئے ان کی زرعی زمینوں کو زیر آب آنے سے نہ بچایا جس کی وجہ سے وہ بنجر ہو گئیں۔ ❻

۵۔ مہاجرین کا بوجھ:

دولت امویہ کو آغاز کار میں عراق آنے والے مہاجرین کا بوجھ اٹھانا پڑا، یہ لوگ بے روزگار تھے یہ لوگ سرکاری دفتر میں عطیات کے لیے رجسٹرڈ بھی نہیں تھے اور نہ ہی ان کے پاس قابل کاشت زمینیں تھیں جن میں وہ کھیتی باڑی کر کے گزر بسر کر سکیں، بجائے اس کے کہ وہ کسی دوسرے میدان عمل میں کچھ کرتے انہوں نے آب پاشی کے نظام میں دخل اندازی کرتے ہوئے اس میں شگاف ڈال دیئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کھیتیاں غرقاب ہو گئیں۔ زیاد عراق کی ولایت سنبھالنے کے بعد تخریب کاری کی اس جیسی کارروائیوں کو بمشکل ختم کر سکا۔ ❼

❶ الادارة فی العصر الاموی، ص: ۱۹۶.
❷ تاریخ الیعقوبی: ۲/ ۲۱۸.
❸ مقدمه فی التاریخ الاقتصادی العربی، ص: ۳۱.
❹ الخراج لابی یوسف، ص: ۱۸۶-۱۸۷.
❺ الاحکام السلطانیة ماوردی، ص: ۱۷۵.
❻ ادارة العراق فی صدر الاسلام، رمزیة خیرو، ص: ۸۶.
❼ ایضا.

۶۔ دیہات سے شہروں کو ہجرت کرنے والے مزارعین اور دولت امویہ کے درمیان فوجی ٹکراؤ:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب والی عراق حجاج بن یوسف نے طاقت کے بل بوتے پر انہیں ان کی اراضی میں واپس لوٹانے کی کوشش کی اور ان پر جزیہ عائد کر دیا تو وہ بنوامیہ کے باغی ابن الاشعث کے پرچم تلے جمع ہو گئے۔ [1] مگر اس کے ساتھ ساتھ اس مدت کے دوران کچھ ایسے منصوبے بھی وضع کیے گئے جن کی وجہ سے علاقے میں زرعی انحطاط کی شدت میں کمی واقع ہوئی، جن میں قابل ذکر یہ ہیں:

ا: زیاد بن ابیہ نے کوفہ کو سیلابی ریلوں سے بچانے کے لیے ایک پل تعمیر کیا جس کی وجہ سے پانی میں غرقاب زمینوں کو نئے سرے سے قابل کاشت بنایا گیا، اس پل کی اہمیت کے پیش نظر اموی دورِ حکومت کے بعض امراء وولاۃ اس کی نگہداشت کرتے رہے۔ [2]

ب: زرعی کارکنوں کو ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں منتقل کیے جانے کا عمل جاری کیا گیا جس کا مقصد اس علاقہ میں زرعی پیداوار میں اضافہ کرنا تھا، مثلاً:

- زیاد بن ابیہ نے زرعی تجربہ رکھنے والے پچاس ہزار خاندانوں کو کوفہ اور بصرہ سے خراسان اس مقصد کے لیے منتقل کیا تاکہ وہ اسے آباد کر سکیں۔ [3]

دولت امویہ آب پاشی کے بڑے بڑے ذرائع قائم کرنے کا فریضہ سرانجام دینے سے غافل نہیں تھی اس کے لیے کنویں کھودے گئے، نہریں نکالی گئیں، سیلابی شگاف بند کیے گئے اور کئی ڈیمز تعمیر کیے گئے۔ رہے مالکان اراضی تو وہ بھی کبھی کبھاران کاموں میں ان کے ساتھ شراکت کیا کرتے تھے۔ اندرون مملکت آب پاشی کے وسائل قائم کرنا حکمرانوں ہی کی ذمہ داری تھی [4] اور وہ اس سے عہدہ برآ بھی ہوئے۔ اموی حکمرانوں نے امکانی حد تک اراضی سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے زرعی اراضی کے رقبہ میں اضافہ کیا، ان کی اصلاح کی گئی، پانی سٹور کیا گیا اور انہیں سیراب کرنے کے وسائل مہیا کیے گئے۔ [5] یہاں تک کہ امویوں کے صحرائی محلات بھی زرعی پیداوار بڑھانے کے مراکز تھے۔ [6] خود خلیفہ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما زراعت کو ترقی دینے اور زرعی پیداوار کا معیار بہتر بنانے میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ وہ آب پاشی کے وسائل کو ترقی دیتے، زمینوں کو زرخیز بنانے پر اپنی توجہ مبذول کرتے اور اس کے لیے مقامی لوگوں میں سے تجربہ کار لوگوں کی خدمات سے فائدہ اٹھاتے۔ [7] یزید بن معاویہ کو تو مہندس (انجینئر) کے

---

[1] الخراج و النظم، ریس، ص: ۲۱۹۔ الاصطلاحات الاجتماعیة و الاقتصادیة فی الدولة الامویة، ص: ۷۱.

[2] الادارة فی العصر الاموی، ص: ۲٤۷.

[3] مقدمه فی التاریخ الاقتصادی العربی للدوری، ص: ۲۷.

[4] تاریخ بلاد الشام الاقتصادی، عاطف رجال، ص: ۱۳۵.

[5] التنظیم الاقتصادی فی صدر الاسلام، ص: ۸۲.

[6] تاریخ بلاد الشام الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۱۳٦.

[7] ال[illegible]ت المادیة، حسین مروه: ۱/ ٤۷٦۔ تاریخ بلاد الشام الاقتصادی.

لقب سے ملقب کیا گیا تھا اس لیے کہ اسے زرعی امور میں گہرا تجربہ حاصل تھا اور اسے آب پاشی کے نظام کو بہتر سے بہتر بنانے کا شوق دامن گیر رہتا۔ اس نے اپنے نام سے موسوم نہر یزید کھدوانے کا حکم دیا اور پھر اسے مزید چوڑا اور گہرا کیا جس وجہ سے اس میں پانی کی گنجائش پہلے سے کہیں بڑھ گئی اور اس طرح وہ غوطہ میں وسیع و عریض اراضی کو سیراب کرنے کے لیے کافی ہوگئی۔ [1] مزید برآں اس سے مزارعین کو اپنی بعض متروکہ اراضی کی اصلاح اور ان سے فائدہ اٹھانے کا موقع میسر آیا۔ [2]

بلاد شام میں زیادہ تر اراضی کو بارش کے پانی سے سیراب کیا جاتا تھا اور ان کا دارو مدار بھی اسی پانی پر تھا، مگر بہت زیادہ زمین کو نہروں اور چشموں کے پانی سے بھی سیراب کیا جاتا۔ [3] جبکہ بعض اونچی زمینوں کو ایسے آلات کے ذریعے سے سیراب کیا جاتا جو نیچے بہنے والی نہروں کا پانی اٹھا کر ان زمینوں میں پھینکتے یا کنووں اور ٹینکیوں سے پانی اٹھا کر بالائی زمینوں میں پھینکتے اور یوں شام کے گوشے گوشے میں بہت سارے زرعی رقبے کو سیراب کیا جاتا۔ [4]

اس علاقے میں وافر مقدار میں پیدا ہونے والی اشیاء میں سے مندرجہ ذیل سرفہرست تھیں: گندم، جو، چاول، زیتون، انگور، انجیر، کھجور، کپاس، گنا، پھل اور سبزیاں وغیرہ۔ [5]

رابعاً:......اندرونی اور بیرونی تجارت

دولت امویہ ایک طرف مشرقِ اقصیٰ کے ممالک جیسے چین، ہندوستان وغیرہ اور دوسری طرف بیزنطی حکومت کے درمیان واقع تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے کے پیمانوں کے مطابق اس کے ان حکومتوں کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم ہوگئے۔ [6] معاویہ رضی اللہ عنہ کے منصب خلافت سنبھالنے کے بعد ملک میں استحکام آ گیا اور گزشتہ کی طرح اندرونی تجارتی سرگرمیاں شروع ہوگئیں، معاویہ رضی اللہ عنہ نے تاجروں کو مراعات دینے اور تجارتی حجم میں اضافہ کے لیے متعدد اقدامات کیے۔ اہل شام نے تجارت کے پیشہ میں نمایاں مقام حاصل کیا اور مغربی یورپ کے ساتھ تجارتی روابط استوار کر لیے، اس کے لیے انہوں نے اسلامی بحری بیڑے سے بھرپور فائدہ اٹھایا، ان ایام میں جن عوامل نے تجارتی سرگرمیوں کو فروغ دیا ان میں سرمائے کی بہتات سرفہرست ہے یہ سرمایہ حکمران طبقہ اور ان کے حاشیہ برداروں کی ملکیت تھا اور یہ وہ لوگ تھے جو کہ شان و شوکت اور آسودگی و خوشحالی کے دل دادہ تھے، لہٰذا ان میں سامان تعیش کے حصول کا رجحان اور اس کی ضرورت قدرتی امر تھا جس کی وجہ سے وہ گراں قیمت تجارتی سامان

---

[1] تهذيب تاريخ دمشق: ١/ ٤٤٥-٤٤٦.

[2] تاريخ بلاد الشام الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ١٤١.

[3] مفاتيح العلوم، خوارزمی، ص: ٤٦- تاريخ بلاد الشام الاقتصادی، ص: ١٤١.

[4] تاريخ بلاد الشام فی العصر الاموی، ص: ١٤١.

[5] تاريخ بلاد الشام فی العصر الاموی، ص: ١٤٧ تا ١٥٧.

[6] التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ٢٠٥.

خریدنے میں دلچسپی لینے لگے، جس سے تاجر پیشہ لوگوں کی کارکردگی اور تجارت کے فروغ میں مزید اضافہ ہوا۔ ❶ امویوں نے تجارت کی دنیا میں بڑا اہم کردار ادا کیا، خاص طور پر اس لیے بھی کہ خلیفۃ الاسلام معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا شمار قریش مکہ کے بڑے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا، مزید براں جب معاویہ رضی اللہ عنہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شام کے والی تھے تو وہ اپنے تجارتی قافلوں کو شام سے جزیرہ عربیہ کے پایہ تخت بھیجا کرتے تھے۔ ❷ اموی دورِ حکومت میں تاجروں کو نمایاں معاشرتی مقام و مرتبہ حاصل تھا، انہوں نے تجارتی کارکردگی کو موثر بنانے کے لیے کئی تجارتی کمپنیاں قائم کر رکھی تھیں جن میں وہ سرمایہ بھی لگاتے اور عملی کردار بھی ادا کرتے۔ ان میں سے کئی لوگ مضاربت کے اصول پر کاروبار کیا کرتے تھے۔ ❸ اس دور میں مضاربہ کمپنیوں نے خوب ترقی کی اور تجارتی عمل میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا۔ ❹ نئی کروٹ لینے والے سیاسی ظروف و حالات کی وجہ سے دار الحکومت دمشق کو اہم تجارتی حیثیت حاصل ہوگئی تھی جو کہ مشرقی تجارت کا مرکز تھا اور جہاں سے مختلف علاقوں میں تجارتی سامان کی ترسیل ہوتی تھی۔ ❺ دمشق کی اسی اہمیت کی وجہ سے اس کی مارکیٹیں مختلف قسم کے تجارتی سامان سے بھری رہتیں جس میں مقامی طور پر تیار کردہ سامان بھی ہوتا اور بیرون ملک سے درآمد کردہ بھی، یاقوت حموی رقمطراز ہے: دمشق کے بازاروں میں کسی بھی طلب کردہ چیز کا غیر موجود ہونا ممکن نہیں تھا۔ یہاں تک کہ متمدن دنیا سے درآمد کردہ مہنگا ترین سامان بھی دمشق میں موجود ہوتا تھا۔ ❻ صرف اسی پر بس نہیں، دمشق اپنے جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے بادیہ نشینوں کے لیے بھی اہم تجارتی مرکز تھا جہاں خرید وفروخت کے لیے بادیہ نشین اور صحراء میں مقیم لوگوں کی آمد ورفت لگی رہتی تھی۔ ❼ شام کے دیگر شہر مثلاً حلب، رصافہ، حمص، رملہ، قدس اور انطاکیہ بھی اپنی تجارتی اہمیت کی بنا پر بڑی شہرت کے حامل تھے۔ ❽ یہ درست ہے کہ کوفہ، بصرہ، موصل اور نجد و حجاز کے کئی شہروں میں بھی تجارتی سرگرمیاں جاری تھیں مگر اس حوالے سے شام کے شہر بہت آگے تھے ان کی حیثیت بڑے اور اہم تجارتی مراکز کی تھی، علاوہ ازیں اس کے بعض شہروں میں جو موسمی بازار لگتے تھے ان میں بھی مختلف قسم کی تجارتی اشیاء کی بکثرت خرید و فروخت ہوتی تھی جن سے شہری اور دیہاتی لوگ برابر استفادہ کیا کرتے تھے، ان موسمی منڈیوں اور بازاروں میں بصرہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی جو تیس سے لے کر چالیس دنوں تک قائم رہتا، اس کے ساتھ ساتھ اذرعات کی منڈی بھی بڑی اہمیت کی حامل تھی جو کہ اموی دورِ حکومت کے بعد تک بھی منعقد ہوتی رہی۔ ❾

جہاں تک معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید کے ادوار حکومت میں بیرونی تجارت کا تعلق ہے تو اس دوران اسے بیزنطی حکومت کے ساتھ بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ بیرونی تجارت کے اس فروغ میں متعدد عوامل نے اہم کردار ادا کیا، مثلاً:

---

❶ تاريخ بلاد الشام الاقتصادي في العصر الاموي، ص: ١٦٨.
❷ ايضا، ص: ١٧٢. ❸ ايضا، ص: ١٧٤. ❹ ايضا، ص: ١٧٤.
❺ ايضا، ص: ١٨٣. ❻ معجم البلدان: ٢/ ٤٦٥.
❼ تاريخ بلاد الشام الاقتصادي، ص: ١٨٣. ❽ ايضا، ص: ١٨٣. ❾ ايضا، ص: ١٨٧.

(۱) دولت امویہ کے مشرقی علاقے میں بکثرت اضطرابات نے اگرچہ جزوی شکل میں ہی سہی دولت امویہ اور مشرقی ممالک کے درمیان تجارتی تبادلات کے حجم کو کم کر دیا تھا جس کے نتیجے میں مغرب کی طرف واقع دولت بیزنطیہ کے ساتھ اس کے تجارتی تبادلات کے حجم میں اضافہ ہو گیا۔

(۲) دولت امویہ کے پرامن حالات نے تجارتی راس المال کو کاروباری فوائد کے لیے مشرق میں بدامنی کے علاقوں سے شام منتقل کر دیا۔

(۳) تجارت کے حوالے سے یہ دونوں ممالک ایک دوسرے پر مکمل اعتماد کرتے تھے جس کی وجہ سے اس میں گرم جوشی دیکھنے میں آئی۔

اگر دولت بیزنطیہ کلی طور سے بردی اوراق پر اعتماد کرتی تھی تو دولت امویہ اندرون ملک کلی طور پر بیزنطی حکومت کی طرف سے آنے والی سونے کی کرنسی کے حجم پر اعتماد کرتی تھی۔

معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد آنے والے خلفاء کے مختلف ادوار حکومت کے دوران طرفین میں تجارت کے فروغ پر دلالت کرنے والی علامات مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ دولت امویہ میں سونے کے بیزنطی دنانیر کی کیت، اندرونی لین دین کی کارروائیاں انہی کے ذریعے پایہ تکمیل تک پہنچتی ہیں۔

ب۔ مصر میں بردی اوراق کے کارخانے عبدالملک بن مروان کے دور حکومت تک اس کی تیاری میں بیزنطی انداز ہی اختیار کیے رہے۔[1]

خامساً:......صنعت وحرفت

اموی دور حکومت میں صنعت وحرفت کا اپنے اقتصادی ماحول سے متاثر ہونا، مزید براں اس کا اموی حکومت کے اقتصادی حالات سے متاثر ہونا بھی ایک فطری امر تھا، چونکہ اس دوران زراعت کو بنیادی اور خصوصی اہمیت حاصل تھی، لہٰذا ایسی صنعتوں کو فروغ حاصل ہوا جو اپنے خام مال کے لیے زرعی پیداوار پر انحصار کرتی تھیں، مثلاً کپڑا سازی اور آٹا پیسنے کی صنعتیں، دولت امویہ میں عمرانی ترقی کی وجہ سے مختلف صنعتوں نے بھی خوب ترقی کی لہٰذا عمارت سازی کے لیے ضروری آلات واشیاء کی تیاری کی صنعت خوب پھلی پھولی، علاوہ ازیں صنعت اموی دور حکومت کے دوران پائے جانے والے عسکری احوال وظروف سے بھی متاثر ہوئی جس کی وجہ سے تجارتی مقاصد کے لیے استعمال ہونے والی کشتیوں کی صنعت نے بھی ترقی کی۔[2] دولت امویہ نے اس بیزنطی جنگی بحری بیڑے کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنا جنگی بحری بیڑہ تیار کرنے میں خاصی دلچسپی دکھائی جو دولت اسلامیہ کے ساحلوں کے لیے ایک چیلنج بنا ہوا تھا، کشتی سازی کی جو صنعت دولت امویہ کے آغاز میں صرف کشتی سازی تک محدود تھی وہ اس کے آخری دور میں جنگی کشتی سازی کی صنعت کے کمال کو چھونے لگی۔ صنعت ۴۹ھ تک مصر تک محدود تھی بعد ازاں

[1] التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۲۰۹.
[2] ایضا، ص: ۲۳۵.

معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام کے عکا نامی شہر میں کشتی سازی کا کارخانہ قائم کرنے کا حکم دیا اور اس کام کو کرنے کے لیے مصر سے تجربہ کار ماہرین منگوائے، اس میں کام آنے والی لکڑی لبنان کے پہاڑوں سے حاصل کی گئی جو کہ وہاں وافر مقدار میں موجود تھی اور جس کا حصول بھی آسان تھا۔ ❶ پھر اس صنعت میں مزید بہتری لانے کے لیے ۵۴ھ کے دوران مصر میں ایک نیا صنعتی زون قائم کیا گیا جسے خاص طور سے جنگی کشتیوں کی تیاری کے حوالے سے بڑی شہرت ملی۔ ❷ اموی حکومت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد بھی کشتی سازی کی صنعت کو ترقی دینے کے لیے تسلسل کے ساتھ مصروف عمل رہی۔ جنگی کشتی سازی کے یہ علاقے لوگوں کی رہائش اور روزگار کے لیے باعث کشش ثابت ہوئے اور اس طرح یہ صنعتی ترقی اور اقتصادی خوشحالی کے مراکز میں تبدیل ہو گئے، وہاں ہوٹل تعمیر کیے گئے، گندم پیسنے کے متعدد کارخانے قائم کیے گئے، علاوہ ازیں متعدد دیگر سرگرمیاں بھی دیکھنے میں آئیں جن کی وجہ سے اس صنعت میں کئی تبدیلیاں آئیں اور وہ ترقی کے مراحل طے کرنے لگی، اس صنعت کو منظم انداز میں استوار کرنے کے لیے اس کے نگران اعلیٰ کا عہدہ قائم کیا گیا جسے اس کے نگران کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا اور جس کی اہم ترین ذمہ داری اس صنعت میں کام کرنے کے لیے لوہے اور لکڑی کے کام کے ماہرین اور دیگر کارکنوں اور مزدوروں کو قریبی مسلم ریاستوں اور حکومت کے دیگر صوبوں سے لا کر یہاں آباد کرنا اور ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنا تھا۔ کشتی سازی میں کام آنے والی عمدہ لکڑی اور دیگر ضروری خام مال فراہم کرنا بھی اس کے ذمہ تھا، اس صنعت کے قیام کی عمدگی اس امر سے بھی عیاں ہوتی ہے کہ اس میں کام کرنے والے کاریگروں اور عام کارکنوں کی مالی مراعات کی تحدید کی جاتی اور انہیں ضروری غذائی اشیاء فراہم کرنے کا بندوبست کیا جاتا، علاوہ ازیں انہیں ہر ممکن سہولیات فراہم کی جاتی حتیٰ کہ انہیں رہائش گاہیں بھی فراہم کی جاتیں اور انہیں ہر طرح کی زیادتی سے بچانے کے لیے ضروری اقدامات کیے جاتے تاکہ وہ مکمل اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ اپنے فرائض ادا کر سکیں۔ ❸ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اموی دور حکومت کے دوران ایک بھاری بھرکم بحری جنگی بیڑہ وجود میں آ گیا۔ ❹

آغاز کار میں دولت بیزنطیہ کو دولت اسلامیہ پر بحری برتری حاصل تھی، معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے کمزور کرنے اور بعد ازاں اسے بالتدریج ختم کرنے کے لیے ضروری اقدامات کیے۔

اموی دور حکومت جن صنعتوں کے لیے مشہور ہے ان میں تجارتی کشتیوں کی صنعت بھی قابل ذکر ہے۔ ان دنوں تجارتی کشتیاں جنگی کشتیوں سے کوئی زیادہ مختلف نہیں ہوتی تھیں مگر پھر ان کی تیاری کے لیے خوبصورت تبدیلیاں کی گئیں، ان کے سائز میں اضافہ کرنے اور انہیں جدید اور دیرپا بنانے کے لیے ان میں کیل استعمال

---

❶ خطط الشام: ۵/ ۳۷۔ النظم الاسلامیة، ابراهیم العدوی، ص: ۳۵۵۔ التطور الاقتصادی، ص: ۲۳۹.
❷ تاریخ الحضارة الاسلامیة و الفکر الاسلامی، ص: ۱٦٦.
❸ النظم الاسلامیة، ص: ۳۵٤-۳۵۵.
❹ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۲٤۱.

کرنے کا حکم دیا گیا۔ ❶

واسط شہر میں تیار کردہ کشتیوں کو واسطیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، جہاں ایسی چھوٹی کشتیاں بھی تیار کی جاتی تھیں جو سیر و سیاحت اور واسط و بصرہ کے درمیان تجارتی سامان کی نقل و حرکت کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ ❷

دولت امویہ میں مشرقی کشتیوں کی تیاری کے مراکز میں اگرچہ زیادہ تر تجارتی کشتیاں ہی تیار کی جاتی تھیں مگر وہ صرف اسی قسم کی کشتیوں کے ساتھ ہی خاص نہیں تھے بلکہ وہ تجارتی اور جنگی دونوں قسم کی کشتیوں کی تیاری کی صلاحیت رکھتے تھے۔ حجاج بن یوسف نے خلیج عربی اور بحر ہند میں فوجی قوت کے قیام میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ ❸

سادسًا:......عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں مالی اخراجات کے بارے میں شبہات

بعض مؤرخین نے عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں مالی اخراجات کے بارے میں شبہات پیدا کیے ہیں، اور ان مصارف کا ذکر کرتے ہوئے انہیں ظالمانہ اور غیر شرعی قرار دیا، وہ الزامات درج ذیل ہیں:

ا۔ بعض علاقوں کے خراج میں کمی و زیادتی اور شاہ خرچیاں:

ا: عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر رشوت کے طور پر دیا گیا: متعدد روایات میں وارد ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر رشوت کے طور پر دیا گیا تھا اور یہ اس لیے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدد کی تھی، یہ جملہ روایات داخبار معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ دشمنی پر مبنی ہیں اور جن میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ گویا ایک گھٹیا اور مشکوک سودے بازی کی وجہ سے وہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف متفق تھے جس میں وہ دنیوی مقاصد کے حصول کے لیے اپنے رب، دین اور تاریخ کے ساتھ خیانت اور زیادتی کے مرتکب ہوئے، گویا کہ اگر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی گورنری نہ ملتی تو ان کے لیے اس قضیہ کے حل کے لیے اپنا تعارف پیش کرنا امر محال تھا جس کے لیے ہزاروں لوگ بیک آواز تھے اور وہ قضیہ تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ۔ ان میں سے بعض روایات میں ان جلیل القدر اصحاب رسول کو سب و شتم بھی کیا گیا ہے اور جن سے لگتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اخروی اجر و ثواب پر مصر کی گورنری کو ترجیح دی اور خود انہوں نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہا: یہی دنیا ہمارا اصل مقصود ہے۔ ❹ انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میں تمہیں اس وقت اپنا دین نہیں دوں گا جب تک تم سے تمہاری دنیا نہ لے لوں۔ ❺ اسی طرح ان کا یہ قول: میں تم سے مصر کے بدلے اپنا دین فروخت کر رہا ہوں۔ ❻ اسی طرح ان کا حضرت معاویہ سے یہ کہنا: اگر مصر اور اس کی ولایت نہ ہوتی، مجھے معلوم ہے کہ علی رضی اللہ عنہ حق پر ہیں اور تم باطل پر۔ ❼ مزید اس طرح کی اور کئی روایات۔ ❽ اسی طرح مسعودی اور ابن قتیبہ کی طرف منسوب کتاب "الامامۃ و السیاسۃ" وغیرہ کی باطل اور موضوع روایات میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لالچی

---

❶ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۲۴۲. ❷ الحجاج بن یوسف الثقفی، هزاع الشعری، ص: ۵۹.
❸ واسط فی العصر الاموی، ص: ۲۴۳. ❹ الدولة الامویة المفتری علیها نقلاً عن الکامل فی التاریخ.
❺ الامامة و السیاسة: ۱/ ۹۸. ❻ العقد الفرید: ۴/ ۳۴۵.
❼ مروج الذهب: ۳/ ۲۹. ❽ وقعة صفین، ص: ۲۳۷۔ یہ تمام روایات شیعہ روافض سے مروی ہیں۔

اور دنیا پرست شخص قرار دیا گیا ہے، ان موضوع، ضعیف اور سقیم روایات سے کئی مورخین اور اہل قلم حضرات نے متاثر ہو کر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو پستی میں دھکیلنے کی کوشش کی جن میں سے محمود شیت خطاب، [1] عبدالخالق سید ابو رابیہ [2] اور عباس محمود العقاد قابل ذکر ہے۔ آخر الذکر تو معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی اس انداز سے تصویر کشی کرتے ہیں گویا کہ وہ دونوں بڑے موقع پرست اور مصلحتوں کا شکار تھے۔ اگر تمام تاریخی ناقدین عقاد کی پیش کردہ روایات کے بطلان پر اتفاق کر لیں تو انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ عقاد ان ضعیف، لالچی اور غیر معتبر روایات کو نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں: تاریخی ناقدین کچھ بھی کہیں مگر حقیقت یہی ہے کہ ان دونوں (معاویہ و عمرو) کا اتفاق بادشاہت اور ولایت کے حصول کے لیے تھا، اور یہ وہ سودے بازی تھی جس سے دونوں کو حصہ ملا، اور اگر یہ کچھ نہ ہوتا تو دونوں میں اتفاق نہ ہوتا۔ [3]

مگر متعدد ایسے دلائل موجود ہیں جو ان ضعیف، موضوع اور سقیم روایات کی تردید کرتے ہیں جنہیں معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا چہرہ مسخ کرنے کے لیے بڑی پذیرائی حاصل ہوئی، ان دلائل میں چند درج ذیل ہیں:

- معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا تقویٰ وطہارت اور صحت اسلام معروف ومعلوم ہے، اور قبول اسلام کے بعد خدمت اسلام کے حوالے سے دونوں کی تاریخ درخشاں وتاباں ہے۔ [4]
- معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت ورفعت کے لیے ان کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہی کافی ہے: ''یا اللہ! اسے ہادی اور مہدی بنا اور اس کے ساتھ دوسروں کو ہدایت نصیب فرما۔'' [5]
- ان کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی فرمائی تھی: ''یا اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب سکھا اور اسے عذاب سے بچا۔'' [6]
- جہاں تک عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں ایمان کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا تھا: ''لوگ مسلمان ہوئے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔'' [7]
- دوسری حدیث میں ہے: ''العاص کے دونوں بیٹے عمرو اور ہشام مومن ہیں۔'' [8]

---

[1] سفراء النبی ﷺ، ص: ۵۰۸.
[2] عمرو بن العاص، لعبد الخالق سید ابو رابیة، ص: ۳۱۶.
[3] عمرو بن العاص، عقاد، ص: ۲۳۱-۲۳۲.
[4] الدولة الامویة، حمدی شاهین، ص: ٤١٦.
[5] صحیح سنن ترمذی، البانی: ۳/ ۲۳۶.
[6] موارد الظمآن: ۷/ ۲٤۹. اس کی سند حسن ہے۔
[7] سلسلة الاحادیث الصحیحة: ۱/ ۲۳۸، رقم: ۱۵۵.
[8] الطبقات: ٤/ ۱۹۱ ۔ السلسلة الصحیحة: ۱/ ۲٤۰، رقم: ۱۵٦.

- آپ ﷺ ہی کا ارشاد گرامی ہے: ''عمرو صادق ہیں: اللہ کے ہاں عمرو کے لیے خیر کثیر ہے۔'' ❶
- عمرو بن العاص نے علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے مطالبہ پر بیعت کی تھی، عمرو رضی اللہ عنہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے شدید طور پر متاثر ہوئے، جب انہوں نے خلیفہ مظلوم کی شہادت کی خبر سنی تو وہ روتے ہوئے پیدل ہی چل کھڑے ہوئے، اس وقت وہ کہہ رہے تھے: ہائے عثمان! ہم حیاء داری اور دین کو آپ کی موت کی خبر دیتے ہیں، یہاں تک وہ دمشق پہنچ گئے۔ ❷ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا شمار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قریبی ساتھیوں، مشیروں اور دوستوں میں ہوتا تھا، وہ عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں بدون ولایت شوری کے اجلاس میں شریک ہوا کرتے تھے، ان کے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے سے تعاون کر کے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص اور خلیفہ شہید کا انتقام لے سکیں۔ ❸

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ناحق سفاک مجرموں کے خلاف ان کے غیض وغضب کو تحریک دینے کے لیے کافی تھا، رسول اللہ ﷺ کے حرم کے خلاف دلیری دکھانے والوں سے انتقام لینے کے لیے مدینہ منورہ کے علاوہ کسی اور جگہ کا انتخاب ضروری تھا۔ آخر خلیفہ مظلوم عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے غضب ناک ہونے میں انوکھے پن والی کون سی بات ہے؟ اگر اس موضوع میں کسی کو کوئی شک ہے تو اس کا دار و مدار ان جھوٹی روایات پر ہے جو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ ان کا واحد مقصد اقتدار اور حکومت کا حصول تھا۔ ❹

اسی الزام کی تردید کہ مصر عمر بن العاص کو رشوت کے طور سے دیا گیا، ابو مخنف - جو کہ گزشتہ جھوٹ کا ایک راوی ہے- کی ذکر کردہ اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا لشکر مصر بھیجنا اور اسے علی رضی اللہ عنہ کے انصار سے چھین لینا اس امید کے پیش نظر تھا کہ اگر وہ اس پر غالب آ گئے تو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں پر غالب آ جائیں گے اس لیے کہ مصر سے بہت زیادہ خراج حاصل ہوتا تھا۔ ❺ ایسے میں معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سارا خراج عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حوالے کیسے کر سکتے تھے جبکہ خود انہیں اس کی شدید ضرورت تھی؟ یاد رہے کہ اس حملہ کے قائد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے۔

اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت سنبھالنے کے بعد مصر کے خراج پر اپنے عامل وردان کو لکھا کہ ہر قبطی سے ایک قیراط مزید خراج وصول کیا جائے۔ جس کے جواب میں وردان نے لکھا کہ میں ان کے خراج میں کس طرح اضافہ کر سکتا ہوں جبکہ ان کے ساتھ کیا گیا معاہدہ اس کی اجازت نہیں دیتا۔ ❻ وردان کو

❶ المستدرك: ۳/ ٤٥٥ . حاکم نے اسے صحیح کہا۔ ذہبی فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے اس کی سند حسن ہے۔

❷ تاریخ طبری نقلاً عن عمرو بن العاص، غضبان، ص: ٤٨١ .

❸ عمرو بن العاص، غضبان، ص: ٤٨٩-٤٩٠ .

❹ عمرو بن العاص، غضبان، ص: ٤٩٢ .

❺ تاریخ طبری: ٦/ ٩ . ❻ فتوح البلدان، ص: ٢١٩ .

مصر کے خراج پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ولایت کے ایام میں والی متعین کیا گیا تھا، اس لیے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جو لوگ مصر کے والی مقرر ہوئے وہ تھے: عتبہ بن ابوسفیان، عقبہ بن عامر اور مسلمہ بن خالد، یہ لوگ نماز اور خراج کے والی تھے۔ یہ روایت اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ مصر پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ولایت کے دوران وہاں سے زیادہ خراج وصول کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے مگر اس اہتمام کا اس صورت میں ہی کوئی معنی بنتا ہے کہ جب مصر کا خراج معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچایا جائے تا کہ وہ اس کے ساتھ مختلف قسم کے اخراجات پورے کرسکیں۔ [1] مزید براں معاویہ رضی اللہ عنہ کسی ایک فرد کے لیے خراج مصر سے دست بردار ہونے والے نہیں تھے جبکہ انہیں بخوبی علم تھا کہ یہ ساری امت کا حق ہے اور یہ کہ وہ اس سے دست بردار ہونے کا استحقاق نہیں رکھتے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ عطیہ بن قیس سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے یہ فرماتے سنا: تمہیں تمہارے عطیات ادا کرنے کے بعد بیت المال میں کچھ مال بچ رہا ہے جسے میں تم لوگوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں۔

اگر آئندہ سال بھی کچھ مال بچ رہا تو میں اسے بھی تمہارے درمیان تقسیم کر دوں گا اور اگر کچھ نہ بچا تو پھر مجھ سے ناراض نہ ہونا، یہ میرا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا مال ہے جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے۔ [2]

مزید براں یہ بات بھی یقینی ہے کہ اہل مصر اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے تھے کہ مصر رشوت کے طور پر عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کو دے دیا جائے جیسا کہ ان کے معاندین کا خیال ہے۔ مثال کے طور پر مصر میں کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے بھی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طرح معاویہ رضی اللہ عنہ کی نصرت وحمایت کی تھی جیسا کہ معاویہ بن خدیج اور عثمانیہ سے ان کے دیگر اصحاب و رفقاء، یہ لوگ اس بات کو کسی بھی صورت میں قبول نہیں کر سکتے تھے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ان پر امتیازی مقام ومرتبہ حاصل ہو۔ ہم قبل ازیں بتا چکے ہیں کہ اس معاویہ بن خدیج نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے عبدالرحمٰن بن ام الحکم کو والی کے طور پر مصر میں داخل ہونے سے پہلے ہی اسے واپس لوٹا دیا تھا اور اپنے اوپر اس کی امارت کو مسترد کر دیا تھا اگر چہ اس نے اس کے لیے غیر مناسب انداز اختیار کیا تھا مگر معاویہ رضی اللہ عنہ اسے ناراض کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ [3]

ب: حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے لیے ''دارابجرد'' کے خراج سے دست بردار ہونا:

بعض مؤرخین کا دعویٰ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے ''دارابجرد'' کے خراج سے دست بردار ہو گئے تھے اور یہ کہ اگر وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت سے دست بردار ہو جائیں تو وہ اس کے عوض انہیں کوفہ کے بیت المال سے پانچ ہزار درہم ادا کریں گے، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے بیت المال سے تو وہ رقم وصول کر لی مگر ''دارابجرد'' کا خراج وصول کرنے سے قاصر رہے، اس لیے کہ اہل مصر نے انہیں اس سے روک دیا تھا، ان

[1] الامويون و الفيء، ص: ٦٧، ٦٨ . [2] منهاج السنة النبوية: ٣/ ١٨٥ .
[3] الادلة الاموية المفترى عليها، ص: ٤١٧ .

کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ایسا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اکسانے پر ہوا۔ مگر یہ روایت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ دونوں کی تنقیص کا سبب بنتی اور دونوں کے بارے میں یہ تاثر دیتی ہے کہ وہ باطل طریقے سے مسلمانوں کا مال ہڑپ کرنے پر متفق تھے۔ ❶ مگر یہ باطل اور غیر صحیح ہے۔ اس بارے میں صحیح اور اصل صورت حال صحیح بخاری میں دیکھی جا سکتی ہے اور وہ یہ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمن بن سمرۃ اور عبداللہ بن کریز پر مشتمل معاویہ رضی اللہ عنہ کے وفد کے ارکان سے کہا: ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں اور ہم نے اس مال سے کچھ خرچ کیا ہے۔ اس کی ذمہ داری کون لے گا؟ ان دونوں نے کہا: اس کے ذمہ دار ہم ہیں۔ ❷ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان اموال کے بارے میں بات کر رہے ہیں جو خود انہوں نے اور بنو عبدالمطلب سے دوسرے لوگوں نے قبل ازیں حاصل کیے تھے، وہ یہ چاہتے تھے کہ ان سے اس کی واپسی کا مطالبہ نہ کیا جائے، انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے آئندہ کے لیے کسی رقم کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ ❸

ابن الاعثم ذکر کرتا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے مال میں میرے ساتھ شرط لگانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ ❹ یہ سبھی کے علم میں ہے کہ خراج کا حصول حکومت کی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے ایک ہے اور حسن رضی اللہ عنہ اور اہل بصرہ کے مابین اس پہلو سے کوئی براہ راست تعلق نہیں تھا مگر روایت اس جانب اشارہ کرتی ہے کہ ''دارابجرد'' کا خراج حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو منتقل کیے جانے والے اموال میں شامل نہیں تھا۔ ❺ مروی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میرے ذمہ کئی قرضے واجب الادا ہیں، لہٰذا میرے لیے بیت المال سے چار لاکھ یا اس سے کچھ زائد درہم جاری کریں۔ ❻ ابن عساکر ذکر کرتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: انہیں بیت المال سے رقم ادا کی جائے جس سے وہ اپنے ذمہ واجب الاداء قرضہ جات ادا کر سکیں اور دیگر مالی ذمہ داریاں پوری کر سکیں، اپنے باپ کے اہل و عیال، ان کی اولاد اور اپنے اہل بیت کے اخراجات ادا کر سکیں۔ ❼ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھ جنگجوؤں کو ادا کرنے کے لیے بیت المال سے پچاس لاکھ درہم وصول کیے۔ اس سے کچھ رقم ان کے اہل بیت اور دیگر اصحاب و رفقاء میں بھی تقسیم کی گئی۔ ❽ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض فوجیوں میں مال و زر کی تقسیم حالات کی سنگینی میں کمی لانے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔

مگر صحیح بخاری کی روایت کی جانب میلان زیادہ ہوتا ہے، بات صرف اتنی تھی کہ انہوں نے ان اموال کے بارے میں باز پرس نہ کرنے کا مطالبہ کیا تھا جو انہوں نے اپنی خلافت کے ایام میں وصول کیے تھے، جو روایات اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دس لاکھ درہم اور ان کے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بیس لاکھ درہم سالانہ ادا کریں گے اور عطیات و نوازشات میں بنو ہاشم کو بنو عبدشمس پر ترجیح دیں

❶ ایضا، ص: ٤١٧۔ تاریخ طبری: ٦/ ١٦٥.
❷ بخاری رقم: ٢٧٠٤.
❸ دراسة فی تاریخ الخلفاء الامویین، ص: ٦٤.
❹ الفتوح: ٣/ ٢٩٣.
❺ دراسة فی تاریخ الخلفاء الامویین، ص: ٦٤.
❻ تاریخ الاسلام، عهد معاوية، ص: ٧.
❼ تاریخ دمشق: ١٤/ ٩٠.
❽ فی التاریخ الاسلامی، شوقی ابو خلیل، ص: ٢٦٨.

گے۔ ❶ اور گویا کہ حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں خلافت کو فروخت کر دیا تھا، تو یہ روایات اور جو کچھ ان کی تحلیل اور تفسیر میں کہا گیا ہے تو انہیں نہ تو قبول کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی وہ قابل اعتماد ہیں۔ اس لیے کہ ان سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو اپنے ذاتی مفادات کا احساس زیادہ اور امت کے مفادات کا احساس کم تھا۔ ❷ جہاں تک عطیات میں ان کے حق کا تعلق ہے تو ان پر صرف حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا نہیں بلکہ سب مسلمانوں کا حق تھا، البتہ اس چیز سے کوئی امر مانع نہیں کہ ان کا حصہ دوسروں سے زیادہ ہو، مگر وہ روایات میں ذکر کردہ بھاری رقوم کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچتا تھا۔ ❸

ج: **عطیات کی غیر مساوی تقسیم:**...... اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیوان العطاء قائم کیا۔ جبکہ قبل ازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مسعود میں مال غنیمت کو جنگ کے فوراً بعد مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ❹ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین میں حاصل ہونے والا مال غنیمت مولفة القلوب میں بھی تقسیم فرمایا تھا جس کی مقدار بہت زیادہ تھی۔ ❺ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے یہ قرار پایا کہ مال غنیمت کو تقسیم کرتے وقت بعض لوگوں کو ترجیح دینا امر مباح ہے اور اگر مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ہو تو اسے درجہ استحباب میں بھی رکھا جا سکتا ہے۔ ❻ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب غزوات اسلامیہ کا دائرہ وسیع ہوا اور اس کے نتیجہ میں مال غنیمت میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے اپنے احباب واصحاب سے مشاورت کی جس کی روشنی میں دیوان العطاء قائم کرنے کا فیصلہ ہوا جس کی ذمہ داری عطیات کو معروف انداز میں تقسیم کرنا تھا اور جس میں سابقین اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کو دوسروں پر ترجیح دی جاتی تھی۔ ❼ پھر جب امویوں کا دور حکومت آیا تو انہوں نے اہل شام کو دوسروں پر ترجیح دی، اہل شام ان کے مخلص اعوان وانصار تھے اور انہیں ہی جہادی لشکروں میں مرکزی حیثیت حاصل تھی چاہے، وہ شمال میں رومیوں کے ساتھ ہو یا مغرب میں افریقہ اور اندلس کی فتوحات کی صورت میں یہی لوگ دولت اسلامیہ کی سلامتی کے محافظ اور اس کے مخالفین کا سر توڑنے کے ذمہ دار تھے۔ مختلف شہروں کے امراء و ولاۃ کے خلاف جب بھی کسی نے خروج کیا اور مصری لشکر اپنا اور اپنے نظام کا دفاع کرنے سے بے بس ہوئے تو انہوں نے شامی سپاہ کی مدد حاصل کی اور ان پر غلبہ حاصل کیا، ابن الاشعث ❽ کے ساتھ قتال میں بھی یہی کچھ ہوا۔ یزید بن عبدالملک کے زمانے میں ❾ یزید بن مہلب کی یورش کا مقابلہ

---

❶ الاخبار الطوال، ص: ۲۱۸ .
❷ دراسة فی تاریخ الخلفاء الامویین، ص: ٦٣ .
❸ ایضا، ص: ٦٣ .
❹ الدولة الاموية المفترى عليها، ص: ٤١٨ .
❺ الاستخراج للأحكام الخراج، ابن رجب الحنبلی، ص: ٢٦ .
❻ الدولة الاموية المفترى عليها، ص: ٤١٨ .
❼ ایضا، ص: ٤١٨ .
❽ تاریخ طبری نقلاً عن الادولة الاموية المفترى عليها، ص: ٤٢٠ .
❾ ایضا، ص: ٤٢٠ .

بھی انہی لوگوں کے ساتھ کیا گیا اور ہشام کے زمانے میں افریقہ میں برابر خوارج کے انتفاضہ میں بھی یہی صورت حال دیکھنے میں آئی۔ ❶

۲۔لوگوں کے دل جیتنے اور اپنے حمایتی پیدا کرنے کے لیے مال خرچ کرنے میں وسعت:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اشراف وزعماء کے دل جیتنے اور دولت اسلامیہ کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لیے بھاری رقوم خرچ کیں، ان کی رائے میں بہت سے مسلمانوں کا خون بہانے سے کچھ مال خرچ کرنا بہتر ہے۔ ان لوگوں کو مالی طور پر نوازنے کا مقصد ان کے اور ان کے اتباع وانصار کے دلوں کو جیتنا، ان کے مقام ومرتبہ کو بلند کرنا اور ان کے متعلقین کی ضروریات کو پورا کرنا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد مؤلفۃ القلوب کو دین کی طرف مائل کرنے اور ان کے دلوں سے نفرت وکدورت کو ختم کرنے کے لیے جو بھاری بھرکم عطیات دیئے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے یہ سمجھا کہ اس قسم کے لوگوں کے دل جیتنے کے لیے انہیں مال دینا جائز ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنوامیہ کے نزدیک دین اور دولت کے لیے دوستی دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ یہ ایک ہی چیز ہے اور یہ اس لیے کہ ان کے اعتقاد میں ان کی حکومت کا مقصد دین کی نصرت اور حاملین دین میں وحدت و یگانگت پیدا کرنا تھا۔ ❷ اور جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں اگر معاویہ رضی اللہ عنہ اس بارے میں غلطی پر تھے تو آپ ان عظیم القدر لوگوں کے بارے میں کیا کہیں گے جنہوں نے ان سے عطیات اور انعامات وصول کیے۔ جبکہ ان میں ان لوگوں کے نام بھی آتے ہیں جو تقویٰ و پرہیزگاری اور خشیت الٰہی میں بڑی شہرت رکھتے ہیں؟

ہمارا یہ کہنا مبنی برحقیقت ہے کہ اس دور کا اسلامی معاشرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلفائے راشدین کے زمانے سے بہت مختلف تھا۔ یہاں تک کہ اس کی بعض سیاسی کارگزاریاں عطیات میں فرق ملحوظ رکھنے کا اپنا حق سمجھتی تھیں۔ ❸

۳۔امویوں کے شاہانہ طرزِ زندگی:

امویوں کی خوشحالی اور ان کی شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ ہمارے مورخین کا بڑا پسندیدہ موضوع رہی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ رہائش، لباس، عطیات اور اخراجات کے حوالوں سے ان پر شاہانہ انداز زیست کا رنگ نمایاں تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے والی تھے اس دوران جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو وہ ایک بھاری بھرکم جلوس کے ساتھ صبح وشام ان کے ساتھ رہتے جس کا خلیفۃ المسلمین نے نوٹس لیا تو انہوں نے اس کا جواز بھی پیش کیا۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمیں امویوں کی زندگی کو اس وقت کے عربی اور اسلامی معاشرے سے الگ کر کے نہیں دیکھنا چاہیے۔ ان دونوں کا ایک دوسرے سے متاثر ہونا ضروری تھا اور ایسا ہوا بھی۔ اسی دور میں سماجی ترقی

---

❶ تاریخ طبری نقلاً عن الادولة الامویة المفتری علیها، ص: ٤٢٠ .

❷ الامویون و الفئ، ص: ٧٢-٧٣ نقلاً عن الدولة الامویة، ص: ٤٢٢ .

❸ الدولة الامویة المفتری علیها، ص: ٤٢٢ .

کا عمل تسلسل سے جاری تھا۔ مال داری، خوشحالی اور جائز طریقہ سے ان سے لطف اندوز ہونے کی رغبت اس قدر عام ہو چکی تھی کہ کیا حاکم اور کیا محکوم سبھی مزید سے مزید کی جستجو میں سرگرداں تھے، مگر اس کے ساتھ ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کے زہد اور ان کے لباس کی بوسیدگی [1] اور ان کے عامل زیاد اور اس کے پیوند لگے کپڑوں [2] کے بارے میں وارد تاکیدی روایات واخبار کا انکار بھی ممکن نہیں۔ حکمران طبقہ کے شاہانہ لباس اور ان روایات میں کوئی تناقض بھی نہیں بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نفوس عالیہ نہ تو زہد وورع کو نقص خیال کرتی ہیں اور نہ ہی دنیوی نعمتوں کو حرام۔ [3] اسی طرح اگر ہم ہمہ گیر نظروں سے اس دور کے مالی اخراجات کا جائزہ لیں تو ہمیں خوشحالی کے یہ مظاہر بنوامیہ اور ان کے خلفاء و امراء میں ہی نظر نہیں آئیں گے بلکہ بنو ہاشم، بنو زبیر وغیرہ کے بعض لوگ جن کا امویوں کے مخالفین و معارضین میں شمار ہوتا ہے وہ بھی بنوامیہ سے کم خرچ نہ تھے۔ [4]

اگر بنوامیہ نے محلات تعمیر کیے تھے تو اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں ہے اشراف عرب میں سے کتنے ہی لوگوں نے بڑے عالیشان اور قابل ذکر محلات تعمیر کیے تھے۔ عرب لوگ اسے باعث عزت خیال کرتے، اس پر فخر کرتے اور اپنے معززین میں سے ہر شخص سے اس کی توقع رکھتے تھے اگرچہ وہ کسی حکومتی منصب پر فائز نہ ہی ہوں۔ [5] مالی اخراجات میں امویوں کے اس طرز عمل کی وجہ سے ہر طرف آسائش وخوشحالی کا دور دورہ ہوا۔ پھر امت میں اس کی جڑیں مزید گہری ہوئیں تو اس نے تباہ کن صورت حال اختیار کر لی جس کا نتیجہ صلیبیوں کے ہاتھوں بلاد شام، تاتاریوں کے ہاتھوں سقوط بغداد اور دولت عباسیہ کے زوال کی صورت میں سامنے آیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام آسائش وتعیش کو ناپسند کرتا اور اس سے خبردار کرتا ہے:

﴿وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا﴾ (الاسراء: ١٦)

"اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو وہاں کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس بستی میں کھلی نافرمانی کرتے ہیں تو ان پر عذاب کی بات ثابت ہو جاتی ہے۔ پھر ہم اسے تباہ وبرباد کر دیتے ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی نسبتاً مال واسباب کی بہتات تھی مگر انہوں نے اسے وجہ فساد نہیں بننے دیا تھا، اس کے سدباب کے طور پر انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ منورہ سے نکل کر زمینوں پر جانے اور کاروبار کرنے سے روک دیا تاکہ اس طرح ان کے ہاتھوں میں زیادہ مال آنے کی وجہ سے غربت وامارت کے مابین کوئی

---

[1] العواصم من القواصم، ص: ٢١٧۔ تعليق محب الدين الخطيب.
[2] تاريخ طبری، نقلا عن الدولة المفترى عليها، ص: ٤٢٤.
[3] الدولة الاموية المفترى عليها، ص: ٤٢٤.
[4] ايضا، ص: ٤٢٤.
[5] ايضًا، ص: ٤٢٥.

حد فاصل کھڑی نہ ہونے پائے اور معاشرے میں بگاڑ پیدا نہ ہو سکے، ساتھ ہی ساتھ انہوں نے مال و اسباب کے حوالے سے اپنے اور اپنے اہل خانہ کے بارے میں سخت پالیسی اختیار کی تا کہ وہ رعایا کے لیے برا نمونہ نہ بنیں اور لوگ ان کے نقش قدم پر چل کر تباہی سے دوچار نہ ہو جائیں۔ اگر حکمران کی طرف سے مال و زر کمانے اور اسے خرچ کرنے کے بارے میں ضروری حدود و قیود وضع نہ کی جائیں اور پھر ان کی پاسداری نہ کی جائے تو پھر سنت الٰہیہ کے مطابق اس کے طے شدہ نتائج کا سامنے آنا ضروری ہوتا ہے اور یہ اس لیے نہیں ہے کہ مال فی حد ذاتہ کوئی بری شے ہے بلکہ اس لیے کہ اس کے مثبت نتائج اخذ کرنے کے لیے جن انسانی کوششوں کی ضرورت تھی ان کے حوالے سے کوتاہی کا ارتکاب کیا گیا، یاد رہے کہ مال کی آفت آسائش و تعیش ہے اور اس کا علاج حکمرانوں کے ہاتھ میں ہے، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے میں سنجیدگی کو پروان چڑھائیں اور اس کے لیے اپنی ذات کو بہترین نمونہ کے طور پر پیش کریں۔ اگر مال و زر کو بغیر کسی ضابطہ کے لوگوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا جائے اور کسی سے کسی چیز کے بارے باز پرس نہ کی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے کے اخلاق و کردار کو تباہ کرنے کے لیے کچھ قوتیں بھی بڑی متحرک ہوں تو پھر اس نتیجہ کا انتظار کیا جائے جسے سنت ربانیہ ضروری قرار دیتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (الروم: ٤١)

''خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا اس لیے کہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ چکھا دے ممکن ہے کہ وہ باز آ جائیں۔''

مال و زر کی بہتات ایک متعدی آفت ہے اور اگر اس کا علاج نہ کیا جائے اور اسے آگے بڑھنے سے نہ روکا جائے تو اس کا پھیلتے چلے جانا یقینی ہے، پھر جب اس کا آغاز خلافت کے محلات سے ہو تو معاملہ مزید سنگین ہو جاتا ہے، اس لیے کہ حکام لوگوں کے لیے نمونہ ہوا کرتے ہیں۔ اگرچہ اموی بڑے خوشحال تھے مگر ان کا مالی فساد عباسیوں سے بہت کم تھا اس لیے کہ وہ ایک طرف اپنی حکومت کے استحکام میں زیادہ مصروف رہے اور دوسری طرف جہاد فی سبیل اللہ میں لگے رہے۔ عباسی، تو ان کے ہاتھ حکومت آنے کے بعد ان میں خوشحالی بڑی سرعت کے ساتھ سرایت کرنے لگی اور پھر خلافت کے محلات سے نکل کر امراء و وزراء کے محلات تک اور پھر وہاں سے ہوتی ہوئی ان کے تاجروں کے محلات تک جا پہنچی جن کی عالمی تجارت میں آمدن کئی ملین دینار تھی۔ آہستہ آہستہ اس فساد نے پہلے دار الخلافہ بغداد کو اور پھر دیگر اسلامی دار الحکومتوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ [1]



[1] كيف نكتب التاريخ الاسلامى، محمد قطب، ص: ١٢٦، ١٢٧.

چھٹی بحث:

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ اور دولت امویہ کا عدالتی نظام

عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ کے نظام قضاء کے بعد عہد اموی میں نظام قضاء تیسرے درجہ میں آتا ہے۔ اس لیے کہ اموی دور حکومت میں عہد خلافت راشدہ کے آثار بکثرت موجود تھے اور اس کے بہت سارے اعمال خلافت راشدہ کے دور کا تسلسل تھے۔ خاص طور پر فتوحات اسلامیہ، مشرق ومغرب میں دعوت اسلام کی اشاعت، اللہ کے دین میں لوگوں کی گروہ درگروہ شمولیت اور اسلامی تہذیب کی ترقی کے حوالوں سے۔ [1]

اولاً:......عہد اموی کا عہد راشدہ سے تعلق

اموی دور حکومت اور خاص طور سے معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت کئی حوالوں سے عہد خلافت راشدہ کا تسلسل تھا۔ اموی دور حکومت تک بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بقید حیات تھے، اور علم، فقہ اور قضاء وغیرہ میں کبار تابعین اور بعد ازاں صغار تابعین ان کے شراکت دار تھے، اسی طرح عہد خلافت راشدہ کے بعض قضاۃ عہد اموی میں بھی شعبہ قضاء سے وابستہ تھے، ان میں قاضی شریح بن حارث کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ عہد اموی میں دینی تربیت، عقیدہ کی برتری، آثار ایمان، دین سے وابستگی اور شرعی احکام کی پاسداری باقی تھی، اس دور میں ایسے مجتہدین کی بڑی تعداد معرض وجود میں آئی جو صحابہ کرام اور فقہی مذاہب کے درمیان رابطے کا کام دیتے تھے۔ اموی دور حکومت کے علماء ومجتہدین عہد عباسی میں رونما ہوئے ائمہ مذاہب کے اساتذہ تھے۔ اس بڑی پررونق فقہی تصویر کے اموی دورِ حکومت کے عدالتی نظام پر بڑے گہرے اور قابل تعریف اثرات مرتب ہوئے اور اجتہادی سرگرمیوں میں بڑی وسعت پیدا ہوئی۔

مزید برآں علوم اسلامیہ کی تدوین، دوسری تہذیبوں سے استفادہ کرنے اور ہمسایہ اقوام کے علوم وثقافات کے ترجمہ کی تحریک کا آغاز ہوا۔ [2]

ثانیاً:......خلفاء کا قضاء سے الگ ہونا

خلفائے راشدین لوگوں کے تنازعات واختلافات حل کرنے کے لیے خود فیصلے صادر فرمایا کرتے تھے اور اس بنا پر ان سے بہت سے فیصلوں کا صدور ہوا۔ مختلف شہروں کے امراء بھی خلیفہ وقت کے نائب ہونے کی حیثیت سے یہ فریضہ سرانجام دیا کرتے تھے، الا یہ کہ ان کے اختیارات کو محدود کر کے انہیں قضاء سے روک دیا جائے، اس صورت میں لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لیے ان کے ساتھ قاضیوں کا تقرر کر دیا جاتا، ان ولاۃ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام سرفہرست ہے جو عرصہ بیس سال تک شام کے والی رہے اس دوران وہ انتظامی اور عدالتی دونوں

[1] تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۱۶۵۔ [2] ایضاً

قسم کے امور نمٹاتے رہے۔ [1] پھر جب انہوں نے منصب خلافت سنبھال لیا تو منصب قضاء سے الگ ہو گئے اور دارالحکومت دمشق میں قاضیوں کا تقرر کر کے عدالتی اختیارات انہیں تفویض کر دیئے۔ دیگر شہروں کے ولاۃ بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عدالتی امور سے الگ ہو گئے، اموی خلفاء نے بنو امیہ کے پورے دور حکومت میں عدالتی امور کے حوالے سے یہی طریقہ اپنائے رکھا، دولت امویہ کے دارالحکومت میں بھی اور اس کے صوبوں اور اس کے شہروں میں بھی۔ اسی دوران خلفائے بنو امیہ کا تعلق تین امور کے علاوہ اسلامی قضاء سے منقطع رہا:

۱۔ دارالحکومت دمشق میں قضاۃ کا براہ راست تقرر کرنا:......

۲۔ قضاۃ کے اعمال و احکام ان کی تقرری و معزولی، مالی مراعات، حسن سیرت اور ان کے جاری کردہ عدالتی احکامات کی نگرانی کرنا، تاکہ اس امر کو یقینی بنایا جا سکے کہ ان کے فیصلے عدل و انصاف اور حق و صداقت پر مبنی ہوں، شرع و دین سے ہم آہنگ ہوں، اور ان میں ٹھوس عدالتی رویوں کا التزام کیا گیا ہو۔

۳۔ مظالم اور احتساب کے فیصلوں پر نظر رکھنا، خلفاء بنو امیہ نے قضاء مظالم کو خاص اہمیت دے رکھی تھی اور اس کے لیے ایک کامل اور مستقل نظام وضع کیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اموی دور حکومت میں عدلیہ کو آزادانہ حیثیت حاصل تھی یہاں تک کہ وہ خلیفہ اور والی کے دباؤ سے بھی آزاد تھی جنہیں قاضی کی تقرری اور اس کی معزولی کا اختیار حاصل تھا، مگر ان کا قاضی کے اعمال، اس کے اجتہاد اور فیصلوں میں کوئی عمل دخل نہیں تھا جبکہ وہ قاضیوں کے صادر کردہ احکامات کو نافذ کرنے کے پابند تھے۔ [2] نباہی فرماتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ تھے جنہوں نے پورے طور سے قضاء سے الگ ہو کر اسے دوسروں کے حوالے کر دیا، دیگر شہروں کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی حکومت کے مرکز میں بھی قاضیوں کا تقرر کر رکھا تھا۔ [3]

ثالثاً:......قاضیوں کے لیے مالی مراعات

یہ بات سبھی کے علم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عدالت کو حکومت سے الگ کرنے میں پہل کی تھی اور انہوں نے ہی سب سے پہلے قاضیوں کی تنخواہیں مقرر کی تھیں۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ جو کہ زہد و قناعت میں بڑی شہرت رکھتے ہیں انہوں نے قاضیوں کے بارے میں مصر پر اپنے عامل سے فرمایا: انہیں اتنی مالی مراعات دو جس سے ان کی ضروریات پوری ہو سکیں اور لوگوں کے سامنے اپنی ضروریات پیش کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ [4] یہ صورت حال عہد اموی میں بھی برقرار رہی اور قاضیوں کی تنخواہیں بیت المال سے ادا کی جاتی رہیں۔ [5] ان کی مقدار بہت زیادہ تھی، البتہ مختلف شہروں اور حالات و ظروف کے حساب سے یہ مقدار مختلف تھی۔ [6] شعبی قاضی شریح سے

---

[1] تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۱٦٦ . [2] تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ٦٧ .

[3] عبقریة الاسلام فی اصول الحکم، ص: ۳٤۲ .

[4] القضاء و نظامه فی الکتاب و السنة، ص: ۲٦۷ .

[5] تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۱٦۷ . [6] ایضا: ۱۷٦ ، ۱۷۷ .

روایت کرتے ہیں کہ وہ ماہانہ پانچ سو درہم تنخواہ وصول کرتے تھے، وہ فرمایا کرتے تھے: میں لوگوں کے لیے پورا پورا وصول کروں گا اور انہیں پورا پورا دوں گا۔ مزید فرماتے تھے: میں ان کے لیے منصب قضاء پر بیٹھتا ہوں اور ان کے لیے اپنے آپ کو پابند کرتا ہوں، پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مجھے روزی نہ ملے؟ جب ۷۲ھ میں عبدالملک بن مروان نخیلہ آیا تو اس نے قاضی شریح کے بارے میں معلوم کیا تو اسے بتایا گیا کہ وہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے عہد میں قضاء سے الگ ہو گئے تھے۔ اس نے انہیں اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا: اللہ تمہیں توفیق عطا فرمائے، اپنے منصب پر واپس آ جائیں۔ ہم نے آپ کے لیے دس ہزار درہم اور تین صد جریب کا حکم جاری کر دیا ہے۔ انہوں نے یہ پیش کش قبول کر لی اور ۷۸ھ تک منصب قضاء پر فائز رہے۔ [1] اس کے برعکس بعض قاضی حضرات قضاء کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے اور وہ اقامت شریعت کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کے حصول کے خواستگار تھے۔ قاضی ومفتی مسروق بن اجدع (متوفی ۶۳ھ) کا شمار اسی قسم کے قاضیوں میں ہوتا ہے۔ آپ شریح سے بڑے مفتی جبکہ شریح ان سے بڑے قاضی تھے۔ مسروق کی بیوی کہتی ہیں: مسروق قضاء کی ذمہ داری ادا کرنے پر تنخواہ وصول نہیں کرتے تھے۔ قاسم فرماتے ہیں: مسروق کہا کرتے تھے: اگر میں ایک دن حق کے مطابق فیصلہ کروں تو یہ مجھے ایک سال فی سبیل اللہ دشمن کی سرحد پر موجود رہنے سے زیادہ پسند ہے۔ [2]

رابعاً:......احکام کو محفوظ کرنا اور ان پر گواہ بنانا

عہد اموی میں پہلی بار قاضیوں کے صادر کردہ احکام کو رجسٹر اور دیوان محکمہ میں محفوظ کرنے کا رواج ہوا، تاکہ قاضی بوقت ضرورت ان کی طرف رجوع کر سکے اور سب سے پہلے یہ کام عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں مصر کے قاضی سلیم بن عنز تجیبی نے کیا اور یہ اس وقت کی بات ہے جب میراث کی تقسیم کے سلسلے میں کچھ لوگ ان کے پاس جھگڑا لے کر آئے تو انہوں نے ان کے درمیان فیصلہ کر دیا۔ وہ ایک عرصہ تک غائب رہے پھر باہم اختلاف کیا اور ان کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، پھر وہ دوبارہ ان کے پاس آئے اور ان سے دوسری دفعہ فیصلہ کروانا چاہا۔ مگر قاضی کو ان کا واقعہ یاد آ گیا۔ جب انہوں نے ان کے سامنے ساری تفصیل بیان کی تو انہوں نے اس کا اعتراف کر لیا۔ اس پر قاضی سلیم بن عنز نے اپنے کاتب کو حکم دیا کہ وہ عدالتی احکامات کو تحریری طور سے محفوظ بنائے، آپ نے انہیں اپنا فیصلہ لکھ کر دیا اور اس پر گواہ بنائے۔ [3] کندی فرماتے ہیں: سلیم بن عنز مصر میں پہلے قاضی تھے جنہوں نے اپنے فیصلے تحریری طور پر محفوظ کیے۔ [4] ہم تک پہنچنے والی معلومات کی رو سے سلیم تجیبی پہلے قاضی تھے جنہوں نے عدالتی احکامات کی توثیق اور ان سے انکار کا راستہ بند کرنے کے لیے ان پر گواہ بنائے۔ بعد ازاں عباسی دور حکومت میں اس میں مزید وسعت آ گئی۔ [5]

---

[1] اخبار القضاۃ: ۲/ ۲۲۷، ۳۹۷۔ [2] طبقات ابن سعد: ۶/ ۸۲۔ تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۱۷۸۔

[3] تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۱۸۰۔

[4] ایضا، ص: ۱۸۰۔ [5] ایضا، ص: ۱۸۰۔

خامسًا:......قاضیوں کے معاونین

عام طور پر قاضیوں کو ایسے معاونین کی ضرورت ہوتی ہے جو عدالتی امور کو بانداز احسن چلانے کے لیے ان کے ساتھ تعاون کر سکیں۔ ان میں سے ایک قاضی کا سیکرٹری ہوا کرتا تھا، اس کا پہلا ظہور عہد خلافت راشدہ میں ہوا [1] اور بعد ازاں اس کا استعمال عام ہو گیا۔ عہد اموی میں زندگی کے ارتقاء اور قاضی کے اعمال میں وسعت آنے اور مقدمات کی کثرت کی وجہ سے مزید معاونین کی ضرورت پڑی، جن میں سے اہم تر مندرجہ ذیل ہیں:

◈ **منادی:**...... قاضی کا یہ معاون اس کے پاس بیٹھ کر لوگوں کو اس کا تعارف کرواتا، اس کے مقام و مرتبہ کو بیان کرتا اور مقدمہ لے کر آنے والوں کو آواز دیتا، اسے ''صاحب المجلس'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اس کا ظہور سب سے پہلے قاضی شریح کے زمانہ میں ہوا۔ وکیع کہتے ہیں: عمرو بن قیس الماضی سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو قاضی شریح کے سر پر کھڑا رہتا جب مقدمہ کے دونوں فریق آگے بڑھتے تو وہ کہتا: تم میں سے جو مدعی ہے وہ پہلے بات کرے۔ وکیع ہی کی روایت ہے: جب قاضی شریح فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھتے تو وہ اپنی جگہ سے نہ اٹھتے یہاں تک کہ یہ اعلان کیا جاتا: کیا کوئی جھگڑا کرنے والا یا حقیقت حال معلوم کرنے والا یا کوئی فتویٰ طلب کرنے والا موجود ہے؟ [2]

◈ **حاجب** (دربان):...... یہ عدالتی معاون قاضی کے دروازے پر کھڑا رہتا تاکہ وہ قاضی کی طرف سے دعویٰ جات کا جائزہ لینے کے دوران لوگوں کو اس کے پاس آنے سے روک سکے، اور رش کی صورت میں ان کے داخلے کو مرتب کر سکے۔ کبھی کبھی حاجب منادی والی ذمہ داری بھی ادا کرتا اور اس طرح وہ دونوں کام بیک وقت سرانجام دیتا، کبھی وہ پولیس مین کے تابع یا عدالتی پولیس کا رکن ہوتا اور کبھی قاضی اسے محکمہ کے بعض اعمال کی سرانجام دہی کی ذمہ داری تفویض کر دیا کرتا یا اس سے باہر کسی مہم کو سر کرنے کا حکم دے دیتا، [3] وکیع بتاتے ہیں کہ ابراہیم نخعی قاضی شریح کے لیے یہ ذمہ داریاں ادا کیا کرتے تھے، [4] قاضی شریح کے سر پر ایک پولیس والا ہاتھ میں کوڑا لیے کھڑا رہتا۔ [5]

◈ **ترجمان یا مترجم**:...... دائرہ اسلام میں داخل ہونے والی غیر عرب اقوام کی وجہ سے عدالتوں میں ترجمان رکھے گئے۔ چونکہ یہ اقوام عربی اور اسلامی معاشرہ میں مل جل کر رہتی تھیں، لہٰذا اگر ان میں کوئی تنازع کھڑا ہو جاتا، کوئی اختلاف رونما ہو جاتا یا ان میں سے کوئی شخص عدالت میں کوئی دعویٰ دائر کرتا تو قاضی عدالتی معاونت کے لیے کسی قابل اعتماد اور قابل قبول ترجمان کی خدمات حاصل کرتا تاکہ وہ اسے فریقین کے

---

[1] نظام الحکم فی الشریعة، ص: ۲۵۹۔ تاریخ القضاء، ص: ۱۸۰۔

[2] تاریخ القضاء، عرنوس، ص: ۱۲۸۔ تاریخ القضاء، ص: ۱۸۱۔

[3] تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۱۸۱۔ [4] ایضا، اخبار القضاة، ۲/ ۲۱۵۔

[5] تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۱۸۱۔

موقف سے آگاہ کر سکے۔ [1]

سادسًا:...... نگرانی اور مسلسل جائزہ

خلفاء اور ولاۃ الامور کا ازخود فیصلے کرنے کے عمل سے علیحدگی اختیار کرنے اور صرف قضاۃ کی تقرری اور معزولی کے اختیارات استعمال کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ وہ قاضیوں کے اعمال کی نگرانی اور ان کی طرف سے صادر ہونے والے فیصلوں سے بھی الگ تھلگ ہو جائیں، اس لیے کہ اصلاً خلیفہ ہی قضاء اور دین و دنیا کے حوالے سے امت اور افراد امت کے جملہ معاملات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ قضاء کو قاضیوں کے حوالے کر دینے سے خلیفہ دنیا و آخرت میں اس کی ذمہ داریوں سے بچ نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ خلفاء قاضیوں کے اعمال کی نگرانی کرتے اور ان کی طرف سے جاری کردہ احکامات کا مسلسل جائزہ لیتے رہتے تھے اور اگر انہیں اس میں کوئی خلل، نقص یا انحراف نظر آتا تو اسے درست کرتے۔ [2] معاویہ بن صخر نے منصب اقتدار سنبھالنے کے بعد قاضیوں کی نگرانی کے حوالے سے سابقہ طریق کار کو بحال رکھا اور وہ اس بارے میں اپنے سے قبل کے خلفاء کے نقش قدم پر گامزن رہا۔ [3]

سابعًا:...... اموی دور حکومت میں عدالتی احکامات کے مصادر

عہد اموی کے قاضی حضرات انہی مصادر پر اعتماد کرتے تھے جن پر عہد خلافت راشدہ کے قضاۃ کیا کرتے تھے، یعنی کتاب وسنت، اجماع، گزشتہ عدالتی فیصلے اور اجتہاد، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا التزام وہ اصل اساس ہے جس کا خلافت التزام کرتی اور اسی پر بیعت مکمل ہوتی تھی، عدالتی فیصلے جاری کرتے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اور ان کی طرف سے صادر کردہ فیصلوں کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ زمانی طور پر مدرسہ نبوت اور نزول وحی کے قریب ترین تھے اور ان کا ولی کے ساتھ گہرا ربط وضبط تھا اور خاص طور سے خلفائے راشدین کے جاری کردہ فیصلے ان سے بہت قریب تھے، پھر چونکہ خلافت امویہ کے طول وعرض میں مختلف نسلوں اور عادات و اطوار کے لوگ آباد تھے، حکام کے جاری کردہ فیصلوں پر عرف اور عادت کے اثرات بھی ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے، اس بنا پر قاضی حضرات اقوال، دعویٰ جات، قسموں اور تہمتوں کا اس اصلیت کی رو سے جائزہ لیتے جو ان الفاظ اور اصطلاحات کا مفہوم ومعنی متعین کرتیں۔ [4] فقہاء، قضاۃ اور خلفاء نے جن نقول اور احادیث پر اعتماد کرنا ہوتا ان کے صحیح اور یقینی ہونے کا بڑا اہتمام کرتے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جھوٹی احادیث پر اعتماد کرنے سے خبردار کرتے ہوئے قریش کے وفد سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسی احادیث بیان کرتے ہیں جو نہ تو کتاب اللہ میں ہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی منقول ہیں، یہ تمہارے جاہل لوگ ہیں۔ [5]

---

1. تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۴۲۳. 2. ایضا، ص: ۱۸۶. 3. ایضا، ص: ۱۸۶.
4. المدخل الفقهی: ۱/ ۱۵۰.
5. اعلام الموقعین: ۱/ ۶۳.

قاضی حضرات اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے خلفاء اور ولاۃ الامور سے بھی معاونت لیا کرتے تھے، انہیں بجز ان امور کے جن میں نصوص وارد ہوں یا ان پر اجماع امت ہو اپنی اجتہادی آراء کی روشنی میں فیصلہ کرنے کی آزادی حاصل تھی، مزید برآں وہ کسی حد تک گزشتہ عدالتی فیصلوں اور اقوال صحابہ سے بھی استفادہ کیا کرتے تھے۔ چونکہ اس وقت فقہی مذاہب کا ظہور نہیں ہوا تھا اور نہ فقہی احکام مرتب ہی ہوئے تھے، لہٰذا وہ مختلف فقہاء، علماء اور مجتہدین کے ساتھ مشاورت کے بعد جس نتیجے پر پہنچتے اس کے مطابق فیصلہ صادر کرتے، جبکہ کبھی ان کی ذاتی فقہی رائے بھی فیصلے کی بنیاد بن جایا کرتی تھی۔ [1]

ثامنا:......عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی

اموی دور حکومت میں دولت اسلامیہ میں وسعت آنے، انسانی آبادی بڑھ جانے، خلفاء کے اسلامی فتوحات میں مصروف ہو جانے، حکومتی انتظامات چلانے اور اندرونی فتنوں کو کچلنے میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے خلفاء خود قضاء سے الگ ہو گئے اور اسے قاضیوں کے حوالے کر دیا۔ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے زخموں، قتل اور قصاص کے تمام مقدمات قاضیوں کے سپرد کیے اور خود ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ چنانچہ انہوں نے مصر کے قاضی سلیم بن عتر کو زخموں کے مقدمات کا جائزہ لینے اور انہیں صاحب دیوان کے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا، زخموں کے مقدمات کا جائزہ لینے اور ان کے بارے فیصلے کرنے والے سلیم پہلے قاضی تھے۔ جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو زخمی کر دیتا تو وہ قاضی کے سامنے پیش ہوتا، زخمی کرنے والے کے خلاف گواہ پیش کرتا اور پھر وہ اس کی گواہی کی روشنی میں مقدمات اور مجرم کے ذمے واجب الاداء جرمانہ تین سالوں میں بالاقساط وصول کرتا۔ [2]

عہد اموی میں قاضی حضرات حقوق، اموال، وراثت، قصاص، حدود اور خاندانی احکام کے معاملات کا جائزہ لیتے اور ان کے بارے میں فیصلے صادر کرتے۔ اس دور میں قاضیوں کی سیرت و کردار، ان کے احکامات اور عدالتی طریق کار کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے لیے وکیع کی ''اخبار القضاۃ'' اور کندی کی ''الولاۃ والقضاۃ'' [3] گراں قدر تالیفات ہیں۔ عہد اموی میں بعض دیگر امور بھی قاضیوں کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔ مثلاً یتامیٰ کے اقوال کا جائزہ لینا، اوقاف اور افتاء کی نگرانی کرنا وغیرہ۔ [4]

تاسعًا:......قاضی حضرات کی اضافی ذمہ داریاں

چونکہ قاضی حضرات پر اعتماد کیا جاتا تھا اور وہ عدل برائی سے اجتناب اور ورع و تقویٰ جیسے اوصاف حمیدہ سے متصف ہوتے تھے، لہٰذا عہد اموی کے خلفاء نے انہیں کچھ دیگر ذمہ داریاں بھی تفویض کر دی تھیں، مثلاً:

۱۔ **پولیس**:......قاضیوں کو ان کی عدالتی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ پولیس کی سربراہی کی اضافی ذمہ داری بھی تفویض کر دی جاتی تھی اور ایسا متعدد اسلامی شہروں میں ہوا۔ وکیع روایت کرتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے

---

[1] تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۱۹۰ .
[2] نظام الحکم فی الشریعة، ص: ۲۵۶ .
[3] تاریخ القضاة فی الاسلام، ص: ۱۹۳ .
[4] ایضا، ص: ۱۹۳-۱۹۴ .

۵۳ھ یا ۵۴ھ میں سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے معزول کر دیا، پھر مروان بن حکم نے اسے واپس بلا لیا اور ابوسلمہ کو معزول کر دیا اور اس کے بھائی مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف کو قاضی مقرر کر دیا اور اسے پولیس کی ذمہ داریاں بھی تفویض کر دیں۔ اس نے لوگوں پر بڑی سختیاں روا رکھیں۔ ❶ کندی مسلمہ بن حکم کے بارے میں رقمطراز ہیں: مروان نے ابوسلمہ کو معزول کر کے اس کی جگہ مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف کو قاضی مقرر کر کے پولیس کو بھی اس کے ماتحت کر دیا جب اس نے پولیس کی سربراہی سنبھالی تو اس نے لوگوں پر بڑی سختی کی۔ ❷ کندی مسلمہ بن مخلد کے بارے میں لکھتے ہیں: مسلم فسطاط آیا تو آتے ہی سائب بن عنز کو قضاء سے معزول کر کے عدالتی اختیارات بھی عابس کے سپرد کر دیئے، مسلمہ پہلا شخص تھا جس نے ۶۰ھ میں عابس کا ان دونوں عہدوں پر بیک وقت تقرر کیا۔ ❸ پھر جب عبدالرحمٰن بن عتبہ بن جحدم فہری مصر کا امیر بن کر آیا تو اس نے بھی عابس کو ان دونوں عہدوں پر برقرار رکھا۔ کندی بتاتے ہیں کہ والی مصر مسلمہ بن مخلد نے عابس بن سعید کا پولیس پر تقرر کیا پھر اس کے لیے قضاء اور پولیس کو یکجا کر دیا، یہ ۶۱ھ کی بات ہے۔ ❹

۲۔ **امارت**:...... بعض اوقات بعض قضاۃ کو ولایت کی ذمہ داریاں بھی تفویض کی جاتیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جب خلیفہ دمشق سے باہر جاتا تو وہ قاضی کو اپنا نائب مقرر کر کے جاتا، اکثر وُلاۃ الامور قاضی کو اپنا قائم مقام بناتے اور اپنی عدم موجودگی میں انہیں اپنے اختیارات سونپ جاتے۔ ابوزرعہ کہتے ہیں: جب معاویہ رضی اللہ عنہ صفین گئے تو قاضی فضالہ بن عبید کو دمشق پر اپنا نائب مقرر کر گئے۔ ❺

عاشرًا:...... عہد معاویہ رضی اللہ عنہ کے قاضیوں کے نام

۱۔ دمشق کے مشہور قاضی:

ا: فضالہ بن عبید:...... انہیں معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے ابو درداء کی تجویز پر شام کا قاضی مقرر کیا تھا۔ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۵۳ھ میں اپنی وفات تک اسی منصب پر فائز رہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ خود ان کے جنازہ میں شریک ہوئے، جنازے کو کندھا دیا۔ وہ جب بھی دمشق سے باہر جاتے انہیں اس پر اپنا نائب مقرر کر کے جاتے۔ ❻

ب: نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ:...... ابوادریس نعمان بن بشیر بن سعد انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ، شرف صحابیت سے مشرف تھے، آپ کو فضالہ کی وفات کے بعد شام کا قاضی مقرر کیا گیا۔ انہیں ۶۴ھ میں حمص کے قریب شہید کر دیا گیا۔ ❼

---

❶ اخبار القضاۃ: ۱/ ۱۱۸۔ ❷ ایضا: ۱/ ۱۱۸۔
❸ تاریخ القضاء، عرنوس، ص: ۲۶۔ الولاء و القضاء، ص: ۳۱۱-۳۱۳۔
❹ تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۱۹۶۔
❺ اخبار القضاۃ: ۳/ ۱۹۹، ۲۰۱۔ تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۱۹۸۔
❻ تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۱۹۹۔ ❼ ایضا، ص: ۱۹۹۔

۲۔ مدینہ منورہ کے قاضی:

ا: مشہور صحابی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:......ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے قاضی رہے۔ وکیع نعیم سے ان کا یہ بیان روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو لوگوں میں فیصلے کرتے دیکھا......انہوں نے حکم دیا کہ فریقین کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جائے، انہوں نے تنگ دست مقروض کو قید میں ڈالنے سے انکار کر دیا اور بداخلاقی کی تہمت لگانے والے کو اسی کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۵۹ھ میں اپنی وفات تک مدینہ منورہ میں ہی مقیم رہے [1] غالباً انہیں عبداللہ بن حارث سے پہلے قاضی مقرر کیا گیا تھا۔

ب: عبداللہ بن حارث بن نوفل:......آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ایام میں مدینہ منورہ کے پہلے قاضی تھے، اس وقت اس مقدس شہر کا والی مروان بن الحکم تھا، وہ پہلے قاضی تھے جنہوں نے آل مروان کے خلاف فیصلہ دیا جس سے مروان بن حکم کی نظروں میں ان کی عزت میں مزید اضافہ ہو گیا، عبداللہ بن حارث قسم اور گواہ کی بنیاد پر فیصلہ کیا کرتے تھے، ان کی وفات ۸۴ھ میں ہوئی، آپ کا شمار مسلمانوں کے صالحین اور فقہاء میں ہوتا تھا۔ [2]

ج: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (متوفی ۹۴ھ):......آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے، ان کا اپنے بارے میں خیال تھا کہ وہ سب لوگوں سے بڑے فقیہ ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ کے والی سعید بن العاص نے انہیں مدینہ منورہ کا قاضی مقرر کیا، وہ صاحب حق سے ایک گواہ کے ساتھ حلف لیا کرتے تھے۔ [3]

د: مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف (متوفی ۶۴ھ):......اسے مروان بن حکم نے ۵۳ھ یا ۵۴ھ میں قاضی مقرر کیا اور قضاء کے ساتھ شرطہ کو بھی اس کے سپرد کر دیا گیا تو اس نے شہر میں قتل کے جرائم کا قلع قمع کرنے کے لیے لوگوں پر بڑی سختی کی۔ [4] معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب یزید نے منصب خلافت سنبھالا اور اس نے عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو مدینہ منورہ کا عامل مقرر کیا تو اس نے مدینہ منورہ کے لیے طلحہ بن عبداللہ بن عوف کو قاضی متعین کیا۔ یہ بہت بڑے فیاض تھے، ان کی اس عظیم خوبی کی وجہ سے انہیں طلحہ الجواد کہا جاتا تھا۔ [5]

۳۔ بصرہ کے قاضی:

بصرہ میں بہت سارے لوگ منصب قضاء پر فائز رہے، جن میں سے ہم عمیرہ بن یثربی ضبی کا ذکر کرنا چاہیں گے، انہیں بصرہ پر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عامل عبداللہ بن عامر بن کریز نے اس کا قاضی مقرر کیا، وہ اپنے عہدہ پر ۴۵ھ

---

1. تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۲۰۰۔ اخبار القضاۃ: ۱/ ۱۱۰، ۱۱٤.
2. تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۲۰۱.
3. اخبار القضاء: ۱/ ۱۱٦۔ تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۲۰۱.
4. اخبار القضاء: ۱/ ۱۱۸۔ تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۲۰۱.
5. ایضا، ص: ۲۰۱.

تک فائز رہے۔ جب زیادہ بصرہ کا والی بن کر آیا تو اس نے انہیں معزول کر کے ان کی جگہ عمران بن حصین کا تقرر کر دیا، اس کے بعد عبداللہ بن فضالہ، پھر ان کے بھائی عاصم بن فضالہ اور پھر زرارہ بن اوفی اس منصب پر فائز رہے۔ ❶

٤۔ کوفہ کے قاضی:

کوفہ دیگر علمی شہروں کے مقابلے میں زیادہ متحرک تھا۔ جب سے اس شہر کی بنیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکھی تھی یہ شہر اسی دن سے حرکت ونشاط اور علم کا مرکز چلا آ رہا تھا، اس شہر کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دار الحکومت قرار دے دیا تھا، کوفہ کے قاضیوں میں سے سب سے زیادہ شہرت قاضی شریح کے حصے میں آئی، آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے لے کر عہد راشدہ کے پورے عرصے اور اموی عہد حکومت میں پینتیس سال سے زائد عرصہ تک منصب قضاء پر فائز رہے۔ انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے ایام میں کچھ دیر کے لیے توقف کیا اور پھر دوبارہ یہ ذمہ داری سنبھال لی۔ آخر انہوں نے ۷۸ھ میں حجاج بن یوسف سے اس بارے معذرت کی تو اس نے انہیں اس عہدہ سے الگ ہونے کی اجازت دے دی۔ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں کوفہ کے قاضیوں میں مسروق بن اجدع ہمدانی کا نام بھی آتا ہے۔ آپ زیاد کی امارت کے دوران کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ مسروق کا شمار طبقہ فضلاء میں ہوتا ہے۔ ❷

٥۔ مصر کے قاضی:

معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت کے مشہور قاضیوں میں سلیم بن عنز تجیبی کا نام آتا ہے۔ ۴۰ھ میں معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے ایام میں یہ مصر کے قاضی بننے والے پہلے شخص تھے۔ ❸ ان کے ساتھ عابس بن سعید مراوی کا نام آتا ہے جنہیں مسلمہ بن مخلد نے شرطہ پر متعین کیا تھا، اس نے سلیم بن عنز کو قضاء سے الگ کر کے اسے عابس کے سپرد کر دیا اور یوں اس نے قضاء اور شرطہ کے دونوں عہدے عابس کے حوالے کر دیئے۔ ❹ یہ تھے معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے دور حکومت کے مشہور ترین قاضی حضرات۔

الحادی عشر:......عہد معاویہ اور عہد اموی میں امتیازات قضاء

اموی دور حکومت میں قضاء مندرجہ ذیل امتیازات وخصوصیات کا حامل تھا:

۱۔ عہد اموی میں قضاء اپنے اساسی معامل، جو مصری تنظیم اور وسائل واہداف میں اسی طرح قائم رہا جس طرح وہ عہد خلافت راشدہ میں قائم تھا اور وہ اقامت حق وعدل، برائی اجتناب اور موضوعیت کے اعتبار سے گزشتہ ایام کا تسلسل ہی تھا۔ البتہ اموی خلافت کے دوران جو ترقی اور وسعت دیکھنے میں آئی اس کا بھی لحاظ کیا جاتا تھا۔

۲۔ عہد اموی میں قاضی حضرات اثباتِ دعویٰ کے لیے انہیں شرعی دسائل کو استعمال کیا کرتے تھے جن پر عہد خلافت راشدہ میں عمل کیا جاتا تھا۔ البتہ حق کی نقاب کشائی اور عدل وصواب تک رسائی کے لیے فراست میں وسعت آ گئی اور ملزم کے خلاف مختلف طریقوں کا استعمال ہونے لگا۔ ❺

❶ اخبار القضاء: ۲/ ۳۔ تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۲۰٤ . ❷ تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۲۰۷ .
❸ ایضا، ص: ۲۰۹ . ❹ ایضا، ص: ۲۰۹ . ❺ تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۲۱۳ .

۳۔ عہد اموی میں عدالتی فیصلوں کے کچھ نئے مصادر سامنے آئے اور وہ تھے: صحابی کا قول اور اہل مدینہ کا اجماع۔ جبکہ عہد نبوی کے اصلی مصادر قرآن وسنت اور عہد خلافت راشدہ کے اجتہادی مصادر جو کہ اجماع، قیاس، سابقہ عدالتی نظائر اور رائے سے عبارت ہیں، بھی معمول بہا تھے۔ ❶

۴۔ اموی خلفاء شام میں قضاۃ کا خود تقرر کرتے اور بعض قاضیوں کے نام صوبوں کے لیے بھی تجویز کرتے۔ جبکہ شہروں میں قاضیوں کی تقرری اور معزولی کا اختیار ان شہروں کے والیوں کے پاس تھا۔

۵۔ خلفاء اور ولاۃ منصب قضاء کے لیے علماء، فقہاء، شرفاء اور اچھی شہرت کے لوگوں میں سے ایسے لوگوں کا انتخاب کیا کرتے جو قاضی کی شرعی صفات سے متصف ہوتے، ان کے دلوں میں خوفِ الٰہی ہوتا، حق اور شریعت کا التزام کرنے والے اور لوگوں میں عدل قائم کرنے والے ہوتے۔

۶۔ اموی دورِ حکومت میں شعبہ قضاء میں کچھ ایسی واضح تبدیلیاں بھی آئیں جنہیں پہلی بار نظام قضاء میں شامل کیا گیا اور وہ تھیں:

الف: نسیان کے خوف اور انکار کے سدباب کے لیے عدالتی احکامات کو تحریری شکل میں محفوظ بنانا اور انہیں دیوان خاص میں سنبھال کر رکھنا۔

ب: اوقاف کی نگرانی کرنا تاکہ معاملات کو درست رکھا جا سکے۔

ج: یتیم بچوں کے اقوال پر نظر اور اوصیاء کی نگرانی کرنا۔

د: دعویٰ جات کو ترتیب دینا اور لوگوں کو عدالت میں ترتیب سے بلانا۔

ھ: قاضیوں کی معاونت کے لیے پولیس مین اور دربان کا تقرر کرنا۔

و: عدالتی احکامات کی تنفیذ کے لیے پولیس کی مدد حاصل کرنا۔

۷۔ قاضی حضرات عدالتی احکامات صادر کرنے کے لیے بڑی محنت اور کاوش کرتے، انہیں کتاب وسنت، مقاصد شریعہ اور بقیہ مصادر سے استنباط کرنے کی مکمل آزادی حاصل تھی، وہ نہ تو خلفاء کی رائے کے پابند تھے اور نہ ہی کسی فقہی مذہب کے، مگر یہ چیز ان کے لیے علماء وفقہاء سے مشاورت اور ان کی عدالتی مجالس میں شرکت سے مانع نہیں تھی۔ ❷

۸۔ قاضی حضرات حکام اور خلفاء کی سیاست سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔ وہ اپنے فعل وعمل میں آزاد تھے اور ان پر سیاسی رجحانات، شورشیں، فکری اختلافات اور داخلی مسائل وفتن اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے۔ ❸

الثانی عشر:...... قضاء کے بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط لکھا، جس کا مضمون تھا: اما بعد، میں قضاء کے

❶ تأريخ القضاء في الاسلام، ص: ٢١٤ .

❷ تأريخ القضاء في الاسلام، ص: ٢١٣ تا ٢١٥ . ❸ ايضا، ص: ٢١٥ .

بارے میں تمہیں ایک خط لکھ رہا ہوں:

۱۔ پانچ خصلتیں اختیار کریں اس سے تمہارا دین بھی محفوظ رہے گا اور اس میں تمہیں اپنا بہترین حصہ بھی میسر آئے گا: ❶ جب تمہارے سامنے جھگڑا کرنے والے دو فریق حاضر ہوں تو عادل گواہ اور قطع کرنے والی قسم کو لازم پکڑنا، یہی اس قاضی کا راستہ ہے جو عالم الغیب نہیں ہے۔ جو شخص یہ طریق کار اختیار کرے گا اس کا دین بھی محفوظ رہے گا اور وہ آخرت میں بھی بہترین حصہ اور ثواب حاصل کرے گا۔ ❷ قطع کرنے والی قسم کا معنی یہ ہے کہ اس سے خصومت اور تنازع ختم ہو جائے۔ ❸

۲۔ کمزور آدمی کو اس قدر اپنے قریب کریں کہ اس کا دل مضبوط ہو جائے اور اس کی زبان کھل جائے۔ ❹ اس سے ان کا مقصد ضعیف کو طاقتور پر مقدم رکھنا نہیں تھا بلکہ فریقین کے ساتھ برابر کا سلوک کرنا تھا، اس لیے کہ طاقتور تو اپنی طاقت کی وجہ سے ازخود قریب ہو جاتا ہے جبکہ کمزور آدمی اس کی جسارت نہیں کر سکتا، طاقتور آدمی اپنی دلیل خود پیش کر سکتا ہے جبکہ کمزور آدمی ایسا کرنے سے قاصر رہتا ہے، لہٰذا قاضی کی ذمہ داری ہے کہ وہ ضعیف شخص کو اپنے قریب کرے تاکہ اس کا دل مضبوط ہو جائے اس کی زبان کھل جائے اور وہ آزادانہ انداز میں اپنی دلیل پیش کر سکے۔ ❺

۳۔ غریب الدیار کا خیال رکھنا، اس لیے کہ اگر تم نے اس کا خیال نہ رکھا تو وہ اپنا حق ترک کر کے اپنے اہل خانہ کے پاس واپس لوٹ جائے گا۔ بسا اوقات وہ شخص اس کا حق ضائع کر دے گا جو اس کے ساتھ اس کا سر اوپر نہیں اٹھائے گا۔ ❻ کہا گیا ہے کہ غریب الدیار لوگوں کو مقدم رکھنے کا حکم اس وقت کے لیے ہے جب مجلس قضاء میں لوگوں کا رش ہو، اس لیے کہ غریب الدیار شخص کا دل اس کے اہل خانہ کے ساتھ الجھا ہوتا ہے، لہٰذا قاضی کو چاہیے کہ اس کا مقدمہ پہلے سن لے تاکہ وہ اپنے اہل خانہ کے پاس واپس جا سکے، خود نبی کریم ﷺ غریب الدیار لوگوں کا بڑا خیال رکھا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ غریب الدیار شخص شکستہ دل ہوتا ہے، اگر قاضی اس کا خیال نہیں رکھے گا تو وہ اپنی حجت کے اظہار سے بے بسی محسوس کرے گا اور حق چھوڑ کر واپس چلا جائے گا اور اس طرح قاضی اس کے حق کو ضائع کرنے کا سبب بنے گا کیونکہ اس نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔

۴۔ جب تک تم کسی فیصلہ کن نتیجے پر نہیں پہنچ جاتے لوگوں میں صلح کروانے کو اپنا وطیرہ بناؤ۔ ❼ عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم اس بات کی دلیل ہے کہ قاضی کے لیے فریقین میں صلح کروانا مستحسن ہے خصوصاً جب کیس میں الجھاؤ ہو اور کسی نتیجہ پر پہنچنا مشکل ثابت ہو رہا ہو۔ ❽

---

❶ تاریخ القضاء فی الاسلام، ص: ۲۱۵۔ ❷ المبسوط للسرخسی: ۱۶/ ۶۶۔ تهذیب ابن عساکر: ۶/ ۳۰۶۔
❸ نظام الحکم فی الشریعة و التأریخ الاسلامی: ۲/ ۴۶۵۔
❹ المبسوط للسرخسی: ۱۶/ ۶۶۔ ❺ نظام الحکم فی الشریعة و التأریخ الاسلامی: ۲/ ۴۶۵۔
❻ ایضا، ۲/ ۴۶۵۔ ❼ ایضا: ۲/ ۴۶۵۔ ❽ ایضا: ۲/ ۴۶۵۔

ساتویں بحث:

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں پولیس کا نظام

معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت نے ملکی سطح پر ایک سرکاری ادارے کی حیثیت سے پولیس کے نظام میں بڑی تبدیلی کا مشاہدہ کیا گیا۔ ان کے دور میں یہ ادارہ انتہائی مضبوط اور موثر بھی تھا اور اس سے وابستہ لوگوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ یہ ادارہ مملکت کے تمام اسلامی شہروں میں امن و امان کی صورت حال کو قائم رکھنے اور ملکی نظام کو پائیدار بنانے کا براہ راست ذمہ دار تھا۔ پولیس ایک ایسی امن قائم کرنے والی قوت تھی جس پر حکمرانوں کی ذاتی حفاظت اور اندرونی امن و امان کی حفاظت کے حوالے سے معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والیوں کو پورا پورا اعتماد حاصل تھا، اموی حکمرانوں کے خوارج و روافض جیسے مخالف گروہوں سے دفاع کی ذمہ داری بھی پولیس پر عائد ہوتی تھی۔ یہ لوگ اموی حکومت کو گرانے اور حکمرانوں کو راستے سے ہٹانے کے لیے ان کے خلاف مختلف محاذوں پر سرگرم عمل تھے اور جس کے لیے وہ مختلف طریقے اختیار کیا کرتے تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے پولیس کو اپنے خصوصی حفاظتی دستے کے طور پر استعمال کیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے خوارج نے جو ناکام کوششیں کی ان کا آئندہ کے لیے سد باب کرنے کے لیے انہیں اپنی ذاتی حفاظت کے لیے پولیس پر اعتماد کرنا پڑا۔ خصوصاً ایسے حالات میں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف سے اس قسم کی مذموم کارروائیوں کا نشانہ بنایا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو شہید بھی کر دیا گیا۔ اس روح فرسا واقعہ کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ ذاتی حفاظتی انتظامات کے بغیر باہر نہیں نکلا کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کے پہرے دار نماز کے اوقات میں بھی انہیں ان کے مخالفین کے حملوں سے بچانے کے لیے ان کے قریب کھڑے رہتے۔ [1]

اولاً:...... پولیس عراق میں

مغیرہ رضی اللہ عنہ پہلے والی تھے جنہیں معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ پر متعین کیا اور انہوں نے امن و امان قائم کرنے کے لیے پولیس کی مدد حاصل کی اس غرض کے لیے جس شخص کو پولیس کا سربراہ مقرر کیا گیا وہ تند مزاجی، سخت گیری میں بڑی شہرت رکھتا تھا اور جسے قبیصہ بن دمون کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ [2]

امن و امان اور نظام مملکت کی حفاظت کے لیے پولیس کی فعالیت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جو مغیرہ رضی اللہ عنہ کو خوارج کے ساتھ پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب پولیس کے سربراہ نے مغیرہ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ خوارج معاشرے میں بے چینی اور خطرات بھڑکانے کے لیے کوفہ کے ایک مکان میں جمع ہو رہے ہیں تو

[1] تاریخ طبری: ٦/ ٦٥۔ الشرطة فی العصر الاموی، ص: ٣٦.

[2] تاریخ الطبری نقلا عن الشرطة فی العصر الاموی، ص: ٣٧.

مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اسے اس مکان کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا اور پھر انہیں گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا والی مقرر کیا۔ پھر ۴۵ھ میں اسے معزول کر کے اس کی جگہ زیاد بن ابیہ کو بصرہ کا والی متعین کر دیا۔ جب زیاد بصرہ پہنچا تو اسے شہر کی امن و امان کی بگڑتی صورت حال کا اندازہ ہوا اور پھر اس نے اپنے افتتاحی خطاب میں اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کے لیے سخت کارروائی کرنے کی دھمکی دی اور انہیں بتایا کہ وہ صورتِ حال کو بہتر بنانے کے لیے کیا اقدامات کر سکتا ہے۔ اس کے اس خطبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امن و امان کی صورتِ حال کو بہتر بنانے اور نظام مملکت کو قائم رکھنے کے لیے عزم مصمم کیے ہوئے تھا۔ [1] اگرچہ اس کے لیے اس نے جو طریقہ کار اپنانے کی بات کی وہ انتہائی قابل افسوس تھا۔ اس نے خطبہ کے دوران اعلان کیا: مجھے اللہ کی قسم! میں ولی کو ولی کے بدلے، مقیم کو مسافر کے بدلے، آنے والے کو جانے والے کے بدلے اور تندرست کو بیمار کے بدلے پکڑوں گا، یہاں تک کہ تم میں سے ایک شخص اپنے بھائی کو ملے گا اور اس سے کہے گا: سعد تو تو بچ جا سعید تو مارا گیا۔ یا پھر میرے لیے تمہارے نیزے سیدھے ہو جائیں گے۔ [2]

زیاد بن ابیہ کے عہد ولایت کے دوران بصرہ میں امن کس طرح قائم ہوا۔ اس کے بارے میں بلاذری روایت کرتے ہیں کہ زیاد نے عام لوگوں میں آوازوں کا شور سنا تو اس نے اس کا سبب دریافت کیا۔ اسے بتایا گیا کہ کسی آدمی نے اپنے گھر کی حفاظت کے لیے کسی کو اجرت پر رکھا ہے اور یہ اس لیے کہ چور جگہ جگہ پھرتے ہیں اور پولیس کا کہیں وجود نہیں۔ [3] دوسرے دن زیاد نے پولیس کے سربراہ کو حکم دیا کہ عشاء کی نماز کے بعد راستوں کی حفاظت کے لیے پولیس کی نفری متعین کی جائے۔ [4] اس معاملے کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بلاذری بتاتے ہیں کہ پولیس نے تقریباً چار سو چوروں اور ڈاکوؤں کو ہلاک کر ڈالا۔ [5] زیاد پہلا حکمران تھا جس نے لوگوں کو ان کے گھروں سے نکل کر ادھر ادھر گھومنے سے منع کر دیا تھا۔ [6] اس کے بعد زیاد پولیس سربراہ کو باہر نکلنے کا حکم دیتا ہے، جب وہ گشت پر نکلتا تو وہ جس انسان کو بھی دیکھتا اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا، اس نے ایک رات ایک اعرابی کو پکڑ کر اسے زیاد کے حوالے کر دیا، زیاد نے اس سے پوچھا: کیا تو نے یہ اعلان نہیں سنا کہ رات کے وقت گھومنا پھرنا منع ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے یہ اعلان نہیں سنا، میں اپنی دودھ دینے والی اونٹنی کے ساتھ ادھر آیا، جب رات ہو گئی تو میں نے اسے کسی جگہ چھوڑ دیا اور خود صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا، مجھے امیر کے حکم کا کوئی علم نہیں ہے، زیاد کہنے لگا، اللہ کی قسم! میں تجھے تیرے قول میں سچا سمجھتا ہوں مگر تیرے قتل میں اس امت کی بہتری ہے، پھر اس کے حکم سے اس کی گردن اڑا دی گئی۔ [7] اس جیسے ظالمانہ فعل کی شریعت میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے چاہے اس کے لیے جتنے بھی جواز گھڑ لیے جائیں۔ [8]

---

[1] الشرطة فی العصر الاموی، ص: ۳۸. [2] تاریخ طبری: ٦/ ١٣٥. [3] انساب الاشراف: ٤/ ١٧١.
[4] ایضا: ٤/ ١٧١. [5] ایضا: ٤/ ١٧١. [6] الشرطة فی العصر الاموی، ص: ۳۹.
[7] تاریخ طبری: ٦/ ١٣٨. [8] ولایة الشرطة فی الاسلام، نمر بن محمد حمیدانی، ص: ١٢٣.

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ بدوی کا قتل اس کے قتل میں دلچسپی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس سے اصل مقصود اہل بصرہ کو یہ بتانا تھا کہ والی شہر اپنے احکامات کی تنفیذ کے لیے سنجیدہ ہے اور یہ کہ قانون شکنی کا کوئی بھی مرتکب سزا سے نہیں بچ سکے گا۔ اگرچہ اس کا کوئی بھی جواز نہ ہو۔ جیسا کہ اس نے اپنے خطبہ میں لوگوں کو خبردار کرتے ہوئے کہا تھا۔ زیاد کا آخری ہدف لوگوں پر حکومت کی دھاک بٹھانا اور ان کی اطاعت گزاری کا حصول تھا چاہے اس کے لیے کوئی بھی طریقہ کار اپنانا پڑے کہ اس کے خیال میں بصرہ کے حالات اسی صورت میں امن عامہ کے اعتبار سے درست ہوں گے جب لوگوں کو پتا چلے گا کہ سزاؤں کے نفاذ میں کسی قسم کی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا جا رہا۔ ❶ زیاد بن ابیہ پر یہ امر مخفی نہیں تھا کہ امن وامان کے حالات پر گرفت مضبوط کرنے کے لیے پولیس کو نئے سرے سے منظم کرنا ضروری ہے، لہٰذا اس نے اس کے حالات کے مطابق کچھ ضروری کارروائیاں کیں، جن میں سے قابل ذکر یہ امر ہے کہ اس نے پولیس میں کام کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا ❷ یہاں تک کہ ان کی تعداد چار ہزار افراد تک جا پہنچی اور پولیس کے ایک سربراہ کی جگہ اس منصب پر دو لوگوں کو مقرر کر دیا۔ پولیس اہلکاروں کی ❸ یہ تعداد چار ہزار افراد تک پہنچنا دو باتوں پر دلالت کرتا ہے:

۱۔ داخلی اضطراب کی شدت وسنگینی۔ ۲۔ پولیس اکثر اوقات اپنی خدمات سپاہ اسلام کو بھی پیش کیا کرتی تھی۔ ❹

زیاد انتظامی امور میں اس حد تک بالغ نظر تھا کہ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر میرے اور خراسان کے درمیان رسی بھی ضائع ہو جائے تو مجھے معلوم ہو جائے گا کہ اسے کس نے پکڑا۔ ❺ اس کا نتیجہ بقول طبری یہ نکلا: زیاد پہلا والی تھا جس نے سلطان وقت کی پوزیشن کو مضبوط بنایا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو مستحکم کیا۔ لوگوں کو اطاعت گزاری کا پابند بنایا اور حکم عدولی پر انہیں سخت سزائیں دیں، تلوار کو نیام سے باہر نکالا، محض گمان پر گرفت کی اور شبہ گزرنے پر سزا دی جس پر لوگ اس کی طاقت سے بہت زیادہ خوف زدہ ہو گئے۔ ہر طرف امن وسلامتی کا دور دورہ ہو گیا۔ لوگ ایک دوسرے سے پرامن ہو گئے۔ اگر کسی مرد یا عورت کی کوئی چیز کہیں گر جاتی تو کوئی دوسرا اس سے تعرض نہ کر سکتا یہاں تک کہ اس کا مالک خود ہی آ کر اسے اٹھاتا۔ عورتیں گھر کے دروازے کھلے چھوڑ کر سوئی رہتیں اور کوئی ادھر آنکھ اٹھانے کی بھی جرأت نہ کر سکتا، اس نے لوگوں کے معاملات اس انداز سے نمٹائے کہ اس کی مثال پیش کرنا مشکل ہے۔ لوگ اس سے اس قدر خوف زدہ رہتے تھے کہ اس سے قبل وہ کسی سے اتنے خوف زدہ نہ ہوئے ہوں گے۔ ❻ اس کی انہیں انتظامی صلاحیتوں کی وجہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے ساتھ کوفہ بھی اس کی عملداری میں دے دیا اور پھر اس نے امن وامان کی صورت حال کو اس قدر مستحکم کیا کہ کوفہ اور بصرہ دونوں جگہ داخلی امن و سکون کے قیام کے حوالے سے امویوں کی توقعات پر پورا اترنے میں کامیاب ہو گیا اور پولیس اہم اور موثر ترین

❶ الشرطة فی العصر الاموی، ص: ۴۰۔ ❷ ایضا، ص: ۴۰۔
❸ تاریخ طبری: ۶/ ۱۳۸۔ ❹ نظام الحکم فی الشریعة و التاریخ و الاسلام: ۲/ ۶۳۶۔
❺ ایضا: ۶/ ۱۳۹۔ ❻ ایضا: ۶/ ۱۳۸۔

اندرونی قوت کے طور پر ابھر کر سامنے آئی۔ ❶

ثانیاً:...... پولیس دوسرے صوبوں میں

اگر ہم مصر کا دیگر اسلامی شہروں مثلاً بصرہ کے ساتھ موازنہ کریں تو ہمیں پولیس کا وہ کردار یہاں نظر نہیں آئے گا جو بصرہ میں دیکھا جا سکتا ہے اور اس کی وجہ مصر کا ان داخلی اضطرابات سے محفوظ ہونا تھا جو عموماً خوارج کی طرف سے پیدا کیے جاتے تھے۔ تاریخی مصادر ذکر کرتے ہیں کہ شہروں کے والی حضرات پولیس کے سربراہ کے انتخاب کے بڑے حریص ہوتے تھے، مثلاً والی مدینہ مروان بن حکم نے مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف کو پولیس اور قضاء کے دونوں عہدوں پر بیک وقت متعین کیا اور یہ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہوا۔ ❷ ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ مصعب بن عبدالرحمٰن کا رویہ جرائم پیشہ اور قانون شکن لوگوں کے لیے بڑا سخت تھا۔ ❸

مصعب مدینہ منورہ کو امن کا گہوارہ بنانا چاہتا تھا جبکہ شہر میں اس کے لیے پولیس کی نفری کافی نہیں تھی، لہٰذا اس نے والی شہر مروان بن حکم سے پولیس کی نفری میں اضافہ کا مطالبہ کیا۔ مروان نے اس کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے مزید دو سو پولیس اہلکار بھجوا دیے۔ ❹ مصعب اس منصب پر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک برقرار رہا۔ ❺

ثالثاً:...... پولیس کی ذمہ داریاں

پولیس کو دولت امویہ میں امتیازی مقام و مرتبہ حاصل تھا اور اس کی وجہ وہ اہم ذمہ داریاں تھیں جو حکومت اور معاشرے کے حوالے سے یہ ادارہ ادا کیا کرتا تھا، مثلاً:

۱۔ **خلیفہ اور مختلف شہروں کے والیوں کی اندرون مملکت ان کے مخالفین سے حفاظت کرنا:......** پولیس کو سب سے پہلے اپنی ذاتی حفاظت کے لیے دولت امویہ کے بانی معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے مقرر کیا جن کی اپنے مخالفین خوارج وغیرہ کے ساتھ شدید قسم کی سیاسی اور عسکری کشمکش جاری تھی۔ پولیس سفر و حضر میں ان کی حفاظت کی ذمہ دار تھی حتیٰ کہ اگر وہ نماز ادا کر رہے ہوتے تو پہرے داران کے سر کے پاس کھڑے رہتے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ پولیس کا سربراہ مسلح حالت میں خلیفہ کے آگے آگے چلتا۔ پولیس خلیفہ کے ساتھ مختلف شہروں کے والیوں کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ادا کرتی تھی اور جیسا کہ ہم نے قبل ازیں ذکر کیا زیاد بن ابیہ پولیس کو اپنی ذاتی حفاظت کے لیے استعمال کیا کرتا تھا اور اس کی حفاظت کی پہلی ذمہ داری پولیس کے سربراہ پر عائد ہوتی تھی۔

پولیس کا سربراہ عوامی مقامات پر خلیفہ یا والی شہر کے جلوس کے آگے آگے چلنا صرف اس کی حفاظت کی دلیل

---

❶ الشرطة فی العصر الاموی، ص: ٤٣۔ الطبقات: ٥/ ١٥٨.
❷ ایضاً. ❸ الطبقات: ٥/ ١٥٨.
❹ الشرطة فی العصر الاموی، ص: ٤٣۔ الاغانی: ٥/ ٧٤.
❺ ایضاً، ص: ٤٣.

نہیں تھی بلکہ اس سے عوام الناس کو حکومتی گرفت اور اس کی قوت و شوکت سے بھی آگاہ کرنا مقصود ہوتا تھا۔ ❶

علاوہ ازیں پولیس خلیفہ اور والیوں کے ہاتھ میں ایسا ہتھیار تھا جس سے وہ حکومت کے خلاف سرکشی کرنے والوں اور اس کے مخالفین پر حکومتی قوت کی دھاک بٹھاتے تھے۔ ❷ پولیس معلومات جمع کرنے کے لیے بھی خلیفہ کی معاونت کیا کرتی تھی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال اور رعایا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ہر علاقے میں اپنے جاسوس پھیلا رکھتے تھے جن کی وجہ سے ان تک پل پل کی اطلاعات پہنچتی رہتی تھیں، لہٰذا ان کی حکومت کو استحکام میسر آیا اور ان کے اقتدار کی مدت بھی دراز ہوگئی۔ ❸ معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ اس قدر موثر ثابت ہوا کہ زیاد بن ابیہ نے بھی ان کے نقش قدم پر چلنا شروع کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک آدمی نے اپنی کسی ضرورت کے لیے زیاد سے بات کی، اس نے سمجھا کہ زیاد اسے پہچانتا نہیں ہے، لہٰذا اس نے اس سے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا: اللہ امیر کی اصلاح فرمائے، میں فلاں بن فلاں ہوں۔ یہ سن کر زیاد مسکرایا اور کہنے لگا: تو مجھے اپنی شناخت کرواتا ہے، حالانکہ میں تجھے تجھ سے زیادہ جانتا ہوں، اللہ کی قسم! میں تجھے بھی جانتا ہوں، تیرے باپ اور تیری ماں کو بھی جانتا ہوں حتیٰ کہ تیرے دادا اور دادی کو بھی جانتا ہوں اور یہ جو تو نے چادر اوڑھ رکھی ہے اسے بھی جانتا ہوں اور یہ فلاں شخص کی ہے۔ یہ سن کر وہ آدمی حیران رہ گیا۔ زیاد نے اسے اتنا دھمکایا کہ وہ غش کھا کر گرنے کے قریب ہوگیا۔ ❹

۲۔ **مجرموں اور قانون شکنی کرنے والوں کو سزا دینا:**...... اموی دور حکومت میں پولیس مرکزی قوت کے ہونے کی وجہ سے اندرون ملک امن و امان اور ملکی نظام کی حفاظت کی ذمہ دار تھی علاوہ ازیں قانون پر عملدرآمد کروانا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔ مگر بڑے شہروں میں اجتماعی احوال و ظروف عوام الناس کے حوالے سے پولیس کو سخت کارروائیاں کرنے کے لیے مجبور کرتے تھے۔ ایک دفعہ لوگوں کی طرف سے حدود سے تجاوز کرنے کے خطرناک نتائج کا ذکر کرتے ہوئے زیاد نے اپنے خطبہ بتراء میں کہا تھا:...... تم میں سے جس شخص پر شب خون مارا گیا اس کے نقصان کا میں ذمہ دار ہوں گا، رات کے وقت گھروں سے باہر نہ نکلنا اگر کسی ایسے شخص کو میرے پاس لایا گیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا، اگر تم نے کچھ نئے کام شروع کر دیئے ہیں تو ہم نے بھی ہر گناہ کی سزا مقرر کر دی ہے جو دوسروں کو ڈبوئے گا ہم اسے ڈبوئیں گے۔ جو کسی دوسرے کو جلائے گا اسے ہم جلائیں گے، جو کسی کے گھر میں نقب لگائے گا ہم اس کے دل میں نقب لگائیں گے اور جو کسی قبر کو اکھاڑے گا میں اسے اس میں زندہ دفن کر دوں گا۔ ❺

---

❶ تاریخ طبری، ٦/ ١٣٨۔ الدولة الاموية فی العصر الاموی، ص: ٧٩.

❷ الشرطة فی العصر الاموی، ص: ٧٩. ❸ المحاسن و المساوی، ص: ١٤٣، ١٤٤.

❹ ایضا، ص: ١٤٤.

❺ تاریخ طبری: ٦/ ١٣٦.

اس خطبہ سے بصرہ شہر میں پھیلی بدامنی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بصرہ میں زیاد کی آمد سے پہلے بعض قانون شکن عناصر نے ارتکاب جرائم کو اپنا وطیرہ بنا رکھا تھا۔ جب زیاد نے اپنا خطبہ ختم کیا تو اس نے پولیس کے سربراہ کو راستوں کو پر امن بنانے اور رات کے وقت گھر سے نکلنے والے ہر شخص کو قتل کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ ❶ بلاذری روایت کرتے ہیں کہ زیاد نے اپنی اس دھمکی پر عمل کرنے میں میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا اور جو کیا اس پر عمل کر دکھایا۔ ❷

۳۔ شرعی سزاؤں کا نفاذ:......عصر اموی میں پولیس کی ایک اہم ذمہ داری ان شرعی حدود کا نفاذ تھا جن کا قاضی حکم جاری کیا کرتے تھے، اور جیسا کہ سبھی کے علم میں ہے کہ حدود شرعیہ کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے جبکہ سنت نبویہ ان کی تبیین کرتی ہے، صحابہ و تابعین دینی احکامات کے لیے بڑے غیور اور ان کے نفاذ کے بڑے حریص تھے۔ امام مالک روایت کرتے ہیں کہ ایک غلام نے کھجور کا ایک چھوٹا پودا چرا لیا اور وہ اس سے برآمد بھی ہو گیا جس کی پاداش میں مروان نے اسے جیل میں بند کر دیا ❸ اور پھر اس نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کر لیا، غلام کا مالک حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے اس بارے میں دریافت کیا، انہوں نے اسے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھل اور شگوفہ خرما میں قطع ید نہیں ہے۔'' اس پر وہ آدمی کہنے لگا: مروان بن حکم نے میرے غلام کو پکڑ لیا ہے اور وہ اس کا ہاتھ کاٹنا چاہتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آگاہ کرنے کے لیے میرے ساتھ چلیں۔ رافع اس کے ساتھ مروان کے پاس گئے اور اس سے فرمایا: تو نے اس کے غلام کو گرفتار کیا ہے۔ اس نے کہا: ہاں۔ انہوں نے پوچھا: تو اس کے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس پر رافع نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ: ''پھل اور شگوفہ خرما میں قطع ید نہیں ہے۔'' اس پر مروان نے غلام کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ گورنرز اور عمال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام کرتے اور ان کے تصرفات سے کوئی تعرض نہیں کرتے تھے جب تک ان کے پیچھے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی تنفیذ کا جذبہ موجود ہو۔ چاہے وہ بات والی کی ذمہ داریوں کے ضمن میں ہی کیوں نہ آتی ہو۔ ❹ دینی احکام کے اوامر پر غیرت کے مظاہر اور دوسروں پر اللہ تعالیٰ کے احکام کو غلبہ دینے کے ضمن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ مدینہ منورہ کی پولیس کے سربراہ مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف نے بنو ہاشم اور بنو اسد بن عبدالعزی کے گھروں کو گرانے اور ان پر سختی کرنے سے انکار کر دیا اس لیے کہ وہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے وفادار تھے اور انہوں نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ مصعب نے مدینہ منورہ کے امیر عمرو سعید ❺ کو

---

❶ الشرطة فی العصر الاموی، ص: ۸۳۔ انساب الاشراف: ٤/ ۱۷۲ .

❷ الشرطة فی العصر الاموی، ص: ۸۳ . ❸ ولایة الشرطة فی الاسلام، ص: ۱۲۰ .

❹ ایضا، ص: ۱۲۱ . ❺ نسب قریش، ص: ۲٦۸۔ ولایة الشرطة فی الاسلام، ص: ۱۲۲ .

لکھا: امیر محترم! ان لوگوں کا کوئی گناہ نہیں ہے، لہٰذا میں یہ کام نہیں کروں گا۔ اس پر امیر نے اس کے نام لکھا: ابن ام حریث! تم اپنی حد سے تجاوز کر رہے ہو، ہماری تلوار واپس کر دو۔ مصعب نے اسی وقت تلوار اس کی طرف پھینک دی اور خود باہر چلا گیا۔ [1] یہ واقعہ مصعب کی ایمانی قوت پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ وہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ [2] مزید برآں مملکت کے دشمنوں کے خلاف سپاہ اسلام کی مدد کرنا، [3] سیاسی مخالفین کو سزائے موت دینا اور قیدیوں کے حوالے سے دیگر ذمہ داریاں ادا کرنا بھی پولیس کے فرائض میں شامل تھا۔ [4] اگرچہ آخر والی ذمہ داریوں کا ظہور زیادہ تر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد کے خلفاء کے عہد میں ہوا۔

رابعاً:...... کچھ دیگر قوتیں اور ادارے اور ان کا پولیس کے ساتھ تعلق

پولیس کو دولت امویہ میں امن وامان قائم کرنے والی مشینری میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل تھی، جس کی اصل ذمہ داری داخلی امن وامان کی حفاظت کرنا تھا، عصر اموی میں پولیس کے علاوہ کچھ دیگر ادارے بھی موجود تھے جن کی ذمہ داریاں بھی تقریباً پولیس جیسی ہی تھیں۔ مثلاً:

۱۔ **شاہی محافظ:**...... عصر اموی کے آغاز میں لفظ ''حرس'' ہر اس شخص کے لیے استعمال ہوتا تھا جو کسی بھی جگہ یا شخص کی حفاظت کی ذمہ داری ادا کرتا ہو۔ جبکہ اموی دور حکومت میں اس لفظ کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا تھا جو خلفاء اور گورنروں کی حفاظت پر مامور تھے، بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اموی خلفاء نے سب سے پہلے اپنی ذاتی حفاظت کے لیے محافظوں کا تقرر کیا اور یہ اس لیے کہ انہیں خوارج وغیرہ سے حملوں کا خطرہ تھا۔ پھر ان کی خلافت کے ایام میں مختلف شہروں کے والیوں نے بھی پولیس کے ساتھ ساتھ داخلی امن کی قوت کے طور پر محافظین کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ زیاد بن ابیہ نے اپنی ذاتی حفاظت کے لیے پانچ سو افراد کا تقرر کیا اور ان کا سربراہ بنوسعد کے ایک آدمی کو مقرر کیا۔ جسے صاحب الحرس کہا جاتا تھا۔ [5] اس مقصد کے لیے اموی خلفاء انتہائی قابل اعتماد لوگوں کا تقرر کیا کرتے تھے۔ [6] اور یہ پولیس کے ضمن میں نہیں آتے تھے۔ [7] بلکہ یہ دونوں الگ الگ ادارے تھے۔ [8]

۲۔ **غیر عرب شاہی محافظین:**...... دولت امویہ کے قیام سے قبل عرب لوگ بعض ایسے غیر عربی الفاظ سے آشنا تھے جن کا اطلاق بصرہ میں بیت المال کی حفاظت کرنے والے لوگوں پر ہوتا تھا۔ [9] اور وہ الفاظ تھے:

---

[1] نسب قریش، ص: ۲۶۸، ولایة الشرطة فی الاسلام، ص: ۱۲۲.

[2] الشرطة فی العصر الاموی، ص: ۱۲۲.   [3] ایضا، ص: ۹۷.   [4] ایضًا، ص: ۹۷، ۱۰۹.

[5] تاریخ طبری نقلا عن الشرطة فی العصر الاموی، ص: ۱۲۸.

[6] الشرطة فی العصر الاموی، ص: ۱۲۸.   [7] ایضا، ص: ۱۳۰.

[8] الحیوان، جاحظ: ۳/ ۱۵۸۔ الشرطة فی العصر الاموی، ص: ۱۳۰.

[9] الشرطة فی العصر الاموی، ص: ۱۳۰.

اساورہ، سیابجہ اور زطّ ۔ ان الفاظ کے تشریح کرتے ہوئے بلاذری رقمطراز ہیں کہ اساورہ کا تعلق اہل فارس کے ساتھ تھا جبکہ سیابجہ اور زط ہندوستانی تھے۔ ❶ خلافت امویہ کی تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ مختلف شہروں کے والی وقتاً فوقتاً مختلف عناصر کی طرف سے اٹھائی جانے والی تحریکوں کو کچلنے کے لیے ایک اور فورس کا استعمال بھی کیا کرتے تھے جس کے عناصر پر ''بخاریہ'' کے لفظ کا اطلاق ہوتا تھا، بلاذری ہی کی روایت میں بتایا گیا ہے کہ والی خراسان عبیداللہ بن زیاد نے کسی معرکہ میں اہل بخاریٰ میں سے بہت سارے لوگوں کو قیدی بنایا، انہیں بصرہ میں ٹھہرایا اور انہیں بھی عرب قبائل کی طرح عطیات سے نوازا، اس وقت ابن زیاد عراق کا والی تھا۔ ❷

پھر اس نے اس نئی قوت کو عراق میں خوارج کی شورشوں کو کچلنے کے لیے پولیس کی قوت کے ساتھ شامل کر دیا۔ ❸ ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ آغاز کار میں بخاریہ کو والی عراق عبیداللہ کے والد کے ہاتھوں امن کی قوت کے طور پر استعمال کیا گیا، انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ زیاد نے حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرنے کے لیے پولیس کی کوششوں کو کامیاب بنانے کے لیے بخاریہ کو استعمال کیا۔ ❹

بلاذری بخاریہ کی تیراندازی کی مہارت کے بڑے مداح ہیں۔ ❺ تاریخی مصادر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی قوت کے طور سے اس گروہ کا استعمال امراء و ولاۃ کے لیے ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ اشرافیہ کی خدمت کا فریضہ بھی ادا کیا کرتا تھا، مثال کے طور سے بصرہ میں سابقہ والی عراق عبداللہ بن عامر کے بیٹے بخاریہ کو اپنی ذاتی حفاظت کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ ❻

۳۔ عرفاء (رئیس):..... چونکہ عرفاء کو گورنروں کے ہاں بڑا مقام و مرتبہ حاصل ہوتا تھا، لہٰذا جن امور کو سرانجام دینے کی انہیں استطاعت حاصل ہوتی تھی وہ دوسروں کو نہیں تھی، اور چونکہ عریف عوام الناس کی نگرانی کرنے اور مقتدر قوتوں کو لوگوں کی مشکوک سرگرمیوں اور ان افراد کے بارے اطلاعات فراہم کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے جن کی ان سے وفاداری مشکوک ہو، لہٰذا یہ منصب کوئی قبائلی منصب نہیں تھا اس منصب پر بڑے بڑے لوگ فائز رہے۔ ابن سعد نے اپنی طبقات میں بہت سارے ایسے نام وارد کیے ہیں جو اس منصب کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ ❼

۴۔ صاحب استخراج:..... اموی عہد حکومت نے ایک ایسے مخصوص ادارے کا بھی مشاہدہ کیا جس کی ذمہ داری سرکاری عہدوں پر فائز لوگوں سے وہ مال وصول کرنا تھا جو وہ اپنے اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے ناجائز

❶ الشرطة فی العصر الاموی، ص: ۱۳۰۔ ❷ ایضا، ص: ۱۳۰۔
❸ طبقات ابن سعد: ۶/ ۲۱۹۔ الشرطة فی العصر الاموی، ص: ۱۳۱۔
❹ طبقات ابن سعد نقلا عن الشرطة فی العصر الاموی، ص: ۱۳۱۔
❺ الانساب نقلا عن الشرطة فی العصر الاموی، ص: ۱۳۱۔
❻ ایضا، ص: ۱۳۱۔ ❼ ایضا، ص: ۱۳۳۔

طور سے حاصل کیا کرتے تھے، ناجائز ذرائع سے مال کمانے والوں سے مال برآمد کرنے اور اس کی جگہ معلوم کرنے کے لیے ان پر سختی کرنے پر مامور شخص کو ''صاحب الاستخراج'' کہا جاتا تھا۔ ابن قتیبہ روایت کرتے ہیں کہ یہ ادارہ زیاد بن ابیہ کے عہد میں قائم ہوا، زیاد خیانت کے مرتکب کسی شخص کو اس کے منصب سے معزول کرنے میں دیر نہیں لگاتا تھا، وہ انہیں معزول کرنے کے علاوہ انہیں اس کی سزا بھی دیا کرتا تھا۔ ❶ اکثر مورخین ایسے ولاۃ کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے ''صاحب استخراج'' کو غاصب اور خائن عہدے داروں سے غصب شدہ مال نکلوانے کے لیے استعمال کیا۔ مثال کے طور سے والی عراق عبیداللہ بن زیاد نے اپنے معاونین میں عبدالرحمٰن نامی آدمی کو اس کے عہدے سے معزول کر کے اس سے دو لاکھ درہم برآمد کروائے۔ ❷ اسی طرح اس نے ایک ادارے میں کام کرنے والے ایک شخص سے ایک لاکھ درہم برآمد کروائے۔ ❸

۵۔ **احتسابی مشینری:**...... اس ادارے کا کام بازاروں، مارکیٹوں اور ان میں تجارتی سرگرمیوں کو منظم کرنا تھا، دولت امویہ کے محتسب کی ذمہ داری سیل ٹیکس وصول کرنا اور ریاست کی ملکیتی دکانوں کا کرایہ وصول کرنا تھا۔ ❹ علاوہ ازیں کاروباری حوالے سے اس کی کچھ اور ذمہ داریاں بھی تھیں جن میں سے اہم تر مندرجہ ذیل ہیں: ❺

الف: لین دین میں بددیانتی کے سدباب کے لیے مارکیٹ میں استعمال ہونے والے وزن، ماپ اور پیمائش کے آلات کے صحیح ہونے کو یقینی بنانا۔

ب: ضروری اشیائے صرف کی قیمتوں کو حد سے بڑھنے سے روکنا۔

ج: ذخیرہ اندوزی کو روکنا، اور ذخیرہ کردہ اشیاء کے مالکوں کو انہیں فروخت کرنے پر مجبور کرنا۔

اس مفہوم کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ دولت امویہ کے آغاز میں اقتصادی زندگی بالکل سادہ تھی، مختلف صوبوں کے والی خلافت راشدہ کے انداز پر ہی گامزن تھے، ہر والی اپنے صوبے میں خود احتساب کرتا تھا۔ ❻ مگر یہ زیاد کے عہد ولایت (۴۵-۵۳ھ) کے دوران مصر میں مارکیٹ کے عامل کی ذمہ داری سے مانع نہیں تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ نظام احتساب عصر اموی کے آغاز سے ہی موجود تھا اگرچہ اس پر لفظ احتساب کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔ کاروباری سرگرمیوں کو منظم کرنے کے لیے اموی دورِ حکومت کے پورے عرصہ میں محتسب کا کردار کسی نہ کسی انداز سے موجود رہا۔ پھر جیسے جیسے تجارت اور تجارتی سرگرمیاں بڑھتی چلی گئیں اس نظام میں نمو آتا چلا گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آغاز کار

❶ عیون الاخبار: ۱/ ۵۵۔ الشرطة فی العصر الاموی، ص: ۱۳٤ .

❷ الشرطة فی العصر الاموی، ص: ۱۳٤ .

❸ ایضا، ص: ۱۳٤ نقلا عن الانساب للبلاذری .

❹ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۲۲۳ .

❺ الادارة فی العصر الاموی، ص: ۲۲۳ . ❻ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۲۲۳ .

میں والی شہر احتسابی اعمال خود سرانجام دیتا پھر بات آگے بڑھی تو بازاروں کی نگرانی کے لیے کسی شخص کی تقرری کی ضرورت پڑی، پھر جب اس میں مزید ترقی ہوئی تو اس کے لیے کچھ معاونین کی ضرورت پڑی جو احتسابی عمل میں اس کا ہاتھ بٹا سکیں۔ ❶

۶۔ مراقبہ کا نظام:...... یہ نظام معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں دمشق میں قائم کیا گیا اور اس کی متعدد صورتیں تھیں:

الف: بعض سیاسی مخالفین کو معینہ اوقات پر مساجد میں نماز با جماعت ادا کرنے کا پابند بنانا۔ ❷ عصر حاضر میں بھی بعض ممالک میں بعض مخصوص لوگوں کو طے شدہ اوقات میں پولیس کے مراکز میں حاضر ہونے کے لیے پابند کیا جاتا ہے۔ ❸

ب: بعض سیاسی مخالفین کو دمشق اور دوسرے شہروں میں تیار کردہ گھروں میں ٹھہرانا، تاکہ ان کی نگرانی میں آسانی رہے۔

ج: دارالسلام میں داخل ہونے والے غیر ملکی لوگوں کی ذاتی نگرانی کو سخت بنانا۔ ❹

۷۔ مؤسسہ درک:...... اصطلاحا درک سے مراد ایسا ادارہ تھا جو بڑے بڑے شہروں کی حدود سے باہر امن و امان کے قیام کا ذمہ دار تھا۔ ❺

طبری کی ایک نص سے معلوم ہوتا ہے کہ زیاد ۴۵ھ ہجری میں، یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کے ایام میں راستوں کو پرامن بنانے میں بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا کرتا تھا۔ اس نص میں وارد ہے کہ زیاد سے کہا گیا: راستے غیر محفوظ ہیں۔ اس نے کہا مصر کے علاوہ مجھے کہیں بھی مشکلات کا سامنا نہیں ہے۔ میں مصر پر غلبہ حاصل کر کے اسے درست کر دوں گا۔

اگر مصر مجھ پر غالب آ گیا تو پھر دوسرے شہروں کا مجھ پر غالب آنا اس سے بھی آسان ہوگا، پھر جب اس نے مصر کا کنٹرول سنبھال لیا تو اسے مستحکم بنا دیا۔ ❻ زیاد کہا کرتا تھا: اگر میرے اور خراسان کے درمیان کوئی رسی گم ہو جائے تو مجھے معلوم ہو جائے گا کہ اسے کس نے اٹھایا ہے۔ ❼ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اس کے اہل کاروں کا ان راستوں پر کنٹرول ہو۔ ❽ زیاد کا نظریہ امن یہ تھا کہ پہلے شہروں کے اندر گرفت مضبوط بنائی جائے اور پھر اسے وسعت دیتے ہوئے اس کے گرد و نواح کے راستوں کو پرامن بنایا جائے۔

یہ تھے عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں پولیس نظام کے بارے میں چند اہم نکات اور ان کی قدرے تفصیل۔

❶ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی، ص: ۲۲۲۔ ❷ ولایة الشرطة فی الاسلام، ص: ۱۲۵۔
❸ ایضا، ص: ۱۲۵۔ ❹ ایضا، ص: ۱۲۵
❺ نظام الحکم فی الشریعة و التاریخ الاسلامی: ۲/ ۶۴۳۔
❻ تاریخ طبری: ۶/ ۱۳۹۔ ❼ ایضا: ۶/ ۱۳۹۔
❽ نظام الحکم فی الشریعة و التاریخ: ۲/ ۶۴۴۔

آٹھویں بحث:

گورنرز اور انتظامیہ، عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں

معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دوران مرکزیت اور لا مرکزیت کے درمیان توازن قائم رکھنے کے لیے کوشاں رہے۔ انہوں نے دمشق کو دار الحکومت قرار دیا جہاں سے حکومت کے سیاسی، اقتصادی اور انتظامی احکامات جاری کیے جاتے۔ جہاں تک ولایات کے داخلی امور کی ترتیب کا تعلق ہے تو اس کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نے صوبائی گورنروں کو ان کے تجربات اور صلاحیتوں کے مطابق اپنے امور نمٹانے کی آزادی دے رکھی تھی مگر وہ سارے کے سارے معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے براہ راست جواب دہ تھے اور ان کے ہر عمل کے لیے ان کا احتساب بھی کیا جاتا تھا۔ دمشق کو دار الحکومت بنانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اہل شام کے بارے بخوبی آگاہ تھے اور انہیں ان پر اور ان کی دوستی پر مکمل اعتماد تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے تقریباً بیس سال بلاد شام کے امیر کے طور پر گزارے اور اس دوران وہ ان کے درمیان عوامی مقبولیت سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس امر کا احساس تھا کہ اموی حکومت کے تسلسل کا زیادہ تر دارومدار ان کے لیے اہل شام کی نصرت وحمایت پر ہے، لہٰذا آغاز کار سے ہی ان کی یہ کوشش رہی کہ بلاد شام میں موجود مختلف عرب قبائل کے رجال کار اور خاص طور پر یمنی اور قیسی قبائل کے درمیان توازن قائم رہے۔ [1] معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی استطاعت کی حد تک سرزمین شام میں طرفین کے مفادات کے تحفظ میں توازن قائم رکھنے کے لیے کوشاں رہے، معاویہ رضی اللہ عنہ کو قیسی قبائل کے مردان کار کی خدمات بھی حاصل تھیں، مثلاً ضحاک بن قیس فہری اور حبیب بن مسلمہ فہری اور یمنی قبائل کے سرکردہ لوگوں کی بھی، جن میں سے مالک بن ہبیرہ سکونی، شرحبیل بن سمط کندی اور حسان بن بحدل کلبی وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی امارت اور خلافت کے دونوں عرصوں کے دوران طرفین کی طرف سے مکمل تعاون حاصل رہا، وہ ایک ہی لشکر میں شامل ہو کر ایک ہی امارت کے تحت ان کے پہلو بہ پہلو اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف برسرپیکار رہتے۔ [2]

معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست اموی خاندان کے افراد سے استعانت پر قائم تھی، جیسا کہ عنبسہ بن ابوسفیان، عتبہ بن ابوسفیان، ولید بن عتبہ بن ابوسفیان، سعید بن العاص بن امیہ، مروان بن حکم اس کا بیٹا عبدالملک [3] اور عمرو بن سعید بن العاص وغیرہ۔ [4] معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں میں سے بڑا وسیع تجربہ رکھنے والے لوگوں کو اپنے معاونین اور والی کے طور سے منتخب فرمایا، مثلاً عبداللہ بن عامر بن کریز، مغیرہ بن شعبہ، نعمان بن بشیر انصاری،

---

[1] خلافة معاوية بن ابو سفيان، العقيلي، ص: ۷۰۔ [2] ايضا، ص: ۷۳۔
[3] البلاذري: انساب الاشراف نقلا عن خلافة معاوية العقيلي، ص: ۷۳۔
[4] خلافة معاوية، ص: ۷۳، نقلاً عن انساب الاشراف: ٤/ ١٦٠۔

مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہم۔ ❶ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان لوگوں کے انتخاب کی وجہ صرف ان کے ساتھ ان کی دوستی ہی نہیں تھی بلکہ ان میں سے زیادہ تر کی خدمات ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل رہی تھی، لہٰذا انہوں نے ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا مناسب سمجھا، پھر یہ ایسے لوگ بھی تھے جنہیں شام میں اسلامی فتوحات کے واقعات نے نمایاں کر دیا تھا۔ ❷ یہ امر بھی ہمارے ملاحظہ میں ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں کی ولایت کے لیے باصلاحیت اور وفادار لوگوں کا انتخاب کیا اگرچہ انہوں نے اپنے بعض معاونین کا انتخاب اپنے اہل بیت سے کیا مگر آپ ان کے ساتھ بڑی احتیاط پر مبنی معاملہ کرتے یہاں تک کہ ان کے بارے میں مطمئن ہو جاتے اور ان کی انتظامی اور ادارتی صلاحیتوں کا یقین کر لیتے۔ آپ آغاز میں انہیں طائف ❸ جیسے چھوٹے شہروں کے لیے منتخب کرتے پھر جب ان میں سے کوئی اپنی انتظامی صلاحیت کا لوہا منوا لیتا تو اس کی ولایت کا دائرہ مکہ مکرمہ تک بڑھا دیتے اور پھر مدینہ منورہ کو بھی اس کی ماتحتی میں کر دیتے اور پھر اسے باصلاحیت ماہر کا لقب دے دیا جاتا۔ ❹ یہاں پر یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس وقت طائف کا شمار اہم ترین شہروں میں ہوتا تھا جس کی وجہ وہاں طاقتور قبیلہ بنوثقیف کا آباد ہونا تھا۔ ❺ جو بھی والی سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے طائف پر کنٹرول کر لیتا اس کے لیے دیگر شہروں پر کنٹرول حاصل کرنا مشکل نہ رہتا۔

اس امر کے اشارے موجود ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجاز میں ایک ایسا مرکز قائم کر رکھا تھا جس میں اموی خاندان کے لوگوں کو مستقبل کے کامیاب حکمران بنانے کے لیے تربیت دی جاتی تھی۔ ❻ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندان کے جن لوگوں کی خدمات سے سرکاری طور سے فائدہ اٹھانا ہوتا انہیں ایک دوسرے سے الگ رکھنے کی کوشش کرتے اور یہ اس لیے کہ وہ ان کے خلاف کوئی محاذ نہ کھڑا کر سکیں۔ ❼

معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کی خلافت کے دور میں ان کی غیر مسلم رعایا کو خصوصی مراعات حاصل تھیں، ان کے ساتھ حد درجہ نرمی برتی جاتی اور ان کے ساتھ درگزر سے کام لیا جاتا اور وہ بڑی آسانی کے ساتھ اپنے حقوق حاصل کر لیتے۔ وہ لوگ مختلف حکومتی عہدوں پر بھی کام کرتے تھے۔ انہوں نے اس بیزنطی اور قبطی نظاموں کو قائم رکھا جس پر مصر، شام اور مغرب میں عمل کیا جاتا تھا، اسی طرح عراق اور خراسان میں بھی فارسی نظاموں کو باقی رہنے دیا گیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کا معالج خاص ابن اثال غیر مسلم تھا۔ ❽ اسی طرح ان کا رومی مالی مشیر سرجیح (سرجون) بن منصور ❾، ابن سینا اور ابن نضیر ❿ جیسے ان کے عمال غیر مسلم تھے جن میں سے کچھ بعد میں دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

❶ خلافۃ معاویۃ، العقیلی، ص: ۷٤. ❷ الامویون و البیزنطیون، ابراهیم العدوی، ص: ۷٤.
❸ خلافۃ معاویۃ، العقیلی، ص: ۷٤. ❹ تاریخ طبری، خلافۃ معاویۃ، عقیلی، ص: ۷٥.
❺ خلافۃ معاویۃ، عقیلی، ص: ۷٥.
❻ الادارۃ فی العصر الاموی، ص: ۱۰۹-۱۰۸.
❼ انساب الاشراف: ٤/ ٦٥۔ خلافۃ معاویۃ، ص: ۷٥. ❽ تاریخ الیعقوبی: ۲/ ۲۲۳.
❾ تاریخ خلیفہ، ص: ۲۲۸. ❿ تاریخ الیعقوبی: ۲/ ۲۹۷۔ المحن، ص: ۱۷۱.

مزید برآں معاویہ رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم رعایا کو اپنی دینی اور مذہبی رسومات ادا کرنے کی کھلی آزادی دے رکھی تھی۔ انہوں نے دمشق کے نصاریٰ کی اس درخواست کو قبول کر لیا کہ کنیسہ یوحنا کو دمشق کی مسجد میں شامل نہ کیا جائے۔ [1] کنیسہ رُہا (ادیسا) جو کہ زلزلہ کی وجہ سے گر گیا تھا [2] اس کی نئے سرے سے تعمیر کی اور مسلمہ بن مخلد انصاری کی مصر پر ولایت (۴۷-۶۸ھ) کے دوران فسطاط میں پہلا گرجا گھر تعمیر کیا گیا۔ [3] اسی طرح معاویہ رضی اللہ عنہ نے دمشق میں قصر الخضراء کی تعمیر کے لیے دو غیر مسلم انجینئروں کی خدمات حاصل کیں۔ یہ وہی محل ہے جو بلاد شام میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت اور بعد ازاں خلافت کے دور میں ان کی اقامت گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا، بلاذری روایت کرتے ہیں کہ پہلے یہ محل مٹی اور کچی اینٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا پھر انہوں نے اسے پتھروں سے تعمیر کیا۔ [4] جس طرح غیر مسلم رعایا کے ساتھ فراخ دلی اور درگزر سے کام لینے کی پالیسی معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست کا امتیازی وصف تھا اسی طرح موالی کے حوالے سے بھی ان کی سیاست نرم دلی اور حسن معاملہ پر مبنی تھی، انہوں نے بعض ملکی معاملات میں بہت سارے موالی کی خدمات سے فائدہ اٹھایا، چنانچہ انہوں نے اپنے مولیٰ عبداللہ بن دراج کو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی ولایت کے دوران کوفہ کا خراج وصول کرنے کے لیے متعین کیا۔ [5] جبکہ عتبہ بن ابوسفیان کی امارت مصر کے دوران ان کا آزاد کردہ غلام مصر کے خراج پر مامور تھا۔ [6] موالی میں سے مختار نامی ایک آدمی ان کے حفاظتی دستے میں شامل تھا۔ اس زمرے میں مالک نام کے ایک آدمی کا نام بھی لیا جاتا ہے جس کی کنیت ابوالمخارق تھی اور وہ حمیر کا مولیٰ تھا، جبکہ ان کا مولیٰ سعدان ان کا دربان تھا [7] جو کہ حجاز میں ان کی جائیداد کا نگران بھی تھا۔ زیاد بن ابوسفیان نے اپنے مولیٰ مہران کو اپنا دربان اور عراق میں خراج پر اپنا سیکرٹری مقرر کیا، [8] ابو المہاجر دینار مسلمہ بن مخلد انصاری کا مولیٰ تھا جو ۵۵ھ میں ادارہ شؤون المغرب کا انچارج تھا۔ [9]

مذکورہ بالا مثالوں کے باوجود عباس محمود العقاد اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی موالی کی طرف نظر التفات نہیں تھی اور اس حوالے سے اس نے معاویہ رضی اللہ عنہ پر مستشرقین کے ناقابل التفات اعتراض کو ہی دہرایا، جبکہ قدیم عربی تالیفات موالی کے حوالے سے ان کی فراخ دلی کی مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔ [10]

دوسری جانب معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضروری اصلاحات صوبوں پر اپنے عمال کے لیے چھوڑ رکھی تھیں تاکہ ان میں سے ہر ایک اپنے صوبے کے حوالے سے اپنی ذمہ داری خود ادا کرے۔ [11] معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں

---

[1] خلافة معاوية، عقيلی، ص: ۸۰.
[2] الامويون و البيزنطيون، ص: ۲۹۱.
[3] فتوح مصر، ص: ۱۳۲۔ غير المسلمين فی المجتمع الاسلامی، قرضاوی، ص: ۲۰-۲۱.
[4] انساب الاشراف: ۴/ ۱۴۷.
[5] خلافة معاوية، عقيلی، ص: ۸۱.
[6] الاداره فی العصر الاموی، ضحاش، ص: ۳۴۷.
[7] انساب الاشراف: ۴/ ۵۴، ۶۳۔ خلافة معاوية، ص: ۸۲.
[8] تاريخ خليفة، ص: ۲۱۲.
[9] خلافة معاوية، عقيلی، ص: ۸۲.
[10] خلافة معاوية، ص: ۸۲.
[11] خلافة معاوية، ص: ۸۳.

ریاست کی انتظامی تقسیم اس طرح سے تھی: دمشق دارالحکومت تھا، ملک کو چند صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور صوبے پر خلیفہ کی طرف سے مقرر کردہ والی حکومت کرتا تھا۔ بعض اوقات اسلامی مملکت والی کو اس کی مرضی سے حکومت چلانے کی آزادی دے دیتی تھی، یہاں تک کہ بعض والیوں کو قتل کرنے، جلا وطن کرنے، قید میں ڈالنے جیسے اختیارات بھی دے دیئے جاتے تھے۔ مگر یاد رہے کہ ایسا صرف عراق کے صوبہ میں ہوتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں دوسرے صوبوں سے زیادہ شورشیں اور فتنے سر اٹھایا کرتے تھے۔ خلیفہ اس صوبے کے لیے ایسے والیوں کا انتخاب کرتا جو حزم و احتیاط اور سختی میں شہرت رکھتے ہوں۔ زیاد بن ابیہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا سب سے مشہور والی تھا۔ رہے دوسرے صوبے تو وہ ریاست کی عمومی پالیسی کے مطابق حکومت کرتے تھے۔ والی خلیفہ کے احکامات کا پابند ہوتا تھا، وہ اس کی رائے لینے اور اس سے مشاورت کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرتا۔ والی عوام الناس کی مصالح سے وابستہ جملہ امور میں خلیفہ کی طرف رجوع کرتا۔ اگر تو معاملہ اس کے صوبے کے ساتھ مخصوص ہوتا تو وہ مصلحت عامہ کے تقاضوں کے مطابق تصرف کرنے کا حق رکھتا، بصورت دیگر وہ اپنے تمام تصرفات کے لیے خلیفہ کے سامنے جوابدہ ہوتا۔ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں [1] دولت امویہ کے بڑے بڑے صوبے یہ تھے: دمشق (دارالحکومت) بصرہ، کوفہ، مدینہ، مکہ اور مصر وغیرہا۔ جہاں تک عہد معاویہ کے دوران مختلف شہروں کے والیوں کا تعلق ہے تو ہم ان کے بارے میں ہر صوبے سے متعلق گفتگو کریں گے۔

اولاً:...... بصرہ: عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں اس کے مشہور ترین گورنر

۱۔ **بسر بن ارطاۃ** رضی اللہ عنہ:...... آپ نے ۴۱ھ میں ولایت کا منصب سنبھالا، بعض غیر صحیح روایات اس جانب اشارہ کرتی ہیں کہ بسر بن ارطاہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابیہ کے بیٹوں سے تعرض کیا [2] تو انہیں معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا والی متعین کیا گیا۔

۲۔ **عبداللہ بن عامر** رضی اللہ عنہ (۴۱-۴۴ھ):...... ۴۱ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا والی مقرر کیا، وہ سجستان [3] اور خراسان [4] کی جنگ میں شامل رہے تھے۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بصرہ پر والی کے طور پر تقرری شخصی اسباب کی بنا پر نہیں تھی اس لیے کہ کسی صحیح روایات سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کا انتخاب ان کے سابقہ تجربات کی بنا پر تھا۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بصرہ کے والی رہ چکے تھے اور سجستان اور خراسان کی جنگوں میں بھی شریک رہے تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے صرف یہ کیا کہ مناسب آدمی کو مناسب جگہ پر لگا دیا اور امن کے حق داروں کو امن دے دیا۔ [5] مسلمانوں نے ان کے فوجی تجربات سے بھرپور فائدہ اٹھایا، پھر انہیں یہاں سے تبدیل کرنے کی

---

[1] الدولة الاموية، محمد سيد الوكيل، ۱/ ۹۷۔ [2] تاريخ طبری: ٦/ ٨٢۔

[3] سجستان اس وقت افغانستان کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔

[4] خراسان اس وقت ایران کے شمال مشرق اور افغانستان کے شمال مغرب میں واقع ہے۔

[5] مرويات خلافة معاوية في تاريخ الطبری، ص: ٢٣٤۔

ضرورت پڑی تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر کے ۴۵ھ کے آغاز میں حارث بن عبداللہ ازدی کو بصرہ کا والی مقرر کر دیا، پھر چار ماہ بعد انہیں بھی معزول کر کے ان کی جگہ زیاد کو بصرہ کا والی بنا دیا گیا۔ ❶

۳۔ زیاد بن ابیہ (۴۵-۵۳ھ):......

الف: نسب:......ابوالمغیرہ زیاد کا نسب انتہائی پیچیدہ ہے، اس کی ماں کا نام سمیہ تھا جو کہ ایک لونڈی تھی۔ ❷ مگر اس کے باپ پر مورخین کا اتفاق نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے ان کا اس کے نسب میں بھی اختلاف ہے۔ تاریخی مصادر میں اس کا نام کبھی زیاد بن سمیہ ❸ بتایا جاتا ہے، کبھی زیاد بن عبید ❹، کبھی زیاد الامیر ❺ اور کبھی زیاد بن ابوسفیان ❻ اکثر اوقات اسے زیاد بن ابیہ ❼ سے ہی شناخت کیا جاتا ہے، اور یہ اس لیے کہ اس کے باپ میں شک واقع ہوا ہے۔ ❽

ب: زیاد کی معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ صلح:......زیاد بن ابیہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے خراسان کا والی تھا اور وہ ان کے لیے از حد مخلص تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں زیاد کو اپنی صف میں شامل کرنے کی بڑی کوشش کی مگر وہ اس میں ناکام رہے، پھر ان کی شہادت کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کو اسے اپنی طرف مائل کرنے کا سنہری موقع ملا اور اس کے لیے انہوں نے کبھی ترغیب اور کبھی ترہیب کی زبان استعمال کی، اس دوسرے مرحلے پر زیاد نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے تعلقات پر نظر ثانی کرتے ہوئے مثبت موقف اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کے ساتھ رابطے کی کوشش کی اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو یہ مشکل حل کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کو کہا۔ آخر کار مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ زیاد کو معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے اور اسے ان کی اطاعت میں داخل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ زیاد کے حوالے سے مغیرہ رضی اللہ عنہ کی یہ کامیابی معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی خدمت تھی، اس لیے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیاد تک رسائی یا اسے اپنے ماتحت کر لینا ایسی خون ریز جنگ کے بغیر بہت مشکل تھا جس کے بارے میں فریقین میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہ ہو کہ اس میں کون فائدے میں رہے گا۔ ❾
معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی جلد بازی کا مظاہرہ نہ کیا اور طاقت کے استعمال سے اجتناب کیا اور عربوں کے چالاک اور ہوشیار آدمی کی خدمات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زیاد کو خوشی سے اپنی بیعت کرنے پر آمادہ کر لیا۔ جو آپ رضی اللہ عنہ کی حکمت و دانش کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ❿

---

❶ تاریخ طبری: ٦/ ١٣٣ .
❷ زیاد بن ابیه و دوره فی الحیاة العامة، ص: ٣١ .
❸ تاریخ طبری: ٦/ ١٣١ .
❹ العواصم من القواصم، ص: ٣١ .
❺ الطبقات: ٧/ ٩٩۔ زیاد بن ابیه و دوره فی الحیاة العامة، ص: ٣١ .
❻ تاریخ خلیفة بن خیاط، ص: ١٩١ .
❼ زیاد بن ابیه و دوره فی الحیاة العامة، ص: ٣٢ .
❽ ایضا، ص: ٣٢ .
❾ زیاد بن ابیه و دوره فی الحیاة العامة، ص: ٧٥ تا ٨١ .
❿ مرویات خلافة معاویة، ص: ١٧٣۔ تاریخ طبری: ٦/ ٩٤-٩٥ .

ج: معاویہ رضی اللہ عنہ کا زیاد بن ابیہ کو اپنے نسب میں شامل کرنا:..... طبری ۴۴ھ کے واقعات کے تحت رقمطراز ہیں:

اس سال معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن سمیہ کے نسب کو اپنے باپ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے نسب میں شامل کیا۔ ❶ جب زیاد معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو اس وقت بنو عبدالقیس کا ایک آدمی اس کے ساتھ تھا، اس نے زیاد سے کہا: ابن عامر کا مجھ پر ایک احسان ہے، اگر اجازت دیں تو میں اس سے ملاقات کرلوں، زیاد نے کہا: اس شرط پر کہ تیرے اور اس کے درمیان جو باتیں ہوں، مجھے ان سے آگاہ کرنا ہوگا، اس نے یہ شرط تسلیم کرلی تو اسے اس کی اجازت دے دی گئی۔ وہ ابن عامر سے ملا تو اس نے کہا: ابن سمیہ میرے کاموں پر اعتراض کرتا اور میرے کارندوں کی برائیاں بیان کرتا ہے۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں قریش سے ایسے پچاس آدمی لے کر آؤں گا جو قسم اٹھائیں گے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے سمیہ کی صورت تک نہیں دیکھی۔ ❷ جب یہ آدمی واپس آیا تو زیاد نے اس سے ملاقات کے بارے میں سوال کیا تو اس نے پہلے تو اسے کچھ بتانے سے انکار کیا مگر آخر کار اسے بتانا ہی پڑا۔ زیاد نے اس کی خبر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دی تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دربان کو حکم دیا کہ جب عامر ادھر آئے تو اس کی سواری کو پہلے دروازے سے ہی واپس کر دینا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، ابن عامر نے اس کی شکایت یزید سے کی، یزید نے پوچھا: تم نے زیاد کا بھی ذکر کیا تھا؟ اس نے کہا: ہاں۔ یہ سن کر یزید اسے اپنے ساتھ لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عامر کو دیکھتے ہی مجلس برخاست کر دی اور خود محل میں چلے گئے۔ اس پر یزید نے ابن عامر سے کہا: تم ادھر ہی بیٹھو وہ کب تک اپنی مجلس کو چھوڑ کر گھر میں بیٹھے رہیں گے۔

جب انہیں بیٹھے بیٹھے کافی دیر ہوگئی تو معاویہ رضی اللہ عنہ گھر سے باہر آئے ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے دروازوں کو پیٹتے جاتے تھے اور ساتھ ہی کسی کا یہ شعر پڑھتے جاتے تھے:

لنا سیاق و لکم سیاق
قد علمت ذلکم الرفاق ❸

ہماری راہ اور، اور تمہاری راہ اور، اس بات کو سبھی لوگ جان چکے ہیں۔

پھر بیٹھ گئے اور ابن عامر سے فرمایا: کیا تم نے زیاد کے بارے میں زبان کھولی ہے۔ خبردار! واللہ! تمام عرب اس بات سے آگاہ ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں سب سے زیادہ باعزت میں تھا اور پھر اسلام نے میری عزت میں مزید اضافہ کر دیا۔ مجھ میں کوئی کمی ایسی نہیں تھی جو زیاد کی وجہ سے پوری ہوگئی ہو یا میری ذلت عزت میں تبدیل ہوگئی ہو، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ میں نے اس کو جس چیز کا حق دار پایا وہ اسے دے دی۔ ❹

معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب زیاد کے نسب کو اپنے باپ کے نسب کے ساتھ ملایا تو انہیں اس بات سے متہم کیا گیا

❶ تاریخ طبری: ٦/ ١٣١ ❷ ایضاً ❸ تاریخ طبری: ٦/ ١٣٢.
❹ ایضا: ٦/ ١٣٢.

کہ انہوں نے اسلامی احکام کی مخالفت کی ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''اسلام میں جھوٹا دعویٰ نہیں چلتا۔ جاہلیت کا معاملہ ختم ہو چکا۔ بچہ بستر والے کے لیے ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔'' [1] خالد الغیث اپنے رسالہ "مرویات خلافۃ معاویۃ" میں اس تہمت کی یہ کہہ کر تردید کرتے ہیں: ...... جہاں تک معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس تہمت کا تعلق ہے کہ انہوں نے زیاد کے نسب کو اپنے باپ کے نسب کے ساتھ ملا لیا، تو میں کسی ایسی صریح العبارت صحیح روایت سے آگاہ نہیں ہو سکا جو اس کی تاکید کرتی ہو، علاوہ ازیں معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحبت و عدالت اور ان کی دین داری و فقاہت ان کے لیے اس امر سے مانع ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو ردّ کر دیں۔ خصوصاً جب کہ وہ خود اس حدیث کے راوی ہیں: ''بچہ بستر والے کے لیے ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔'' [2] دراصل یہ تہمت زیاد پر لگائی گئی تھی کہ اس نے اپنے نسب کو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے نسب کے ساتھ ملایا تھا، اور اس کی دلیل ابوعثمان [3] کے طریق سے صحیح مسلم کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: جب زیاد نے یہ دعویٰ کیا تو میں ابوبکرہ سے ملا اور اس سے کہا: تم نے یہ کیا کہا؟ میں نے مسور بن ابی وقاص سے سنا، وہ فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''جس شخص نے اسلام میں اپنے باپ کے علاوہ کسی اور باپ کا دعویٰ کیا جبکہ وہ جانتا ہو کہ یہ میرا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔'' ابوبکرہ نے کہا: میں نے بھی یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سماعت کی تھی۔ [4]

اس واقعہ کی تعلیق میں نووی فرماتے ہیں: اس کلام کا مطلب ابوبکرہ پر انکار کرنا تھا اور یہ اس لیے کہ زیاد مذکور زیاد بن ابوسفیان کے ساتھ معروف تھا، اسے زیاد بن ابیہ اور زیاد بن امہ بھی کہا جاتا تھا اور یہ ابوبکرہ کا اس کی ماں کی طرف سے بھائی تھا، اسی لیے عثمان نے ابوبکرہ سے کہا تھا کہ تم نے یہ کیا کہا؟ ابوبکرہ بھی اس بات کو ناپسند کرتا تھا جس کی وجہ سے اس نے زیاد سے علیحدگی بھی اختیار کر لی تھی اور اس سے کبھی بات نہ کرنے کی قسم بھی اٹھائی تھی۔ ممکن ہے کہ ابوعثمان کو ابوبکرہ کے اس انکار کا علم نہ ہوا اور اسی وجہ سے اس نے ابوبکرہ سے یہ بات کہہ دی ہو۔ یا اس کے اس قول کا مطلب یہ ہو کہ تیرے بھائی نے جو کچھ کیا وہ کس قدر برا ہے اور اس کی سزا کتنی سنگین ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے لیے جنت کو حرام قرار دیا ہے۔ [5] اس طرح زیاد ہی مدعی علیہ قرار پاتا ہے۔ درحقیقت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زیاد کو اپنے نسب کے ساتھ ملانے کا مسئلہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے، اور اکثر مؤرخین کے نزدیک کتنے ہی ایسے دلائل موجود ہیں جن سے اس بات کا اثبات ہوتا ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے زیاد کی ماں سمیہ سے مباشرت کی تھی۔ سمیہ حارث بن کلاہ ثقفی کی لونڈی تھی اور وہ زمانہ جاہلیت میں جسم فروش تھی اور اس مباشرت کے نتیجے میں وہ زیاد

---

[1] صحیح سنن ابی داود: ۲/ ۴۳۰۔ [2] فتح الباری: ۱۲/ ۳۹۔

[3] ابوعثمان غوری اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ آپ مخضرم ہیں اور آپ کا شمار طبقہ ثانیہ میں ہوتا ہے۔ (متوفی: ۹۵ھ)

[4] صحیح مسلم مع شرح نووی: ۲/ ۵۱، ۵۲۔

[5] شرح صحیح مسلم: ۲/ ۵۲، ۵۳۔

کے ساتھ حاملہ ہو گئی، مورخین ذکر کرتے ہیں کہ خود ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے اور کئی دوسرے لوگوں کے سامنے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس کے جوان ہونے کے بعد اس بات کا اعتراف کیا تھا۔ ❶ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ زیاد ان کے نطفہ سے ہے۔ ❷ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ابومریم سلولی نے زیاد کے لیے اس نسب کی شہادت دی۔ ابومریم صحابی تھے اور زمانہ جاہلیت میں طائف میں شراب فروخت کیا کرتے تھے اور انہوں نے سمیہ اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا ملاپ کروایا تھا اور اس وقت یہ عام سی بات تھی۔ ❸ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس نسب کا معاملہ بڑی شہرت حاصل کر چکا تھا یہاں تک کہ بصرہ کے ایک آدمی نے زیاد کے لیے اس کی شہادت بھی دے دی۔ ❹ اگر صورت حال یہ ہے تو پھر یہ قدیم دعویٰ ہے نہ کہ مغیرہ بن شعبہ کے مشورہ پر معاویہ اور زیاد کے درمیان طے پانے والے سودے کا ایک حصہ۔ نیز راویوں کی اختراع کردہ دیگر تفصیلات بھی درست نہیں ہیں۔ ❺ امام اہل مدینہ، امام مالک بن انس اپنی کتاب "المؤطا" میں زیاد کا ذکر کرتے ہوئے اسے زیاد بن ابوسفیان کے نام سے یاد کرتے ہیں نہ کہ زیاد بن سمیہ کے نام سے۔ یہ عصر بنوعباس کی بات ہے، ❻ اس وقت حکومت بھی ان کی تھی اور حکم بھی انہی کا چلتا تھا مگر انہوں نے اس میں نہ تو کوئی تبدیلی کی اور نہ اس سے انکار کیا۔ چونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، لہٰذا اس پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ❼ جہاں تک اس الحاق کا نص حدیث کے ساتھ تعارض کا تعلق ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنے والوں کا کہنا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کئی قسم کے نکاح کیے جاتے تھے، اس کی ایک قسم یہ بھی تھی کہ کچھ لوگ کسی پیشہ ور عورت کے ساتھ جماع کرتے پھر جب وہ بچے کو جنم دیتی تو ان میں سے جسے چاہتی اس کے ساتھ بچے کو ملحق کر دیتی مگر اسلام نے اس نکاح کو حرام قرار دے دیا۔ مگر کسی بھی قسم کے نکاح کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کو جس بھی باپ کی طرف منسوب کر دیا گیا اسے تسلیم کیا جاتا اور ان میں سے کسی بھی چیز میں کوئی تفریق روا نہ رکھی جاتی۔ اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ یہ ان کے لیے جائز ہے اور انہوں نے جاہلیت اور اسلام میں الحاق کے بارے میں کوئی فرق نہ کیا۔ ❽ امام مالک رحمہ اللہ اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ بھائی اپنے بھائی کو اپنے نسب میں شامل کرتے ہوئے یہ کہے کہ وہ میرے باپ کا بیٹا ہے۔ بشرطیکہ اس نسب میں اس سے تنازع کرنے والا کوئی نہ ہو۔ حارث بن کلاہ (جس کی سمیہ لونڈی تھی) نے زیاد کے بارے میں تنازع نہیں کیا تھا اور نہ ہی وہ اس کی طرف منسوب تھا، وہ ایک پیشہ ور لونڈی کا بیٹا تھا جو اس کے بستر پر پیدا ہوا۔ اس کا جو بھی دعویٰ کرتا وہ اس کا تھا الا یہ کہ اس سے وہ شخص معارضہ کرتا جو اس کا اس سے زیادہ حق دار ہوتا، لہٰذا اس بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض نہیں آتا

---

❶ مروج الذهب: ٣/ ١٤-١٥۔ الدولة الاموية المفترى عليها، ص: ١٩٥ .

❷ الفتاوى: ٢٠/ ١٤٨ .

❸ الكامل في التاريخ: ٢/ ٤٧٠ .

❹ تاريخ طبرى: ٦/ ١٣١، ١٣٢ .

❺ الدولة الاموية المفترى عليها، ص: ١٩٦ .

❻ ايضا، ص: ١٩٦ .

❼ العواصم من القواصم، ص: ٢٤٤ .

❽ الكامل في التاريخ: ٢/ ٤٧١ .

بلکہ انہوں نے امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کی رو سے درست کام کیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا انکار کیوں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ تھا [1] اور واقعات اس امر کا اثبات کرتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ زیاد کے اس حق کو کھلے دل سے تسلیم کرتے تھے۔ [2]

بصرہ میں زیاد کا مشہور خطبہ بتراء:

جب ۴۵ھ میں زیاد کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا گیا تو اس نے خطبہ بتراء دیا [3] جس میں اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان نہ کی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے اس کا آغاز حمد باری تعالیٰ سے کرتے ہوئے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کے شکر گزار ہیں اور اس سے مزید نعمتوں کے خواستگار ہیں۔ ہمارے اللہ! جس طرح تو نے ہمیں اپنی نعمتوں سے نوازا ہے اسی طرح ہمیں ان کا شکر ادا کرنے کی بھی توفیق عطا فرما۔ اما بعد! سخت جاہلیت، اندھا دھند گمراہی اور فسق وفجور جو جہنم کو ہمیشہ کے لیے مشتعل کر دیتے ہیں یہ وہ بڑے بڑے جرائم ہیں جن کا تمہارے نالائق لوگ ارتکاب کرتے ہیں اور جن کی لپیٹ میں عقل مند لوگ بھی آ جاتے ہیں۔ جب ان افعال سے بڑے پرہیز نہیں کرتے تو بچے ان سے وہی باتیں سیکھنے لگ جاتے ہیں، تم نے تو گویا آیات ربانی کو سنا ہی نہیں اور کتاب اللہ کو پڑھا ہی نہیں اور تم نے سنا ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اطاعت گزاروں کے لیے کیا اجر وثواب اور اپنے نافرمانوں کے لیے کون سا وردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، کیا تم بھی ان لوگوں کی طرح بن جاؤ گے جن کی آنکھوں میں دنیا کی حرص نے خاک جھونک دی اور جن کے کانوں کو شہوات نے بند کر دیا اور جنھوں نے باقی کو چھوڑ کر فانی کو پسند کر لیا؟ تم دیکھتے نہیں کہ تم نے اسلام میں وہ بدعات جاری کر دیں جن کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی، تم نے خرافات کے دروازے کھلے رہنے دیئے اور کمزور لوگوں کو دن رات لٹنے دیا جن کی تعداد کچھ کم نہیں ہے۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو باغیوں کو دن کی لوٹ مار اور شب گردی سے روک سکتا، تم نے قرابت داروں کا تو بڑا خیال رکھا مگر دین سے دور رہے۔ تمہارے پاس کوئی عذر نہیں مگر معذور بنے پھرتے ہو اور اوباشوں کی پردہ پوشی کرتے ہو۔ تم میں سے ہر شخص اپنے نالائق کا دفاع کرتا ہے اور وہ اس شخص کا سا کردار ادا کرتا ہے جسے نہ کسی عذاب کا ڈر ہو اور نہ قیامت کا اندیشہ، تم نالائق اور احمق لوگوں کے نقش قدم پر چلتے ہو تو پھر خود کیسے لائق اور دانا بن گئے، تم ہمیشہ ان کا دفاع کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اسلام کی حرمت کو پامال کر دیا اور پھر تمہارے پس پشت گوشہ رسوائی میں چھپ گئے، میرے لیے اس وقت تک کھانا پینا حرام ہے جب تک میں ان کی پناہ گاہوں کو نیست ونابود نہ کر دوں اور انہیں جلا کر راکھ نہ بنا ڈالوں، میں دیکھتا ہوں کہ اس امر کا انجام اسی طرح صحیح ہوگا جس طرح اس کا آغاز صحیح ہوا تھا، ایسی نرمی کی جائے گی جس میں کمزوری نہ ہو اور ایسی سختی کی جائے گی جس میں جبر اور زیادتی نہ ہو۔ واللہ! میں غلام کا مؤاخذہ آقا

---

[1] العواصم من القواصم، ص: ۲۵۳.

[2] ادارہ العراق فی صدر الاسلام، رمزیة عبدالوهاب، ص: ٦١.

[3] تاریخ طبری: ٦/ ١٣٤.

سے، مسافر کا مقیم سے، آنے والے کا جانے والے سے اور بیمار کا تندرست سے کروں گا، جب تم میں سے کوئی شخص اپنے دوست سے ملاقات کرے گا تو یہ ضرب المثل اس کی زبان پر ہوگی: ''سعد تو تو بچ جا سعید تو مارا گیا۔'' یا پھر یہ ہوگا کہ تمہارے نیزے میرے لیے سیدھے ہو جائیں گے، منبر پر جھوٹ بولنا دائمی رسوائی کا باعث ہوتا ہے، اگر تمہارے سامنے میرا کوئی جھوٹ ثابت ہو جائے تو تمہارے لیے میری نافرمانی کرنا جائز ہوگا۔ ❶ اگر تم میں سے کسی پر رات کے وقت ڈاکہ پڑے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر آئے گی اور اس کا نقصان میں پورا کروں گا۔ جو ڈاکو گرفتار ہو کر میرے پاس آئے گا میں اس کا خون گرا دوں گا، میں تمہیں اتنی مہلت دیتا ہوں جتنے عرصہ میں کوئی خبر لے کر کوفہ جائے اور پھر واپس آ جائے۔ خبردار! میں کسی سے زمانہ جاہلیت کا دعویٰ نہ سننے پاؤں اگر میں نے کسی سے اس قسم کی کوئی بات سن لی تو میں اس کی زبان کاٹ ڈالوں گا، تم لوگوں نے وہ کام کرنا شروع کر دیے ہیں جو قبل ازیں موجود نہیں تھے اور ہم نے بھی ہر گناہ کی سزا مقرر کر رکھی ہے۔ اگر کوئی کسی کو ڈبوئے گا تو میں اسے ڈبو دوں گا جو کسی کو جلائے گا اسے ہم جلائیں گے، اگر کوئی کسی کے گھر میں نقب لگائے گا تو میں اس کے دل میں سوراخ کر دوں گا۔ جو کسی کے لیے قبر کھودے گا تو میں اسے زندہ درگور کر دوں گا۔ اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو مجھ سے روک کر رکھو میں بھی اپنے ہاتھوں اور ایذا رسانی کو تم سے روک کر رکھوں گا۔ عام رسم و دستور سے ہٹ کر اگر کسی نے کوئی حرکت کی تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

میرے اور کچھ لوگوں کے درمیان عداوت چلی آ رہی ہے مگر اب میں نے اسے اپنے کانوں کے پیچھے اور قدموں کے نیچے ڈال دیا ہے، تم میں جو لوگ نیک ہیں وہ اپنی نیکی میں اضافہ کر دیں اور جو برے اور بدکار ہیں وہ اپنی برائی اور بدکاری سے باز آ جائیں۔ اگر مجھے معلوم ہو گیا کہ کسی شخص کو میری دشمنی نے مار ڈالا ہے تو میں اس کا پردہ چاک نہیں کروں گا یہاں تک کہ وہ اعلانیہ مجھ سے روگردانی نہ کرے، اگر ایسا ہوا تو میں اسے دم نہیں لینے دوں گا۔ اب تم نئی زندگی شروع کرو اور اپنے کاموں میں نئے سرے سے مصروف ہو جاؤ، کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو ہمارے آنے سے رنجیدہ ہوئے مگر وہ عنقریب خوش ہو جائیں گے اور جو خوش ہوئے وہ رنجیدہ ہونے لگیں گے۔ ❷

اے لوگو! ہم لوگ تمہارے سردار ہیں اور تمہارا دفاع کرنا ہماری ذمہ داری ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو حکومت دی ہے ہم اس کے تحت تم پر حکومت کریں گے، اللہ نے ہمیں جو مال غنیمت عطا کیا ہے اس سے ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ ہمارا حق تم پر یہ ہے کہ تم ہماری مرضی کے مطابق ہماری اطاعت کرو اور تمہارا حق ہم پر یہ ہے کہ ہم تم میں عدل کریں۔ تم ہماری خیر خواہی کر کے اپنے آپ کو ہمارے عدل اور مال کا حق دار بناؤ۔ جان لو کہ میں جس قدر بھی کوتاہی کروں تین باتوں میں ہرگز کوتاہی نہیں کروں گا: کوئی ضرورت مند آدھی رات کے وقت بھی میرے پاس آئے میں اس سے روپوش نہیں ہوں گا، کسی کی تنخواہ یا وظیفہ کو وقت پر ادائیگی سے نہیں روکوں گا اور نہ تمہارے لیے کوئی فوج رکھوں گا۔ اپنے حکمرانوں کی اصلاح کے لیے اللہ سے دعا کیا کرو، وہ تمہارے حکمران ہیں اور تمہیں ادب

❶ مرویات خلافة معاویة، ص: ٢٤٠.
❷ تاریخ طبری: ٦/ ١٣٧.

سکھاتے ہیں، وہ تمہاری جائے پناہ ہیں جن کا تم سہارا رکھتے ہو۔ اگر تم صحیح ہو جاؤ گے تو وہ بھی صحیح ہو جائیں گے، اپنے دلوں میں ان سے بغض نہ رکھو اس سے تم ہمیشہ غم و غصہ میں مبتلا رہو گے اور تمہاری کوئی ضرورت بھی پوری نہیں ہوگی، کسی ایسی حاجت کی خواہش نہ کرو کہ اگر اسے پورا کر دیا جائے تو تمہارے لیے ضرر رساں ثابت ہو۔ میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہر ایک کا ہر ایک کے مقابلے میں حامی و ناصر ہو۔ جب دیکھو کہ میں تمہارے لیے کوئی حکم جاری کرنا چاہتا ہوں تو اسے آسانی سے جاری ہونے دینا اور اس کی مزاحمت سے باز رہنا۔ [1]

پھر احنف بولا: امیر! تم نے جو کچھ کہا خوب کہا، مگر آزمائش کے بعد ستائش اور عطاء کے بعد سپاس چاہتے ہیں اور ہم ہرگز تعریف نہیں کریں گے یہاں تک کہ آزمائش کر لیں۔ زیاد نے کہا: تو نے درست کہا۔ [2]

زیاد کا یہ خطبہ تاریخ کے مشہور ترین خطبات میں سے ایک ہے۔ اگرچہ اس خطبہ کو بہت سارے مصادر نے ذکر کیا ہے مگر یہ کسی ایسی صحیح سند کے ساتھ وارد نہیں ہے جس کی بنیاد پر قاری اس کے مضمون سے مطمئن ہو سکے، خصوصاً ایسے حالات میں کہ یہ متعدد اعتراضات اور واضح تناقضات پر مشتمل ہے جس سے اس کی زیاد کی طرف نسبت کی صحت مزید کمزور ہو جاتی ہے۔ ان اعتراضات اور تناقضات کی ڈاکٹر خالد الغیث حفظہ اللہ نے نشان دہی کی ہے۔ [3] مثلاً:

اس خطبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بصرہ میں فسق و فجور کا دور دورہ تھا اور اس میں بداخلاقی کے اڈوں کی بہتات تھی۔ مگر زیاد کی بصرہ آمد پر اس کی حالت کے بارے میں اس کلام منکر کی تردید اس حقیقت سے ہوتی ہے جس پر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے اپنی تاسیس کے دن سے قائم تھا، اور وہ حقیقت یہ تھی کہ اسے ایسے مرکز کی حیثیت حاصل ہوگئی جہاں سے اسلامی فتوحات کے تسلسل کو قائم رکھنے اور مفتوحہ شہروں اور علاقوں میں اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے اسلامی لشکر روانہ ہوا کریں گے۔ اس مقصد کے پیش نظر ایک سو پچاس سے زیادہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بصرہ میں آ کر آباد ہوئے اور دعوت الی اللہ اور لوگوں کو اپنی تعلیم سے آراستہ کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لی، پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ یہ برائیاں اس معاشرے میں عام ہو جائیں جس کی بنیاد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ ہوں اور وہ انہیں روکنے سے قاصر رہیں؟ مزید برآں بصرہ میں خوارج جیسے لوگوں کا وجود جو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی انجام دہی میں بڑی شہرت رکھتے تھے یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ بصرہ کے معاشرہ میں ان برائیوں کا کوئی وجود نہیں تھا جن کا زیاد کے خطبہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ [4]

زیاد کے اس خطبہ میں تضاد کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ ایک طرف تو یہ کہہ رہا ہے کہ ''زمانہ جاہلیت کے دعویٰ سے اجتناب کرنا، جس کسی نے بھی یہ دعویٰ کیا میں اس کی زبان کاٹ دوں گا۔'' [5] جبکہ وہ اسی خطبہ میں کہتا ہے: ''اللہ کی قسم! میں ولی کو ولی کی جگہ پکڑوں گا اور مقیم کو مسافر، آنے والے کو جانے والے اور تندرست کو بیمار کے بدلے دھر لوں گا۔'' [6] اسی خطبہ میں وہ یہ کہتا ہے: ''شب گردی سے بچو میرے پاس ایسے جس شخص کو بھی لایا جائے گا

---

[1] تاریخ طبری: ٦/ ١٣٧۔ [2] ایضًا [3] مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری، ص: ٢٤٤۔
[4] ایضا، ص: ٢٤٤۔ [5] تاریخ طبری: ٦/ ١٣٥۔ [6] ایضا۔

میں اس کا خون بہا دوں گا۔'' ❶ مگر وہ آگے چل کر کہتا ہے: ''میں کسی ضرورت مند سے روپوش نہیں ہوں گا اگرچہ وہ رات کے اندھیرے میں آ کر میرا دروازہ کھٹکھٹائے۔'' ❷ خطبہ میں واردان تناقضات کا زیاد جیسے آدمی سے صدور بڑی انوکھی سی بات ہے، جبکہ اس کی فصاحت و بلاغت کا ہر طرف شہرہ تھا۔

یہ بات ایک دوسرے قضیہ کی طرف بھی ہماری راہنمائی کرتی ہے اور وہ یہ کہ اس امر کا احتمال بھی موجود ہے کہ بصرہ آمد کے موقع پر زیاد کے جس خطبہ کی نص ہمارے سامنے موجود ہے وہ کئی خطبات سے عبارت ہو جنہیں ایک دوسرے میں خلط ملط کر دیا گیا، ہمارے اس موقف کی تائید عبداللہ بن الاہتم اور احنف بن قیس کی طرف سے اس خطبہ کی تعریف سے بھی ہوتی ہے، جبکہ یہ خطبہ تعریف کا نہیں بلکہ تنقید کا مستحق تھا اس لیے کہ اس میں جاہلیت کے حکم کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر مقدم رکھا گیا تھا۔ ❸

شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے جس شخص کو بھی خوبصورت گفتگو کرتے سنا دل سے چاہا کہ وہ خاموش ہو جائے اور یہ اس خوف کے پیش نظر ہوتا کہ اس سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے بجز زیاد کے، وہ جس قدر بھی زیادہ گفتگو کرتا عمدہ گفتگو کرتا، بڑی ہی عمدہ گفتگو کرتا۔ ❹ شعبی کی طرف سے زیاد کی طلاقت لسانی کی یہ تعریف زیاد کے مذکورہ بالا خطبہ بتراء کے بارے میں شکوک و شبہات کو جنم دیتی ہے۔ ❺

ھ: ......**زیاد کا اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمات حاصل کرنا:** زیاد بن سمیہ نے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمات سے فائدہ اٹھایا۔ مثلاً اس نے عمران بن حصین خزاعی کو بصرہ کا قاضی ❻ اور حکم بن عمرو غفاری کو خراسان کا حاکم مقرر کیا، ❼ اس کے دور میں سمرہ بن جندب، انس بن مالک، عبدالرحمٰن بن سمرہ، عبداللہ بن فضالہ لیثی، ❽ عاصم بن فضالہ ❾ اور زرارہ بن اوفی حرشی رضی اللہ عنہم ❿ مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ آخر الذکر کی بہن لبابہ زیاد کے نکاح میں تھی۔ ⓫

و: ......**عراق میں زیاد کی سیاست:** زیاد بن سمیہ، عبداللہ بن عامر اور مغیرہ بن شعبہ کے بعد بصرہ اور کوفہ کا حکمران رہا۔ زیاد نے دولت امویہ کے مشرقی بازو میں بڑی بڑی ضروری اصلاحات کیں، یہ شخص بڑی انتظامی صلاحیتوں کا مالک تھا، ⓬ اس نے پہلے (۴۵-۵۰ھ) کے دوران بصرہ میں متعدد قوانین اور انتظامی فیصلے صادر کیے اور کئی اصلاحات کیں۔ پھر جب (۵۰-۵۳ھ) کے دوران بصرہ اور کوفہ دونوں شہر اس کی ماتحتی میں کر دیئے گئے تو

---

❶ تاریخ طبری: ٦/ ١٣٥. ❷ ایضا: ٦/ ١٣٦.

❸ مرویات خلافة معاویة، ص: ٢٤٦. ❹ المنتظم لابن الجوزی: ٥/ ٢١٢.

❺ مرویات خلافة معاویة، ص: ٢٤٧. ❻ آپ ۴۷ھ میں بصرہ میں فوت ہوئے۔ التقریب، ص: ٤٢٩.

❼ آپ ۵۰ھ میں مرو میں فوت ہوئے، ان سے امام بخاری نے بھی روایات لیں۔ ملاحظہ ہو: التقریب لابن حجر: ١٧٥.

❽ ایضا: ٣١٧. ❾ الاصابة: ٣/ ٥٧٤.

❿ انہوں نے ۹۳ھ میں دوران نماز وفات پائی، التقریب لابن حجر: ٢١٥.

⓫ انساب الاشراف: ٤/ ٣٧٠. ⓬ خلافة معاویة بن ابو سفیان، عقیلی، ص: ٨٦.

اس نے کوفہ میں بھی متعدد اصلاحات کیں، چنانچہ اس نے بصرہ اور دار الرزق ❶ قائم کیا جس سے اہالیان شہر استفادہ کیا کرتے تھے۔ اس کی نگرانی کے لیے اس نے جن اشخاص کا تعین کیا ان میں عبداللہ بن حارث بن نوفل اور رواد بن ابوبکرہ کا نام بھی آتا ہے۔ اس نے غذائی اشیاء کی قیمتوں کی نگرانی کرنے کے لیے جعد بن قیس نمری کا تقرر کیا۔ ❷ اگر کبھی اشیاء صرف کی قیمتیں بڑھ جاتیں تو ان پر کنٹرول کے لیے تاجر حضرات کو قرض فراہم کیا کرتا، پھر جب اشیائے ضروریہ وافر مقدار میں میسر ہوتیں اور ان کی قیمتیں بھی مستحکم ہو جاتیں تو قرض دی گئی رقوم واپس لے لی جاتیں۔ ❸ زیاد نے بصرہ اور کوفہ میں لوگوں کو مختلف اقسام میں تقسیم کر کے ان میں سے ہر قسم کے لوگوں پر نگران مقرر کر رکھے تھے جو اپنے اپنے خاندان کے لوگوں میں سرکاری عطیات تقسیم کرنے کی ذمہ داری ادا کرتے۔ مزید برآں ان کے علاقے میں جو بھی نیا واقعہ ہوتا یا کوئی نئی صورت حال پیدا ہوتی وہ اس کی تفصیل سے زیاد کو آگاہ کرتے۔ اس طرح زیاد ان دونوں شہروں میں ان کے شہریوں کی مدد سے امن قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ زیاد نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ کوفہ اور بصرہ سے کوئی بھی شخص عشاء کی نماز کے بعد باہر نہیں نکلے گا۔ اس نے چوروں اور ڈاکوؤں پر شرعی سزائیں نافذ کیں جس سے ہر طرف امن و سلامتی کا اس حد تک دور دورہ ہو گیا کہ عورتیں گھروں کے دروازے کھلے چھوڑ کر سو رہتیں اور اگر کسی کی کوئی چیز زمین پر گر جاتی تو اسے کسی کو ہاتھ تک لگانے کی جرأت نہ ہوتی۔ ❹

زیاد نے عطیات کو منظم کرنے کے لیے رجسٹر سے فوت شدگان، علاقہ سے غائب اور تخریب کار عناصر کے نام حذف کروا دیئے تھے۔ ماہِ شعبان کی آمد کے ساتھ ہی جنگجوؤں کے وظائف سے ان کے گھروں کو میٹھی اور نمکین غذائی اشیاء سے بھر دیا جاتا۔ جن کے ساتھ وہ رمضان المبارک کا استقبال کرتے، ماہ ذوالحجہ میں بھی ایسا ہی کیا جاتا۔ ❺ بلاذری اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ہر خاندان کو دو جریب غلہ اور ایک سو درہم ادا کیے جاتے، افطار کے لیے پچاس درہم اور قربانی کے اخراجات کے لیے بھی پچاس درہم کا تعاون کیا جاتا۔ ❻ زیاد نے اہل بصرہ سے تقریباً پانچ سو ایسے افراد کا انتخاب کیا جو اس کی ذاتی حفاظت پر مامور تھے نیز اہم مقامات کے حفاظتی انتظامات کرنا بھی ان کی ذمہ داری تھی۔ اس کے لیے ان میں سے ہر شخص کو تین سو سے لے کر پانچ سو درہم کے درمیان معاوضہ ادا کیا جاتا۔ ان کی قیادت شیبان بن عبداللہ سعدی کے ہاتھ میں تھی، اور یہ لوگ ہمیشہ مسجد میں موجود رہتے تھے۔ ❼

زیاد نے اپنے دور میں متعدد مساجد تعمیر کروائیں، جن میں سے مسجد بنی عدی، مسجد بنو مجاشع اور مسجد الاساورہ

---

❶ انساب الاشراف: ٤/ ٣١٤۔ خلافة معاوية: ص: ٨٧.

❷ خلافة معاوية، ص: ٨٧. ❸ انساب الاشراف: ٤/ ٢٣٧.

❹ تاريخ طبرى نقلا عن خلافة معاوية، ص: ٨٨.

❺ انساب الاشراف: ٤/ ٢١٩.

❻ خلافة معاوية، ص: ٨٨ نقلا عن انساب الاشراف: ٤/ ٢٢١.

❼ ايضا، ص: ٨٩۔ انساب الاشراف: ٤/ ٢٢١.

قابل ذکر ہیں۔ زیاد کی طرف سے ایک مسجد کے قریب کوئی دوسری مسجد تعمیر کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ مسجد بنو عدی زیاد کے قریب ترین واقع تھی۔ ❶ ابن فقیہ ذکر کرتے ہیں: زیاد نے سات مسجدیں تعمیر کروائیں مگر ان میں سے کوئی ایک بھی اس کے نام سے موسوم نہیں تھی، زیاد کی تعمیر کردہ ہر مسجد کا صحن گول ہوتا تھا۔ ❷ اس نے بصرہ کی مسجد میں بہت زیادہ توسیع کی اور اسے اینٹوں اور چونے سے تعمیر کیا، اس پر ساج کی چھت ڈالی اور اس کے مینار پتھر سے بنوائے۔ ❸ زیاد شہر کی صفائی ستھرائی کا بڑا اہتمام کرتا، گھروں کی صفائی کی ذمہ داری افراد خانہ پر عائد کی جاتی اور اس میں کوتاہی کرنے والوں کو سزا دی جاتی، بارش کے بعد گھر کا سربراہ گھر کے سامنے سے مٹی کیچڑ اٹھانے کا ذمہ دار تھا اور اگر کوئی ایسا نہ کرتا تو وہ کیچڑ وغیرہ اس کے گھر کے اندر پھینک دیا جاتا، اسی طرح لوگ اپنی گلیوں اور بازاروں کو بھی صاف کرنے اور انہیں صاف رکھنے کے ذمہ دار تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ خرید کردہ غلاموں کی اس کام کی انجام دہی پر ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔ ❹ یہ روایت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ملازمین صفائی ستھرائی کے کام کی نگرانی کے لیے مامور تھے اور یہ کہ زیاد کو راستوں کی صفائی کا گہرا احساس تھا، لہٰذا اس نے اس مقصد کے لیے کچھ غلام خریدے جن کی ذمہ داری گلیوں اور بازاروں کی صفائی کو یقینی بنانا تھا۔ ❺ زیاد کو زرعی ترقی میں خصوصی دلچسپی تھی اس مقصد کے لیے اس نے کئی ڈیم تعمیر کروائے اور نہریں کھدوائیں۔ ❻ زرعی پیداوار بڑھانے اور زمینوں کو قابل کاشت بنانے کے لیے مزارعین کو دو سال کے لیے ساٹھ ساٹھ جریب زرعی زمین دیتا اگر اس دوران وہ اسے آباد کر لیتا تو زمین کا مالک بن جاتا اور اگر وہ اس میں ناکام رہتا تو زمین اس سے واپس لے کر کسی اور کو دے دی جاتی۔ ❼ زیاد نے دریائے فرات کے دونوں کناروں میں رابطہ کے لیے کوفہ کے پل کو نئے سرے سے اور مضبوط بنیادوں پر تعمیر کروایا جبکہ قبل ازیں اسے لکڑی سے تعمیر کیا گیا تھا جس کے گرنے کا خطرہ ہر وقت سر پر منڈلاتا رہتا تھا۔ نئی تعمیر کے بعد وہ جسر الکوفہ کے نام سے مشہور ہوا۔ ❽ جہاں تک صوبے کے بیت المال میں تصرف کا تعلق ہے تو بلاذری اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ زیاد کو صرف بصرہ سے ساٹھ لاکھ درہم وصول ہوتے جس سے جنگجوؤں کو چھتیس لاکھ درہم ادا کیے جاتے۔ سولہ لاکھ ان کے بچوں میں تقسیم کر دیے جاتے، دو لاکھ حکمران کے اخراجات کی مد میں چلے جاتے، چار لاکھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیے جاتے اور دو لاکھ ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لیے رکھ لیے جاتے۔ کوفہ سے چالیس لاکھ درہم وصول ہوتے جن میں سے تین چوتھائی معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام بھجوا دیے جاتے، جب زیاد بن ابوسفیان کے بعد اس کا بیٹا عبیداللہ عراق کا والی بنا تو اس نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو چھ ہزار درہم بھیجے تو وہ کہنے لگے: یا اللہ! میرے بھتیجے سے راضی ہو جا۔ ❾

---

❶ مختصر كتاب البلدان، ص: ۱۹۱. ❷ الادارة فى العصر الاموى، ص: ۱٦۰.

❸ فتوح البلدان، ص: ۳٤٦-۳٤۷۔ خلافة معاوية، ص: ۸۹.

❹ انساب الاشراف: ٤/ ۲۰٦۔ الادارة فى العصر الاموى، ص: ۲۱٤.

❺ ايضا، ص: ۲۱٤. ❻ خلافة معاوية، عقيلى، ص: ۸۹.

❼ فتوح البلدان، ص: ۳٥٦، ۳٦۲، ۳٦۳، ۳٦۹.

❽ خلافة معاوية، ص: ۹۰. ❾ انساب الاشراف: ٤/ ۲۱۸-۲۱۹.

۴۔ **سمرہ بن جندب** رضی اللہ عنہ:...... جعفر بن سلیمان ضبعی سے مروی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کی وفات کے چھ ماہ بعد تک سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا والی بنائے رکھا اور پھر انہیں معزول کر دیا، لوگوں نے ان پر یہ جھوٹا الزام لگایا کہ انہوں نے کہا ہے: اللہ معاویہ پر لعنت کرے۔ واللہ! اگر میں اللہ تعالیٰ کی اس طرح اطاعت کرتا جس طرح معاویہ رضی اللہ عنہ کی کرتا رہا تو اللہ مجھے کبھی عذاب نہ دیتا۔ [1] مگر حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ خبر کہ انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالی دی تھی اس صحابی جلیل کے بارے میں محض کذب بیانی ہے۔ اس بارے ابن کثیر فرماتے ہیں: ان کی طرف منسوب یہ بات درست نہیں ہے۔ [2] نیز اس خبر کے راوی جعفر بن سلیمان ضبعی کے بارے میں ابن حجر رقمطراز ہیں: وہ زاہد و صادق ہے مگر وہ تشیع کی طرف مائل تھا، [3] اسلامی تاریخ کا چہرہ داغ دار کرنے میں تشیع کا اثر کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ [4]

۵۔ **عبداللہ بن عمرو بن غیلان ثقفی**:...... طبری رقمطراز ہیں: اس سال (۵۴ھ) معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو بصرہ کی ولایت سے معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن غیلان کو اس کا عامل مقرر کر دیا۔ [5]

۶۔ **عبیداللہ بن زیاد**:...... طبری فرماتے ہیں: اسی سال (۵۴ھ) معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ بن زیاد کو والی خراسان مقرر کیا۔ [6] پھر ۵۵ھ میں انہوں نے عمرو بن غیلان کو بھی بصرہ سے معزول کر کے اس کا والی ابن زیاد کو بنا دیا، [7] اور اس سے فرمایا: تمہارے لیے بھی میرے وہی احکام ہیں جو دوسرے عہدے داروں کے لیے ہیں، اس کے علاوہ تیری میرے ساتھ قرابت کی وجہ سے میں تجھے خصوصی تلقین کرتا ہوں کہ تھوڑوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے زیادہ کو نہ چھوڑنا، اور اپنا محاسبہ خود آپ کرنا، تیرے اور تیرے دشمن کے درمیان جو بھی معاملہ ہو اس میں ایفائے عہد کا خیال رکھنا اس سے تجھ پر بھی اور پھر ہم پر بھی بوجھ کم پڑے گا اور لوگوں کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھنا اس سے تمہیں ان کے حالات سے آگاہی رہے گی۔ جان لو کہ تم اور وہ برابر ہیں۔ جس کام کا بھی ارادہ ہوا سے لوگوں کے سامنے پیش کرنا مگر کسی طمع خور کا اس میں کوئی کردار نہ ہو اور جب اس ارادہ پر عمل کرنا ممکن ہو تو پھر کوئی شخص تیری رائے کو رد نہ کرنے پائے، اگر جنگ میں تیرے دشمن زمین کے ظاہر پر تجھ پر غالب آ جائیں تو وہ زمین کے اندر تجھ پر غالب نہیں آ سکتے، اگر کبھی تیرے رفقاء پر ایسا وقت آن پڑے کہ تجھے اپنی جان سے ان کی مدد کرنا پڑے تو ایسا ضرور کرنا۔ [8] دوسری روایت میں ہے اللہ سے ڈرتے رہنا اور اس پر کسی چیز کو ترجیح نہ دینا اس لیے کہ تقویٰ میں اجر و ثواب ہے، اپنی عزت و آبرو کو

---

[1] مرویات معاویة فی تاریخ الطبری، ص: ۲۶۱.
[2] البدایة و النهایة، نقلا عن مرویات معاویة، ص: ۲۶۲.
[3] تقریب التهذیب، ص: ۱۴۰.
[4] مرویات خلافة معاویة، ص: ۲۶۲.
[5] تاریخ الطبری: ۶/ ۲۱۲.
[6] ایضا: ۶/ ۲۱۲.
[7] ایضا: ۶/ ۲۱۷.
[8] تاریخ طبری: ۶/ ۲۱۳.

داغ دار نہ ہونے دینا اور عہد کو پورا کرنا جب تک کسی کام کا عزم مصمم نہ کر لو اسے کسی پر ظاہر نہ کرنا اور جب اسے ظاہر کر دو تو اسے روکنے کی کسی کو جرأت نہ ہو، جب دشمن سے جنگ چھڑ جائے تو زیادہ سے زیادہ لوگ تیرے ساتھ ہونے چاہئیں اور مال غنیمت کی تقسیم قرآنی احکام کے مطابق کرنا، کسی کو وہ لالچ نہ دینا جس کا وہ حق دار نہ ہو اور جس کا حق ہو اسے مایوس نہ کرنا۔ آپ نے یہ نصیحتیں کرنے کے بعد اسے الوداع کہا۔ ❶

ثانیاً:......کوفہ (۴۱ھ)

ا۔ **مغیرہ بن شعبہ** رضی اللہ عنہ:......مغیرہ بن شعبہ کی کنیت ابوعیسیٰ یا ابوعبداللہ یا پھر ابومحمد ہے، آپ کا شمار کبار صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے۔ آپ بڑے دلیر اور مدبر انسان تھے۔ آپ بیعت رضوان میں شامل تھے۔ مغیرہ بن شعبہ دراز قد اور بارعب شخصیت کے مالک تھے، ان کی ایک آنکھ جنگ یرموک کے دن ضائع ہو گئی تھی۔ دوسری روایت کی رو سے ایسا جنگ قادسیہ کے دن ہوا۔ ❷ آپ فرمایا کرتے تھے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی قبر مبارک میں دفن کیا گیا تو میں اس سے باہر آنے والا آخری شخص تھا، میں نے اپنی انگوٹھی آپ کی قبر مبارک میں پھینک دی اور پھر علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ابوالحسن! میری انگوٹھی۔ انہوں نے فرمایا: نیچے اتر کر پکڑ لیں۔ میں نیچے اترا، آپ کے کفن پر ہاتھ پھیرا اور پھر باہر نکل آیا۔ ❸ حیلہ وتدبیر اور ہوشیاری و چالاکی کے حوالے سے ان کے ساتھ پیش آمدہ کئی واقعات بڑی شہرت کے حامل ہیں، مثلاً زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بحرین کا عامل مقرر فرمایا تو انہوں نے انہیں ناپسند کیا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر دیا مگر انہیں یہ خوف لاحق تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ انہیں دوبارہ ادھر بھیج دیں گے۔ ان کا رئیس کہنے لگا: اگر تم میرے حکم پر عمل کرو گے تو عمر رضی اللہ عنہ انہیں واپس نہیں بھیجیں گے۔ انہوں نے کہا: تو حکم کر، تیرے حکم کی تعمیل ہو گی، اس نے کہا: تم ایک لاکھ جمع کرو میں یہ رقم لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤں گا اور ان سے کہوں گا کہ مغیرہ نے یہ رقم ناجائز طور سے حاصل کی اور پھر میرے حوالے کر دی۔ انہوں نے ایک لاکھ کی رقم جمع کر کے اسے دی اور وہ اسے لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جا پہنچا اور انہیں طے شدہ کہانی سنا دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مغیرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے اس بارے جواب طلبی کی۔ اس پر مغیرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ تمہاری اصلاح فرمائے یہ شخص کذب بیانی سے کام لے رہا ہے، یہ رقم ایک نہیں بلکہ دو لاکھ تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم نے یہ کام کیوں کیا؟ انہوں نے کہا: اہل وعیال اور ضرورت کی وجہ سے۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے اس دیہاتی سردار سے فرمایا: اس بارے تو کیا کہنا چاہے گا؟ وہ گویا ہوا: نہیں، اللہ کی قسم! میں تمہارے سامنے سچ بولوں گا۔ انہوں نے مجھے کم دیئے اور نہ زیادہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مغیرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم کیا چاہتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: اس خبیث نے میرے بارے میں جھوٹ بولا، میں نے چاہا کہ

❶ تاریخ طبری: ٦/ ٢١٤.
❷ سیر اعلام النبلاء: ٣/ ٢١.
❸ ایضا: ٣/ ٢٦.

اسے ذلیل کر دوں۔ ❶ شعبی کہتے ہیں: میں نے قبیصہ بن جابر سے سنا، وہ فرما رہے تھے: میں نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی رفاقت کی، اگر کسی شہر کے آٹھ دروازے ہوں اور کسی دروازے سے بھی تدبیر کے بغیر نکلنا ممکن نہ ہو تو مغیرہ ان تمام دوازوں سے باہر نکل جائیں گے۔ ❷ شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیاسی طور پر ہوشیار یہ چار آدمی ہیں: معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور زیاد بن ابیہ۔ ❸ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تعدد ازدواج کے حامی تھے، وہ کہا کرتے تھے: ایک عورت کا خاوند اس کے ساتھ حیض میں مبتلا ہوتا اور اس کے ساتھ ہی بیمار ہوتا ہے جبکہ دو عوروں کا خاوند دو بھڑ کنے والی آگ کے درمیان ہوتا ہے۔ ❹ وہ تین یا چار عورتوں کے ساتھ شادی کے لیے کہا کرتے تھے۔

۲۔ **کوفہ پر زیاد بن ابیہ کی ولایت** :......زیاد ۵۰ھ تک بصرہ کا والی رہا، جب کوفہ کے امیر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کی ولایت بھی سنبھالنے کا حکم دیا، زیاد پہلا شخص تھا جس کو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ اور بصرہ کی ولایت عطا فرمائی۔ زیاد نے بصرہ پر سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین کو مقرر کیا اور خود کوفہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ زیاد چھ ماہ کوفہ میں اور چھ ماہ بصرہ میں قیام کیا کرتا تھا۔ ❺

امام ذہبی زیاد کے بارے میں رقمطراز ہیں:...... زیاد کا شمار عقل وفکر، ذہانت و فطانت، حزم و احتیاط اور چالاکی و ہوشیاری میں معزز اور شرفا لوگوں میں ہوتا تھا، وہ عز و شرف اور سرداری میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتا تھا۔ زیاد بڑا بلیغ کاتب تھا، اس نے مغیرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے کتابت کی اور بصرہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نائب رہا۔ ❻

شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے زیاد سے بڑا کوئی خطیب نہیں دیکھا۔ ❼

ابن حزم فرماتے ہیں: زیاد کا کوئی حسب ونسب نہیں تھا مگر تھا بڑا مضبوط۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اس کی خاطر و مدارات کے ذریعے ہی اسے رام کر سکے تھے، انہوں نے اسے راضی کرنے کے بعد ہی والی مقرر فرمایا۔ ❽

ابوشعثاء کا قول ہے: زیاد اپنے مخالفین کے لیے حجاج بن یوسف سے بڑھ کر زبان دراز تھا۔ ❾ جب اس نے عراق پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تو اس نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا: میں نے اپنے بائیں ہاتھ سے عراق کو آپ کے تابع کر دیا ہے، جبکہ میرا دایاں ہاتھ فارغ ہے اسے حجاز میں مصروف کر دیں...... جب یہ خبر اہل حجاز کو ملی تو ان میں سے کچھ لوگ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور ان کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ

❶ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲۶.
❷ ایضا: ۳/ ۳۰.
❸ البدایة و النهایة: ۱۱/ ۲۲.
❹ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۳۱.
❺ تاریخ طبری: ٦/ ۱۵۰.
❻ ایضا: ٦/ ۱۵۰.
❼ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ٤۹۵.
❽ ایضا: ۳/ ٤۹٦.
❾ ایضا: ۳/ ٤۹٦.

سے اس کے لیے بددعا کرتا ہوں وہ اس کی طرف سے تمہارے لیے کافی ہو جائے گا۔ پھر انہوں نے قبلہ رخ ہو کر اللہ سے دعا کی جس کی وجہ سے اس کی دو انگلیاں طاعون زدہ ہو گئیں۔ اس نے قاضی شریح [1] سے کہا: جو کچھ میرے ساتھ ہوا اسے تم دیکھ ہی رہے ہو، میں نے تو انہیں کاٹنے کا حکم دیا ہے، مجھے اس بارے میں کوئی مشورہ دیں۔ شریح نے کہا: میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ زخم تیرے ہاتھ پر ہو، تکلیف تیرے دل میں اور موت قریب آ چکی ہو اور تو اللہ سے کٹے ہاتھ کے ساتھ ملاقات کرے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے ابھی تیری موت میں تاخیر ہو اور تیرا ہاتھ کاٹ دیا جائے اور اس طرح تو کٹے ہاتھ کے ساتھ زندگی گزارے اور اپنی اولاد کو عار دلائے اور اس ڈر سے تم اسے قطع نہ کرو۔ جب قاضی شریح باہر آئے تو لوگوں نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے انہیں بتایا کہ میں نے اسے یہ اشارہ دیا ہے۔ اس پر لوگ انہیں ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے: تم نے اسے ہاتھ قطع کروانے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہو جاتا ہے۔" [2] زیاد ۵۳ھ کو فوت ہوا۔ [3]

۳۔ **عبداللہ بن خالد بن اسید کی ولایت** :......عبداللہ بن خالد بن اسید بن ابوالعیص، زیاد کی طرف سے فارس کا والی بنا، [4] پھر زیاد نے اپنی وفات کے وقت اسے کوفہ پر اپنا جانشین مقرر کیا تھا، زیاد کی نماز جنازہ اس نے ہی پڑھائی تھی۔

۴۔ **ضحاک بن قیس فہری کی ولایت** :......۵۵ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن خالد بن اسید کو کوفہ کی ولایت سے معزول کر کے ان کی جگہ ضحاک بن قیس فہری کو اس کا والی مقرر فرمایا۔ [5]

۵۔ **عبدالرحمن بن عبداللہ ثقفی کی ولایت** (۵۸ھ):......۵۸ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبداللہ بن عثمان بن ربیعہ ثقفی کو کوفہ کا والی مقرر فرمایا۔ یہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن ام الحکم کے بیٹے تھے اور ضحاک بن قیس کو اس سے معزول کر دیا، [6] بعد ازاں انہوں نے عبدالرحمٰن کو کوفہ کی ولایت سے معزول کر دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے کسی ذمی کو قتل کر دیا تھا۔ مسند احمد بن حنبل میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ اس کی معزولی کی وجہ ابن صلوبا کو قتل کرنا تھا۔ [7]

۶۔ **نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی ولایت** (۵۹-۶۰ھ):......۵۹ھ میں عبدالرحمٰن بن ام حکم کو کوفہ سے معزول کر کے اس کی جگہ نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ کو اس کا عامل مقرر کر دیا گیا۔ [8] یہ تھے عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں کوفہ کے ولاۃ و امراء۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۴۹۶۔
[2] صحیح الادب المفرد از البانی: ۱۱۳۔
[3] تاریخ طبری: ۶/ ۲۰۶۔
[4] نسب قریش از زبیری، ص: ۱۸۷۔
[5] تاریخ طبری: ۶/ ۲۱۸۔
[6] ایضا: ۶/ ۲۲۶۔
[7] التاریخ الکبیر للبخاری: ۶/ ۵۳۳۔ العلل و معرفۃ الرجال: ۲/ ۲۴-۲۵۔ مرویات خلافۃ معاویۃ فی تاریخ الطبری، ص: ۲۲۷۔
[8] تاریخ طبری: ۶/ ۲۲۳۔

ثالثاً:...... مدینہ نبویہ

دولت امویہ میں مدینہ منورہ کو اپنے روحانی اور دینی اثر ونفوذ کی وجہ سے اہم ترین صوبہ ہونے کی حیثیت حاصل تھی۔ اس کی وجہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی اولاد کا اس جگہ وجود مسعود تھا، ان کا تعلق انصار کے ساتھ ہو یا مہاجرین کے ساتھ، اہل مدینہ کی طرف سے کسی خلیفہ کی عدم بیعت کی وجہ سے اس کے لیے بیعت کا انعقاد ممکن ہی نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے کہ اس میں متعدد اہل حل وعقد تشریف فرما تھے لوگ جن کے نقش قدم پر چلتے اوران کی رائے پر عمل کیا کرتے تھے۔ [1] مدینہ منورہ ۴۱ھ میں عام الجماعۃ کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کی سلطانی میں داخل ہوا، وہ بیعت لینے کے بعد سے ہی اس کی زیارت کے متمنی تھے، جب وہ مدینۃ الرسول کے قریب پہنچے تو قریش کے سرکردہ لوگوں نے ان کا استقبال کرتے ہوئے کہا: ہم اس اللہ کے شکر گزار ہیں جس نے تمہاری بھرپور مدد کی اور تمہیں سربلندی سے نوازا، مگر انہوں نے شہر میں داخل ہونے تک اس کا کوئی جواب نہ دیا، آپ مسجد نبوی میں آئے اور منبر پر کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا: میں نے اپنی جان کو ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ کا سا کردار ادا کرنے کے لیے آمادہ کرنا چاہا مگر یہ اس کے لیے ممکن نہ تھا، پھر میں نے اسے ابن خطاب رضی اللہ عنہ کا سا کردار کرنے کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کی مگر یہ بھی اس کے بس کا روگ نہیں تھا، پھر میں نے اسے عثمان رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنے کے لیے آمادہ کرنا چاہا مگر اس نے اس سے بھی انکار کردیا۔ کہاں ہم اور کہاں وہ، اوران جیسے اعمال کی قدرت بھی کون رکھتا ہے، ناممکن ہے کہ ان کے بعد آنے والا کوئی شخص بھی ان جیسا فضل وشرف حاصل کرسکے، ہاں میں نے ایک ایسا راستہ اختیار کیا ہے جس میں میری بھی منفعت ہے اور تمہاری بھی، اس میں تمہارے لیے خور ونوش کے اچھے سامان کا انتظام ہے، بشرطیکہ سیرت وکردار درست اور اطاعت گزاری اچھی رہے۔ اگر تم مجھے اپنے سے بہتر نہیں پاؤ گے تو میں تمہارے لیے بہتر ضرور ہوں۔ اللہ کی قسم! میں اس شخص کے خلاف تلوار نہیں اٹھاؤں گا جس کے ہاتھ میں تلوار نہیں۔ قبل ازیں جو کچھ بھی ہوا میں اسے پس پشت ڈالتا ہوں، اگر تم سمجھو کہ میں تمہارے تمام حقوق کی ادائیگی نہیں کر رہا تو ان میں سے بعض کی ادائیگی پر راضی رہنا، فتنہ گری سے اجتناب کرنا اور اس کا ارادہ بھی نہ کرنا، اس لیے کہ فتنہ معیشت کو تباہ کرتا اور نعمت کو مکدر بناتا ہے۔ [2]

اس خطبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اہل مدینہ کی محبت حاصل کرنے اور ان کے ساتھ کیے گئے عہد وپیمان کو نبھانے کے کس قدر حریص تھے بشرطیکہ وہ ان سے بیعت کی پاس داری کریں۔ [3] معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے کے بعد مدینہ منورہ پرسکون ہوگیا۔ عام اہالیان مدینہ اپنے اپنے کام میں لگ گئے اور اہل علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کردہ علم کی تعلیم واشاعت میں مصروف ہوگئے، پھر انہوں نے سرکردہ لوگوں کو اپنے ساتھ وابستہ رکھنے کے لیے ان پر نوازشات کی بارش کردی۔ [4]

---

[1] التاریخ الاسلامی، العهد الاموی، محمود شاکر، ص: ۹۰۔ [2] البدایة و النهایة: ۱۱/ ۴۳۲.

[3] المدینة فی العصر الاموی، محمد شراب، ص: ۷۰. [4] ایضا، ص: ۷۱.

معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیارت مدینہ کے دوران اہل مدینہ سے جو وعدہ کیا وہ اسے ایفا کرتے رہے، ان کی سیاست ترہیب سے زیادہ ترغیب پر مبنی تھی، وہ مدینہ منورہ کے رجال کار کا ازحد اکرام و احترام کیا کرتے تھے جس کسی نے بھی ان سے جو بھی مطالبہ کیا انہوں نے اسے خالی ہاتھ نہیں لوٹایا، وہ مدینہ منورہ کے سرکردہ لوگوں کو عطیات سے نوازتے، انہیں جس قدر زیادہ عطیات ملتے وہ اسی کثرت سے انہیں اہل مدینہ میں تقسیم کر دیتے۔ [1] مروی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے اٹھارہ ہزار دینار ادا کیے نیز ان کا وہ قرضہ بھی ادا کیا جسے وہ حاصل کرنے کے بعد لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتی تھیں۔ [2] ایک دفعہ انہوں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم پیش کیے جنہیں انہوں نے اسی دن ہی تقسیم کر دیا اور ان میں سے ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھا۔ اس پر ان کی خادمہ کہنے لگی: کاش آپ ہمارے لیے ایک درہم کا گوشت خرید لیتیں؟ انہوں نے فرمایا: مجھے پہلے کیوں نہ یاد کرایا۔ [3]

مدینہ منورہ کے گورنر

۱۔ مروان بن حکم (۴۲-۴۹ھ):......۴۲ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان بن حکم کو مدینہ منورہ کی ولایت عطا کی، مروان کی معزولی کے وقت عبداللہ بن حارث بن نوفل مدینہ کے قاضی تھے۔ [4]

۱۔ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ (۴۹-۵۴ھ):...... ماہ ربیع الاوّل ۴۹ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان بن حکم کو معزول کر کے اس کی جگہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ کا والی مقرر کر دیا۔ یہ ربیع الثانی کی بات ہے، دوسری روایت کی رو سے یہ ربیع الاوّل کا واقعہ ہے۔ [5]

۳۔ مروان بن حکم کی دوسری ولایت (۵۴-۵۷ھ):......۵۴ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص کو مدینہ منورہ کی ولایت سے ہٹا کر اس کی جگہ دوبارہ مروان بن الحکم کو مدینہ منورہ کا عامل مقرر کر دیا۔ [6]

۴۔ ولید بن عتبہ بن ابوسفیان:...... ۵۷ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان کو ہٹا کر اس کی جگہ ولید بن عتبہ بن ابوسفیان [7] کو مدینہ منورہ کا عامل مقرر کیا۔ [8]

مدینہ منورہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات (۵۸ یا ۵۹ھ):

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں فوت ہوئے چونکہ انہیں اعدائے سنت نبویہ کی طرف سے اس کی خدمت کی وجہ سے زبردست تنقید کا سامنا کرنا پڑا، لہٰذا میں نے مناسب سمجھا کہ اس جگہ ان کے حالات زندگی بیان کرنے کے بعد ان کے بارے میں پھیلائے گئے شکوک و شبہات کا ذکر کروں اور پھر ان کے بطلان و زیف کو

[1] المدينة فى العصر الاموى، ص: ۷۳.
[2] سير اعلام النبلاء: ۳/ ۱۵٤.
[3] تذكرة الحفاظ، ترجمة: ۱۳ـ سير اعلام النبلاء: ۳/ ۱۵٤.
[4] تاريخ طبرى: ٦/ ۸۷.
[5] ايضا: ٦/ ۱٤۸
[6] تاريخ طبرى: ٦/ ۲۱۰.
[7] ايضا: ٦/ ۲۲۵.
[8] ايضا.

واضح کروں۔

ا: ان کا تعارف:...... آپ کا نام عبدالرحمٰن بن صخر دوسی یمانی ہے، زمانہ جاہلیت میں ان کا نام عبدشمس تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی اس کنیت کے ساتھ اس قدر مشہور ہوئے کہ یہ ان کے نام پر غالب آ گئی۔ جب ان سے اس کنیت کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا: مجھے ایک بلی ملی تو میں نے اسے اپنی آستین میں اٹھا لیا جس پر مجھے ابو ہریرہ کہا جانے لگا۔ آپ بچپن میں اپنے گھر والوں کی بکریاں چرایا کرتے اور اپنی بلی کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: مجھے ابو ہریرہ کی کنیت سے نہ پکارا کرو نبی کریم ﷺ نے میری کنیت ابو ہر رکھی تھی۔ مذکر مونث سے افضل ہوا کرتا ہے۔ [1]

ب: قبول اسلام:...... ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ ھ میں فتح خیبر کے موقع پر یمن سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے، قبل ازیں آپ یمن میں طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر چکے تھے، آپ مدینہ منورہ پہنچے تو صبح کی نماز سباع بن عرفطہ کی امامت میں ادا کی۔ جنہیں نبی کریم ﷺ نے غزوہ خیبر کے دوران اپنی عدم موجودگی میں مدینہ منورہ پر اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا۔ [2] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تادم واپسیں نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے، اپنے آپ کو نبی ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھا اور آپ سے اکتساب علم کیا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ آتے جاتے، حتیٰ کہ آپ کے ساتھ آپ کے گھر بھی چلے جاتے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حج اور غزوات میں آپ ﷺ کے شریک سفر اور سفر وحضر میں شب وروز آپ کے رفیق رہے، یہاں تک کہ معلم کائنات ﷺ سے بہت زیادہ مقدار میں علم نبوت حاصل کیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو چار سال تک نبی کریم ﷺ کے ساتھ صحبت ورفاقت کا شرف حاصل ہوا، انہوں نے صفہ کو اپنی رہائش گاہ بنایا اور عسرت کی حالت میں آپ ﷺ کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے، نبی کریم ﷺ نے انہیں اصحاب صفہ کا عریف (مانیٹر) مقرر فرما رکھا تھا اور وہ ان سے اور ان کے مراتب سے بخوبی آگاہ تھے۔ [3]

ج: اپنی ماں کو دعوت اسلام:...... ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اپنی مشرکہ والدہ کو اسلام کی دعوت دیا کرتا تھا، جب میں نے ایک دن اسے یہ دعوت دی تو اس نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں غیر پسندیدہ باتیں سنائیں۔ میں روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیا کرتا تھا مگر وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا کرتی تھی، پھر جب آج میں نے اسے اسلام کی دعوت دی تو اس نے مجھے آپ کے بارے میں غیر پسندیدہ باتیں سنا دیں۔ اللہ سے دعا کیجیے کہ وہ ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت عطا فرما دے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میرے اللہ! ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت عطا فرما۔'' میں آپ کی زبان مبارک سے یہ دعا سن کر خوشی خوشی واپس آیا، جب گھر کے دروازے پر

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۲/ ٤٢٤ . [2] ایضا: ۲/ ٤٢٠ .

[3] حلیة الاولیاء: ۱/ ۳۷٦ـ السنة قبل التدوین، محمد عجاج الخطیب، ص: ٤١٢ .

پہنچا تو اسے اندر سے بند پایا، جب میری ماں نے میرے قدموں کی آہٹ سنی تو کہنے لگی: ابوہریرہ! ادھر ہی ٹھہرو، اس دوران میں نے پانی کے حرکت کرنے کی آواز سنی۔ ابوہریرہ کہتے ہیں: میری ماں نے غسل کیا اور جلدی جلدی کپڑے پہن کر دروازہ کھولا اور کہنے لگی: اشھد ان لا إلہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ ۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آیا تو خوشی سے رو رہا تھا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! خوش ہو جائیں اللہ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت عطا فرما دی ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور کلمات خیر ادا کیے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ اپنے مومن بندوں کے دلوں میں میری اور میری ماں کی اور ہمارے دلوں میں ان کی محبت پیدا فرما دے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے یہ دعا فرما دی۔ آپ کی اسی دعا کا نتیجہ ہے کہ جو بندہ مومن بھی میرے بارے میں سنتا یا مجھے دیکھتا ہے مجھ سے پیار کرنے لگ جاتا ہے۔ ❶

د: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کی عبادت گزاری:..... ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بڑے متقی اور پرہیز گار انسان تھے، آپ سنت رسول ﷺ کا بڑا التزام کیا کرتے تھے، لوگوں کو دنیوی لذات اور اس کی شہوات سے مستغرق ہونے سے خبردار کرتے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے اور اس حوالے سے غریب امیر اور چھوٹے بڑے میں کوئی امتیاز روا نہ رکھتے تھے، اس بارے میں ان کے بہت سے واقعات مروی ہیں۔ آپ اندر باہر ہر جگہ اللہ سے ڈرتے، لوگوں کو اس کی یاد دہانی کراتے اور انہیں اللہ کی اطاعت گزاری کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ ❷ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بڑے عبادت گزار تھے، دن کو روزہ رکھتے اور رات کو قیام کیا کرتے۔ وہ خود، ان کی بیوی اور ان کی بیٹی باری باری قیام اللیل کیا کرتے ❸ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ اپنے گھر کی آبادی کا بھی اہتمام فرماتے۔ ابوعثمان نہدی کہتے ہیں: میں سات دن تک ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مہمان رہا، وہ، ان کی بیوی اور بیٹی رات کو تین حصوں میں تقسیم کر کے باری باری قیام کرتے، ان میں سے ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسرے کو جگا دیتا اور پھر دوسرا تیسرے کو۔ ❹ اللہ تعالیٰ کے ذکر و عبادت سے ابوہریرہ کا روشن و تاباں گھر ہمیں اس دور کے گھروں کی کیفیت سے آگاہ کرتا ہے جب ان کا گھر رات بھر کی عبادت سے آباد رہتا تو اس میں شیطان کے لیے گنجائش کہاں سے نکل سکتی تھی۔ یہ حافظ کبیر اور عالم ربانی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تقویٰ اور عمل صالح پر عالی شان تربیت، طاہرہ زکیہ خاتون کی طرف سے اس کی استجابت کریمہ اور اطاعت گزار صالح خادم کی طرف سے اس کی قبولیت کا مبارک نتیجہ تھا۔ جب

---

❶ مسلم، رقم: ۲۴۹۱۔ بر الوالدین، ام حفص الشویحی، ص: ۳۵.

❷ سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۴۳۸. ❸ البدایة و النهایة: ۱۱/ ۳۷۸.

❹ سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۰۹.

فرزندان دنیا اپنے خدام کو کسی بڑے کام کا مکلّف بناتے ہیں تو صرف دنیوی اعمال کا مکلّف بناتے ہیں ان کے نزدیک اخروی عمل کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، جبکہ فرزندانِ آخرت کی خوشی کی اس وقت کوئی حد نہیں رہتی جب وہ اپنے خدام کو اخروی اعمال کے لیے سرتوڑ کوشش کرتے دیکھتے ہیں اس لیے کہ اس طرح وہ اپنی خوبی توجیہات کی وجہ سے اجر جزیل حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔ ❶

ھ: فقر و فاقہ اور عفت و پاک دامنی:...... ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا شمار فقراء و مساکین لوگوں میں ہوتا ہے۔ آپ فقر و فاقہ کی شدت کے باوجود بھی صابر و شاکر رہے۔ یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے اپنا پیٹ کنکریوں پر بچھا دیتے اور یوں شب و روز تڑپتے تڑپتے گزارا کرتے مگر انہیں ایسی کوئی چیز میسر نہ آتی جو اُن کی پشت کو سیدھا کر سکتی۔ ❷ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بازار میں گھومتے رہتے پھر گھر آ کر پوچھتے: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ اگر وہ نفی میں جواب دیتے تو فرماتے: پھر میں روزے سے ہوں۔ ❸ آپ بڑے قناعت پسند اور اللہ کی نعمتوں پر شاکر رہنے والے تھے۔ اگر کبھی پندرہ کھجوریں کہیں سے میسر آ جاتیں تو پانچ کھجوروں سے روزہ افطار کرتے، پانچ کے ساتھ سحری کرتے اور پانچ افطاری کے لیے رکھ لیتے۔ ❹ آپ بکثرت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ فضل و خیر پر بڑی کثرت کے ساتھ اس کی تسبیح و تحمید اور تکبیر بیان کرتے۔ ❺

و: حلم و حوصلہ اور عفو و کرم:...... ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک سیاہ فام لونڈی تھی جس نے اپنے عمل و کردار سے انہیں زچ کر رکھا تھا، ایک دن ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کوڑا اٹھاتے ہوئے اس سے کہا: اگر قیامت کے دن قصاص کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں تجھ پر اس کی بارش برسا دیتا، میں تجھے اس کے ہاتھ فروخت کروں گا جو اس دن مجھے تیری پوری پوری قیمت دے گا جب مجھے اس کی بہت زیادہ ضرورت ہوگی۔ چلی جا، تو اللہ کے لیے آزاد ہے۔ ❻ یوں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی خادمہ پر اپنی قدرت اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا موازنہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب سے بچاؤ کو اپنی ناراضی کے مقتضٰی کی تنفیذ پر ترجیح دیتے نظر آتے ہیں اور خادمہ کے ساتھ بدسلوکی کرنے اور اسے سزا دینے کی بجائے اس پر احسان کرتے ہوئے اسے لوجہ اللہ آزاد کر دیتے ہیں۔ یوں انہوں نے متعدد اعمال صالحہ اپنے نامۂ اعمال میں جمع کر لیے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی خشیت، بدسلوکی کے مرتکب کو معاف کرنا اور اس پر احسان کرنا۔ اس سے یہ امر بھی منکشف ہوتا ہے کہ اخروی زندگی کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تصور بڑا گہرا تھا، اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نگرانی کو ہمیشہ پیش نظر رکھا کرتے تھے اور اس کی رضامندی کے حصول کے لیے کوشاں رہا کرتے تھے۔ ❼

❶ التاریخ الاسلامی للحمیدی: ۱۹/ ۲۱۵.
❷ السنة قبل التدوین، ص: ۴۱۳.
❸ حلیة الاولیاء: ۳/ ۳۳۸۱.
❹ البدایة و النهایة: ۱۱/ ۳۸۵.
❺ تاریخ الاسلام: ۲/ ۳۳۵۔ سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۴۳۹، ۴۴۰.
❻ البدایة و النهایة: ۱۱/ ۳۸۵.
❼ التاریخ الاسلامی، للحمیدی: ۱۷/ ۲۳.

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کی بحرین پر ولایت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو علاء حضرمی کے ساتھ اس مقصد کے تحت بحرین بھیجا کہ وہ وہاں اسلام کی اشاعت کریں گے، مسلمانوں میں دینی سوجھ بوجھ پیدا کریں گے اور انہیں دینی امور کی تعلیم دیں گے۔ چنانچہ وہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرتے اور لوگوں کے لیے فتاویٰ کا اجراء کرتے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے عہد خلافت میں بحرین کا عامل بنا کر بھیجا۔ جب وہ مدینہ آئے تو ان کے پاس دس ہزار درہم تھے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: اللہ اور اس کی کتاب کے دشمن! تو نے یہ مال اپنے لیے جمع کیا ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں اللہ اور اس کی کتاب کا دشمن نہیں ہوں، میں تو ان کے دشمنوں کا دشمن ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: تجھے یہ درہم کہاں سے ملے؟ انہوں نے جواباً بتایا میرے گھوڑوں نے بچوں کو جنم دیا، میرے غلام نے غلہ کمایا اور مجھے عطیات بھی ملتے رہے۔ جب تفتیش کی گئی تو ان کی بات درست ثابت ہوئی۔ [1] اس کے لیے عمر رضی اللہ عنہ نے دیگر عمال کی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی قسم دی۔ وہ کہا کرتے تھے: یا اللہ! امیر المومنین کی مغفرت فرما۔ [2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دوبارہ والی بنانے کے لیے بلایا تو انہوں نے اس سے انکار کر دیا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: عمل وعہدہ کا مطالبہ تو تجھ سے بہتر انسان نے بھی کیا تھا، یعنی یوسف بن یعقوب علیہما السلام نے۔ انہوں نے جواب دیا: یوسف نبی بن نبی تھے جبکہ میں ابوہریرہ بن امیمہ ہوں۔ میں تمہارے عمل کے بارے میں اور دو چیزوں سے ڈرتا ہوں، انہوں نے کہا: تم نے پانچ کیوں نہ کہا؟ جواب دیا: میں ڈرتا ہوں کہ بدون علم کوئی بات کہوں، بدون حلم فیصلہ کروں، میری پیٹھ پر ضربیں لگائی جائیں اور میری عزت کو داغ دار کیا جائے۔ [3]

ح: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتنوں سے الگ رہنا:...... ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے دن بعض صحابہ اور ان کے بیٹوں کے ساتھ ان کے گھر میں موجود تھے، یہ لوگ ان سے شورش پسندوں کو بھگانے کے لیے آئے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد نے ان کا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھا اور ان کا احترام کرتے رہے، یہاں تک کہ جب وہ فوت ہوئے تو اولاد عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے جنازے کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر اسے بقیع تک پہنچایا۔ [4] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فتنوں سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ [5]

ط: ہنسی مزاح اور خوش طبعی:...... ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صاف دل، خوش طبع اور حسن معاشرت سے متصف تھے، آپ ہنسی مزاح کو پسند کیا کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ہر چیز کو اس کا حق دیا کرتے تھے، انہوں نے دنیا کو مسافر کی نظر سے دیکھا، امارت وحکومت نے انہیں بڑے پن کا احساس نہیں دلایا بلکہ ان کے عجز وانکسار اور

---

[1] البداية و النهاية: ١١/ ٣٨٧.
[2] طبقات ابن سعد: ٤/ ٦٠ـ السنة قبل التدوين، ص: ٤١٦.
[3] سير اعلام النبلاء: ٢/ ٤٤١ـ السنة قبل التدوين، ص: ٤١٦.
[4] الكامل في التاريخ: ٢/ ٥٢٣.
[5] السنة قبل التدوين، ص: ٤١٧.

حسن خلق کو مزید نمایاں کیا، اکثر اوقات جب مروان انہیں مدینہ منورہ پر اپنا جانشین بناتا تو وہ اپنے گدھے پر کمبل ڈال کر اور اس کے منہ میں عروف کھجور کی چھال سے بنی رسی ڈال کر اس پر سوار ہوتے اور گشت کرنے کے لیے بازار میں نکلتے اس دوران اگر راستے میں کسی کو ملتے تو فرماتے: راستہ چھوڑ دو، امیر آ رہا ہے۔ ❶

ایک دفعہ جب وہ مروان کی طرف سے مدینہ منورہ کے امیر تھے اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے بازار سے گزر رہے تھے کہ راستے میں ثعلبہ بن ابو مالک قرظی سے ملاقات ہوگئی تو اس سے فرمانے لگے: ابن مالک! امیر کے لیے راستہ کھلا کر دو، اس پر ابن مالک کہنے لگے: اللہ تم پر رحم فرمائے، یہ راستہ کافی ہے، یہ سن کر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امیر کے لیے راستہ کھلا کر دو اس نے لکڑیوں کا گٹھا اٹھا رکھا ہوتا ہے۔ ❷ انہیں بچوں کو خوش کرنا بڑا پسند تھا، جب بچوں کو رات کے وقت دیہاتی لوگوں کا کوئی کھیل کھیلتے دیکھتے اور انہیں ان کی آمد کا پتا نہ چلتا تو وہ زمین پر گر کر دیوانوں کی طرح تڑپنے لگتے جس سے بچے گھبرا کر ہنستے ہوئے ادھر ادھر بھاگ جاتے۔ ❸ ابو رافع فرماتے ہیں: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کبھی کبھی مجھے رات کو کھانے کی دعوت دیتے تو فرماتے: گوشت کاٹنے کا کام امیر کے لیے چھوڑ دو۔ دیکھنے پر معلوم ہوتا کہ وہ تیل سے تیار کردہ ثرید ہے۔ ❹

ی: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی علمی زندگی:...... ابوہریرہ رضی اللہ عنہ چار سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، اس دوران انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کچھ سماعت کیا۔ ایک ایک سنت کا مشاہدہ کیا اور اپنے قلب و ذہن میں تطبیق شریعہ کو محفوظ بنایا۔ ان کے پیش نظر صرف علم کا حصول اور دین میں سوجھ بوجھ حاصل کرنا تھا۔ ❺ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بہت سارے معجزات نبویہ اپنے ذہن میں محفوظ کر رکھے تھے۔ ❻ ان سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''کیا تم اپنے ساتھیوں کی طرح مجھ سے مال غنیمت سے کچھ نہیں مانگو گے؟'' میں نے کہا: میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کی تعلیم دیں۔ اس پر آپ نے میرے جسم سے چادر اتاری اور اسے میرے اور اپنے درمیان بچھا دیا، پھر مجھ سے احادیث بیان کرنے لگے، یہاں تک کہ جب میں نے آپ کی ساری گفتگو سمیٹ لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے اپنی طرف لپیٹ لے۔'' پھر میری یہ کیفیت ہوگئی کہ آپ نے مجھے جو کچھ بھی بتایا اس سے ایک حرف بھی نہ بھولا۔ ❼ وہ فرمایا کرتے تھے: تم کہتے ہو کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت احادیث بیان کرتا ہے۔ تمہارا یہ بھی کہنا ہے کہ انصار و مہاجرین کو کیا ہوا وہ ابوہریرہ کی طرح احادیث بیان نہیں کرتے۔ اصل بات یہ ہے کہ میرے مہاجرین بھائی کاروبار میں مصروف رہتے جبکہ انصاری بھائیوں کو ان کے اپنے کام مصروف عمل رکھتے۔

❶ طبقات ابن سعد نقلا عن السنة قبل التدوين، ص: ٤١٨.

❷ البداية و النهاية: ١١/ ٣٨٦. ❸ ايضا: ١١/ ٣٨٨. ❹ ايضا.

❺ السنة قبل التدوين، ص: ٤٢٠.

❻ سير اعلام النبلاء: ٢/ ٥٩٤.

❼ سير اعلام النبلاء: ٢/ ٥٩٤۔ رجاله ثقات

میرا شمار صفہ کے مساکین میں ہوتا تھا اور میں پیٹ بھر کھانے کے بدلے ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتا، جب وہ غائب ہوتے میں حاضر ہوتا، جب وہ بھول جاتے میں یاد رکھتا۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنا کپڑا پھیلائے رکھے گا یہاں تک کہ میں اپنی گفتگو پوری کرلوں پھر وہ اپنا کپڑا سمیٹ لے تو وہ میری تمام باتیں یاد کر لے گا۔'' اس پر میں نے اپنی چادر بچھا دی، پھر جب آپ ﷺ نے اپنی گفتگو مکمل فرمالی تو میں نے اسے اپنے سینے کے ساتھ لپیٹ لیا۔ پھر میں نبی کریم ﷺ کی گفتگو سے کچھ بھی نہ بھولا۔ [1] دوسری روایت میں ہے: ایک دن نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنا کپڑا بچھائے یہاں تک میں اپنی گفتگو پوری کرلوں پھر وہ اسے اپنی طرف سمیٹ لے تو وہ کبھی بھی کوئی ایسی بات نہیں بھولے گا جو اس نے مجھ سے ساعت کی ہوگی۔'' میں نے ایسا ہی کیا، مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں کوئی ایسی بات نہیں بھولا جو میں نے آپ ﷺ سے ساعت کی۔ [2] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی شفاعت سے سب سے بڑھ کر سعادت کون حاصل کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوہریرہ! میرا خیال تھا کہ اس بارے میں مجھ سے تم سے پہلے کوئی شخص سوال نہیں کرے گا اور یہ اس لیے کہ تم میری حدیث کے بڑے حریص ہو۔ قیامت کے دن میری شفاعت کی سعادت سب سے زیادہ اس شخص کو حاصل ہوگی جو خالص دل سے لا الہ الا اللہ پڑھے گا۔ [3]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کامل حاذق حافظ تھے، وہ جو کچھ روایت کرتے وہ انہیں حفظ و ضبط ہوتا اور جو کچھ بھی بیان کرتے بڑی ذمہ داری اور باریک بینی سے بیان کرتے۔ ان میں دو ایسی خوبیاں ایک ساتھ موجود تھیں جن میں سے ایک دوسری کی تکمیل کرتی ہے، پہلی: علمی وسعت اور کثرت روایات، دوسری: قوت حفظ اور حسن ضبط۔ یہ وہ عظیم وصف ہے جس کے اہل علم متمنی ہوا کرتے ہیں۔ [4] مروان کے کاتب ابوزعیزعہ نے ہمیں ایک ایسی چیز بتائی ہے جس سے ان کے حفظ و اتقان کا اثبات ہوتا ہے۔ اس کا بیان ہے: مروان نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے سوالات کرنے لگا اور مجھے پلنگ کے پیچھے بٹھا دیا، جو کچھ سنتا اسے لکھتا جاتا۔ پھر سال ختم ہونے پر انہیں دوبارہ بلایا اور پھر انہیں پردے کے پیچھے بٹھا کر ان سے اس کتاب کے بارے میں سوالات کرنے لگا۔ انہوں نے اپنے جوابات میں نہ تو کوئی کمی بیشی کی اور نہ ہی تقدیم و تاخیر۔ [5]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صرف راوی حدیث ہی نہیں تھے بلکہ ان کا شمار اپنے زمانے کے قرآن و سنت اور اجتہاد کے رؤسائے علم میں ہوتا تھا۔ ان کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحبت و رفاقت نے انہیں دینی فہم و شعور عطا کرنے اور

[1] صحیح مسلم، رقم: ۲٤۹۲.
[2] سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۵۹۵۔ مسلم، رقم: ۲۲۹٤.
[3] سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۵۹٦. اسنادہ صحیح
[4] السنة قبل التدوین، ص: ٤۲۷.
[5] سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۵۹۸.

چھوٹی بڑی عملی سنت کے مشاہدہ کا بھرپور موقع فراہم کیا تھا جس کی وجہ سے ان کے پاس حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا۔ پھر ان سب چیزوں نے انہیں یہ موقع فراہم کیا کہ وہ تقریباً بیس سال تک مسند افتاء پر فائز رہے۔ یاد رہے کہ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد موجود تھی۔ [1]

ك: حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح ترین سند:...... ابن المدینی سے ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ علی الاطلاق صحیح ترین سند یہ ہے: حماد بن یزید عن ایوب عن محمد بن سیرین عن ابی هریرة [2] ابوہریرہ سے مروی احادیث کے حوالے سے صحیح ترین اسناد یہ ہیں:

زهری، عن سعید بن المسیب، عن ابی هریرة

ابو الزناد عن الاعرج -عبدالرحمن بن هرمز- عن ابی هریرة

مالك عن الزهری عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة

سفیان بن عیینة عن الزهری عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة

معمر عن الزهری عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة

معمر عن همام بن منبه عن ابی هریرة [3]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پھیلائے گئے شبہات کی تردید

نفسانی خواہشات کے بعض پجاریوں نے قدیم زمانہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کیے جس کی عصر حاضر میں بعض مستشرقین مثلاً گولڈ زہر اور سپرنگر نے اتباع کرتے ہوئے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر مظالم ڈھائے اور ان پر بہتان تراشی کا شوق پورا کیا، اس حوالے سے عبدالحسین شرف الدین عاملی شیعی نے (ابوہریرہ) کے عنوان کے تحت ایک کتاب لکھی جس میں اس نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر اس قدر سنگین تہمتیں عائد کیں جن سے علم کی پیشانی عرق بار ہو جاتی اور علماء کا ضمیر لرز اٹھتا ہے۔ اس رافضی مولف نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر اس حد تک ظلم ڈھایا کہ انہیں کافر تک کہہ دیا۔ [4] "اضواء علی السنة النبویة" کے مولف ابوریہ نے اس کتاب سے استفادہ کیا اور اپنے استاد سے بڑھ کر ان کے بارے میں ہرزہ سرائی سے کام لیا اور اس سے بڑھ کر اپنی گمراہی اور ضلالت کا ثبوت فراہم کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر وارد کیے گئے اہم شبہات واعتراضات درج ذیل ہیں:

(الف) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ:

عبدالحسین شرف الدین اور ابوریہ [5] نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر یہ تہمت لگائی ہے کہ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بحرین پر اپنی ولایت کے دوران دس ہزار دینار چرا لیے تھے جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اس

---

[1] السنة قبل التدوین، ص: ٤٢٨. [2] ایضًا، ص: ٤٣٤.
[3] السنة قبل التدوین، ص: ٤٣٥. [4] ایضا، ص: ٤٣٧.
[5] ابوهریرة لعبد الحسین، ص: ١٤، ١٥۔ اضواء السنة المحمدیة، ص: ١٩٢.

عہدے سے معزول کر دیا اور انہیں اس قدر مارا کہ وہ زخمی ہو گئے۔ قابل اعتماد روایات بتاتی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرے ولاۃ کی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ان کے مال کے بارے میں قسم لی تھی ❶ مگر ان میں انہیں مار کر زخمی کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: یا اللہ! امیر المومنین کی مغفرت فرما، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے جس مال کے بارے میں قسم لی ہے وہ ان کے عطیات ہیں اور غلہ ان کے غلام کا کمایا ہوا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گو ان کی امانت داری اور اخلاص سے بخوبی آگاہ تھے اور اسی لیے انہوں نے کچھ دیر بعد انہیں ولایت کی دوبارہ پیش کش کی جسے قبول کرنے سے انہوں نے انکار کر دیا۔ یہ ہے وہ اصل صورت حال جسے عبدالحسین اور ابوریہ نے مخفی رکھا، عبدالحسین نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر کیچڑ اچھالنے کے لیے العقد الفرید کی ایک ہی روایت کا سہارا لیا ہے ❷ جسے ابوریہ نے اس سے بغیر کسی بحث و تمحیص اور تحقیق کے اس کے حصہ کی طرف اشارہ کیے بغیر نقل کر ڈالا۔ ❸ اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ لوگ جعل سازی اور علمی خیانت کے خوگر و رسیا ہیں۔

(ب) کیا ابوہریرہ امویوں کے ہم نوا تھے؟ اور کیا وہ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹوں کی مذمت میں حدیث وضع کیا کرتے تھے؟

شیعی مولف عبدالحسین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر یہ تہمت لگائی ہے کہ وہ امویوں کی سیاست کا پروپیگنڈہ کیا کرتے تھے۔ کبھی ان کے فضائل پر مشتمل احادیث وضع کرتے اور کبھی معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہش کی تسکین کے لیے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل میں وضع احادیث کا ارتکاب کرتے۔ ❹

ابوریہ نے اس موضوع پر رافضی کتب میں مندرج ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر سب و شتم یکجا کر دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کذب و افتراءات کے مردے اکھاڑے اور اس کے لیے اس نے یا تو ان کتابوں پر اعتماد کیا جن کے مؤلفین نہ تو سچائی کے ساتھ معروف ہیں اور نہ ہی روایت کی تحقیق و تمحیص کے ساتھ۔ یا پھر ان کتب پر جن کے مؤلفین ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض رکھنے میں شہرت رکھتے ہیں اور وہ ہمارے اس عقیدہ کے بھی مخالف ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اہل بیت کے ساتھ محبت رکھنے والے صحابی رسول تھے جن سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں متعدد احادیث مروی ہیں۔ ❺ وہ کبھی اہل بیت کے مخالف نہیں رہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ نبی کریم کی سنت کے ساتھ پورے طور سے وابستہ تھے اور وہ ہر اس شخص سے محبت کیا کرتے تھے جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت تھی۔ معمولی سا علم رکھنے والا انسان بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ کو ناپسند کیا کرتے تھے۔ ❻

پروفیسر عبدالمنعم صالح الفری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں گرانقدر کتاب تالیف کی ہے جس میں

---

❶ تاریخ الاسلام: ۲/ ۳۳۸۔ حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۳۸۰۔ البدایۃ و النھایۃ: ۱۱/ ۳۸۷.
❷ السنۃ قبل التدوین، ص: ۴۳۸. ❸ ایضا، ص: ۴۳۹.
❹ ابوھریرۃ لعبد الحسین، ص: ۳۵. ❺ السنۃ و مکانتھا فی التشریع الاسلامی، ص: ۳۵۳، ۳۵۴.
❻ البرھان فی تبرئۃ ابی ھریرۃ من البھتان، ص: ۱۲۷.

انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کی محبت کو واضح کیا ہے اور یہ کہ وہ جنگ خیبر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے علی رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ منقبت کے راوی ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے موقع پر فرمایا: ''میں یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرتا ہوگا جس کے ہاتھوں اللہ فتح نصیب فرمائے گا۔'' پھر انہوں نے انہیں جھنڈا عطا کیے جانے کا واقعہ روایت کیا۔ [1] کیا یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نفرت و کراہت پر مبنی ہے؟ [2] حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مناقب میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں: ''یقیناً فاطمہ میری امت کی خواتین کی سردار ہے۔'' [3] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کے بارے میں متعدد احادیث روایت کرتے ہیں۔ ابوہریرہ سے کئی ایسے واقعات بھی مروی ہیں جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ دلی محبت کیا کرتے تھے۔ [4] حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی کیفیت کی تصویر کشی کرتے ہوئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اس وقت کے بعد ہمیشہ اس شخص (حسن رضی اللہ عنہ) سے محبت کرتا رہا ہوں جب میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حسن رضی اللہ عنہ ان کی ریش مبارک میں اپنی انگلیاں داخل کر رہے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان ان کے منہ میں داخل کی اور پھر فرمایا: ''یا اللہ! میں اس سے پیار کرتا ہوں تو بھی اس سے پیار فرما۔'' [5] اس محبت کے بعد ہمیں یہ پڑھ کر تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے دن وہ خود بھی روتے رہے اور دوسروں کو بھی رونے کے لیے کہتے رہے۔ [6] اس موقع پر موجود ایک شخص کا کہنا ہے: جس دن حضرت حسن رضی اللہ عنہ فوت ہوئے میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مسجد میں روتے ہوئے دیکھا، وہ خود بھی رو رہے تھے اور بلند آواز سے کہہ بھی رہے تھے: لوگو! آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب کی وفات ہوگئی ہے، ان کی وفات پر رو لو۔ [7] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کم محبت نہیں تھی، فرماتے ہیں: میں نے جب بھی حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھا میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور یہ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر سے نکلے تو مجھے مسجد میں پایا، آپ نے میرا ہاتھ پکڑا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے لگا یہاں تک کہ آپ بنوقینقاع کے بازار میں پہنچے، اس دوران آپ نے مجھ سے کوئی بات نہ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر ادھر گھومے پھرے اور دیکھا، پھر آپ واپس تشریف لائے تو میں بھی آپ کے ساتھ واپس لوٹ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں آکر بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا: ''میرے پاس لقاع (حسن رضی اللہ عنہ) کو بلاؤ، حسین رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھ گئے اور پھر اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک میں داخل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا منہ کھول کر اس میں اپنی زبان داخل کر دی اور پھر فرمایا: ''یا اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں اس سے تو بھی محبت فرما۔'' [8] اس قصہ کو بخاری نے بھی روایت

[1] صحیح مسلم۔ [2] الادلة الباهرة علی نفی البغضاء بین الصحابة و العترة الطاهرة، ص: ۱۳۳.

[3] التاریخ الکبیر، بخاری: ۱/ ۲۳۲. موصول سند کے ساتھ۔

[4] الادلة الباهرة، ص: ۱۳٤. [5] مستدرك حاكم: ۳/ ۱٦۹.

[6] الادلة الباهرة، ص: ۱۳۵. [7] التقریب: ۲/ ۳۰۱. [8] مستدرك: ۳/ ۱۷۸.

کیا ہے اور اس میں حسین رضی اللہ عنہ کی جگہ حسن رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، لیکن حاکم نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ دونوں روایات وارد اور محفوظ ہیں، اور اس کا احتمال بھی موجود ہے اس لیے کہ اس میں مسجد کی طرف واپسی کا ذکر ہے۔ ❶

عبدالمنعم العزی نے اپنی کتاب "اقباس من مناقب ابی هريرة" میں دلائل قطعیہ اور کافی کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ابناء علی رضی اللہ عنہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کرتے تھے، نہ صرف وہ بلکہ جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکروں کے امراء اور ان کے سرکردہ لوگ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعدد روایات کے راوی ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنے والے تابعین میں سے متعدد لوگ بھی ان سے روایات اخذ کرتے ہیں، جماہیر روافض اور اہل کوفہ میں سے اولاد علی رضی اللہ عنہ کے محبین جن کا تعلق تبع تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں کے ساتھ تھا وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے، ان سے استدلال کرتے اور اپنی کتابوں میں ان کا اندراج کرتے تھے۔ ❷

تاریخی علمی حقیقت یہی ہے کہ کسی کے پاس کوئی ایسی قابل اعتماد دلیل نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اموی حکمرانوں کے حامی تھے یا وہ حضرت علی اور ان کے بیٹوں کے خلاف آمادہ جنگ رہتے تھے، یہ کچھ کہنا کذب وافتراء اور حقیقت کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ امویوں کی مدح وتعریف میں ان کی طرف منسوب احادیث موضوع اور ضعیف ہیں، اس فن کے ماہرین نے کذابین اور ان احادیث کو وضع کرنے والوں کی نشاندہی کر دی ہے۔ ❸

جہاں تک اس دعوے کا تعلق ہے کہ دولت امویہ نے اپنی آراء کی تائید میں کئی احادیث وضع کیں تو یہ ایسا دعویٰ ہے کہ جس کا کذابوں کے خیال کے علاوہ اور کہیں کوئی وجود نہیں ہے، تاریخ سے اس دعویٰ کی تصدیق نہیں ہوتی، اس قسم کا دعویٰ کرنے والوں سے ہمارا سوال ہے کہ اموی حکومت کی وضع کردہ یہ احادیث کہاں ہیں؟ ہمارے علماء سند کے بغیر حدیث نقل کرنے کے عادی نہیں ہیں اور صحیح احادیث کی اسناد کتب حدیث میں محفوظ ہیں۔ ہمیں تو ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملتی جس کی سند میں عبدالملک، یزید، ولید یا ان کے عمال میں سے کسی ایک مثلاً حجاج یا خالد قسری کا نام آتا ہو، اگر ان کا کوئی وجود تھا تو وہ کہاں کھو گئیں؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ وضع احادیث کا ارتکاب اموی حکومت نے خود نہیں کیا تھا بلکہ اس نے دوسروں سے یہ کام کروایا تھا تو اس کی کیا دلیل ہے؟ ❹ رہا عبدالحسین اور ابوریہ کا یہ دعویٰ کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے امویوں کو خوش کرنے اور علویوں سے انتقام لینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کذب بیانی سے کام لیا، تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس سے بری ہیں، انہوں نے اس بارے میں جو روایات نقل کی ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف اور لا اصل ہیں۔ ❺

---

❶ الادلة الباهرة، ص: ١٣٥ . ❷ اقباس من مناقب ابی هريرة، ص: ١٢٧ تا ١٤٩ .
❸ البرهان فی تبرئة ابی هريرة من البهتان، ص: ١٢٨ .
❹ السنة و مكانتها فی التشريع الاسلامی، ص: ٢٠٣ .
❺ ابوهريرة، عبدالحسين، ص: ٣٥ ـ اضواء علی السنة، ص: ١٩٠ .
❻ السنة قبل التدوين، ص: ٤٤١ .

اس بارے یں ہمارے پاس جتنی بھی باطل اور لا اصل اطلاعات پہنچی ہیں وہ نفسانی خواہشات کے پجاریوں کے واسطے سے پہنچی ہیں جو ان کی خواہشات کے داعی اور اپنے اپنے مذاہب کے لیے بڑے متعصب تھے، ان لوگوں نے حق کے خلاف بڑی جرات کا مظاہرہ کیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حرمت کو پامال کیا اور خیار صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں زبان درازی کرتے ہوئے کسی پر فسق وضلال کی تہمت لگائی اور کسی پر کفر کا فتویٰ جڑ دیا۔ حتیٰ کہ ان کے کذب و افتراء سے ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم و دیگر بھی نہ بچ سکے۔ [1] محدثین نے ان کذابوں کو بے نقاب کرتے ہوئے ان کی حقیقت کو آشکارا کیا اور ان کے مذموم عزائم کو واضح کیا، ان کذابوں کا کوئی بھی دعویٰ اس وقت تک ناقابل تسلیم رہے گا جب تک وہ اس کے اثبات کے لیے قابل قبول صحیح دلیل پیش نہیں کرتے۔ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وضع حدیث پر آمادہ کریں۔ [2] جبکہ صحابہ و تابعین میں سے علمائے امت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالت کے شاہد ہیں۔ کسی بھی قابل وثوق مصدر میں کسی ایسی بات کا تذکرہ نہیں کیا گیا جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ علی رضی اللہ عنہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تکذیب کی ہو یا انہیں ایسی حدیث کے بیان کرنے سے منع کیا ہو۔ البتہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعض دشمن ابوجعفر اسکافی سے مروی اس جھوٹی روایت سے استشہاد کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کذب بیانی کا مرتکب قرار دیا تھا۔ [3] مگر یہ روایت مردود ہے اسے ہم اسکافی سے قبول نہیں کر سکتے اس لیے کہ وہ کٹر رافضی، معتزلی اور محدثین کا دشمن ہے۔ [4] ابوقتیبہ نے ان تمام روایات کی تردید کی ہے جو ان لوگوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی ہیں۔ [5]

(ج) کثرت حدیث:

نظام معتزلی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر کثرت حدیث کے حوالے سے اعتراض کیا جبکہ اس کی پیروی کرتے ہوئے بعض دیگر معتزلہ نے بھی ان پر یہی اعتراض وارد کر دیا جن میں سے بشر مریسی اور ابوالقاسم قابل ذکر ہیں۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب (تاویل مختلف الحدیث) میں نظام کے اس موقف کی تردید کی، پھر یہی شبہ بعض متاخرین کے دلوں میں پیدا ہوا جیسا کہ رافضی مولف عبدالحسین شرف الدین، اس نے اپنی کتاب "ابوھریرۃ [6] کے بہت سارے صفحات ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے سیاہ کر ڈالے۔ پھر اسی رافضی کو ابوریہ نے اپنی کتاب "اضواء علی السنة المحمدیة" [7] میں بھڑکایا اور اس کے لیے ان دونوں نے

---

[1] العواصم من القواصم، ص: ١٨٢-١٨٣۔ السنة قبل التدوين، ص: ٤٤٣ .

[2] السنة قبل التدوين، ص: ٤٤٤ . [3] شرح نهج البلاغة: ١/ ٤٦٨ .

[4] السنة قبل التدوين، ص: ٤٤٣ .

[5] تاويل مختلف الحديث، ص: ٢٧، ٥١ و ما بعدها، السنة قبل التدوين، ص: ٤٦٠ .

[6] ابوهريرة، ص: ٤٥ و ما بعدها۔ السنة قبل التدين، ص: ٤٤٦ .

[7] اضواء على السنة المحمدية، ص: ١٦٠ و ما بعدها .

ضعیف اور موضوع روایات سے استشہاد کیا اور باطل تاویلات اور غلط موازنہ سے کام لیا، ان لوگوں کی آراء بعض مستشرقین مثلاً ''گولڈ زیہر'' کی آراء سے ہم آہنگ ہیں جس کے نزدیک ابوہریرہ رضی اللہ عنہ زیادہ روایات کی وجہ سے قابل گردن زدنی ہیں۔ [1] ان کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ: ابوہریرہ نے متاخر الاسلام ہونے کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (۵۳۷۴) روایات نقل کی ہیں جو کہ خلفائے اربعہ اور دیگر کئی سابق الاسلام صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت زیادہ ہیں۔ [2]

مگر خلفائے راشدین کا حفظ اور کثرت روایت کے میدان میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقارنہ کرنا غلط ہے، اس کے چند اسباب ہیں، جن میں اہم تر یہ ہیں:

- یہ درست ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سابق الاسلام ہیں مگر ان سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جتنی روایات مروی نہیں ہیں، لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حکومتی اور سیاسی امور میں مصروف رہے جس کی وجہ سے وہ ذاتی طور پر تعلیم و تعلم کے لیے زیادہ وقت نہ نکال سکے۔ مگر انہوں نے یہ بار امانت اس طرح ادا کیا کہ مختلف شہروں اور علاقوں میں علماء، قراء اور قضاۃ کو بھیجا اور خود امت کے معاملات کی اصلاح میں مصروف رہے، اگر ہم خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قلت روایت کی وجہ سے اس لیے ملامت نہیں کر سکتے کہ وہ فتوحات اسلامیہ میں مصروف رہے تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بکثرت نقل حدیث کی وجہ سے بھی ملامت نہیں کر سکتے اس لیے کہ وہ علمی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ [3]
- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا تعلیم و تعلم میں مصروف رہنا اور ان کی طویل عمر کی وجہ سے لوگوں کا ان کی طرف رجوع کرتے رہنا ان کے اور سابق الاسلام صحابہ نیز خلفائے اربعہ کے درمیان موازنہ کرنے کو غیر صحیح قرار دیتا ہے۔ بلکہ ایسا کرنا بہت بڑی غلطی کے مترادف ہوگا۔ [4] ان کی طرف سے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ روایات نقل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں رہ کر لوگوں کو فتاویٰ دیا کرتی تھیں جبکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں حلقہ درس قائم کر رکھا تھا، پھر مرد ہونے کے ناطے ان کا لوگوں کے ساتھ میل جول زیادہ رہتا تھا اور وہ صبح و شام لوگوں سے رابطے میں رہتے تھے۔ مزید برآں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی توجہ عورتوں کے مسائل پر مرکوز تھی اور ہر آدمی کا ان کی خدمت میں حاضر ہونا دشوار تھا۔ [5] ہوٰی پرستی سے مجرد نظر اس امر کا ادراک کر سکتی ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث تعجب خیز نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی وجہ سے اس شور و شغب کی ضرورت تھی جو ہوٰی پرستوں اور سنن نبویہ کے دشمنوں نے مچا رکھا ہے۔ اور یہ کہ ان سے مروی روایات میں چاہے انہوں نے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کیں یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان میں اس لیے شک نہیں کیا جا سکتا کہ انہیں

---

[1] دائرة المعارف الاسلامیه، ماده: حدیث، نقلا عن السنة المحمدیة قبل التدوین، ص: ٤٤٧.

[2] ایضا، ص: ٤٤٧.

[3] السنة قبل التدوین، ص: ٤٥٠

[4] ایضا، ص: ٤٥١.

[5] ایضا، ص: ٤٥١.

صحبت نبوی کا بہت کم عرصہ میسر آیا، بلکہ ان کا یہ عرصہ صحبت اس سے بھی زیادہ کا احتمال رکھتا تھا، اس لیے کہ دولت اسلام کے یہ سال دعوت ونشاط کے لحاظ سے بڑی اہمیت کے حامل اور تعلیم وتوجیہ کے اعتبار سے بڑے گراں قدر تھے۔ ❶

◈ انہیں نبی کریم ﷺ کے ساتھ رفاقت کے چار سال میسر آئے اور اس دوران وہ ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ رہے، ان سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ لوگ کہتے ہیں: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ احادیث بیان کرتا ہے، اگر کتاب اللہ میں یہ دو آیات نہ ہوتیں تو میں ایک بھی حدیث بیان نہ کرتا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَٰتِ وَالْهُدَىٰ مِنۢ بَعْدِ مَا بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَٰبِ أُولَٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّٰعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝﴾ (البقرۃ: ۱۵۹-۱۶۰)

”جو لوگ ہمارے نازل کردہ دلائل اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجود اس امر کے کہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں ان لوگوں پر اللہ اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں، مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور بیان کر دیں تو میں ان کی توبہ قبول کر لیتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا اور رحم وکرم کرنے والا ہوں۔“

ہمارے مہاجر بھائی کاروبار میں مصروف رہتے جبکہ ہمارے انصاری بھائی اپنے اموال میں مصروف عمل رہتے جبکہ ابوہریرہ پیٹ بھر کھانے کے عوض ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا، وہ اس جگہ حاضر ہوتا جہاں دوسرے لوگ حاضر نہ ہوتے اور وہ وہ کچھ حفظ کر لیتا جو وہ حفظ نہ کر سکتے۔ ❷

◈ نبی کریم ﷺ کا ان کے لیے حفظ وضبط کی دعا کرنا:...... ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ سے بہت سی احادیث سنتا ہوں مگر انہیں بھول جاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اپنی چادر بچھائیں۔“ میں نے اپنی چادر بچھا دی تو آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے چلو بھرا اور فرمایا: ”اسے سمیٹ لو۔“ میں نے اسے سمیٹ لیا اور پھر اس کے بعد مجھے کوئی چیز نہ بھولی۔ ❸

◈ ان کے شاگردوں اور ان سے نقل کرنے والوں کی کثرت:...... ابوہریرہ کے شاگردوں کی تعداد تقریباً آٹھ سو تھی۔ ❺

◈ ان کا تاخیر سے فوت ہونا:...... ایک قول کی رو سے آپ رضی اللہ عنہ ۵۸ھ میں جبکہ دوسرے قول کی رو سے ۵۹ھ میں فوت ہوئے۔

---

❶ السنة قبل التدوين، ص: ۴۵۲. ❷ بخاری، رقم: ۱۱۸۔ مسلم، رقم: ۱۵۹.
❸ بخاری، رقم: ۱۱۹۔ مسلم، رقم: ۱۶۰.
❺ حقبة من التاريخ، ص: ۲۲۳۔ سير اعلام النبلاء: ۲/ ۵۷۹.

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں:

* ضعیف السند احادیث، جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہیں۔
* مکرر احادیث۔
* ایک سے زائد اسناد والی احادیث۔
* اکابر صحابہ مثلاً عشرہ مبشرہ اور امہات المومنین وغیرہم سے مروی احادیث۔
* ان پر موقوف روایات۔ [1]

امام بخاری اور امام مسلم نے ان سے تین سو چھبیس احادیث اخذ کرنے پر اتفاق کیا ہے۔ امام بخاری ترانوے احادیث کے ساتھ اور امام مسلم اٹھانوے احادیث کے ساتھ منفرد ہیں۔ جن احادیث کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں وہ ان میں سے زیادہ تر کے ساتھ منفرد نہیں ہیں بلکہ اس میں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ان کے ساتھ شامل ہیں۔ [2]

رہا روافض کا ان کی مرویات پر اعتراض کرنا، تو جابر بن یزید جعفی نے محمد باقر رحمہ اللہ سے ستر ہزار باقی ائمہ سے ایک لاکھ چالیس ہزار احادیث روایت کی ہیں۔ [3] ابان بن تغلب جعفر الصادق رحمہ اللہ سے تیس ہزار احادیث روایت کرتا ہے۔ [4] محمد بن مسلم نے باقر سے تیس ہزار اور الصادق رحمہ اللہ سے سولہ ہزار احادیث روایت کی ہیں۔ [5] اس سے روافض کا تناقض کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ اور جید علماء نے قوت حافظہ اور عمدہ یادداشت کی گواہی دی ہے۔ [6] ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! تم ہم سب سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، تم حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سے بڑے عالم ہو۔ [7]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں راویان حدیث میں سے سب سے بڑے حافظ تھے۔ [8] امام ذہبی رحمہ اللہ کے نزدیک آپ سید الحفاظ ہیں۔ [9] مزید فرماتے ہیں: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کردہ احادیث کو حفظ رکھنا ختم ہے۔ [10] علمائے اسلام نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھرپور دفاع کیا اور ان کے بارے میں پیدا کردہ شبہات کا ازالہ کیا ہے۔ عصر حاضر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر عائد کیے گئے الزامات و اتہامات کی تردید میں تصنیف کردہ کتابوں میں قابل ذکر یہ کتابیں سرفہرست ہیں: "العصر انیون بین مزاعم التجدید و

---

[1] حقبة من التاریخ، ص: ۲۲۳۔
[2] خاتمة وسائل الشیعة، ص: ۱۵۱.
[3] رجال النجاشی، ص: ۹.
[4] مشیخة الصدوق، ص: ٦.
[5] موقف المدرسة العقلیة من السیرة النبویة، الامین و الصادق: ۲/ ۷٤.
[6] سیر اعلام النبلاء: ۲/ ٦۰۳، ٦۰٤۔ اس کے راوی ثقہ اور سند صحیح ہے۔
[7] ایضا: ۲/ ۵۹۹.
[8] ایضا: ۲/ ۵۷۸.
[9] ایضا: ۲/ ٦۱۹.
[10] العصر انیون، محمد حامد ناصر، ص: ۱۱۵.

میادین التغریب" [1] اور "موقف المدرسة العقلية من السنة النبوية"۔

(د) مرضِ الموت میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا رونا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان کے ورثاء کے لیے وصیت کرنا:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ موت کے وقت رونے لگے تو ان سے کہا گیا: آپ رو کیوں رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں تمہاری اس دنیا کے لیے نہیں روتا، بلکہ میں اپنے اس سفر اور زادِ راہ کی کمی پر روتا ہوں۔ میں ایسی بلند جگہ پر کھڑا ہوں جہاں سے ایک راستہ جنت کو اور دوسرا جہنم کو جاتا ہے، مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کس راستے پر چلایا جائے گا۔ [2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ والی مدینہ ولید بن عتبہ بن ابوسفیان نے پڑھائی اور نماز جنازہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سمیت بہت سارے لوگوں نے شرکت کی۔ ان کی وفات وادی عقیق میں واقع ان کے گھر میں ہوئی، پھر انہیں مدینہ منورہ لا کر ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور بقیع میں مدفون ہوئے، ولید بن عتبہ نے ان کی وفات کی خبر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دی تو انہوں نے اسے ان کے ورثاء کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور انہیں دس ہزار درہم ادا کرنے کا حکم دیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاون و مددگار تھے اور پھر محاصرہ کیے گئے ان کے گھر میں ان کے ساتھ رہے۔ [3]

کیا معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ سے شام منتقل کرنے کا ارادہ کیا تھا؟

طبری نے اپنی تاریخ میں ۵۰ھ کے واقعات کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ سے شام منتقل کرنے کے لیے اسے اپنی جگہ سے حرکت دی تو سورج کو گرہن لگ گیا یہاں تک کہ ستارے نظر آنے لگے۔ جسے لوگوں نے بڑا گراں خیال کیا۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے منبر رسول کو یہاں سے اٹھانے کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ مجھے یہ خوف لاحق ہوا تھا کہ کہیں اسے دیمک نہ لگ گئی ہو۔ اب میں نے اسے خود دیکھ لیا ہے۔ پھر انہوں نے اسے کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ [4] دوسری روایت میں وارد ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میرا خیال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور لاٹھی کو مدینہ میں نہ چھوڑا جائے اس لیے کہ اہل مدینہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل اور ان کے دشمن ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عصا مبارک سعد القرظ کے پاس تھا جب انہوں نے ان سے عصا کا مطالبہ کیا تو ان کے پاس ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے: امیر المومنین! ہم تمہیں اللہ کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ یہ کام نہ کریں۔ ایسا کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ آپ منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ سے نکالنا چاہتے ہیں جس جگہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصا کو بھی مدینہ سے نکالنا چاہتے ہیں۔ اس پر انہوں نے یہ ارادہ ترک کر دیا، پھر انہوں نے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ سیڑیاں اور بنا دیں اور لوگوں سے اس بارے معذرت کی۔ [5]

---

[1] موقف المدرسة النقلية، الامين الصادق: ۲/ ۷۴.

[2] البداية و النهاية: ۱۱/ ۳۸۴.

[3] ایضا: ۱۱/ ۳۸۹.

[4] تاريخ طبری: ۶/ ۱۵۵.

[5] البداية و النهاية: ۱۱/ ۲۱۴۔ تاريخ طبری: ۶/ ۱۵۵.

گزشتہ روایات سے مندرجہ ذیل قضایا کا اثبات ہوتا ہے:

۱۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور آپ کے عصا مبارک کو مدینہ منورہ سے شام منتقل کرنے کا ارادہ کیا۔

اس بات کا تذکرہ زبیر بن بکار [1]، یعقوبی اور ابن جوزی نے بھی کیا ہے۔ [2] مگر انہوں نے عصا مبارک کا ذکر نہیں کیا جبکہ ابن الاثیر [3] اور ابن کثیر [4] نے منبر اور عصا دونوں کی منتقلی کا ذکر کیا ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر خالد الغیث فرماتے ہیں: میں کسی ایسی صحیح روایت سے مطلع نہیں ہو سکا جس سے واقدی کے اس زعم کی تائید ہوتی ہو، جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی دین داری اور عدالت نیز ان کا شرف صحابیت ان کے لیے اس امر سے مانع تھا کہ وہ منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ سے شام منتقل کر دیں جبکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی بخوبی آگاہ تھے: ''میرے گھر اور میرے منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔'' [5] عبدالرزاق [6] نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ آمد اور منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زینوں میں اضافہ کرنے کا ذکر تو کیا ہے مگر انہوں نے منبر کو شام منتقل کرنے کے یا عصائے مبارک حاصل کرنے کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیڑھیوں میں اضافہ اور اس کی پوشش کا شمار معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں ہوتا ہے جسے بعض مؤرخین نے اس کے برعکس رنگ دے ڈالا۔ [7]

۲۔ سورج گرہن کی خبر کو منبر کو جنبش دینے کے ساتھ مربوط کرنا:...... اس واقعہ کا عبدالرزاق، زبیر بن بکار، [8] ابن الجوزی، [9] ابن الاثیر [10] اور ابن کثیر [11] نے ذکر کیا ہے۔ جبکہ شیعی مورخ نے منبر کو حرکت دیتے وقت زمزمہ برپا ہونے کی بھی بات کی ہے۔ مگر یہ خبر صحیح سند کے ساتھ وارد نہیں ہوئی۔ اگر سورج گرہن کا واقعہ تسلیم کر بھی لیا جائے تو وہ منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حرکت دینے کا نتیجہ نہیں تھا۔ ایسا واقعہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مسعود میں بھی ہوا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس دن سورج گرہن ہوا جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ارجمند ابراہیم کی وفات ہوئی۔ اس پر لوگ کہنے لگے: ابراہیم کی موت کی وجہ سے سورج کو گرہن لگ گیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سورج اور چاند کو کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ جب تم ایسا واقعہ دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔'' اور ابوبکرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں وہ کسی کی

---

[1] فتح الباری: ۲/ ٤٦٣۔مرویات خلافة معاوية، ص: ۳۸۸.
[2] المنتظم: ٥/ ۲۲۷.
[3] الکامل فی التاریخ: ۲/ ٤۸۲.
[4] البداية و النهاية: ۱۱/ ۲۱٤.
[5] فتح الباری شرح بخاری: ٤/ ۱۱۹.
[6] المصنف: ۳/ ۱۸۳.
[7] مرويات خلافة معاوية فی تاريخ الطبری، ص: ۳۸۹.
[8] فتح الباری: ۲/ ٤٦٤.
[9] المنتظم: ٥/ ۲۲۸.
[10] الکامل: ۲/ ٤۸۲.
[11] البداية و النهاية: ۱۱/ ۲۱٤.

موت کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتیں، ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرایا کرتا ہے۔'' ❶

۳۔ معاویہ رضی اللہ عنہ پر اہل مدینہ (انصار) سے بغض رکھنے کی تہمت، اس لیے کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے:...... اس خبر کو ابن الاثیر ❷ نے وارد کیا ہے، مگر اس کی سند ضعیف ہے، میں قبل ازیں شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق فتنہ کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف بیان کر چکا ہوں، اہل مدینہ پر یہ تہمت کس طرح لگائی جا سکتی ہے جبکہ کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نصرت و معاونت کے لیے انصار مدینہ کو ابھارتے ہوئے فرمایا تھا: اے گروہ انصار! اللہ کے دوبارہ انصار بنو، اس پر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کے دروازے پر کھڑے ہو گئے، زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ اندر گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: انصارِ مدینہ دروازے پر کھڑے ہیں، اگر آپ چاہیں تو ہم دوبارہ اللہ کے انصار بن سکتے ہیں۔ ❸ مگر انہوں نے قتل و قتال کو ردّ کر دیا اور فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، تم اس سے باز رہو۔ ❹

رہا ان کا یہ دعویٰ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ انصار سے اس لیے بغض رکھتے تھے کہ وہ حضرت عثمان کے قاتل تھے تو ان کا یہ دعویٰ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں انصار کے حقیقی موقف کی وجہ سے مردود ہے۔ علاوہ ازیں اس کی اس امر سے بھی تردید ہوتی ہے کہ انہوں نے انصار کو اپنے قریب رکھا اور انہیں بڑے اہم اور حساس عہدوں پر فائز کیا۔ اس کے کچھ شواہد مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ کو دمشق کے منصب پر فائز کیا، ❼ نیز انہیں مصر میں اسلامی بحریہ کا امیر مقرر کیا۔ ❽

۲۔ نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ کو کوفہ پر امیر متعین کیا۔ ❾

۳۔ مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ کو ایک ساتھ مصر اور مغرب پر امیر مقرر کیا گیا۔ ❿

۴۔ رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو طرابلس کا امیر بنایا گیا۔ ⓫

رابعاً:...... مکہ مکرمہ

۱۔ خالد بن العاص بن ہشام رضی اللہ عنہ کی ولایت:...... معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۲ھ میں خالد بن العاص بن ہشام کو مکہ مکرمہ کا والی مقرر فرمایا۔ ⓬ مورخ طبری نے ۴۲، ۴۳ھ میں مکہ مکرمہ کے ولاۃ کے نام بتانے کے بعد مکہ مکرمہ کے عمال کے نام ذکر کرنے سے ⓭ خاموشی اختیار کرتے ہوئے صرف اس عبارت پر اکتفا کیا ہے: اس سال

---

❶ فتح الباری: ۲/ ۶۱۲۔ ❷ ایضا۔
❸ الکامل: ۲/ ۴۸۲۔ ❹ مرویات خلافۃ معاویۃ، ص: ۳۹۰۔
❺ فتنۃ مقتل عثمان لغبان الملحق، ص: ۲۰۰۔ اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔
❻ مرویات خلافۃ معاویۃ، ص: ۳۹۱۔ فتنۃ مقتل عثمان: ۱/ ۱۶۲۔
❼ الاستیعاب: ۳/ ۱۲۶۲۔ الاصابۃ: ۵/ ۳۷۱۔ ❽ ریاض النفوس للمالکی: ۱/ ۸۰۔
❾ مرویات خلافۃ معاویۃ، ص: ۳۹۱۔ ❿ ایضا، ص: ۳۹۲۔
⓫ الاستیعاب: ۲/ ۵۰۴۔ ⓬ تاریخ طبری: ۶/ ۸۷۔ ⓭ مرویات خلافۃ معاویۃ، ص: ۲۷۸۔

مختلف شہروں کے ولاۃ وعمال کے نام پہلے بتائے جا چکے ہیں۔ ❶ اس سلسلے میں ابن جوزی ❷ اور ابن اثیر نے بھی اس کی متابعت کی ہے۔ ❸

خامساً:...... طائف کے گورنر

طبری نے طائف کے ولاۃ کے نام نہیں بتائے، مگر اس سے وارد ایک روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ بنو حرب کے بعض افراد اس منصب پر فائز ہوئے، وہ روایت اس طرح سے ہے: جب معاویہ رضی اللہ عنہ بنو حرب میں سے کسی کو والی بنانا چاہتے تو اسے سب سے پہلے طائف کا والی مقرر کرتے، پھر اگر اس میں خیر اور اپنی پسند کا کوئی پہلو دیکھتے تو اسے مکہ کی ولایت بھی دے دیتے اور اگر اس میں مزید صلاحیت پاتے تو اسے ان دونوں شہروں کے ساتھ مدینہ منورہ کی ولایت بھی سونپ دیتے۔ جب وہ کسی کو طائف کا والی مقرر کرتے تو کہا جاتا: وہ آغاز کار میں ہے۔ ❹ جب اسے مکہ کا والی بناتے تو کہا جاتا ہے: وہ قرآن میں ہے، پھر جب اسے مدینہ منورہ کا والی بناتے تو کہا جاتا، وہ پختہ کار ہے۔ ❺ بنو حرب میں سے طائف کا والی کسے بنایا گیا تھا؟ تو طبری میں ان کے نام مذکور نہیں ہیں، مگر بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عنبسہ بن ابوسفیان بن حرب اور عتبہ بن ابوسفیان بن حرب کو طائف کی ولایت سونپی گئی تھی۔ ❻

سادساً:...... مصر

ا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ولایت:...... معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۱ھ میں حضرت عمرو بن العاص کو مصر کا والی مقرر فرمایا، ❼ اور اس طرح ایک مناسب آدمی کو مناسب جگہ پر بٹھا دیا۔ عمرو فاتح مصر ہیں آپ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ادوار خلافت میں اس کے والی رہے، اور وہ اس اہم ترین ولایت کے لیے سب سے موزوں شخص تھے۔ ❽ ایسی ضعیف اور موضوع روایات بکثرت وارد ہیں جن میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ساز باز کی وجہ سے انہیں مصر کی ولایت دی گئی۔ اور یہ کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فتنہ کے ایام میں معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے کا صلہ تھا۔ میں نے اس بات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنی کتاب میں بڑی وضاحت کے ساتھ

---

❶ مرويات خلافة معاوية، ص: ۲۷۸.

❷ المنتظم: ۵/ ۱۹۳-۲۰۶.

❸ الكامل فى التاريخ نقلا عن مرويات خلافة معاوية، ص: ۲۷۸.

❹ تاريخ طبرى، مرويات خلافة معاوية، ص: ۲۷۸.

❺ أنساب الاشراف: ٤/ ۳۹۔ مرويات خلافة معاوية، ص: ۲۷۹.

❻ مرويات خلافة معاوية: ۲۸۱-۲۸۲.

❼ مرويات خلافة معاوية، ص: ۲۸۱، ۲۸۲.

❽ ايضا، ص: ۲۸۲.

بیان کیا ہے۔

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے فوری قصاص کے مطالبہ میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینا ان کی ذات کے ساتھ کسی ساز باز کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اس مسئلہ میں ان کے ذاتی اجتہاد کا نتیجہ تھا جس کی رو سے ان کا موقف تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے فوراً قصاص لینا ضروری ہے اور ان کا یہ موقف اس قضیہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف سے ہم آہنگ تھا۔ [1] عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مصر پر ولایت ان میں پنہاں بے پناہ صلاحیتوں کی مرہون منت تھی، وہ انتظامی، سیاسی اور فوجی، الغرض ہر اعتبار سے کہنہ مشق انسان تھے۔ انہوں نے شمال افریقہ میں فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور مصر میں تعمیرات، زراعت اور آب پاشی کے معاملات کو منتظم کیا۔ [2] عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ۴۳ھ میں اپنی وفات تک مصر کے والی رہے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی موت کے وقت وصیت:

ابن شماسہ مہری موت کے وقت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہم عمرو بن العاص کی موت کے وقت ان کے پاس گئے تو وہ بہت دیر تک روتے رہے اور پھر اپنا رخ دیوار کی طرف پھیر دیا، اس پر ان کا بیٹا کہنے لگا، ابا جان! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ یہ خوشخبری نہیں دی تھی؟ وہ اس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے: افضل ترین چیز اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، میں تین حالات سے گزرا ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ مجھ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت کرنے والا کوئی نہیں تھا اور مجھے اس سے بڑھ کر کوئی چیز پسند نہیں تھی کہ اگر مجھے موقع ملے تو میں انہیں قتل کر ڈالوں، اگر میں اس حالت میں مر جاتا تو یقیناً جہنم میں جاتا، پھر جب اللہ نے میرے دل میں اسلام رکھ دیا تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے درخواست کی کہ میں آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں، اپنا ہاتھ کھولیں۔ اس پر آپ نے اپنا ہاتھ کھول دیا مگر میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمرو! کیا ہوا؟'' میں نے کہا: میں ایک شرط رکھنا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کون سی شرط؟'' میں نے کہا: میری شرط یہ ہے کہ مجھے معاف کر دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ اسلام اپنے سے ماقبل کو ختم کر دیتا ہے، ہجرت اپنے سے ماقبل کو ختم کر دیتی ہے اور حج اپنے سے ماقبل کو ختم کر دیتا ہے۔'' مجھے قبول اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص پیارا نہیں لگتا تھا اور نہ ہی آپ سے بڑھ کر میری نظروں میں کوئی شخص بارعب تھا، میں آپ کے احترام میں آپ کو نظر بھر کر دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا، اگر مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بیان

---

[1] مرويات خلافة معاوية: ۲۸۱-۲۸۲ .

[2] مصر في العصر الاموي، عدنان احمد الجنالي، ص: ۴۹، ۵۰ .

کرنے کے لیے کہا جائے تو میں ایسا نہیں کر سکوں گا، اس لیے کہ میں نے آپ کو آنکھیں بھر کر دیکھا ہی نہیں تھا، اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو میں اپنے جنتی ہونے کی امید کر سکتا تھا۔ [1]

دوسری روایت میں آتا ہے: اس کے بعد میں حکومت اور دیگر چیزوں میں مصروف ہو گیا، مجھے نہیں معلوم کہ یہ سب کچھ میرے خلاف جائے گا یا میرے حق میں رہے گا۔ جب میں مرجاؤں تو کوئی رونے والی مجھے مت روئے، میرے پیچھے کوئی تعریف کرنے والا نہ آئے اور نہ ہی میرے پیچھے آگ ہو، میری چادر کس کر باندھنا اس لیے کہ مجھ سے جھگڑا کیا جائے گا، مجھ پر اچھی طرح مٹی ڈالنا اس لیے کہ میرا دایاں پہلو میرے بائیں پہلو سے مٹی کا زیادہ حق دار نہیں ہے۔ میری قبر میں لکڑی اور پتھر نہ رکھنا، جب مجھے مٹی میں چھپا دو تو اونٹ ذبح کرنے اور اسے کاٹنے کے وقت تک میرے پاس بیٹھنا میں تمہاری وجہ سے انس محسوس کروں گا۔ [2] صحیح مسلم کے الفاظ ہیں: تاکہ مجھے تمہاری وجہ سے انس حاصل ہو اور میں دیکھ لوں کہ اپنے رب کے قاصدوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔ [3]

دوسری روایت میں ہے: اس کے بعد انہوں نے اپنا منہ دیوار کی طرف کر لیا اور پھر کہنے لگے: یا اللہ! تو نے ہمیں حکم دیا، مگر ہم نے تیری نافرمانی کی، تو نے ہمیں منع کیا مگر ہم باز نہ آئے، اب ہمیں صرف تیری رحمت ہی کی امید ہے، ایک اور روایت میں ہے: انہوں نے گردن پر ہاتھ رکھا، سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہنے لگے: یا اللہ! میرے پاس کوئی طاقت نہیں ہے کہ میں اپنی مدد کر سکوں، میں بے گناہ نہیں ہوں میری معذرت قبول فرما، میں تکبر کرنے والا نہیں بلکہ مغفرت طلب کرنے والا ہوں، پھر آپ مسلسل لا الہ الا اللہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ کی موت واقع ہو گئی۔ [4]

۲۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی ولایت:...... حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ۴۳ھ میں عید الفطر کی رات فوت ہوئے، انہوں نے موت سے قبل اپنے بیٹے عبداللہ کو نماز اور خراج کے لیے اپنا جانشین مقرر کیا، [5] جب ان کی وفات کی خبر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملی تو انہوں نے ان کے بھائی عتبہ کو مصر کا والی متعین کر دیا، یہ ذوالقعدہ ۴۳ھ کا واقعہ ہے۔ [6] اس کا مطلب یہ ہوا کہ عبداللہ بن عمرو تقریباً دو ماہ تک مصر کے والی رہے، اور یہ وہ مدت ہے جس کے دوران عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچی اور پھر نئے والی کے تقرر کا فیصلہ ہوا۔ [7] امام ذہبی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے اوصاف گنواتے ہوئے فرماتے ہیں: ابو محمد یا

---

[1] صحیح مسلم، رقم: ۱۲۱.
[2] البدایة و النهایة: ۱۱/ ۱۶۱.
[3] مسلم، رقم: ۱۲۱.
[4] البدایة و النهایة: ۱۱/ ۱۶۱.
[5] ولاة مصر، کندی، ص: ۵۷.
[6] ایضا، ص: ۵۷.
[7] مرویات خلافة معاویة، ص: ۲۸۶.

ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بڑے عالم و عابد امام تھے، آپ صحابی ابن صحابی ہیں۔ ان کے باپ ان سے بہت زیادہ بڑے نہیں تھے، جہاں تک ہمیں علم ہے وہ اپنے باپ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کا نام العاص تھا مگر جب وہ مسلمان ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ میں تبدیل کر دیا۔ ❶ عبداللہ نے اپنے باپ کے ورثہ سے بہت زیادہ سونا حاصل کیا، ان کا شمار بادشاہ صحابہ میں ہوتا ہے۔ ❷

۳۔ عتبہ بن ابوسفیان کی ولایت:...... عتبہ کی ولادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہوئی، عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں طائف کا والی مقرر فرمایا، پھر جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں مصر کا والی متعین فرمایا۔ عتبہ فصیح اللسان خطیب تھے، کہا جاتا ہے کہ بنو امیہ میں ان سے بڑا کوئی خطیب نہیں ہوا، انہوں نے مصر پر اپنی ولایت کے دوران اہل مصر کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے اہل مصر! تمہاری زبانوں پر حق کی تعریف و ستائش کم ہی آتی ہے اور تم حق کا التزام بھی کم ہی کرتے ہو، تم باطل کی مذمت بہت کم کرتے ہو اور اس کا ارتکاب کرتے ہو۔ تم اس گدھے جیسے ہو جس کی پشت پر کتابوں کا بوجھ لدا ہو جن کا اٹھانا اس کے لیے مشکل ہو رہا ہو مگر ان کتابوں کا علم اسے فائدہ نہ پہنچا رہا ہو۔ اب میں تمہارا علاج صرف تلوار سے کروں گا مگر جب تک کوڑا کام دے گا تلوار سے کام نہیں لوں گا، اور میں پہلی چیز سے بھی تاخیر کروں گا اگر تم دوسری تک جانے کے لیے جلدی نہیں کرو گے۔

اگر تم اللہ تعالیٰ کے لازم کردہ ہمارے حقوق ادا کرو گے تو ہم تمہارے حوالے سے اپنے فرائض ادا کریں گے۔ آج کسی کو سزا نہیں ملے گی اور آج کے بعد کسی کو سرزنش نہیں کی جائے گی۔ ❸ دوسری روایت میں وارد ہے تم ہماری بات سنیں گے اور ہم تم لوگوں میں عدل کریں گے۔ اس پر مسجد کے کونے کونے سے سمعاً سمعاً ''ہم سنیں، ہم سنیں گے'' کی آوازیں آنے لگیں۔ جس کا جواب انہوں نے عدلاً عدلاً ❹ ''انصاف ہوگا انصاف ہوگا'' کہہ کر دیا۔ انہوں نے اسکندریہ میں سرحد پر قیام کرنے کے بعد دارالامارہ قائم کیا۔ ❺

عتبہ نے اپنی اولاد کے لیے ایک مؤدِب کا تقرر کر رکھا تھا جو ان کی تعلیم و تربیت کا فریضہ سرانجام دیتا، اس کے لیے عبدالصمد بن عبدالاعلیٰ کا تقرر کیا گیا تھا۔ ❻ عتبہ نے انہیں اس حوالے سے راہنما اصول دیتے ہوئے فرمایا تھا: انہیں کتاب اللہ کی تعلیم دیں مگر اس کے لیے ان پر زبردستی نہ کریں ورنہ وہ اکتا جائیں گے اور ان سے لاتعلق بھی

❶ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۸۰.
❷ ایضا: ۳/ ۹۱.
❸ الاستیعاب، رقم: ۱۹۲۳.
❹ النجوم الزاهرة: ۱/ ۱۲٤، مصر فی العصر الاموی، ص: ۸۲.
❺ مصر فی العصر الاموی، ص: ۸۲، النجوم الزاهرة: ۱/ ۳٤.
❻ مكانة المعلم فی التراث العربی، زبیدی، ص: ۱۰٦.

نہ رہیں ورنہ وہ اسے چھوڑ دیں گے۔ ❶ اور روایت یہ ہے کہ اس کام کا آغاز اپنی اصلاح سے کرنا اس لیے کہ ان کی آنکھیں تمہاری آنکھوں سے وابستہ ہوں گی جس چیز کو تم اچھا سمجھو گے اسے وہ بھی اچھا سمجھیں گے اور جسے تم برا سمجھو گے اسے وہ بھی برا سمجھیں گے۔ انہیں پاکیزہ اشعار اور حدیث جو اعلیٰ ہے، سے سیر کریں۔ انہیں ایک علم سے دوسرے علم کی طرف نہ لے جائیں، اس لیے کہ کانوں میں کلام کا رش فہم کو بگاڑ دیتا ہے۔ انہیں حکماء کی سیرت اور ادباء کے اخلاق کی تعلیم دیں اور عورتوں کے ساتھ باتیں کرنے سے بچائیں۔ میرا نام لے اور میرے علاوہ کے ساتھ انہیں مؤدب بنائیں۔ ان کے لیے اس طبیب کا رویہ اپنائیں جو پہلے بیماری تشخیص کرتا اور پھر اس کا علاج کرتا ہے۔ میرے عذر پر اعتماد نہ کرنا اس لیے کہ میں نے تم پر اعتماد کیا ہے کہ تم ہی (میری طرف) سے کفایت کرو گے، اگر تم ان کی تادیب میں اضافہ کرو گے تو میں تمہارے ساتھ اپنے حسن سلوک میں اضافہ کروں گا۔ ان شاء اللہ . ❷

اس وصیت سے واضح ہوتا ہے کہ اموی ولاۃ الامور اپنے بیٹوں کو قرآن کریم، حدیث رسول اور اشعار وغیرہ کی تعلیم دینے کے بڑے حریص تھے علاوہ ازیں وہ ان کی تربیت کرنے نیز اداب اور اخلاق حسنہ سے آراستہ کرنے کے بڑے دلدادہ تھے اور یہ کہ وہ ان کی تربیت کرنے والے اساتذہ کی بڑی تعظیم وتوقیر کیا کرتے تھے۔ ❸

۴۔ عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ (۴۵-۴۷ھ):......طبری نے مصر پر عقبہ بن عامر جہنی کی ولایت کا ذکر نہیں کیا، جبکہ ابن جوزی، ابن الاثیر اور ابن کثیر بھی ان کا ذکر گول کر گئے ہیں، حالانکہ دیار مصر کے ساتھ مختص تاریخی مصادر اس کا اثبات کرتے ہیں۔ ❹ جنہیں اس حوالے سے دیگر مصادر پر ترجیح حاصل ہے۔ ❺ اسی طرح ابن عبدالبر ❻ اور ابن حجر بھی اس کا اثبات کرتے ہیں۔ ❼ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بڑے عالم اور قاری تھے، فصیح المقال، فقیہ اور علم الفرائض کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے شاعر بھی تھے، آپ بڑی خوبصورت آواز کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے قرآن سنانے کی فرمائش کی تو جب انہوں نے تلاوت شروع کی تو خطاب کے بیٹے رونے لگ گئے۔

آپ شرف صحابیت سے مشرف ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت پر بیعت کی اور پھر مدینہ منورہ میں آپ کے ساتھ ہی مقیم رہے، آپ کا شمار اصحاب صفہ میں ہوتا ہے، جنگ احد کے موقع پر جبل الرماۃ پر متعین کردہ تیر اندازوں میں آپ بھی شامل تھے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے ۶۲ھ میں وفات پائی۔ ❽

---

❶ البيان و التبيين للجاحظ: ٢/ ٧٣ .

❷ عيون الاخبار: (٢/ ٦٦) (٢/ ٥)، البيان و التبيين: ٢/ ٧٣، ٧٤ .

❸ التعليم في العصر الاموي، ص: ٦٦ .

❹ مرويات خلافة معاوية في تاريخ الطبري، ص: ٢٨٧ . ❺ ايضا، ص: ٢٨٧ .

❻ الاستيعاب، رقم الترجمة: ١٨٩٨ .

❼ الاصابة: ٤/ ٥٢١ .

❽ سير اعلام النبلاء: ٢/ ٤٦٨ .

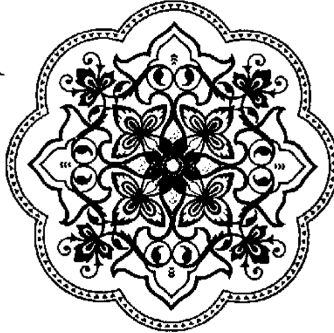
۵۔ مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ (۴۷-۶۲ ھ):...... آپ مسلمہ بن مخلد انصاری خزرجی ہیں: آپ امیر اور مصر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نائب تھے۔ آپ کی کنیت ابومعن، ابوسعید یا ابومعاویہ تھی، آپ خود صحابی ہیں مگر آپ کے باپ کو یہ شرف حاصل نہ ہوسکا۔ [1] مجاہد کہتے ہیں: میں نے مسلمہ کی اقتداء میں نماز ادا کی، اس دوران انہوں نے سورہ بقرہ کی تلاوت کی، انہوں نے نہ کوئی واؤ چھوڑی اور نہ الف۔ [2] لیث کہتے ہیں: عقبہ بن عامر کو ۴۷ھ میں معزول کر کے ان کی جگہ مسلمہ کو اس کا والی مقرر کیا گیا اور وہ یزید کے زمانہ میں اپنی وفات تک اس عہدے پر برقرار رہے۔ [3] آپ ماہ ذوالقعدہ ۶۲ھ میں اسکندریہ کے مقام پر فوت ہوئے۔ [4] حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے شمالی افریقہ کی فتوحات میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ جن کا تفصیلی ذکر ان شاء اللہ آگے چل کر آئے گا۔ سارے کا سارا مغرب آپ کے تابع تھا۔ [5]



[1] سیر اعلام النبلاء: ۲/ ٤٢٤.
[2] ایضا: ۳/ ٤٢٥.
[3] ایضا: ۳/ ٤٢٥.
[4] ایضا: ۳/ ٤٢٦.
[5] مصر فی العصر الاموی، ص: ۸۳.

چوتھی فصل

فتوحاتِ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ



فتوحاتِ دولت اسلامیہ

ہم آئندہ سطور میں روئے زمین پر اسلامی فتوحات کی اس تحریک کے بارے میں تحریر کرنا چاہیں گے جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت سے لے کر پورے اموی دور حکومت میں اختتام پذیر ہوئیں، خلافت راشدہ اور بنوامیہ کے ادوار میں قائم ہونے والی اسلامی فتوحات کی تحریک محض زمین میں توسیع پسندی کی تحریک نہیں تھی اور نہ ہی اسے اس اعتبار سے دیکھنا جائز ہے بلکہ یہ دنیا کی تاریخ میں ایسی سب سے بڑی تحریک تھی جس کا مقصد لوگوں کو رشد و ہدایت سے ہم کنار کرنا اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لانا تھا۔

بعض پڑھے لکھے لوگوں کے نزدیک ہمارا یہ دعویٰ بڑی حکومت کے اس دعویٰ جیسا ہے کہ جو زمین میں تہذیب عام کرنا چاہتی ہے اور یہ اس کی توسیع پسندانہ تحریک اسی تہذیب کی نشر و اشاعت کی غرض سے ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر ہم قدیم و جدید میں فرعونی، اشوری، فینقی، رومانی، فارسی، ہندی، چینی، برطانوی، فرانسیسی، امریکی اور روسی جیسی ان بے شمار جاہلی سلطنتوں کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کریں گے کہ وہ کس طرح قائم ہوئیں؟ اور انہوں نے زمین میں کن چیزوں کی اشاعت کی؟ اگر یہ کہا جائے کہ وہ طاقت کے زور پر تسلط جما کر قائم ہوئیں، دوسروں کو کمزور کر کے انہیں زبردستی دبا دیا، انہیں اپنی حکومت کے تابع بناتے ہوئے ایسے خدمت گزاروں میں تبدیل کر دیا جو انہیں جنگجو افرادی قوت مہیا کرتے اور ان کے مختلف وسائل خیر سے ان کے معاون و مددگار بنتے اور توسیع پسندانہ نظریات کی حامل یہ آمرانہ حکومتیں اور حکمران ان کمزور و مقہور اور بھوکے لوگوں کے حساب پر عیاشی کرتے، تو اس بارے کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ [1] رہا یہ سوال کہ انہوں نے لوگوں کو کیا دیا اور زمین میں کیا کچھ پھیلایا؟ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے کسی قدر خیر کے ساتھ بہت زیادہ شر اور فساد پھیلایا، اس لیے کہ وہ تہذیبیں منہج ربانی پر گامزن نہیں تھیں اور ان میں خیر کم اور فساد زیادہ تھا، اور برتن سے اچھل کر وہی کچھ باہر آئے گا جو اس میں موجود ہو گا اور جس کے پاس خود کچھ نہیں وہ کسی کو کیا دے گا۔ رہی آج کے دور کی مغربی تہذیب تو اس کے ساتھ آنے والے استعمار کی رسوائیاں جو دوسری اقوام کی زمینوں پر قبضہ جمائے، ان کے وسائل خیر کو لوٹنے اور خود انہیں ذلیل کرنے سے عبارت ہیں تو یہ اس کے فساد کی بہترین شہادت ہے۔ اس تہذیب کی طرف سے دنیائے مسائل کا آخری حل جو کہ جدید عالمی نظام سے موسوم ہے وہ سرکشی کی نئی قسم ہے۔ جسے طاقتور ملک کمزور ملکوں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں اور جس کے قابل فخر کارناموں میں سے یورپی طاقتور ملکوں کے مفادات کے لیے پٹرول پیدا کرنے والے ملکوں پر حکومت کرنے کے لیے منصوبہ بندی کرنا ہے اور جس کی عملی صورت یہ ہے کہ مختصر مدت میں زیادہ سے زیادہ پٹرول

[1] كيف نكتب التاريخ الاسلامي، ص: ۱۱۸-۱۱۹.

نکال کر دے، کم از کم قیمت پر عالمی مارکیٹوں میں پھینک دیا جائے تاکہ ان سرکش ممالک کی دولت وثروت اور فقراء کے فقر اور پسماندگی میں مزید اضافہ ہو جائے، ہر ممکن طریقہ سے اسرائیل کی مدد کرنا اور ہمارے اس دشمن کے خلاف عرب ممالک کی تمام صلاحیتوں کو ختم کر دینا بھی اس کے قابل فخر کارناموں میں سے ایک ہے۔

جہاں تک گزشتہ آسمانی مذاہب کے پیروکاروں یہود و نصاریٰ کا تعلق ہے تو انہوں نے زمین میں کیا پھیلایا؟ یہودیوں نے اپنے دین کو بنی اسرائیل کے لیے مخصوص کر لیا، لہٰذا وہ اسے زمین میں پھیلانا پسند ہی نہیں کرتے تاکہ اللہ ان کا بن کر رہ جائے اور اس میں روئے زمین کے انسانوں میں سے کوئی ایک بھی ان کا شراکت دار نہ رہے۔ رہے نصاریٰ، تو وہ پولوس سے لے کر وسیع پیمانے پر اپنے دین کی اشاعت کے لیے کوشاں ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ انہوں نے کس چیز کی اشاعت کی؟ انہوں نے اس دین ربانی کی جگہ جسے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا ایک بت پرستانہ دین کی اشاعت کی جس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور روح القدس جبریل امین علیہ السلام کی بندگی کی جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ (المائدة: ۷۲)

''یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔''

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ (المائدة: ۷۳)

''وہ لوگ یقیناً کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ اللہ تین کا تیسرا ہے۔''

مزید فرمایا گیا:

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴾ (آل عمران: ۷۹)

''کسی ایسے انسان کے لیے جسے اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت اور نبوت دے یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب۔''

انہوں نے اس دین کی اشاعت کی جو رہبانیت کی دعوت دیتا، دنیوی زندگی کو مہمل قرار دیتا اور جسم اور جسم کی ضروریات کی تقصیر کرتا ہے، ان مسیحی تعلیمات کی وجہ سے زندگی معطل ہو کر رہ گئی اور زمین کی آبادی ایک فضول شوق قرار پائی، پھر اس کا ردعمل بہت برا ہوا اور وہی عیسائی دنیا جسمانی لذتوں اور زندگی کی مادیات پر ٹوٹ پڑی۔[1]

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ

[1] كيف نكتب التاريخ الاسلامي، ص: ۱۱۹.

رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾ (الحدید: ۲۷)

''رہبانیت (ترک دنیا) تو انہوں نے خود ایجاد کر لی تھی ہم نے ان پر اسے واجب نہ کیا تھا سوائے اللہ کی رضا جوئی کے، سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی پھر بھی ہم نے ان میں سے جو ایمان لائے تھے انہیں ان کا اجر دیا اور ان میں سے زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں۔''

اس کے ساتھ ایسا انہونا دین پروان چڑھا جسے کنیسہ اور اس کے رجال کی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے اور جن کی قیادت پاپا (پوپ) کے ہاتھ میں ہے جو زندگی کے تمام گوشوں میں سنگین قسم کی سرکشی کے مختلف رنگ متعارف کرواتا، عقل وفکر سے عداوت رکھتا، ان کے استعمال پر پابندیاں لگاتا، علماء پر ظلم ڈھاتا اور انہیں علمی بحث ومباحثہ سے روکتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں زندگی ہر پہلو سے پیچھے رہ گئی، مگر اس کا جو ردعمل ہوا وہ بہت ہی برا تھا جس کا مشاہدہ الحاد و بے دینی، دین سے دوری بلکہ دین سے عداوت کی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یوں کنیسہ کے ہاتھوں آسمانی رسالت اپنے نزول کے مقاصد سے ہاتھ دھو بیٹھی، اور اصلاح کی جگہ فساد کا دور دورہ ہو گیا، عیسائیت کے پہلے دور میں بھی یہی کچھ ہوا اور دوسرے دور میں بھی۔ [1]

اس کے برعکس زمین میں اسلامی پھیلاؤ انسانی تاریخ میں ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے، وہ اس شہنشاہیت کی وسعت پذیری سے بالکل ہٹ کر ہے جس کی جاہلیت قدیمہ و جدیدہ مشق کرتی رہی ہے۔ وہ اس تباہ کن طغیان و سرکشی سے بالکل مختلف ہے جس کی تحریف شدہ نصرانیت مشق کرتی چلی آئی ہے۔ تاریخ عالم کی اس انوکھی تحریک کے دوران مسلمان گمراہی کی جگہ ہدایت، تاریکیوں کی جگہ روشنی اور حکمرانوں، کاہنوں اور بتوں کی پرستش کی جگہ صحیح عبودیت پھیلاتے رہے، زمین میں زیردستوں کو آزادی کے پروانے عطا کرتے رہے، لوگوں کو ان کی گم شدہ انسانیت واپس کرتے رہے اور انہیں انسان کے شایانِ شان مقام پر فائز کرتے رہے۔ وہ عدل وانصاف، اخوت و مودت، رواداری اور برداشت کی ایسی قدروں کو عام کرتے رہے جن کی اسلام کے علاوہ کہیں مثال نہیں ملتی۔ مسلمان ایسی عالی شان اور ہمہ گیر حقیقی تہذیب کی اشاعت کرتے تھے جسے وہ صرف اپنے لیے ہی پسند نہیں کرتے تھے بلکہ انہوں نے اس کے دروازے زمین میں رہنے والے ہر مسلمان کے لیے کھول رکھے تھے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اندلس، مشرقی یورپ کے نصاریٰ اور عالم اسلام کے مختلف شہروں اور علاقوں میں رہنے والے یہودی بھی اس کے سایہ عاطفت میں راحت محسوس کرتے تھے، ہندوستان میں گائے کے پجاری اور بت پرست تک بھی اس اسلامی تہذیب کے گھنے سائے میں پرلطف زندگی گزارتے تھے۔ اہل اسلام نے مفتوحہ ممالک کی دولت کو کبھی نہیں لوٹا اور نہ اپنی حکومتی طاقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں کے باسیوں کو دبانے کی کوشش کی۔ وہ سب سے پہلے انہیں مجسمہ خیر دین اسلام کی دعوت دیتے اگر وہ اسے قبول کر لیتے تو وہ دینی اعتبار سے ایک دوسرے کے بھائی بن جاتے اور اگر وہ اس سے انکار کرتے تو مسلمان ان سے جزیہ کا مطالبہ کرتے اور اگر وہ اس سے بھی انکار کرتے تو پھر

[1] کیف نکتب التاریخ الاسلامی، ص: ۱۲۰.

فریقین میں جنگ ہوتی۔ مگر یاد رہے کہ یہ جنگ کسی کو قبول اسلام کے لیے مجبور کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ قوت کے ان مراکز کے خاتمہ کے لیے ہوتی جوحق کو لوگوں تک رسائی حاصل کرنے کی راہ میں رکاوٹ تھے، پھر جب سرکشی کے مراکز کا خاتمہ کر دیا جاتا اور انسانی نفوس سے ان کی تاثیر زائل ہو جاتی تو لوگوں کو اسلام کے سایہ عاطفت میں آزاد چھوڑ دیا جاتا تاکہ وہ جس دین کو چاہیں اسے اپنا سکیں۔ [1]

مذموم مقاصد کے حامل بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اسلامی فتوحات کی تحریک کا اصل سبب مال وزر کا حصول تھا، مگر اس دعویٰ کا بودا پن اس امر سے واضح ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو اقتصادی مقاصد متحرک کرتے ہیں وہ اس طرح گھروں سے نہیں نکلتے کہ سب سے پہلے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں اور اگر وہ مشرف باسلام ہو جائیں تو اپنے ہتھیار پھینک کر انہیں بھائیوں کی طرح گلے لگا لیں اور پھر انہیں اسلامی تعلیمات سے فیض یاب کرنے لگ جائیں تاکہ وہ بھی اس خیر ربانی میں ان کے شراکت دار بن جائیں جو رب کائنات نے انہیں پہلے سے عطا کر رکھی ہے، اس قسم کے جھوٹے لوگ تاریخ پر جھوٹ باندھنے کے مرتکب ہوتے اور بہت بڑی علمی خیانت سے روسیاہ ہوتے ہیں۔ [2]

اصل بات یہ ہے کہ امت اسلامیہ کے نفوس میں اسلامی وجود کی گہرائی ہی وہ اصل قوت تھی جس کی وجہ سے امت مسلمہ متحرک ہوئی، اگر اسلامی وجود اس کی گہرائی میں نہ اتر چکا ہوتا اور وہ اس کی تعلیمات کی کماحقہ نمائندگی نہ کر رہی ہوتی تو وہ اس قدر برق رفتاری کے ساتھ اتنی موثر اور فعال تحریک برپا کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکتی، یہ امت، دین اسلام کے لیے بڑی حریص تھی اور اس پر پختہ ایمان رکھتی تھی اور اسے اس بات میں بڑی دلچسپی تھی کہ وہ اسے زمین کے گوشہ گوشہ میں عام کرے اور بنی نوع انسان کو اس سے مستفید ہونے کے مواقع فراہم کرے، فتوحات اسلامیہ کی اس تحریک کے دوران جس قسم کے عجیب وغریب واقعات پیش آئے ان کا صدور محض قوت کی وجہ سے ممکن نہیں تھا کتنی ہی سرکش اور متمرد قوتوں نے اپنی طاقت کو زمین میں اپنے توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کے لیے اندھا دھند استعمال کیا مگر وہ تاریخ عالم کے صفحات پر وہ عجائب رقم نہ کر سکی جو تحریک اسلامی کے حصے میں آئے۔

تلوار کے ذریعے زمین کو فتح کرنا تو ممکن ہے مگر وہ دلوں کو فتح نہیں کر سکتی، اسلامی فتوحات کی تحریک کے دوران جو کچھ ہوا وہ محض توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کے لیے ممکن نہیں تھا، دلوں کو فتح کرنے کا مقصد انہیں اسلام کے فیوض و برکات سے مستفید کرنا تھا اور وہ ان سے اس حد تک مستفید ہوتے کہ اکثر علاقوں میں مفتوحہ اقوام اپنی مادری زبانوں کو بھول گئیں اور دین اسلام کی زبان (عربی) کو سرکاری زبان کے طور پر اپنا لیا یہاں تک کہ غیر مسلم اقوام نے بھی۔ اگر فاتحین حقیقی مسلمان نہ ہوتے تو ایسا ہونا ممکن نہیں تھا، اور اگر وہ عقیدہ وعمل میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نہ ہوتے تو اسلامی فتوحات کے دوران ان عجائبات کا ظہور نہیں ہو سکتا تھا۔

---

[1] كيف نكتب التاريخ الاسلامي، ص: ۱۲۱۔ [2] ایضًا

اس قوت سے متعلق ایک اور بات بھی انتہائی قابل توجہ ہے کہ وہ اکثر اوقات اپنی تعداد، تیاری اور جنگی تجربہ کے اعتبار سے بڑی نہیں ہوتی تھی بلکہ ان کے مدمقابل فریق ان حوالوں میں ان سے کہیں بڑھ کر ہوتا تھا مگر وہ پھر بھی مسلمانوں کی قوت کے سامنے ڈھیر ہو جاتا۔ اگر فاتحین کے پاس مادی عنصر کے علاوہ کوئی اور عنصر نہ ہوتا تو وہ اس دشمن پر غلبہ حاصل نہ کر پاتے جو حربی فنون میں بھی ان پر فوقیت رکھتے تھے اور تعداد اور تیاری میں بھی، اور وہ عنصر تھا: وہ زندہ اور متحرک عقیدہ جو دلوں کو بھر دیا کرتا تھا، یہ ہے وہ دلیل جس پر ہم اس جگہ ان دعویٰ جات کے برعکس توجہ مرکوز کریں گے جن میں یہ کہا گیا ہے کہ بنوامیہ کے انحرافات نے دین کے آغاز کار میں ہی اس کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ ہم اس نکتہ پر ذرا تفصیل سے گفتگو کرنا چاہیں گے۔ اس دوران ہم قارئین کے ذہنوں سے یہ خبیث تاثر دور کرنے کی کوشش کریں گے کہ اسلام خلافت راشدہ کے اختتام کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا اور اس کا وجود باقی نہیں رہا تھا اور ایسا ہم پوری امانت داری اور باریک بینی کے ساتھ اسلام کے امر واقع کی روشنی میں کرنا چاہیں گے۔

اموی دور حکومت میں انحرافات و استنقامات کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ انحراف کے باوجود بھی حقیقی دین اسلام سے جو کچھ بچ رہا وہ بھاری بھرکم تھا اور یہ دین حنیف کی شان و شوکت کی قوی دلیل ہے اور یہ کہ اس کی جڑیں بڑی گہری اور مضبوط ہیں، بایں طور کہ حاصل کردہ بھاری بھرکم حصہ باقی رہا اور اس کی وجہ سے تر و تازگی سلامت رہی جو روئے زمین میں پورے جوش و خروش اور شجاعت و بسالت کے ساتھ دین اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے کوشاں تھی اور جو ذمہ داری خاص طور پر عہد اموی میں اہل اسلام نے نبھائی۔ ❶ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ معاشرے کے بارے میں آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس کے زیادہ تر افراد میں انحطاط تنزلی آ گئی مگر آپ اسے انحراف سے تعبیر نہیں کر سکتے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں اور لوگوں کے نفوس سے اس نئی اٹھان کے اثر کے زوال کے بعد اس معاشرے میں اس کی توقع کی جا سکتی تھی، مگر یہ وہی نسل تھی جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ((خَیْرُکُمْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ)) ❷ ''تم میں سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر وہ لوگ جو اُن کے بعد آئیں گے اور پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔'' بنوامیہ کا زمانہ فضیلت کا حامل زمانہ تھا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کے بعد (اس کے مقابلے میں) کسی بھی انسان کی شہادت کا کوئی اعتبار نہیں۔ ❸ یہ درست ہے کہ ہم اس وقت اسلام کے عادی معیار کے سامنے کھڑے ہیں اور اگرچہ یہ معیار وہ اعلیٰ ترین معیار نہیں ہے جس تک قبل ازیں کی نسل نفیس نے رسائی حاصل کی تھی مگر ذاتی طور سے یہ معیار رفیع الشان تھا اور وہ اس وقت بھی لوگوں میں وہ بھلائیاں بانٹ رہا تھا جو کسی اور نظام کے بس کا روگ نہیں تھا۔ ❹ حقیقت تو یہ ہے کہ اموی معاشرے میں کئی افراد خوبصورت اور قابل رشک معیار

❶ کیف نکتب التاریخ الاسلامی، ص: ۱۲۲۔ ❷ بخاری
❸ ایضا، ص: ۱۲۳۔ ❹ ایضا، ص: ۱۲۳۔

پر فائز تھے اور مسلمانوں کی تمام نسلوں میں سے کوئی نسل بھی حتیٰ کہ انحطاط کے زمانوں میں بھی اس بلند تر معیار سے محروم نہیں رہی۔ البتہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کے متفرق نمونوں میں کمی ضرور آتی گئی۔ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں تحریک جہاد کا از سر نو آغاز ان کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھی، انہوں نے بلاد شام پر اپنی ولایت کے دوران اس حوالے سے بڑی شہرت پائی تھی اور اعزازی مقام حاصل کیا تھا، شام بڑا وسیع جہادی محاذ تھا، ایک مجاہد کی حیثیت سے ان کی شہرت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ انہیں ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ادوار خلافت میں بری اور بحری دونوں طرح کے دشمن کے خلاف برسر پیکار ہونے کی توفیق سے نوازا گیا اور انہیں شام کے شمالی ساحل پر بڑی بڑی فتوحات حاصل ہوئیں، مزید برآں انہیں اسلامی بحریہ کی تاسیس کرنے، رومیوں کو سمندری شکست سے دوچار کرنے اور مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی باران سے قیادت وسیادت چھین لینے کا شرف عظیم حاصل ہوا۔ [1] الغرض دولت امویہ میں جہاد فی سبیل اللہ کو مسلمانوں کی زندگی میں اصل الاصول کی حیثیت حاصل رہی۔ جہاد اور فتوحات کے حوالے سے مسلمان قیادت کے لیے اموال غنیمت کا حصول اصل محرک نہیں تھا، اگرچہ بعض افراد کے بارے میں اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، مگر ان لوگوں سے کوئی بھی لشکر خالی نہیں ہوتا حتیٰ کہ اس قسم کے چند افراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی موجود تھے: ﴿وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا﴾ (ال عمران : ۱۵۲) ''تم میں سے کوئی دنیا کا ارادہ بھی رکھتا ہے۔'' مگر یہ صورت حال نہ تو مسلمانوں کی فتوحات کے درمیان ان کے نکتہ نظر کی عکاسی کرتی ہے اور نہ اس فکری قیادت کی جسے خلیفہ اور دیگر قائدین ترتیب دیتے اور اسے سپاہِ اسلام نافذ کرتی ہے۔ مزید برآں اس سے امت کے نکتہ نظر اور اس کی عمومی رائے کی بھی عکاسی نہیں ہوتی۔ [2] اس کی دلیل یہ ہے کہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم نہ صرف یہ کہ ان فتوحات میں شریک رہے بلکہ وہ مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب بھی دلاتے رہے جس کی حوادثات جہاد اور جنگی محاذوں پر امویوں کی کوششوں سے وضاحت ہوتی ہے؛ مثلاً رومی محاذ جہاں مجاہدین اسلام کو شجاعت و دلیری کے جوہر دکھانے کا موقع ملتا تھا وہ بیت المال پر ایک بوجھ تھا اس لیے کہ وہاں کے حملوں میں کوئی خاص پیش قدمی نہیں ہو رہی تھی، [3] خصوصاً جب ہم قسطنطنیہ پر ان تین بڑے حملوں کا ذکر کرتے ہیں جن پر بڑے بھاری اخراجات اٹھے تھے۔ [4]

اموی عہد حکومت کے مجاہدین نے قربانی، شجاعت بہادری اور اخلاص نیت کے بڑے خوبصورت اور یادگار واقعات چھوڑے۔ ان مجاہدین کا تعلق قائدین اور امراء کے ساتھ ہو یا عام سپاہ اسلام کے ساتھ، یا ان کا شمار علماء و زاہدین کی جماعتوں کے ساتھ جنھوں نے عبادتِ جہاد کا فہم حاصل کیا اور پھر عملاً اس میں حصہ لیا۔ اخلاص و نیک نیتی اور قربانی کے یہ واقعات تمام جہادی محاذوں پر اور جہاد کے تمام مراحل میں دیکھے جا سکتے ہیں اور یہ اس امر کی واضح

---

[1] كيف نكتب التاريخ الاسلامي، ص: ۱۲۳.
[2] الدولة الاموية، حمدي شاهين، ص: ۲۳۹.
[3] الفتوحات بين دوافعهاد الاسلامية و دعاوى المستشرقين، ص: ۷۸.
[4] الدولة الاموية، يوسف العيشى، ص: ۳۴٦.

دلیل ہے کہ عہد اموی میں اسلامی فتوحات کے دوران مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی جذبہ بڑا گہرا تھا اور اس سے ان شکوک وشبہات کی نفی ہوتی ہے جسے منحرفین بنوامیہ کے ان افعال کے بارے میں پیدا کرتے ہیں جن کا شمار ان کے قابل فخر کارناموں میں ہوتا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اموی عہد حکومت میں فتوحات پر اسلامی رنگ غالب تھا۔

اس دور کی فتوحات کی تحریک کا تاریخی اور آخری نتیجہ یہ تھا کہ عالم اسلام دور دراز علاقوں تک پھیل گیا جس دوران اس نے زمین بھی کمائی اور انسان بھی، اور ساتھ ہی ساتھ فتوحات کی اس تحریک کی پہلی لہر کی کامیابیوں کو محفوظ بنا لیا جس کی قیادت خلفائے راشدین نے کی تھی۔ فتوحات کی دوسری لہر کا آغاز خود معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں ہوا، بعدازاں یہ تسلسل کے ساتھ جاری رہیں یہاں تک کہ ولید کے عہد حکومت میں اپنی وسعتوں کی انتہاء کو پہنچ گئیں۔ [1]



[1] فی التاصیل الاسلامی للتاریخ، ص: ۹۲، ۹۳.

پہلی بحث:

بیزنطی حکومت کے خلاف تحریک جہاد

معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے میں ان کے لیے سب سے بڑا خطرہ بیزنطی حکومت تھی، اگرچہ دولت بیزنطیہ مشرق میں شام اور مصر جیسے اہم ترین صوبوں سے محروم ہو چکی تھی مگر اس کا جسم ابھی تک صحیح و سالم تھا، اس کا دارالحکومت باقی تھا، اس میں مقابلے کی بے پناہ طاقت موجود تھی اور ابھی تک وہ مسلمانوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ سے باز نہیں آئی تھی، المختصر مسلمانوں کی اصل دشمن یہی حکومت تھی جو ایک بہت بڑے خطرے کی صورت میں ان کے سامنے کھڑی تھی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اس خطرے سے بخوبی آگاہ بھی تھے اور وہ اس کا مقابلہ کرنے کی پوری پوری قدرت بھی رکھتے تھے۔ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں فتوحات کے آغاز سے ہی شام میں موجود تھے اور وہ تقریباً بیس سال تک اس کے والی رہے تھے۔ شام میں عرصہ دراز تک قیام کی وجہ سے انہیں بیزنطیوں کے احوال وظروف، ان کی سیاست اور ان کے اہداف کا وسیع تجربہ حاصل ہو گیا تھا جس نے انہیں ان کے ساتھ معاملہ کرنے کی کیفیت سے آگاہ ہونے میں بڑی مدد دی۔ یہی وہ وجوہات تھیں جن کی ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے دولت بیزنطیہ کے ساتھ اپنی حدود اور تعلقات کو بڑی اہمیت دی اور اس کے لیے ایسا واضح سیاسی منصوبہ وضع کیا جس پر وہ خود اور ان کے بعد ان کے اموی خلفاء اپنی حکومت کے اختتام تک گامزن رہے، معاویہ رضی اللہ عنہ کے بنیادی مقاصد میں اہم ترین مقصد ان کے دارالحکومت قسطنطنیہ پر غلبہ حاصل کرنا تھا۔ [1]

اولاً:......معاویہ رضی اللہ عنہ اور قسطنطنیہ

جب ۴۱ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو استحکام حاصل ہو گیا تو انہوں نے اسلامی بحری بیڑے کو مزید ترقی دینے کے کام کا آغاز کیا تاکہ وہ روم کے دارالحکومت قسطنطنیہ کو جو کہ مسلمانوں کے خلاف عداوت کا مرکز اور ان کے سر پر دائمی خطرے کی صورت منڈلاتا رہتا تھا کو نیست و نابود کرنے پر قادر ہو سکیں جن سرکش عناصر کو روی دولت اسلامیہ کے خلاف استعمال کرنے اور ان کی جاسوسی کے لیے استعمال کرتے تھے۔ [2] معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا خاتمہ کرنے کے بعد دشمن کی بحری جنگی صلاحیتوں کا اندازہ لگانے کے لیے اپنی بحری سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ [3] ان بحری حملوں کے مقاصد میں رومیوں کی نقل و حرکت سے آگاہ ہونا، ان کے بارے میں حساس نوعیت کی معلومات حاصل کرنا اور انہیں قبرص، آرواد اور رودس کے جزائر کو استعمال کرنے سے روکنا تھا جو کہ اسلامی بحری بیڑے کے خلاف فوجی تیاریوں کے لیے استعمال ہوتے تھے۔

---

[1] العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲۴۱.

[2] العلاقات العربیة البیزنطیة فی العصر الاموی، ص: ۵۱.

[3] ایضا نقلا عن الامویین و البیزنطیین.

انہوں نے ۴۳ھ ❶ کو سمندر میں بُسر بن ارطاۃ کی موسم سرما کی فوج کے ساتھ اطلاعاتی سرگرمیوں کا آغاز کیا اور پھر اس کے بعد ۴۶ھ کو سرزمین روم میں مالک بن عبداللہ کے موسم سرما کے دستے اور عبداللہ بن قیس فزاری کے موسم گرما کے دستے کو بھیجا۔ مزید برآں عقبہ بن عامر جہنی، عبداللہ کرز بجلی، عبداللہ بن یزید بن شجرہ رہاوی کے موسم سرما اور گرما کے فوجی دستوں کو استعمال کیا گیا ❷ اور موسم سرما و گرما کے فوجی دستوں کے نظام کو مستقل بنیادوں پر جاری رکھا گیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک واضح ہدف تھا اور وہ تھا قسطنطنیہ پر دباؤ ڈال کر دولت بیزنطیہ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کرنا جو کہ اس پر قبضہ کرنے کی تمہید تھی اور شاید ان کا یہ بھی مقصد ہو کہ قسطنطنیہ پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد دولت بیزنطیہ پر قبضہ جما لیا جائے، اس لیے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ یہ سرکش دارالحکومت دولت بیزنطیہ کے اعصاب کا مرکز اور اموال و رجال کا مستقر ہے، اور سوچ و بچار کرنے والے ارباب دانش و بینش بھی ادھر ہی ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں، اگر ان کے ہاتھوں قسطنطنیہ کا سقوط ہو جاتا ہے تو اس کے نتیجہ کے طور پر ساری کی ساری دولت بیزنطیہ بے بس ہو کر رہ جائے گی۔ اس وقت مسلمانوں کا اہل فارس کے ساتھ تجربہ ان کے سامنے تھا، دارالحکومت مدائن کے مسلمانوں کے ہاتھوں سقوط کے بعد اہل فارس بے یقینی کا شکار ہو گئے تو انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور ان کی ریاست ختم ہو گئی۔ لہٰذا اگر وہ بیزنطی دارالحکومت کو گرانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ ریاست کے سقوط کی وارننگ ہو گی اور اس طرح وہ ایک سرکش اور مرکزی دشمن سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، لہٰذا انہوں نے اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے اپنی کوششوں کو جاری رکھا۔ اگر ہم یہ کہیں تو مبالغہ نہیں ہو گا کہ دولت بیزنطیہ تقریباً آٹھ سو سال تک قائم رہی اور اس کا یہ قیام دارالحکومت قسطنطنیہ کی بقاء کا مرہونِ منت تھا اس شہر کی محفوظیت اور اسے فتح کرنے کی امویوں کی لگاتار کوششوں کے سامنے اس کا جم کر کھڑے رہنا اس سلطنت کے سقوط کے لیے بہت بڑی رکاوٹ تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب انتیس مئی ۱۴۵۳ء بمطابق ۸۵۷ھ عثمانی سلطان محمد الفاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے بعد اس پر قبضہ کر لیا تو اس سے دولت بیزنطیہ کے سقوط اور وجود کے زوال کی راہ ہموار ہو گئی۔ ❸

ثانیاً:...... قسطنطنیہ پر قبضہ جمانے کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی

معاویہ رضی اللہ عنہ اس امر کے خواہش مند تھے کہ پیش قدمی کی باگ ڈور ہمیشہ ان کے ہاتھ میں رہے اس لیے کہ وہی بحر متوسط کے جزائر کو افرادی قوت اور سامان حرب و ضرب فراہم کرنے اور وہاں کے رہنے والوں کو مصر اور شام کے ساحل پر حملہ آور ہونے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے، انہوں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کئی پہلوؤں پر کام کرنا شروع کیا:

❶ مواقف حاسمة، محمد عبدالله عنان، ص: ۳۱.
❷ النجوم الزاهرة: ۱/ ۱۳۴۔ العلاقات العربية البيزنطية في العصر الاموى، ص: ۵۱.
❸ العالم الاسلامى فى العصر الاموى، ص: ۲۴۴.

۱۔ مصر اور شام میں کشتی سازی کے کارخانے قائم کرنا اور ان میں کام کرنے کے لیے اس فن کے ماہر ترین لوگوں کا انتخاب کرنا، انہیں بھاری تنخواہیں ادا کرنا اور ضروری ساز و سامان فراہم کرنا تا کہ وہ انتھک محنت کر کے اس کام کو آگے بڑھا سکیں۔ ❶ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی عسکری حس اور قائدانہ فکر و نظر کی وجہ سے اس بات کا پورا پورا ادراک تھا کہ رومیوں کے ساتھ مسلمانوں کے معرکوں کا انحصار بحری بیڑے پر ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ احساس اس وقت مزید گہرا ہو گیا جب رومیوں نے پانچ سو سے زیادہ کشتیاں اسلامی بحری بیڑے کو نیچا دکھانے کے لیے ذات الصواری کے معرکہ میں جھونک دیں۔ اگر چہ رومیوں کو اس معرکہ میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا مگر وہ جنگی تیاریوں سے باز نہ آئے اور نہ ہی مسلمانوں کی بحری قوت کا سامنا کرنے کے لیے اپنی قوتوں کو جمع کرنے سے ہاتھ کھینچا۔ ان کا خیال تھا کہ چونکہ ابھی تک مسلمانوں کی بحری قوت تیاری کے ابتدائی مراحل میں ہے، لہٰذا ان کے لیے اس کا خاتمہ کرنا ممکن ہے، لہٰذا اب وہ توقع کرنے لگے تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ آئندہ معرکہ دارالحکومت قسطنطنیہ کی دیواروں پر ہوگا، لہٰذا وہ اس کے لیے تیاری کرنے لگے۔ ❷

کشتی سازی کے لیے مصر اور شام کے باہمی تعاون کے بڑے اچھے نتائج برآمد ہوئے، شام میں کشتیاں تیار کرنے کے لیے انتہائی موزوں صنوبر، شاہ بلوط اور عرعر کی لکڑی وافر مقدار میں پائی جاتی تھی، جبکہ مصر میں جمیز، لبخ اور دوم نامی درخت بڑی کثرت سے پائے جاتے تھے جن کی لکڑی کشتیوں کے مختلف حصوں میں استعمال ہوتی تھی۔ ❸ مصر، شام اور یمن میں لوہے کی کانیں بکثرت پائی جاتی تھیں، ان سے نکلنے والا لوہا کشتی سازی میں استعمال ہونے والی لوہے کی مختلف چیزیں بنانے میں استعمال کیا گیا، مصر میں موجود گندھک کے بڑے بڑے ذخائر تھے جسے اس صنعت کے لیے کام میں لایا گیا، الغرض مصر اور شام کے باہم تعاون نے اسلامی بحریہ کو ترقی دینے میں بڑا اہم کردار ادا کیا جس کی اہمیت اس وقت اور بڑھ گئی جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۵۴ھ ❹ میں مسلمہ بن مخلد انصاری کو جزیرہ روضہ میں کشتی سازی کا کارخانہ قائم کرنے کا حکم دیا، یہ بیزنطیوں کی طرف سے مصر پر کیے گئے حملے کے بعد کی بات ہے۔ ❺

۲۔ مصر اور شام میں بحری سرحدوں کو مضبوط بنانا:...... معاویہ رضی اللہ عنہ نے ساحلی شہروں کو محفوظ بنایا اور انہیں جہادی قوتوں سے اس طرح مضبوط مراکز میں تبدیل کر دیا کہ ان سے بحری افواج ایک جگہ سے دوسری جگہ جہاں چاہیں آزادانہ نقل و حرکت کر سکیں۔ انہوں نے ان شہروں کے لیے ایسا نظام وضع کیا جسے رباط کے نام سے جانا جاتا تھا، اس سے مقصود ایسے مقامات تھے جہاں دشمن کی سرزمین پر حملہ آور ہونے کے لیے لشکر جمع

❶ العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲٤٥.

❷ الامویون، محمد سید الوکیل: ۱/ ۱٥٤.

❸ تاریخ الدولة العربیة، ص: ۳۱۲.

❹ العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲٤٦.

❺ کتاب الولاة و القضاة لکندی، ص: ۳۸.

ہوا کرتے تھے انہوں نے اس نظام میں اس قدر دلچسپی لی کہ اس کا جہاد کے ساتھ بڑا گہرا ربط وضبط پیدا ہوگیا اور وہ جہاد ہی کا ایک حصہ قرار پایا اور اسلام کے لیے تڑپ رکھنے والے اور اس کی نصرت ومعاونت کے لیے بے قراری کے ساتھ عمل کرنے والے مجاہدین اس کی طرف کھنچے چلے آتے۔ ❶ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دیگر اعمال کی طرح نظام رباط کو بھی بتدریج آگے بڑھایا اور پھر رباط کو ایسے قلعوں میں تبدیل کر دیا جن میں لشکری بیزنطی بحری بیڑوں سے ان کے حملوں کی زد میں آنے والے علاقوں کا دفاع کرنے کے لیے جمع ہوتے۔ یہ رباط ساحلی علاقوں کے باشندوں کے لیے اس وقت پناہ گاہوں کا بھی کام دیتے جب انہیں بیزنطی کشتیوں سے اپنے علاقے کے پانیوں میں کوئی خطرہ محسوس ہوتا۔ یہ رباطی قلعے لشکریوں کے لیے کمروں اور رہائش گاہوں کے ساتھ ساتھ اسلحہ اور سامان خورد ونوش کے سٹورز پر مشتمل ہوتے اور جن پر نگرانی کے لیے بلند و بالا مینار بھی قائم کیے گئے تھے۔ پھر ان میں مزید وسعت آئی اور ان کی اہمیت اس قدر بڑھ گئی کہ وہ دشمن پر حملہ کرنے کے مراکز میں تبدیل ہو گئے۔ ❷ ساحلی علاقوں میں لوگوں کو زمینوں کے عطیات دینے کی پالیسی کو جو کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بحری جنگی تیاریوں سے قبل تشکیل دی تھی، اسے بحری دفاعی سیاست کے آخری قدم کے طور پر دیکھا جاتا ہے جس کی وجہ سے بحری اڈوں کی تکمیل ہوئی اور پھر ان میں بحری بیڑے تیار کیے جانے لگے۔ ساحلی شہروں کی آبادی اور ترقی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۴۲ھ میں بعلبک، حمص اور انطاکیہ سے لوگ گروہ در گروہ اردن کے ساحلی شہروں صور اور عکا وغیرہ میں منتقل ہو گئے، اسی طرح معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں شہروں کے قلعوں کی بھی اصلاح کی اور خاص طور پر عکا کے قلعہ پر خصوصی توجہ دی جہاں سے نکل کر انہوں نے قبرص پر پہلا بحری حملہ کیا تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام ساحلی شہروں کو خصوصی توجہ دی اور حالات وضروریات کے مطابق ان کے لیے ضروری ترقیاتی اقدامات لیے۔ ❸

۳۔ بحر متوسط کے مشرق میں واقع جزائر پر قبضہ:...... اس کا آغاز جزیرہ قبرص پر قبضہ سے ہوا، پھر انہوں نے ایک دوسرے اہم جزیرہ پر قبضہ کر لیا جو کہ رودس کے نام سے معروف ہے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس جزیرہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس میں قلعہ تعمیر کرنے کا حکم دیا اور اس کے دفاع کے لیے وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت کو متعین کر دیا اور اسے رباط قرار دے کر انہیں شام کے دفاع کی ذمہ داری بھی تفویض کر دی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ رودس میں مسلمانوں کو دینی ماحول میں رنگ دیا جائے اور اس کے باسیوں میں اسلام کا پرچم بلند کیا جائے، چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے لیے وہاں کے لوگوں کو قرآنی تعلیمات سے آشنا کروانے کے لیے مجاہد بن جبر رحمہ اللہ نامی عالم وفقیہ کو بھیجا جو لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔ ❹

---

❶ الامویون و البیزنطیون، ص: ۶۸.
❷ ایضا، ص: ۶۹.
❸ ایضا، ص: ۷۰.
❹ الامویون و البیزنطیون، ص: ۸۱.

معاویہ رضی اللہ عنہ کا پروگرام یہ تھا کہ بیزنطی بحری کشتیوں کا راستہ روکنے اور انہیں بلاد اسلامیہ تک رسائی سے روکنے کے لیے بحرایجہ اور اس کی گزرگاہوں کو بند کر دیا جائے اور اسی مقصد کے حصول کے لیے ان پر بحری جنگی حملوں کو مسلسل جاری رکھا جائے، انہوں نے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بڑی اہمیت کے حامل جزیرہ کریت پر قبضہ جمانے سے قبل رودس کو فتح کرنے اور بیزنطی جنگی کشتیوں کو کھلے سمندر میں آنے سے باز رکھنے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا مگر اس کے کمانڈر جنادہ بن امیہ ازدی اس پر فتح حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور انہیں صرف اس پر حملہ آور ہونے، کچھ بیزنطیوں کو گرفتار کرنے اور علاقہ میں موجود کچھ جنگی کشتیوں کو قبضہ میں لینے پر ہی گزارا کرنا پڑا، البتہ اس سے معاویہ رضی اللہ عنہ بحرابیض متوسط کی طرف مسلمانوں کی توجہ مبذول کرانے اور انہیں ان جزائر کی اہمیت سے آگاہ کرنے میں کامیاب رہے ان کے بحری بیڑے نے اس کے چند جزائر پر قبضہ جما لیا اور دیگر جزائر کے لیے خطرے کا الارم بجا دیا اور اپنے بعد آنے والے اموی خلفاء کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لیے ایک ایسی بحری قوت کا بندوبست کر دیا تھا جو بحرابیض متوسط پر بیزنطیوں کی قدیم اجارہ داری کو چیلنج کرنے کی پوزیشن میں تھی، پھر وہ اسے تاریخ کے اس اہم عمل و کردار کے لیے تیار کرنے لگے کہ بیزنطیوں کے دارالحکومت پر ضرب کاری لگاتے ہوئے اس پر قبضہ جما لیا جائے مگر انہیں اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے بیزنطیوں پر بحری برتری حاصل کرنے تک کے عرصہ کا انتظار کرنا پڑا۔ ❶

۴۔ ان بحری جنگی تیاریوں سے مطلوبہ اہداف کے حصول کے لیے شام کے شمال میں اسلامی اور بیزنطی حکومتوں کے درمیان سرحدی علاقوں کو مضبوط بنانا ازحد ضروری تھا اور یہ اس لیے کہ مسلمان خلفائے راشدین کے عہد مسعود میں اپنی ابتدائی فتوحات کے دوران شمالی شام کے اطراف تک پہنچ گئے تھے مگر ان کی بیزنطی ایشیا صغریٰ تک طوروس کے پہاڑی سلسلہ نے روک دیا تھا۔ بیزنطیوں نے مسلمانوں سے پسپائی اختیار کرتے وقت حلب اور انطاکیہ کے شمال میں واقع علاقہ جات کو مسلمانوں کی طرف سے ان سے استفادہ کو روکنے کے لیے انہیں تباہ کر دیا اس طرح انہوں نے اسکندرونہ اور طوروس کے درمیان واقع زیادہ قلعوں کو بھی ناقابل استعمال بنا دیا تھا۔ ❷ دریں حالات معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان علاقوں کو نئے سرے سے تعمیر کرنے اور انہیں مضبوط بنانے میں خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا اور سب سے پہلے انطاکیہ کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا جسے ہمیشہ بیزنطیوں کے حملوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، انہوں نے اس کی تعمیر و ترقی کے لیے وہی پالیسی اختیار کی جو انہوں نے شام کے ساحلی شہروں کے لیے اختیار کر رکھی تھی، چنانچہ انہوں نے لوگوں کو انطاکیہ میں آباد کرنے کے لیے انہیں رہائشی زمین دی، ان کے دفاع کو مضبوط بنانے کے لیے اس کے لیے مخصوص رباط کو مضبوط بنایا اور بیزنطیوں کی اراضی پر حملوں کے دوران اسکندرونہ اور طوروس کے درمیان واقع شہروں کو بالتدریج تعمیر اور آباد کرنے

---

❶ الامویون و البیزنطیون، ص: ۸۲۔

❷ فتوح البلدان، ص: ۱۹٤۔ العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲٤۷۔

لگے، انہوں نے اسلامی بیزنطی سرحدی علاقوں میں واقع اہم پناہ گاہوں پر اپنا قبضہ مستحکم کرنے کے لیے سمیاط اور ملطیہ پر قبضہ کر لیا، علاوہ ازیں مرعش اور حدث جیسے مزید قلعے تعمیر کیے اور پھر بڑی اہمیت کے حامل زبطرہ قلعہ پر بھی قبضہ کر لیا اور اسے نئے سرے سے مستحکم بنایا، [1] معاویہ رضی اللہ عنہ نے جہادی تحریک کو جاری رکھنے اور مسلم سپاہ کی عملی تربیت کے لیے سرحدی علاقوں کو میدان جنگ بنائے رکھنے اور اسے دشوار گزار پہاڑی راستوں پر چلنے کا عادی بنانے کے لیے مسلسل جنگ کی طرح ڈالی۔ یہ وہ فوجی نشاطات تھیں جنہیں موسم سرما اور موسم گرما کے غزوات کے نام سے یاد کیا جاتا تھا [2] اور جن کا تذکرہ طبری اور دیگر مورخین بار بار کرتے نظر آتے ہیں۔ [3] یہ غازیان اسلامی دشمن کی سرزمین میں گھس کر اس کے حفاظتی انتظامات کو درہم برہم کر دیتے، مال غنیمت حاصل کرتے اور پھر واپس لوٹ آتے، ان کے ان پے در پے حملوں سے دشمن حکومت پر شدید دباؤ پڑتا، اس کے اعصاب کمزور پڑتے اور ان کی طاقت میں ضعف آتا، [4] اس قسم کے مسلسل اور لگاتار حملوں نے ان عظیم اور مشہور مسلمان کمانڈروں کو جنم دیا جنہوں نے فن حرب و ضرب میں بڑا نام کمایا جن میں عبداللہ بن کرز بجلی، یزید بن شجرہ رہاوی، مالک بن ہبیرہ سکونی، جنادہ بن امیہ ازدی، سفیان بن عوف، فضالہ بن عبید [5] اور مالک بن عبداللہ خثعمی قابل ذکر ہیں، [6] ان عظیم مسلمان جنگی کمانڈرز نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے بیزنطیوں کے خلاف جہاد میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں اور سرفروشی کی سنہری مثالیں قائم کیں۔ [7]

ثالثاً:...... قسطنطنیہ کا پہلا محاصرہ

معاویہ رضی اللہ عنہ نے (۴۷-۴۸ھ) کے دوران قسطنطنیہ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بیزنطی سرزمین پر غارت گری کے لیے کئی لشکر بھیجے، [8] مالک بن ہبیرہ نے موسم سرما بیزنطی علاقے میں گزارا اور ۴۹ھ بمطابق ۶۶۹ء کو قسطنطنیہ شہر کا پہلا اسلامی محاصرہ دیکھنے میں آیا، سلطنت بیزنطیہ کے دو کمانڈروں سیلیوس اور میزیریوس کی اپنے حکمرانوں کے خلاف سرکشی نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو فضالہ بن عبید لیثی اور سفیان بن عوف عامری کی قیادت میں بری اور بحری لشکر قسطنطنیہ بھیجنے پر اکسایا جہاں یزید بن شجرہ رہاوی [9] ان کی مدد کے لیے پہلے سے تیار بیٹھا تھا، اسلامی بحری بیڑے نے خلقیدونیہ پہنچ کر اس میں داخل ہونے کے لیے اس کا محاصرہ کر لیا مگر موسم سرما کی شدت اور اکثر

---

[1] الامویون و البیزنطیون، ص: ۱۱۰ نقلا عن العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲۴۷۔
[2] العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲۴۸۔
[3] تاریخ طبری: ۶/ ۲۲۵۔
[4] العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲۴۸۔
[5] تاریخ طبری نقلا عن العالم الاسلامی، ص: ۲۴۸۔
[6] الامویون و البیزنطیون نقلا عن العالم الاسلامی، ص: ۲۴۸۔
[7] العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲۴۸۔
[8] تاریخ طبری: ۶/ ۱۴۵۔ خلافة معاوية از عقيلي، ص: ۱۰۸۔
[9] تاریخ طبری: ۶/ ۱۴۸۔

فوجیوں کے چیچک میں مبتلا ہونے کی وجہ سے شہر کا محاصرہ کرنے والے لشکر کے لیے حالات انتہائی مشکل بنا دیئے گئے جس کی وجہ سے بری فوج کے کمانڈر فضالہ بن عبید لیثی نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے مزید دستے بھجوانے کی درخواست کی تو اس کے جواب میں انہوں نے جو لشکر ادھر روانہ کیا اس میں کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے جن میں عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم قابل ذکر ہیں، [1] اس لشکر کا جنرل کمانڈر یزید بن معاویہ بن ابوسفیان تھا، جب یزید اپنے لشکر کے ہمراہ خلقیدونیہ پہنچا تو وہاں پہلے سے موجود ڈیرہ ڈالے لشکر کے ساتھ شامل ہو گیا اور پھر ان دونوں نے مل کر قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی اور پھر اس کی دیواروں کے پیچھے مورچہ زن ہو کر اس کا محاصرہ کر لیا جو چھ ماہ تک جاری رہا، اس دوران فریقین میں گاہے بگاہے جھڑپیں ہوتی رہیں، اس محاصرے کے دوران یزید نے بڑی جوانمردی اور حوصلہ مندی کا مظاہرہ کیا اور شجاعت و سیاست کی ایسی نادر مثالیں قائم کیں جس کی وجہ سے بعض مورخین اسے ''فتی العرب'' [2] (عرب نوجوان) کے لقب سے ملقب کرنے لگے، اس دوران اگر مسلم سپاہ کو شدید قسم کی موسمی مشکل حالات کا سامنا نہ کرنا پڑتا تو اس کی کامیابی یقینی تھی، مثلاً شدید سردی اور موسلا دھار بارشوں کی وجہ سے غذائی اشیاء کی شدید قلت پیدا ہو گئی اور مجاہدین متعدد بیماریوں میں مبتلا ہو گئے، علاوہ ازیں انہیں شہر کی مضبوط حفاظتی دیواروں کا بھی سامنا تھا، ان مایوس کن حالات میں انہوں نے شہر کا محاصرہ ختم کر کے فی الحال واپس شام لوٹ جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ [3]

غزوہ قسطنطنیہ کا شمار دلائل نبوت میں ہوتا ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دیتے ہوئے اور فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''میری امت کا پہلا لشکر جو شہر قیصر سے جنگ کرے گا اس کی مغفرت فرما دی گئی ہے۔'' [4] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مغفرت کی اس بشارت کی جستجو میں متعدد کبار صحابہ رضی اللہ عنہم اس غزوہ میں شریک ہوئے۔ [5]

رابعاً:...... قسطنطنیہ کے محاصرہ کے دوران ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات

ابوایوب خالد بن زید بن کلیب انصاری رضی اللہ عنہ جنگ بدر، عقبہ اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ خوارج کے ساتھ جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر رہے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر قیام فرمایا اور پھر ایک ماہ تک ان کے پاس ہی مقیم رہے، پھر جب آپ نے مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد اس کے آس پاس اپنی رہائش گاہ تعمیر کر لی تو اس میں منتقل ہو گئے۔ [6]

---

[1] تاریخ طبری: ٦/ ١٤٨.

[2] الامویون و البیزنطیون، ص: ١٦٤۔ خلافة معاویة، ص: ١٠٩.

[3] الکامل فی التاریخ: ٦/ ٤٨٠۔ خلافة معاویة، ص: ١١٠.

[4] صحیح بخاری مع فتح الباری: ٦/ ١٢٠.

[5] مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری، ص: ٣٢٠.

[6] البدایة و النهایة: ١١/ ٢٥١.

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بصرہ کے والی تھے تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے تو انہوں نے آپ کا بہت زیادہ اکرام کیا اور فرمایا: میں تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی کا صلہ دوں گا، اس وقت ان کے پاس تقریباً چالیس ہزار درہم موجود تھے انہوں نے وہ ساری رقم ان کی خدمت میں پیش کر دی۔ ❶ دوسری روایت میں ہے: جب ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے لیے گھر کی تمام اشیاء سے دست بردار ہو گئے۔ مزید برآں انہوں نے ان کی خدمت میں کئی تحائف، بہت سارے خدمت گزار، چالیس غلام اور چالیس ہزار دینار پیش کیے، ان کی یہ عزت اس لیے کی گئی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر مہمان کے طور پر ٹھہرایا تھا، اور جو اُن کے لیے بڑے شرف کا باعث تھا۔ ❷

جب ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان سے کہا: کیا آپ نے وہ کچھ نہیں سنا جو لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہہ رہے ہیں؟ ان کا اشارہ واقعہ افک کی طرف تھا۔ تو انہوں نے اس سے دریافت کیا: ام ایوب! کیا تم ایسا کر سکتی ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہرگز نہیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! عائشہ رضی اللہ عنہا تم سے بہت بہتر ہیں۔ اس پر اللہ نے یہ آیت اتاری: ❸

﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ (النور: ۱۲)

''اسے سنتے ہی مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات قائم کی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات سرزمین روم میں قسطنطنیہ کی دیوار کے قریب ہوئی۔ اس وقت آپ یزید بن معاویہ کے لشکر میں شامل تھے اور اسی نے ہی آپ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ ❹ ایک دوسری روایت میں آتا ہے: دوران جنگ ابوایوب رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو انہوں نے فرمایا: جب میری موت واقع ہو جائے تو میری میت کو اٹھا لینا اور جب دشمن تمہارے سامنے آئے تو مجھے اپنے قدموں میں پھینک دینا۔ خبردار! میں تمہیں وہ حدیث سناتا ہوں جو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: ''جو آدمی اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرایا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔'' ❺ ابوایوب رضی اللہ عنہ کو قسطنطنیہ کی دیواروں کے پاس دفن کیا گیا۔ جن لوگوں نے آپ کو دفن کیا ان سے رومی کہنے لگے: اے عرب گروہ! آج رات تمہارے لیے کوئی خاص بات تھی۔ انہوں نے جواب دیا: ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص کی موت واقع ہو گئی تھی۔ ❻

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۴۰۴. ❷ البدایة و النهایة: ۱۱/ ۲۵۲.

❸ سیرة ابن هشام: ۲/ ۳۰۲۔ البدایة و النهایة: ۱۱/ ۲۵۲.

❹ سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۴۰۵.

❺ البدایة و النهایة: ۱۱/ ۲۵۲.

❻ سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۴۱۲۔ اس کی سند قوی ہے۔

قسطنطنیہ کی فتح اور دولت عثمانیہ کی آمد کے بعد ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو خلافت عثمانیہ میں بڑا عظیم مقام و مرتبہ حاصل ہو گیا۔ عثمانی سلاطین میں سے جب بھی کوئی تخت نشین ہوتا تو وہ مسجد ابوایوب رضی اللہ عنہ میں ایک دینی اجتماع کا انعقاد کرتے اور حکومت حاصل کرنے کی علامت کے طور پر گلے میں تلوار حمائل کرتے۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو سب ترکوں میں ولی اللہ کا رتبہ حاصل تھا، ایمان سے لبریز دل ان کی طرف لپکے چلے آتے اور وہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے میزبان کی حیثیت سے دیکھتے جس نے انتہائی مشکل حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا، انہیں مجاہدین میں بھی بڑی قدر و منزلت حاصل تھی وہ ان کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت اور جہاد فی سبیل اللہ کو ان کی عظیم ترین منقبت اور عظیم الشان کارنامہ خیال کرتے تھے۔ [1] ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ انہیں دشمن کی زمین کے آخری حصہ میں دفن کیا جائے۔ وہ چاہتے تھے کہ زندہ یا مردہ ہر حالت میں دشمن کی زمین کے اندر تک جائیں۔ گویا کہ انہوں نے جو کچھ زندگی میں حاصل کیا ان کے لیے وہ کافی نہیں تھا، لہٰذا انہوں نے اپنی موت کے بعد اس میں مزید اضافے کی تمنا کی اور یہ وہ چیز ہے جس کے علاوہ ایک حقیقی مجاہد کا اور کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔ [2]

ہم اپنی زندگی میں اس عجیب و غریب چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ بعض مسلمانوں کی خواہش ہوتی ہے کہ اگر اس کی بیرون ملک موت واقع ہو جائے تو اسے واپس لا کر اس کے ملک میں دفن کیا جائے، حالانکہ ساری زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اور سارے شہر بھی اسی ذات اقدس کے ہیں۔

جب ابوایوب رضی اللہ عنہ غزوہ قسطنطنیہ کے لیے روانہ ہوئے اس وقت وہ بہت زیادہ بوڑھے ہو چکے تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ اللہ فرماتا ہے: ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا﴾ (التوبۃ: ۴۱) ''نکل کھڑے ہو ہلکے پھلکے ہو تو بھی بھاری بھر کم ہو تو بھی۔'' میں ہلکا پھلکا ہوں یا پھر بھاری بھر کم۔ [3] ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ لوگوں کو کتاب اللہ اور مفاہیم اسلام کا صحیح فہم دیا کرتے تھے۔ ابوعمران تجیبی کہتے ہیں: ہم قسطنطنیہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو اس جماعت کے قائد عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید تھے۔ رومیوں نے اپنی پیٹھیں قسطنطنیہ کی دیوار کے ساتھ لگا رکھی تھیں۔ ایک آدمی نے دشمن پر حملہ کیا تو لوگ کہنے لگے: رک جا، رک جا، لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ. یہ شخص اپنے آپ کو تباہی سے دوچار کر رہا ہے۔ اس پر ابوایوب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یہ آیت ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت فرمائی اور اسلام کو غلبہ عطا فرمایا تو ہم نے کہا: آؤ اب ہم اپنے مالوں کی نگرانی کرتے اور ان کی اصلاح کرتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّہْلُکَۃِ﴾ (البقرۃ: ۱۹۵)

''اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔''

---

[1] الصحابی الجلیل ابو ایوب الانصاری، حسین المصری، ص: ۱۲۔ [2] ایضا، ص: ۶۸۔

[3] سکب العبرات للموت و القبر و السکرات: ۱/ ۱۷۵۔

اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں ڈالنا یہ ہے کہ ہم اپنے اموال میں ہی مگن رہیں اور جہاد ترک کر دیں۔ ابوعمران فرماتے ہیں: ابو ایوب رضی اللہ عنہ ہمیشہ جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں مدفون ہوئے۔ [1] یہ حدیث بتاتی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر کے اموال میں مصروف ہو جانا کس قدر خطرناک ہے اور یہ کہ حقیقی ہلاکت آخرت کی ہلاکت ہے اور جس کا سبب واجبات اسلام کی ادائیگی میں کاہلی و سستی دکھانا ہے۔ [2]

خامساً :......قسطنطنیہ کا دوسرا محاصرہ

معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلسل فوجی حملوں اور رودس و ارواد نامی جزائر پر قبضہ جما کر دولت بیزنطیہ پر دباؤ برقرار رکھا، قسطنطنیہ سے قریب ہونے کی وجہ سے جزیرہ ارواد بڑی اہمیت کا حامل تھا، شہر کے دوسرے حصار یا (۵۴-۶۰ھ) [3] کی سات سالہ جنگ کے دوران اسلامی بحری بیڑے نے اس جزیرے کو اپنی جنگی کارروائیوں کے لیے اڈے کے طور پر استعمال کیا۔ بحری کشتیاں اس جزیرہ سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنے کے لیے مسلمان سپاہ کو خشکی پر منتقل کرتیں، شہر کا بری اور بحری محاصرہ ماہ اپریل سے ماہ ستمبر تک جاری رہا، اس دوران صبح سے لے کر شام تک فریقین ایک دوسرے پر حملے کرتے رہتے۔ یہ صورت حال سات سال تک برقرار رہی یہاں تک کہ اس نے بیزنطیوں کو زچ کر دیا۔ ان کے لیے بڑی خوفناک صورت حال پیدا کر دی [4] اور انہیں زبردست نقصانات برداشت کرنے پڑے۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود مسلم افواج نہ تو شہر میں داخل ہو سکیں اور نہ ہی اس کی دیواروں کا دفاع کرنے والوں پر غلبہ حاصل کر سکیں۔ اس کے متعدد اسباب تھے جن میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔ [5]

۱۔ بیزنطیوں نے ان معرکوں میں ایک ایسی آگ استعمال کی جسے انہوں نے بحری یا افریقی آگ سے موسوم کیا اور جو نیل اور گندھک کے کیمیائی مرکب سے عبارت تھی، اس مرکب کو کشتیوں پر پھینکا جاتا تو ان میں آگ بھڑک اٹھتی۔ حیران کن بات یہ تھی کہ جب یہ آگ پانی کو چھوتی تو مزید بھڑک اٹھتی۔ یہ تباہ کن کیمیائی مرکب جس نے مسلمانوں کی متعدد کشتیوں اور ان کے لشکروں کو تباہی سے دوچار کر دیا تھا کالینکوس نامی شامی الاصل ایک انجینئر کی اختراع تھا۔ یہ آدمی پہلے مسلمانوں کی خدمات سرانجام دیا کرتا تھا بعدازاں قسطنطنیہ بھاگ گیا اور اپنی صلاحیت اور تجربے کو بیزنطیوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ [6] یہ جدید ہتھیار ان عوامل میں سے اہم ترین تھا جنہوں نے بیزنطیوں کی بھرپور مدد کی اور وہ دارالحکومت کا دفاع کرنے کے قابل ہوئے اور مسلمانوں کے خلاف ڈٹے رہے۔ یہ ہتھیار ایسا مخفی راز تھا جس سے اس صنعت کے چند ماہرین ہی آگاہ تھے، وہ لوگ اس اسلحہ کے ساتھ اپنے حلفاء کی مدد تو کرتے تھے مگر اس کی ٹیکنالوجی سے کسی کو آگاہ نہیں کرتے

[1] سنن ابی ایوب، رقم: ۲۵۱۲۔ سنن ترمذی، رقم: ۲۹۷۲۔

[2] التاریخ الاسلامی: ۱۳/ ۱۵۔ [3] تاریخ طبری: ۶/ ۲۱۰۔۲۴۰۔

[4] العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۳۵۱-۳۵۲۔

[5] الامویون و البیزنطیون، ص: ۱۷۶۔

[6] الامویون و البیزنطیون، ص: ۱۷۶۔ العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲۵۲۔

تھے، تقریباً چار صدیاں بیت گئیں مگر اس کے ایجاد کنندہ کے علاوہ کوئی بھی اس کی حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکا۔ آخر سن دس میلادی میں ماہرین اس آگ کے راز سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے اس کے عناصر ترکیبی سے پردہ اٹھایا اور لوگوں کو ان وسائل سے آگاہ کیا جن کے استعمال سے اسے بجھایا جا سکتا ہے۔ اس اسلحہ نے مزید ترقی کی تو اس نے دھماکہ خیز اشیاء کی شکل اختیار کر لی جسے منجنیقوں کی مدد سے دشمن پر پھینکا جاتا جس سے ایک شعلہ بلند ہوتا اور ساتھ ہی دھویں کا بادل اٹھتا اور خوفناک آواز سنائی دیتی، اس اختراع نے مسلم سائنسدانوں کی توجہ حاصل کی تو اس بارے میں سوچ و بچار اور تحقیق کرنے لگے اور آخر کار وہ سن گیارہ میلادی کے آغاز میں اس کی ٹیکنالوجی سے آگاہ ہو گئے اور پھر انہوں نے اس میں متعدد تبدیلیاں کر کے اسے پہلے سے زیادہ تباہ کن اور افریقی آگ سے زیادہ بھڑک دار بنا دیا۔ مسلمانوں نے اس تباہ کن ہتھیار کو سرزمین شام میں صلیبیوں کے ساتھ اپنی جنگوں میں استعمال کیا جس سے ان پر ضرب کاری لگی اور وہ مرعوبیت اور گھبراہٹ کا شکار ہو گئے، اس وقت سے یہ آتشیں ہتھیار اسلامی آتشیں ہتھیار کے نام سے معروف ہو گیا۔ [1] ڈاکٹر ابراہیم العدوی رقمطراز ہیں: مسلمانوں کے پاس موجود اس جدید ہتھیار کی شناخت سے ان کے دشمن بے بس ہو گئے اور یہ اسلامی آتشیں ہتھیار چودھویں صدی تک ان کے استعمال میں رہا۔ اسے ترقی دینے کے لیے اس میں بہت ساری تبدیلیاں کی گئیں اور جس کا نتیجہ بارود کی صورت میں سامنے آیا۔ اس بنا پر اسلامی آتشیں ہتھیاروں کو جنگ کے مختلف طریقوں میں اس خطرناک انقلاب کی بنیاد تسلیم کیا جاتا ہے جس سے نئی دنیا آشنا ہوئی اور اس سے مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ وہ دشمن کے کسی بھی ہتھیار کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے نہیں رہتے اور یہ کہ وہ اس چیز کے استعمال پر قادر ہیں جس میں ان کی منفعت پنہاں ہو۔ [2] ہم اللہ رب کائنات سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو امریکی اور مغربی فوجی برتری کا توڑ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

۲۔ لوہے کی بھاری بھرکم زنجیر جو کہ قسطنطنیہ کی بندرگاہ اور ایشیائی ساحل کے درمیان حائل تھی جسے حالت جنگ یا محاصرے کی وارننگ کے دنوں میں بند کر دیا جاتا تھا۔ [3]

۳۔ بھاری بھرکم اندرونی اور بیرونی دیواریں، جن پر نگرانی کے لیے بڑے بڑے ٹاورز بنائے گئے تھے، جن سے دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے اور اس کی طرف سے کسی فوری کاروائی کو روکنے میں بڑی مدد ملتی۔

۴۔ سمندری پانیوں پر ایک دوسرے سے جڑے شہروں کے محاصرہ کے بارے میں اموی حکومت کی ناتجربہ کاری، جن میں سے قسطنطنیہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس کے لیے جدید ترین ہتھیاروں کی ضرورت تھی جو کہ اس وقت تک اموی حکمرانوں کے پاس موجود نہیں تھا۔ [4]

---

[1] الامویون، محمد سید الوکیل: ۱/ ۶۵.
[2] الامویون و البیزنطیون، ص: ۱۷۸.
[3] من دولة عمر الی دولة عبدالملک، ص: ۱۶۷.
[4] ایضا، ص: ۱۶۸.

۵۔ دولت امویہ اور دولت اسلامیہ کی حکمت عملی، متعدد عوامل نے قسطنطنیہ کو سقوط سے محفوظ رکھنے کے لیے اہم کردار ادا کیا۔ مثلاً شہر کی طبیعی محفوظیت، افریقی آتش، موسمی شدت، بحر اسود سے اٹھنے والی شدید ترین سمندری لہریں، مسلمان سپاہ نے اگرچہ بڑے صبر و استقلال اور شجاعت و دلیری کا مظاہر کیا مگر وہ مندرجہ بالا عوامل کی وجہ سے شہر پر قبضہ کرنے میں ناکام رہیں، اور آخر کار دونوں حکومتیں شہر کا محاصرہ ختم کرنے کے لیے مذاکرات کرنے پر آمادہ ہوگئیں، یہ مذاکرات فریقین میں صلح کے معاہدہ پر منتج ہوئے اور اس کی رو سے اسلامی لشکر اور اسلامی بحری بیڑہ شام واپس لوٹ گیا۔ شہر کے محاصرہ کے دوران میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ احساس ہوگیا تھا کہ یہ محاصرہ اپنا ہدف حاصل کیے بغیر طویل سے طویل تر ہوتا چلا جا رہا ہے، پھر جب ان کی عمر کافی زیادہ ہوگئی اور انہوں نے اپنی موت کو قریب آتے دیکھا تو انہوں نے بہتر سمجھا کہ شہر کے اردگرد خیمہ زن ان کے لشکر کو واپس لوٹ جانا چاہیے تاکہ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے یزید کو جن مشکلات کا سامنا ہوسکتا ہے وہ ان کے ساتھ آسانی سے نمٹ سکے۔ مسلم سپاہ کی طرف سے دارالحکومت کے طویل محاصرہ کی وجہ سے دولت بیزنطیہ کو بھی شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، لہٰذا وہ بھی اس صورت حال کو ختم کرنے کی شدت سے خواہش مند تھی، چنانچہ اس نے بڑے ذہین و فطین اور معروف سفارت کار یوحنا کو دمشق بھیجا، اس بیزنطی سفیر نے اموی خاندان کے سرکردہ لوگوں کے ساتھ متعدد ملاقاتیں کیں جن کے دوران اس نے دولت اسلامیہ کے لیے بڑے احترام کا اظہار کیا جس کی وجہ سے وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنے لیے عزت و احترام حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا جس سے طرفین میں صلح کے مذاکرات کامیابی سے ہمکنار ہوگئے۔ اس معاہدہ کے بعد دارالحکومت کے سامنے پڑاؤ ڈالنے والی قوات اسلامیہ نے شام واپسی کا راستہ اختیار کیا۔ ❶

سادسًا:...... دونوں حکومتوں میں پرامن باہمی تعلقات

اگرچہ خلافت راشدہ اور اموی دور حکومت میں مسلسل حرکت جہاد کی وجہ سے دولت اسلامیہ اور دولت بیزنطیہ کے درمیان تعلقات پر فوجی اور عسکری رنگ غالب رہا مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ فریقین میں پرامن تعلقات کا یکسر فقدان تھا۔ باہمی مذاکرات اور تبادلہ خیالات کی صورت میں دونوں حکومتوں میں پرامن تعلقات کی بھی عکاسی ہوتی ہے، ان تعلقات نے اموی دور حکومت میں مختلف شکلیں اختیار کر لی تھیں، مثلاً باہم خط و کتابت، تجربات کا تبادلہ، ثقافتی میدانوں میں بحث و مباحثہ قیدیوں اور سفیروں کا تبادلہ وغیرہ۔ ❷

۱۔ مراسلت:...... ایام فتنہ کے دوران معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر روم کے ساتھ خط و کتابت کی جس کی وجہ سے وہ اس شرط پر صلح کا معاہدہ کرنے میں کامیاب ہوگئے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ قیصر روم کو کچھ مال ادا کریں گے اور طرفین

---

❶ الامویون و البیزنطیون، ص: ۱۷۵۔ العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲۵۳۔

❷ العلاقات العربیة البیزنطیة فی العصر الاموی، ص: ۱۲۲، ۱۲۳۔

ایک دوسرے سے کچھ لوگوں کو اپنے اپنے ہاں گروی رکھیں گے۔ پھر جب رومیوں نے عہد شکنی کی تو معاویہ رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں نے انہیں قتل نہ کیا اور انہیں واپس جانے کی اجازت دے دی۔ [1] الغرض ان جیسے مواقع پر اصولی طور پر دولت اسلامیہ کو طاقت کے اسباب اختیار کرنے میں سستی و کاہلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے تھا، تاکہ دشمن ان کی کمزوری سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکتا۔ اسلامی ریاست کو اس قدر طاقت ور ہونا چاہیے کہ دشمن اس سے خوف محسوس کریں اور ان کے بارے میں اپنے مذموم عزائم کو کامیاب نہ کر سکیں اور اگر وہ کسی وقت کمزوری سے دو چار ہو جائے یا اسے مال خرچ کر کے کسی ضرر رساں صورت حال کو ختم کرنے کی ضرورت پڑے تو ایسا ضروریات کے زمرے میں آئے گا اور یہ حکم عام نہیں ہوگا۔ جو چیز ضرورت کے تحت مباح ہوتی ہے اسے بقدر ضرورت ہی اختیار کیا جا سکتا ہے جیسا کہ فقہائے کرام نے قرار دیا ہے۔ [2] مال و زر کے بدلہ میں دشمن کے ساتھ دائمی صلح کرنا قطعاً غیر مناسب ہے۔ ایسی صلح مسلمانوں کی کمزوری کے عرصہ کے لیے یا ضرورت کی حالت میں ہونی چاہیے اور اس دوران کمزوری کی حالت کو ختم کرنے اور امت اسلامیہ کی قوت کے لیے اسے ضروری صلاحیتیں فراہم کرنے کے لیے بڑی سنجیدگی اور عزم کے ساتھ بھرپور کوششیں کرنی چاہئیں، پھر جب اس قسم کے حالات ختم ہو جائیں تو پھر مسلمانوں کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ کوئی بھی ایسا معاہدہ کرنے سے باز رہیں جس میں ان کی ذلت پنہاں ہو یا وہ ان کے لیے خرابی و فساد کا باعث بن سکتا ہو۔ [3]

خلاصہ کلام یہ کہ دولت اسلامیہ کے لیے بقدر ضرورت کوئی اضطراری معاہدہ کرنا جائز ہے، مگر ضرورت کے اختتام کے ساتھ ہی ایسا معاہدہ ختم ہو جانا چاہیے۔ [4]

طرفین میں خط و کتابت صرف عسکری حوالے سے ہی نہیں رہتی تھی بلکہ بعض مراسلات علمی اور امور عامہ کے پہلوؤں کا بھی احاطہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ قیصر روم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا: مجھے اس سے پہلے، دوسرے، تیسرے اور چوتھے اور پانچویں حکم کے بارے میں بتائیں جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں۔ وہ چار چیزیں کون سی ہیں جن میں روح تو موجود ہے مگر وہ رحم مادر میں نہیں رہیں؟ وہ کون سی قبر ہے جو صاحب قبر کو لے کر چلتی رہی؟ زمین میں وہ کون سی جگہ ہے جس تک سورج کی ایک ہی بار رسائی ہوئی؟ اس نے اس قسم کے اور بھی کئی سوالات کیے۔ اس کے جواب میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے لکھا: اللہ تعالیٰ کا سب سے محبوب کلمہ ”لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ“ ہے اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں کرتا اور یہی حکم نجات دہندہ ہے، دوسرا کلمہ ”سبحان اللّٰہ“ ہے جو کہ مخلوق کی عبادت ہے۔

---

[1] العلاقات العربية البيزنطية في العصر الاموي، ص: ۱۲۳.

[2] فتوح البلدان للبلاذري، ص: ۱۶۳۔ العلاقات الخارجية للدولة الاسلامية، ص: ۲۳۹.

[3] الاشباه و النظائر، ابن نجيم، ص: ۸۶.

[4] العلاقات الخارجية للدولة الاسلامية، ص: ۲۴۰.

دوسرا "الحمد للّٰہ" ہے جو کہ کلمہ شکر ہے، تیسرا "اللّٰہ اکبر" ہے جس سے نماز، رکوع اور سجدہ کا آغاز ہوتا ہے اور پانچواں کلمہ ہے: "لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ" وہ چار چیزیں جن میں روح تو ہے مگر وہ رحم مادر میں نہیں رہیں وہ ہیں: آدم، حواء، موسی علیہ السلام کا عصا اور اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ذبح ہونے والا مینڈھا، وہ جگہ جس تک سورج کی رسائی صرف ایک بار ہوئی سمندر ہے جب وہ موسیٰ علیہ السلام اور بنو اسرائیل کے لیے پھٹ گیا تھا اور جو قبر صاحب قبر کو لے کر چلتی رہی وہ اس مچھلی کا پیٹ ہے جس میں یونس علیہ السلام موجود رہے۔ ❶

۲۔ تجربات کا تبادلہ:...... عربی اور رومی دونوں ہی زندگی کے مختلف شعبوں میں ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کے لیے کوشاں رہے، وہ نقل و اقتباس پر اعتماد کرتے اور ایجادات و اختراعات پر بھی، البتہ اس میدان میں مسلمانوں نے جو کچھ رومیوں سے اخذ کیا وہ محض اقتباس نہیں تھا بلکہ انہوں نے اس میں بہت ساری تبدیلیاں کیں، کبھی اس میں اضافہ کیا گیا اور کبھی اس کی کانٹ چھانٹ کی گئی یہاں تک کہ وہ دین اسلام سے ہم آہنگ ہو گیا، اس کی معاشرتی ترقی کے مظاہر ہیں جن سے متاثر ہو کر امویوں نے مساجد میں دلچسپی لیتے ہوئے ان کی توسیع و تزیین کی۔ ❷ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے ان متعدد رومیوں کی خدمات حاصل کیں جو بلاد شام میں انتظامی امور میں کاتب کی ذمہ داریاں ادا کیا کرتے تھے۔ اس حوالے سے انہوں نے سرجون بن منصور رومی کو اپنا کاتب اور ابن اثال نصرانی کو اپنا طبیب متعین کیا۔ ❸ معاویہ رضی اللہ عنہ نصاریٰ کے ساتھ بڑی رواداری کا مظاہر کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ بروکلمان اس کی گواہی دیتے ہوئے کہتا ہے: ''اور وہ مسیحیت کے ساتھ بہت زیادہ مل جل گئے۔'' معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں سرجون بن منصور نصرانی نے مشیر مالیات کی حیثیت سے کام کیا۔ نصاریٰ کو خلیفۃ المسلمین معاویہ رضی اللہ عنہ کی رواداری کا اعتراف تھا، وہ لوگ ان کے لیے مخلص بھی رہے اور انہیں ہمیشہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا۔ اس امر کا نصرانی روایات میں بھی تذکرہ کیا گیا ہے حتیٰ کہ ہسپانوی تاریخی کتب میں بھی اس کا چرچا ہے۔ ❹

۳۔ دولت بیزنطیہ کا اسلامی رواداری سے متاثر ہونا:...... مؤلف العدوی رقمطراز ہیں کہ نصاریٰ کے ساتھ امویوں کی دینی رواداری کے اثرات دولت بیزنطیہ پر بھی مرتب ہوئے، یہ امر معروف ہے کہ یہ حکومت دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ ساتھ اپنی رعایا پر بھی مظالم ڈھاتی اور ان کے ساتھ سنگدلانہ رویہ اختیار کرتی تھی، مگر اسلامی حکومت کے ظہور اور بڑی تعداد میں نصاریٰ کے اس کی ماتحتی میں آ جانے کی وجہ سے بیزنطی حکومت نے اپنے انداز حکومت اور سیاست کو نئے خطوط پر مرتب کرنا شروع کر دیا۔ ❺ معاویہ رضی اللہ عنہ

---

❶ عیون الاخبار: ۱/ ۱۹۸، ۱۹۹۔ الحدود العربیۃ۔ البیزنطیۃ: ۲/ ۳۸۷۔ العلاقات العربیۃ، البیزنطیۃ فی العصر الاموی، ص: ۱۲۶۔

❷ التاریخ الاسلامی آفاقہ السیاسیۃ و أبعادہ الحضاریۃ، ص: ۱۳۲۔

❸ العلاقات العربیۃ البیزنطیۃ فی العصر الاموی، ص: ۱۳۲۔

❹ تاریخ الشعوب الاسلامیۃ، نقلا عن العلاقات العربیۃ، البیزنطیۃ، ص: ۱٤۰۔

❺ العلاقات العربیۃ، البیزنطیۃ فی العصر الاموی، ص: ۱٤۲۔

مختلف مذاہب کے پیروکار عیسائیوں کی مجالس میں شریک ہوئے اور ان کے دینی جدل و جدال اور مختلف مناقشات سماعت کرتے۔ ❶ یوں اموی اسلامی حکومت نے مذہبی رواداری کی ایک اعلیٰ مثال قائم کر دی جو کہ رسالت اسلامیہ کی عظمت و رفعت، غیر مسلم رعایا کے ساتھ اس کی رواداری اور اس دینی تعصب اور تشدد سے بعد کی دلیل ہے جس کا ناروا الزام اکثر مستشرقین اس پر لگایا کرتے ہیں۔ ❷

۴۔ سفیروں کے آداب:...... وفود اور سفراء کی آمد و رفت اور تبادلہ کا نظام عہد اموی کے ساتھ ہی خاص نہیں تھا بلکہ یہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عہد سے جاری تھا۔ سفیر کا انتخاب کرتے وقت اس کی شخصیت، شرافت و شہرت اور اس کی عقل و فکر کو پیش نظر رکھا جاتا تھا۔ دولت اسلامیہ کا سفیر اس انداز سے گفتگو کرتا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور آپ کی نبوت و رسالت کی غرض و غایت پر روشنی پڑتی اور وہ سرکاری طور پر اپنی ریاست کا نام لیتا۔ ❸ وفود اور سفراء کو یہ اہمیت صرف دولت اسلامیہ امویہ میں ہی حاصل نہیں تھی بلکہ رومی بھی اپنے سفیروں کو بڑی اہمیت دیا کرتے تھے، رومی اپنے سفیروں کا انتخاب ذہین و فطین اور ایسے دین دار لوگوں سے کرتے جو اپنے دینی امور سے بخوبی آگاہ ہوتے، اپنی مادری زبان کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں بھی فصاحت کے ساتھ گفتگو کر سکتے۔ ❹ مناقشہ کرنے اور اپنا موقف پیش کرنے کی صلاحیت سے بدرجہ اتم متصف ہوتے، خلفاء اور بادشاہ غیر ملکی سفیروں اور وفود کو بڑی پذیرائی بخشتے، ان کا خلفاء کے محلات میں استقبال کرتے اور ان کی آراء کو بڑی توجہ سے سنتے، جب معاویہ رضی اللہ عنہ قصر الخضراء نامی اپنے محل کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہوں نے بیزنطیوں کے قاصد سے اس بارے سوال کیا تو اس نے اس کے بارے میں تبصرہ کرتے کہا: اس کا بالائی حصہ تو چڑیوں کے لیے ہے جبکہ نچلا حصہ چوہوں کے لیے۔ اس پر انہوں نے اس کی رائے کو درست تسلیم کرتے ہوئے محل کو دوبارہ پتھروں سے تعمیر کرنے کا حکم دے دیا۔ ❺ رہے بیزنطی تو وہ عرب سفیروں کا کنیسہ آیا صوفیا، پانی کے پلوں اور قسطنطنیہ کے اردگرد کمانڈروں کی رہائش گاہوں میں استقبال کرتے۔ ❻

جب غیر ملکی سفراء واپس جانے لگتے تو ان کے اور انہیں بھیجنے والوں کے احترام میں انہیں قیمتی تحائف پیش کیے جاتے۔ ❼ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس سے دونوں حکومتوں کے پیش نظر باہمی احترام کا اور صلح کے استحکام کے لیے نیک نیتی کا اظہار تھا۔ اس کے ساتھ طرفین ایک دوسرے کے سامنے اپنی قوت اور خوشحالی کا اظہار بھی کرنا چاہتے تھے۔ ❽ طرفین کے خلفاء اور بادشاہ اپنے اپنے سفیروں کی کڑی نگرانی کرتے اور ان کے جملہ تصرفات و حرکات کا

---

❶ العلاقات العربیة، البیزنطیة فی العصر الاموی، ص: ١٤٢ ۔ ❷ ایضا، ص: ١٤٢ ۔

❸ العلاقات العربیة۔ البیزنطیة فی العصر الاموی، ص: ١٤٧ ۔

❹ الامویون و البیزنطیون، ص: ٢١٢ تا ٢١٥ ۔ ❺ ایضا، ص: ٢٢٠ ۔

❻ ایضا، ص: ٢٢٠ ۔ ❼ العلاقات العربیة۔ البیزنطیة، ص: ١٤٨ ۔

❽ ایضا، ص: ١٤٨ ۔

باریک بینی کے ساتھ جائزہ لیتے رہتے، رومیوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرنے کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نے جس شخص کو اپنا سفیر بنا کر قسطنطنیہ بھیجا اسے سختی کے ساتھ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ بیزنطیوں کے ساتھ صلح کی شرائط میں کوئی نرمی نہیں کرے گا مگر سفیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت پر عمل کرنے سے قاصر رہا اور اس نے صلح کا معاہدہ کرنے میں اس قدر کمزوری دکھائی کہ وہ بیزنطیوں کے حق میں چلا گیا۔ [1] پھر جب یہ سفیر واپس آیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اس کے منصب سے معزول کر دیا۔ [2]

سابعًا :...... جراجمہ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں

معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں مسلمانوں اور بیزنطیوں کے درمیان ہونے والی جنگوں اور جنگی حملوں میں ایک تیسرا فریق بھی ملوث تھا جو جرجومہ شہر کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر ''جراجمہ'' کہلاتا تھا۔ [3] ان کے اصول غیر معروف ہیں۔ بلاذری اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ لوگ نصرانی تھے اور انطاکیہ کے جرنیل اور اس کے حکمران کے پیروکار تھے۔ [4] جب مسلمانوں نے بلاد شام کو فتح کیا تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ عامر بن جراح نے حبیب بن مسلمہ فہری کو ان سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا مگر انہوں نے ان سے جنگ کرنے کی بجائے امان اور صلح کا مطالبہ کر دیا۔ انہوں نے یہ صلح اس شرط پر کی کہ وہ مسلمانوں کی مدد دیں گے، جبل لکام میں ان کے لیے کام کریں گے، اور یہ کہ ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا اور اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ مل ان کے دشمنوں سے جنگ کریں گے تو وہ جن لوگوں کو قتل کریں گے ان سے حاصل کردہ مال واسباب ان کے حوالے کیا جائے گا۔ [5] مگر جراجمہ کچھ ہی عرصے بعد اس معاہدے سے منحرف ہو گئے اور مسلمانوں اور بیزنطیوں کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی اور اس طرح ایشیا صغریٰ میں فتوحات اسلامیہ کی پیش قدمی کو روک دیا، وہ کبھی مسلمانوں کا ساتھ دیتے اور کبھی رومیوں کا، یہ لوگ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہی نہیں بلکہ عبدالملک کے عہد خلافت تک عساکر اسلامیہ کے لیے دردِ سر بنے رہے۔ بعد ازاں جب یہ لوگ بلاد شام اور ایشیا صغریٰ میں ادھر ادھر پھیل گئے تو ان کی طرف سے مسلمانوں کو لاحق خطرات میں کمی آ گئی۔ [6] بہرحال ہم یہ ضرور کہنا چاہیں گے کہ قسطنطنیہ تک رسائی کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نے جس قدر بھی کوششیں کیں اگرچہ وہ ان کی زندگی میں ثمر آور نہ ہو سکیں مگر انہوں نے بعد میں آنے والے خلفاء کے لیے اپنے جاری کردہ مشن کو کامیاب بنانے کے لیے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ [7]

ثامنًا:...... ارض روم کا غازی ابومسلم خولانی

ابومسلم خولانی کا شمار اس دور کے ان عظیم لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے مسلم معاشرے اور فتوحات اسلامیہ کی

---

[1] العلاقات العربية۔ البيزنطية، ص: ١٤٩۔ [2] ايضا، ص: ١٤٩۔
[3] ''جرجومہ'' نامی شہر کی طرف نسبت۔ یہ شہر انطاکیہ کے قریب واقع تھا۔ معجم البلدان: ٢/ ١٢٣۔
[4] فتوح البلدان للبلاذری، ص: ٥٨۔ [5] ايضا، ص: ٥٨۔
[6] خلافة معاوية، عقيلي، ص: ١١٦۔ [7] ايضا، ص: ١١٦۔

تحریک میں بڑا مثبت اور اہم کردار ادا کیا۔

ان کے بارے میں امام ذہبی رقمطراز ہیں: سید التابعین، زاہد عصر ابومسلم خولانی کا نام صحیح قول کی رو سے عبداللہ بن ثوب ہے۔ ❶ جب وہ مدینہ منورہ آئے تو اس وقت نبی کریم ﷺ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے تھے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا تھا، ❷ انہوں نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کرنے والے اسود عنسی کا راستہ روکنے کے لیے بڑا اہم کردار ادا کیا، اس فتنہ کے دوران ابومسلم اسلام پر ثابت قدم رہے۔ نبوت کے جھوٹے دعوے دار اسود عنسی نے انہیں دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا مگر آپ کو اس سے کوئی گزند نہ پہنچی۔ اسود سے کہا گیا: اگر تو نے اسے یہاں سے نہ نکالا تو یہ تیرے پیروکاروں کو برباد کر دے گا۔ اس پر اس نے انہیں وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا تو آپ مدینہ منورہ چلے آئے۔ اپنی سواری بٹھائی اور مسجد نبوی میں داخل ہو کر نماز ادا کرنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو ان سے پوچھا: آپ کہاں سے آئے؟ انہوں نے جواب دیا: یمن سے۔ انہوں نے پھر دریافت کیا: اس آدمی کا کیا بنا جسے کذاب نے نذر آتش کر دیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا: وہ عبداللہ بن ثوب تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم وہی ہو؟ انہوں نے اس کا جواب اثبات میں دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں گلے لگا کر رونے لگ گئے۔ پھر ان کے ساتھ گئے اور انہیں اپنے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان بٹھا دیا اور فرمانے لگے: میں اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس نے مجھے موت نہ دی یہاں تک کہ مجھے محمد ﷺ کی امت میں وہ آدمی دکھا دیا جس کے ساتھ اس نے وہی سلوک کیا جو سلوک اس نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔ ❸ عہد معاویہ میں دنیا میں موجود اس تابعی کبیر کا تعلق اہل شام کے ساتھ تھا جن سے بہت ساری مخلوق متاثر ہوئی۔ خولانی رحمہ اللہ بہت بڑے عبادت گزار تھے۔ ابوعاتکہ کہتے ہیں: ابومسلم نے مسجد میں ایک کوڑا لٹکا رکھا تھا۔ ❹ آپ فرمایا کرتے تھے: میں اس کوڑے کا حیوانات سے زیادہ حق دار ہوں، جب آپ عبادت کرتے کرتے تھک جاتے تو اپنی پنڈلیوں پر ایک یا دو کوڑے برسا دیتے۔ شرحبیل سے مروی ہے کہ دو آدمی ابومسلم سے ملاقات کرنے کے لیے آئے مگر وہ اس وقت گھر میں نہیں تھے، وہ مسجد میں آئے تو انہیں نماز پڑھتے پایا جس پر وہ ان کا انتظار کرنے لگے۔ ان میں سے ایک نے شمار کیا کہ انہوں نے تین سو رکعت نماز ادا کی ہے۔ ❺

ابومسلم جب بھی باران رحمت کے لیے دعا کرتے بارش برسنے لگتی۔ ❻ آپ بڑے مستجاب الدعوات تھے۔ محمد بن زیاد ابومسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کسی عورت نے ان کی بیوی کو خراب کرنا چاہا تو آپ نے اس کے لیے بددعا کی جس سے وہ اندھی ہو گئی۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور توبہ کرنے لگی۔ آپ نے عرض کیا: یا اللہ! اگر یہ صدق دل سے توبہ کر رہی ہے تو اس کی بینائی واپس لوٹا دے۔ اس پر اس کی بینائی بحال ہو گئی۔ ❼ آپ ارض روم

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٧، ٨ . ❷ ایضا: ٤/ ٨ . ❸ سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٩ .
❹ ایضا: ٤/ ٩ . ❺ ایضا: ٤/ ١٠ . ❻ ایضا: ٤/ ١١ .
❼ ایضا: ٤/ ١١ .

میں جہاد میں شریک رہے، مروی ہے کہ جب وہ کسی دریا پر آتے تو فرماتے: اللہ کا نام لے کر دریا سے پار گزر جاؤ۔ پھر آپ اپنے ساتھیوں کے سامنے دریا سے پار گزر جاتے اور پھر وہ بھی گہرا دریا عبور کر جاتے پھر جب وہ دریا عبور کر جاتے تو فرماتے: اگر کسی کی کوئی چیز گم ہوگئی ہو تو اس کا ضامن میں ہوں۔ ایک دفعہ ان میں سے ایک آدمی نے اپنی کوئی چیز گم کر دی۔ جب آپ دریا سے پار گزر گئے تو وہ کہنے لگا: میری فلاں چیز گم ہوگئی ہے۔ انہوں نے فرمایا: میرے پیچھے پیچھے آئیں۔ وہ آپ کے پیچھے چلا تو دیکھا کہ وہ دریا میں ایک لکڑی کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے، آپ نے فرمایا: اسے پکڑ لو۔ [1]

حکمران ابومسلم کے ساتھ برکت حاصل کیا کرتے اور مقدمات پر انہیں امیر بنایا کرتے تھے۔ [2] آپ رحمہ اللہ نے ارض روم میں وفات پائی۔ آپ بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کے ساتھ موسم سرما کی جنگوں میں شریک ہوا کرتے تھے، اسی دوران ان کی موت واقع ہوگئی۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی موت کا علم ہوا تو فرمانے لگے: اصل مصیبت تو ابومسلم خولانی رحمہ اللہ اور کریب بن سیف انصاری رحمہ اللہ کی وفات سے ٹوٹی۔ [3] آپ کا شمار دانا لوگوں میں ہوتا تھا، ان سے اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر پر راضی رہنے کے بارے میں ان کا یہ قول مروی ہے: اگر میرے ہاں ایسا بیٹا پیدا ہو جسے اللہ تعالیٰ بڑی اچھی طرح نشوونما دے یہاں تک کہ جب وہ بھرپور جوانی کو پہنچ جائے اور وہ میرے لیے سب سے بڑھ کر خوش کن ہو تو اللہ تعالیٰ اسے مجھ سے واپس لے لے تو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ پسند ہے۔ [4] یہ ابومسلم عبداللہ بن ثوب خولانی رحمہ اللہ کے کمال توحید کی دلیل ہے اور وہ یوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تکلیف دہ فیصلوں پر صبر کے مرحلے سے گزر کر قضا وقدر پر راضی رہنے کے مرحلہ تک جا پہنچے اور انہوں نے خوبصورت اور کڑیل جوانی کے حامل لخت جگر کی موت کو اپنے لیے دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے پسندیدہ قرار دے دیا۔ [5]



1. سیر اعلام النبلاء: ٤/ ١١ .
2. ایضا: ٤/ ١٣ .
3. ایضا: ٤/ ١٤ .
4. صفة الصفوة: ٤/ ٢١٣ـ حلیة الاولیاء: ٢/ ١٢٧ .
5. التاریخ الاسلامی: ١٩/ ٣٥٦ .

دوسری بحث:

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں شمالی افریقہ کی فتوحات

اولاً:......معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ کا حملہ

معاویہ بن حدیج کندی رضی اللہ عنہ شرف صحابیت سے مشرف ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کم روایات نقل کی ہیں۔ ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مروی ہے: ''اگر کسی چیز میں شفا ہے تو وہ شہد پینے، سینگی لگوانے یا ڈم دینے میں ہے، مگر میں ڈم لگوانا پسند نہیں کرتا۔'' [1]

ان کا شمار اشراف کندہ میں ہوتا ہے۔ آپ کی بادشاہت کو تسلیم کیا جاتا تھا [2] اور آپ بہترین امراء میں سے تھے۔ عبدالرحمٰن بن شماسہ کہتے ہیں: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا: تم کن لوگوں میں سے ہو؟ میں نے کہا: اہل مصر سے۔ انہوں نے دریافت کیا: تم نے ابن حدیج کو کیسا پایا؟ میں نے جواب دیا: وہ بہت اچھے امیر ہیں، جس کے پاس گھوڑا نہ ہو اسے گھوڑا، جس کے پاس اونٹ نہ ہو اسے اونٹ اور جس کے پاس غلام نہ ہو اسے غلام دیتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے: ''یا اللہ میری امت میں سے جو کوئی کسی چیز کا امیر بنا اور اس نے ان کے ساتھ نرمی کی تو تو اس کے ساتھ نرمی فرما، اور جس نے ان پر مشقت ڈالی تو اس پر مشقت ڈال۔'' [3]

جب معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت مستحکم ہوگئی تو انہوں نے شمالی افریقہ کے محاذ کو سب سے زیادہ اہمیت دی، اس لیے کہ اگر ایک طرف اس کی سرحدیں مغربی مصر سے ملتی تھیں تو دوسری طرف یہ علاقہ دولت بیزنطیہ کے اثر ونفوذ کے تابع تھا جو کہ مسلمانوں کی دشمن ریاست تھی اور جس کے معاویہ رضی اللہ عنہ نے ناک میں دم کرنے کا ہمیشہ عزم مصمم کیے رکھا۔ عین اس وقت جب انہوں نے مشرق کی طرف سے دولت بیزنطیہ پر مسلسل دباؤ جاری رکھا اور اس کے دارالحکومت قسطنطنیہ تک پہنچنے کے لیے بحر متوسط میں اس کے جزائر میں پیش قدمی جاری رکھی تو انہوں نے شمالی افریقہ کے ساحلوں کے جنوب کی طرف سے بھی اسے نیچا دکھانے کا فیصلہ کرلیا، چنانچہ انہوں نے ۴۱ھ میں معاویہ بن حدیج کو افریقہ روانہ کیا۔ پھر ۴۵ھ میں دس ہزار جنگجوؤں کا کمانڈر بنا کر انہیں دوبارہ ادھر بھیجا گیا یہاں تک کہ وہ افریقہ میں داخل ہوگئے۔ اس سفر کے دوران عبداللہ بن عمر بن الخطاب، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم، عبدالملک بن مروان اور یحییٰ بن الحکم بن العاص اور دیگر اشراف قریش بھی ان کے ساتھ تھے، شاہ روم نے ان کے مقابلہ کے لیے نقفورا نامی بطریق کو تیس ہزار جنگجوؤں کے ساتھ بھیجا، وہ ساحل پر اترا تو معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف بھاری دستے کے ساتھ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بھیجا، وہ یہاں سے روانہ ہو کر ایک بلند چوٹی پر فروکش ہوئے جہاں

[1] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۳۷۔ اس کی سند حسن ہے۔ [2] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۴۰۔ [3] مسلم: ۱۸۲۸۔

سے وہ اپنے اور سوسہ ❶ شہر کے درمیان میل تک کا سمندری علاقہ صاف دیکھ سکتے تھے۔ جب اس کی خبر رومیوں کو ملی تو وہ جنگ کیے بغیر واپس پلٹ گیا اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ کے پاس واپس لوٹ آئے۔ ابن حدیج اس وقت جبل قرن پر موجود تھے۔ بعدازاں ابن حدیج نے عبدالملک بن مروان کو ایک ہزار گھوڑا سوار سپاہ میں جلولاء ❷ نامی شہر کی طرف روانہ کیا، انہوں نے جاتے ہی اس شہر کا محاصرہ کرلیا اور بہت سارے شہریوں کو قتل کرنے کے بعد اسے بزور بازو فتح کرلیا، خود معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ نے دوسو کشتیوں کے ساتھ صقلیہ کی طرف سمندر میں ایک دشمن لشکر سے جنگ کی جس میں انہوں نے کئی لوگوں کو قیدی بنایا، مال غنیمت حاصل کیا اور وہاں ایک ماہ قیام کرنے اور بہت سارا مال غنیمت حاصل کرنے کے بعد واپس افریقہ لوٹ آئے۔ ❸

ان فتوحات کے بعد معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ مصر واپس لوٹ آئے مگر وہاں کسی کو کمانڈر یا عامل مقرر نہ کیا، اس جنگ کے دوران ابن حدیج کے تصرف اور ان کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقہ کے بربر رومیوں کے خلاف مسلمانوں کے حلیف بن گئے تھے جس کی وجہ سے مسلمان اس طرف کے رومی خطرات سے محفوظ ہو گئے تھے۔ ❹ جب معاویہ بن حدیج مغربی طرابلس سے واپس لوٹے تو انہوں نے رویفع بن ثابت انصاری کو اس کا والی مقرر کیا، یہ ۴۶ھ کا واقعہ ہے، وہاں سے انہوں نے تیونس کے ساتھ جنگ کی اور ۴۷ھ میں اس میں داخل ہو گئے اور جزیرہ جربہ کو فتح کرلیا جس میں بربر رہائش پذیر تھے، ❺ مراجع بتاتے ہیں کہ انہوں نے اس جنگ میں بہت سارے لوگوں کو قیدی بنالیا تو رویفع بن ثابت انصاری کھڑے ہو کر مسلمانوں کو لونڈیوں کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے کے بارے میں اسلامی احکام سے آگاہ کرنے کے لیے فرمانے لگے: خبردار! میں تمہیں وہی بات بتاؤں گا جو میں نے جنگ حنین کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے دوسرے کی کھیتی کو پانی پلانا جائز نہیں ہے ❻ اور جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ کسی قیدی عورت سے مجامعت کرے حتیٰ کہ اس کا استبرائے رحم ہو جائے ❼ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے مال غنیمت فروخت کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ اسے تقسیم نہ کر دیا جائے، ❽ ابن ثابت انصاری مغربی طرابلس کے والی کے طور پر کام کرتے رہے، پھر

❶ سوسہ، نواحی افریقہ میں چھوٹا سا شہر، اس کے اور قیروان کے درمیان چھتیس میل کی مسافت ہے اور اسے سمندر نے شمال، جنوب اور مشرق کی طرف سے گھیر رکھا ہے، ملاحظہ ہو: معجم البلدان: ۲۸۶/۳.

❷ یہ شہر افریقہ میں واقع ہے اور اس کے اور قیروان کے درمیان چوبیس میل کی مسافت ہے۔ معجم البلدان: ۱۵۶/۲ .

❸ البیان المغرب لابن عذاری: ۱/ ۱۶-۱۷۔ الشرف و القسامی بحرکۃ الفتح الاسلامی، ص: ۲۰۹۔ حرکۃ الفتح الاسلامی فی القرن الاول، شکری فیصل، ص: ۱۶۱ .

❹ تاریخ المغرب و حضارتہ، حسین لونس: ۱/ ۸۵.

❺ صفحات من تاریخ لیبیا و الشمال الافریقی، صلابی، ص: ۳۳۲.

❻ یعنی حاملہ عورتوں کے ساتھ مجامعت کرنا۔

❼ یعنی حیض کے ساتھ یا ایک ماہ گزرنے کے ساتھ۔

مسلمہ بن مخلد نے مصر اور برقہ کی ولایت بھی ان کے سپرد کر دی اس پر امارت کے دوران ہی ۵۶ھ میں ان کا وہیں انتقال ہوا۔ برقہ میں مدینۃ البیضاء کے مقام پر جبل اخضر میں ان کی قبر جانی پہچانی ہے۔ آپ اس علاقہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ احادیث روایت کی ہیں۔ آپ فقیہ صحابی تھے اور آپ کا شمار مفتی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے۔ آپ بڑے فصیح اللسان خطیب تھے۔ [1]

ثانیاً:...... عقبہ بن نافع اور فتح افریقہ

عقبہ بن نافع قرشی فہری افریقہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے افریقہ میں نائب تھے، انہوں نے ہی قیروان شہر آباد کیا اور اس میں لوگوں کو بسایا۔ [2] آپ بڑے امانت دار، شجاع اور محتاط قسم کے مرد میدان تھے، ان کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہے، آپ فتح مصر میں شریک ہوئے اور اس کی منصوبہ بندی کی۔ [3] معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے افریقہ میں اسلامی فتوحات کی تحریک کی قیادت اس عظیم کمانڈر کے سپرد کی جس کا نام تاریخ نے فتوحات کے میدان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ثبت کر دیا۔ عقبہ افریقہ کے غزوات میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ آغاز سے ہی شریک عمل رہے اور اس میدان میں وسیع تجربات حاصل کیے۔ جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فسطاط واپس لوٹے تو انہیں برقہ پر اپنا جانشین مقرر فرمایا اس دوران وہ لوگوں کو دعوت اسلام پیش کرتے رہے۔ عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو قیادت کی سپردگی سارے شمالی افریقہ کی فتح کے لیے اہم قدم ثابت ہوئی۔ چونکہ وہ عمرو بن العاص کے ایام میں برقہ، زویلہ اور اس کے اردگرد کے علاقوں کی فتح سے ہی ان شہروں میں مقیم رہے جس کی وجہ سے انہیں اس امر کا بخوبی ادراک ہو گیا تھا کہ اگر مسلمانوں کو افریقہ میں قدم جمانے ہیں اور وہاں کے لوگوں کو ارتداد سے باز رکھنا ہے تو اس کے لیے ایک مضبوط مرکز قائم کرنے کی ضرورت ہے جہاں سے وہ غزوات کے لیے روانہ ہوا کریں اور پھر واپس آ کر اپنے اہل و عیال میں پرامن طریقے سے رہ سکیں۔ جب معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے افریقہ میں اسلامی فتوحات کی قیادت ان کے سپرد کی تو ان کے پاس دس ہزار گھوڑ سواروں پر مشتمل فوجی دستہ بھیجا، نیز جب دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے بربر بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے تو ان کی جمعیت میں خاصا اضافہ ہو گیا۔ [4] وہ اپنی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور سرت [5] میں مغمداش کے مقام پر فروکش ہو گئے۔ یہاں آمد پر انہیں یہ خبر ملی کہ اہل ودان [6] نے بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا ہوا اپنا معاہدہ توڑ دیا ہے اور جس جزیہ کی ادائیگی پر ان کے ساتھ اتفاق کیا تھا اس کی ادائیگی سے انکار کر دیا ہے، چنانچہ انہوں نے عمر بن علی قریشی اور زہیر بن قیس بلوی کی قیادت میں ایک لشکر

---

[1] مدرسة الحديث في القيروان: ۱/ ٤٨٦۔ صفحات من تاريخ ليبيا و الشمال الافريقي، ص: ٣٣٣.

[2] سير اعلام النبلاء: ٣/ ٥٣٢. [3] ايضا: ٣/ ٥٣٣.

[4] الكامل في التاريخ: ٢/ ٤٨٣.

[5] سرت برقہ اور طرابلس کے درمیان ایک شہر۔ معجم البلدان: ٣/ ٢٠٦.

[6] جنوبی افریقہ میں ایک علاقہ، اس کے اور زویلہ کے درمیان دس دن کی مسافت ہے۔ معجم البلدان: ٥/ ٣٦٥، ٣٦٦.

روانہ کیا اور خود ایک دوسرے لشکر کے ساتھ فزان ❶ کی طرف جا نکلے۔ جب وہ فزان کے قریب پہنچے تو انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ ❷ پھر انہوں نے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کوار ❸، خاور ❹، غدامس ❺ وغیرہا کے قلعہ جات فتح کر لیے۔ ❻ یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ عقبہ بن نافع دوران سفر ساحلی علاقوں سے دور رہے اور اندرونی علاقوں کے ایک ایک شہر کو فتح کرتے چلے گئے۔ بظاہر اس کی وجہ یہ لگتی ہے کہ اس طرح وہ بربر کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے اور ایک ایسا داخلی محاذ کھڑا کرنا چاہتے تھے جو ساحل پر آباد بیزنطیوں کا گھیراؤ کرے اور اہل اسلام کو مستحکم کرنے اور بیزنطی وجود کو نیست و نابود کرنے کے لیے افرادی قوت مہیا کرے۔ ❼

ثالثاً:......قیروان شہر کی تعمیر

۵۰ھ میں اسلامی افریقہ نے عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کے ساتھ نئے دور کا آغاز کیا۔ عقبہ رضی اللہ عنہ کم عمری سے ہی افریقہ کے معاملات سے آگاہ تھے انہوں نے بربر کے بکثرت ارتداد اور ان کی عہد شکنی کا بار بار مشاہدہ کیا۔ ان کے علم میں تھا کہ افریقہ کی حفاظت اور وہاں کے باشندوں میں اشاعت اسلام کا ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ ایک ایسے شہر کی تعمیر ہے جو مسلمانوں کا پڑاؤ ہو اور ان کے لشکر وہاں سے روانہ ہوں، چنانچہ انہوں نے قیروان شہر کی بنیاد رکھی اور اس میں جامع مسجد بھی تعمیر کی۔ ❽ عقبہ نے شہر کی تعمیر شروع کرنے سے قبل اس کی راہ ہموار کرنے کے لیے اپنے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: جب افریقہ میں کوئی مسلمان امام داخل ہوتا ہے تو وہ لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں اور جب وہ اس سے باہر جاتا ہے تو وہ دوبارہ کفر اختیار کر لیتے ہیں، لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ تم وہاں ایک ایسا شہر آباد کرو جو رہتی دنیا تک اسلام کے لیے باعث عزت وقوت ہو۔ لوگوں نے ان کی اس بات سے اتفاق کیا، انہوں نے اس بات پر بھی اتفاق کیا کہ اس شہر کے باسی اپنے دشمنوں کے خلاف ہمیشہ کمربستہ رہیں گے۔ ان کا کہنا تھا: ہم سمندر کے قریب رہیں تاکہ جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ کما حقہ ادا کر سکیں۔ اس پر عقبہ کہنے لگے: مجھے یہ خوف دامن گیر ہے کہ اس طرح قسطنطنیہ کا حکمران اچانک حملہ آور ہو کر اس پر قبضہ جما لے گا۔ تم اس شہر اور سمندر کے درمیان اتنا فاصلہ رکھو جس سے نماز قصر واجب نہ ہوتی ہو۔ ❾ مگر عقبہ کو قیروان کے لیے وہ جگہ پسند نہ آئی جو قبل ازیں معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ نے تیار کی تھی۔ وہ لوگوں کو ساتھ لے کر اس جگہ پر آئے جہاں اس وقت قیروان موجود ہے۔ ❿ یہ جگہ

❶ لیبیا کے جنوب میں وسیع وعریض صوبہ جس کا دار الحکومت زویلہ تھا۔

❷ فتوح مصر، ص: ۱۳۲ .

❸ مغربی سوڈان میں فزان کے جنوب کی طرف ایک صوبہ۔ معجم البلدان: ٤/ ٤٨٦ .

❹ خاور: فزان کے جنوب میں ایک شہر۔ ❺ غدامس: جزائری حدود کے قریب لیبیا کے جنوب میں ایک شہر۔

❻ العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲۹٦ .

❼ دراسة فی تاریخ الخلفاء الامویین، ص: ۲۸۰ .

❽ مدرسة الحدیث فی القیروان: ۱/ ۳۸ . ❾ البیان المغرب: ۱/ ۱۹ .

❿ العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲۷۰ .

ایک جنگل پر مشتمل تھی جو درندوں اور سانپوں سے بھرا پڑا تھا، انہوں نے ان سے جنگل کی صفائی کے لیے دعا کی تو ان میں سے کوئی ایک چیز بھی وہاں باقی نہ رہی۔ یہاں تک کہ درندے اپنے بچوں کو اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ [1] یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: اے اہل وادی! ہم ان شاء اللہ یہاں ڈیرے ڈالنے والے ہیں، لہٰذا تم یہاں سے نکل جاؤ۔ انہوں نے یہ بات تین دفعہ دہرائی۔ ہم نے دیکھا کہ ہر درخت اور پتھر کے نیچے سے جانور نکل کر بھاگ کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ ہم وادی کے اندر اتر گئے، پھر انہوں نے لوگوں سے فرمایا: بسم اللہ پڑھ کر وادی میں اتر جاؤ۔ [2] عقبہ بن عامر مستجاب الدعوات شخص تھے۔ [3] جب بربر لوگوں کے ایک قبیلہ نے جانوروں کو اس طرح بچوں کو اٹھائے یہاں سے نقل مکانی کرتے دیکھا تو وہ اس سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ پھر لوگ درخت کاٹنے میں لگ گئے۔ عقبہ نے شہر تعمیر کرنے کا حکم دیا تو ان کے حکم کی تعمیل میں قیروان شہر تعمیر کر دیا گیا اور اس میں جامع مسجد بھی بنا دی گئی۔ پھر لوگوں نے اپنے اپنے گھر تعمیر کیے اور مسجدیں بھی بنا لیں۔ یہ ۵۵ھ کی بات ہے۔ شہر کی تعمیر کے دوران عقبہ لشکر روانہ کرتے رہے اور مخالفین کے ساتھ برسر پیکار رہے جس کی وجہ سے بہت سارے بربر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ مسلمانوں کا دائرہ عمل وسیع ہو گیا، قیروان میں موجود مسلم سپاہ کو تقویت ملی، انہیں امن واطمینان میسر آیا اور اس میں اسلام کی جڑیں مضبوط ہو گئیں۔ [4]

قیروان شہر کی منصوبہ بندی اسلامی انداز میں کی گئی۔ جامع مسجد سے متصل دار الامارہ قائم کیا گیا۔ ان دونوں کے درمیان سے قیروان کی مرکزی سڑک کا آغاز ہوتا ہے جو سماط اعظم کے نام سے موسوم ہے۔ مسجد اور دار الامارہ کے اردگرد وسیع دائرہ کی شکل میں خالی جگہ چھوڑی گئی تھی۔ افریقہ کے مختلف حصوں سے بربر قبائل قیروان کی طرف کھنچے چلے آئے اور اس کے گردونواح میں آباد ہو گئے۔ ان میں سے زیادہ تر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور عربی زبان، قرآن کریم اور دینی امور کی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہو گئے، اس طرح ہم ۵۰-۵۵ھ کے درمیان شمالی افریقہ کو عربی رنگ میں رنگنے کی زوردار تحریک کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ [5]

ا۔ موضع قیروان کی خصوصیات:

وہ سیاسی، عسکری، انتظامی اور دعوتی اسباب بڑے قوی تھے جنہوں نے عقبہ بن عامر کے دل میں قیروان کی جگہ کو اس پر شہر آباد کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ قیروان کی جگہ مندرجہ ذیل امتیازات کی حامل تھی:

الف: اسے فسطاط میں قائم عسکری قیادت کے مرکز سے کوئی سمندر یا دریا الگ نہیں کرتا، یہ شہر خشکی کے اس راستے پر واقع ہے جو مصر میں فسطاط اور مغرب کو ملاتا ہے، یوں لگتا ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ نظریہ اپنایا تھا کہ شہروں اور فوجی چھاؤنیوں کو اس انداز سے تعمیر کیا جائے کہ انہیں مدینہ منورہ

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۵۳۳۔ [2] ریاض النفوس: ۱/ ۹۔ معالم الایمان: ۱/ ۹۔ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۵۳۳۔

[3] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۵۳۳۔ عقبہ کی دعا کی وجہ سے جانوروں کے علاقہ چھوڑ جانے اور ان کے ساتھیوں کے آمین کہنے کی روایت صحیح الاسناد ہے۔ [4] الکامل فی التاریخ: ۲/ ۴۸۴۔ [5] تاریخ المغرب و حضارتہ: ۱/ ۸۹۔

یا مرکز قیادت سے کوئی دریا، سمندر یا پل الگ نہ کرے، اور یہ کہ وہ خشکی کے کنارے پر واقع ہو یا پھر خشکی اور صحراء کے قریب ترین ہو۔

ب: وہ جگہ عربوں کی ذہنیت اور ان کے ضروری مطالبات سے ہم آہنگ تھی، اس خصوصیت کی عکاسی عقبہ بن نافع کی اس تلقین سے ہوتی ہے کہ وہ جگہ شور زمین کے قریب ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ تمہارے پاس اونٹوں کی کثرت ہے جن کی چراگاہیں ان کے باڑوں کے دروازوں کے قریب ہونی چاہئیں۔ [1] اسی طرح ان کے رفقاء نے مشاورت کے دوران کہا تھا: ہم اونٹوں والے لوگ ہیں، ہمیں سمندر کے قریب رہنے کی کوئی ضروری نہیں ہے۔ [2]

ج: یہ جگہ ان پہاڑوں کے سامنے واقع تھی جو کہ بربر قبائل کی جائے پناہ تھے، اس صورت میں یہ جگہ اس زرعی علاقہ میں واقع تھی جس سے حاصل ہونے والی زرعی پیداوار مسلمان مجاہدین کی غذائی ضروریات پورا کرتی تھی۔ [3]

د: یہ بات درست ہے کہ قیروان کو جس بنیادی مشکل کا سامنا تھا وہ پانی سے متعلق تھی، اگرچہ بصرہ میں بھی یہی صورت حال تھی مگر دونوں شہروں میں اس حوالے سے بنیادی فرق تھا، کہ بصرہ کا پانی نمکین تھا جبکہ قیروان کا پانی پینے کے قابل تھا اور اس کے دو ذرائع تھے: ان میں سے پہلا ذریعہ بارش تھی جس کا پانی حوضوں میں سٹور کر لیا جاتا اور دوسرا ذریعہ وادی سراویل کا پانی تھا مگر یہ نمکین تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مورخین قیروان کے پانی کے مصدر کے بارے میں کہتے ہیں: وہ لوگ بارش کا پانی پیتے تھے، جب موسم سرما میں بارشیں ہوتیں تو بارش کا پانی وادیوں سے بڑے بڑے حوضوں میں داخل ہو جاتا جنہیں مؤجل کہا جاتا تھا۔ وادی سراویل میں کھارا پانی آتا جسے وہ دیگر ضروریات کے لیے استعمال کرتے تھے۔ [4]

۲۔ قیروان (مغرب میں اسلامی تہذیب کا مرکز اور اس کا علمی دار الحکومت)

۵۰ھ میں قیروان کا سنگ بنیاد رکھے جانے کے بعد ہی باقاعدہ علمی زندگی کا آغاز ہوا تو پھر جلدی ہی یہ شہر مغرب میں اسلامی تہذیب کا مرکز اور اس کا علمی دار الحکومت بن گیا، یہیں سے ہی داعیان اسلام روانہ ہوتے اور اسلامی دنیا کے گوشے گوشے سے متلاشیان علم ادھر ہی کا رخ کرتے۔ قیروان کے اس تہذیبی اور علمی مقام و مرتبہ کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

الف: قیروان کی تعمیر کا مطلب یہ تھا کہ افریقہ نیا اسلامی صوبہ اور عالم اسلامی کا جزو لاینفک بن گیا ہے اور اس کے نتیجے میں اس میں مسلمان اپنی عادی زندگی گزاریں گے جس میں تعلیم اور اسلامی ثقافت کی نشر و اشاعت سرفہرست ہو گی، اس لیے کہ قیروان شہر رسالت تھا جس کے شہریوں پر مغرب میں اشاعت اسلام کی

---

[1] الروض المعطار، ص: ٤٨٦۔ دراسات فی تاریخ المدن العربیة الاسلامیة، و عبدالجبار ناجی، ص: ٢٥٢.
[2] الاستقصاء لأخبار دول المغرب الاقصی: ١/ ٧٨.
[3] القیروان، ازجیب الجنحانی، ص: ٥٩. [4] ایضا، ص: ٥٩.

ذمہ داری عائد ہوتی تھی جس طرح یہاں سے اسلامی لشکر روانہ ہوتے تھے، اسی طرح اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے داعیان اسلام بھی یہیں سے روانہ ہوا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قیروان کے اس مقام و مرتبہ سے اس کی تاسیس کے دن سے ہی آگاہ تھے۔ ❶

ب: قیروان میں جامع مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی۔ جسے اسلام میں پہلے مدرسہ کی حیثیت حاصل تھی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عقبہ کے لشکر میں شامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس مسجد میں اسی انداز سے فریضہ تعلیم ادا کرتے جو اس وقت مشرقی شہروں میں مروج تھا، قیروان کی تاسیس کے دوران عقبہ کے ساتھ اٹھارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ ❷ جو وہاں پانچ سال تک مقیم رہے اور اس دوران وہ جامع قیروان میں عربی زبان کی اشاعت اور قرآن و سنت کی تعلیم کا فریضہ سرانجام دیتے رہے اور یہ سب کچھ قیروان کی تعمیر کے دوران ہوتا رہا۔ اس دوران کوئی ایسی بڑی جنگیں نہیں ہو رہی تھیں جو ان کی قیروان سے طویل غیر حاضری کا مطالبہ کرتیں۔ عقبہ کے دوسرے غزوہ کے دوران ان کے ساتھ پچیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ ❸ جبکہ باقی سارا لشکر تابعین پر مشتمل تھا، اس عرصہ کے دوران حدیث نبوی کی روایت اس قدر عام ہوگئی کہ عقبہ کو اپنی اولاد اور ان کی وساطت سے تمام مسلمانوں کو یہ وصیت کرنا پڑی کہ وہ ثقہ راویوں کی روایات اخذ کیا کریں اور ایسی چیزیں نہ لکھا کریں جو انہیں قرآن سے مشغول کر دیں۔ ❹

قیروان بربر مسلمانوں کی بھاری تعداد کا مرکز بن گیا تھا جو یہاں نیا دین سیکھنے کے لیے آئے تھے۔ ابن خلدون عقبہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: وہ افریقہ میں داخل ہوئے تو بربر قبائل کے مسلمان ان کے ساتھ مل گئے جس سے ان کی جمعیت میں اضافہ ہوگیا، اکثر بربر اسلام میں داخل ہو گئے اور دین کو رسوخ حاصل ہوگیا۔ ❺ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ فاتحین اسلام نے اپنے لیے ایسے لوگوں کو خاص کر لیا تھا جو یہ ذمہ داری بخوبی نباہ سکتے تھے۔ ❻ قیروان سے اسلام تمام بلاد مغرب میں پھیل گیا۔ عقبہ نے بربر قبائل میں اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے مغرب اقصیٰ اور مغرب اوسط میں متعدد مساجد تعمیر کروائیں۔ ❼ پھر جب ابو المھاجر دینار افریقہ کے والی بن کر آئے تو انہوں نے کسیلہ اور اس کی قوم کی تالیف قلبی کی اور بربر قبائل کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے تو وہ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہو گئے۔ بعد ازاں حسان بن نعمان نے بربر قبائل میں اسلام کی نشر و اشاعت کی کوششوں کو مزید تقویت دیتے ہوئے انہیں عربی زبان، فقہ اور مبادیات اسلام کی تعلیم کے لیے تابعین میں سے تیرہ فقہاء کا تقرر کیا۔ ❽ موسیٰ بن نصیر نے بھی

---

❶ مدرسة الحديث فى القيروان: ١/ ٥٠ . ❷ البيان المغرب: ١/ ٢٠ . ❸ ايضا: ١/ ٢٣ .
❹ شجرة النور: ٢/ ١٠٠ ـ مدرسة الحديث فى القيروان: ١/ ٥١ .
❺ تاريخ ابن خلدون: ٤/ ١٨٦ . ❻ مدرسة الحديث فى القيروان: ١/ ٥١ .
❼ البيان المغرب: ١/ ٢٧ ـ مدرسة الحديث فى القيروان: ١/ ٥١ .
❽ مدرسة الحديث فى القيروان: ١/ ٥٢ .

یہ سلسلہ تعلیم جاری رکھتے ہوئے عربوں کو حکم دیا کہ وہ بربر قبائل کے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور دین کے مسائل سے آگاہ کریں۔ ❶ انہوں نے مغرب اقصیٰ کے لوگوں کو تعلیم دینے کی غرض سے وہاں ستائیس فقہاء کا تقرر کیا۔ ❷

د: اسلامی لشکر کے زیادہ تر لوگ اپنی بیویاں بھی اپنے ساتھ لے کر آئے تھے، ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے افریقہ میں لونڈیاں اور امہات الاولاد اپنا رکھی تھیں۔ ابو العرب ❸ کہتے ہیں: بعض محدثین روایت کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر جہاد کے لیے نکلے تو ان کی ام ولد بھی ان کے ساتھ تھی جس نے ان کی بچی کو جنم دیا جو مر گئی اور جسے انہوں نے باب سلم میں قریش کے قبرستان میں دفن کر دیا۔ جسے قریش نے اس بچی کی وجہ سے مستقل قبرستان بنا لیا جس میں وہ اپنے مردوں کو دفن کیا کرتے تھے۔ ❹ دریں حالات مسلمان نوخیز بچوں کے لیے عربی زبان اور مبادیات اسلام کی تعلیم کا اہتمام کرنا از حد ضروری تھا، یہی وجہ تھی کہ قیروان میں آغاز ہی سے تعلیم گاہیں قائم کر دی گئیں۔ غیاث بن شبیب سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سفیان بن وہب رضی اللہ عنہ ہمارے پاس سے گزرتے اس وقت ہم قیروان میں بچپن کی عمر میں تھے، وہ ہمیں سلام کہتے جبکہ ہم مکتب میں ہوتے، انہوں نے سر پر پگڑی باندھ رکھی ہوتی جس کا ایک سرا پیچھے کی طرف لٹکا رکھا ہوتا۔ ❺ سفیان بن وہب رضی اللہ عنہ دو دفعہ قیروان آئے تھے۔ پہلی دفعہ ۶۰ھ میں، یعنی قیروان کی تاسیس سے پانچ سال بعد، اور دوسری دفعہ ۷۸ھ میں۔ ❻

ھ: قیروان کے محل وقوع کا بھی علمی زندگی کو مالا مال کرنے اور اسے اوپر اٹھانے میں بڑا اہم کردار ہے۔ یہ شہر مشرق و مغرب کے درمیان میں واقع ہے جب مغرب اور اندلس کے علماء و طلباء مشرق جانے کے لیے وہاں سے گزرتے تو وہ اس کے علماء سے استفادہ کرتے۔ ❼ اسی طرح اہل مشرق میں سے جو لوگ مغرب یا اندلس جانا چاہتے وہ بھی اس شہر میں آتے اور وہاں کے اہل علم سے علمی استفادہ کرتے۔ ❽

و: قیروان میں تجارت بڑی نفع بخش تھی اور اس میں سامان تجارت بڑی جلدی فروخت ہو جاتا تھا، لہٰذا مشرق و مغرب کے بڑے بڑے تاجروں کا وہاں آنا جانا لگا رہتا، ان تاجروں میں بہت سے محدثین اور فقہاء بھی ہوتے۔ قیروان میں علمی زندگی کی ترقی کا یہ بھی ایک اہم عامل تھا۔ ❾

---

❶ البیان المغرب: ۱/ ۴۲. ❷ ایضا: ۱/ ۴۲.

❸ الریاض: ۱/ ۹۱۔ مدرسة الحدیث فی القیروان: ۱/ ۵۲.

❹ ایضا: ۱/ ۵۲. ❺ اسد الغابة نقلا مدرسة الحدیث فی القیروان: ۱/ ۵۲.

❻ مدرسة الحدیث فی القیروان: ۱/ ۵۳.

❼ ایضا. ❽ مدرسة الحدیث فی القیروان: ۱/ ۵۳.

❾ ایضا.

ز: اس شہر کی علمی زندگی کے پر رونق ہونے کا ایک سبب اس کا سیاسی دار الحکومت ہونا تھا، جب بھی کوئی نیا امیر آتا وہ کئی علماء اور ادباء کو بھی اپنے ساتھ لے کر آتا۔ مزید برآں افریقی دار الحکومت میں آنے والے بہت سارے علماء و فقہاء مشرق سے آنے والے اسلامی لشکروں میں شامل ہوئے اور یہ سلسلہ دوسری صدی کے نصف تک جاری رہا۔ علاوہ ازیں امراء کی مدح وستائش کے لیے آنے والے شعراء اور ادباء نے بھی قیروان کی علمی و ادبی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ [1]

ح: چونکہ قیروان کی تاسیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں ہوئی تھی اور اس میں ان کے ہاتھوں بہت ساری کرامات کا ظہور ہوا اور ان میں سے کچھ ایک عرصہ تک اس میں مقیم بھی رہے اور یہ بلاد مغرب کا آخری شہر ہے جس میں صحابہ کرام تشریف لائے [2] تو اس وجہ سے قیروان کو ایک طرح کا احترام اور تقدس حاصل ہو گیا جس کی وجہ سے قیروان کو افریقہ اور مغرب میں علمی قیادت کا شرف حاصل ہوا۔ اس شہر کے اوصاف گنواتے ہوئے ابواسحاق جبنیانی فرماتے ہیں: قیروان سر اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ جسم ہے، اہلیان قیروان نے ہی شکوک وشبہات اور بدعات وخرافات کی تردید کی، اور اس کے ائمہ نے ہی احیاء سنت کے لیے قتال کیا اور پھر اسی مقصد کے لیے جام شہادت نوش کیا۔ [3] تمام قدیم مصنفین علمی میدان میں قیروان کی مغرب کے تمام شہروں پر فضیلت کے معترف ہیں، قیروان کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ولایت وعلوم کا منبع ہے وہ اہل مغرب کے لیے ہر خیر کی اصل ہے اور تمام شہر اس کے محتاج ہیں۔ مغربی شہروں کی ہر ٹہنی قیروان سے بلند ہوئی اور اس کی ہر شاخ اسی پر مبنی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو۔ ہر مذہب کے علوم کا یہیں سے خروج ہوا اور ہر علم اسی کے ائمہ کی طرف منسوب ہوا اس حقیقت کا نہ کوئی خاص انکار کرتا ہے اور نہ کوئی عام، اور تاریخ کے طویل دور میں اس کی اس فضیلت میں کوئی ایک بھی مزاحم نہیں ہے۔ [4] یوں قیروان افریقی دار العلم قرار پایا اور یہاں سے بڑے بڑے فقہاء، محدثین اور قراء کا ظہور رہا۔ اہل مغرب واندلس طلب علم کے لیے اس کی طرف کشاں کشاں دوڑے چلے آتے تھے۔ اس شہر کے علماء ومحدثین نے سلف صالحین کے مذاہب کا دفاع کیا اور وہ مغرب میں دار السنہ والجماعہ قرار پایا۔ [5] قیروان نے شمالی افریقہ اور اندلس کو فتح کرنے اور مغرب میں اسلام کی نشر واشاعت میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور وہ اسلامی تہذیب کا اہم ترین مرکز بن گیا۔ [6]

رابعاً:......عقبہ بن عامر کی معزولی اور ابوالمہاجر کی ولایت ۵۵ھ

عقبہ فتوحات کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے اور اپنے نئے شہر کو منظم کر رہے تھے کہ اس دوران مصر کے والی مسلمہ بن مخلد نے انہیں معزول کر کے ان کی جگہ اپنے آزاد کردہ غلام ابوالمہاجر کو افریقہ کی ولایت کا پروانہ جاری

---

1. مدرسة الحديث في القيروان: ١/ ١٥٤ .
2. ايضا .
3. مناقب ابي اسحاق الجبنياني ، ص: ٦٠ ، ٦١ .
4. حسن البيان للشيخ محمد النيفر ، ص: ١٨٩ .
5. مدرسة الحديث في القيروان: ١/ ٥٥ .
6. العالم الاسلامي في العصر الاموي ، ص: ٢٧٠ .

کر دیا۔ جب لوگوں نے اس سے کہا: کاش تم عقبہ کو اس کے منصب پر برقرار رہنے دیتے، وہ بڑے مقام و مرتبے اور فضل و شرف کے حامل ہیں، تو انہوں نے جواب دیا: ہم ابوالمہاجر کے صبر و حوصلہ کا انہیں صلہ دینا چاہتے ہیں۔ ❶ عقبہ اپنی معزولی کے بعد اپنی خفگی کا اظہار کرنے کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق گئے اور ان سے کہنے لگے: میں نے شہر فتح کیے، گھر تعمیر کیے، جامع مسجد بنائی، اور اس کا صلہ تم نے مجھے یہ دیا کہ انصار مدینہ کے غلام کو بھیج دیا جس نے مجھے بڑے برے طریقے سے معزول کیا۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے معذرت کرتے ہوئے کہا: تم خلیفہ مظلوم کے بارے میں مسلمہ بن مخلد کے موقف سے بخوبی آگاہ ہو، وہ انہیں مقدم رکھتے تھے، وہ ان کے خون کا مطالبہ لے کر اٹھے اور اس کے لیے خون جگر دیا۔ ❷ معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں دوبارہ ان کے منصب پر فائز کرنے کا وعدہ کیا مگر جیسا کہ ابن العذاری نے لکھا ہے معاملات تاخیر کا شکار ہوتے گئے یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی اور حکومت یزید کے ہاتھ میں آ گئی تو اس نے عقبہ کو افریقہ کا والی بنا کر واپس بھجوا دیا۔ ❸ اس موضوع کے بارے میں ایک نکتہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، اور وہ ہے عقبہ کی معزولی کے دوران ابوالمہاجر کی ان کے ساتھ بدسلوکی۔ مصادر بتاتے ہیں کہ ابوالمہاجر نے عقبہ کے ساتھ بڑی بدسلوکی کا مظاہرہ کیا۔ انہیں حوالہ زنداں کیا اور انہیں بیڑیوں میں جکڑ دیا۔ ❹ مگر ہم یہ نہیں جانتے کہ ابوالمہاجر نے ایسا کیوں کیا؟ ڈاکٹر عبدالشافی محمد عبداللطیف اپنی معرکہ آراء کتاب میں لکھتے ہیں: ہمیں معلوم نہیں کہ ابوالمہاجر کو ایسا کرنے کو کس چیز نے اکسایا؟ ہمارے لیے مسلمہ بن مخلد پر عائد کردہ ڈاکٹر حسین مونس کی اس تہمت کو قبول کر لینا مشکل ہے جو کہ عقبہ کے ساتھ روا رکھی گئی کہ اس بدسلوکی کے پیچھے ان کا ہاتھ تھا۔ ❺ اس لیے کہ اس کی دلیل نہیں ہے، جب مسلمہ نے ابوالمہاجر کو افریقہ کا والی بنایا تو اس بارے میں عبدالحکیم رقمطراز ہیں: مسلمہ نے ابوالمہاجر کو والی مقرر کرتے وقت وصیت کی کہ وہ عقبہ کو عزت سے معزول کریں، مگر ابوالمہاجر نے ان کی حکم عدولی کرتے ہوئے انہیں برے طریقے سے ان کے عہدے سے معزول کیا اور انہیں بیڑیوں میں جکڑ کر قید میں ڈال دیا یہاں تک کہ خلیفہ کے حکم پر مبنی انہیں یہ خط ملا کہ انہیں رہا کر کے میرے پاس بھیجا جائے۔ ❻ پھر آگے چل کر کہتے ہیں: جب عقبہ مصر سے گزرے تو مسلمہ نے ان سے ملاقات کر کے قسم اٹھائی کہ ابوالمہاجر نے میری حکم عدولی کرتے ہوئے یہ کچھ کیا۔ میں نے تو اسے تمہارے بارے میں خاص طور پر حسن سلوک کی وصیت کی تھی۔ ❼ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابوالمہاجر نے اپنے آقا کی وصیت کی مخالفت کرتے ہوئے عقبہ کے ساتھ اس قسم کا ناروا سلوک کیوں کیا۔ جبکہ وہ ذاتی طور پر عقبہ کے مقام و مرتبہ سے بخوبی آگاہ تھا اور وہ ان کا احترام بھی کیا کرتا تھا، جب عقبہ نے اس کے حق میں بددعا کی تو وہ پریشان ہو کر کہنے

---

❶ فتوح مصر، ص: ۱۳٤، البيان المغرب: ۱/ ۲۲.
❷ فتوح مصر، ص: ۱۳٤.
❸ البيان المغرب: ۱/ ۲۲۔ العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲۷۱.
❹ فتوح مصر، ص: ۱۳۳، ۱۳٤۔ البيان المغرب: ۱/ ۲۲.
❺ فتح العرب للمغرب، ص: ۱۵۱.
❻ فتوح مصر، ص: ۱۳۳، ۱۳٤.
❼ ايضا، ص: ۱۳٤.

لگا: اس آدمی کی دعا رد نہیں کی جاتی۔ مگر اس سوال کا ہمارے پاس کوئی شافی جواب نہیں ہے۔ البتہ جو نتیجہ محمد علی دبوز نے اخذ کیا ہے وہ قدرے اطمینان بخش ہے اور وہ یہ کہ ابوالمھاجر نے ایسا اضطراری حالت میں کیا اس لیے کہ عقبہ نے اپنی معزولی کو خوش دلی سے تسلیم نہیں کیا تھا اور وہ اپنے آپ کو ابوالمھاجر سے زیادہ ولایت اور قیادت کا حق دار خیال کرتے تھے۔ غالباً ابوالمھاجر کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ عقبہ کے اس طرز عمل کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا جس سے ان کے دشمن اہل روم فائدہ اٹھا سکتے ہیں، لہٰذا انہیں اضطراری حالت میں عقبہ کو گرفتار کر کے جیل میں رکھنا پڑا تا کہ مسلمانوں میں کوئی بگاڑ پیدا نہ ہو سکے۔ [1] اگر یہ بات درست ہے اور جو بہر حال معقول ہے تو پھر اس سے اس ملامت کی شدت میں کمی آ جاتی ہے جس کا ہر وہ مسلمان ابوالمھاجر کو نشانہ بناتا ہے جو اس بات کا شدت کے ساتھ خواہش مند ہے کہ مسلمان قائدین میں جس قدر بھی اختلافات موجود ہوں ان میں عزت و احترام کا رشتہ قائم رہنا چاہیے اور نئے آنے والوں کو جانے والوں کی کاوشوں اور تجربات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ان سے بدسلوکی پر مبنی رویہ اختیار کرنا اور دلوں میں کینہ رکھنا ناقابل قبول رویہ ہے، اسی طرح جانے والوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ آنے والوں کو اپنے تجربات سے آگاہ کریں اور انہیں پند و نصائح سے نوازا کریں تا کہ وہ اپنے مقاصد اور ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کامیاب ہو سکیں، اس لیے کہ مقصد تو سب کا ایک ہے اور وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ، اعلائے کلمۃ اللہ اور دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ۔ [2]

خامسًا :...... ابوالمھاجر دینار کی فتوحات ۵۵-۶۲ھ

اس سنگین غلطی کے باوصف جس کا ارتکاب ابوالمھاجر نے عظیم مجاہد عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کے حق میں کیا، انصاف ہم سے یہ اعتراف کرنے کا متقاضی ہے کہ انہوں نے مغرب کو فتح کرنے اور اسلام کو بطور دین اور نظام حیات کے قبول کرنے کے لیے راستہ ہموار کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ ابوالمھاجر نے دانائی، سیاست اور حسن تصرف سے وافر حصہ پایا تھا، ان کی باریک بیں نگاہوں نے انہیں اس بات سے آشنا کیا کہ شدت کی جس سیاست پر عقبہ بن نافع گامزن رہے اسے تبدیل کرنا ضروری ہے اور یہ کہ انہیں لوگوں کے دل جیتنے کی سیاست اختیار کرنی چاہیے۔ بربر بڑے سخت قسم کے لوگ تھے جو اپنی عزت اور آزادی کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ ابوالمھاجر نے دل جیتنے والی سیاست اختیار کر کے بڑی کامیابی حاصل کی۔ اس دوران انہیں اس بات کا بھی ادراک ہوا کہ شمالی افریقہ میں بربر قبائل کو مسلمانوں کے خلاف متحرک کرنے والے اور ان میں فساد برپا کرنے والے رومی ہیں [3] جو کہ ان سے دوستی کا اظہار کر کے انہیں اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں، لہٰذا انہوں نے لوگوں کو رومیوں کے اصل کردار سے آگاہ کرنے اور بربر قبائل کو یہ یقین دلانے کی سیاست اپنائی کہ مسلمان اس علاقے میں ان کی آزادی سلب کرنے اور انہیں غلام بنانے اور ان کا استحصال کرنے کے لیے نہیں آئے جیسا کہ رومی پروپیگنڈہ کرتے ہیں، وہ ان

---

[1] تاریخ المغرب الکبیر: ۲/ ۳۳.
[2] العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲۷٤.
[3] تاریخ المغرب الکبیر: ۲/ ۳۳.

کے پاس صرف انہیں راہ راست پر لانے اور انہیں اسلام کی دعوت دینے کے لیے آئے ہیں جو کہ ان کے لیے خیر و برکت کا پیغام ہے اور اس میں ان کی سعادت پنہاں ہے اور یہ کہ وہ رومیوں سے آزادی حاصل کرنے میں ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں جو کئی صدیوں سے ان کا اور ان کے علاقوں کو استحصال کر رہے ہیں۔ رومی افریقہ کے وسط اور اس کے جنوب میں متعدد شکستوں سے دوچار ہونے کے باوجود شمال میں ابھی تک بڑی قوت کے مالک تھے اور ان کے دار الحکومت قرطاجنہ کا گزشتہ فاتحین میں سے کسی نے قصد نہیں کیا تھا، وہ ابھی تک بنزرت سے لے کر طنجہ تک مغربی ساحل میں بھی موثر قوت کے طور پر موجود تھے، لہٰذا ابوالمہاجر انہیں ان علاقوں میں کمزور کرنے کے لیے ان پر شدید ضرب لگانا چاہتے تھے اور بربر قبائل کے ساتھ ان کے معاہدے کو توڑنا چاہتے تھے، لہٰذا وہ قرطاجنہ کی طرف روانہ ہوئے اور اسے دعوت مبارزت دی مگر جب شہریوں نے اس کے دروازے بند کر دیئے اور اس کی بلند و بالا دیواروں کے پیچھے قلعہ بند ہوئے تو ابوالمہاجر نے اس کا محاصرہ سخت کر دیا جب رومیوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہیں اور یہ کہ ان کے خلاف ابوالمہاجر کی جیت یقینی ہے اور وہ بزور بازو دار الحکومت میں داخل ہو جائیں گے تو انہوں نے ان سے صلح کا مطالبہ کیا، انہوں نے ان کی یہ پیش کش اس شرط پر قبول کر لی کہ وہ جزیرہ شریک [1] کو خالی کر دیں گے تاکہ اس میں ان کا لشکر پڑاؤ کر سکے، یہ جزیرہ قرطاجنہ سے قریب تھا اس پر قبضہ جمانے کا مقصد رومیوں کی نگرانی کرنا اور ان کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنا تھا۔ ابوالمہاجر نے اس جزیرہ میں اپنے ایک کمانڈر حنش صنعانی کی قیادت میں ایک لشکر چھوڑا تاکہ وہ بوقت ضرورت رومیوں کا راستہ روک سکیں۔ [2]

جب رومی جزیرہ شریک سے باہر نکل گئے تو ابوالمہاجر نے قرطاجنہ کا محاصرہ اٹھا لیا اور رومیوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنے اور مسلمانوں کی پرامن واپسی کو یقینی بنانے کے لیے وہاں ایک پر جوش لشکر چھوڑ دیا، اور خود مغرب کی طرف پیش قدمی کے لیے ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چل نکلے۔ رومی اور بربر قبائل ان سے اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ کسی کو بھی ان کا راستہ روکنے کی جرأت نہ ہوئی یہاں تک کہ وہ میلہ شہر جا پہنچے [3]، یہ شہر بجایہ سے پچاس میل دور اس کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ [4] وہاں پہنچنے پر انہیں معلوم ہوا کہ یہ شہر جنگ کرنے کے لیے تیار ہے اس میں رومیوں اور بربر لوگوں کی ایک جماعت تھی جو قلعہ بند ہو گئی۔ ابوالمہاجر نے اس شہر سے جنگ کی اور اس پر قبضہ جما لیا جو کچھ ہاتھ لگا اسے مال غنیمت کے طور پر سمیٹ لیا اور خود اس میں جم کر بیٹھ گئے۔ میلہ شہر مغرب ادنی اور مغرب اوسط کے درمیان واقع تھا اور یہ اس خطے میں بربروں اور رومیوں کی نگرانی کے لیے بہترین جگہ تھی جسے انہوں نے اپنا ٹھکانا بنا لیا۔ انہوں نے وہاں تقریباً دو سال تک قیام کیا، اس دوران وہ مسلسل بربر لوگوں کے ساتھ رابطے میں

---

[1] یہ شریک عبسی کی طرف نسبت ہے اور یہ جزیرہ قرطاجنہ کے مشرق میں واقع ہے۔ تاریخ المغرب الکبیر: ۲/ ۳٤.

[2] تاریخ المغرب الکبیر: ۲/ ۳٤۔ العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲۷٦.

[3] النجوم الزاہرہ: ۱/ ۱۵۲۔ العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲۷۷.

[4] بجایہ تیونس اور مغرب کے درمیان ساحل سمندر پر واقع ہے۔ معجم البلدان: ۱/ ۳۳۹.

رہے، انہیں اسلام کی حقیقت سے آشنا کرتے اور انہیں دعوت اسلام دیتے رہے۔ آپ اپنی سیاست میں بہت حد تک کامیاب رہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ مورخین نے اس عرصہ کے دوران ہونے والے کسی معرکہ کا ذکر نہیں کیا [1] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رومی بربروں کی وجہ سے طاقت حاصل کرتے تھے جبکہ ابوالمہاجر نے انہیں رومیوں سے الگ کر کے اپنے ساتھ ملا لیا تھا جس کی وجہ سے یہ علاقے اس طرح پرسکون ہو گئے تھے جس طرح سمندر طوفان کے بعد پرسکون ہو جاتا ہے۔ [2] دوسری طرف ابوالمہاجر کو یہ خبریں مسلسل مل رہی تھیں کہ رومیوں اور بربروں کی ایک جماعت ان کے ساتھ جنگ کرنے کی تیاری کر رہی ہے، چنانچہ آپ نے ان کی طرف روانگی کا فیصلہ کر لیا، اس وقت مغرب اوسط اور مغرب اقصیٰ کی قیادت قبیلہ اوربہ کے ہاتھ میں تھی [3]، اس قبیلہ کا سردار کسیلہ بن لمزم تھا، کسیلہ بیدار مغز، بھاری بھرکم شخصیت کا مالک اور اپنے وطن کے لیے بڑا غیور تھا۔ بربر قبائل اس کی تعظیم و توقیر کرتے اور اس سے محبت کیا کرتے تھے۔ یہ شخص نصرانی تھا اور اسے اپنے دین کے ساتھ گہرا لگاؤ تھا مگر وہ اسلام اور مسلمانوں کی حقیقت سے نا آشنا تھا، لہٰذا رومی اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اسے غلط تاثر دینے میں کامیاب ہو گئے اور اس نے یقین کر لیا کہ یہ لوگ اس کے دین اور وطن کے دشمن ہیں، اسے معلوم ہوا کہ ابوالمہاجر اس وقت میلہ میں مقیم ہے، لہٰذا وہ بربروں کو مسلمانوں کا مقابلہ کرنے، ان کے ساتھ جنگ کی تیاری کرنے اور انہیں ان کے شہروں سے نکال باہر کرنے کی دعوت دینے لگا۔ بربر اپنے امیر کسیلہ کے اکسانے پر بھڑک اٹھے اور جنگی ہتھیار پہن کر جنگ کے لیے مستعد ہو گئے۔ اس طرح کسیلہ کے لیے رومیوں اور بربروں پر مشتمل ایک بھاری لشکر اکٹھا ہو گیا۔ [4]

۱۔ معرکہ تلمسان [5]:

کسیلہ جنگی تیاری کرنے کے بعد تلمسان میں خیمہ زن ہوا اور ابوالمہاجر کے ساتھ دو بدو ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ مگر اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا، کچھ ہی عرصہ بعد ابوالمہاجر بھی وہاں پہنچ گئے اور اپنے لشکر سمیت تلمسان کے اردگرد خیمہ زن ہو گئے، دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے اور گھمسان کا رن پڑا، اس جنگ میں فریقین نے بہادری کے جو جوہر دکھائے، اس میں دونوں طرف سے بہت سارے لوگ مارے گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنی نصرت سے نوازا اور انہوں نے کسیلہ کے لشکر کو ہزیمت سے دوچار کر دیا اور اس نے میدان جنگ سے راہِ فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

۲۔ کسیلہ کا قبول اسلام:

معرکہ تلمسان میں کسیلہ کو قیدی بنا کر ابوالمہاجر کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس سے حسن سلوک پر مبنی

[1] تاریخ المغرب الکبیر: ۲/ ۳۵.
[2] ایضا: ۲/ ۳۵۔ العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲۷۷.
[3] تاریخ ابن خلدون: ۶/ ۱۴۶، تاریخ المغرب الکبیر: ۲/ ۳۸.
[4] ایضا: ۲/ ۳۸.
[5] یہ دو شہر ہیں ایک قدیم اور دوسرا جدید جیسے مرابطون نے پلان کیا تھا۔ اسے ارض مصر میں فسطاط اور قاہرہ جیسی حیثیت حاصل ہے۔ معجم البلدان: ۲/ ۴۴.

برتاؤ کیا۔ اسے اپنے قریب کیا اور اس سے بادشاہوں جیسا سلوک کیا، [1] چونکہ آپ اس کے اسلام قبول کرنے کے خواہش مند تھے، لہٰذا اسے اسلام کے بارے میں بتاتے، اسے اس کی حقیقت سے آگاہ کرتے اور اسے بتاتے کہ اسلام توحید خالص، عدل و مساوات اور بھائی چارے کا دین ہے اور یہ کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اسے کچھ بھی خسارہ نہیں ہوگا بلکہ اسے مادی اور روحانی اعتبار سے بہت کچھ حاصل ہوگا۔ کسیلہ بڑا ذہین و فطین شخص تھا، وہ اپنی قوم کے لیے بڑا مخلص تھا اور وہ صرف اس کی اصلاح و بہتری کا ارادہ رکھتا تھا، لہٰذا وہ مسلمان ہو گیا، اسے عربی زبان میں دلچسپی پیدا ہوئی تو وہ اس کی تعلیم حاصل کرنے لگا اور اس طرح وہ ابوالمھاجر کے مقربین میں شامل ہو گیا۔ کسیلہ نے اسلام اور اہل اسلام کی نصرت و معاونت کے لیے کمر کس لی اور پھر اپنی قوم کو دین حنیف کی دعوت دی جس سے ان کے سینے اسلام اور مسلمانوں کے لیے کھل گئے۔

ابوالمھاجر مغرب اوسط کے امور اور بربر قبائل کے اسلام سے مطمئن ہو کر قیروان سے قریب اپنے اصل ٹھکانے کی طرف واپس لوٹ گئے اور دکرور نامی بستی میں مقیم ہو کر امور کی نگرانی کرنے لگے۔ وہ یہاں رہ کر رومیوں کی سرگرمیوں اور ان کی سازشوں پر بھی نگاہ رکھے ہوئے تھے، اس دوران ان کی یہ بھی کوشش رہی کہ شمالی افریقہ سے ان کے اثر و نفوذ کو ختم کر دیا جائے۔ مگر اسے بدنصیبی ہی کہا جائے گا کہ وہ یہاں زیادہ دیر تک قیام نہ کر سکے۔ اس لیے کہ ۶۲ھ میں ان کے مولیٰ اور والی مصر مسلمہ بن مخلد انصاری کی موت واقع ہو گئی، مسلمہ، ابوالمہاجر کا مضبوط سہارا تھے جب یہ سہارا ختم ہو گیا تو یزید (بن معاویہ رضی اللہ عنہ) نے عقبہ بن نافع کو افریقہ کا دوبارہ والی مقرر کر دیا اور ابوالمھاجر کو ان کے منصب سے معزول کر دیا۔ [2] ابوالمھاجر کو افریقہ کا والی مقرر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمہ بن مخلد انصاری کو ان پر مکمل اعتماد تھا اور یہ کہ اسلام میں موالی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے، مزید برآں ایمان میں سب لوگ برابر ہیں۔ وہ عرب مسلمان ہوں یا ان کا تعلق غیر عرب قومیتوں کے ساتھ ہو۔ ہم ان کے اس انتخاب سے یہ بھی استدلال کر سکتے ہیں کہ موالی اموی دورِ حکومت میں باعزت عہدوں پر فائز رہے اور یہ صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے جس کی تصویر کشی بعض اقوال میں کی گئی ہے۔ ایک قول کی رو سے ابوالمھاجر مصر میں نوبہ کے موالی سے تعلق رکھتے تھے، جبکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے آباء و اجداد بربر میں سے تھے۔ [3]

سادساً:......عقبہ بن نافع کا دوسرا حملہ (۶۲-۶۳ھ)

عقبہ بن نافع افریقہ پہنچے تو اس کے عامل ابوالمھاجر کے ساتھ سنگ دلانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے انہیں سخت بیڑیوں میں جکڑ دیا۔ [4] مگر وہ اس کے باوجود مخلص، وفادار اور غیور ثابت ہوئے اور اگرچہ ان دونوں میں خاصی تلخی پیدا ہو گئی تھی مگر انہوں نے عقبہ کو نصیحت کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا، ان کی اہم ترین نصیحت عقبہ کو اس امر کا

[1] تاريخ المغرب الكبير: ۲/ ۳۸.
[2] العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲۷۹.
[3] خلافة معاوية از عقيلي، ص: ۱۳۰-۱۳۱.
[4] فتوح مصر، ص: ۱۳٤.

اشارہ کرنا تھا کہ بربر کے سردار کسیلہ کی عزت وتوقیر کرنا اور اس کی تالیف قلبی کی کوشش کرنا تاکہ وہ اسلام پر کاربند رہے۔ مگر عقبہ نے اس کی توہین کی، وہ یوں کہ انہوں نے ایک دن اسے اپنے سامنے بکری کی کھال اتارنے کا حکم دیا مگر کسیلہ نے اسے اپنے غلاموں کے حوالے کر دیا مگر عقبہ چاہتے تھے کہ وہ یہ کام خود کرے اور اس کے لیے انہوں نے اسے ڈانٹ بھی دیا۔ اس پر کسیلہ غضب ناک ہو کر اٹھا وہ جب بھی اپنا ہاتھ بکری میں داخل کرتا اسے اپنی داڑھی سے صاف کرتا۔ جب یہ خبر ابوالمھاجر کو ملی تو انہیں اس کام سے منع کرتے ہوئے فرمایا: رسول اللہ ﷺ عرب سرداروں کی تالیف قلبی فرمایا کرتے تھے جب کہ تم نئے نئے مسلمان ہونے والے اپنی قوم کے سردار کی اس کی عزت کے گھر میں بے عزتی کر کے اس کے دل کو متنفر کر رہے ہو۔ اس آدمی پر اعتماد کریں مجھے ڈر ہے کہ تم اسے کھو دو گے۔ ❶ مگر عقبہ نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ ہم آئندہ چل کر مسلمانوں کے ساتھ کسیلہ کی غداری اور دیگر امور کے بارے میں گفتگو کریں گے، ایک دن عقبہ نے ابوالمھاجر سے کہا: تم قیروان جا کر مسلمانوں کے بارے میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرو، میں شہادت کا متمنی ہوں، اس کے جواب میں ابوالمھاجر نے کہا: میں بھی تمہاری طرح شہادت کا خواہش مند ہوں۔ اس پر ان دونوں نے اپنی اپنی تلواروں کو نیاموں سے نکالا اور ان کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا اور پھر لڑتے لڑتے موت کی نیند سو گئے۔ ❷

قبل ازیں ہم ملاحظہ کر چکے ہیں کہ ابوالمھاجر نے ایک بڑی جنگ میں رومیوں اور بربر کو شکست سے دوچار کر دیا جس کی وجہ سے بعض بربر زعماء دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے جن میں سرفہرست کسیلہ تھا، اس کے ساتھ اس کی قوم کے بہت سارے لوگ بھی مشرف باسلام ہو گئے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جب عقبہ نے اس بربری سردار کی توہین و تذلیل کی تو انہیں اس کے اسلام کی صحت کا یقین نہیں تھا اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے لیے بڑے متواضع قسم کے انسان تھے، ان کا اجتہاد اس امر کا متقاضی تھا کہ اس آدمی کی تذلیل کی کوشش کی جائے تاکہ اس کی سرکشی کا زور ٹوٹ جائے اور اس کی قوم کے دلوں میں اس کا مقام و مرتبہ کم ہو جائے تاکہ اس کے بعد وہ انہیں مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اکسانے کی پوزیشن میں نہ رہے۔ مگر عقبہ نے اپنے اس اجتہاد میں غلطی کی اس لیے کہ اس کی قوم کے لوگ نئے نئے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے، عقبہ کے خیال میں اس کے عدم صدق کا جس قدر بھی احتمال تھا مگر لشکر اسلام میں اس کا باقی رہنا اور اس حکومت کے ماتحت رہنا اس کے ساتھ دشمن اور اسے مسلمانوں کو ضرب کاری لگانے کا موقع دینے سے کہیں بہتر تھا۔ ❸ عقبہ کے مذکورہ بالا موقف سے سنن اسلام پر عمل کرنے کے نتائج سے اہم ترین نتیجہ ہمارے سامنے آتا ہے اور وہ شوریٰ اور اہل حل وعقد کی رائے پر عمل کرنا، اور خاص طور پر اہم امور میں، بہرحال دونوں کمانڈر زا اپنے اپنے تصرفات میں مجتہد تھے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی یہ خیال ذہن میں نہیں آنا چاہیے کہ وہ اپنے ذاتی مفادات یا اپنے خاندان کے مفادات کے لیے کام کر رہا

❶ قادة فتح المغرب: ١/ ١٣٧-١٤٢۔ رياض النفوس: ١/ ٢٦۔
❷ قادة فتح المغرب: ١/ ١٣٧-١٤٢۔ ❸ التاريخ الاسلامي: ١٣/ ٢٥٤۔

تھا، ان کے پیش نظر صرف اسلام اور مسلمانوں کا مفاد تھا، البتہ اس قضیہ میں ابومہاجر کا اجتہاد اقرب الی الصواب تھا۔ ❶

ا۔ عقبہ کا قیروان سے محیط تک جہاد:

۵۵ھ میں قیروان کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو افریقہ کی ولایت سے معزول کر دیا گیا، بعدازاں ۶۲ھ میں انہیں یہ ولایت دوبارہ تفویض کر دی گئی تو وہ اپنے اس مشہور سفر پر روانہ ہوئے جس میں انہوں نے تیونس میں قیروان سے محیط اطلس تک...... ایک ہزار میل سے زیادہ کی مسافت طے کی، انہوں نے قیروان پر زہیر بن قیس بلوی کو اپنا جانشین مقرر کیا اور قیروان کے لیے یہ دعا کی: یا اللہ! اس شہر کو علم و دانش سے معمور کر دے اور اسے اپنے اطاعت گزاروں سے بھر دے، اس شہر کو اپنے دین کے لیے باعث عزت اور کفار کے لیے باعث ذلت بنا، اور اسے زمین کے جابروں سے محفوظ فرما۔ عقبہ اپنے ان دس ہزار ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہوئے جنہیں وہ شام سے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے، ان کے علاوہ قیروان سے بھی بہت سارے لوگ ان کے ساتھ شامل ہو گئے، آپ نے روانگی سے قبل اپنے بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ بیچ دیا ہے اور میں کفار کے ساتھ ہمیشہ جہاد کرتا رہوں گا، پھر فرمانے لگے: میرے بیٹو! میں تمہیں تین باتوں کی وصیت کرتا ہوں، انہیں اچھی طرح یاد رکھنا اور انہیں ضائع نہ کرنا، اپنے سینوں کو اشعار سے مت بھرنا اور قرآن کو ترک نہ کرنا، اس لیے کہ قرآن اللہ پر دلالت کرتا ہے، کلام عرب سے وہ کچھ لو جس سے عقل مند انسان راہ پاتا ہے اور جو تمہیں مکارم اخلاق سے آشنا کرے، اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے اس سے باز رہو، میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ کسی بھی حالت میں قرض نہ اٹھانا، اس لیے کہ قرض دن کی ذلت اور رات کا غم ہے۔ قرض لینے سے باز رہو اس سے تمہاری عزت بھی محفوظ رہے گی اور زندگی بھر تمہاری حرمت بھی برقرار رہے گی۔ مغرور لوگوں سے اکتساب علم نہ کرنا، وہ تمہیں اللہ کے دین سے جاہل رکھیں گے اور تمہارے اور اللہ کے درمیان تفریق کر دیں گے۔ دین صرف پرہیز گار اور متقی لوگوں سے اخذ کرنا، تمہاری سلامتی اسی میں ہے جو آدمی محتاط رہتا ہے وہ سلامت رہتا اور نجات پاتا ہے، پھر فرمایا: تم پر اللہ کی سلامتی ہو، میرے خیال میں تم آج کے بعد مجھے نہیں دیکھ سکو گے، پھر فرمایا: میرے اللہ! اپنی رضا کے لیے میری جان کو قبول فرما، جہاد کو میرے لیے رحمت اور اپنے ہاں میری عزت کا گھر بنا۔ ❷

یوں ابھی عقبہ کے قدم ارض قیروان پر نہیں پڑے تھے کہ انہوں نے بغیر کسی تردد کے جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ جہاد کے ساتھ کس قدر محبت کرتے تھے، اس پر اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے وقت ان کا یہ قول دلالت کرتا ہے: میں نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے بیچ دیا ہے اور میں زندگی بھر کفار سے جہاد کرتا رہوں گا۔ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے بیچ کر بڑی عظیم اور مہنگی قیمت کی وصولی میں اپنے شوق کا اظہار کیا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ

---

❶ البیان المغرب: ۱/ ۲۳۔ الاسلام و التقریب فی الشمال الافریقی، ص: ۲۴۸۔

❷ البیان المغرب: ۱/ ۲۳۔ صفحات من تاریخ لیبیا الاسلامی و الشمال الافریقی، ص: ۲۴۸۔

سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبة: ۱۱۱)

''یقیناً اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ انہیں جنت دی جائے گی، وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پس وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں، اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے، پس تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے معاملہ ٹھہرایا ہے خوش ہو جاؤ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔''

انہوں نے جہاد کو اپنی زندگی کا مقصد وحید قرار دیا اور اپنے پیش نظر بلند تر ہدف کو رکھا اور وہ ہے: زمین میں اعلائے کلمۃ اللہ۔ [1] عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کی اپنی اولاد کو وصیت اپنے اندر کئی جلیل القدر فوائد رکھتی ہے، آپ نے اپنی اولاد کو تین وصیتیں فرمائی تھیں:

الف: پہلی وصیت:...... پاکیزہ اور عمدہ علم حاصل کرنے کا اہتمام کرنا اور اس اعتبار سے سب سے پہلے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے میں دلچسپی دکھانا۔ اس لیے کہ قرآن وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ دکھاتی اور اس پر دلالت کرتی ہے اور یہ وہ عظیم اور عالی شان مقصد ہے جس کے حصول کے لیے ہر بندہ مومن کوشاں رہتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی نعمتوں کا حصول، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے مقاصد جلیلہ میں شامل ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (الحشر: ۷)

''اور رسول تمہیں جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو یقیناً اللہ سخت عذاب والا ہے۔''

اس کے بعد کلام عرب سے ان عمدہ اور بہترین چیزوں کا انتخاب کیا جائے جن کی طرف عقل سلیم راہ نمائی کرتی اور جو مکارم اخلاق کی ترغیب دلاتی ہیں۔

ب: دوسری وصیت:...... چاہے فقر و فاقہ ہی کا سامنا کیوں نہ ہو قرض لینے سے اجتناب کیا جائے، اس لیے کہ قرض دن کے وقت باعث ذلت ہوتا ہے۔ مقروض آدمی کو اپنے متعلقین کے سامنے ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑ سکتا ہے۔ قرض رات کو باعث غم ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ انسان رات کی تنہائی میں اپنے ذمہ واجب الاداء لوگوں کے حقوق یاد کر کے پریشان اور غمگین ہو جاتا ہے۔

[1] التاریخ الاسلامی: ۱۳/ ۲۵۷.

ج: حصول علم کی جستجو میں لگے رہنا اور اس کے لیے پرہیز گار اور متقی علماء کا انتخاب کرنا اور دنیا دار اور جاہ پرست مغرور علماء سے دور رہنا، اس لیے کہ دنیا پرست علماء متعلم کو مزید جہالت سے دوچار کرتے ہیں بایں طور کہ وہ اسے علم کی حقیقت اور اس کے ثمر سے دور لے جاتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ سے عبارت ہے۔ ❶

جب حضرت عقبہ اپنی اولاد کو پند و نصائح اور وصیت کرنے سے فارغ ہو جاتے ہیں تو انہیں الوداعی انداز میں سلام کہتے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کے خواہش مند تھے اور پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ میرے اللہ! میری جان کو اپنی رضا کی راہ میں قبول فرما۔ جہاد کو میرے لیے باعث رحمت بنا اور اپنے پاس میری عزت کا گھر تیار فرما۔ ❷ جہاد فی سبیل اللہ کو اس قدر اہمیت دینے اور اسے اس زندگی میں سب سے بڑا فریضہ قرار دینے کی وجہ سے ہی وہ فتوحات میں مسلسل کامیابیوں سے ہمکنار ہوتے چلے گئے۔ ❸ عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ باغی شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ ❹ جہاں انہیں ان بیزنطیوں کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جو شہر میں داخل ہو کر اس میں قلعہ بند ہو گئے تھے انہوں نے کچھ عرصہ تک ان کا محاصرہ کیے رکھا اور پھر تلمسان کی طرف روانہ ہو گئے جس کا شمار ان کے بڑے بڑے شہروں میں ہوتا تھا، رومی اور بربر قبائل کے لوگ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے نکلے اور پھر گھمسان کی جنگ چھڑ گئی، فریقین جم کر لڑے یہاں تک کہ مسلمانوں کو خیال ہوا کہ اس جنگ میں ان کی تباہی یقینی ہے مگر انہوں نے بڑے صبر اور حوصلہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے رومیوں پر اس قدر زوردار حملہ کیا کہ وہ اپنے قلعوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے مگر مسلمان سپاہ نے ان کے دروازوں تک ان کا تعاقب کیا اور ان سے بہت سارا مال غنیمت حاصل کیا۔ ❺ پھر انہوں نے بلاد زاب جانے کے لیے مغرب کا رخ کیا، جب انہوں نے اس علاقے کے سب سے بڑے شہر کے بارے میں دریافت کیا، تو انہیں بتایا گیا کہ اس کا نام "اَرَبَـہ" ہے جو کہ ان کا دارالحکومت ہے۔ اس شہر کے اردگرد تین سو ساٹھ بستیاں تھیں اور وہ ساری کی ساری آباد تھیں۔ اہل مدینہ اور اس میں موجود رومی شہر میں محفوظ ہو کر بیٹھ گئے جبکہ کچھ لوگ پہاڑوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے شہر کے باسیوں سے جنگ کی اور پھر انہیں شکست سے دوچار کر دیا اور ان کے بہت سارے شہسوار مارے گئے۔ پھر عقبہ نے "تاہرت" کی طرف پیش قدمی کی، رومی بربر سے مدد کے خواستگار ہوئے تو وہ اس کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

عقبہ بن نافع خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا: لوگو! تمہارے اشراف اور بہترین لوگ وہ تھے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور ان میں اپنی کتاب اتاری انہوں نے

---

❶ صفحات من تاریخ لیبیا الاسلامی و الشمال الافریقی، ص: ۲۵۹.

❷ البیان المغرب: ۱/ ۲۳. ❸ التاریخ الاسلامی: ۱۳/ ۲۵۸.

❹ مصر فی العصر الاموی، ص: ۱۲۳، الکامل فی التاریخ: ۲/ ۵۸۹.

❺ البیان المغرب: ۱/ ۲۳-۲۷۔ التاریخ الاسلامی: ۱۳/ ۲۶۱.

روزِ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والے ہر شخص کے خلاف آنحضرت ﷺ سے بیعت رضوان کی، وہ تمہارے اشراف تھے جنہوں نے تم سے پہلے آپ ﷺ سے بیعت کی۔ انہوں نے اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ کی جنت کے عوض اس کے ہاتھوں بیچ دیا اور یہ بیع بڑی نفع بخش تھی۔ مگر آج تم اجنبیت کے گھر میں ہو اور تم رب کائنات سے بیعت کر چکے ہو۔ تمہاری اس جگہ موجودگی اس کی نظروں میں ہے اور تم اس علاقہ میں صرف اس کی رضامندی کے حصول اور اس کے دین کو تقویت دینے کے لیے آئے ہو، لہٰذا خوش ہو جاؤ۔ دشمن کی تعداد جس قدر بھی زیادہ ہوگی ان کے لیے باعث ذلت و رسوائی ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار تمہیں تمہارے دشمن کے حوالے نہیں کرے گا، تم سچے دلوں کے ساتھ ان کا سامنا کرو، اللہ نے تمہیں اپنا وہ عذاب بنایا ہے جو مجرم لوگوں سے ٹل نہیں سکتا۔

تم اللہ تعالیٰ کی برکت اور اس کی مدد سے اپنے دشمنوں سے لڑو، اللہ اپنا عذاب مجرم قوم سے ٹالا نہیں کرتا۔ [1]

عقبہ بن نافع کا یہ عظیم خطبہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی جنگوں میں اس عظیم ترین ہتھیار پر اعتماد کیا جس میں مسلمانوں کی کامیابیوں کا راز ہے، اور وہ ہتھیار ہے: اللہ رب کائنات پر توکل اور اعتماد، اس کی عظمت و جلال کا استحضار اور اس کی نصرت و تائید کے ساتھ اپنے مومن دوستوں کی معیت، دشمن کے لشکر جتنے بھی بڑے ہوں اسے ان کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ اہمیت صرف اس بات کی ہے کہ اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ یہ کارگر معنوی ہتھیار بدرجہ اتم لشکر میں موجود رہے۔ جب اس کی ضمانت حاصل کر لی جائے تو پھر دشمن کے لشکروں کے اجتماع کو خوش آمدید کہے گا تاکہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء صالحین کے ہاتھوں انہیں جلد از جلد ہلاک کر دیا جائے اور ان کی جمعیت کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔

عقبہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ بڑی گہری مشابہت رکھتے تھے، ان کی یہ حالت تھی کہ دشمن کا لشکر جس قدر بڑا ہوتا اور اس کے عناصر جس قدر زیادہ ہوتے وہ اتنے ہی زیادہ خوش ہوتے اور ان میں قوت اور عظمت کا شعور اتنا ہی گہرا ہوتا۔ عقبہ نے اس حوالے سے ان کی اقتداء کی اور انہیں قیادت و اقدام میں اپنے لیے نمونے کے طور پر اختیار کیا، ایسا اقدام جو تردد اور اکتاہٹ سے آشنا نہیں ہوتا، انہیں ایسا کرتے وقت اس امر کا بخوبی ادراک ہوتا تھا کہ اسلام کا سچا اور مخلص لشکر اللہ کا عذاب ہے جسے اس کے کافر دشمنوں پر مسلط کر دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا عذاب مجرم لوگوں سے ٹلا نہیں کرتا۔

حضرت عقبہ کا یہ دائمی شعور کہ مسلمان مجاہدین اللہ تعالیٰ کی تلوار اور اس کے دشمنوں پر مسلط کردہ اس کا عذاب ہیں، انہیں اس مقام پر لے آیا تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت پر بڑا اعتماد اور اس کے بارے میں حسن ظن حاصل ہو گیا تھا۔ [2]

---

[1] البیان المغرب: ۱/ ۲۳-۲۷۔ قادة الفتح المغرب العربی: ۱/ ۱۰۸-۱۲۰.

[2] التاریخ الاسلامی: ۱۳/ ۲۶۰.

''تاہرت'' شہر میں مسلمانوں کی اپنے دشمنوں کے ساتھ مڈھ بھیڑ ہوئی تو انہوں نے ان کے ساتھ شدید جنگ کی، لیکن چونکہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی، لہٰذا انہیں بڑی کٹھن صورت حال کا سامنا کرنا پڑا مگر آخر کار وہ جیت گئے اور ان کے رومی اور بربر دشمن شکست فاش سے دوچار ہوئے اور اسلحہ سمیت بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ ❶ اس کے بعد وہ مغرب اقصیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور پیش قدمی کرتے ہوئے طنجہ جا پہنچے وہاں ان کا سامنا ''جومیان'' نامی ایک رومی کمانڈر سے ہوا، اس نے آپ کو خوبصورت تحائف پیش کیے اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ ❷ جب عقبہ نے اس سے بحر اندلس کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا: وہ محفوظ ہے اس کا قصد نہیں کیا جا سکتا۔ ❸ پھر انہوں نے اس سے بربروں اور رومیوں کے بارے میں دریافت کیا، تو اس نے کہا: تم روم کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، جبکہ تمہارے آگے صرف بربر ہی ہیں۔ عقبہ نے پوچھا کہ ان کا ٹھکانا کدھر ہے؟ اس نے بتایا: سوس ادنیٰ میں، اور وہ بے دین لوگ ہیں۔ ❹ عقبہ نے ان معلومات سے استفادہ کیا اور پھر سوس ادنی کے علاقہ میں جانے کے لیے جنوب مغرب کی طرف چل نکلا۔ جہاں ان کا ایک بربری گروہ سے ٹکراؤ ہوا تو اسے شکست سے دوچار کر کے وادی درعا کے صحراء کی طرف بھگا دیا، درعا شہر میں مسجد تعمیر کی پھر مراکش کے صحراؤں کو شمال مغرب کی طرف چھوڑتے ہوئے منطقہ ''تافلت'' کی راہ لی جس کا مقصد بلاد طنجہ میں داخل ہونا تھا، ان لوگوں نے لڑائی کیے بغیر ان کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ ''اغمات'' نامی شہر کے صنہاجہ قبائل نے بھی ان لوگوں کی طرح ان کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ عقبہ اس کے بعد مغرب کی سمت شہر تفیس ❺ کے لیے روانہ ہوئے جہاں انہوں نے بیزنطیوں اور بربروں کے کئی گروہوں کا محاصرہ کر لیا مگر ان کے قلعہ بند ہونے نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور آپ فاتح بن کر شہر میں داخل ہو گئے، اس طرح انہوں نے سوس اقصیٰ کے علاقوں کو آزاد کرا لیا، اس کے دار الحکومت ''ایجلی'' میں داخل ہو گئے اور اس میں ایک مسجد تعمیر کی، پھر انہوں نے وہاں موجود مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت دی جسے جزولہ کے قبائل نے تسلیم کر لیا، پھر ''ماسہ'' نامی شہر اور وہاں سے بحر محیط پر واقع ''ایفران'' ❻ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس طرح عقبہ بن نافع نے محیط اطلس کے ساحل پر پہنچنے کے ساتھ بلاد مغرب کے زیادہ تر حصوں کو آزاد کروا لیا، ہمارے تاریخی مصادر اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ عقبہ بن نافع جب محیط اطلس تک پہنچے تو کہنے لگے: میرے پروردگار! اگر یہ سمندر میرے سامنے نہ آتا تو میں تیرے راستے میں جہاد کرتے ہوئے اس علاقے میں آگے بڑھتا جاتا اور ہر کافر سے جنگ کرتا یہاں تک کہ تیرے سوا کسی کی بھی عبادت نہ کی جاتی، پھر وہ تھوڑی دیر رکنے کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے: اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو فرمانے لگے: میرے اللہ!

❶ الكامل في التاريخ: ۲/ ۵۹۰۔ ❷ ایضا: ۲/ ۵۹۰۔
❸ الكامل في التاريخ: ۲/ ۵۹۰۔ مصر في العصر الاموي، ص: ۱۲۵۔
❹ الكامل في التاريخ: ۲/ ۵۹۰۔ مصر في العصر الاموي، ص: ۱۲۵۔
❺ مصر في العصر الاموي، ص: ۱۲۶۔ البيان المغرب: ۱/ ۲۶-۲۷۔
❻ الكامل في التاريخ: ۲/ ۵۹۰۔

میں گھر سے فخر و غرور اور تکبر کی وجہ سے نہیں نکلا ہوں، تو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہم اس سبب کے طالب ہیں جس کا مطالبہ تیرے بندے ذوالقرنین نے کیا تھا اور وہ یہ کہ تیری بندگی کی جائے اور کسی چیز کو تیرا شریک نہ ٹھہرایا جائے، یا اللہ! ہم دین کفر سے عناد رکھنے والے اور دین اسلام کا دفاع کرنے والے ہیں۔ یا ذا الجلال والاکرام! تو ہمارا ہو جا، ہمارے خلاف کسی کا نہ ہونا۔ ❶ پھر وہ واپس پلٹ آئے۔

ہم ان کے مذکورہ بالا قول سے ان کے شوق جہاد اور اس بڑی ذمہ داری کے شعور کا ادراک کر سکتے ہیں جو انہوں نے تبلیغ اسلام، دولت اسلام کی تقویت اور ان کافر حکومتوں کے خاتمہ کے حوالے سے اپنے سر لے رکھی تھی۔ جنہوں نے لوگوں تک نورِ اسلام کی رسائی کو روک رکھا تھا، وہ بحر محیط کے کنارے پر کھڑے ہیں اور (اس وقت) جانتے تھے کہ یہ مغرب کی طرف سے آباد زمین کی انتہاء ہے، ایسے میں ہم انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس بات پر گواہ بناتے ہیں کہ انہوں نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے مقدور بھر کوششیں کر ڈالیں، اس شہادت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عقبہ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کس قدر گہرا تعلق قائم کر رکھا تھا، اور یہ کہ وہ قدم قدم پر اللہ عزوجل سے اس کی توفیق کے طلب گار ہوتے اور اس کی خوشنودی کے حصول کے خواستگار ہوتے تھے۔ ان کی یہ گفتگو ان کے نزدیک جہاد کے اصل مقصود پر بھی دلالت کرتی ہے، وہ بتاتے ہیں کہ ان کے نزدیک جہاد اس وقت ہی موقوف ہوگا جب زمین سے شرک کا خاتمہ ہو جائے گا اور صرف اللہ عزوجل ہی کی عبادت کی جانے لگے گی اور یہ کہ جب تک شرک باقی رہے گا جہاد بھی موجود رہے گا۔ اس صورت میں جہاد دعوت الی اللہ کا جہاد ہے اور اس کی صورت یہ ہے انسانی سرکشی کا خاتمہ ہو اور دنیا کے تمام ممالک حکم اسلام کے تابع ہو جائیں تاکہ سب لوگوں کو فہم اسلام اور قبول اسلام کا موقع میسر آئے۔ ❷ عقبہ کا عمل جہاد پر ہی نہیں رک گیا تھا بلکہ وہ اس کے ساتھ ساتھ مساجد کی تعمیر بھی کروایا کرتے تھے، مثلاً درعہ کی مسجد اور سوس اقصیٰ میں ماسہ کی مسجد۔ ❸ پھر وہ مساجد کی تعمیر کے بعد ان میں اپنے بعض ساتھیوں کو چھوڑ جاتے تاکہ وہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں اور انہیں شرائع اسلام سے آگاہ کریں۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ مغرب اقصیٰ کے زیادہ تر بربری لوگوں نے ان کے ہاتھ پر خوشی سے اسلام قبول کر لیا تھا، جیسا کہ صنہاجہ، ہسکورہ اور جزولہ کے لوگوں کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔ ❹ اسی طرح انہوں نے اپنے راستے میں روڑے اٹکانے والے سرکش لوگوں کو دباتے ہوئے انہیں اسلام کی اطاعت گزاری پر آمادہ کر لیا۔ ❺ عقبہ قبائل کی سرکشی کو روکنے کے لیے ان میں سے کچھ لوگوں کو اپنے پاس گروی رکھ لیتے اور ان میں سے ہی ایک آدمی کو ان کی نگرانی پر مامور کر دیتے، جیسا کہ انہوں نے مصمودہ کے ساتھ کیا، ان پر انہوں نے ابو مدرک زرعہ بن ابو مدرک کو مقرر کیا تھا جو کہ انہی کا ہی ایک رئیس تھا اور جو بعدازاں فتح اندلس میں بھی شریک ہوا۔ ❻

---

❶ الکامل فی التاریخ: ۲/ ۵۹۰۔ البیان المغرب: ۱/ ۲۳-۲۷۔ قادۃ الفتح المغرب العربی: ۱/ ۱۰۸-۱۲۰۔

❷ التاریخ الاسلامی: ۱۳/ ۲۶۲۔ ❸ ریاض النفوس: ۱/ ۲۶۔ الاسلام و التعریب: ۱/ ۱۳۳۔

❹ الاسلام و التعریب فی الشمال الافریقی: ۱/ ۱۳۳۔

❺ تاریخ ابن خلدون: ۶/ ۱۰۸۔ ❻ فتوح مصر، ص: ۲۰۷۔ الاسلام و التعریب: ۱/ ۱۳۴۔

معلوم ہوتا ہے کہ مغرب اقصیٰ کے بربر بت پرست تھے اس سے قیدیوں کی کثرت اور مال غنیمت کی بہتات کی وجہ سمجھ میں آ سکتی ہے۔ ان کی قید میں ایسی عورتیں بھی آئیں کہ ان جیسا حسن و جمال کسی نے دیکھا نہ ہوگا، بتایا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک لونڈی مشرق میں ایک ہزار مثقال یا اس سے بھی زیادہ رقم کے برابر تھی۔ ❶ یہ قیدی بربر قبائل میں اشاعت اسلام کے اہم عامل تھے، اس طرح انہیں عربی اسلامی ماحول کے ساتھ میل جول کا موقع ملا۔ نیز عرب جنگجوؤں اور بربروں کے مابین مسلسل اختلاط نے ان میں تعلقات اور روابط استوار کر دیئے جو کہ ان کے درمیان حلف اور ولاء سے عیاں ہوتے ہیں۔ ❷ سلاوی ذکر کرتے ہیں کہ عقبہ جب درن کے مقام پر پہنچے تو ان کے دفاع اور استقبال کے لیے زنانہ آگے بڑھے یہ لوگ مغراوہ کے اطاعت قبول کرنے کے وقت سے ہی مسلمانوں کے لیے مخلص تھے۔ ❸ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زناتہ اور مغراوہ کے کچھ لوگ مسلمانوں کے حلیف تھے جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ❹

۲۔ عقبہ بن نافع اور ابوالمہاجر کی شہادت:

یوں لگتا ہے کہ عقبہ جیسے مخلص مجاہد کو مومن صادق کی طرح یہ گہرا احساس ہو گیا تھا کہ وہ اس سفر کے دوران فی سبیل اللہ شہید ہو کر اللہ رب کائنات سے ملاقات کریں گے، جب انہوں نے قیروان سے روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو انہوں نے اپنی اولاد کو اپنے پاس بلا کر کہا: میں نے اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے...... اور مجھے نہیں معلوم کہ تم مجھے اس سال کے بعد دیکھ بھی سکو گے یا نہیں، پھر انہوں نے انہیں بڑی مفید نصیحتیں کیں اور فرمایا: میرے اللہ اپنی رضا کے لیے مجھے قبول فرما...... اس طرح عقبہ نے اپنی اولاد کو اپنی موت کی خبر دے دی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ارمان کی تکمیل کرتے ہوئے انہیں شہادت کی موت سے مشرف فرمایا۔ اس کے لیے رومیوں اور بربروں نے ان کے لیے تہوذہ کے قریب کمین گاہ تیار کی ❺ اور انہیں اور ان کے لشکری ساتھیوں کو موت سے ہمکنار کر دیا۔

تاریخی مصادر اس جانکاہ حادثہ کا ایک رئیسی سبب بتاتے ہیں اور وہ تھا عمومی طور پر بربر کے ساتھ اور خاص طور پر ان کے زعیم کسیلہ کے ساتھ ان کی سیاست۔ کسیلہ کو اپنی قوم میں بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا اور وہ لوگ اسے بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ابوالمہاجر نے ان کی تالیف قلبی کرتے ہوئے ان کے ساتھ بڑا اچھا برتاؤ کیا تو اس نے اسلام قبول کر لیا اور اس کی قوم کے بہت سارے لوگوں نے بھی اسلام کے گوشہ عافیت میں پناہ لے لی مگر عقبہ نے اس کے ساتھ بڑی بدسلوکی کی۔ ابوالمہاجر کو عقبہ کی اس غلطی کا احساس ہو گیا تھا، انہوں نے عقبہ کو اس امر کی طرف توجہ بھی دلائی مگر انہوں نے اس پر کان نہ دھرا۔ ابوالمہاجر اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ اس کی قوم کے

---

❶ رياض النفوس: ۱/ ۲٤ .
❷ الاسلام و التعريب فى الشمال الافريقى: ۱/ ۱۳٤ .
❸ ايضا: ۱/ ۱۳٥ .
❹ البيان المغرب: ۱/ ۲۳، ۲٤ .
❺ تہوذہ: افریقہ میں ایک بربری قبیلہ کا نام۔

لوگ اس کی بڑی عزت کرتے ہیں، لہٰذا وہ اپنے سردار کی اس توہین کو برداشت نہیں کریں گے اور وہ مسلمانوں کے ساتھ اپنے عہد کو توڑ ڈالیں گے۔ انہوں نے عقبہ کو اشارہ کیا کہ وہ کسیلہ سے جان چھڑا لیں اور قبل اس کے کہ یہ معاملہ شدت اختیار کر جائے اسے گرفت میں لے لیں۔ ❶ مگر عقبہ نے ان کی اس نصیحت کو بھی نہ صرف یہ کہ کوئی اہمیت نہ دی بلکہ ایک اور انتہائی خطرناک قدم اٹھایا اور وہ یہ کہ جب وہ قیروان واپس جانے کے لیے مغرب اقصیٰ سے واپس لوٹے تو اپنے لشکر کے بڑے حصے کو اپنے آگے آگے چلایا۔ جب وہ قیروان کے قریب پہنچے تو اسے قیروان بھیج دیا جبکہ خود فوج کے آخری حصے میں موجود رہے۔ اس وقت ان کے ساتھ صحابہ و تابعین میں سے صرف تین سو شہسوار موجود تھے اور ان کی عادت یہ تھی کہ جب وہ جنگ کے لیے روانہ ہوتے تو مقدمۃ الجیش میں رہتے اور واپسی پر لشکر کے آخر میں، اس طرح وہ ہمیشہ اپنے آپ کو خطرات سے دوچار کیے رکھتے۔ جب رومیوں کو معلوم ہوا کہ عقبہ اپنے لشکر کے چند افراد کے ہمراہ موجود ہیں تو انہوں نے ان کا خاتمہ کرنے کے لیے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا پروگرام بنایا، انہیں اس بات کا بخوبی ادراک تھا کہ ان کی بھاری بھرکم شخصیت مسلمانوں کی یگانگت اور قوت کی بقاء کا اہم ترین عامل ہے، لہٰذا انہوں نے کسیلہ بربری کے ساتھ مل کر ان کے خلاف سازش تیار کی اور عقبہ اور ان کے ساتھیوں کے لیے ایسا لشکر تیار کیا جس کا سامنا کرنا ان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ ❷ پھر اچانک ایسا ہوا کہ کسیلہ نے پچاس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ عقبہ کو گھیر لیا۔ ❸ اس وقت ابوالمہاجر عقبہ کے ساتھ پابند سلاسل تھے۔ جب انہوں نے کسیلہ کا لشکر دیکھا تو ابومحجن ثقفی کے یہ اشعار پڑھے:

كفى حزنا ان تمرغ الخيل بالقنا
وأُترك مشدودا علي و ثاقيا
اذ قمت عناني الحديد و أُغلقت
مصارع من دوني تصم المناديا

''میرے لیے یہی غم کافی ہے کہ شہسوار نیزوں میں ڈوبے ہوئے ہوں اور مجھے بیڑیوں میں جکڑ کر چھوڑ دیا جائے۔ جب میں اٹھتا ہوں تو لوہے کی زنجیریں مجھے ایسا کرنے سے روک دیتی ہیں اور میرے سامنے کی قتل گاہیں منادی کرنے والے کو بہرہ کر رہی ہیں۔''

جب عقبہ نے ان سے یہ اشعار سنے تو انہیں یہ کہتے ہوئے رہا کر دیا: مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے امور کی نگرانی کریں میں تو جام شہادت نوش کرنا چاہتا ہوں مگر انہوں نے کہا کہ میں بھی شہادت کی موت سے مشرف ہونا چاہتا ہوں۔ ❹ یوں ابوالمہاجر مردان کار میں سے وہ یکتا نمونہ ثابت ہوئے جن کی نظروں میں

---

❶ الكامل فى التاريخ: ۲/ ۵۹۱. ❷ التاريخ الاسلامى: ۱۳/ ۲۶۳.
❸ البيان المغرب: ۱/ ۲۵.
❹ الكامل فى التاريخ: ۲/ ۵۹۱.

دنیوی زندگی بے وقعت ہو کر رہ جاتی اور ان کے دلوں میں آخرت کی محبت گھر کر جاتی ہے اور وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

ان میں سے بعض لوگوں کے لیے میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنا ممکن تھا مگر وہ بہادروں کی طرح ثابت قدم رہے یہاں تک کہ وہ سارے کے سارے ارض زاب میں تہوذہ قبیلہ کے علاقہ میں جام شہادت نوش کر گئے۔ مورخین ذکر کرتے ہیں کہ اس جگہ ان شہداء کی قبریں بڑی معروف ہیں اور یہ کہ مسلمان ان کی زیارت کیا کرتے ہیں۔ ❶ یوں ابوالمھاجر کے بارے میں عقبہ کی امید پوری ہوگئی اور وہ دونوں اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے بعد شہادت فی سبیل اللہ سے مشرف ہو گئے۔ حضرت عقبہ نے اپنے اس جہاد کے ذریعے دنیا کے اس حصے میں اسلام کے لیے وہ راستہ کھول دیا جس پر ان کے بعد ان کے یہ خلفاء گامزن رہے: زہیر بن قیس بلوی، حسان بن نعمان غسانی اور موسیٰ بن نصیر۔ اس طرح وہ اشاعت اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ ہموار کرنے کے اپنے اہداف حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ ❷ عقبہ بن نافع اور ان کے ساتھیوں کی شہادت ۶۳ھ میں ہوئی اور اس وقت ان کی عمر تقریباً ۶۴ برس تھی۔ اس سے ہم اپنے اسلاف کی قوت ایمانی و جسمانی کا اندازہ کر سکتے ہیں، حضرت عقبہ نے طویل اور مشکل ترین سفر کے دوران بڑی بڑی جنگیں لڑیں جبکہ اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ یوں یہ عظیم کمانڈر اس جہاد کے بعد جام شہادت نوش کر گئے جو چالیس سالوں سے زیادہ عرصہ تک جاری رہا جو انہوں نے شمالی افریقہ میں گزارا جس کا آغاز مصر سے ہوا اور اختتام مغرب اقصیٰ میں۔ ❸

۳۔ معرکہ تہوذہ کے مسلمانوں پر اثرات (۶۳ھ):

معرکہ تہوذہ مسلمانوں پر ایک مصیبت بن کر ٹوٹا جس میں مجاہد کمانڈر عقبہ بن نافع اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا تھا۔ ان کی شہادت مسلمانوں کے لیے بڑی دردناک تھی اور اس سے ان کے لیے بڑی اذیت ناک صورت حال پیدا ہوگئی تھی۔ اگرچہ عقبہ کے ساتھ شہید ہونے والوں کی تعداد بہت کم تھی جو کہ ایک روایت کی رو سے تین سو سے کم تھی اور لشکر کا زیادہ تر حصہ آگے بڑھ کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس کے لیے اپنے آپ کو سنبھال کر اور اپنی قوت کو مجتمع کر کے دشمن کا مقابلہ کرنا ممکن تھا مگر لشکر کی نفسیاتی حالت اس کی اجازت نہیں دے رہی تھی، قیروان پر عقبہ کے جانشین زہیر بن قیس نے لشکر میں مقابلہ کی روح پھونکنے اور کسیلہ کا تعاقب کرنے کی پوری کوشش کی اور ان سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: مسلمانو! تمہارے ساتھی جنت میں داخل ہو گئے اور اللہ نے انہیں شہادت سے نوازا۔ تم ان کے راستے پر چلو یا پھر اللہ تعالیٰ اس سے پہلے تمہیں فتح و نصرت سے نواز دے۔ ❹ مگر

❶ التاریخ الاسلامی: ۱۳/ ۲٦٤۔ البیان المغرب: ۱/ ۲۸.

❷ العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۲۸٤، ۲۸۵.

❸ التاریخ الاسلامی: ۱۳/ ۲٦۵.

❹ البیان المغرب: ۱/ ۳۱.

زہیر کی چیخ و پکار کسی کام نہ آئی بلکہ انہیں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، حنش صنعانی اٹھ کر کہنے لگا: اللہ کی قسم! ہم تیری بات کو قبول نہیں کریں گے اور نہ تمہیں ہم پر حکومت کرنے کا کوئی حق ہے۔ پھر گویا ہوا: مسلمانو! تم میں سے جو شخص مشرق کی طرف واپس جانا چاہتا ہے وہ میرے ساتھ آئے۔ اس پر سب لوگ اس کے پیچھے چل دیئے اور زہیر کے ساتھ صرف اس کے اہل خانہ ہی باقی رہ گئے وہ وہاں سے اٹھا اور برقہ میں اپنے محل میں چلا گیا اور عبدالملک بن مروان کی حکومت تک وہیں مقیم رہا۔ ❶

رہا کسیلہ تو تمام افریقی اس کے پاس جمع ہو گئے اور اس نے قیروان کا قصد کیا، وہاں مسلمان اپنے مال واسباب اور بچوں کے ساتھ رہ رہے تھے، انہوں نے کسیلہ سے امان کا مطالبہ کیا تو اس نے انہیں امان دے دی اور خود شہروان میں داخل ہو گیا اور اس طرح اس نے افریقہ پر قبضہ جما لیا۔ کسیلہ قیروان میں بغیر کسی مدافعت کے مقیم رہا یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان کی حکومت کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ ❷ اگرچہ افریقہ کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکال لیا گیا تھا مگر وہ اسلام سے باہر نہیں نکلا تھا۔ کتنے ہی بربر قبائل نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ اسلام پر ہی قائم تھے۔ وہ قیروان میں ہی مقیم رہے۔ یہ لوگ بڑے بہادر اور جنگجو تھے اور کسیلہ کو اس کا اعتراف بھی تھا، جب اس کے لشکر کے سامنے یہ تجویز پیش کی گئی کہ زہیر بن قیس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے قیروان سے نکل کر کسی اور جگہ کا انتخاب کیا جائے تو اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ یہاں سے نکل کر ''ممس'' جا بسیں اس لیے کہ اس شہر (قیروان) میں بہت سارے مسلمان آباد ہیں اور ان کا ہمارے ساتھ ایک معاہدہ ہے اور ہم وہ معاہدہ توڑنا نہیں چاہتے، ہمیں ڈر ہے کہ اگر جنگ چھڑ گئی تو وہ ہمارے خلاف ڈٹ جائیں گے۔ ❸

قیروان ۶۴ھ سے ۶۹ھ تک تقریباً پانچ سال کسیلہ کے قبضہ میں رہا یہاں تک کہ زہیر بلوی نے عبدالملک بن مروان کی طرف سے ایک بہت بڑے لشکر کی مدد سے اسے اس کے قبضہ سے واگزار کرا لیا۔ ہم عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت کے بارے گفتگو کے دوران زہیر کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ .

حضرت عقبہ کی شہادت میں ہمارے لیے بڑی گہری عبرت ہے اور وہ یہ کہ دشمن سے ہمیشہ خبردار رہنا چاہیے۔ عقبہ شہادت کے شوق میں جنگجوؤں کی تھوڑی سی نفری میں باقی رہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک عظیم مقصد ہے مگر ان کی شہادت سے شمالی افریقہ کی فتوحات پر بڑے برے اثرات مرتب ہوئے، قیروان پانچ سال تک مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا اور دعوت اسلامیہ تاخیر کا شکار ہو گئی، لہٰذا قائدین کے لیے ضروری قرار پاتا ہے کہ وہ شوق شہادت اور امت کی مصالح کے درمیان توازن برقرار رکھا کریں۔

❶ البیان المغرب: ۱/ ۳۱ . النجوم الزاهرة: ۱/ ۱۵۹ .

❷ النجوم الزاهرة: ۱/ ۱۰۶ ـ العالم الاسلامی فی العصر الاموی ، ص: ۲۸۶ .

❸ ریاض النفوس: ۱/ ۳۰ ـ الاسلام و التعریب فی الشمال الافریقی: ۱/ ۱۳۶ .

تیسری بحث:

دولت امویہ کے مشرقی حصہ میں فتوحات معاویہ رضی اللہ عنہ

مسلمانوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک عراق اور نہر جیحون کے درمیانی علاقہ کی فتح مکمل کر لی تھی جو کہ جرجان، طبرستان، خراسان، فارس، کرمان اور سجستان پر مشتمل ہے۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فتوحات اسلامیہ کی تحریک کو شدید زد پہنچی، پھر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت شروع ہوا تو دولت امویہ نے مفتوحہ علاقوں کو واپس لینے اور فتح اسلام کی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے نئے سرے سے بھرپور کوششوں کا آغاز کر دیا۔ [1]

اولاً:......خراسان، سجستان اور ماوراء النہر کی فتوحات

جب حالات معاویہ رضی اللہ عنہ کی گرفت میں آ گئے تو انہوں نے عبداللہ بن عامر کو بصرہ کا والی مقرر کیا اور سجستان اور خراسان سے جنگ کی۔ [2] عبداللہ بن عامر کی اس منصب پر تقرری ان کے اس علاقہ میں گزشتہ تجربہ کی وجہ سے کی گئی تھی۔ ۴۲ھ میں ابن عامر نے عبدالرحمن بن سمرہ بن حبیب کو سجستان کا والی مقرر کیا، جب وہ یہاں آئے تو ان کے ساتھ عمر بن عبیداللہ بن معمر تیمی، عبداللہ بن حازم سلمی، قطری بن فجاءہ اور مہلب بن ابوصفرہ ازدی بھی تھے۔ انہوں نے اس حملہ کے دوران زرنج [3] نامی شہر کو صلح کے ذریعے فتح کر لیا اور اس کے سردار سے دو ملین درہم کی ادائیگی پر موافقت کر لی، بعدازاں انہوں نے خواش [4]، بست [5] اور خشک [6] وغیرہا شہروں کی طرف پیش قدمی کی اور انہیں فتح کر لیا، اسی طرح انہوں نے ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد کابل کو بھی فتح کر لیا، [7] معاویہ رضی اللہ عنہ نے سجستان کو ولایت قرار دیتے ہوئے اس کا والی عبدالرحمن بن سمرہ کو مقرر کر دیا [8] جو کہ ان کی ان جیسی فتوحات کا صلہ تھا۔

اس طرح خراسان اور سجستان کی ولایت دوسری دفعہ والی بصرہ کی نگرانی میں آ گئی، جب ۴۵ھ میں زیاد بصرہ آیا تو اس نے خراسان کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا:

۱۔ مرو:......اس کے امیر وامیر احمد لشکری تھے اور یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے عربوں کو مرو میں لا کر آباد کیا۔ [9]

۲۔ نیساپور: اس کے امیر خلید بن عبداللہ حنفی تھے۔

---

[1] دراسة فی تاریخ الخلفاء الامویین، ص: ۲۱۹.

[2] تاریخ طبری: ۶/ ۱۳۳.

[3] زرنج: سجستان میں ایک بڑا شہر۔

[4] خواش: سجستان میں ایک شہر۔ معجم البلدان: ۲/ ۳۹۸.

[5] معجم البلدان: ۱/ ۴۱۴.

[6] خشک: نواحی قابل میں ایک شہر۔ معجم البلدان: ۲/ ۳۷۳.

[7] فتوح البلدان، ص: ۳۹۵.

[8] ایضا، ص: ۳۹۶.

[9] فتوح البلدان، ص: ۴۰۸.

۳۔ مروالرود، طالقان اور فاریاب: اس کا امیر قیس بن ہیثم سلمی کو مقرر کیا گیا۔

۴۔ ہرات، باذغیس، یوشنج اور قادیس، اس پر نافع بن خالد طاحی ازدی کو متعین کیا گیا۔ [1]

۴۷ھ میں زیاد نے خراسان کے شہر مرو کو اپنی حکومت کا مرکز قرار دے دیا۔

ثانیاً:...... حکم بن عمرو غفاری کا تقرر

حکم بن عمرو غفاری بڑے پاک دامن اور شرف صحابیت سے مشرف تھے [2]، ۴۷ھ میں حکم نے ''طخارستان'' [3] سے جنگ کی اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا، پھر جبال غور [4] کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں کے لوگوں سے جنگ کی جو اسلام سے مرتد ہو گئے تھے، ان کے خلاف تلوار استعمال کی اور اسے بزور باز و فتح کر لیا۔ [5] مہلب بن ابوصفرہ خراسان میں حکم بن عمرو کے ساتھ تھے، انہوں نے ان کے ساتھ مل کر ترکوں کے بعض پہاڑی علاقوں میں جنگ کی جن میں جبل ''الاشل'' بھی شامل ہے۔ [6] مگر ترکوں نے ان پر گھاٹیاں اور راستے بند کر دیئے، اس پر حکم نے جنگی امور مہلب کو تفویض کر دیئے، مہلب نے حیلہ گری سے کام لیتے ہوئے ترکوں کے بہت بڑے سردار آدمی کو گرفتار کر لیا اور اس سے کہا: ہمیں اس تنگ گھاٹی سے باہر نکال ورنہ ہم تجھے قتل کر ڈالیں گے۔ وہ کہنے لگا: ان راستوں میں سے کسی ایک راستے کے سامنے آگ جلاؤ اور اپنا سارا ساز و سامان ادھر منتقل کر دو، اس طرح یہ سب لوگ ادھر جمع ہو جائیں گے اور دوسرے راستے خالی کر دیں گے، جب ایسا ہو جائے تو تم فوراً دوسرے راستے سے نکل جانا، اس طرح تم وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ مہلب نے ایسا ہی کیا اور یوں وہ اور ان کے ساتھی بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ [7] حکم بن عمرو نے نہر جیحون عبور کی اور ماوراء النہر کے علاقے میں چلے گئے، مگر ادھر کوئی علاقہ فتح نہ کیا۔ [8] مسلمانوں میں پہلا شخص جس نے اس نہر کا پانی پیا وہ حکم کا آزاد کردہ غلام تھا، اس نے اپنی ڈھال سے نہر کا پانی نکالا، پھر خود بھی پیا اور حکم کو بھی پلایا، حکم نے اس سے وضو بھی کیا اور دو رکعت نماز ادا کی، حکم یہ کام کرنے والے پہلے شخص تھے۔ [9] ایک دفعہ عبداللہ بن مبارک نے اہل ''صغانیات'' میں سے ایک شخص سے پوچھا: تیرے علاقہ کو کس نے فتح کیا تھا؟ اس نے کہا: میں نہیں جانتا۔ ابن مبارک نے فرمایا: اسے حکم بن عمرو غفاری نے فتح کیا تھا۔ [10]

---

[1] تاریخ طبری، نقلا عن خلافة معاوية، عقيلي، ص: ۱۳۵ . [2] فتوح البلدان، ص: ۴۰۹ .

[3] طخارستان: بڑی وسیع وعریض ولایت، جو کئی علاقوں پر مشتمل ہے۔

[4] الغور: ہرات اور غزہ کے درمیان ایک ولایت اور پہاڑ۔ [5] الكامل فى التاريخ: ۲/ ۴۷۸ .

[6] الاشل: خراسان میں واقع پہاڑ۔

[7] الكامل فى التاريخ، نقلا عن قادة الفتح الاسلامى فى بلاد ماوراء النهر، ص: ۱۱۸ .

[8] ماوراء النہر: نہر جیحون کا مشرقی علاقہ، ماوراء النہر اور مغربی علاقہ خراسان اور سلطنت خوارزم کہلاتا ہے۔ معجم البلدان: ۷/ ۳۷۰ .

[9] الكامل فى التاريخ: ۲/ ۴۷۸ .

[10] فتوح البلدان، ص: ۴۰۰ ـ قادة الفتح الاسلامى فى بلاد ماوراء النهر، ص: ۱۱۸ .

حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ ۵۰ھ میں فوت ہو گئے۔ ❶ ان کے جانشین جلیل القدر صحابی غالب بن فضالہ لیثی رضی اللہ عنہ بنے، انہوں نے طخارستان کی فتح کے لیے منظم جنگی حملے جاری رکھے مگر وہ تمام تر کوششوں کے باوجود کوئی قابل ذکر پیش قدمی نہ کر سکے، ❷ جس کی وجہ سے زیاد نے انہیں معزول کر کے ان کی جگہ ربیع بن زیاد حارثی (۵۰-۵۳ھ) کو والی مقرر کر دیا۔ ❸ ربیع بن زیاد نے خراسان پر اپنی ولایت کے عرصے کے دوران بلخ سے جنگ کی مگر وہاں کے لوگوں نے ان کے ساتھ صلح کر لی، بعد ازاں کوہستان سے جنگ کی تو اسے تلوار کے زور پر فتح کر لیا، ۵۳ھ میں چند ماہ کے لیے ان کا بیٹا عبداللہ ان کا جانشیں رہا اور اس کے بعد خلید بن عبداللہ حنفی۔ خلید اپنے اس منصب پر قائم رہا یہاں تک کہ خراسان پر معاویہ رضی اللہ عنہ کا متعین کردہ عامل عبیداللہ بن زیاد (۵۴-۵۵ھ) میں یہاں پہنچ گیا، اس وقت عبیداللہ کی عمر پچیس سال تھی۔ ❹

ثالثا:......عبیداللہ بن زیاد

عبیداللہ بن زیاد نے مرو پہنچنے کے فوراً بعد چوبیس ہزار آدمیوں پر مشتمل ایک فوجی لشکر کی قیادت کرتے ہوئے نہر جیحون عبور کرنے کے بعد رامیثین، نسف اور بیکندہ کو فتح کر لیا ❺ تو ملکہ بخاریٰ نے ترکوں کو اپنی مدد کے لیے پکارا۔ وہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ اس کی مدد کے لیے آئے، مسلمانوں کی ان سے مڈبھیڑ ہوئی تو شکست سے دوچار ہوئے۔ ❻ اس پر ملکہ نے ان سے صلح اور امان کا مطالبہ کیا تو وہ تقریباً ایک سال تک اس منصب پر فائز رہا۔ ❼

رابعا:......سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

تاریخی مصادر روایت کرتے ہیں کہ سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تقریباً چار ہزار لوگوں کے ساتھ خراسان پہنچے، ان میں بصرہ اور کوفہ میں موجود عرب قبائل کے مشاہیر بھی شامل تھے، نیز ان میں مالک بن رہب مازنی تمیمی جیسے تخریب کار اور ڈاکو بھی موجود تھے جو اب گزشتہ اعمال بد سے توبہ کر کے رشد و ہدایت کی راہ پر گامزن ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ❽ مالک بن رہب ہی کا یہ شعر ہے:

الـم تـرنـی بـعـت الـضـلالة بـالـهـدی
و اصبـحـت فـی جیـش ابـن عفان غازیا

''کیا تو نے مجھے نہیں دیکھا کہ میں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو فروخت کر دیا ہے اور میں ابن عفان کے لشکر میں غازی بن گیا ہوں۔'' ❾

---

❶ طبقات ابن سعد: ۷/ ۲۹ .
❷ خلافة معاوية، عقيلي، ص: ۱۳٦ .
❸ فتوح البلدان، ص: ٤٠٩ .
❹ تاريخ طبری نقلا عن خلافة معاوية، ص: ۱۳۸ .
❺ الكامل فی التاريخ: ۲/ ٥٠٦ .
❻ تاريخ اليعقوبی: ۱۲/ ۲۱۱ ـ قادة الفتح الاسلامی فی بلاد ماوراء النهر، ص: ۱۲٥ .
❼ خلافة معاوية، عقيلي، ص: ۱۳۹ .
❽ ايضا، ص: ۱٤٠ .
❾ الشعر و الشعراء لابن قتيبه: ۱/ ۳٥٤ .

سعید نے خراسان آمد کے بعد سمرقند جانے کے لیے نہر عبور کی تو اس کی خبر ملکہ بخاریٰ کو بھی ہوگئی، اس نے ابن زیاد کے ساتھ اپنی صلح کے بارے میں آگاہ کیا۔ صغد، کش اور نسف کے لوگ ایک لاکھ بیس ہزار کی تعداد میں آگے بڑھے اور بخاریٰ میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئے، ملکہ بخاریٰ جزیہ کی ادائیگی پر نادم ہوئی اور ابن زیاد سے کیا گیا معاہدہ توڑ دیا، مگر سعید کے ساتھ لڑائی کے لیے آنے والے لشکر میں سے کئی لوگ جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی واپس چلے گئے اور ان کی واپسی دوسرے لشکریوں کی معنویات پر بھی اثر انداز ہوئی۔ جب ملکہ نے یہ صورت حال دیکھی تو اس نے صلح بحال کر دی اور سعید بخاری شہر فاتح کی حیثیت سے داخل ہو گئے۔ سعید نے ملکہ سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے علاقے کے اسّی سرکردہ لوگوں کو ان کے پاس بھیجیں اور یہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اس کے خلاف خروج کرنے کی قیادت کر رہے تھے اور وہ ان کی غداری سے ڈرتی ہے اور اپنے اور اپنے تخت کے لیے خطرہ تصور کرتی ہے، اس طرح وہ اپنے حاضر اور مستقبل کے لیے خطرناک ثابت ہونے والے اپنے دشمنوں سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ جب سعید اور ملکہ بخاریٰ کے درمیان صلح کا معاہدہ مکمل ہو گیا تو وہ ان سے ملاقات کے لیے ان کی رہائش گاہ پر آئی اس وقت وہ اپنی شاہانہ زیب و زینت میں تھی اور جیسا کہ کہا جاتا ہے وہ حسن و جمال میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی تھی۔ اہل بخاریٰ کا دعویٰ ہے کہ مسلمان کمانڈر اس کی خوبصورتی سے بڑے متاثر ہوئے۔ سعید کی طرف سے اس کی پسندیدگی کے چرچے تو لوک گیتوں میں ہوتے رہے جنہیں اہل بخاریٰ آج تک گاتے چلے آئے ہیں۔ مگر قابل اعتماد اسلامی عربی مصادر میں ان کا کہیں ذکر نہیں ملتا، بظاہر یوں لگتا ہے کہ یہ تاریخی حقائق سے زیادہ ادباء وشعراء کی خیال آفرینی ہے۔ سعید نے سمرقند سے جنگ کی تو ملکہ نے اہل بخاریٰ کے ساتھ ان کی مدد کی، جب وہ سمرقند کے دروازے پر اترے تو قسم اٹھائی کہ وہ شہر کو فتح کرنے تک یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔ مسلمان تین دن تک اہل سمرقند سے لڑتے رہے جبکہ تیسرے دن گھمسان کا رن پڑا جس دوران سعید کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔ سمرقند کے شہریوں نے صلح کا مطالبہ کیا تو سعید نے سات لاکھ درہم کے بدلے ان سے صلح کر لی، اس صلح کی دوسری شرط یہ تھی کہ وہ اپنے روساء کے پچیس بچے ان کے حوالے کر دے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے ان کی تعداد چالیس تھی جبکہ ایک روایت میں ان کی تعداد اسی بتائی گئی ہے۔ [1] اس وقت ان کے ساتھ امراء میں سے مہلب بن ابوصفرہ ازدی وغیرہ بھی تھے۔ قثم بن عباس بن عبدالمطلب نے اسی موقع پر جام شہادت نوش کیا جو کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ بڑی گہری مشابہت رکھتے تھے۔ [2] ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما طائف میں مدفون ہوئے جبکہ ان کے ایک اور بھائی افریقہ میں شہادت کی موت سے ہمکنار ہوئے جبکہ عبیداللہ کی قبر مدینہ منورہ میں ہے۔ یہ تمام بھائی ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ [3] (مگر وفات مختلف علاقوں میں ہوئی) ارشاد ربانی ہے:

---

[1] قادة الفتح الاسلامی فی بلاد ما وراء النهر، ص: ۸۲۔ تاریخ طبری: ۶/ ۲۲۴ .

[2] فتوح البلدان، ص: ۴۰۱-۴۰۲۔ قادة الفتح الاسلامی فی بلاد ماوراء النهر، ص: ۱۴۱ .

[3] شذرات الذهب: ۱-۶۱۔ قادة الفتح الاسلامی فی بلاد ما وراء النهر، ص: ۱۴۲ .

﴿وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾ (لقمٰن: ٣٤)

''کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کچھ کرے گا اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ یقیناً اللہ ہی پورے علم والا اور صحیح خبر رکھنے والا ہے۔''

پھر سعید بن عثمان نے ''ترمذ'' کا رخ کیا اور اسے صلح کے ذریعے فتح کر لیا۔ [1] معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۵۷ھ میں انہیں معزول کر دیا تو سعید نے خراسان کے خراج پر قبضہ جما لیا جسے معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے واپس لے لیا۔ [2] سعید اپنے پاس گروی رکھے گئے عظماء سمرقند کے بچوں کو اپنے ساتھ مدینہ منورہ لے گئے، ان کے کپڑے اتار کر ان کے موالی کے حوالے کر دیے اور انہیں اونی لباس پہنا کر آب پاشی اور زمین کے کام کاج میں لگا دیا۔ [3] وہ ایک دن باغ کا دروازہ بند کر کے ان پر ٹوٹ پڑے پہلے انہیں قتل کیا اور پھر اپنے آپ کو قتل کر ڈالا۔ [4] اس پر خالد بن عقبہ بن ابومعیط اموی [5] نے کہا:

الا إن خیر الناس نفسا و والدا
سعید بن عثمان قتیل الا عاجم
فان تكن الایام اردت صروفها
سعیدا فهل حیّ من الناس سالم؟

ان کے مرثیہ میں خالد ہی کا شعر ہے:

یا عین جودی بدمع منك تهتانا
و ابكی سعید بن عثمان بن عفانا

سعید نے اہل سمرقند کے ساتھ گروی رکھے گئے بچوں کو واپس کرنے کے عہد کو پورا نہ کیا اور انہیں اپنے ساتھ مدینہ منورہ لے آئے اور پھر انہیں مٹی گارے کے کام پر لگا دیا، جبکہ وہ سرداروں اور ناز و نعمت میں پلنے والے لوگوں کے بیٹے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ اس قسم کی مشقت برداشت نہ کر سکے اور آخر کار اپنی زندگی سے اکتا گئے۔ [6] پہلے انہیں قتل کیا اور پھر اپنی زندگیوں کے چراغ گل کر ڈالے، یہ سعید کا ان کے ساتھ غدر تھا جو ان کے لیے وبال جان ثابت ہوا اور اس کی انہیں بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔ [7]

سعید بن عثمان بڑے غیور انسان تھے، ناز و نعمت میں پلنے والے اور بڑے سخی تھے۔ ان کا شمار قریش کی

---

[1] قادة الفتح الاسلامی، ص: ١٤٢۔ فتوح البلدان، ص: ٤٠٢.
[2] قادة الفتح، ص: ١٤٣-١٤٤.
[3] فتوح البلدان، ص: ٤٠٢-٤٠٣.
[4] ایضا، ص: ٤٠٣۔ قادة الفتح الاسلامی، ص: ١٤٢.
[5] قادة الفتح الاسلامی، ص: ١٤٣.
[6] قادة الفتح الاسلامی، ص: ١٤٣.
[7] ایضا، ص: ١٤٣.

ممتاز شخصیات میں ہوتا ہے۔ ❶

خامساً:……عبیداللہ بن زیاد کے بھائی مسلم بن زیاد کی فتوحات……۵۷ھ

معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے ۵۷ھ میں سعید بن عثمان کو معزول کر کے ایک روایت کی رو سے خراسان کی ولایت عبیداللہ بن زیاد کو دے دی، ❷ ایک دوسری روایت کی رو سے معاویہ نے خراسان پر عبدالرحمن بن زیاد کو والی مقرر کیا، چونکہ وہ ایک شریف انسان تھا لہٰذا فتوحات کے میدان میں کوئی کارکردگی نہ دکھا سکا، یہ ۵۹ھ کی بات ہے۔ ❸ معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت کے وقت خراسان کا والی عبدالرحمن بن زیاد تھا، جب مسلم خراسان کی طرف روانہ ہونے لگا تو یزید نے عراق میں اس کے بھائی عبیداللہ بن زیاد کے نام اس مضمون کا خط بھیجا کہ وہ اس کے لیے چھ ہزار شہسواروں کا انتخاب کرے، ایک روایت میں یہ تعداد دو ہزار بھی بتائی گئی ہے۔ سلم بن زیاد اپنے ساتھ رہنے کے لیے سرکردہ لوگوں کا انتخاب کیا کرتا تھا، لہٰذا عمران بن فضیل برجمی، مہلب بن ابوصفرہ، عبداللہ بن خازم سلمی، طلحہ بن عبداللہ بن خلف خزاعی اور بصرہ کے رؤساء و اشراف سے بہت سارے لوگ اس کے ساتھ ہو لیے۔ سلم نے بصرہ سے ان لوگوں کو اپنے ساتھ لیا اور پھر پوری تیاری کے بعد خراسان کی طرف روانہ ہو گیا۔ ❹ سلم نے فتوحات کا آغاز خوارزم کے ساتھ جنگ سے کیا، مگر شہر والوں نے چار سو درہم کے بدلے اس سے صلح کر لی اور وہ رقم اسے ادا کر دی۔ جب سلم نے نہر جیحون عبور کی تو اس وقت اس کی بیوی ام محمد بنت عبداللہ بن عثمان بن ابوالعاص ثقفی بھی اس کے ساتھ تھی۔ نہر جیحون عبور کرنے والی یہ پہلی عرب خاتون تھی۔ وہ سمرقند پہنچا تو اس کے شہریوں نے اس کے ساتھ صلح کر لی۔ ❺ اسے پتا چلا کہ ملکہ بخاریٰ نے عہد شکنی کرتے ہوئے اپنے ہمسایہ صغد اور شمال کے ترکوں سے مدد طلب کی ہے۔ طرخون صغد کے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے اس کی مدد کے لیے آیا جبکہ ترکوں کا کمانڈر بھی ایک بھاری بھرکم لشکر کے ساتھ میدان کارزار میں اترا۔ مگر مادی قوات پر مشتمل بڑے بڑے لشکر مسلمانوں کی معنویات پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ انہوں نے بخاریٰ پر حملہ کیے بغیر اس کا محاصرہ کر لیا تاکہ وہ سب سے پہلے اپنے دشمنوں کی قوات اور ان کے مقامات سے آگاہ ہو سکیں ان کا دشمن اس وقت بخاریٰ کے قریب ہی گھات لگائے بیٹھا تھا۔

سلم بن زیاد نے مہلب بن ابوصفرہ ازدی کو دشمن کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے کہا تو اس نے یہ تجویز پیش کی وہ اس مہم کو سر کرنے کے لیے کسی اور کو حکم دیں، اس کے لیے اس نے دلیل یہ پیش کی کہ وہ اپنی قوم اور مسلمانوں میں جانا پہچانا آدمی ہے، لہٰذا میرا مسلمانوں سے غائب ہونا میرے کندھوں پر ڈالی گئی ذمہ داری کو افشاء کر دے گا جبکہ اسے پردہ راز میں رہنا چاہیے تاکہ اسے انتہائی پردہ داری اور بڑی احتیاط کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچایا جا سکے، اس لیے کہ اس کا افشاء مسلمانوں کو شدید خطرات سے دوچار کر سکتا ہے۔ مگر سلم بن زیاد نے مہلب

---

❶ الکامل فی التاریخ: ۲/ ۵۱۴۔ ❷ النجوم الزاهرة: ۱/ ۱۴۹۔ قادة الفتح الاسلامی، ص: ۱۴۸۔
❸ قادة الفتح الاسلامی، ص: ۱۴۸۔ ❹ الکامل فی التاریخ نقلا عن قادة الفتح الاسلامی، ص: ۱۴۹۔
❺ قادة الفتح الاسلامی، ص: ۱۴۹۔ فتوح البلدان، ص: ۱۴۹۔

سے ہی یہ اہم ذمہ داری ادا کرانے پر اصرار کیا جس کی کما حقہ ادائیگی سے دوسرے لوگ قاصر رہیں گے۔ اس نے اس مقصد کے حصول کے لیے اس کے ساتھ اس کے عم زاد اور ایک دوسرے ذمہ دار آدمی کو بھی بھیجا مگر مہلب نے سلم پر یہ شرط لگائی کہ وہ کسی کو بھی اس اہم ترین ذمہ داری سے آگاہ نہیں کرے گا، پھر وہ رات کے وقت اپنی جاسوس جماعت کے ساتھ اس مشن پر روانہ ہو گئے اور کسی پوشیدہ مقام پر چھپ کر بیٹھ گئے اور پھر دشمن کی فورسز کے بارے میں بھرپور آگاہی حاصل کر لی جبکہ وہ مخفی جگہ دشمن کی نظروں سے بالکل اوجھل رہی، بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس رات مہلب کی قوم اور دیگر مسلمانوں کو صبح کی نماز میں مہلب نظر نہ آیا مگر اس جیسے آدمی کا غائب رہنا کسی پر مخفی نہیں رہ سکتا تھا، اس کا مقام و مرتبہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں تھا اور اسے بڑی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا، وہ لوگ سلم سے مہلب کے بارے میں بڑے اصرار کے ساتھ دریافت کرتے رہے جس کی وجہ سے وہ اس کے معاملے کو مخفی نہ رکھ سکا اور انہیں اصل صورت حال سے آگاہ کر دیا اور پھر یہ خبر بڑی تیزی کے ساتھ سارے لشکر میں پھیل گئی، اس پر کچھ مسلمان جلدی جلدی سواریوں پر سوار ہوئے اور مہلب کی خفیہ جگہ کی طرف چل پڑے اور آخر کار انہوں نے وہ جگہ ڈھونڈ ھ نکالی۔ جب مہلب نے انہیں بغیر کسی نظم اور ترتیب کے اپنی طرف آتے دیکھا تو انہیں ان کی اس غیر ذمہ دارانہ حرکت پر بڑا سخت سست کہا، اس لیے کہ انہوں نے بغیر کسی جواز کے دشمن کو اس کی جاسوس جماعت کے مقام کو ظاہر کر دیا اور اس طرح اسے انتہائی خطرناک صورت حال سے دوچار کر دیا۔ ان کی تلاش میں آنے والے مجاہد شہسوار تقریباً نو سو کی تعداد میں تھے۔ مہلب نے ان سے کہا: اللہ کی قسم! تم اپنے اس فعل پر ضرور نادم ہو گے اور پھر وہی کچھ ہوا جس کی مہلب توقع کر رہا تھا، ابھی وہ مسلمانوں کی صفوں کو منظم بھی نہیں کر پایا تھا کہ ترکوں نے ان پر حملہ آور ہو کر چار سو مجاہدین کو موت کے گھاٹ اتار دیا جبکہ دوسروں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ مہلب اور اس کے ساتھ رہ جانے والی نفری کو چند لوگوں نے گھیر لیا مگر وہ اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے، اس جیسے لوگوں کے لیے راہِ فرار اختیار کرنے سے موت اختیار کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ مہلب نے بلند آواز سے چلاتے ہوئے مسلمانوں سے مدد کی اپیل کی تو اس کی آواز قریب ہی واقع مسلمانوں کے کیمپ میں سنی گئی، اس کی قوم سے ازد قبیلہ کے لوگ فوراً اس کی مدد کے لیے وہاں پہنچ گئے اور ترکوں کو اتنی دیر تک مشغول رکھا جتنی دیر میں مسلمانوں کی قیادت ان کی مدد کے لیے پہنچ نہ گئی، پھر فریقین میں گھمسان کا رن پڑا اور مسلمان سپاہ نے ترکوں کو بڑی بری طرح شکست سے دوچار کر دیا اور وہ میدان جنگ میں اپنے اموال اور ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جسے مسلمانوں نے مال غنیمت کے طور پر سمیٹ لیا اور جس میں سے ہر شہسوار کے حصے میں دو ہزار اور چار چار سو درہم آئے۔ دوسری روایت کی رو سے ہر مجاہد کو دس ہزار درہم میسر آئے۔ مسلمانوں نے ترکوں کو شکست فاش دے دی، اس جنگ میں صغد بادشاہ (بندون) یا (بیدون) بھی کام آیا، اور ملکہ بخاریٰ نے سلم کے ساتھ دوبارہ صلح کر لی اور بخاریٰ نئے سرے سے فتح ہو گیا۔[1] صغد میں قیام کے دوران سلم نے مسلمانوں کا ایک لشکر (خُجَنْدہ) بھیجا جس میں مشہور

[1] تاریخ بخاری، نرشخی، ص: ٦٥-٦٧.

شاعر اعشی ہمدان بھی شامل تھا جس میں مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ سلم بن زیاد سے پہلے خراسان کے عمال جنگوں میں مصروف رہتے اور جب موسم سرما آتا تو (مزداشاہجان) واپس لوٹ جاتے۔ مسلمانوں کے واپس جانے پر خراسانی حکمران خوارزم سے متصل ایک شہر میں جمع ہوتے، آپس میں ایک دوسرے سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرتے اور اپنے معاملات کے بارے میں مشاورت کرتے، پھر جب سلم بن زیاد ادھر آیا تو اس نے اس سال موسم سرما میں بھی جنگ کرنے کا پروگرام بنایا۔ مہلب بن ابی صفرہ نے بڑے اصرار کے ساتھ اس شہر کی طرف متوجہ ہونے کی درخواست کی تو اس نے اسے چھ ہزار اور ایک روایت کی رو سے چار ہزار کی نفری کے ساتھ ادھر بھیجا، اس نے ان کا محاصرہ کرلیا تو انہوں نے صلح کا مطالبہ کردیا، جس پر اس نے ان سے تقریباً بیس ہزار درہم پر صلح کرلی، صلح کی ایک شرط کی رو سے وہ ان سے چوپائے اور دیگر جانور نصف قیمت پر خریدا کرتا۔ ❶ (۶۱-۶۲ھ) کے دوسالہ جہاد کے بعد سلم مرو میں واپس لوٹ آیا، ایسا لگتا ہے کہ اس نے ۶۳ھ میں دوبارہ نہر جیحون عبور کی، جس کی وجہ اس کی یہ اطلاع تھی صغد اس کے لیے جمع ہورہے ہیں، اس نے ان سے جنگ کی جس میں ان کا حکمران مارا گیا، ❷ مگر اسے علاقہ کی داخلی مشکلات سے نمٹنے کے لیے (مرو) جلد واپس آنا پڑا، ان دنوں تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے پے در پے سر اٹھا رہے تھے۔ ❸ ۶۴ھ میں یزید بن معاویہ فوت ہوگیا، اس کے بعد معاویہ بن یزید بن معاویہ کی بیعت کی گئی مگر تین ماہ بعد وہ بھی چل بسا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ صرف چالیس دن حکومت کرنے کے بعد موت کی آغوش میں چلا گیا۔ ❹ جب سلم کو یزید بن معاویہ کی موت کی خبر ملی تو اس نے اسے چھپائے رکھا مگر یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح خراسان میں پھیل گئی، اس جیسی خبروں کو زیادہ دیر تک چھپانا ممکن نہیں ہوتا، جب سلم کو علم ہوا کہ یزید کی موت کی خبر لوگوں میں پھیل گئی ہے تو پھر اس نے یزید اور اس کے بیٹے معاویہ کی موت کی خبر ظاہر کردی اور لوگوں کو خوشی سے اس وقت تک بیعت کرنے کی دعوت دی جب تک لوگوں کا کسی خلیفہ پر اتفاق نہیں ہوجاتا۔ لوگوں نے اس سے بیعت تو کرلی مگر دو ماہ بعد ہی اسے توڑ ڈالا، اگرچہ لوگوں کے ساتھ سلم کا رویہ بہت اچھا تھا اور وہ اس سے دلی محبت کرتے تھے مگر عرب قبائل کے بعض لوگوں نے عصبیت و تعصب سے کام لیتے ہوئے اس سے بیعت توڑ ڈالی۔ اہل خراسان کو کوئی ایسا امیر نہ مل سکا جو سلم بن زیاد کی طرح ان سے محبت کرتا۔ ❺ مگر ان کا ایک کہنے والا کہتا ہے: سلم کا یہ خیال غلط تھا کہ وہ جماعت اور فتنہ کے دوران ہم پر امارت کرلے گا۔ ❻ اہل خراسان نے اپنے عمال کو خراسان سے باہر نکال دیا اور ہر قوم نے اپنے اپنے علاقے کا کنٹرول سنبھال لیا، ہر طرف فتنہ اٹھ کھڑا ہوا اور جنگ و جدال شروع ہوگیا۔ ❼ خود عرب قبائل کے درمیان باہم قتل و قتال کی کیفیت پیدا ہوگئی خراسان کئی

❶ فتوح البلدان، ص: ۵۸۱۔ الکامل فی التاریخ: ۲/ ۵۸٤.

❷ فتوح البلدان، ص: ۵۸۲.

❸ قادۃ الفتح السلامی فی بلاد ماوراء النہر، ص: ۱۵۲.

❹ الکامل فی التاریخ: ۲/ ٦۰۵.

❺ ایضا: ۲/ ٦۲۲.

❻ فتوح البلدان، ص: ۵۸۲.

❼ قادۃ الفتح الاسلامی، ص: ۱۵۳.

علاقوں میں تقسیم ہوگیا اور ہر علاقے کا ایک قائد اور امیر ہوتا، مسلمانوں کے مقتولین کی لاشیں گرنے لگیں، فتوحات کا سلسلہ رک گیا اور سلم نے مکہ مکرمہ میں موجود عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی راہ لی۔ (1)

سادسًا:......عہد معاویہ میں فتوحات سندھ

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں مسلمانوں نے اپنا اثر ونفوذ دریائے سندھ کے ماوراء تک بڑھا لیا، ۴۴ھ میں مہلب بن ابوصفرہ نے سندھ میں جنگ کی اور وہ بنہ اور لاہور تک پہنچ گیا۔ (2) یہ دونوں شہر ملتان اور کابل کے درمیان واقع ہیں۔ ۴۵ھ کے آغاز میں والی بصرہ عبداللہ بن عامر نے عبداللہ بن سوار عبیدی کو چار ہزار لوگوں پر مقرر کر کے سندھ بھیجا، جب ابن سوار مکران پہنچا تو وہاں اس نے چار ماہ تک قیام کیا اس دوران وہ اپنے آپ کو اور اپنے لشکر کو متوقع حملہ کے لیے تیار کرتا رہا، پھر وہ اپنے لشکر کے ساتھ بلاد قیقان (3) کی طرف بڑھا اور اسے فتح کر لیا، اس نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں قیقانی گھوڑے تحفتاً پیش کیے۔ (4) یہ گھوڑے اس نے شام میں انہیں ذاتی طور پر پیش کیے تھے۔ قیقانی برذونی گھوڑے انہیں گھوڑوں کی نسل سے ہیں۔ (5) بہرحال ابن سوار سندھ میں زیادہ طویل عرصے تک قیام نہ کر سکا اس لیے کہ اس علاقہ میں موجود ترکوں کی ایک جماعت نے ۴۷ھ میں اسے قتل کر ڈالا تھا۔ (6) پھر ۴۶ھ میں زیاد بن ابوسفیان نے سلمان بن سلمہ بن محبق ہذلی کا سندھ میں مفتوحہ علاقوں کے والی کے طور پر انتخاب کیا، سنان نے وہاں پہنچنے کے بعد مکران شہر کو بزور طاقت فتح کر لیا اور خود وہاں مقیم ہو کر مفتوحہ علاقوں کو کنٹرول کرنے لگا، (7) مگر زیاد نے ایک یا دو سال بعد اسے معزول کر کے اس کی جگہ راشد بن عمر ازدی کو والی مقرر کر دیا، اس نے مکران آمد کے بعد بلاد قیقان میں پیش قدمی شروع کی جس میں وہ کامیاب رہا، پھر جب مید کی طرف متوجہ ہوا تو وہاں اسے قتل کر دیا گیا۔ (8) اس کے بعد سجستان کی زمام اقتدار عباد بن زیاد بن ابوسفیان کے ہاتھ میں آئی تو وہ حملے کرتا ہوا دریائے سندھ کے علاقہ حوض میں اندر تک چلا گیا پھر کش میں پڑاؤ کیا اور پھر قندھار کی طرف چلا (9) اور اس کے شہریوں سے جنگ کر کے انہیں شکست دے دی اور کئی مسلمانوں کے جانی نقصان کے عوض اسے فتح کر لیا۔ (10) دنیا کے اس حصے میں اسلامی فتوحات کی نگرانی کرنے والا آخری والی ابوالاشعث منذر بن جارود العبدی تھا جسے ۶۲ھ میں والی بصرہ عبداللہ بن زیاد بن ابوسفیان کی طرف سے متعین کیا گیا تھا۔ منذر نے قصدار (11) شہر کے خلاف حملہ کی قیادت کی اور اسے فتح کرنے میں کامیاب ٹھہرا۔ (12)

---

(1) فتوح البلدان، ص: ۵۸۲۔ قادة الفتح الاسلامی، ص: ۱۵٤ .

(2) بنّه: کابل کے قریب ایک شہر۔ معجم البلدان: ۲/ ۵۰۰ .

(3) قیقان: طبرستان کے قریب ایک شہر۔ معجم البلدان: ٤/ ٤۲۳ .

(4) فتوح البلدان، ص: ٤۳۲ .

(5) تاریخ خلیفة، ص: ۲۰۷۔ خلافة معاویة از عقیلی، ص: ۱٤۲ .

(6) ایضا .

(7) فتوح البلدان، ص: ٤۳۲ .

(8) ایضا .

(9) معجم البلدان: ٤/ ٤۰۲ .

(10) فتوح البلدان، ص: ٤۳۳ .

(11) معجم البلدان: ٤/ ۳۵۳ .

(12) فتوح البلدان، ص: ٤۳۳۔ خلافة معاویة از عقیلی، ص: ۱٤۳ .

چوتھی بحث:

فتوحاتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دوران حاصل ہونے والے اہم ترین دروس وعبر اور فوائد

اولاً:......مجاہدین پر قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کے اثرات

جہاد کی فضیلت کے بارے میں وارد قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کا مسلمانوں کے دلوں پر گہرا اثر تھا، اللہ عزوجل نے اس امر کو واضح فرما دیا ہے کہ مجاہدین کو ان کی جملہ نقل وحرکت پر اجر وثواب سے نوازا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَن يَتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَن نَّفْسِهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَلَا يُنفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝﴾ (التوبة: ۱۲۰-۱۲۱)

"مدینہ کے رہنے والوں اور جو دیہاتی ان کے گرد وپیش ہیں ان کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ کو چھوڑ کر پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں اور یہ اس لیے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو تکان پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو کسی ایسی جگہ چلے جو کفار کے لیے موجب غیض ہوئی ہو اور دشمن کی جو خبر لی ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا، یقیناً اللہ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتا اور جو کچھ انہوں نے چھوٹا بڑا خرچ کیا اور جتنے میدان طے کرنے پڑے یہ سب بھی ان کے نام لکھا گیا تاکہ اللہ ان کے کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔"

انہوں نے قرآن سے ہی یہ تعلیم حاصل کی تھی کہ جہاد مسجد حرام کو آباد کرنے اور اس میں حاجیوں کو پانی پلانے سے بھی افضل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِندَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً

عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ○ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ○﴾

(التوبۃ: ۱۹-۲۲)

''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلا لینا اور مسجد حرام کی خدمت کرنا اس کے برابر کر دیا ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہ اللہ کے نزدیک برابر کے نہیں اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا، جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جان سے جہاد کیا وہ اللہ کے ہاں بہت بڑے مرتبے والے ہیں اور یہی لوگ مراد پانے والے ہیں، ان کا رب انہیں خوشخبری دیتا ہے اپنی رحمت کی اور اپنی رضامندی کی اور جنتوں کی اور ان کے لیے وہاں ہمیشہ کی نعمت ہے۔ وہاں یہ ہمیشہ رہیں گے یقیناً اللہ کے ہاں اجر عظیم ہے۔''

اور ان کا اعتقاد تھا کہ جہاد ہر حالت میں فوز وفلاح سے ہمکنار کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ○﴾ (التوبۃ: ۵۲)

''کہہ دیجیے کہ تم ہمارے بارے میں جس چیز کا انتظار کر رہے ہو وہ دو بھلائیوں میں سے ایک ہے اور ہم تمہارے بارے میں اس کا انتظار کرتے ہیں کہ یا تو اللہ تمہیں اپنے پاس سے کوئی سزا دے یا ہمارے ہاتھوں سے، پس ایک طرف تم منتظر رہو اور دوسری جانب تمہارے ساتھ ہم بھی منتظر ہیں۔''

اور یہ کہ شہید زندہ ہے اور اس کی زندگی ختم ہونے والی نہیں ہے:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ○﴾ (آل عمران: ۱۶۹-۱۷۱)

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیئے گئے انہیں مردہ ہرگز نہ سمجھیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔ انہیں اللہ نے اپنا جو فضل دے رکھا ہے وہ اس سے بہت خوش ہیں اور ان لوگوں کی بابت بہت خوش ہیں جو اب تک ان سے ان کے پیچھے سے نہیں ملے اس پر کہ انہیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے، وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور اس کے فضل سے اور اس سے بھی کہ اللہ ایمان والوں کے اجر کو برباد نہیں کرے گا۔''

مجاہدین کو اپنے اس ہدف کی عظمت و برتری کا بخوبی شعور تھا جس کے لیے وہ قتال کر رہے تھے، ارشاد ربانی ہے:

﴿فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ

سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ اَجْرًا عَظِيمًا۝ وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيرًا۝ اَلَّذِينَ اٰمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيفًا۝﴾ (النساء: ٧٤-٧٦)

''پس جولوگ دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچ چکے ہیں انہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہیے، اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پالے یا غالب آ جائے تو یقیناً ہم اسے اجر عظیم سے نوازیں گے، اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور ان بچوں کے چھٹکارے کے لیے جہاد نہ کرو؟ جو یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لیے خود اپنے پاس سے حمایتی مقرر کر دے اور ہمارے لیے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا۔ جولوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اللہ کے سوا اوروں کی راہ میں لڑتے ہیں، پس تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو، اور یقین مانو کہ شیطانی حیلہ سخت کمزور ہے۔''

رسول کریم ﷺ نے اپنے پیروکار مسلمانوں کو فضیلت جہاد سے آگاہ فرمایا اور آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ نے ان کے مشاعر و جذبات کو بھڑکا دیا اور ان سے ان کی طاقتیں ابل پڑیں۔ ان احادیث میں سے چند پیش خدمت ہیں:

ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا: کون سے لوگ افضل ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ مومن جو اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کرتا ہے۔'' [1] نبی کریم ﷺ نے مجاہدین کے درجات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''بے شک جنت میں سو درجات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کر رکھا ہے، دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان۔ جب تم اللہ سے کچھ مانگو تو اس سے جنت الفردوس مانگو اس لیے کہ وہ بہترین اور بلند ترین جنت ہے۔'' [2] نبی مکرم ﷺ نے شہداء کی فضیلت و کرامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو اس کی راہ میں نکلا اور اسے صرف مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق نے اس راہ میں نکالا کہ یا تو میں اسے اجر و ثواب کے ساتھ واپس لوٹاؤں گا یا اسے جنت میں داخل کروں گا اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں اپنی امت کو مشقت میں ڈالوں گا تو میں کسی بھی لشکر کے پیچھے بیٹھا نہ رہتا، میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں شہید کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کر دیا جاؤں، پھر

[1] بخاری، رقم الحدیث: ٢٧٨٦۔ [2] بخاری، رقم الحدیث: ٢٧٩٠۔

زندہ کیا جاؤں اور پھر شہید کر دیا جاؤں۔'' ❶ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ارشاد گرامی ہے: ''جنت میں داخل ہونے والا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو دنیا میں واپس جانا چاہتا ہو چاہے اسے دنیا کی ساری دولت مل جائے بجز شہید کے، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور اسے دس بار شہید کیا جائے کیونکہ وہ وہاں شہادت کی عزت دیکھتا ہے۔'' ❷

پہلے مسلمان اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ان آیات واحادیث سے متاثر ہوئے، بڑی عمر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب جہاد کے لیے نکلتے اور پھر اس میں عملاً حصہ لیتے تو لوگ ان پر ترس کھاتے اور انہیں جہاد میں حصہ نہ لینے کے بارے میں کہتے اس لیے کہ وہ معذور ہیں مگر وہ جواب دیتے کہ سورہ توبہ انہیں جہاد ترک کر کے گھر بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتی، اگر وہ جہاد سے پیچھے رہے تو انہیں اپنے بارے نفاق کا ڈر ہوگا۔ ❸ علماء، فقہاء اور زہاد کا ان آیات واحادیث پر مبنی لوگوں کی تربیت کرنے میں بھی بڑا کردار رہا ہے۔ ان علماء میں معمر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے جیسا کہ ابوایوب انصاری اور ابن عمرو دیگر رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے ابومسلم خولانی۔ ان کے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ امت اسلامیہ کی بقاء کے لیے از حد ضروری ہے، لہٰذا انہوں نے بلاد شام، شمالی افریقہ، خراسان، سجستان اور سندھ کی فتوحات میں یہ فریضہ سرانجام دیا، اور ان کی طرف سے اس فریضہ کی ادائیگی پر بہت سارے ثمرات مرتب ہوئے، مثلاً: امت اسلامیہ میں بشری قیادت کی اہلیت پیدا ہوئی، کفار کا رعب ودبدبہ ختم ہوا اور انہیں کمزور کر دیا گیا۔ ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب پیدا ہوا اور لوگوں پر دعوت اسلامیہ کی سچائی ثابت ہوئی جس کی وجہ سے وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے جس سے مسلمانوں کی عزت میں مزید اضافہ ہوا اور کافر مزید ذلیل ہو گئے، اپنے دشمنوں کے خلاف مسلمانوں کی صفوں میں وحدت پیدا ہوئی اور انہوں نے لوگوں کو اسلام کے نور اور اس کے عدل ورحمت کے ساتھ سعادت مند بنایا۔ ❹

ثالثاً:...... فتوحات معاویہ رضی اللہ عنہ میں بعض سنن الٰہیہ

معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت کی فتوحات اسلامیہ کا بنظر غائر مطالعہ کرنے والا معاشروں، گروہوں اور ممالک میں کارفرما بعض سنن الٰہیہ کا ملاحظہ کرتا ہے۔ جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اتحاد واجتماعیت میں سنۃ اللہ:...... جو فتنہ شہادت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر منتج ہوا وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ارتداد کے بعد فتوحات اسلامیہ کی تحریک کے لیے بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہوا، شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے جہاد رک گیا اور ایک ایسا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا جس کے دوران مسلمانوں کی تلواروں کا رخ آپس میں ایک دوسرے کی طرف تھا قریب تھا کہ وہ امت کو تباہی سے دوچار کر دیتا اگر رحمت ایزدی

❶ مسلم: ۳/ ۱۴۹۷۔ ❷ بخاری، رقم الحدیث: ۲۸۱۷۔

❷ الجهاد في سبيل الله، قادري: ۱/ ۱۴۵۔

❸ الجهاد في سبيل الله: ۲/ ۴۱۱-۴۸۲۔

معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن کی باہمی صلح کے ساتھ اس کا تدارک نہ کرتی۔ مصادر ایسی نصوص سے بھرے پڑے ہیں جو حرکت جہاد کی رکاوٹ میں اس فتنہ کے اثرات کو واضح کرتی ہیں۔ [1]

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: مجھے خیال آیا کہ میں مدینہ منورہ میں جا کر وہاں رہائش اختیار کرلوں اور یہ سب کچھ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دوں۔ یقیناً فتنہ دراز ہو چکا، اس دوران خون گرائے گئے، قطع رحمی کی گئی، راستے مسدود کر دیئے گئے اور جہادی محاذ معطل ہو کر رہ گئے۔ [2]

ابو زرعہ دمشقی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا اور لوگوں کا آپس میں اختلاف پیدا ہو گیا تو جہاد کرنے والا کوئی بھی باقی نہ بچا یہاں تک کہ امت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جمع ہو گئی۔ [3]

ابوبکر المالکی فرماتے ہیں: فتنہ وقوع پذیر ہو گیا، عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا اور ان کے بعد علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے اور افریقہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت تک اپنی حالت پر برقرار رہا۔ [4] لیکن صلح اور اس پر مرتب ہونے والے اتحاد اور اجتماع کے بعد فتوحات اسلامیہ کی تحریک کا نئے سرے سے پھر آغاز ہو گیا، عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں فتوحات کا سلسلہ تین محاذوں پر جاری تھا۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا۔ کتاب و سنت پر اتحاد و اجتماع مقاصد شریعت میں سے ہے اور یہ مقصد اللہ تعالیٰ کے دین کی تمکین و تقویت اور فتوحات کی تحریک کے تسلسل کا اہم ترین سبب ہے۔ مسلمانوں کے دلوں کو جیتنے اور ان کی صفوں کو متحد رکھنے کے لیے ضروری ذرائع اور اسباب کو اختیار کرنا بذات خود بہت بڑا جہاد ہے، اس لیے کہ مسلمانوں کی عزت و قوت، ان کی حکومت کے قیام اور ان کے رب کی شریعت کو حاکم بنانے کے لیے اس قدم کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ [5] فتوحات کی تحریک اتفاق، اتحاد و اجتماع کے اختیار کرنے اور اختلاف و انتشار سے بچنے کی مرہون منت ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

''سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ فرقہ مت بنو۔''

۲۔ اسباب اختیار کرنے کی سنت: ...... اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ (الانفال: ۶۰)

''تم ان کے لیے مقدور بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کو تیار رکھنے کی کہ اس سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے سوا دوسروں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں خوب

---

[1] مرويات خلافة معاوية، ص: ۳۱۰.
[2] الطبقات، تحقيق السلمي: ۱/ ۳۳۱.
[3] مرويات خلافة معاوية، ص: ۳۱۰.
[4] رياض النفوس: ۱/ ۲۷.
[5] خامس الخلفاء الراشدين الحسن بن علي، ص: ۳۵۹.

جانتا ہے، تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف یہ کہ اس آیت کریمہ پر خود بھرپور انداز میں عمل کیا بلکہ اپنے عمال کو بھی اس پر عمل کرنے کی ترغیب دلائی، اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے بحری بیڑہ تیار کرنے، اسے بہتر سے بہتر بنانے، اسلامی لشکر کو مضبوط بنانے، داخلی فتنوں کی سرکوبی کرنے، سرحدی محاذوں کو مضبوط بنانے، فوجی چھاؤنیوں کو محفوظ بنانے اور حکومت کی اندرونی اور بیرونی حکمت عملی کی منصوبہ بندی کرنے میں بڑی دلچسپی لی۔ مزید برآں موسم گرما اور موسم سرما کے لیے فوجی کارروائیوں کا منصوبہ تشکیل دیا اور پھر اسے عملی شکل بھی دی، قلعے تعمیر کیے، لوگوں کی ذہن سازی کی، اسلام کی نشر واشاعت کے لیے مختلف قبائل کو مختلف مقامات پر آباد کرنا، فتوحات کو مستحکم بنانا اور سرکش تحریکوں کا تعاقب کرنا بھی ان کی طرف سے مادی اسباب اختیار کرنے کے زمرے میں ہی آتا ہے۔ جب فارسیوں کی طرف سے فوجی حملوں کا خطرہ ٹل گیا تو انہوں نے ہزاروں عربی خاندانوں کو دولت اسلامیہ کے مشرقی بازو اور خاص طور پر خراسان میں آباد کیا، ان کی یہ سیاست کامیاب رہی اور اس حصے میں اس کے بڑے اچھے ثمرات برآمد ہوئے۔ ❶

۳۔ سنت مزاحمت:......قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۵۱)

''اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا، لیکن اللہ دنیا والوں پر بڑا فضل وکرم کرنے والا ہے۔''

فتوحات اسلامیہ کی تحریک میں یہ سنت الٰہیہ عمومی طور پر متحقق ہوئی، سنت مزاحمت اللہ تعالیٰ کی کائنات اور مخلوق میں کارگر اس کی اہم ترین سنن میں سے ایک ہے۔ اس کا امت اسلامیہ کی تمکین فی الارض کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ اولین مسلمانوں نے اس سنت کا خوب احاطہ کیا اور اس پر عمل پیرا ہوئے۔ وہ جانتے تھے کہ حق کو ایسے عزائم کی ضرورت ہوتی ہے جن کے ساتھ وہ ابھرا کرتا ہے اور ایسے مددگاروں کی ضرورت ہوتی ہے جن کے ساتھ وہ آگے بڑھتا ہے، نیز وہ ایسے قلوب واعصاب کا محتاج ہوتا ہے جو اس کے لیے دھڑکتے اور اس کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں اور یہ کہ حق کو بشری کاوشوں کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ دنیوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی سنت ہے اور یہ نافذ العمل ہے۔ ❷

۴۔ ابتلاء وآزمائش کی سنت:......فرمان باری تعالیٰ ہے:

❶ العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۱۱۹۔

❷ لقاء المومنین، عدنان نحوی: ۲/ ۱۱۷۔

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ (البقرة: ٢١٤)

’’کیا تم یہ گمان کیے بیٹھے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے گزشتہ لوگوں پر آئے تھے انہیں بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی، خبردار اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔‘‘

مسلمانوں کو قسطنطنیہ کے محاصرے کے دوران سخت آزمائش کا سامنا کرنا پڑا اور جس میں بہت سارے مسلمانوں کو موت سے ہمکنار ہونا پڑا۔ اسی طرح شمالی افریقہ کی فتوحات میں بھی وہ کٹھن ترین حالات سے دوچار ہوئے جن میں عقبہ بن نافع اور ابوالمہاجر دینار جیسے کمانڈروں نے موت کو گلے لگایا، عقائد و دعوات میں ابتلاء اللہ رب العزت کی سنت ہے، اور یہ مال و زر میں بھی نافذ ہو سکتی ہے اور جانوں میں بھی۔ ایسے حالات میں صبر کا مظاہرہ کرنا اور پرعزم رہنا از حد ضروری ہوتا ہے۔ [1]

۵۔ ظلم اور ظالموں کے بارے میں اللہ کی سنت:...... ارشاد ہوتا ہے:

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّ حَصِيْدٌ ۝ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَ مَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝ وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝﴾ (هود: ١٠٠-١٠٢)

’’یہ بستیوں کی بعض خبریں ہیں جنہیں ہم تمہارے سامنے بیان کر رہے ہیں ان میں سے بعض تو موجود ہیں اور بعض کی فصلیں کٹ گئی ہیں، ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا اور انہیں ان کے معبودوں نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے جب کہ تیرے پروردگار کا حکم آ پہنچا اور انہوں نے ان کے نقصان میں مزید اضافہ کر دیا، تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جب وہ بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے بے شک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور نہایت سخت ہے۔‘‘

ظالم امتوں کی ہلاکت کے بارے میں اللہ کی یہی سنت نافذ ہے۔ فارسی حکومت نے اپنی رعایا پر مظالم ڈھائے اور اللہ کے منہج کے خلاف سرکشی کی تو ان پر اللہ کی یہ سنت نافذ ہو گئی اور اس نے ان پر مسلمانوں کو مسلط کر دیا اور پھر انہوں نے اسے صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ [2] اسی طرح شام اور مصر سے بیزنطی اثر و نفوذ ختم ہو گیا اور شمالی افریقہ

---

[1] فقه النصر و التمكين، صلابی، ص: ٤٥٦۔

[2] السنن الالٰهية فی الامم و الجماعات و الافراد، ص: ١١٩-١٢١۔

میں اس کا وجود ڈانواں ڈول ہو گیا اور پھر جب ولید بن عبدالملک کی حکومت کا دور آیا تو شمالی افریقہ سے اس کا اثر و رسوخ مکمل طور پر ختم ہو کر رہ گیا۔

۶۔ خوشحال لوگوں کے بارے میں سنت الٰہیہ:...... ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا﴾ (الاسراء: ۱۶)

''اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو وہاں کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس بستی میں کھلی نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو ان پر عذاب کی بات ثابت ہو جاتی ہے پھر ہم اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔''

اس آیت کی تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ جب اس بستی کی ہلاکت کا وقت قریب آیا تو ہم نے اس کے خوشحال لوگوں، یعنی بادشاہوں اور سخت گیروں کو حکم دیا تو وہ اس میں بدکاریاں کرنے لگے، اس طرح اس کے خلاف ہمارا فیصلہ ثابت ہو گیا اور اسے ہلاکت سے دوچار کر دیا گیا، اللہ رب کائنات نے خوشحال لوگوں کا خاص طور پر ذکر کیا، حالانکہ اطاعت گزاری کا حکم سب کے لیے ہوتا ہے، اس لیے کہ فسق و فجور کے امام اور گمراہی کے رؤساء وہی ہوتے ہیں، اور جو کچھ دوسروں نے کیا وہ ان کی متابعت اور اغوا کاری کی وجہ سے ہوا، لہٰذا انہیں زیادہ تاکید سے حکم دیا گیا۔ [1] اللہ تعالیٰ کی یہ سنت بلاد فارس میں فارسیوں کے ائمہ و زعماء میں جاری ہوئی اور شام، مصر اور شمالی افریقہ میں زعماء روم میں۔

۷۔ سرکشی اور سرکش لوگوں کے بارے میں سنۃ اللہ:...... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكَ لَبِٱلْمِرْصَادِ﴾ (الفجر: ۱۴)

''یقیناً آپ کا رب گھات میں ہے۔''

یہ آیت نافرمان لوگوں کے لیے وعید ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نافرمانوں کے لیے بھی وعید ہے اور دوسروں کے لیے بھی۔ [2] تفسیر قرطبی میں ہے: وہ سب لوگوں کے اعمال دیکھ رہا ہے اور وہ سب لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ [3] مفسرین کے تفسیری اقوال سے واضح ہوتا ہے کہ سرکش لوگوں کے بارے میں اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں ان پر عذاب اتارتا ہے، اور یہ طے شدہ طریقہ ہے جو گزشتہ سرکش لوگوں پر بھی نافذ ہوا اور موجودہ اور آئندہ آنے والے سرکشوں پر بھی نافذ ہو کر رہے گا اور ان میں سے کوئی بھی اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکے گا۔ [4] مگر اس سے عبرت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور بخوبی علم رکھتے ہیں

---

[1] تفسیر الآلوسی: ۱۵/ ۴۲۔ [2] السنن الالٰهیة، ص: ۱۹۳۔

[3] تفسیر قرطبی نقلا عن السنن الالٰهیة، ص: ۱۹۳۔

[4] السنن الالٰهیة، ص: ۱۹۴۔

کہ اللہ تعالیٰ کی سنت ایک طے شدہ قانون ہے جو کسی سے رورعایت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون پر اترنے والے برے عذاب کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ٥ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ٥﴾

(النازعات: ٢٥-٢٦)

''تو اللہ نے بھی اسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا، بے شک اس میں ڈرنے والے کے لیے عبرت ہے۔''

پارسیوں کے سرکش زعماء اور مصر و شام میں رومی زعماء میں یہی سنت الٰہیہ نافذ ہو کر رہی۔

۸۔ تدریجی سنت: ...... اسلامی فتوحات اس سنت الٰہیہ کے تابع رہیں کہ ہر عمل بالتدریج پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے، قسطنطنیہ کا پہلا اور دوسرا محاصرہ عثمانی سلطان محمد الفاتح کے دور میں اس کی فتح کا ابتدائی مرحلہ تھا، محمد الفاتح سے قبل مسلمانوں نے دولت بیزنطیہ کے خلاف جو کارروائیاں کیں انہوں نے اس ارتقائی عمل میں اہم کردار ادا کیا جو عثمانی عہد حکومت میں قسطنطنیہ کی فتح پر منتج ہوا۔

۹۔ گناہوں اور معاصی میں سنت اللہ: ...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ٥﴾ (الانعام: ٦)

''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی تھی جو ہم نے تم کو نہیں دی اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ان کے نیچے سے نہریں جاری کیں، پھر ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا۔''

اللہ تعالیٰ نے فارسی امت کو ان کے ان گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا جن کا وہ ارتکاب کرتے رہے، اور انہی گناہوں کے سبب سے مصر، روم اور لیبیا سے رومیوں کی بادشاہت ختم کر ڈالی، اس آیت سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ گناہ اور معاصی گناہ گاروں اور معاصی کا ارتکاب کرنے والوں کو ہلاک کرنے کا سبب بنتے ہیں اور وہ اللہ ہی ہے جو گناہ گاروں کو ان کے گناہوں کی بدولت ہلاکت سے دوچار کرتا ہے۔ [1] اللہ تعالیٰ نے امت اسلام کو اس وقت رومیوں اور فارسیوں پر مسلط کر دیا جب وہ تمکین فی الارض کی شروط پر پوری اتری اس کی سنن پر عمل کیا، اس کے اسباب اختیار کیے اور اس کے مقاصد کو پورا کر دیا۔ [2]

[1] السنن الالٰهية، ص: ٢١٠.
[2] فی الحرب الاسلامی، بسام العسلی. ١/ ٢٣٣.

۱۰۔ دلوں کو بدلنے کی سنت:...... قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ﴾ (الرعد: ۱۱)

''اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے شام، مصر، شمالی افریقہ اور بلاد مشرق میں ان شعوب وقبائل کے ساتھ اسی سنت الٰہیہ پر عمل کیا جنہوں نے اللہ کے دین میں داخل ہونے کا ارادہ کیا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں لوگوں کی تربیت کا آغاز کیا اور ان کے دلوں میں عقائد صحیحہ، افکار سلیمہ اور اخلاق رفیعہ کے بیج بوئے۔

رابعًا:...... فتوحات اسلامیہ کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں اسلامی فتوحات ٹھوس منصوبہ بندی اور محکم حکمت عملی کے تابع رہیں، فتوحات میں ان کی سیاست کے بنیادی نکات یہ ہے:

۱۔ رومیوں کے بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست:...... اس حوالے سے انہوں نے بہت سے اقدامات کیے۔ اہداف کے حصول کے لیے موسم گرما اور موسم سرما کی کارروائیوں پر ارتکاز، ان میں سے چند اہداف مندرجہ ذیل ہیں:

- رومیوں کی قوت کو کمزور کرنا۔
- رومیوں کی جارحانہ پوزیشن کو ختم کرنا اور انہیں ہمیشہ دفاعی حالت میں رکھنا۔
- رومیوں کو اپنی فورسز کو مختلف محاذوں پر تقسیم کرنے کے لیے مجبور کرنا، تاکہ وہ دولت اسلامیہ کے خلاف تباہ کن حملے کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جائیں۔ [1]
- رومیوں پر ان کے گھر کے اندر حملہ آور ہونا اور ان کے دار الحکومت کا محاصرہ کرنا اور اس طرح ان کی معنویات کو کمزور بنانا اور انہیں مرعوب کرنا۔
- بحر شام میں واقع جزائر کو فتح کر کے رومیوں کی بحری صلاحیتوں کو محدود کرنا۔ [2] اس کے نتیجے میں رومی کشتیوں کو ان کے اہم بحری اڈوں کے استعمال سے محروم کر دینا۔

۲۔ شمالی افریقہ کے محاذ کے بارے میں ان کی اختیار کردہ سیاست:

الف: معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغربی محاذ کو خصوصی اہمیت دی اور وہ ذاتی طور پر اس سے وابستہ رہے۔ ۴۷ھ تک اس محاذ کے کمانڈرز کی کمان آپ کے ہاتھ میں رہی، اور اسی حوالے سے مغربی محاذ والی مصر کے سپرد کر دیا گیا۔ [3]

ب: انہوں نے بلاد مغرب کے دل میں جہادی مرکز قائم کرنے کے لیے سنجیدہ کوششیں کیں، انہیں کی ہدایات کے

---

[1] فن الحرب الاسلامی، بسام العسلی: ۱/ ۲۳۳.
[2] ایضا: ۱/ ۲۱۱.
[3] ولاۃ مصر، ص: ٦١ـ النجوم الزاهرة: ۱/ ۱۷۵.

تحت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے اسلام اور مسلمانوں کو تقویت دینے کے لیے قیروان تعمیر کروایا۔

۳۔ سجستان، خراسان اور ماوراء النہر کے محاذ کے بارے میں ان کی حکمت عملی:

الف: عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فاتح سجستان عبداللہ بن عامر سے تعاون حاصل کرتے ہوئے انہیں اسے دوبارہ فتح کرنے کی ذمہ داری تفویض کرنا۔

ب: اس علاقے میں اسلامی حکومت کو مستحکم بنانے اور دعوت اسلام کو عام کرنے کے لیے پچاس ہزار عرب لوگوں کو ان کے اہل وعیال سمیت خراسان میں آباد کرنا۔ [1]

خامسًا:......اسلامی فتوحات کی تحریک کی تنظیم وتنسیق میں شوریٰ کا کردار

معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت منتقل ہوتے وقت شوریٰ اس دور کے سرکردہ لوگوں، ان کے والیوں اور ان معاونین پر مشتمل ہوتی تھی جو بلاغت وسیاست اور فوجی ادارہ کے امور میں حسن تدبیر سے متصف ہوتے تھے، ان میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا نام بھی آتا ہے جو مندرجہ بالا اوصاف سے متصف اور اس حوالے سے بڑی شہرت کے حامل تھے اور اسی وجہ سے خلیفہ وزیر اور مشیر کے طور پر ان پر اعتماد کیا کرتے تھے، ان کے مشیروں میں زیاد بن ابیہ کا نام بھی آتا ہے، امویہ دور حکومت میں وزراء قانون سازی نہیں کیا کرتے تھے اور نہ ہی قواعد وضوابط وضع کیا کرتے تھے، خلیفہ کے مشیروں میں اصحاب الآراء لوگ وزراء کے قائم مقام ہوا کرتے تھے اور انہیں کاتب یا مشیر کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ [2] علاوہ ازیں معاویہ رضی اللہ عنہ فوجی امور کی سرانجام دہی کے لیے مختلف قبائل کے امراء وقائدین (خاص طور پر شام میں موجود) سے مشورہ کیا کرتے اور ان کی رائے پر اعتماد کیا کرتے تھے۔ آپ ایسے لوگوں کو اپنے قریب رکھتے اور ان سے مشاورت کیا کرتے تھے، خلیفۃ المسلمین معاویہ رضی اللہ عنہ کے کمانڈرز جنگی معرکوں کے بارے میں مشاورت میں ان کے رویے کو ہی اپنائے رکھتے تھے۔ [3]

سادسًا:......قیادت کی مرکزیت اور امداد

جب خلافت بنوامیہ کو منتقل ہوئی تو دمشق خلافت کا ہیڈکوارٹر اور فوجی ادارے کی اعلیٰ قیادت کا مرکز قرار پایا۔ شام میں موجود خلیفہ ہی جنگی سیاست کے بارے میں فیصلہ کرتا تھا اور وہی جنگ اور امن کا ذمہ دار ہوا کرتا تھا۔ فوج کی انتظامی تنظیم کا شمار مرکزی امور میں ہوتا تھا جس کی خلیفہ براہ راست نگرانی کرتا تھا۔ [4] یہ اس امر کے باوجود تھا کہ مختلف ولایات اور صوبوں میں ایسے عمال بھی موجود تھے جنہیں آزادانہ حکومت کرنے کا حق حاصل تھا۔ وہ فوجی لشکروں کی خود قیادت کرتے یا اپنی طرف سے کسی موزوں شخص کا اس کے لیے تقرر کرتے، اس کی مثال زیاد بن ابیہ

---

[1] مرويات خلافة معاوية فى تاريخ الطبرى، ص: ٣٦٤-٣٦٥.

[2] الادارة العسكرية فى الدولة الاسلامية: ١/ ٢٨٠.

[3] الفتوح، ابن اعثم: ١/ ٣٤٠۔ الادارة العسكرية: ١/ ٢٨٠.

[4] الادارة العسكرية: ١/ ٣١٤.

اور اس کا بیٹا عبید اللہ بن زیاد ہے۔ ❶ کمانڈرز کی تعیین کی اہمیت کے تحت ہی معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں اپنے والی زیاد بن ابیہ کو خراسان کا نظم ونسق سنبھالنے کے لیے کسی معتبر شخص کو وہاں بھیجنے کا حکم دیا جس کی تعمیل کرتے ہوئے اس نے حکم بن عمرو غفاری کو اس کا والی مقرر کر کے وہاں بھیجا اور اسے جنگ کرنے اور خراج وصول کرنے کی ولایت بھی تفویض کی، چنانچہ وہ اہل بصرہ سے جہاد فی سبیل اللہ کا ارادہ رکھنے والوں کو اپنے ساتھ لے کر خراسان روانہ ہوئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے عسکری ادارہ میں اعلیٰ قیادت کی مرکزیت کے تحت ہی فوجی لشکر روانہ کیے جاتے اور انہیں فوجی امداد مہیا کی جاتی۔ فوجی کمانڈر علقمہ بن یزید غطیفی نے ان کے نام اس مضمون کا خط لکھا:

"آپ نے مجھے اسکندریہ میں اپنا جانشین مقرر کیا ہے جبکہ میرے پاس صرف بارہ ہزار کی نفری ہے، اور یہ نفری اس قدر کم ہے کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔"

اس کے جواب میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا: میں عبد اللہ بن مطیع کی قیادت میں اہل مدینہ میں سے چار ہزار لوگوں کو تمہاری مدد کے لیے بھجوا رہا ہوں، ❷ اور میں نے معن بن یزید سلمی کو حکم دیا ہے کہ وہ گھوڑوں سمیت چار ہزار کی نفری کے ساتھ رملہ میں موجود رہے، انہیں جب بھی تمہاری طرف سے کسی پریشان کن صورت حال کی اطلاع ملے گی وہ تمہاری مدد کے لیے پہنچ جائیں گے۔ ❸

سابعًا:...... پرچم اور جھنڈے

معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو خلافت منتقل ہوئی تو فوجی ادارہ میں پرچم اور جھنڈے بکثرت نظر آنے لگے، جو زرد، سرخ اور سفید رنگوں میں ہوتے، ان میں سے سفید رنگ کا پرچم ان کی خلافت کی علامت تھا۔ ❹ دشمن کی طرف روانہ ہونے والے ہر فوجی لشکر کو پرچم دیا جاتا جسے لشکر کے آگے لہرایا جاتا اور تمام لشکر ہی اس کے پیچھے چلتے۔ اس کا دفاع کرتے اور ان کی پوری پوری کوشش ہوتی کہ وہ ہمیشہ نصب رہے اور کسی بھی صورت گرنے نہ پائے۔ ❺ ان کے قائدین اس قدر دلیر اور باہمت ہوتے کہ وہ اپنی جانوں پر کھیل کر بھی اس کی حفاظت کرنے کا فریضہ سرانجام دیا کرتے۔ مثلاً عقبہ بن نافع، حکم بن عمرو الغفاری اور فضالہ بن عبید اللہ۔ والی عراق زیاد بن ابیہ نے تو قبائل کو بھی جھنڈوں کے ساتھ نکلنے کا پابند کر رکھا تھا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مقصود جنگ کے دوران لشکریوں کی سنجیدگی کا اندازہ لگانا اور ان کی طرف سے احکامات کے التزام سے آگاہ ہونا تھا۔ ❻

ثامنًا:...... جاسوس اور ڈاک کا اہتمام

معاویہ رضی اللہ عنہ جب بلاد شام کے امیر تھے تو انہوں نے اس وقت بھی دشمن کے بارے میں خفیہ اطلاعات

❶ الادارة العسكرية: ١/ ٣١٤. ❷ الفتوح لابن اعثم: ٢/ ٣١٨.

❸ فتوح مصر، ص: ١٩٢ـ الخطط للقريزي: ١/ ٢٦٨.

❹ تاريخ طبری نقلا عن الادارة الاعسكرية فی الدولة الاسلامية: ١/ ٣٦٨.

❺ ايضا: ١/ ٣٦٨.

❻ تنظيمات الجيش، جنابی، ص: ٢٢٧ـ الادارة العسكرية: ١/ ٣٦٩.

حاصل کرنے اور اس کے بارے میں ضروری معلومات جمع کرنے میں بڑی دلچسپی دکھائی تھی، پھر جب انہوں نے منصب خلافت سنبھالا تو اس میں مزید بہتری لائی گئی اور ان چیزوں میں ان کی دلچسپی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ جب ان کے عہد حکومت میں ایک مسلمان کو قسطنطنیہ میں قیدی بنا لیا گیا اور پھر اس کی توہین کی گئی تو اس نے کہا: ہائے معاویہ! تم نے ہمارے امور سے منہ موڑ لیا اور ہمیں ضائع کر دیا۔ جب انہیں روم میں موجود ان کے جاسوسوں کی وساطت سے یہ خبر ملی تو وہ اسے رہا کروانے اور اس کی توہین کرنے والے کو گرفتار کرنے پر کمربستہ ہو گئے اور پھر انہوں نے ایسا کر کے دکھایا۔ یہ واقعہ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کی حکومت میں سراغ رسانی کے نظام کے استحکام پر دلالت کرتا ہے۔ [1] یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔ آپ نے اس امر کو یقینی بنا رکھا تھا کہ دشمن کا کوئی جاسوس مسلمانوں کے علاقہ میں داخل نہ ہو سکے۔ تاکہ دشمن ان کی افواج کے مقامات سے آگاہ نہ ہو سکے اور اگر کہیں کوئی کمزوری موجود ہے تو اسے اس کا علم نہ ہو سکے۔ [2] انہوں نے اپنے دور حکومت میں دیوان البرید (محکمہ ڈاک) قائم کیا تاکہ ملک کے طول وعرض سے مختلف خبریں اور خاص طور پر سرحدی امور سے متعلقہ خبریں جلد از جلد ان تک پہنچائی جا سکیں، ان سے قبل دیوان البرید موجود نہیں تھا۔ [3] محکمہ ڈاک کا انچارج خلیفہ تک ان کے عمال، کمانڈرز اور حکومتی اہل کاروں کی خبریں پہنچاتا، مزید برآں ان کے جاسوس ہر نئی صورت حال سے انہیں مطلع کرتے رہتے۔ اسی طرح برید فوجی احکامات کی ترسیل کے لیے خلفاء اور ان کے ولاۃ وقائدین کے درمیان رابطہ کا ذریعہ تھا۔ برید کے ذمہ داران حکومت کی طرف سے تفتیش کاری کا فریضہ انجام دیتے ہوئے جنگ کے مختلف حالات میں لشکر کے حالات اور ہر طرح کے دیگر حالات و واقعات کے بارے میں آگاہ کرتے رہتے تھے مزید برآں مال اور عطیات کے بارے میں بھی اسے باخبر رکھا کرتے۔ کسی نے کسی کو کیا اور کتنا دیا، نیز ان کے درمیان کیا طے پایا، وہ یہ سب کچھ تحریری طور پر خلیفہ کے سامنے پیش کرتے یا انہیں بھجوا دیتے۔ صاحب البرید کی یہ بھی ذمہ داری تھی کہ وہ سپلائی اور امداد کے حوالے سے فوجی ادارے سے تعاون کرے، راستوں کو دشمن اور اس کی کارروائیوں سے محفوظ رکھے اور بحر و بر میں دشمن کے جاسوسوں کو گھسنے سے باز رکھے۔ الغرض اس دور میں برید کے محکمہ کو مسلمانوں کا پر کہا جاتا تھا اور یہ اس لیے کہ وہ اخبار و اطلاعات اور معلومات کو فوراً متعلقہ لوگوں تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیا کرتا تھا۔ [4]

تاسعاً: ...... بری حدود کی حفاظت کا اہتمام

منصب خلافت سنبھالنے کے بعد اسلامی حدود کی حفاظت کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قلعہ بندیوں کے اہتمام و انصرام میں مزید اضافہ ہو گیا جس کا سلسلہ انہوں نے اس وقت سے شروع کر رکھا تھا جب وہ

---

[1] نهاية الارب: ٦/ ١٥٨۔ الادارة العسكرية: ١/ ٤٠٥ .

[2] الجندية، دقدوقي، ص: ١١٧ . [3] خطط الشام، محمد كرد: ٥/ ١٩ .

[4] الادارة العسكرية في الدولة الاسلامية: ١/ ٤٠٦-٤٠٧ .

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بطور قائد اور والی خدمات سرانجام دیا کرتے تھے، ان کی خلافت کے ایام میں انہیں اسلامی حدود پر واقع بعض دفاعی قلعے تعمیر کرنے اور بعض لوگوں کو ان کی مرمت وغیرہ کرنے کی ذمہ داری بھی تفویض کی گئی تھی، پھر جب زمام خلافت ان کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے اس بارے جس کام کا آغاز کیا تھا اس کی تکمیل کی، جزیرہ کی سرحدوں پر کئی قلعے تعمیر کروائے، ان میں فوجیوں کو آباد کیا اور پھر ان کی مسلسل نگرانی کرتے رہے۔ ❶

معاویہ رضی اللہ عنہ نے ساحلی شہروں کی حفاظت کے لیے نقل مکانی کی سیاست اختیار کی، اس کے لیے انہوں نے حمص، انطاکیہ اور بعلبک کے شہروں سے بعض فارسی لوگوں کو اردن، صور اور عکا وغیرہ شہروں میں آباد کیا جبکہ حبشہ، بصرہ، کوفہ، فارس، بعلبک اور حمص کے بعض لوگوں کو انطاکیہ کی حدود پر لا آباد کیا۔ ❷ کمانڈر عبدالعزیز بن حاتم باہلی آرمینیہ اور آذربائیجان کے والی بنے تو انہوں نے دیبل شہر آباد کیا اور اس کے لیے کئی حفاظتی اقدامات کیے، انہوں نے نشویٰ شہر بھی تعمیر کیا۔ ❸

برزعہ ❹ شہر کی مرمت کی اور بیلقان ❺ کی تجدید کی اور متعدد دفاعی اقدامات کیے، ❻ زیاد بن ابیہ نے قائد سپاہ ربیع بن زیاد حارثی ❼ کو خراسان کی سرحدی پٹی پر متعین کیا اور اس کے ساتھ بصرہ اور کوفہ سے تقریباً پچاس ہزار لشکریوں کو ان کے اہل خانہ سمیت دولت اسلامیہ کی حفاظت کے لیے دون النہر لا کر آباد کیا۔ ❽

ایک دفعہ زیاد بن ابیہ نے اپنے ہم نشینوں سے پوچھا کہ سب سے خوشحال آدمی کون ہے؟ انہوں نے کہا: امیر المومنین! آپ۔ اس پر زیاد نے کہا: آخر وہ سب کچھ کہاں جائے گا جو میرے پاس سرحدوں اور خراج کی مد میں آتا ہے۔ ❾ زیاد سے اس کا یہ قول بھی مروی ہے: چار ذمہ داریاں صرف معمر لوگوں کو تفویض کرنی چاہئیں۔ سرحدیں، صحائف، پولیس اور قضاء۔ ❿

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس خراج سے حاصل شدہ مال میں سے بہت کم مقدار میں مال بھیجا جاتا، اس کا زیادہ تر حصہ حفاظتی انتظامات اور سرحدی محافظین پر خرچ کر دیا جاتا تھا۔ ⓫

معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے موسم سرما اور موسم گرما کے لیے الگ الگ جن لشکروں کو ترتیب دیا گیا تھا وہ

---

❶ الادارۃ العسکریۃ: ۲/ ۴۷۳.
❷ یہ ۴۲ھ کی بات ہے۔
❸ نشویٰ شہر آذربائیجان میں واقعہ ہے۔ معجم البلدان: ۵/ ۲۸۶.
❹ برزعہ: آذربائیجان میں ایک شہر۔ معجم البلدان: ۱/ ۳۷۹.
❺ شروان کے قریب آرمینیہ الکبریٰ میں ایک شہر۔ معجم البلدان: ۱/ ۵۳۳.
❻ الادارۃ العسکریۃ فی الدولۃ الاسلامیۃ: ۲/ ۴۷۴.
❼ ایضا.
❽ یہ ۵۱ھ کا واقعہ ہے۔ الادارۃ العسکریۃ: ۲/ ۴۷۵.
❾ المحاسن و المساوی، ص: ۲۶۹.
❿ تاریخ الیعقوبی، الادارۃ العسکریۃ: ۲/ ۴۷۸.
⓫ فتوح مصر، ص: ۱۰۲.

ہر سال اپنے مقررہ وقت پر اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے نکلتے اور مناسب جنگی کارروائیاں کرتے، معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے لیے بڑے بڑے باصلاحیت کمانڈرز اور امراء کا انتخاب کرتے، ان لوگوں کو بھی اس منصب کی چاہت ہوتی اور اسے وہ اپنے لیے باعث عز و شرف خیال کرتے۔ جب انہوں نے اپنے بیٹے یزید سے اس کی خواہش کے بارے دریافت کیا تو وہ کہنے لگا: میری اولین خواہش یہ ہے کہ امیر المومنین اس سال موسم گرما کی جنگ کی قیادت میرے حوالے کر دیں تاکہ میں فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے لشکر تیار کر سکوں۔ ❶ موسم گرما اور موسم سرما کے حملوں کی قیادت کرنے والے اہم ترین کمانڈرز کے نام یہ ہیں: سفیان بن عوف الغامدی الازدی اور مالک بن ہبیرہ السکونی، ❷ ان لوگوں نے متعدد بار ان حملوں کی قیادت کی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اس منصب کے لیے قائدین کا انتخاب کرنے سے پہلے ان کی انتظامی صلاحیتوں کا جائزہ لیتے اور پھر مطلوبہ معیار پر پورا اترنے والوں کا ہی اس کے لیے تقرر کرتے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ جن کمانڈرز پر ان کے انتظامی تجربہ کی وجہ سے اعتماد کیا کرتے تھے ان میں سفیان بن عوف الغامدی کا نام سرفہرست تھا۔ جب ایسے ہی امور کی انجام دہی کے دوران ان کی وفات ہو گئی اور پھر ان کی وفات کی خبر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ اس سے شدید طور پر متاثر ہوئے اور پھر مختلف ذمہ دار لوگوں کو ان کی موت کی خبر دی، جب معاویہ رضی اللہ عنہ گرما کے لشکر میں کوئی خلل دیکھتے تو فرماتے: ہائے سفیان، مگر اب سفیان کہاں۔ ❸ معاویہ رضی اللہ عنہ ملکی حدود کے دفاع، دولت اسلامیہ کی اراضی کی حفاظت اور ان کے دفاع کے لیے ضروری اور مناسب کارروائیوں میں کوئی کسر روانہ رکھتے۔ ❹

عاشرًا:...... بحری بیڑے اور بحری حدود کا اہتمام

دولت امویہ کے قیام کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے دولت اسلامیہ کی بحری حدود کی حفاظت کے لیے بحری قوت کے حصول کے لیے جس کام کا آغاز کیا تھا اسے اس انداز سے پایۂ تکمیل کو پہنچایا کہ دشمن کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے جنگی کشتیاں تیار کروائیں اور جن بحری اڈوں پر مسلمان افواج نے قبضہ کر لیا تھا ان کی حفاظت کے لیے حفاظتی دستے متعین کیے۔ جب ان کے دورِ حکومت میں رومی شامی ساحلوں کی طرف بڑھے تو انہوں نے کشتی سازی کے ماہرین کو جمع کر کے ان کے لیے عکا میں جند اردن میں کشتی سازی کا ایک مرکز قائم کیا اور جیسا کہ ہمارے علم میں ہے کہ سرزمین شام میں کشتی سازی میں کام آنے والی لکڑی کی بہتات تھی۔ ❺ اس کے علاوہ انہوں نے مختلف قسم کی جنگی کشتیاں تیار کرنے کے لیے ۵۴ھ کے دوران مصر میں جزیرہ روضہ کے مقام پر ایک کارخانہ قائم کیا جس کی وجہ سے وہ "صناعة الروضة" کے نام سے معروف ہوا۔ ❻ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بحری کمانڈرز جنگی کشتیاں بنانے

❶ انباء نجباء الابناء، ص: ۱۰۶۔ ابن ظفر المالکی، الادارة العسکریة: ۲/ ۴۷۶۔

❷ الادارة العسکریة: ۲/ ۴۷۷۔ الاصابة: ۳/ ۲۳۷۔

❸ تهذيب تاريخ دمشق: ۶/ ۱۸۵۔ الادارة العسکریة: ۲/ ۴۷۷۔ ❹ الادارة العسکریة: ۲/ ۴۷۸۔

❺ الادارة العسکریة فی الدولة الاموية: ۲/ ۴۷۸۔

❻ حسن المحاضرة سيوطی: ۲/ ۳۷۸۔ الادارة العسکریة: ۲/ ۵۴۳۔

کے فن کے بڑے ماہر ہوتے تھے۔ [1] معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں جنگی کشتیوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار سات سو تھی، جو بحری جنگجوؤں، جنگی ہتھیاروں اور بحری جنگ کے لیے ضروری ساز و سامان سے بھری رہتیں۔ [2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی صائب رائے کی وجہ سے اس امر کا ادراک ہو گیا تھا کہ شام اور مصر کے ساحلوں کو رومی حملوں سے بچانے کے لیے ایسے اسلامی بحری بیڑے کی تیاری از حد ضروری ہے جو دولت اسلامیہ کی بحری حدود کا دفاع کر سکے اور دشمن کا منہ توڑنے کے لیے اس پر بوقت ضرورت ضرب کاری لگا سکے۔ [3]

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں اسلامی بحری بیڑا بحر متوسط میں واقع جزائر کو یکے بعد دیگرے فتح کرتا چلا گیا جن میں جزیرہ رودس بھی شامل ہے [4] اور جیسا کہ ہم نے بتایا یہ سب کچھ نامور مسلم کمانڈر جنادہ بن امیہ زہرانی ازدی کی قیادت میں ہوا، [5] انہوں نے جزیرہ رودس کو بزور طاقت فتح کیا تھا۔ یہ جزیرہ اس علاقے کا سب سے زرخیز جزیرہ تھا جہاں انہوں نے مرکزی حکومت کے حکم سے کچھ مسلمانوں کو آباد کیا۔ وہاں ایک قلعہ تعمیر کیا اور سمندری راستے سے دشمن کی کارروائیوں سے بچنے کے لیے دیگر حفاظتی انتظامات کیے۔ وہاں مقیم اسلامی لشکر رومیوں کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوا۔ یہ سمندر میں ان سے تعرض کرتے اور ان سے کشتیاں چھین لیتے جس کی وجہ سے دشمن ان سے خائف رہتا۔ [6] موسم سرما اور موسم گرما کے بحری حملہ آور سمندر میں گشت کرتے رہتے اور ان کے ساتھ ساتھ بری افواج کے حملہ آور دستے بحری علاقوں کے ساحلوں کی حفاظت کے لیے مصر اور شام سے روانہ ہوتے۔ ان حملہ آور دستوں کی قیادت بڑے بڑے اور مشہور کمانڈر کرتے، مثلاً یزید بن شجرہ رہاوی، موسیٰ بن نصیر، بسر بن ابو ارطاۃ عامری، جنادہ بن امیہ زہرانی اور عقبہ بن عامر وغیرہ۔ خلیفہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد دیگر اموی امراء نے بھی اسلامی بحری بیڑے کے حوالے سے ان کے منصوبہ پر عمل کرتے ہوئے اسے مزید ترقی دی۔ اس میں کئی کشتیوں کا اضافہ کیا، انہیں مزید بہتر بنایا اور انہیں ہر قسم کے بحری جنگی ساز و سامان اور اسلحہ سے مزین کیا اور ان کے لیے فوجیوں اور کمانڈروں کو بھرتی کیا اور ان کے لیے ضروری سپلائی اور خورد و نوش کا سامان فراہم کیا اور اس طرح اسلامی بحری بیڑے کے موسم سرما و گرما کے لشکروں نے رومیوں کو پریشان کیے رکھا اور ان کے ساحلوں اور بحری حدود کے لیے چیلنج بنے رہے۔ [7]

الحادی عشر:...... دیوان جند اور دیوان عطاء کا اہتمام و انصرام

دیوان جند کو جو ذمہ داریاں تفویض کی گئی تھیں وہ انہیں باقاعدگی کے ساتھ ادا کر رہا تھا۔ پھر کثرت فتوحات اور دولت اسلامیہ کی حدود میں مزید وسعت آ جانے کے بعد اس میں متعدد تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں، اموی خلفاء

---

[1] ملاحظہ ہو: نهاية الادب: ٦/ ١٨٦ - الادارة العسكرية: ٢/ ٥٤٤ .

[2] خطط الشام، محمد كرد علی: ٥/ ٣٧ .

[3] الحدود الاسلامية بيزنطية، فتحی عثمان: ١/ ٢٣٧ .

[4] رودس: بلاد روم میں اسکندریہ کے بالمقابل ایک جزیرہ۔

[5] الاستيعاب: ١/ ٢٤٣ - الاعلام، زركلی: ٢/ ١٤٠ .

[6] النجوم الزاهرة: ١/ ١٤٤ .

[7] الادارة العسكرية فی الدولة الاسلامية: ٢/ ٥٤٦ .

اور ان کے مقرر کردہ والیوں کی دلچسپی کی وجہ سے دیوان جند ایک بہت بڑے ادارہ کی حیثیت اختیار کر گیا تھا اور وہ اس عرصہ حکومت کے دوران متعدد مراحل سے گزرا، جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت سنبھالا تو متعدد فتنوں کے سر اٹھانے اور اندرونی خلفشار کے بعد متعدد لشکری جنگ سے کنارہ کش ہو گئے مگر انہوں نے حسن انتظام اور کمال ذہانت سے کام لیتے ہوئے ان کے عطیات بند کر دیئے اور اس طرح آپ انہیں دوبارہ فوجی ذمہ داریاں ادا کرنے پر راضی کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ [1] معاویہ رضی اللہ عنہ نے مختلف قبائل کے بہت سارے زعماء کو اپنے قریب کیا۔ اموی دور حکومت کے آغاز میں بصرہ میں باقاعدہ تنخواہ وصول کرنے والے فوجیوں کی تعداد تقریباً اسی ہزار تھی جبکہ کوفہ میں ان کی تعداد ستر ہزار مصر میں چالیس ہزار اور تقریباً اتنی ہی شام میں تھی، جبکہ فارس، ماوراء النہر اور دیگر اسلامی صوبوں اور شہروں میں موجود اسلامی افواج کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔ [2] علاوہ ازیں کوفہ میں غیر عرب لوگوں کے ایسے بیس ہزار مسلمان بیٹے تھے جو باقاعدہ طور پر خزانے سے تنخواہ وصول کرتے تھے اور انہیں ''الحمراء'' کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ [3] بصرہ میں بخاریٰ کے امیروں میں دو ہزار لوگ تیر اندازی میں بڑی مہارت رکھتے تھے جو خلیفہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے فوجی خدمات سرانجام دیتے اور اس کی باقاعدہ تنخواہ وصول کرتے تھے، دمشق میں قائم خلیفہ کے مرکزی ادارہ میں کتابت جند کے منصب پر عمر بن سعید بن العاص فائز تھے۔ جبکہ اسلامی صوبوں میں مقامی طور پر دواوین جند بھی قائم تھے جو کہ مقامی فوجی ادارے کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے پابند تھے۔ [4] حسب سابق عرفاء اور نقباء کا کردار بھی جاری و ساری تھا اور یہ اس لیے کہ فوجی اور مالی معاملات میں حکومتی ادارے کو ان پر مکمل اعتماد تھا اور خاص طور پر فوجیوں کو تنخواہیں ادا کرنے کے حوالے سے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنے لوگوں کے عطیات وصول کر کے ان میں تقسیم کرایا کرتے تھے۔ [5] علاوہ ازیں وہ فوج کے احوال و اخبار سے آگاہ رہتے اور صورت حال کے بارے ادارہ علیا کو رپورٹ کرتے۔ [6] زیاد بن ابیہ نے عرفاء کے فوجی تنظیمی ڈھانچے میں متعدد تبدیلیاں کرتے ہوئے بصرہ میں لوگوں کو پانچ درجات میں تقسیم کیا اور ہر درجے کے لوگوں پر ایک ذمہ دار کا تقرر کیا جبکہ کوفہ کے لوگوں کو چار درجات میں تقسیم کیا۔ ان کے مسؤلین اپنے قبائل اور معسکرات کے اندر فتنوں کو ہوا دینے اور اضطراب پیدا کرنے والوں کے بارے میں جواب دہ تھے، اس طرح یہ لوگ اسلامی شہروں میں عربی قبائل کے مابین قائم فوجی ادارے اور حکومت کی انتظامی مشینری کے درمیان ان امور میں رابطے کی کڑی کا کردار ادا کرتے جو دواوین میں لشکریوں کے ناموں کے اندراج، ان میں عطیات کی تقسیم اور بوقت ضرورت انہیں سرکاری خدمات

---

[1] الادارة العسكرية في الدولة الاسلامية: ۲/ ٦٤٣.

[2] فتوح البلدان، ص: ۱۰۲۔ الادارة العسكرية: ۲/ ٦٤٤.

[3] الاخبار الطوال، ص: ۲۲۸.

[4] التراتيب الادارية: ۱/ ۲۲۹۔ الادارة العسكرية: ۲/ ٦٤٤.

[5] نسب قريش، ص: ۱٥٤۔ الادارة العسكرية: ۲/ ٦٤٥.

[6] خطط الشام: ٥/ ۷.

کے لیے حاضر کرنے سے متعلق تھے۔ یہ عرفاء طاقت اور اثر ونفوذ کے حوالے سے قبائل کے روساء کے قائم مقام تھے۔ ان عرفاء کا اثر ورسوخ رکھنے والے لوگوں میں شمار ہوتا تاکہ وہ عسکری ادارے کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں پوری کر سکیں۔ ❶ اس کی مثال کے طور ہم زیاد کا وہ واقعہ پیش کر سکتے ہیں کہ جب وہ اہل بصرہ میں خطبہ دینے کے لیے کھڑا ہوا تو انہیں یہ دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اس سے خوارج کو نہ روکا تو ان کے عطیات روک لیے جائیں گے جس پر لوگوں نے انہیں قتل کر ڈالا۔ ❷ کمانڈرز اور سرکاری احکامات کا نفاذ کرنے والے عام فوجیوں کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے ان کے عطیات میں اضافہ کر دیا جاتا۔ جیسا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل شام کے اشراف کے ساتھ کیا تھا۔ ❸

الثانی عشر:......عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں اسلامی فتوحات پر علمی اور اجتماعی اقتصادی اثرات

معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں قصہ گو حضرات کا کردار بڑا نمایاں رہا۔ یہ لوگ لشکریوں میں قراء کی طرح پھیل جاتے، انہیں اپنے اسلاف کے کارناموں سے آگاہ کرتے اور جوش دلانے والے اشعار سناتے جس سے ان کے جذبات برانگیختہ ہوتے اور وہ جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے، یہ فریضہ خطباء اور واعظین بھی ادا کرتے، سپاہ اسلامی میں فدا کاری اور جانثاری کے جذبات کو ابھارنے کے لیے قراء اور شعراء کا کردار بھی بڑا اہم تھا۔ ❹ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امراء، قائدین اور فوجیوں کو اپنی وصیتوں اور ہدایات میں خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چلایا کرتے۔ جب انہوں نے عبیداللہ بن زیاد کو خراسان کے محاذ پر متعین کیا تو اسے وصیت کرتے ہوئے فرمایا: اللہ سے ڈرتے رہنا اور اللہ کے تقویٰ پر کسی چیز کو ترجیح نہ دینا۔ ❺ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں اسلامی تہذیب پر علمی اثرات کے ضمن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ جب انہوں نے جزیرہ رودس کو فتح کیا تو اس کی فتح میں نامور مقری مجاہد بن جبیر بھی شریک تھے پھر وہ وہیں مقیم رہ کر فتح کے دوران تعمیر کردہ مسجد میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے لگے اور انہیں دین اسلام کی تعلیمات سے نوازنے لگے، یہ ان ہزاروں مثالوں میں سے ایک ہے مگر یہ علمی اثرات صرف جزیرہ رودس کے ساتھ ہی مخصوص نہیں تھے، اس قسم کی متعدد مثالیں تمام شہروں اور اسلامی قبائل میں بکھری پڑی ہیں۔ ❻ فتوحات اسلامیہ پر اقتصادی اور اجتماعی اثرات کے ضمن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں والی مصر مسلمہ بن مخلد انصاری اور دیگر اموی ولاۃ جب ان کے پاس خراج کے اموال بھیجتے تو اس سے مصر کی زمینوں کو آباد کرتے، ان کی اصلاح کرتے، آبی گزرگاہوں پر پل وغیرہ تعمیر کرنے اور انہیں نقصانات سے بچانے کے لیے اٹھنے والے اخراجات کی رقوم وضع کر لیتے، انہوں نے حرمین شریفین کے رہائشیوں کے تعاون کے لیے ان پر تقسیم کرنے کی غرض سے یہاں گندم بھیجی۔ ❼ جزیرہ میں روضہ کے مقام پر وہاں کشتی سازی کا کارخانہ قائم کرنے

---

❶ تنظیمات الجیش، ص: ۲۲۳.
❷ تاریخ طبری نقلاً عن الادارة العسكرية، ص: ۲/ ٦٤٦.
❸ المحاسن و المساوی، ص: ٤٦٤.
❹ الفن الحربی، ص: ۱۱۷.
❺ تاریخ طبری: ٦/ ۲۱۳.
❻ الادارة العسكرية: ۲/ ۷۱۹.
❼ فتوح مصر، ص: ۱۰۲۔ حسن المحاضرة: ۱/ ۱٥۱.

سے قبل وہاں ایسے پانچ صد لوگ ہمہ وقت موجود رہتے جن کی ذمہ داری علاقے میں بھڑک اٹھنے والی آگ بجھانا، زمینی یا آسمانی آفات میں لوگوں کی مدد کرنا اور ان سے ہر ممکن تعاون کرنا تھا۔ ❶

معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اجتماعی کفالت کے ضمن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ آپ شہدائے اسلام کے بچوں کی ضروریات کا خیال رکھتے اور ان سے مالی تعاون فرمایا کرتے تھے۔ ❷ آپ اپنے ہم نشینوں سے فرمایا کرتے: تم لوگوں کو اشراف کے نام سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ تمہیں اس مجلس کی وجہ سے دوسروں پر شرف حاصل ہے، ہمارے سامنے ان لوگوں کی ضروریات و مسائل پیش کیا کرو جن کی ہم تک رسائی نہیں ہے۔ اس پر ایک آدمی اٹھ کر کسی شہید کا ذکر کرتا تو آپ اس کے بچوں کے لیے وظائف کا اجراء کا حکم صادر فرماتے۔ ❸ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن صفوان بن امیہ کو اپنے پاس آنے کی اجازت دی تو اس نے ان سے ضرورت مندوں کے لیے دیوان العطاء سے وظائف مقرر کرنے کا مطالبہ کیا، اس نے آپ رضی اللہ عنہ کی توجہ اس جانب بھی مبذول کرائی کہ قریش کے معذور اور ضرورت مند لوگوں سے غفلت نہ برتا کریں اور انہیں خوشحال زندگی گزارنے کے قابل بنانے کے لیے انہیں اقتصادی اور اجتماعی خدمات مہیا کیا کریں۔ ❹ معاویہ رضی اللہ عنہ لشکریوں کو سرحدی مقامات پر آباد کرنے کے لیے انہیں اراضی فراہم کرتے، ان کے لیے گھر مہیا کرتے اور زمین آباد کرنے کے لیے نہریں کھدواتے اور آب پاشی کی سہولیات فراہم کرتے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جزیرہ رودس میں مقیم لشکر کو حکم جاری کیا کہ وہ وہاں کھیتی باڑی کریں، مویشی پالیں اور ان کی اچھی طرح نگہداشت کیا کریں۔ ❺

الثالث عشر:......عہد معاویہ میں کرامات مجاہدین

معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں مجاہدین اسلام سے متعدد کرامات کا ظہور ہوا۔ جیسا کہ ابومسلم خولانی کا واقعہ جو کہ قبل ازیں گزر چکا ہے۔ اسی طرح حضرت عقبہ کا واقعہ کہ جب انہوں نے جنگلی جانوروں کو وہاں سے نکل جانے کے لیے کہا تو وہ اللہ کے حکم سے جنگل چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس وقت لوگوں نے عجیب و غریب صورت حال کا مشاہدہ کیا، انہوں نے دیکھا کہ مختلف درندے جانور مثلاً بھیڑیے، سانپ اور دوسرے جنگلی جانور اپنے اپنے بچوں کو منہ میں اٹھائے جنگل سے بھاگے جا رہے ہیں، پھر جب مجاہدین کو یقین ہو گیا کہ اب یہ علاقہ موذی جانورں سے پورے طور پر صاف ہو گیا ہے تو وہ اس میں داخل ہو گئے اور پھر عقبہ کے حکم سے اس کے درخت کاٹنے لگ گئے۔ اس کے بعد اہل افریقہ نے چالیس سال تک قیروان میں قیام کیا مگر کسی کو کوئی سانپ، بچھو یا کوئی درندہ نظر نہ آیا۔ عقبہ نے سب سے پہلے دارالامارۃ کی نشان دہی کی بعد ازاں مسجد کی جگہ پر آئے اور اس کی نشاندہی کی۔ مگر اس کی

❶ حسن المحاضرة: ۲/ ۳۷۸۔ الادارة العسكرية: ۲/ ۷۷۳.

❷ مروج الذهب: ۳/ ۳۹، ٤٠۔ الادارة العسكرية: ۲/ ۷۷٤.

❸ مروج الذهب: ۳/ ۳۹، ٤٠۔ الادارة العسكرية: ۲/ ۷۷٤.

❹ نسب قريش، ص: ۳۸۹.

❺ الفتوح لابن اعثم: ۱/ ۳٥٤۔ الادارة العسكرية: ۲/ ۷۷٥.

عمارت کھڑی نہ کی اور اسی طرح خالی زمین پر ہی نماز پڑھتے رہے۔ لوگوں نے قبلہ کے بارے میں اختلاف کیا تو وہ کہنے لگے: تمام اہل مغرب اس مسجد کے رخ پر ہی اپنے قبلہ کا تعین کریں گے، لہٰذا اسے سیدھا رکھنے کے لیے تمام مساعی بروئے کار لائی جائیں، چنانچہ وہ لوگ ایک عرصہ تک موسم سرما اور موسم گرما میں ستاروں اور سورج کے طلوع اور غروب ہونے کی جگہوں کا مشاہدہ کرتے رہے، مگر جب پھر بھی وہ قبلہ کی سمت پر متفق نہ ہو سکے تو انہوں نے پریشانی کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے اس مشکل کے خاتمہ کی دعا کی۔ پھر جب وہ سو رہے تھے تو ان کے پاس کوئی آنے والا آیا اور کہنے لگا: جب صبح ہو تو پرچم اٹھا کر اسے اپنی گردن پر رکھ لینا۔ اس دوران تم اپنے آگے تکبیر کی آواز سنو گے جسے تمہارے علاوہ کوئی دوسرا مسلمان نہیں سن سکے گا، پھر اس جگہ کا خیال رکھنا جہاں تکبیر کی آواز آنا بند ہو جائے۔ بس وہی جگہ تمہارا قبلہ اور تمہاری محراب ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے اس لشکر کی ادا پسند آئی اور اس نے اس شہر اور اس مسجد کو بھی پسند فرمایا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ اس شہر کی وجہ سے اپنے دین کو عزت و قوت دے گا اور کفار کو کمزور اور ذلیل کرے گا۔ عقبہ پریشانی کے عالم میں نیند سے بیدار ہوئے، وضو کیا اور مسجد میں نماز پڑھنے لگے، اس وقت کئی معززین بھی آپ کے ساتھ تھے۔ پھر جب صبح طلوع ہوئی تو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر صبح کی نماز ادا کی اور پھر اپنے آگے تکبیر کی آواز سنی۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: کیا تم وہ آواز سن رہے ہو جو میں سن رہا ہوں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ اس سے انہیں یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، چنانچہ انہوں نے جھنڈا پکڑا، اسے اپنی گردن پر رکھا اور پھر تکبیر کی آواز کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ جب آپ محراب کی جگہ میں پہنچے تو تکبیر کی آواز آنا بند ہو گئی۔ آپ نے اس جگہ جھنڈا نصب کر دیا اور فرمانے لگے: یہ ہے تمہاری محراب۔ شہر کی تمام مساجد نے اسی محراب کی اقتداء کی، پھر اس شہر کی قدر و منزلت اس قدر بڑھ گئی کہ لوگ دور دراز کے مقامات سے وہاں آنے لگے۔ حضرت عقبہ مستجاب الدعوات، بڑے اچھے والی اور بڑے اچھے امیر تھے۔ [1]

حضرت عقبہ کے ساتھ پیش آنے والے اس واقعہ میں بڑا سامان عبرت ہے، جب انہوں نے وحشی جانوروں اور دیگر جانوروں کو آواز دی تو وہ آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے وہ جگہ چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے۔ یہ ان کی وہ کرامت تھی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی عزت فرمایا کرتا تھا کیونکہ وہ ان سے اسلام کی نصرت و معاونت اور زمین میں اس کی نشر و اشاعت چاہتا ہے۔ اللہ رب کائنات نے جانوروں کو حضرت عقبہ کی گفتگو سنائی اور ان کے دلوں میں ان کا خوف پیدا کر دیا۔ انہوں نے عقل و ادراک رکھنے والوں کی طرح ان کی بات سنی اور اس کی اطاعت بھی کی۔ ابن الاثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ان کی یہ کرامت دیکھ کر کئی بربر قبائل مسلمان ہو گئے۔ [2] بعض محققین نے حضرت عقبہ کے اس واقعہ کو راویوں کی کارستانی قرار دیتے ہوئے اسے ایک کہانی قرار دیا ہے اور اس

---

[1] البیان المغرب فی اخبار الاندلس و المغرب: ۱/ ۱۹-۲۱۔ الکامل فی التاریخ: ۲/ ۴۸۴۔ فتوح مصر، ص: ۱۳۳۔ اس واقعہ کی سند صحیح ہے۔

[2] فتوح مصر، ص: ۱۳۳۔ التاریخ الاسلامی: ۱۳/ ۲۴۹۔

کی یہ علت بیان کی ہے کہ جانوروں نے اسلامی لشکر کے شور وغل کو سنا تو وہ گھبرا گئے اور پھر گھبراہٹ کے عالم میں اپنے بچوں کو اٹھایا اور جنگل سے بھاگ کھڑے ہوئے مگر یہ تاویل انتہائی حیران کن ہے۔ اس قسم کے باحثین اس چیز کو رد کرنے میں کوئی دیر نہیں لگاتے جسے عقل مجرد تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہو، مگر اس جگہ وہ صحیح تفکر کو پس پشت ڈال دیا کرتے ہیں، وہ مؤرخین کی اس رائے کو بھی تسلیم نہیں کرتے جو اس اور اس جیسے دیگر واقعات کو خارق عادت امور کے طور پر روایت کرتے ہیں اور وہ انہیں اس بنا پر سادگی کے ساتھ متہم کر دیتے ہیں کہ وہ لوگوں کی زندگی میں پیش آنے والے عادی امور و واقعات کو قصے کہانیوں سے مشابہ قرار دے دیتے ہیں۔ فکر صحیح کا فیصلہ یہ ہے کہ ان کی یہ تاویل عقل سلیم کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہے، اس لیے کہ وحشی درندے اور خشکی کے جانور خوف زدہ ہونے پر اپنے پرامن ٹھکانوں اور بلوں کی طرف بھاگتے ہیں نہ کہ باہر کی طرف۔ پھر اگر لشکر اسلام سے خوفزدہ ہو کر ان کا بھاگ جانا معمول ہی تھا تو اس میں تو بربر قبائل کو حیران کرنے والی اور انہیں قبول اسلام پر آمادہ کرنے والی کوئی بات نہیں تھی۔ نیز اس میں کوئی ایسی بات بھی نہیں تھی جو مؤرخین کی ایک جماعت کو اس حیران کن واقعہ کو روایت کرنے پر آمادہ کرتی۔ زیاد بن عجلان سے مروی ہے کہ اس واقعہ کے چالیس سال بعد تک بھی اگر اہل افریقہ ایک ہزار دینار کے بدلے ایک سانپ یا بچھو تلاش کرنا چاہتے تو وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکتے۔ ❶

حضرت عقبہ کا خواب اور دوران خواب قبلہ کی تحدید ان کی دوسری کرامت ہے۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس مشکل کو آسان بنا دیا کہ وہ ابھی تک قبلہ کی تحدید کرنے سے قاصر رہے تھے۔ یہ بھی ایک مقصد ہے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے نیک اولیاء کے ہاتھوں ان کی کرامت کو ظاہر فرمایا کرتا ہے۔ حضرت عقبہ مستجاب الدعوات شخص تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے ان کی اور مسلمانوں کی پریشانی کا ازالہ فرما دیا۔ ❷

اہل السنہ والجماعہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی کرامات کا اثبات کرتے ہیں۔ اولیاء اللہ، حضرت محمد ﷺ کے اطاعت گزار ہوتے ہیں اور اللہ کے اوامر و نواہی کا التزام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کے ساتھ ان کی تائید کرتا اور ان کے دلوں میں اپنے انوار رکھ دیتا ہے۔ ان سے کچھ ایسی کرامات کا صدور ہوتا ہے جن کے ساتھ اللہ عزوجل اپنے متقی اولیاء کی تکریم کرتا ہے۔ اولیائے کرام سے کرامات کا ظہور کسی دینی ضرورت یا مسلمانوں کی ضرورت کے پیش نظر ہوا کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں معجزات کا صدور بھی انہی مقاصد کے لیے ہوا کرتا ہے۔ اولیائے کرام کے ہاتھوں کرامات کا حصول آنحضرت ﷺ کی اتباع کی برکت کی وجہ سے ہوا کرتا ہے۔ ❸

اس بات سے آگاہ رہنا ضروری ہے کہ کبھی کرامات کا ظہور لوگوں کی ضروریات کی وجہ سے بھی ہوا کرتا ہے۔ ضعیف الایمان یا کوئی ضرورت مند شخص جب اپنی آنکھوں سے کرامات کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کا ایمان مضبوط ہو جاتا ہے یا اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے جبکہ اس سے زیادہ کامل الایمان شخص کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ

---

❶ فتوح مصر، ص: ۱۳۳۔ التاریخ الاسلامی: ۱۳/ ۲۴۹.

❷ التاریخ الاسلامی: ۱۳/ ۲۴۹. ❸ مجموع الفتاوی: ۱۱/ ۲۷۴.

کرامات کا صدور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ تابعین سے ہوا۔ [1] اولیائے کرام کی کرامات پر ایمان رکھنا اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ [2]

الرابع عشر :......خراسان میں جبل الاشل کی جنگ میں حکم بن عمرو غفاری کی طرف سے مال غنیمت کی تقسیم

عبدالرحمن بن صبح کہتے ہیں: میں خراسان میں حکم بن عمرو کے ساتھ تھا، زیاد نے انہیں لکھا کہ جبل اشل کے رہنے والوں کا ہتھیار مٹی [3] اور ان کے برتن سونے کے ہیں۔ [4] عمرو نے ان سے جنگ کی تو انہوں نے گھاٹیوں اور گزرگاہوں میں چھپ کر ان کا گھیراؤ کر لیا اور وہ بے بس ہو کر رہ گئے۔ مہلب بھی جنگ سے پیچھے ہٹ گئے مگر وہ حیلہ گری سے کام لیتے رہے یہاں تک کہ اس نے ان کے ایک بڑے آدمی کو گرفتار کر لیا۔ مہلب اس سے کہنے لگا: دو چیزوں میں سے ایک کا انتخاب کر لے، یا تو میں تجھے قتل کر ڈالوں گا یا پھر ہمیں اس گھاٹی سے باہر نکال دے۔ اس نے انہیں اس کی ایک ترکیب بتائی انہوں نے اس پر عمل کیا اور اس طرح وہ ان سے بچ نکلنے میں کامیاب بھی ہو گئے اور بہت سارا مال غنیمت بھی ان کے ہاتھ لگ گیا۔ زیاد نے اس کے نام خط لکھا کہ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے لکھا ہے کہ میں ان کے لیے سونا، چاندی اور مال غنیمت میں سے عمدہ اشیاء منتخب کر لوں، لہٰذا ان چیزوں کو الگ کرنے سے پہلے کسی چیز کو حرکت نہ دینا۔ زیاد کے خط کا عمرو نے یہ جواب لکھا: مجھے تیرا وہ خط مل گیا ہے جس میں تو نے یہ بتایا ہے کہ امیر المومنین کا حکم ہے کہ میں ان کے لیے سونا، چاندی اور عمدہ مال غنیمت الگ کر دوں اور اس سے قبل کسی چیز کو حرکت نہ دوں، تو یاد رہے کہ اللہ کی کتاب امیر المومنین کی کتاب پر مقدم ہے۔ اللہ کی قسم! اگر آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے بندے پر بند ہو جائیں تو بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ نکال لے گا، پھر انہوں نے لوگوں سے فرمایا: اپنا اپنا مال غنیمت وصول کرنے کے لیے آؤ۔ وہ آئے تو آپ نے خمس الگ کر کے باقی مال غنیمت ان میں تقسیم کر دیا۔ راوی کہتا ہے: حکم کہنے لگے: یا اللہ! اگر تیرے پاس میرے لیے کوئی خیر ہے تو میری روح قبض کر لے چنانچہ وہ خراسان میں مرو کے مقام پر فوت ہو گئے۔ [5]

حکم بن عمرو غفاری کی طرف سے مال غنیمت تقسیم کرنے کے اس واقعہ کو ابن عبدالبر [6]، ابن جوزی [7]، ابن الاثیر [8] اور ابن کثیر [9] نے ذکر کیا ہے۔ ان مصادر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے ان کے لیے سونا چاندی الگ کرنے اور اسے لشکر میں تقسیم نہ کرنے کا مطالبہ کیا مگر انہوں نے اس خبر کو صحیح سند کے ساتھ ذکر

[1] مجموع الفتاوی: ۱۱/ ۲۷۳.
[2] الانحرافات العقدیة والعلمیة: ۱/ ۵۰۸.
[3] یعنی وہ دشمن کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے مٹی میں چھپ جاتے ہیں۔
[4] یہ ان کی مالداری اور خوشحالی کی دلیل ہے۔
[5] الکامل فی التاریخ: ۲/ ۴۷۶.
[6] تاریخ طبری: ۶/ ۱۶۷.
[7] الاستیعاب: ۱/ ۳۵۷.
[8] المنتظم: ۵/ ۲۳۰.
[9] الکامل فی التاریخ: ۲/ ۴۷۶.

نہیں کیا۔ ❶ جبکہ ابن کثیر نے اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے سونا اور چاندی بیت المال میں بھجوانے کا مطالبہ کیا۔ ❷

میں اس جگہ اس بات کی یاد دہانی ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام میں مال غنیمت کے مصارف کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں واضح فرما دیا ہے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ (الانفال: ٤١)

''اور جان لو کہ تم جس قسم کی جو بھی غنیمت حاصل کرو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا اور رسول کا ہے، اور قرابت داروں کا، اور یتیموں اور مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اموال غنیمت کے چار حصے لشکر میں تقسیم کیے جائیں گے اور بچ جانے والا پانچواں حصہ اس آیت کریمہ کی روشنی میں تقسیم کیا جائے گا اور یہ حکم معاویہ رضی اللہ عنہ پر مخفی نہیں تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ کی دین داری اور عدل ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ردّ کرنے سے مانع تھی۔ ❸ طبری کی روایت کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم بن عمرو غفاری نے اخذ کردہ مال غنیمت لشکر میں فوراً تقسیم نہیں کیا تھا۔ اگرچہ اس بارے شریعت کا حکم بالکل واضح تھا۔ بلکہ اس بارے میں ان کے اور زیاد کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ مال غنیمت کی تقسیم میں اس تاخیر کے کئی احتمالات ہیں جن سے روایت میں وارد غموض کے ازالہ کو ممکن بنایا جا سکتا ہے اور وہ احتمالات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بات میں دلچسپی تھی کہ مال غنیمت کا خمس جس کی تقسیم امام المسلمین کیا کرتا ہے، سونے اور چاندی پر مشتمل ہو۔

۲۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بات میں دلچسپی تھی کہ سونے اور چاندی پر مشتمل مال غنیمت کو اس سے خمس الگ کرنے اور اسے تقسیم کرنے سے پہلے اسے ہندوستان لے جا کر مہنگے داموں وہاں فروخت کر دیا جائے ❹ اور بعد ازاں خمس اس کی قیمت سے نکالا جائے جس سے سب کا فائدہ ہو۔ ❺

۳۔ بیت المال میں اچانک کمی واقع ہو گئی ہو اور اس بنا پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ ایک طے شدہ وقت تک وہ مال غنیمت قرض کے طور پر حاصل کر لیا جائے جو حکم بن عمرو کے لشکر نے حاصل کیا تھا اور یہ کہ لشکر میں اس کی تقسیم کو کچھ وقت کے لیے مؤخر کر دیا جائے۔ ❻

---

❶ البداية و النهاية: ١١/ ٢١٧ . ❷ ايضًا .

❸ مرويات خلافة معاوية فى تاريخ الطبرى، ص: ٣٥١-٣٥٢ .

❹ مرويات خلافة معاوية فى تاريخ الطبرى، ص: ٣٥٢ .

❺ ايضا، ص: ٣٥٢ .

❻ ايضا، ص: ٣٥٢ .

اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو اس سے ہمیں یہ اہم سبق ملتا ہے کہ حکم بن عمرو غفاری اس اصول کا بڑی شدت کے ساتھ التزام کرتے تھے کہ: ''خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت ناروا ہے، اور یہ کہ وہ اموال غنیمت کی تقسیم میں ادائیگی امانت کے حکم پر عمل پیرا تھے، وہ مال غنیمت میں غلول کے مرتکب نہیں ہوئے اور خمس الگ کرنے کے بعد اسے لشکر میں تقسیم کر دیا۔'' ❶

الخامس عشر:......۶۲ھ میں سجستان میں صلہ بن اشیم اور ان کے بیٹے کی شہادت

ابو الصہباء صلہ بن اشیم عدوی بصری بڑے زاہد و عابد، شب زندہ دار اور بہترین نمونہ حیات تھے، آپ عالمہ فاضلہ خاتون، معاذہ عدویہ کے شوہر تھے۔ آپ نے اسلامی معاشرہ میں بڑا اہم اور موثر کردار ادا کیا ہے۔ ثابت کہتے ہیں: ایک آدمی انہیں ان کے بھائی کی وفات کی اطلاع دینے کے لیے آیا تو آپ نے اس سے فرمایا: آگے آئیں اور کھانا کھائیں، مجھے میرے بھائی کی موت کی خبر کافی دیر پہلے سے مل چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ﴾ (الزمر: ۳۰)

''یقیناً خود آپ کو بھی موت آئے گی اور ان سب کو بھی۔''

ان کی کئی کرامات بیان کی جاتی ہیں۔ حماد بن جعفر بن زیاد سے مروی ہے کہ اس کے باپ نے اسے خبر دی کہ ہم کچھ غازیان اسلام کے ساتھ کابل کی طرف روانہ ہوئے، اس لشکر میں صلہ بھی موجود تھے۔ جب لشکر نے ایک جگہ پڑاؤ کیا تو میں نے کہا: آج میں دیکھوں گا کہ یہ کیا کرتے ہیں، انہوں نے نماز پڑھی، پھر لیٹ گئے اور لوگوں کی بے خبری کا انتظار کرنے لگے، پھر وہ جلدی سے اٹھے اور درختوں کے جھنڈ میں داخل ہو گئے، ان کے پیچھے میں بھی اس میں داخل ہو گیا، انہوں نے وضو کیا اور نماز پڑھنے لگے۔ اس دوران شیر آیا اور چلتے چلتے ان کے قریب پہنچ گیا مگر میں درخت پر چڑھ گیا، میں نے دل ہی دل میں کہا: اب یہ انہیں چیر پھاڑ دے گا، مگر کچھ بھی نہ ہوا۔ انہوں نے سلام پھیرا تو کہنے لگے: ارے درندے! اپنا رزق کسی اور جگہ سے تلاش کر۔ اس پر شیر چنگھاڑتا ہوا واپس چلا گیا، جب صبح ہوئی تو انہوں نے بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمانے لگے: یا اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے جہنم سے بچا لینا، کیا میرے جیسا کوئی انسان تجھ سے جنت کا سوال کرنے کی جراءت کر سکتا ہے؟ ❷

علاء بن ہلال کہتے ہیں: ایک آدمی نے حضرت صلہ سے کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے ایک بار شہید کیا گیا اور تمہیں دو بار۔ آپ نے فرمایا: تجھے بھی شہید کر دیا جائے گا اور مجھے بھی اور میرے بیٹے کو بھی۔ پھر جب یزید بن زیاد کا دور آیا تو سجستان میں ترک ان کے مقابلے میں آئے اور پھر شکست سے دوچار ہوئے، صلہ نے اپنے بیٹے سے کہا: بیٹا! تم اپنی ماں کے پاس چلے جاؤ۔ اس نے کہا: ابا جان! تم اپنے لیے تو خیر چاہتے ہو جبکہ مجھے واپس جانے کا حکم دے رہے ہو۔ صلہ نے فرمایا: تو پھر آگے بڑھو۔ وہ آگے بڑھا اور جنگ کرنے لگا یہاں تک کہ زخمی ہو گیا اور

❶ مرويات خلافة معاوية، ص: ۳۵۲.
❷ سير اعلام النبلاء: ۳/ ۴۹۹.

آخرکار جام شہادت نوش کر لیا۔ ❶ حماد بن سلمہ کہتے ہیں: ہمیں ثابت نے خبر دی کہ حضرت صلہ ایک جنگ میں شریک تھے، ان کے ساتھ ان کا بیٹا بھی تھا، وہ کہنے لگے: بیٹا! آگے بڑھیں اور قتال کریں۔ وہ جنگ میں کود پڑے اور پھر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، پھر حضرت صلہ بھی آگے بڑھے اور آخرکار انہیں بھی شہید کر دیا گیا۔ ان کی شہادت کی خبر سن کر عورتیں ان کی زوجہ محترمہ معاذہ کے پاس اکٹھی ہو گئیں تو انہوں نے کہا: اگر تم مجھے مبارک باد دینے کے لیے آئی ہو تو میں تمہیں خوش آمدید کہتی ہوں اور اگر کسی اور مقصد سے آئی ہو تو پھر واپس لوٹ جاؤ۔ ❷ وہ معرکہ جس میں حضرت صلہ خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے ۶۲ھ میں برپا ہوا تھا۔ ❸



❶ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۵۰۰۔ ❷ طبقات ابن سعد: ۷/ ۱۳۷۔ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۴۹۸۔

❸ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۵۰۰۔

پانچویں بحث:

ولایت عہد اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات

اولاً:...... یزید کی بیعت کے لیے غور و خوض کی ابتدا

اکثر باحثین یزید بن معاویہ کی بیعت کروانے کی ذمہ داری مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر ڈالتے ہیں۔ ان کے نزدیک انہوں نے ہی معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات کے بعد یزید کو خلیفہ بنانے کی تجویز دی تھی اور یہ کہ وہ اہل کوفہ کو اس پر آمادہ کریں گے کہ وہ یزید کی ولی عہدی کو قبول کر لیں۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر یہ تہمت لگانے والے اپنے اس دعویٰ کی دلیل کے طور پر اس روایت کو پیش کرتے ہیں جسے بعض قدیم مصادر نے وارد کیا ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے انہیں کوفہ کی ولایت سے معزول کر دیا، معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی جگہ سعید بن العاص کو کوفہ کا گورنر متعین کرنا چاہتے تھے مگر مغیرہ رضی اللہ عنہ اس کے لیے آمادہ نہیں تھے وہ دوبارہ کوفہ کی امارت کے متمنی تھے۔ وہ یہاں سے اٹھ کر یزید کے پاس گئے اور اس کے سامنے اسے خلیفہ بنانے کی اپنی تجویز رکھی۔ یزید نے اس کی خبر اپنے باپ کو دی تو انہوں نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا کر انہیں کوفہ کا دوبارہ والی بنا کر واپس جانے اور یزید کی بیعت کے لیے کام کرنے کا حکم دیا۔ [1]

مگر اس کی تمام سندیں کمزور ہیں جس کی بنا پر ہم کسی بھی صورت اس روایت کو قبول کرنے سے قاصر ہیں، پھر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں اور ان کی یزید کی ولی عہدی کی تجویز سے قبل ہی ۵۰ھ میں وفات ہو گئی تھی۔ [2] یہ تجویز عراق پر زیاد بن ابیہ کی ولایت کے دوران منظر عام پر آئی، مؤرخ طبری نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کا مطالبہ ۵۶ھ میں کیا تھا۔ [3] یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل یہ تجویز پیش کی تھی تو اسے عملی جامہ پہنانے میں اتنے سالوں کی تاخیر کیوں ہوئی؟ [4]

ثانیاً:...... بیعت یزید کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کے اقدامات

ا۔ مشاورت:...... تاریخی مصادر اس عرصہ کی تحدید کرنے سے قاصر ہیں جس کے دوران معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو مسلمانوں کا خلیفہ بنانے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ و بچار کی تھی۔ مگر یہ بات طے ہے کہ انہیں یہ خیال ۵۰ھ کے بعد آیا۔ اس وقت وجود کائنات سعد بن ابو وقاص اور سعید بن یزید بن عمرو جیسے عشرہ مبشرہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سے خالی ہو چکا تھا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ہو چکی تھی، اور قسطنطنیہ کا

---

[1] الاشراف فی منازل الاشراف، ابن ابی دنیا، ص: ۱۲۱۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ تاریخ طبری: ۶/ ۲۲۰۔ اس کی سند بہت زیادہ ضعیف ہے۔ تاریخ ذہبی، ص: ۲۷۲۔ اس کی سند بہت زیادہ ضعیف ہے۔ [2] تاریخ طبری: ۶/ ۱۵۰.

[3] تاریخ طبری: ۶/ ۲۱۹۔ ملاحظہ فرمائیں: مواقف المعارضة فی خلافة یزید بن معاویہ، ص: ۸۴-۸۷.

[4] مواقف المعارضة فی خلافة یزید بن معاویہ، ص: ۸۷.

محاصرہ کرنے والے لشکر کی قیادت کرنے کی وجہ سے یزید کچھ متعارف بھی ہو چکا تھا۔ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ حالات کو یزید کی خلافت کے لیے تیار کرنے لگے، زیاد جو قبل ازیں زیاد بن ابیہ کے نام سے معروف تھا اب وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھائی بن چکا تھا اور زیاد بن ابوسفیان کہلانے لگا تھا، لہٰذا اس کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کا مشورہ کرنا ضروری ہو چکا تھا۔ یہ مشاورت کیسے ہوئی اور اس بارے زیاد کا کیا کردار رہا؟ [1]

طبری فرماتے ہیں: جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کے لیے بیعت لینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے زیاد سے مشورہ لینے کے لیے اسے خط لکھا۔ زیاد نے عبید بن کعب نمیری کو بلا کر اس سے کہا کہ مشورہ کے لیے کوئی نہ کوئی قابل اعتماد آدمی مل ہی جاتا ہے اور ہر اک راز کے لیے کوئی نہ کوئی امین بھی میسر آ ہی جاتا ہے۔ دو باتوں نے لوگوں کو خراب کر دیا ہے: افشائے راز اور نااہل لوگوں کی خیر خواہی۔ راز کے بارے میں صرف دو آدمیوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، ایک تو دین دار شخص جو اخروی اجر و ثواب کی امید رکھتا ہو اور دوسرا دنیا دار آدمی جو شریف النفس ہو اور جسے اپنی عزت کی فکر ہو اور میں نے یہ دونوں باتیں تجھ میں دیکھیں اور مجھے پسند آئیں۔ میں نے تجھے ایک ایسی بات کے لیے اپنے پاس بلایا ہے جس سے میرے نزدیک قلم و قرطاس کا آشنا ہونا بھی درست نہیں۔ امیر المومنین نے مجھے لکھا ہے کہ انہوں نے یزید کے لیے بیعت لینے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے، انہیں لوگوں کے متنفر ہونے کا ڈر بھی ہے اور وہ ان کی موافقت و مطابقت کی امید بھی رکھتے ہیں اور وہ اس بارے میں مجھ سے مشورہ طلب کرتے ہیں، مگر اسلام کے ساتھ تعلق اور ذمہ داری بہت بڑی چیز ہے، یزید بڑا کاہل و سست آدمی ہے نیز وہ شکار کا بھی بڑا شوقین ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم امیر المومنین کے پاس جاؤ اور انہیں یزید کے بارے میں میرے تاثرات سے آگاہ کرو اور انہیں کہو کہ تأمل سے کام لیں اور جلدی نہ کریں۔ آپ جو کچھ چاہتے ہیں وہی ہوگا، عجلت سے کام نہ لیں جس تأخیر سے مقصد حاصل ہو جائے وہ اس تعجیل سے بہتر ہے جس سے مقصد چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو۔ اس پر عبید نے اس سے کہا: تیرے ذہن میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے؟ زیاد نے کہا: اس کے علاوہ کیا بات ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا: معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے پر اعتراض کرنا درست نہیں ہے اور نہ انہیں ان کے بیٹے سے متنفر کرنا ہی صحیح ہے۔ میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے چھپ کر یزید سے ملاقات کروں گا اور اسے تیری طرف سے بتاؤں گا کہ امیر المومنین نے تمہاری بیعت کے لیے اس سے مشورہ طلب کیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری بعض باتوں سے لوگ بیزار ہیں، لہٰذا میری یہ رائے ہے کہ لوگ تمہاری جن باتوں کو ناپسند کرتے ہیں انہیں ترک کر دو اس طرح امیر المومنین کی پوزیشن مضبوط ہو جائے گی اور جو کام تم چاہتے ہو وہ بھی آسانی سے ہو جائے گا۔ اس طرح تم یزید کے بھی خیر خواہ ٹھہرو گے اور امیر المومنین کو بھی خوش رکھ سکو گے اور امامت کی ذمہ داری کا تمہیں جو خوف لاحق ہے تم اس سے بھی بچے رہو گے۔

---

[1] نظام الحکم فی الشریعة و التاریخ الاسلامی: ۱/ ۱۸۹۔

اس کی یہ باتیں سن کر زیاد کہنے لگا: تمہاری رائے تیر بہدف ہے، اب خیر و برکت سے روانہ ہو جاؤ، اگر تمہاری رائے درست ہوئی تو ٹھیک اور اگر کوئی غلطی ہو گئی تو اللہ نے چاہا تو اس میں بھی خیر ہو گی، عبید نے یزید سے ملاقات کی اور اس سے مذاکرات کیے۔ دوسری طرف زیاد نے معاویہ کو انتظار کرنے کے لیے لکھا۔ [1] معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی اس رائے کو تسلیم کر لیا اور یزید نے بھی اپنے اکثر افعال ترک کر دیے۔ [2]

اس نص کی تحلیل سے مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

الف: اس سوچ کا آغاز معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوا اور انہیں اس امر کا بخوبی ادراک تھا کہ وہ خطرناک قدم اٹھا رہے ہیں جو پہلے نہیں ہوا، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس بارے مشاورت کے لیے زیاد کا انتخاب کیا، اور زیاد وہ شخص ہے جس کے بارے میں اصمعی فرماتے ہیں: عربوں میں چار لوگ بڑے اصحاب بصیرت ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ غور و فکر کے لیے، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اچانک پیش آمدہ مسئلہ کے حل کے لیے، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ مشکلات کے حل کے لیے اور زیاد ہر چھوٹے بڑے مسئلہ کے لیے۔ زیاد نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو انتظار کی پالیسی اختیار کرنے کا مشورہ دیا تو انہوں نے اسے قبول کر لیا اور پھر زیاد کی وفات کے بعد ہی اس پُر از خطر کام کی طرف کوئی پیش قدمی کی۔ [3] طبری فرماتے ہیں: جب زیاد فوت ہو گیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک تحریر نکالی اور اسے لوگوں کے سامنے پڑھا، وہ تحریر یزید کو خلیفہ بنانے کے مضمون پر مشتمل تھی اور اس میں بتایا گیا تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید خلیفہ ہو گا، یہ سن کر پانچ لوگوں کے علاوہ باقی سب لوگ یزید کی بیعت پر تیار ہو گئے۔ [4]

ب: معاویہ رضی اللہ عنہ یہ چاہتے تھے کہ لوگ ان کی زندگی میں ہی یزید کی بیعت کر لیں۔ یہ بھی ایک نئی بات تھی جس کی قبل ازیں کوئی مثال نہیں ملتی۔ لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تھی۔

ج: زیاد نے صورت حال کی سنگینی کو محسوس کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس نے شروع میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام اپنا مشورہ لکھ بھیجنا پسند نہ کیا، بلکہ اسے اپنے قاصد عبیداللہ بن کعب نمیری کے سپرد کرنا چاہا تاکہ وہ اسے معاویہ کے حوالے کریں۔ جس سے مقصود اس خبر کو مخفی رکھنا تھا تاکہ کوئی ناگوار صورت حال پیدا نہ ہو۔ اسی لیے اس نے عبید سے کہا تھا کہ میں نے تجھے ایک ایسی بات کرنے کے لیے یہاں بلایا ہے جس کا میرے نزدیک قلم سے آشنا ہونا بھی درست نہیں ہے۔

د: معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے متنفر ہونے سے خائف تھے اس لیے کہ خلیفہ کی زندگی میں اس کے بیٹے کے لیے

---

[1] تاریخ طبری: ٦/ ٢٢١۔ [2] ایضا: ٦/ ٢٢١۔

[3] نظام الحکم فی الشریعة و التاریخ الاسلامی: ١/ ١٩١۔

[4] تاریخ طبری: ٦/ ٢٢١۔

ولی عہدی کوئی معمولی بات نہیں تھی اور اس کی قبل ازیں کوئی مثال بھی نہیں ملتی تھی۔

ھ: زیاد امت کے بارے میں یزید سے ڈرتا تھا، اسی لیے تو اس نے کہا تھا، اسلام کا تعلق اور ذمہ داری بہت بڑی چیز ہے، میں دیکھتا ہوں کہ یزید کے مزاج میں کاہلی اور سہل انگاری ہے، مزید یہ کہ وہ شکار کا گرویدہ ہے۔

و: زیاد نے آخرکار معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھ دیا مگر انہیں عجلت پسندی سے اجتناب کرنے کے لیے کہا اور جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ [1]

اس حوالے سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے احنف بن قیس سے بھی مشاورت کی تھی۔ مروی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد مقرر کیا تو اسے ایک سرخ رنگ کے خیمہ میں بٹھا دیا، لوگ آتے، معاویہ رضی اللہ عنہ کو سلام کہتے ہیں اور پھر یزید کی طرف متوجہ ہوتے۔ یہاں تک کہ ایک آدمی آیا اور اس نے بھی ایسا ہی کیا، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس دوبارہ آیا اور کہنے لگا: امیر المومنین! مجھے علم ہے کہ اگر تم نے اسے مسلمانوں کے امور کا نگران نہ بنایا تو ان اُمور کو ضائع کر دو گے۔ اس وقت احنف بن قیس بھی وہاں بیٹھے تھے، ان سے معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ابو بحر! آپ کوئی بات نہیں کر رہے؟ وہ کہنے لگے: اگر میں جھوٹ بولوں تو اللہ سے ڈرتا ہوں اور اگر سچ کہوں تو پھر تم سے ڈرتا ہوں۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں اطاعت گزاری کی وجہ سے جزائے خیر عطا فرمائے اور پھر انہیں کئی ہزار دینے کا حکم دیا، جب وہ باہر نکلے تو دروازے پر وہی شخص آپ سے ملا اور کہنے لگا: ابو بحر! میں بخوبی جانتا ہوں کہ یہ (معاویہ رضی اللہ عنہ) اور ان کا بیٹا اللہ کی مخلوق میں سے بدترین لوگ ہیں۔ انہوں نے یہ اموال دروازوں اور تالوں میں بند کر رکھے ہیں اور جنہیں ہم اس طرح ہی نکال سکتے ہیں اس پر احنف کہنے لگے: خاموش ہو جا۔ اس لیے کہ دو چہروں والا اس لائق ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک باعزت اور پسندیدہ نہ ہو۔ [2]

ا۔ اہل شام کا یزید کی بیعت کو قبول کرنا:...... معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا مکمل ادراک تھا کہ اہل شام منصب خلافت کو بنو امیہ میں باقی رکھنے کے حریص ہیں۔ اہل شام کے لیے خلافت میں وراثت کوئی نئی بات نہیں تھی، وہ اپنے اوپر بیزنطیوں کی حکومت کے ایام میں اس سے بخوبی آگاہ ہو چکے تھے۔ بلکہ بعض عراقی بھی ایک خاص نکتہ نظر سے اس تصور کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے، اور وہ یوں کہ ان کے خیال میں اہل بیت منصب خلافت کے زیادہ حق دار ہیں اور یہ کہ خلافت انہیں میں ہی موجود رہنی چاہیے، اس حوالے سے وہ فتح اسلامی سے قبل اس علاقے پر ساسانی نظام حکومت سے متاثر تھے۔ [3]

اہل شام نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس رغبت کو پورا کر دیا کہ یزید ان کا ولی عہد ہو، اور انہوں نے یزید کی بیعت پر اتفاق کر لیا اور انہیں اس کے لیے کسی قسم کی مخالفت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ [4] اس کے بعد اہل شام نے دیگر

---

[1] نظام الحکم فی الشریعۃ و التاریخ الاسلامی: ۱/ ۱۹۲.

[2] الشہب اللامعۃ فی السیاسۃ النافعۃ، ص: ۴۵۸. [3] مسند احمد: ۲/ ۳۲۵۔ حسن لغیرہ.

[4] تاریخ خلیفۃ، ص: ۲۱۱۔ مواقف المعارضۃ فی خلافۃ یزید، ص: ۸۹.

شہروں مثلاً حجاز وغیرہ میں بھی یزید کے لیے بیعت لینے میں اہم کردار ادا کیا۔ [1]

۳۔ بیعت وفود:...... مختلف صوبوں سے وفود کی آمد کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام میں ایک بڑا اجتماع منعقد کیا، یہ وفود عرب قبائل کے مختلف سرکردہ لوگوں پر مشتمل تھے، مثلاً شام سے: ضحاک بن قیس الفہری، ثور بن معن السلمی، عبداللہ بن عضاۃ الاشعری، عبداللہ بن مسعدہ الفزاری، عبدالرحمٰن بن عثمان الثقفی، حسان بن مالک بن بحدل الکلبی وغیرہ۔ [2]

اہل مدینہ سے عمرو بن حزم الانصاری- آپ اس مجلس کے آخر میں تشریف لائے تھے- اور اہل بصرہ سے احنف بن قیس التمیمی۔ ان تمام زعماء نے گفتگو کے دوران اس تجویز کو قبول کرتے ہوئے اس کی تعریف کی، انہوں نے اس بات کی تاکید کی کہ یہ طریقہ مسلمانوں کو فتنہ وفساد اور خون ریزی سے بچانے کے لیے کارگر ثابت ہوگا اور وہ باہمی اختلاف سے بھی محفوظ رہیں گے [3] اور اس طرح یزید کے ولی عہد ہونے کی بیعت مکمل ہوگئی، مگر یہاں یہ بات بتا دینا ضروری ہے کہ عمرو بن حزم انصاری اس اجتماع میں شریک نہیں ہوئے تھے اور اس کی دو وجوہات تھیں:

(۱) اہل مدینہ اس بیعت سے متفق نہیں تھے بلکہ وہ بڑی سختی کے ساتھ اس کے مخالف تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے وفود کے اس اجلاس میں شریک ہونے کے لے اپنا کوئی نمائندہ نہیں بھیجا تھا۔

(۲) معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن حزم کے ساتھ ملاقات کرنے سے انکار کر دیا تھا، اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ انہیں اہل مدینہ کی مخالفت کی خبر مل چکی تھی اور یہ کہ عمرو بن حزم کا شمار بھی ان مخالفین میں ہوتا ہے، لہٰذا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ خوف لاحق تھا کہ اگر وہ اس اجتماع میں شریک ہوئے تو وہ آراء کو منقسم کر دیں گے اور ان کی مخالفت کی وجہ سے ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا، لہٰذا انہوں نے ان سے اجتماع کے آخر میں اور اکیلے میں ملاقات کی، اور پھر وہی کچھ ہوا جس کا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خدشہ تھا، مگر انہوں نے ان کی تنقید کو برداشت کیا اور انہیں بھاری عطیہ دے کر رخصت کیا۔ [4]

۴۔ اہل مدینہ سے بیعت کا مطالبہ:...... معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوسرے صوبوں کی طرح اہل مدینہ کی طرف بھی خط لکھ کر اس کے امیر سے یزید کے لیے بیعت لینے کا مطالبہ کیا۔ [5] مدینہ منورہ کا امیر مروان بن حکم خطبہ دینے کے لیے اٹھا لوگوں کو اطاعت امیر کی ترغیب دلائی، فتنہ سے خبردار کیا اور انہیں یزید کی بیعت کی دعوت دی، امیر شہر نے کہا کہ یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے اور اس کے لیے اس نے یہ دلیل پیش کی کہ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو ولی عہد مقرر کیا تھا، مگر عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے اس موقف کی سختی سے تردید کی [6] اور انہوں

[1] تاریخ فلسطین، هانی ابو الرب، ص: ۳۱۹-۳۲۰۔ البیان و التبیین: ۱/ ۳۹۲ .

[2] مختصر تاریخ دمشق: ۳/ ۳۸۶۔ مواقف المعارضة فی خلافة یزید، ص: ۸۹ .

[3] مواقف المعارضة فی خلافة یزید، ص: ۹۰ .

[4] مجمع الزوائد: ۷/ ۲۴۸-۲۴۹۔ صحیح الاسناد .

[5] العقد الفرید: ۴/ ۳۷۰-۳۷۲۔ مواقف المعارضة، ص: ۹۸ .

[6] مواقف المعارضة، ص: ۹۹۔ مجمع الزوائد: ۵/ ۲۴۱ . اس کی سند حسن ہے۔

نے اس بیعت اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے درمیان کسی مشابہت کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل خانہ اور خاندان کو چھوڑ کر عدی بن کعب کی اولاد میں سے ایک شخص کا انتخاب کیا تھا اور یہ انتخاب ان کی اہلیت کی بنیاد پر تھا، لہٰذا انہوں نے ان سے بیعت کر لی، انہوں نے مزید فرمایا: یہ بیعت ہرقل اور کسریٰ کی بیعت جیسی ہے۔ اس گفتگو کی وجہ سے عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مروان کے درمیان نزاع کھڑا ہو گیا۔ ❶

دوسری روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: بنوامیہ کے لوگو! تم تین چیزوں سے کسی ایک کا انتخاب کر لو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اپنا لو، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سنت کو اپنا لو یا پھر عمر رضی اللہ عنہ کی سنت کو اختیار کر لو، تم لوگ خلافت کو قیصریت میں تبدیل کرنا چاہتے ہو کہ جب ایک قیصر مر جائے تو اس کی جگہ دوسرا قیصر لے لے۔ ❷ اس پر مروان نے انہیں گرفتار کرنے کا حکم دے دیا، مگر وہ بھاگ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے اور اس طرح مروان انہیں گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ❸

قبل ازیں معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کے لیے مروان کے نام جو خط لکھا تھا اس میں یزید کا نام نہیں تھا۔ اس خط میں صرف یہ تحریر کیا گیا تھا: میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد امت اسلامیہ میں اختلاف پیدا ہو جائے گا، میں چاہتا ہوں کہ کسی ایسے آدمی کا انتخاب کروں جو میرے بعد منصب خلافت سنبھال سکے مگر میں تجھ سے مشورہ کیے بغیر کوئی حتمی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا، لوگوں کے سامنے میری یہ تجویز پیش کرو اور مجھے ان کے جواب سے مطلع کرو۔ مروان نے لوگوں کو اس سے آگاہ کیا تو انہوں نے کہا: معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ درست کیا، ہم چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے لیے ایسے آدمی کے انتخاب میں کوئی کوتاہی نہ کریں، اور اس کے لیے اپنی تمام کاوشوں کو بروئے کار لائیں۔ ❹ مگر جب دوسری دفعہ مروان نے یزید کا نام لیا تو اہل مدینہ نے آغاز کار میں ہی اس سے انکار کر دیا اور عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے جذبات کی ترجمانی کی۔ ❺

مذکورہ بالا واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مروان بن حکم اس مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہا جس کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے مکلف ٹھہرایا تھا، چنانچہ انہوں نے خود حجاز آ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف سے آگاہ ہونے کا فیصلہ کیا، چنانچہ آپ ماہ رجب ۵۶ھ میں عمرہ کرنے کے لیے حجاز تشریف لائے۔ ❻ جب عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کی آمد کا علم ہوا تو وہ مدینہ منورہ سے نکل کر مکہ مکرمہ جا پہنچے۔ ❼ جب معاویہ رضی اللہ عنہما رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے تو انہوں نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے انہیں یزید کی

❶ مجمع الفوائد: ٥/ ٢٤١۔ اس کی سند حسن ہے۔

❷ بخاری، رقم الحدیث: ٤٨٢٧۔ ❸ بخاری، رقم الحدیث: ٤٨٢٧۔

❹ المدينة فی العصر الاموی، ص: ٨٨، نقلا عن الكامل فی التاريخ۔

❺ مواقف المعارضة، ص: ٩٩۔ ❻ البداية و النهاية: ١١/ ٣٠٥۔

❼ التاريخ الصغير للبخاری: ١/ ١٠٣۔ اس کی سند حسن ہے۔

بیعت کرنے کی ترغیب دلائی اور ان پر واضح کیا کہ یزید دوسروں سے زیادہ خلافت کا حق دار ہے۔ [1] پھر کہنے لگے: ہم نے یزید کی بیعت کر لی ہے اس پر لوگوں نے بھی اس سے بیعت کر لی۔ [2]

یوں لگتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس خدشے کا ذکر کیا تھا کہ اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا تو انہیں جان سے ہاتھ دھونے پڑ سکتے ہیں۔ انہیں یہ خدشہ اہل شام کی طرف سے تھا جن کے نزدیک اس بات کا تصور کرنا بھی ناممکن تھا کہ کوئی شخص امیر المومنین سے کسی ایسے مسئلہ کے بارے میں اختلاف کر سکتا ہے جس پر لوگوں کی اکثریت کا اتفاق ہو چکا ہو۔ بتایا جاتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! یا تو ابن عمر بیعت کریں گے یا پھر میں انہیں قتل کر ڈالوں گا۔ جب یہ خبر عبداللہ بن صفوان کو ملی تو وہ بڑے غضب ناک ہوئے اور اس خبر کی صحت کی صورت میں ان سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ [3] مگر پھر جب انہوں نے اس بارے معاویہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو انہوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو میں قتل کروں گا؟ اللہ کی قسم! میں انہیں قتل نہیں کر سکتا۔ [4]

الف:......عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں

جب معاویہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ پہنچے اور مناسک حج سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے پاس بلایا اور فرمانے لگے: ابن عمر! آپ تو کہا کرتے تھے کہ میں امیر کے بغیر ایک رات بھی گزارنا پسند نہیں کرتا۔ میں تمہیں امت کی وحدت پارہ پارہ کرنے سے خبردار کرتا ہوں اور میں تمہیں لوگوں میں فساد کھڑا کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ مگر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کو مسترد کرتے ہوئے انہیں خلفائے راشدین کی بیعت کے طریقہ سے آگاہ کیا اور انہیں بتایا کہ اس وقت ان کے ایسے بیٹے بھی موجود تھے جو یزید سے بہت بہتر تھے مگر انہوں نے اپنے بیٹوں میں وہ چیز نہیں دیکھی جو معاویہ رضی اللہ عنہ یزید میں دیکھ رہے ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے سامنے اس امر کی بھی وضاحت کر دی کہ وہ مسلمانوں کی وحدت کو ختم نہیں کرنا چاہتے اور یہ کہ امت محمدیہ جس چیز پر اتفاق کرے گی وہ بھی اس سے موافقت کریں گے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس بات نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا سینہ ٹھنڈا کر دیا اور وہ کہنے لگے: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ. [5]

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یزید سے اس شرط پر بیعت کرنے کا وعدہ کیا تھا اگر اس کی بیعت پر مسلمانوں کا اجماع ہو جائے تو [6] معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے ایک لاکھ درہم بھیجے اور پھر جب انہوں نے انہیں یزید کی بیعت کے لیے

---

[1] تاریخ خلیفة، ص: ۲۱۳-۲۱۴۔ اس کی سند حسن ہے۔
[2] الاباطیل و المناکیر و الصحاح و المشاهیر: ۱/ ۲۶۲۔ اس کی سند صحیح ہے۔
[3] التقریب، ص: ۳۰۸۔ آپ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ۷۳ھ میں کعبہ مشرفہ میں مقتول ہوئے۔
[4] الطبقات: ۴/ ۸۳۔ صحیح سند کے ساتھ۔ مواقف المعارضة، ص: ۱۰۱-۱۰۲۔
[5] تاریخ خلیفة، ص: ۲۱۴-۲۱۵۔ صحیح سند کے ساتھ۔
[6] الفقهاء و الخلفاء، و سلطان خالد، ص: ۵۸۔

بلایا تو وہ کہنے لگے: تمہارا خیال ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما یہی کچھ چاہتے تھے؟ پھر تو میرا دین بڑا سستا ہے۔ [1] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک بیعت کے بدلے میں درہم وصول کرنا جائز نہیں تھا، اس لیے کہ یہ بات رشوت کے زمرے میں آتی ہے۔ اگر بیعت حق ہے تو ان کے لیے حق کی اجرت لینا جائز نہیں ہے اور اگر وہ باطل ہے تو پھر مال کے بدلے اس شخص سے بیعت کرنا جائز نہیں ہے جو اس کا استحقاق نہ رکھتا ہو۔ [2] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف یہ تھا کہ حکومت وراثت کے انداز میں منتقل نہیں ہوتی اور نہ ہی مال کے بدلے بیعت لینا جائز ہے۔ [3]

ب:...... عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں:

ابن عمر رضی اللہ عنہما معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس سے باہر گئے تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلا لیا اور ان سے اس موضوع پر گفتگو شروع کر دی، مگر انہوں نے انہیں بات کرنے سے روک دیا اور انہیں بڑے سخت لہجے میں جواب دیتے ہوئے بتایا کہ وہ یزید کی بیعت کا راستہ روکیں گے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ یہ فیصلہ شوریٰ کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنگ کی دھمکی بھی دی، پھر جب وہ اٹھ کر جانے لگے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا اللہ! تو جس چیز کے ساتھ چاہے مجھے ان سے کفایت کر، معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ حوصلہ مندی کا مظاہرہ کریں اور اہل شام کے سامنے بیعت کا اعلان نہ کریں ورنہ وہ انہیں قتل کر دیں گے۔ جب لوگ یزید سے بیعت کر لیں تو اس کے بعد ان کی جو بھی رائے ہو اس کا اظہار کر لیں۔ [4] حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے زیادہ مناسب یہی تھا کہ وہ اہل شام سے یہی چاہتے کہ جو ان کی مخالفت کرے اہل شام اس سے تعرض نہ کریں۔

ج:...... عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما:

پھر انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو طلب کیا اور انہیں اس امر سے متہم کیا کہ یزید کی بیعت میں اصل رکاوٹ وہ ہیں اور یہ کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن ابوبکر رضی اللہ عنہ جو کچھ کر رہے ہیں اس کے پیچھے بھی انہی کا ہاتھ ہے۔ مگر ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کے اس موقف کی تردید کرتے ہوئے ان سے مطالبہ کیا کہ اگر وہ یزید کی بیعت کے لیے مُصر ہیں تو خود خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہوئے اپنی جگہ یزید کو خلیفہ مقرر کر دیں تو میں اس کی بیعت کر لوں گا۔ انہوں نے موجودہ صورت حال میں یزید کی عدم بیعت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا کہ: ''ایک ہی وقت میں دو آدمیوں کی بیعت کرنا جائز نہیں ہے۔'' [5] پھر فرمایا: معاویہ! مجھے یہ خبر تم نے ہی دی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب زمین میں دو خلیفے سامنے آ جائیں تو ان میں سے ایک کو قتل کر ڈالو۔'' [6]

---

[1] الطبقات: ٤/ ١٨٢ .

[2] موسوعة فقه عمر رضی اللہ عنہ ، ص: ١٥٣ قلعجی .

[3] الفقهاء و الخلفاء ، ص: ٥٩ .

[4] تاريخ خليفة ، ص: ٢١٤۔ تاريخ ابی زرعة: ١/ ٢٢٩۔ صحیح سند کے ساتھ۔

[5] تاريخ خليفة ، ص: ٢١٤۔ حسن سند کے ساتھ۔ حلية الاولياء: ١/ ٣٣٠-٣٣١ .

[6] المعجم الكبير للطبرانی: ١٩/ ٣١٤۔ مجمع الزوائد: ٥/ ١٩٨۔ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کے راوی ثقہ ہیں۔

د:...... حسین بن علی رضی اللہ عنہما:

گزشتہ روایت ان لوگوں کے ضمن میں حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں کرتی جن کے ساتھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کے بارے میں مشورہ کیا تھا۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اہل عراق اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے تعلقات کا ادراک تھا اور یہ کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھتے رہتے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد انہیں خلافت کی امیدیں دلاتے رہتے ہیں، پھر یہ بات بھی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے طویل گفتگو کی جو کہ بظاہر خلافت کے بارے میں ہی تھی اور یہ ایسی بات تھی جس نے یزید کو ناراض کر دیا اور وہ اپنے باپ سے کہنے لگا: یہ آدمی تمہارے راستے میں روڑے اٹکاتا رہتا ہے۔ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اسے چھوڑیں، شاید یہ میرے علاوہ کسی اور سے خلافت کا مطالبہ کرے مگر وہ اسے اس میں کامیاب نہ ہونے دے اور اسے قتل کر ڈالے۔ ❶

معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان ہونے والے مذاکرات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیعت یزید سے دو اسباب کی وجہ سے انکاری تھے:

الف: یزید اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان باپ بیٹے کا تعلق تھا اور یہ خلفائے راشدین کا طریقہ نہیں تھا۔

ب: انہوں نے اس بیعت کے بطلان اور اس کے رد کرنے پر اس نص صریح سے استدلال کیا جو ایک ہی وقت میں دو آدمیوں سے بیعت کرنے کو ناجائز قرار دیتی ہے۔

اس جگہ جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ معارضین نے یزید میں کسی عیب کا ذکر نہیں کیا تھا۔

وگرنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ یزید کی ان صفات سے ناواقف رہتے جن کے ساتھ بعد ازاں اسے متہم کیا گیا اور خاص طور پر اس وقت جو اس امر کا متقاضی تھا کہ اس میں مخالف کی ہر دلیل کا توڑ کیا جاتا۔ ❷ حقیقت یہ ہے کہ بعض لوگوں میں اور خاص طور پر مہاجرین کے بیٹوں میں یہ شعور بڑا قوی تھا کہ جو معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے وہ مسلمانوں کی خلافت کس طرح سنبھالے ہوئے ہیں جبکہ وہاں کچھ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ان سے پہلے مشرف باسلام ہوئے اور جو اُن سے خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔ ❸ جبکہ بعض لوگ عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعبیر میں قیصریت و ہرقلیت کے خوف سے یزید کی تقدیم پر معترض تھے۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ بیعت یزید پر ابنائے صحابہ کی تنقید کا تعلق یزید کی ذات کے ساتھ نہیں بلکہ یہ ان کا اپنا اپنا نکتہ نظر ہے جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا نکتہ نظر ان سے مختلف ہے اور یہ کہ ان لوگوں کا موقف یہ ہے کہ منصب خلافت میں خاندانی تعلقات یا ذاتی رجحانات کا عمل دخل نہیں ہونا چاہیے اور خلیفہ کی قدر و قیمت اور اس کا انتخاب اس سے سابق خلیفہ کے ساتھ اس کے تعلق پر مبنی نہیں ہونا

❶ طبقات ابن سعد، ص: ۳۵۷۔ نقلا عن مواقف المعارضة، ص: ۱۰٦۔ اس کی سند حسن ہے۔

❷ مواقف المعارضة فی خلافة یزید، ص: ۱۰٤.

❸ مصنف ابن ابی شیبة: ۹۰/ ۱۱۱۔ صحیح سند کے ساتھ۔

چاہیے۔ ❶ تو معاویہ رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ملاقات کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور ابن ابوبکر رضی اللہ عنہما نے یزید سے بیعت نہیں کی، انہوں نے سمع وطاعت کی ہے اور یزید سے بیعت کر لی ہے۔ اس پر اہل شام کہنے لگے: واللہ! ہم تو اس وقت راضی ہوں گے جب یہ لوگ لوگوں کے سامنے بیعت کریں گے اور اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ہم ان کی گردنیں اڑا دیں گے۔ یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا: یہیں رک جاؤ، لوگ قریش کے ساتھ کس قدر جلد بدسلوکی کا مظاہرہ کرتے ہیں، میں آج کے بعد یہ بات کسی کے منہ سے نہ سنوں۔ پھر وہ منبر سے نیچے اتر آئے اور لوگ کہنے لگے: ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابن ابوبکر رضی اللہ عنہما اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیعت کر لی ہے جبکہ وہ اس سے انکار کرتے رہے اور معاویہ رضی اللہ عنہ شام چلے گئے۔ ❷ اس صحیح روایت سے اس روایت کا جھوٹ عیاں ہوتا ہے جو معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بات سے متہم کرتی ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہم میں سے ہر آدمی کے سر پر دو دو آدمی بٹھا دیئے اور ہر پہرے دار کو یہ بات سمجھا دی کہ ان میں سے جو شخص بھی بیعت سے انکار کرے اس کی گردن اڑا دی جائے، چنانچہ دوسرے لوگوں کے ساتھ ابن عمر، ابن زبیر اور ابن ابی بکر نے بھی طاقت استعمال کرنے کی دھمکی کی وجہ سے یزید سے بیعت کر لی۔ یہ روایت سند کے اعتبار سے تو ضعیف ہے ہی متن کے اعتبار سے بھی ضعیف ہے اور جو باریک بینی پر مبنی تنقید کا سامنا نہیں کر سکتی۔ ❸ مثلاً اس روایت کے شروع میں وارد ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو وہ اپنے محافظ سے کہنے لگے: میرے سوار کردہ آدمی کے علاوہ کسی کو بھی میرے ساتھ نہ چلنے دینا۔ پھر وہ تن تنہا چلنے لگے یہاں تک کہ جب وہ پیلو کے درختوں کے درمیان پہنچے تو حسین بن علی رضی اللہ عنہما ان کی ملاقات کے لیے آئے، آپ رک گئے اور فرمانے لگے: ہم جگر گوشۂ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان نوجوانوں کے سردار کو خوش آمدید کہتے ہیں، پھر انہوں نے ابوعبداللہ کو سوار کرنے کے لیے سواری منگوائی، پھر عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما تشریف لائے تو انہیں بھی خوش آمدید کہا اور پھر انہیں سواری پر بٹھایا، پھر ابن زبیر رضی اللہ عنہما تشریف لائے تو آپ نے انہیں بھی اہلاً وسہلاً ومرحبا کہا اور پھر ان کے لیے سواری منگوائی جس پر وہ سوار ہو گئے، اور یوں انہوں نے مکہ مکرمہ پہنچ کر مناسک حج ادا کیے۔ ❹ اس روایت کے دوسرے حصے میں جو یہ بتایا گیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہر آدمی کے سر پر دو پہرے دار بٹھا دیئے اور انہیں حکم دیا کہ ان میں سے جو شخص بھی بیعت یزید سے انکار کرے اس کا سر قلم کر دیا جائے، تو یہ دو امور کی وجہ سے ناممکن ہے:

---

❶ مقدمة فی تاریخ صدر الاسلام، الدوری، ص: ٦٤ .

❷ تاریخ خلیفة، ص: ٢١٤ حسن سند کے ساتھ۔

❸ مواقف المعارضة، ص: ١٠٦ .

❹ تاریخ خلیفة، ص: ٢١٥۔ ناقابل اعتماد ضعیف روایت۔

۱۔ کیا یہ بات انتہائی تعجب خیز نہیں ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیٹوں کے بارے میں اس طرح کی متشددانہ پالیسی اپنائیں حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی یہ تشدد روا رکھیں اور اس طرح اختلاف کو وسعت دینے اور ایک طرف اپنے اور یزید کے درمیان اور دوسری طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بیٹوں کے درمیان دوریاں پیدا کر دیں؟

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور حسین رضی اللہ عنہم کے سروں پر چوکیدار کھڑے ہوں گے تو کیا یہ منظر لوگوں کی نظروں میں یزید کے مقام و مرتبہ کو مزید گرانے کا باعث نہیں ہوگا اور کیا یہ سامنے کا منظر لوگوں کو اس امر سے آگاہ نہیں کرے گا کہ یہ پہرے دار گھات لگائے بیٹھے ہیں اور ان کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں اور اس طرح لوگوں کو پورا یقین ہو جاتا کہ یہ بیعت زبردستی اور دھوکے پر مبنی ہے اور وہ اس سے انکار کر رہے ہیں۔ [1]

ثالثًا:...... یزید کی ولی عہدی کی تجویز کی تاریخ

یزید بن معاویہ کو ولی عہد کب نامزد کیا گیا؟ اس بارے مصادر کا مندرجہ ذیل اختلاف ہے:

۱۔ خلیفہ بن خیاط [2] اور ذہبی [3] ذکر کرتے ہیں کہ یہ ۵۱ھ کی بات ہے۔

۲۔ ابن عبدربہ [4] ذکر کرتے ہیں کہ یہ ۵۵ھ کا واقعہ ہے۔

۳۔ طبری [5]، ابن جوزی [6]، ابن الاثیر [7] اور ابن کثیر [8] بتاتے ہیں کہ یہ ۵۶ھ کا واقعہ ہے۔

مذکورۃ الصدر تاریخوں کا جائزہ لینے کے بعد ۵۱ ہجری میں یزید بن معاویہ کی ولی عہدی کے لیے نامزدگی مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر غلط قرار پاتی ہے: [9]

الف: اسی سال یعنی ۵۱ ہجری میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات ہوئی تھی اور نامزدگی کی قرارداد پیش کرنے کے لیے وقت کی ضرورت تھی تاکہ معاویہ رضی اللہ عنہ اس کا جائزہ لے سکتے اور اس بارے مشاورت کر لیتے۔ مزید برآں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے فوراً بعد نامزدگی کی قرارداد کا اعلان حکمت پر مبنی نہیں تھا۔

ب: ۵۱ ہجری ہی میں حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا، لہٰذا اس وجہ سے بھی یزید کی ولی عہدی کی نامزدگی کا اعلان دانش مندانہ نہیں تھا، اس لیے کہ لوگ اس قسم کی جرأت مندانہ قرارداد کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھے، جبکہ لوگوں کے سامنے اس کے اعلان کے لیے وقت کا انتخاب اس کی کامیابی کا اہم ترین عامل تھا۔ [10]

---

[1] مواقف المعارضة فی خلافة یزید، ص: ۱۱۰۔
[2] تاریخ خلیفة، ص: ۲۱۳۔
[3] تاریخ الاسلام (عهد معاویه)، ص: ۱٤۷۔
[4] العقد الفرید: ٤/ ۳۳۸۔
[5] تاریخ طبری: ٦/ ۲۱۹۔
[6] المنتظم: ٥/ ۲۸٥۔
[7] البدایة و النهایة: ۱۱/ ۳۰٥۔
[8] الکامل فی التاریخ: ۲/ ٥۰۸۔
[9] مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری، ص: ٤٥۰۔
[10] صحیح بخاری بمع فتح الباری: ۸/ ٤۳۹۔

ج: یزید کی ولی عہدی کے لیے نامزدگی حجاز پر ❶ مروان بن حکم کی حکومت کے دوران ہوئی اور وہ بلا شک اس کی حکومت کا دوسرا عرصہ ہے جو کہ ۵۴ ہجری سے ۵۷ ہجری کے درمیان ہے اور یہ اس لیے کہ مروان کی ولایت کا پہلا عرصہ ۴۲-۴۹ ہجری کو محیط ہے۔

اب یزید کی ولی عہدی کی نامزدگی کے اعلان کے لیے دو ہی تاریخیں باقی رہ جاتی ہیں اور وہ ہیں ۵۵ ہجری اور ۵۶ ہجری۔ یہ دونوں تاریخیں ایک دوسری کی تکمیل کرتی ہیں۔ جیسا کہ آگے چل کر اس کی وضاحت کی جائے گی۔ مگر اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی وجہ ہے جس نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے یزید کی ولی عہد کے طور پر نامزدگی کے اعلان کو ۵۵ ہجری یا ۵۶ ہجری تک موخر کرنے کے لیے مجبور کیا، جبکہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما ۵۱ ہجری میں وفات پا گئے تھے۔ اس سوال کا جواب ۵۵ ہجری میں وقوع پذیر ہونے والے ایک اہم واقعہ کی معرفت میں پنہاں ہے اور وہ یہ کہ اس سال ان چھ حضرات میں سے آخری شخص سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے جنہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد کیا تھا۔

رابعاً:......عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی وفات

بعض مورخین نے عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید اور یزید بن معاویہ کی بیعت میں تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب امیر نے دیکھا کہ اہل شام عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کو روم میں ان کی حربی خدمات کی وجہ سے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے خوف زدہ ہو گئے، چنانچہ انہوں نے اپنے نصرانی طبیب ابن اثال کو انہیں زہر دینے کا حکم دیا، جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ ❷ جبکہ ابن الکلبی ان کی موت کا ایک دوسرا سبب بتاتے ہیں اور وہ یہ کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کسی آدمی کو امور سلطنت تفویض کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے اس بارے لوگوں سے رائے لی تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن خالد کا نام تجویز کیا۔ یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور اس بات کو اپنے دل میں رکھ لیا۔ پھر عبدالرحمٰن بیمار ہوئے تو انہوں نے اپنے طبیب ابن اثال کو بلایا اور اسے عبدالرحمٰن کو زہر دینے کا حکم دیا۔ ❸ مگر یہ روایات ایسی ہیں کہ ضعیف الاسناد ہونے کے ساتھ ساتھ امر واقع کے ساتھ ان کے متن کا بھی اختلاف ہے، اور وہ اس طرح کہ جیسا کہ معروف ہے امراء کو معزول کرنے یا کسی کو منصب ولایت پر فائز کرنے کا اختیار ان کے پاس تھا۔ دریں حالات ان کے لیے عبدالرحمٰن بن خالد کو رومی سرحد پر متعین موسم گرما کے لشکر کی قیادت سے الگ کرنا کوئی امر دشوار نہیں تھا اور نہ یہ کچھ مشکل ہی تھا کہ وہ انہیں کسی قسم کی کوئی اہمیت نہ دیتے اور اس طرح وہ کسی ایسے مقام و مرتبہ کے حامل نہ رہتے جس سے کوئی خوف محسوس کیا جا سکتا۔ جبکہ یہ بھی وارد ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر کے ان کی جگہ

❶ مرویات خلافة معاویة، ص: ٤٥٢۔ سیر اعلام النبلاء: ١/ ١٢٣.

❷ تاریخ الطبری: ٦/ ١٤٣۔ یہ روایت ضعیف ہے۔

❸ کتاب الامثال، قاسم بن سلام، ص: ١٩٢۔ ضعیف الاسناد.

سفیان بن عوف غامدی ❶ کو موسم گرما کے ایک فوجی لشکر پر متعین کر دیا تھا۔ ❷ بلکہ معاویہ رضی اللہ عنہ تو عبدالرحمٰن بن خالد سے بڑے اور طاقت ور امراء کو بھی ان کے منصب امارت سے معزول کر دیا کرتے تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں کس طرح قتل کروا سکتے تھے جبکہ طبری ۴۸ ہجری کے بحری غزوہ کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اہل مصر کا قائد عقبہ بن عامر جہنی اور اہل مدینہ کا قائد منذر بن زہیر تھا اور ان سب کی قیادت خالد بن عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کے ہاتھ میں تھی۔ ❸ معاویہ رضی اللہ عنہ اس بات پر کیسے راضی ہو گئے کہ بیٹا اپنے باپ کے بعد بہت بڑا قائد بن جائے، پھر اگر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے باپ کے قاتل تھے تو پھر وہ ان کے لشکر کی قیادت پر کس طرح راضی ہو گئے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ان کا بیٹا اس بات سے آگاہ نہ ہو جبکہ وہ ان کے بہت زیادہ قریب بھی ہو؟ ❹ یہ سب کچھ کھلی کذب بیانی ہے اور جس میں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ بیعت یزید اور عبدالرحمٰن بن خالد کی موت میں کوئی تعلق پیدا کیا جائے۔ یہ جھوٹ اس جھوٹ جیسا ہی ہے جس میں حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور یزید کی بیعت کے درمیان تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی زہر کے ساتھ موت کی خبر کو قاسم بن سلام اور ابن حبیب بغدادی ❺ نے وارد کیا ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ اس کا سبب عبدالرحمٰن کی طرف سے ولایت عہد میں یزید کا مقابلہ کرنے کا خوف تھا۔ ❻ یہ خبر بلاذری، ❼ ابوالفرج اصفہانی ❽ اور ابو ہلال عسکری ❾ نے بھی وارد کی ہے، مگر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کو زہر دینے کی خبر صحیح سند کے ساتھ وارد نہیں ہوئی بلکہ وہ اس محترم صحابی پر جھوٹی تہمت ہے۔ ❿ اس بارے ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن جریر وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی جس کو ابن اثال کہا جاتا تھا اور جو حمص کے علاقوں میں ذمیوں کا رئیس تھا اس نے انہیں زہر آلود مشروب پلایا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس نے یہ کام معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے کیا مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ ⓫

خامسًا:...... ولایت عہد کے لیے یزید کی نامزدگی کے اسباب

ا۔ وحدت امت کی حفاظت:...... معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد کے طور پر نامزد کرتے وقت یہ سوچ اپنائی

❶ تهذيب تاريخ دمشق: ٦/ ١٨٥ .

❷ انساب الاشراف: ٤/ ١٠٤ ـ مواقف المعارضة فى خلافة يزيد، ص: ٩٢ .

❸ تاريخ طبرى: ٦/ ١٤٧ .

❹ مواقف المعارضة فى خلافة يزيد، ص: ٩٣ .

❺ المنمق فى اخبار قريش، ص: ٣٦٠ .

❻ یہ تعلیل فاسد ہے اس لیے کہ ولی عہد کے لیے یزید کی نامزدگی ۵۶ ہجری میں منظر عام پر آئی، یعنی حسن بن علی، سعد بن ابووقاص اور سعید بن زید رضی اللہ عنہم اجمعین کی وفات کے بعد۔

❼ انساب الاشراف: ٤/ ١٠٩ .

❽ الاغانى: ١٦/ ١٩٧ .

❾ جمهرة الامثال: ٢/ ٣٨٥ .

❿ مرويات خلافة معاوية، ص: ٣٨٤ .

⓫ البداية و النهاية: ١١/ ١٧٤ .

کہ اسے اہل شام کی بھرپور تائید حاصل ہوگی جو کہ اموی حکومت کے استحکام کا انتہائی طاقتور عامل تھے۔ انہوں نے اپنے آخری سفر حج کے دوران کبار ابنائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تائید حاصل کرنے کی کوششوں کے وقت بتایا تھا کہ یزید کے لیے جلدی بیعت لینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اختلاف امت سے خائف ہیں۔ ❶ جس کا ان کی موت کے بعد اسے سامنا ہوسکتا ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ایسی نئی جنگ میں پھنس کر رہ جائے جس کی وسعت کا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو علم نہ ہو۔ ❷ معاویہ رضی اللہ عنہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی بھیڑ کی طرح چھوڑنے سے ڈرتے تھے جس کا کوئی چرواہا نہ ہو۔ ❸ لہٰذا انہوں نے کسی ایسے شخص کے انتخاب کے لیے کام کرنا شروع کر دیا جو ان کے بعد منصب خلافت سنبھال سکے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے اولیٰ یہ تھا کہ وہ اسلامی معاشرہ کے معززین پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ تشکیل دیتے اور ارکان شوریٰ منصب خلافت کے اہل کسی شخص کا انتخاب کرتے اور وہ خود اپنے بیٹے کی نامزدگی سے دُور رہتے، اس لیے کہ یزید کا انتخاب امت اسلامیہ کو قتل و قتال اور خون ریزی سے بچانے کی ضمانت نہیں دے سکتا تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ سب کچھ ہو کر رہا جس کا خطرہ محسوس کیا جا رہا تھا۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ جو کچھ بھی ہوا وہ یزید کی ذات کی وجہ سے ہوا، اور خلیفہ کے انتخاب میں شوریٰ کی جگہ نظام وراثت کو اپنانے کی وجہ سے ہوا۔ علیٰ کل حال معاویہ رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کیا مگر وہ اس اجتہاد میں مصیب نہیں تھے۔ وہ اپنی صلاحیت اور بلند تر سیاسی برتری کے باعث اپنی زندگی میں اپنے بعد خلافت کے معاملہ میں قریش سے کسی ایسے شخص کو منتخب کر کے امت اسلامیہ کو متحد رکھ سکتے تھے جس کی حسن سیرت و کردار کی لوگ ان کے بیٹے یزید سے زیادہ گواہی دیتے اور شام، عراق اور بلاد حجاز وغیرہ میں موجود اسلامی معاشرہ کے سرکردہ لوگ اس پر اتفاق کر لیتے۔

۲۔ قبائلی تعصب کی قوت:...... معاویہ رضی اللہ عنہ اہل شام کی نصرت و معاونت سے ہی منصب خلافت پر فائز ہوئے تھے۔ یہ لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے اطاعت گزار اور بنوامیہ کے ساتھ محبت کرنے والے تھے۔ اس اطاعت گزاری اور محبت کی ایک دلیل یہ ہے کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے یزید کی خلافت کی تجویز پیش کی تو انہوں نے بالاتفاق موافقت کی اور ان میں سے کسی ایک شخص نے بھی اختلاف نہ کیا اور انہوں نے ولی عہد کے طور پر یزید سے بیعت کر لی۔ ❹ بلاد شام میں بنوامیہ کے لیے عصبیت کی قوت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مروان بن حکم اہل شام کی مدد سے ہی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے عمال پر غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ بعد ازاں اس کا بیٹا عبدالملک بن مروان بھی اہل شام ہی کی مدد سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو گرفت میں لانے اور بالآخر ۷۳ ہجری میں انہیں قتل کرنے میں کامیاب ہوا، اہل شام نے نہ صرف یہ کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی اطاعت قبول نہ کی بلکہ اہل عراق نے ان کے بھائی

---

❶ دراسات فی النظم، ڈاکٹر توفیق الیوزکی، ص: ٤١. ❷ مواقف المعارضة، ص: ١٣١.

❸ تاریخ طبری: ٦/ ٢٢٢. ❹ مواقف المعارضة فی خلافة یزید، ص: ١٣١.

مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ غداری کی اور عبدالملک بن مروان کے ساتھ جا ملے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ امت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر مجتمع نہ ہوسکی، حالانکہ اس وقت کوئی ایک شخص بھی ان جیسے فضائل و مناقب اور مقام و مرتبہ کا حامل نہیں تھا؟ بلکہ صورت حال اس کے بالکل برعکس رہی، عبدالملک بن مروان جو کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بیٹوں کا ہم عمر تھا مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے میں کامیاب ہوگیا۔ [1] الغرض اہل شام کی عصبیت ہی یزید کی ولی عہدی کا اہم سبب تھی نہ کہ بنوامیہ کی عصبیت۔ اس لیے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو منصب خلافت پر فائز کرنے میں اموی خاندان کا کوئی خاص کردار نہیں تھا، ابن خلدون نے یزید کو ولی عہد بنانے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار کے دفاع کی بنیاد اس بات پر رکھی ہے کہ مصلحت اسی کی متقاضی تھی۔ ابن خلدون رقمطراز ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ کو جس چیز نے دوسروں سے ہٹ کر اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد کے طور پر نامزد کرنے کی دعوت دی وہ انسانی معاشرہ میں مصلحت کو ملحوظ رکھنا تھا، اس لیے کہ اس وقت بنوامیہ اپنے علاوہ کسی کو اس منصب کے لیے پسند نہیں کرتے تھے۔ بنوامیہ قریش کا ہی ایک گروہ تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دوسروں کو چھوڑ کر جن کے بارے سمجھا جاتا تھا کہ وہ یزید سے کہیں بہتر ہیں اسے پسند کیا اور یوں فاضل سے مفضول کی طرف انحراف کے مرتکب ہوئے اور یہ سب کچھ امت میں اتفاق و یکجہتی کو قائم رکھنے کی غرض سے کیا گیا جس کی شارع علیہ السلام کے نزدیک بڑی اہمیت ہے۔ اگرچہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس کے علاوہ اور کسی چیز کا گمان نہیں کیا جا سکتا، ان کی عدالت اور شرف صحابیت علاوہ ازیں کے لیے مانع ہے۔ اس مقصد کے لیے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا حاضر ہونا اور اس سے سکوت اختیار کرنا اس بارے رفع شک کی دلیل ہے۔ نہ تو وہ لوگ ہی قبول حق میں نرمی کا مظاہرہ کر سکتے تھے اور نہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی عزت قبول حق سے روک سکتی تھی۔ یہ لوگ ان باتوں سے بالاتر تھے۔ [2] مزید فرماتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ نے تشتت و افتراق کے ڈر سے یزید کو ولی عہد مقرر کیا، اس لیے کہ بنوامیہ اپنے علاوہ کسی اور کو حکومت تفویض کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ [3] یعنی بنوامیہ کی قوت عصبیت، حکومتی غلبہ اور دوسروں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے نفرت نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بنوامیہ میں سے ہی کسی شخص کو خلافت کے لیے نامزد کرنے پر مجبور کر دیا، اور وہ ان کا بیٹا قرار پایا، انہیں یہ خوف لاحق تھا کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں امت گروہ بندی اور اختلاف کا شکار ہو جائے گی۔ [4]

یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے یزید کے علاوہ قریش سے کسی اور باصلاحیت شخص کا نام تجویز کرتے اور اس کے لیے اصحاب الرائے لوگوں سے مشاورت کرتے اور پھر اس کی کھل کر حمایت کرتے اور اپنا سارا وزن اس کے پلڑے میں ڈال دیتے اور پھر اہل حل و عقد سے ولی عہد کے طور پر اس کی

[1] مواقف المعارضة فی خلافة یزید، ص: ۱۳۲.
[2] مقدمه ابن خلدون: ۱/ ۲۶۲- ۲۶۳.
[3] مقدمه ابن خلدون: ۱/ ۲۵۷- ۲۵۸.
[4] مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری، ص: ٤٦٢.

بیعت کا مطالبہ کرتے تو کیا کوئی شخص ان پر اعتراض کرسکتا تھا؟ یقیناً نہیں اور یہ اس لیے کہ امیر المومنین اس کے خود داعی ہوتے اور ولی عہد کے لیے جس شخص کا نام پیش کیا جاتا وہ ایسا شخص ہوتا جس کی نامزدگی اور بیعت میں امت اسلامیہ اور حکومت کی مصلحت ہوتی اور یہ معاملہ ہر قسم کے شکوک وشبہات اور جذبات سے مبرا ہوتا تو کیا آپ بھی میری طرح یہ نہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا ممکن بھی تھا اور اس سے ولایت عہد کا مقصد بھی پورا ہو جاتا اور وہ مقصد تھا: مسلمانوں میں اختلاف کے دروازے بند کرنا اور امت اسلامیہ کو نئے سرے سے لاحق ہونے والے تنازعات اور فتنوں کے خطرات سے محفوظ رکھنا۔ [1]

۳۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنے بیٹے سے محبت:......ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کے بعد ان سے یہ وعدہ کیا تھا کہ آپ میرے بعد منصب خلافت پر فائز ہوں گے، پھر جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یزید کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی اور انہوں نے اسے خلافت کے اہل خیال کیا اور یہ باپ کی اپنے بیٹے کے ساتھ شدید محبت کی وجہ سے تھا، نیز اس لیے بھی کہ وہ اس میں دنیوی نجابت وخوبی دیکھ رہے تھے اور خاص طور پر بادشاہوں کی اولاد کی طرح جو جنگوں سے آشنا ملکی ترتیب وتنسیق کے شناسا اور اس کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی صلاحیت سے متصف ہوتے ہیں، ان کے خیال میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیٹوں میں سے کوئی ایک بھی اس معنی میں اس کے ہم پلہ نہیں تھا۔ [2] عمرو بن حزم انصاری بیعت یزید کے خلاف تھے، انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اللہ یاد دلایا اور ان سے انجام کار کو پیش نظر رکھنے کا مطالبہ کیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا: آپ خیر خواہ انسان ہیں، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے اس امر کی وضاحت کی کہ میدان عمل میں اب میرا بیٹا ہے یا پھر ان کے بیٹے ہیں اور میرا بیٹا ان کے بیٹوں سے زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔ [3] یزید بعض ایسی صفات سے متصف تھا جنہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اسے ولی عہد نامزد کرنے پر دلیر کیا۔ امام ذہبی یزید کے حالات زندگی قلم بند کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یزید طاقتور اور بہادر تھا، صاحب رائے اور پختہ کار تھا، بڑا دانا و بینا اور فصیح المقال تھا۔ [4] ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یزید قابل تعریف عادات وخصال کا حامل بھی تھا، مثلاً جود وکرم، حلم وحوصلہ، فصاحت وبلاغت، شعر وشاعری، شجاعت اور حکومت کے بارے میں حسن رائے۔ [5]

شاید انہی صفات کی وجہ سے ہی معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا ہو کہ یزید خلافت سنبھالنے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہے۔ [6]

---

[1] العالم الاسلامی فی العصر الاموی، ص: ۱۲۶.

[2] البدایة و النهایة نقلا عن مرویات خلافة معاویة، ص: ۴۵۹-۴۶۰.

[3] مجمع الزوائد: ۷/ ۲۴۸-۲۴۹. اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ (الاصابة: ۴/ ۶۲۱) اس کے راوی ثقہ ہیں۔

[4] سیر اعلام النبلاء: ۴/ ۳۷.

[5] البدایة و النهایة: ۱۱/ ۶۴۶.

[6] احداث و احادیث فتنة الهرج، ص: ۲۰۴.

اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بیٹے یزید سے افضل اور اس سے زیادہ باصلاحیت تھے، مگر اس کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہوسکتا ہے کہ اپنے بیٹے میں ایسی صلاحیت اور طاقت دیکھی ہو جو امت کی قیادت کے لیے ضروری تھی اور وہ اس سے عاری تھے، اس لیے کہ اس نے اپنے باپ کے ساتھ زندگی گزاری اور اہل شام ہمیشہ اس کی نصرت و معاونت کرتے رہے اور اس سے دوستی نبھاتے رہے، علاوہ ازیں وہ اپنے دور کے سیاسی نشیب و فراز کا بھی بڑے قریب سے مشاہدہ کرتا رہا تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے یزید سے عدل و انصاف کے حریص اور خلفائے راشدین کی اقتدا کی امید رکھتے تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ جب اس سے امت کے بارے میں اس کیفیت کے بارے میں سوال کرتے جسے وہ اپنانے کا اِرادہ رکھتا ہے، تو وہ جواب دیتا: ابا جان! اللہ کی قسم! میں ان میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسا کردار ادا کروں گا۔ ❶

جب دو ایسے آدمی آپ کے سامنے ہوں جن میں سے ایک زیادہ امانت دار اور دوسرا زیادہ طاقت ور ہو تو اس شخص کو مقدم رکھا جائے گا جو اُن میں سے اس ولایت کے لیے زیادہ نفع بخش اور کم ضرر رساں ہوگا، حربی امارت کے لیے طاقت ور اور بہادر آدی کو کمزور آدمی پر مقدم رکھا جائے گا اگرچہ وہ فسق و فجور کا مرتکب ہوتا ہو اور دوسرا امین و پارسا ہو۔ ❷ ہر عہد کے لیے اس کے حساب سے زیادہ باصلاحیت شخص کا ہی انتخاب ہونا چاہیے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے دو ایسے آدمیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا جو جنگ میں امارت کے منصب پر فائز ہوں اور ان میں سے ایک طاقتور اور فاجر ہو جبکہ دوسرا نیک اور کمزور ہو۔ ان میں سے کس کے ساتھ مل کر جنگ کی جائے؟ انہوں نے فرمایا: جہاں تک فاجر اور طاقت ور آدمی کا تعلق ہے تو اس کی طاقت و قوت مسلمانوں کے لیے مفید ہے جبکہ اس کا فسق و فجور اس کی ذات کے لیے ضرر رساں ہے، رہا کمزور اور نیک آدمی تو اس کی نیکی اس کے لیے مفید ہے جبکہ اس کی کمزوری مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے، لہٰذا طاقت ور اور فاجر امیر کے ساتھ مل کر جنگ کی جائے گی۔ ❸

حکمرانوں کی تقرری کا بڑا مقصد مسلمانوں کی حفاظت کرنا اور انہیں ان کے دشمن سے بچانا، ظالم کا ہاتھ روکنا اور مظلوم کو انصاف فراہم کرنا ہوتا ہے۔ حکمران کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ راستوں کو پُر امن رکھے اور شریعت کے مطابق بیت المال سے ان کی خدمت کرے۔ جو شخص عوام الناس کے حوالے سے یہ فرائض سرانجام دینے پر قدرت رکھتا ہو وہ منصب امامت و ولایت کا استحقاق رکھتا ہے اگرچہ دوسرے اس سے زیادہ عبادت گزار ہوں، اس سے زیادہ علم رکھتے ہوں اور ورع و تقویٰ میں اس سے بہت آگے ہوں۔ اس لیے کہ اگر وہ امامت و خلافت کی ذمہ داریاں ادا کرنے سے قاصر ہوں گے تو ان کے علم و زہد اور عبادت و ریاضت سے امت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ ❹

معاویہ رضی اللہ عنہ فاضل کی موجودگی میں مفضول کو منصب ولایت پر فائز کرنے کو جائز خیال کرتے تھے۔ یہ

❶ الاشراف لابن ابی الدنیا، ص: ۱۲۷۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

❷ السیاسة الشرعیة لابن تیمیة رحمہ اللہ، ص: ۲۲۔ ❸ ایضا، ص: ۲۲۔

❹ العبرة مما جاء فی الغزو و الشهادة، ص: ۳۵، صدیق حسن خان۔

ہیں وہ اہم اسباب جن کی بنا پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولایت عہد کے لیے اپنے بیٹے یزید کو نامزد کرنا پسند کیا۔

سادساً:...... یزید کی بیعت کے حوالہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ پر کی جانے والی تنقید

گزشتہ اور معاصر مورخین میں سے اکثر لوگوں نے یزید کی بیعت کی ذمہ داری معاویہ رضی اللہ عنہ پر عائد کی ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ انہیں ان تمام غلطیوں کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں جن کے ان کے زمانے سے لے کر آج تک کے حکام مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ ان میں سے بعض مورخین تو انہیں اسلام میں شوریٰ کے نظام سے خروج کرنے سے متہم کرتے ہیں اور وہ پہلا شخص قرار دیتے ہیں جس نے اسلام کے نظام حکومت کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ ❶

جبکہ ان میں سے بعض ان پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ انہوں نے ایسے نظام کو رواج دیا جو اولاً سیاست پر اعتماد کرتا ہے اور اس میں دین کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔ ❷

بعض مورخین انہیں قدیم فارسی اور رومی بادشاہوں سے مشابہ قرار دیتے ہیں۔ ❸ جبکہ بعض دوسرے انہیں سیاست میں اس مکتبہ فکر کا پیرو قرار دیتے ہیں جو مقصد کے حصول کے لیے ہر ممکن ذریعہ اختیار کرنے کے جواز کے نظریہ پر قائم ہے۔ ❹ بعض ان پر یہ حکم لگاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے سابقہ کبیرہ گناہوں میں ایک اور کبیرہ گناہ کا اضافہ کر لیا۔ ❺ جبکہ کچھ مورخین تو انہیں اس بیعت کی وجہ سے مسلمانوں کے اجماع سے خروج کا مرتکب ٹھہراتے ہیں۔ ❻

ان الزامات واتہامات کی صحت یا عدم صحت سے آگاہ ہونے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم پہلے شوریٰ کی ماہیت اور اس کے نفاذ کی کیفیت سے آگاہ ہوں۔ اسلام میں شوریٰ حکومتی نظام کا ایک اہم ستون اور ٹھوس بنیاد ہے، اسلام میں حاکم کا اختیار اور کسی کا امت مسلمہ کے امور اپنے ہاتھ میں لے لینا اسے نہ تو مقدس گائے بناتا ہے اور نہ ہی اسے آزادانہ اختیارات تفویض کرتا ہے۔ ❼ بلکہ وہ اپنے ہر فعل کے لیے جواب دہ ہوتا ہے۔ شوریٰ کے لیے کوئی خاص نظام وضع نہیں کیا گیا۔ اس اعتبار سے اس کی تطبیق احوال وظروف اور موجود تقاضوں کے تابع ہو گی۔ ❽ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جن امور میں وحی کا نزول نہ ہوا ہوتا ان میں مسلمانوں کے ساتھ مشاورت کرتے اور جن دنیوی امور کو وہ آپ سے زیادہ جانتے ہوتے ان میں ان کی رائے پر عمل پیرا ہوتے۔

---

❶ اسلام بلا مذهب، ص: ۵۸، مصطفى الشكعة.
❷ نساء لهم فى التاريخ الاسلامى نصيب، على ابراهيم حسن، ص: ۵۸.
❸ عائشة و السياسة، ص: ۲۷۸۔ مواقف المعارضة فى خلافة يزيد، ص: ۱٤۱.
❹ ملامح امتيازات السياسية، ابراهيم بيضون، ص: ۱٤۷.
❺ الاعمال العربية الكاملة، امين الريحانى: ٦/ ٣٦.
❻ زعماء الاسلام، حسن ابراهيم حسن، ص: ۲۱۹.
❼ مواقف المعارضة، ص: ۱٤۲۔ النظرية الاسلامية، صعيدى، ص: ٤٦٨.
❽ مواقف المعارضة، ص: ۱٤۳.

مسلمانوں کے ساتھ مشاورت کرنے کے حوالے سے خلفائے راشدین بھی آپ کے نقش قدم پر چلتے رہے۔
خلفائے راشدین کی امامت کے انعقاد کی کیفیت اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے:

ا۔ بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا طریقہ انعقاد:

اہل حل وعقد نے سقیفہ بنوساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت خاصہ کی پھر دوسرے دن انہوں نے انہیں لوگوں کے سامنے نامزد کیا اور امت اسلامیہ نے مسجد نبوی میں ان سے بیعت عامہ کی۔ ❶ سقیفہ بنوساعدہ میں جو گفتگو ہوئی اس سے چند اصول کھل کر سامنے آئے، جن میں سے اہم تر یہ ہیں: امت کی قیادت صرف منتخب شدہ ہوگی، بیعت اختیار وانتخاب اور قیادت کے قانونی ہونے کا اصل اصول ہے۔ یعنی خلافت کے منصب پر وہی شخص فائز ہوسکتا ہے جو دینی اعتبار سے مضبوط اور انتظامی اعتبار سے زیادہ باصلاحیت ہو۔ خلیفہ کا انتخاب اسلامی، ذاتی اور اخلاقی اصولوں کے مطابق ہوگا۔ یعنی خلافت نسبی یا قبائلی وراثت کے اصول کے ضمن میں نہیں آتی۔ سقیفہ بنوساعدہ میں ہونے والے مذاکرات مسلمانوں میں ذاتی امن کے اصول پر کامیاب ہوئے، ایسا اصول امن جس میں نہ تو کوئی فتنہ وفساد ہوا اور نہ عہد شکنی، نہ کوئی سازش ہوا اور نہ ہی نقض اتفاق۔ ❷

ا: سقیفہ بنوساعدہ کے اجتماع نے یہ قرارداد پاس کی کہ نظام حکومت یا دستور حکومت اس شوریٰ کے اصول کی تطبیق کرتے ہوئے آزاد شوریٰ کا تقرر کرتا ہے جو نص قرآن حکیم سے ثابت ہے، لہٰذا یہ اصول اجماعی ہے اور اس اجماع کی دلیل شوریٰ کو فرض قرار دینے والی قرآنی نصوص ہیں، یہ پہلا دستوری اصول ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرار پایا، یہ اجماع کتاب وسنت کی ان نصوص کی تائید وتطبیق تھی جو شوریٰ کو واجب قرار دیتی ہیں۔

ب: سقیفہ کے دن یہ بھی قرار پایا کہ اسلامی حکومت کے رئیس کا انتخاب اور اس کے اختیارات کی تحدید کا شوریٰ کے ذریعے اتمام ضروری ہے۔ یہ دوسرا دستوری اصول تھا جسے اجماع نے قرار دیا اور یہ بھی مذکورہ الصدر کی طرح اجماعی قرارداد تھی۔

ج: گزشتہ دونوں اصولوں کی تطبیق کرتے ہوئے سقیفہ کے اجتماع نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دولت اسلامیہ کے پہلے خلیفہ کے طور پر منتخب کیا ❸ مگر یہ نامزدگی بیعت عامہ کے بعد ہی درست قرار پائی، یعنی جب جمہور مسلمانوں نے دوسرے دن مسجد نبوی میں اس انتخاب سے موافقت کر لی اور انہوں نے اس بیعت کے لیے ان شرائط کو قبول کر لیا ❹ جن کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے اپنے مشہور خطبہ میں فرمایا تھا: مجھے تمہارا سردار بنایا گیا ہے، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھے اعمال کروں تو میری مدد کرنا تم پر فرض ہے اور اگر میں کوئی

❶ الخلافة و الخلفاء الراشدون، ص: ٦٦-٧٦. ❷ دراسات فی عهد النبوة از شجاع، ص: ٢٥٦.
❸ فقه الشوری و الاستشارة، ڈاکٹر توفیق الشاوی، ص: ١٤٠.
❹ ایضا، ص: ١٤٢.

غلط راہ اختیار کروں تو مجھے سیدھے راستے پر ڈال دو۔ راست گوئی امانت ہے اور دروغ گوئی خیانت، تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقتور ہے جب تک اسے اس کا حق نہ دلوا دوں، اور تم میں جو طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک میں اس سے حق وصول نہ کرلوں۔ جو لوگ جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیتے ہیں اللہ انہیں ذلیل کر دیتا ہے اور جس قوم میں فحاشی عام ہو جائے اللہ اسے آفات میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت فرض نہیں، اب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔ [1] اس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے منبر پر تشریف فرما ہونے کی درخواست کی اور وہ اس کے لیے اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ وہ منبر پر تشریف فرما ہو گئے اور پھر لوگوں نے ان سے بیعت عامہ کی۔ [2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ کا شمار مختصر ہونے کے باوجود بہترین اسلامی خطبات میں ہوتا ہے جس میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حاکم ومحکوم کے مابین تعامل میں عدل ورحمت کے قواعد وضوابط متعین فرمائے ہیں اور اس بات پر زور دے کر کہا کہ حکمرانوں کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔ اس دوران آپ نے جہاد فی سبیل اللہ پر زور دیا اس لیے کہ امت کو عزت وتوقیر عطا کرنے میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ آپ نے بے حیائی اور فحاشی سے اجتناب کی تلقین کی، اس لیے کہ معاشرے کو تباہی اور فساد سے بچانے کے لیے یہ چیز بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ [3]

۲۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیعت کے انعقاد کا طریقہ:

جب خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا: تم لوگ میری بیماری کی شدت دیکھ ہی رہے ہو، میں سمجھتا ہوں کہ اس بیماری کی وجہ سے میری موت یقینی ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے ایمان کو میری بیعت سے آزاد کر دیا ہے، میری گرہ کو کھول دیا اور تمہارا معاملہ تمہیں واپس کر دیا ہے۔ اب تم جسے چاہو اپنا امیر بنالو، ویسے اگر تم میری زندگی میں ہی کسی کو اپنا امیر بنالو تو اس طرح تم میرے بعد اختلاف کرنے سے بچ جاؤ گے۔ [4] سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اگلے خلیفہ کے انتخاب کی کارروائی مکمل کرنے کے لیے متعدد اقدامات کیے۔ مثلاً:

الف: کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت:...... آپ رضی اللہ عنہ نے اس بارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو وہ کہنے لگے: خلیفہ رسول! جو آپ کی رائے ہوگی وہی رائے ہماری ہوگی، اس پر آپ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے

---

[1] البدایة و النهایة: ٦/ ٣٠٥-٣٠٦.
[2] بخاری، رقم: ٧٢١٩.
[3] التاریخ الاسلامی: ٩/ ٢٨.
[4] تاریخ طبری: ٤/ ٢٣٨- التاریخ الاسلامی: ٩/ ٢٥٨.

جواب دیا: آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر بھی؟ وہ کہنے لگے: واللہ! وہ ان کے بارے میں تمہاری رائے سے بھی بہتر ہیں۔ پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلایا اوران سے فرمایا: مجھے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ بتائیں۔ انہوں نے جواب دیا: آپ ان سے زیادہ باخبر ہیں۔ ویسے ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور ہم میں سے کوئی بھی ان جیسا نہیں ہے۔ اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے بھی ایسا ہی سوال کیا تو وہ کہنے لگے: میں تمہارے بعد انہیں سب سے بہتر خیال کرتا ہوں۔ وہ اچھے کاموں سے خوش ہوتے اور برے کاموں سے ناراض ہوتے ہیں اور ان کا اندرون ان کے بیرون سے بہتر ہے۔ منصب خلافت کو سنبھالنے والا ان سے زیادہ طاقتور اور کوئی نہیں ہے۔ اسی طرح انہوں نے سعید بن زید اور انصار و مہاجرین میں سے متعدد لوگوں سے مشاورت کی اور بجز طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان سب کی رائے تقریباً ایک جیسی ہی تھی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان کی سخت گیری سے خائف تھے، وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: آپ کل اللہ کو کیا جواب دیں گے جب وہ تم سے عمر رضی اللہ عنہ کو ہمارا خلیفہ بنانے کے بارے میں سوال کرے گا۔ آپ ان کی سخت مزاجی کے بارے میں تو آگاہ ہی ہیں۔ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: مجھے اٹھا کر بٹھا دو، کیا تم لوگ مجھے اللہ سے ڈراتے ہو؟ میں اللہ کو جواب دوں گا کہ میں نے تیری مخلوق پر تیری مخلوق کے بہترین آدمی کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ [1] آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی سختی صرف اس لیے ہے کہ وہ مجھے نرم مزاج دیکھتے تھے۔ جب خلافت انہیں تفویض کی جائے گی تو وہ انہیں نرم دل اور معتدل بنا دے گی۔ [2] پھر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر انہیں وصیت نامہ لکھنے کا حکم دیا۔

ب: وصیت نامہ کا مضمون: ...... بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ...... یہ وہ عہد ہے جو ابوبکر بن قحافہ نے اس وقت کیا جب ان کا دنیا میں آخری اور آخرت کا اوّل وقت ہے، ایسے میں تو کافر بھی ایمان لے آتا ہے، فاجر بھی یقین کر لیتا ہے اور کاذب سچ بولنے لگ جاتا ہے۔ میں نے اپنے بعد تم لوگوں پر عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ تم ان کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو، میں نے تم لوگوں کی بھلائی اور بہتری میں قطعاً کوئی کوتاہی نہیں کی، اگر انہوں نے عدل سے کام لیا تو میرا ان کے بارے میں یہی خیال ہے اور میں ان کے بارے میں یہی علم رکھتا ہوں، اور اگر وہ کچھ اور ثابت ہوئے تو وہ اپنے کیے کے خود ذمہ دار ہوں گے، میں نے تو صرف خیر اور بھلائی کا ارادہ کیا ہے اور غیب کا علم تو مجھے نہیں۔ ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ (الشعراء: ٢٢٧) ''اور عنقریب ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ انہیں کیسی جگہ لوٹ کر جانا ہے۔''

---

[1] الکامل لابن الاثیر: ۲/ ۷۹۔ التاریخ الاسلامی، شاکر، ص: ۱۰۱.

[2] الکامل لابن الاثیر: ۲/ ۷۹.

ج: آپ رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت خود لوگوں کو پڑھ کر سنائی:...... جب یہ وصیت لکھی جا چکی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے خود پڑھ کر لوگوں کو سنانے کا ارادہ کیا تا کہ اس بارے میں کوئی ابہام پیدا نہ ہو، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور لوگوں کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم اس شخص کی خلافت پر راضی ہو جس کا میں نے تمہارے لیے انتخاب کیا ہے، اللہ کی قسم! میں نے اپنے کسی عزیز رشتہ دار کو تمہارا خلیفہ نہیں بنایا، اور پھر میں نے صرف اپنی ہی رائے سے اسے خلیفہ نہیں بنایا بلکہ اصحاب الرائے لوگوں کے ساتھ مشاورت کے بعد اسے خلیفہ بنایا ہے، میں نے تم پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا ہے، پس تم ان کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو۔ ان سب نے کہا: ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ [1]

د: اللہ رب العزت سے دعا:...... پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرنے لگے، اس دوران آپ سرگوشیاں کرتے رہے اور اندر کی باتیں سناتے رہے۔ آپ کی دعا کے الفاظ یہ تھے: یا اللہ! میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو تیرے نبی کے حکم کے بغیر والی مقرر کیا ہے جس سے میرے پیش نظر صرف مسلمانوں کی بہتری ہے، میں ان پر فتنہ سے ڈرا اور اس کے لیے بھرپور مشاورت کی اور اس کے بعد میں نے ان پر ان میں سے بہتر آدمی کو والی مقرر کیا۔ اب جبکہ تیرے حکم سے میری موت میرے سر پر کھڑی ہے تو تو ان میں میرا خلیفہ بن جا، پس وہ تیرے بندے ہیں۔ [2]

ھ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے سامنے وصیت پڑھنے کا مکلّف ٹھہرانا:...... حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو پابند کیا کہ وہ یہ وصیت لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور اسے ختم کرنے کے بعد ان کی موت سے پہلے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے ان سے بیعت لیں تا کہ اس کی مزید توثیق ہو جائے، ان کے حکم کا نفاذ ہو جائے اور اس سے کوئی منفی اثرات سامنے نہ آئیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: اس وصیت نامہ میں جس شخص کا ذکر ہے کیا تم اس سے بیعت کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں۔ ان سب نے اس کا اقرار کیا اور اس پر راضی ہو گئے۔ [3]

و: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو وصیت:...... حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو الگ کر کے انہیں چند وصیتیں فرمائیں تا کہ جب وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوں تو خلافت کے بارے میں اپنی بھرپور کوششیں کرنے کے بعد اپنی تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے بعد حاضر ہوں۔ [4] آپ نے انہیں وصیت کرتے ہوئے فرمایا: عمر! اللہ سے ڈرنا، یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض حقوق ہیں جو رات سے متعلق ہیں انہیں وہ دن میں قبول نہیں کرتا، اسی طرح بعض حقوق دن سے متعلق ہیں جنہیں وہ رات میں قبول نہیں کرتا۔ جب تک فرائض ادا نہ کیے جائیں اللہ تعالیٰ نوافل کو قبول نہیں فرماتا، عمر! جو لوگ دنیا میں رہ کر حق کی اتباع

[1] تاریخ طبری: ٤/ ٢٤٨ .

[2] طبقات ابن سعد: ٣/ ١٩٩ - تاریخ المدنیة: ٢/ ٦٦٥-٦٦٩ .

[3] طبقات ابن سعد: ٣/ ٢٠٠ .

[4] ابوبکر الصدیق ، علی طنطاوی ، ص: ٢٣٧ .

کریں گے قیامت کے دن ان کے ترازو بھاری ہوں گے اور جو دنیا کی زندگی میں باطل کی اتباع کرتے رہے قیامت کے دن ان کے اعمال کے ترازو ہلکے ہوں گے اور وہ ناکام و نامراد ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اہل جنت کا ذکر کیا تو اس کے ساتھ ان کے نیک اعمال کا بھی ذکر کیا اور جب اہل جہنم کا ذکر کیا تو اس کے ساتھ ان کے برے اعمال کا بھی ذکر کیا، اس طرح ترغیب و ترہیب کی آیات ساتھ ساتھ نازل ہوئیں تاکہ بندہ مومن اللہ سے ڈرتا رہے اور اس سے مغفرت طلب کرتا رہے۔ وہ نہ تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہو اور نہ اس سے ناجائز امیدیں ہی وابستہ کرے۔ عمر! جب تم میری وصیت پر عمل کرو گے تو پھر کوئی بھی غیر موجود تجھے موت سے زیادہ قابل نفرت نہیں لگے گا مگر تم موت کو بے بس نہیں کر سکو گے۔ ❶

ہم دیکھ رہے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ اصحاب حل وعقد کے اتفاق اور ان کے اِرادہ سے منتخب ہوئے تھے، انہوں نے خلیفہ کے انتخاب کا معاملہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور اس بارے انہیں اپنا نائب مقرر کر دیا، انہوں نے مشاورت کے بعد خلیفہ کی تعیین کی پھر اسے لوگوں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کی توثیق کر دی، امت اسلامیہ میں اصحاب حل وعقد امت کے نمائندگان ہوتے ہیں۔ اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فیصلہ شورائیت کے بہترین انداز اور انتہائی عادلانہ اسلوب میں ہوا۔ ❷ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے جو اقدامات لیے اگرچہ وہ ان کے اپنے انتخاب کی کاروائیوں سے مختلف تھے مگر وہ کسی بھی حالت میں شورائیت سے تجاوز نہیں کرتے۔ ❸ اور یوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کا انعقاد شوریٰ اور اتفاق کی بنیاد پر ہوا، تاریخ نے ان کی خلافت کے بارے میں کسی بھی قسم کے اختلاف کو وارد نہیں کیا اور نہ ہی کسی نے ان کی خلافت کے عرصہ کے دوران اس بارے کوئی تنازع کیا۔ ان کی حکومت کے دوران ان کی خلافت و اطاعت پر امت کا اجماع رہا اور تمام مسلمان ایک وحدت کی صورت میں نظر آتے رہے۔ ❹

۳۔ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کا طریقہ انعقاد:

فاروق اعظم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں جبکہ وہ بستر مرگ پر اپنے جسم پر آنے والے گہرے زخموں کی تکلیف سے کراہ رہے تھے نئے خلیفہ کے انتخاب کے لیے ایک ایسا نیا طریقہ وضع کیا جس کی قبل ازیں کوئی مثال نہیں ملتی، قبل ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی بھی شخص کو نص صریح کے ساتھ خلیفہ نہیں بنایا تھا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مشاورت کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا، پھر جب آپ سے کسی کو خلیفہ بنانے کا مطالبہ کیا گیا تو آپ نے کچھ دیر غور و فکر کرنے کے بعد ایک دوسرا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ سب کے سب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت

❶ صفة الصفوة: ۱/ ۲٦٤-۲٦٥ . ❷ ابوبکر الصدیق ، علی طنطاوی ، ص: ۲۳۷ .
❸ دراسات فی عهد النبوة و الخلافة الراشدة ، ص: ۲۷۳ .
❹ النظرية السياسية الاسلامية ، ضياء الريس ، ص: ۱۸۱ .

کا اقرار کرتے تھے اور اسے میں اختلاف کا احتمال بہت کم تھا خاص طور پر ایسے حالات میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے امت کو اس طرف متوجہ کیا کہ ان کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت سنبھالنے کے زیادہ حق دار ہیں، پھر جب ابن ابوقحافہ رضی اللہ عنہما نے خلافت کے لیے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا تو انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات پر مطمئن ہیں کہ وہ ان سب لوگوں سے زیادہ طاقت ور، باقدرت اور افضل و بہتر ہیں جو اُن کے بعد یہ ذمہ داری سنبھال سکتے ہیں، چنانچہ انہوں نے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایک طویل مشاورت کے بعد انہیں خلیفہ نامزد کر دیا اور پھر کسی ایک شخص نے بھی ان کی اس رائے سے اختلاف نہ کیا اور اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اجماع ہوگیا۔ [1] مگر اب نئے خلیفہ کا طریقہ انتخاب یہ قرار پایا کہ چھ بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ قائم کر دی گئی، وہ سب کے سب ایسے تھے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ ان سے صدق دل سے راضی تھے، مزید برآں وہ سب کے سب منصب خلافت سنبھالنے کی صلاحیت سے بہرہ مند تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے طریقہ انتخاب، مدت انتخاب اور اس مجلس کے ممبران کی تعداد طے فرما دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ نامزد کردہ ان چھ اشخاص کی مجلس میں جب تک وہ اپنے آپ میں سے کسی ایک شخص کو خلیفہ منتخب نہ کر لیں، اس میں کسی دوسرے شخص کو نہ جانے دیا جائے اور نہ ہی کوئی اہل حل وعقد کی اس مجلس میں ہونے والی گفتگو کو سن پائے۔ [2] یوں امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کا ایسا نظام وضع کر دیا جو اُن سے پہلے کسی نے نہ کیا، اس میں تو شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ شوریٰ کا اصول قرآن کریم اور قولی وفعلی سنت میں مقرر کردہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس پر عمل پیرا رہے اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے بھی اصل سے ہٹ کر کوئی نئی بات ایجاد نہیں کی تھی، مگر خلیفہ کے انتخاب کے لیے طریقہ کی تعیین اور اس کے لیے چند معین افراد پر مشتمل مجلس شوریٰ کی تشکیل ایک ایسا عمل تھا جسے نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنایا اور نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے، سب سے پہلے یہ کام کرنے والے عمر رضی اللہ عنہ تھے اور انہوں نے جو کچھ بھی کیا بہت خوب کیا۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کی مناسبت سے یہ طریقہ ہی بہترین طریقہ تھا۔ [3]

اس طرح امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے اہل شوریٰ پر مشتمل ایک اعلیٰ سیاسی ادارہ قائم کر دیا اور پھر انہیں اپنے میں سے ہی کسی ایک شخص کو خلیفہ منتخب کرنے کا اختیار بھی تفویض کر دیا۔ اس جگہ ہم اس بات کی طرف اشارہ کرنا بہت ضروری خیال کرتے ہیں کہ اہل شوریٰ میں سے کسی ایک شخص نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے معارضہ نہیں کیا اور نہ ہی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اس پر کسی نے کوئی اعتراض اٹھایا۔ اس وقت جو نصوص ہمارے سامنے ہیں وہ اسی بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم پر ان کی زندگی میں ہی کوئی اعتراض کیا گیا اور نہ ہی ان کی حیات مستعار کے بعد۔ تمام لوگوں نے ان کی تدبیر کو پسند کیا اور ان میں اہل اسلام کی مصلحت

[1] اولیات الفاروق، ص: ۱۲۲.
[2] اولیات الفاروق، ص: ۱۲۲.
[3] ایضا، ص: ۱۲۷.

دیکھی۔ ہم یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسا اعلیٰ سیاسی ادارہ قائم کیا جس کی ذمہ داری سربراہ مملکت یا خلیفہ کا انتخاب تھا۔ یہ نئی دستوری تنظیم جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تعجب انگیز ذہن رسا نے ایجاد کیا تھا وہ ان اساسی مبادیات سے متعارض نہیں ہے جن کا اسلام اقرار کرتا ہے اور خصوصاً وہ مبادیات جو شوریٰ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس بنا پر بعض ذہنوں میں پیدا ہونے والا یہ سوال ناقابل التفات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حق کس نے دیا تھا؟ اور اس بارے میں ان کے پاس دلیل کیا تھی؟ ہمارے لیے یہی جاننا کافی ہے کہ مسلمانوں نے من حیث الجماعۃ اس تدبیر کی تصدیق کی اور اسے پسند کیا اور کسی نے بھی ان پر کوئی اعتراض نہ کیا، لہٰذا ہم یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اس کی درستی اور نفاذ پر امت کا اجماع ہو چکا تھا۔ [1] ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے اور اہل شوریٰ وہ اعلیٰ ترین سیاسی ادارہ ہے جسے عہد راشدہ میں نظام حکومت نے برقرار رکھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کا تشکیل کردہ یہ شورائی ادارہ ایسی خوبیوں سے متصف تھا جن سے مسلمانوں کی جماعت میں کوئی دوسرا ادارہ متصف نہیں تھا۔

یہ خوبیاں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تھیں اور جن کے مبلغ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اہل ایمان کے نزدیک مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھی عشرہ مبشرہ کے تقویٰ وطہارت اور امانت و دیانت تک نہیں پہنچ سکتا۔ [2]

یہ بات بڑی اہم اور قابل ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑی شدت کے ساتھ اس امر کے حریص تھے کہ امارت و خلافت کو ان کے قرابت داروں سے دُور رکھا جائے، حالانکہ ان میں اس کے اہل لوگ بھی موجود تھے، چنانچہ آپ نے سعید بن زید کو خلافت کے لیے نامزد لوگوں کی فہرست سے خارج کر دیا۔ [3] انہوں نے صرف عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اہل شوریٰ کے پاس جانے کی اجازت دی تھی مگر اس شرط پر کہ انہیں خلیفہ منتخب نہیں کیا جائے گا۔ [4] انتخابی عمل کی نگرانی عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کر رہے تھے، وہ مدینہ منورہ میں کبار صحابہ اور اشراف صحابہ میں سے جس کو بھی ملتے اس سے اس بارے مشاورت کرتے، اسی طرح لشکروں کے امراء اور مدینہ منورہ آنے والے لوگوں اور عورتوں تک سے مشورہ کرتے۔ آپ نے مشاورت کے اس عمل میں بچوں اور غلاموں کو بھی شامل کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زیادہ تر مسلمانوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا جبکہ ان میں سے کچھ نے علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا۔ مشاورت کا عمل مکمل کرنے کے بعد ۲۳ ہجری ذوالحجہ کے آخری دن صبح کی نماز کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس نتیجہ کا اعلان کیا جس پر وہ پہنچے تھے۔ انہوں نے حمد وثنا کے بعد فرمایا: اما بعد: علی رضی اللہ عنہ! میں نے لوگوں کا جائزہ لیا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے انحراف کریں گے۔ آپ اس سے دل گرفتہ نہ ہوں، پھر انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول کے احکام اور شیخین کی سنت

[1] نظام الحکم فی الشریعۃ و التاریخ الاسلامی: ۱/ ۲۲۷-۲۲۸.

[2] الخلفاء الراشدون، خالدی، ص: ۹۸.

[3] تاریخ طبری: ۵/ ۳۲۵. [4] بخاری، رقم الحدیث: ۷۲۰۷.

اپنانے پر ان سے بیعت کر لی ان کے بعد دوسرے لوگوں نے بھی ان سے بیعت کر لی۔ جن میں انصار، مہاجرین، لشکروں کے امراء اور عام مسلمان سبھی شامل تھے۔ ❶ ایک روایت میں آتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔ ❷ امام ذہبی عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو ان کا افضل ترین عمل قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بہترین اعمال میں ان کے اس عمل کا بھی شمار ہوتا ہے کہ انہوں نے مشاورت کے وقت اپنے آپ کو خلافت کے معاملہ سے الگ کر لیا، اگر آپ کو اس میں کوئی دلچسپی ہوتی تو اسے اپنی ذات کے لیے حاصل کر لیتے، یا اس کے لیے اپنے عم زاد بھائی سعد بن ابووقاص رضی اللہ عنہ کو منتخب کروا لیتے۔ ❸ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے شوریٰ کی ایک اور صورت سامنے آتی ہے اور وہ ہے: مجلس شوریٰ کے ذریعے خلیفہ کو نامزد کرنا، تاکہ وہ مشورہ عامہ کے بعد اپنے میں سے کسی ایک کی تعیین کریں اور اس کے بعد اس کے لیے بیعت عامہ لی جائے۔ ❹

۴۔ بیعت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کا طریقہ انعقاد:

خلافت کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی انتخاب کے طریقہ پر ہوئی۔ جب خلیفہ راشد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ چند ایسے سرکش اور باغی عناصر کے ہاتھوں شہید کر دیے گئے، جو مختلف شہروں اور مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ جب ان لوگوں نے انہیں اٹھارہ ذوالحجہ ۳۵ ہجری کو جمعہ کے دن از راہ ظلم وعدوان ❹ قتل کر ڈالا تو مدینہ منورہ میں موجود اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور یہ اس لیے کہ اس وقت کوئی بھی دوسرا شخص ان سے افضل نہیں تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد نہ تو کسی نے اپنے لیے خلافت کا دعویٰ کیا اور نہ ہی حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے والد محترم رضی اللہ عنہ اس کے حریص تھے اسی لیے آغاز کار میں انہوں نے خلافت کو قبول نہ کیا مگر جب شہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فتنہ وفساد میں اضافے اور اس کے مزید بڑھ جانے کے خوف سے ان سے اس منصب کو قبول کرنے کے لیے شدید اصرار کیا تو وہ اس کے لیے آمادہ ہو گئے۔ بعض اہل علم نے ان کے انتخاب کی کیفیت بھی روایت کی ہے۔ ❺ مثلاً محمد بن الحنفیہ کا بیان ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محاصرہ کی حالت میں تھے تو میں اس وقت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، اس دوران ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: امیر المومنین کو اب شہید کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر علی رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے، میں بھی ان کے ساتھ چل دیا مگر ان کے بیت الخلافت آنے سے قبل ہی انہیں شہید کر دیا گیا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان کے گھر داخل ہونے کے بعد اس کا دروازہ بند کر دیا، اس دوران لوگ آئے اور دروازہ توڑ کر ان کے پاس جا پہنچے اور کہنے لگے: عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے اور لوگوں کے لیے خلیفہ ضروری ہے، مگر ہم کسی کو آپ سے بڑھ کر اس کا حق دار نہیں سمجھتے۔ اس پر علی رضی اللہ عنہ نے

---

❶ التمهيد و البيان، ص: ٢٦.
❷ سير اعلام النبلاء: ١/ ٨٦.
❸ دراسة فى عهد النبوة و الخلافة الراشدة، ص: ٢٧٨.
❹ الطبقات لابن سعد: ٣/ ٣١.
❺ عقيدة اهل السنة فى الصحابة الكرام: ٢/ ٦٧٧.

ان سے فرمایا: تم میرا ارادہ نہ کرو، میں تمہارے لیے بطور وزیر، امیر ہونے سے بہتر ہوں۔ وہ کہنے لگے: ہرگز نہیں، واللہ! ہم تم سے بڑھ کر کسی کو بھی اس کا حق دار نہیں سمجھتے۔ وہ کہنے لگے: اگر تم اس پر مُصر ہو تو پھر میری بیعت سرّی نہیں ہو گی بلکہ میں مسجد میں جاتا ہوں، آپ رضی اللہ عنہ مسجد تشریف لے گئے تو لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔ [1]

۵۔ بیعت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا طریقہ انعقاد

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کا انعقاد ماہِ رمضان ۴۰ ہجری میں ہوا اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کا واقعہ ہے۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کے لیے کسی کی تعیین نہیں کی تھی۔ عبداللہ بن سبع سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا: یقیناً اس کو اس سے رنگ دیا جائے گا۔ [2] آخر بدنصیب میرے بارے میں کس چیز کا انتظار کر رہا ہے۔ [3] لوگوں نے کہا: امیر المومنین! اس کے بارے میں ہمیں بتائیں ہم اس کی نسل کو ہلاک کر ڈالیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر تو تم میرے بدلے میں میرے قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل کر ڈالو گے۔ وہ کہنے لگے: تو پھر کسی کو ہمارا خلیفہ نامزد کر دیں، انہوں نے کہا: نہیں، بلکہ میں تمہیں اس چیز کی طرف چھوڑوں گا جس کی طرف تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا تھا۔ وہ کہنے لگے: جب تم اپنے رب کے پاس جاؤ گے تو اسے کیا جواب دو گے؟ فرمایا: میں کہوں گا: یا اللہ! جب تک تو نے چاہا مجھے ان لوگوں میں زندہ رکھا پھر جب تو نے مجھے اپنے پاس بلا لیا تو پھر تو ان میں موجود تھا، اگر تو چاہتا تو ان کی اصلاح کر دیتا اور اگر چاہتا تو انہیں خراب کر دیتا۔ دوسری روایت میں ہے: میں کہوں گا: یا اللہ! جب تک تو نے چاہا مجھے ان کا خلیفہ بنائے رکھا پھر تو نے مجھے قبض کر لیا اور میں ان میں تجھے چھوڑ آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے چار تکبیروں کے ساتھ ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور پھر انہیں کوفہ میں دفن کر دیا گیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے سب سے پہلے قیس بن سعد بن عبادہ خزرجی نے بیعت کی، وہ بیعت کرتے وقت کہنے لگے: میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ملحدین کے ساتھ جہاد کرنے پر آپ سے بیعت کرتا ہوں، اس پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں سب کچھ شامل ہے۔ ان کے لیے علیحدہ نام لینے کی ضرورت نہیں۔ پھر انہوں نے خاموشی کے ساتھ آپ سے بیعت کر لی اور پھر دوسرے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ [4] جب اہل عراق نے ان سے بیعت کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے ان سے یہ اقرار لیا: تم سنو گے بھی اور اطاعت بھی کرو گے جس سے میں جنگ کروں گا اس سے تم بھی جنگ کرو گے اور جس سے میں صلح کروں گا اس سے تم بھی صلح کرو گے۔ [5] دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا: واللہ میں تم سے اپنی شرائط پر بیعت لوں گا۔ انہوں نے کہا: کون سی شرائط؟ فرمایا جس سے میں صلح کروں گا اس سے تم بھی صلح کرو گے اور جس سے میں جنگ کروں گا اس سے تم

---

[1] کتاب السنة لابی بکر الخلال، ص: ٤١٥.
[2] یعنی ان کی داڑھی کو ان کے سر کے خون سے رنگ دیا جائے گا۔
[3] مجمع الزوائد: ۹/ ۱۲۹.
[4] تاریخ طبری: ٦/ ٧٣.
[5] ایضا: ٢/ ٧٧.

بھی جنگ کرو گے۔ ❶ ابن سعد کی روایت میں ہے: حسن بن علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہما نے اپنے باپ کے بعد اہل عراق سے امارت پر بیعت کی اور یہ کہ وہ اس چیز میں داخل ہوں گے جس میں حسن رضی اللہ عنہ داخل ہوں گے اور جس سے وہ راضی ہوں گے اس سے اہل عراق بھی راضی ہوں گے۔ ❷

۶۔ بیعت معاویہ رضی اللہ عنہ کے انعقاد کا طریقہ:

حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے منصب خلافت سے دست برداری کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت مکمل ہوئی اور انہیں اس کے تمام اسباب میسر آ گئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر امیر المومنین کے طور پر ۴۱ ہجری میں بیعت ہوئی اور اس سال کو ''عام الجماعۃ'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ❸ اس وقت تک بقید حیات تمام صحابہ کرام نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور اس طرح ان کی امارت پر امت کا اجماع ہو گیا، لوگوں نے ان کی امامت کو شرعی قرار دیا اور ان کی امامت کو پسند کیا۔ افراد امت نے سمجھا کہ وہ مسلمانوں کی قیادت کے لیے انتہائی موزوں اور یہ ذمہ داری نبھانے کے لیے انتہائی مناسب ہیں۔

۷۔ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں ولایت عہد کے تصور پر اعتراضات:

نظام اسلام حکمران کے انتخاب کے لیے کسی معین طریقہ کار کی صراحت نہیں کرتا البتہ اس نے اس کے لیے ایک ایسی اساس ضرور وضع کر دی ہے جس سے بجز اضطراری حالت کے انحراف کرنا جائز نہیں ہے اور وہ ہے: شوریٰ۔ مگر شوریٰ کے لیے بھی کوئی ایسا خاص اسلوب اور ایک ہی طریقہ کار نہیں ہے جس کے بغیر وہ متحقق نہ ہو سکتی ہو، اس کے الگ الگ طریقہ ہائے کار ہیں جیسا کہ ہم نے خلفائے راشدین کے انتخاب میں مشاہدہ کیا۔ اگر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمان قوم کے اتحاد و اتفاق اور اسے خون ریزی سے بچانے کے لیے اسلامی نظام حکومت میں ولایت عہد کا طریقہ ایجاد کیا تھا تو وہ اس کے لیے ان شاء اللہ ماجور من اللہ ہیں۔ البتہ وہ اس بات پر قادر تھے کہ وہ ایسا اپنے بیٹے کے علاوہ اس وقت موجود کبار صحابہ میں سے کسی کے لیے کرتے اگر انہیں یہ ذمہ داری تفویض کی جاتی تو یقیناً وہ اس کا حق ادا کرتے، اس وقت حسین بن علی رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرھم موجود تھے مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سب سے احتراز کرتے ہوئے اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنانے کا پروگرام بنایا...... اور اس طرح اسلامی نظام حکومت میں ایک حقیقی تبدیلی کی بنیاد رکھ دی، یہ تبدیلی ولایت عہد کے نظام کے ایجاد کرنے میں نہیں تھی بلکہ اصل تبدیلی یہ تھی کہ ولی عہد خلیفہ کا بیٹا یا اس کا کوئی قرابت دار ہو، یہاں تک کہ حکومت خلافت راشدہ کی بجائے ملوکیت میں تبدیل ہو گئی۔ ❹ اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کی اتباع کے لیے مامور ہیں تو پھر نظام وراثت

---

❶ الطبقات، تحقیق ڈاکٹر محمد السلمی: ۱/ ۲۸۶۔ ❷ ایضا: ۱/ ۳۱۶، ۳۱۷۔

❸ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۳۷۔ تاریخ خلیفۃ: ۲۰۳۔

❹ الامویون بین الشرق و الغرب للوکیل: ۱/ ۱۸۰۔

کا التزام نہ تو نبی کریم ﷺ کی سنت ہے اور نہ ہی خلفاء راشدین کی۔ مزید برآں خلافت کے لیے یزید کی نامزدگی مندرجہ ذیل اسباب کی بناء پر درست نہیں تھی: اس وقت اسلامی معاشرے میں یزید سے کہیں زیادہ خلافت کے حق دار لوگ بھی موجود تھے جو اپنے علم وعمل، مقام ومرتبے، سابق الاسلام اور شرف صحابیت کے اعتبار سے اس سے کہیں بڑھ کر تھے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرھم۔ چہ نسبت خاک را بعالم پاک۔ [1] یہ باپ سے بیٹے کی طرف انتقالِ حکومت کا آغاز تھا۔

علیٰ کل حال اس سے اہل سنت کے عقیدہ پر کوئی حرف نہیں آتا۔ وہ نہ تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو گناہوں سے منزہ قرار دیتے ہیں اور نہ ہی ان سے افضل لوگوں کو، چہ جائیکہ وہ انہیں اجتہادی غلطی سے منزہ قرار دیں، بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ توبہ واستغفار، نیک اعمال اور مصائب وآلام وغیرہ سے انسان کو گناہوں کی سزا سے چھٹکارا مل جاتا ہے اور یہ قانون صحابہ وغیرھم کے لیے بھی ہے۔ [2] معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار ان بہترین بادشاہوں میں ہوتا ہے جن کا عدل ان کے ظلم پر غالب رہا۔ البتہ وہ انسانی کمزوریوں سے مبرا نہیں ہیں۔ اللہ ان سے درگزر فرمائے گا۔ [3] معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہمارے لیے یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ ہمارے دل اصحاب محمد ﷺ کے بارے میں ہر قسم کے کینہ وغیرہ سے پاک ہیں۔ ان کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الحشر: ۱۰)

''اور جو لوگ ان کے بعد آئے وہ یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کینہ نہ ہونے دے، اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفیق ہے، بڑا مہربان ہے۔''

ہمارا موقف ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے امت کے تقسیم ہونے اور اس کے فتنہ میں مبتلا ہونے کے ڈر سے اجتہاد کیا۔ ان کے بعد آنے والے تمام امراء اور بادشاہوں کی غلطیوں کو ان کے ذمے ڈال دینا مناسب نہیں ہے۔ جیسا کہ عبدالقادر عودہ قرار دیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ نے امت اسلامیہ کا معاملہ ظلم وطغیان اور پامالی حقوق پر قائم کیا، انہوں نے شوریٰ کا خاتمہ کر دیا اور اس ارشاد باری کو معطل کر دیا: ﴿وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (الشوریٰ: ۳۸) ''ان کا معاملہ باہم مشاورت سے طے پاتا ہے۔'' انہوں نے صاف ستھرے عادلانہ حکم کو ایسے گندے حکم میں تبدیل کر دیا جو نفسانی خواہشات پر قائم ہے اور انہوں نے لوگوں کو نفاق، ذلت اور پستی میں دھکیل دیا، اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عصر حاضر تک ان کے بعد آنے والے حکمران بجز حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ان کی سنت پر عمل پیرا رہے اور ان کی بدعت کے ساتھ چمٹے رہے، چونکہ اس برے طریقے کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے

---

[1] تاریخنا المفتری علیها، قرضاوی، ص: ۲۵۰.
[2] منهاج السنة: ٤/ ۳۸٥.
[3] سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱٥٦.

رواج دیا، لہٰذا اس کا اور اس پر قیامت تک عمل کرنے والوں کا گناہ ان کے سر لادا جاتا رہے گا۔ ❶ اگر معاویہ رضی اللہ عنہ یا اموی خلفاء نے خلافت کو شوریٰ سے بادشاہت میں تبدیل کر دیا تھا تو ان کے پوتے معاویہ بن یزید بن معاویہ بن ابوسفیان نے جو کہ تیسرے اموی خلیفہ تھے انہوں نے نئے سرے سے خلافت کو بادشاہت سے شوریٰ کاملہ میں تبدیل کر دیا۔ ❷ حقیقت یہ ہے کہ بیعت یزید کو بہت سارے لوگوں نے حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی قبول کر لیا تھا، اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ستر لوگوں نے اس سے بیعت کی تھی جن میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ ❸ عبدالرحمٰن بن ابوبکر کی وفات کے بعد صرف تین مخالفین ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہی باقی رہ گئے تھے۔ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو یزید پر مجتمع دیکھا تو انہوں نے بھی یزید سے بیعت کر لی، انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید کو بیعت کا پیغام بھیجتے ہوئے کہا: اگر یہ خیر ہے تو ہم اس پر راضی رہیں گے اور اگر یہ کوئی مصیبت ہے تو اس پر صبر کریں گے۔ ❹

آخر کار معارضہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما تک محدود ہو کر رہ گیا۔ بعض لوگوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ پر صحیح ہاتھوں میں خلافت دینے میں ناکامی کا الزام لگاتے ہوئے ان سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر مجھے یزید سے محبت نہ ہوتی تو میں اپنی رشد و ہدایت صاف دیکھ لیتا۔ ❺ مگر اس کی سند واقدی کے طریق سے ہے اور واقدی متروک ہے، ❻ اس نے ان کی طرف یہ بات بھی منسوب کی ہے کہ انہوں نے یزید سے کہا: اللہ تعالیٰ نے میرے جی میں تجھے خلیفہ بنانے سے بڑی کوئی بات نہیں ڈالی۔ ❼ یہ سند ہیثم بن عدی کے طریق سے ہے اور وہ کذاب ہے۔ ❽ محمد رشید رضا نے اس روایت پر اعتماد کرتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ پر بڑا سنگ دلانہ حملہ کیا ہے۔ ❾ اکثر باحثین نے صدر اسلام کی تاریخ سے متعلق ضعیف اور موضوع روایات پر اعتماد کرتے ہوئے ایسے تصورات اور افکار و احکام کی بنیاد رکھی ہے جو نئے سرے سے نظر ثانی کے محتاج ہیں۔ اسلامی نظام حکومت کا اعلیٰ ترین نمونہ جو کہ خلافت سے عبارت ہے اور جس میں روح اسلام پورے طور پر جلوہ گر ہوتی ہے اس میں جس قدر بھی تبدیلی آئی ❿ مگر حکومت پر اسلامی رنگ ہمیشہ غالب رہا۔ نماز اپنے مقررہ اوقات میں ادا کی جاتی رہی، صاحب نصاب لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی رہی، فرض روزوں کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ کی جاتی اور حدود شرعیہ کے نفاذ میں کسی رکاوٹ کو برداشت نہ کیا جاتا، اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ بھی سرانجام دیا جاتا رہا۔ المختصر جملہ تعلیمات اسلامیہ کی

---

❶ الاسلام و اوضاعنا السیاسیة، ص: ۱۵۹ . ❷ الدولة الامویة المفتری علیها، ص: ۲۹۳، ۲۹۴، ۱۹۵ .

❸ القید الشدید، ورقة ۱۷ نقلا عن مواقف المعارضة، ص: ۱۵۳ .

❹ مصنف ابن ابی شیبة: ۱۱/ ۱۰۰ صحیح سند کے ساتھ۔

❺ انساب الاشراف: ٤/ ۲۸ . ❻ مواقف المعارضة فی خلافة یزید، ص: ۱۵۲ .

❼ انساب الاشراف: ٤/ ٦۰ . ❽ مواقف المعارضة، ص: ۱۵۲ .

❾ مواقف الصحابة فی خلافة یزید، ص: ۱۵۲ ۔ الخلافة، محمد رشید، ص: ۵۲ .

❿ کیف نکتب التاریخ الاسلامی، ص: ۱۱۲ .

تطبیق کی جاتی رہی۔ ❶

ا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی یزید کو وصیت:

۶۰ ہجری میں جب معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس وقت یزید ان کے پاس موجود نہیں تھا۔ انہوں نے پولیس کے سربراہ ضحاک بن قیس فہری اور مسلم بن عقبہ مری کو بلایا اور انہیں وصیت کرتے ہوئے فرمایا: میری یہ وصیت یزید کو پہنچا دینا کہ اہل حجاز کا خیال رکھنا، اس لیے کہ وہ تیری قوم کے لوگ ہیں، ان میں سے جو کوئی تیرے پاس آئے اس کا اکرام کرنا اور جو تیرے پاس حاضر نہ ہوسکیں ان کا خیال رکھنا، اہل عراق پر نظر رکھنا، اگر وہ تجھ سے ہر روز اپنے عامل کی تبدیلی کا مطالبہ کریں تو ایسا ضرور کرنا، اس لیے کہ ایک عامل کو معزول کر دینا مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ ایک لاکھ تلواریں تیرے خلاف سونت لی جائیں اور اہل شام کے حال پر نظر رکھنا اور انہیں اپنا ہم راز اور دم ساز بنائے رکھنا، اگر دشمن کی طرف سے تجھے کوئی مہم درپیش ہو تو ان کی مدد حاصل کرنا، پھر جب تو فتح مند ہو جائے تو انہیں ان کے وطن واپس بھجوا دینا۔ اس لیے کہ اگر وہ دوسرے شہروں میں آباد ہوں گے تو انہی کا کردار و اخلاق اپنا لیں گے۔ قریش میں سے تین لوگوں کے علاوہ مجھے کسی کا خوف نہیں ہے: حسین بن علی رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو تو دین داری نے مار ڈالا ہے وہ تجھ سے کسی بات کے طلب گار نہیں ہوں گے، رہے حسین بن علی رضی اللہ عنہما تو وہ ہلکے پھلکے آدمی ہیں اور مجھے امید ہے جن لوگوں نے ان کے والد محترم کو قتل کیا اور ان کے بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا اللہ ان لوگوں کے ذریعے سے تجھے حسین کی فکر سے نجات دلائے گا۔ مگر یہ بات یاد رہے کہ انہیں قریب کی قرابت داری حاصل ہے اور ان کا بہت بڑا حق ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اہل عراق انہیں خروج پر آمادہ کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے، اگر تو ان پر قابو پالے تو درگزر سے کام لینا، اگر وہ تیرے پاس اس طرح آتے تو میں انہیں ضرور معاف کر دیتا، ہاں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما چال چلنے والے (معاملات کو اُلٹ پلٹ دینے والے) اور ہوشیار ہیں، اگر وہ تیرے مقابلے میں آئیں تو ان کا مقابلہ کرنا ہاں اگر وہ صلح کے طالب ہوں تو اسے قبول کر لینا اور جہاں تک ممکن ہو اپنی قوم کو خون ریزی سے بچانا۔ ❷

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی وصیت میں اپنی مملکت کے صرف تین صوبوں حجاز، عراق اور شام کا ذکر کیا ہے اور یہ اس لیے کہ دیگر صوبوں کے سیاسی حالات ان کے نزدیک کسی قابل ذکر پریشانی کا سبب نہیں بن سکتے تھے۔ ❸

ا: حجاز:...... معاویہ رضی اللہ عنہ اس صوبہ کی نسبت سے اپنے بیٹے یزید کو فرماتے ہیں: اہل حجاز کا خیال رکھنا اس لیے کہ وہ تیری قوم کے لوگ ہیں ان میں سے جو تیرے پاس آئے اس کا اکرام کرنا اور جو تیرے پاس حاضر نہ ہو اس کا خیال کرنا۔ ❹ ان کے نزدیک حجاز کی یہ اہمیت ان کے خاندان اور قوم کا مسکن ہونے کے علاوہ

---

❶ الامویون بین الشرق و الغرب: ۱/ ۹۴، ۹۵.
❷ تاریخ طبری: ٦/ ۲٤۱.
❸ الوصیة السیاسیة فی العصر العباسی، حقی اسماعیل، ص: ٤٦.
❹ تاریخ طبری: ٦/ ٤۱.

سیاسی اعتبار سے بھی اس کی اہمیت کی عکاسی ہوتی ہے، کیونکہ وہ چند ہی سال پہلے تک دولت اسلامیہ کا سیاسی مرکز ثقل (دار الخلافہ) تھا۔ جبکہ دینی اعتبار سے وہ ابھی تک مرکزیت کا حامل تھا اور یہ اس لیے کہ زیادہ تر اصحاب رسول رضی اللہ عنہم وہیں مقیم تھے اور اگر وہ اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کریں اور انہیں موقع میسر آئے تو وہ بنوامیہ کو حکومت تفویض کر سکتے ہیں گویا کہ وہ ابھی تک بھی بیعت کا حقیقی مرکز تھا۔ ❶ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ تھی کہ اموی حکومت کے معارضین کی متعدد شخصیات یہیں رہائش پذیر تھیں، جیسا کہ حسین بن علی، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم۔ جیسا کہ ہمیں اس وصیت کے آخر میں نظر آ رہا ہے، اس صوبہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل حجاز کے دل جیتنے کے لیے مختلف وسائل سے کام لینے کی ترغیب دلائی جن میں کھلے دل سے ان پر مال خرچ کرنا بھی شامل ہے۔ ❷

ب: عراق:...... معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظروں میں خصوصی اہمیت کا حامل دوسرا صوبہ عراق ہے۔ اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر وہ اپنے ولی عہد کو اہل عراق کے ساتھ خصوصی برتاؤ کرنے کی وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اہل عراق پر خصوصی نظر رکھنا اگر وہ تجھ سے ہر روز اپنے عامل کی معزولی کا مطالبہ کریں تو ایسا کر گزرنا، اس لیے کہ ایک عامل کو معزول کرنا میرے نزدیک اس بات سے بہتر ہے کہ ایک ہزار تلواریں تیرے خلاف سونت لی جائیں۔ ❸ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اہل عراق کا اپنے ولاۃ سے شکایات کا سلسلہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت سے جاری تھا۔

ج: شام:...... معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک سیاسی اہمیت کا حامل تیسرا صوبہ شام تھا۔ اس کے بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کا پس منظر یہ ہے کہ اہل شام نے انہیں ایوان اقتدار تک پہنچانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا اور وہ ہمیشہ ہی سے ان کی سیاست کے حمایتی رہے تھے، ان کے اسی کردار کی وجہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو انہیں خصوصی اہمیت دینے، ان پر اعتماد کرنے اور بڑی بڑی مشکلات کے وقت ان کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کی تلقین کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور جس کے آخر میں اسے تلقین کی گئی ہے کہ اہل شام کی مدد سے دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد انہیں شام واپس بھجوا دینا اس لیے کہ اگر وہ دوسرے علاقوں میں مقیم ہو جائیں گے تو اپنے اخلاق و عادات کو ترک کر کے ان کے رویوں کو اپنا لیں گے۔ ❹ اس نص کا آخری فقرہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی دُور اندیشی کی عکاسی کرتا ہے، اس میں وہ اپنے اس خوف کا اظہار کر رہے ہیں کہ اگر اہل شام دوسرے صوبوں کے لوگوں کے ساتھ اختلاط کریں گے تو اس سے ان کے اخلاق میں تبدیلی آ جائے گی۔ ❺ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اموی حکومت کے مخالفین شامی لشکر پر اثر انداز ہو جائیں اور اس طرح اموی خلافت کے ہاتھ سے وہ پتا نکل جائے جسے معاویہ رضی اللہ عنہ استعمال کرتے اور اس کے فوائد سے بہرہ مند

---

❶ الوصیۃ السیاسیۃ فی العصر العباسی، ص: ٤٦. ❷ ایضًا. ❸ تاریخ طبری: ٦/ ٢٤١.
❹ تاریخ طبری: ٦/ ٢٤١. ❺ الوصیۃ السیاسیۃ فی العصر العباسی، ص: ٤.

ہوتے رہتے تھے، لہٰذا وہ اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہیں کہ جب شامی لشکر اپنی مہم سر کر لے تو اسے فوراً شام واپس بھجوا دیا جائے۔ ❶ معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس وصیت میں ایک اہم بات ان کا وہ منصوبہ ہے جو انہوں نے آئندہ پیش آنے والے احداث و واقعات کا سامنا کرنے کے لیے تشکیل دیا اور جس کی تنفیذ یزید کے سپرد کی جب کہ وہ قریش کی ایک جماعت کو یزید کی بیعت پر آمادہ کرنے میں ناکام رہے تھے، روایات بتاتی ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اس مقصد کے لیے خود مدینہ منورہ گئے اور یزید کے لیے بیعت کو رد کرنے والی اہم شخصیات سے الگ الگ ملاقاتیں کر کے ان سے یزید کے لیے بیعت کا وعدہ لینے کے لیے کوشش کی۔ ❷ مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے، ❸ اس وصیت سے عیاں ہوتا ہے کہ حجاز اور خاص طور پر مدینہ منورہ میں بنوامیہ کی حکومت کی بہت زیادہ مخالفت پائی جاتی تھی اور اسی وجہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے یزید کو اس کے ساتھ معاملہ کرتے وقت اس سے خبردار رہنے اور بوقت ضرورت بہت زیادہ محتاط رہنے کی وصیت کرتے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ وہ جن لوگوں سے حقیقی خطرہ محسوس نہیں کرتے ان کے ساتھ نرمی اور ملائمت پر مبنی رویہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں، اس لیے کہ حکومت کو مستحکم رکھنے کے لیے حجاز کی بڑی اہمیت تھی۔ ❹

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ رائے بڑی صائب تھی کہ انہیں دین داری نے ہلاک کر ڈالا ہے، لہٰذا وہ یزید کے لیے خطرہ نہیں بن سکتے۔ جب ولید بن عتبہ نے انہیں بیعت یزید کے لیے طلب کیا تو انہوں نے فرمایا: جب لوگ بیعت کر لیں گے تو میں بھی کر لوں گا، چنانچہ انہوں نے انہیں عبادت میں مصروف ہونے اور حکومتی معاملات میں دلچسپی نہ لینے کی وجہ سے ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ ❺ اسی طرح معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ اندازہ بھی درست ثابت ہوا کہ اہل عراق حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو خروج پر آمادہ کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما میں ٹکراؤ کا یقین تھا، اسی لیے تو انہوں نے یزید سے مطالبہ کیا کہ اگر اسے نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ ان کے بارے میں درگزر سے کام لے۔ رہا وہ حقیقی خطرہ جو بہت زیادہ احتیاط اور سختی کا متقاضی ہوگا تو وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے درپیش ہوگا جنہیں اموی حکومت کے زیادہ تر مخالفین کی بہت زیادہ حمایت حاصل ہوگی، نیز اس لیے بھی کہ وہ سیاست اور جنگ کے آدمی تھے۔ مختصراً یہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت مختلف امور سے نمٹنے کے لیے ان کی سیاسی بصیرت اور گہری فکر و نظر کی عکاسی کرتی ہے۔ ہمیں ان کی اس وصیت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسے احداث و واقعات کے بارے میں حزم و احتیاط پر مبنی معاملہ کرتے تھے جو شدت کے متقاضی ہوں۔ علاوہ ازیں کے لیے وہ اپنے طویل سیاسی تجربہ کو کام میں لایا کرتے، انہوں نے اپنی اس سیاسی روش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا: جہاں میرا کوڑا میرے لیے کافی رہے میں وہاں تلوار کا استعمال نہیں کرتا اور جہاں میری زبان کافی رہے وہاں میں کوڑا بھی استعمال نہیں کرتا، اگر

---

❶ الوصية السياسية في العصر العباسي، ص: ٤٨. ❷ ايضا، ص: ٤٨.
❸ ايضا، ص: ٤٨. ❹ ايضا، ص: ٤٩. ❺ انساب الاشراف: ٤/ ١٤.

میرے اور لوگوں کے درمیان ایک دھاگے کے برابر تعلق باقی رہ جائے تو وہ بھی کبھی ٹوٹ نہ سکے گا جب ان سے اس کی وضاحت چاہی گئی تو انہوں نے فرمایا: جب لوگ اسے کھینچیں گے تو میں اسے ڈھیلا کر دوں گا اور جب وہ اسے ڈھیلا کریں گے تو میں اسے کھینچ لوں گا۔ [1] وہ یزید کو اس قسم کی سیاست اپنانے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے: موقعہ میسر آنے تک حلم وحوصلہ اور قوت برداشت سے کام لینا اور پھر جب موقع مل جائے تو درگزر سے کام لینا اس لیے کہ درگزر سے کام لینے سے تیری مشکلات دُور ہو جائیں گی اور خطرات ٹل جائیں گے۔ [2] معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی اس وصیت میں اپنے بیٹے یزید کو انتہائی کم اور جامع کلمات میں سیاست و انتظامیہ میں اپنے منہج و اسلوب اور تجربہ کا ملخص بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ جس کا اس جلیل القدر صحابی کو گہرا تجربہ حاصل تھا، یعنی سیاست میں پختہ کاری اور انتظامی مہارت۔ [3]

۲۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کا آخری خطبہ، ان کی بیماری کی شدت اور وفات:

معاویہ نے اپنے آخری خطبہ کے دوران فرمایا: لوگو! میرا تعلق اس کھیتی کے ساتھ ہے جسے کاٹ دیا گیا، میں نے تم لوگوں پر حکومت کی، میرے بعد جو بھی حکمران آئے گا وہ مجھ سے برا ہی ہوگا، جیسا کہ مجھ سے پہلے کے تمہارے حکمران مجھ سے بہتر تھے، یزید! جب میری موت واقع ہو جائے تو مجھے غسل دینے کے لیے کسی عقل مند آدمی کو مقرر کرنا، اس لیے کہ عقل مند شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مقام و مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ مجھے اچھی طرح غسل دے اور اس دوران بلند آواز سے تکبیر پڑھتا رہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں میں سے ایک کپڑے میں کفن دیا جائے جو میں نے سنبھال کر رکھا ہے اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کٹے ہوئے بال اور ناخن پڑے ہیں وہ انہیں میرے منہ، ناک، آنکھوں اور کانوں میں رکھ دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ کپڑا میرے جسم کے ساتھ رکھنا۔ یزید! والدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی وصیت کو یاد رکھنا، پھر جب تم مجھے میرے کفن میں لپیٹ کر مجھے میری قبر میں رکھ دو تو پھر معاویہ اور ارحم الراحمین کو چھوڑ دو۔ [4] جب معاویہ رضی اللہ عنہ کا آخری وقت آیا تو وہ یہ اشعار پڑھنے لگے:

لعمری لقد عمرت فی الدهر برهة
و دانت لی الدنیا بوقع البواتر
و اعطیت حمر المال و الحکم و النهی
و سلم قماقیم الملوك الجبابر

---

[1] نهاية الارب: ٦/ ٤٤۔ العقد الفريد: ١/ ٢٥۔

[2]

[3]

[4] البداية و النهاية: ١١/ ٤٥٤۔

فاضحی الذی قد کان مما یسرنی
کحلم مضی فی المزمنات الغوابر
فیا لیتنی لم اعن فی الملك ساعة
و لم أُعنَ فی لذات عیش نواضر
و کنت کذی طمرین عاش ببلغة
من العیش حتی زار ضیق المقابر [1]

''میری زندگی کی قسم! میں نے زمانے میں بہت کم زندگی پائی ہے اور دنیا قاطع تلواروں کے پڑنے سے میرے تابع ہوگئی ہے اور مجھے سرخ مال، حکومت اور دانائی عطا کی گئی ہے اور مجھے سب ظالم و جابر حکمرانوں نے سلام کیا ہے اور جس بات سے میں خوش ہوا کرتا تھا وہ گزرے ہوئے گزشتہ حلم کی طرح ہوگئی ہے۔

کاش میں بادشاہت سے ایک ساعت بھی سروکار نہ رکھتا اور نہ تروتازہ زندگی کی لذات میں وسعت اختیار کرتا۔ اب میری حالت دو چادروں والے شخص کی سی ہے جو صرف گزارے کی زندگی پر جیا ہو اور اب قبر کی تنگی سے دوچار ہو گیا ہو۔''

معاویہ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ ان کا آدھا مال بیت المال کو لوٹا دیا جائے گویا کہ انہوں نے اسے پاک کرنے کا ارادہ کیا، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کو قسم دی تھی۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ آپ کو آخری عمر میں شدید سردی لگتی تھی، جب آپ لباس پہنتے یا کسی بھاری چیز سے اپنے آپ کو ڈھانپتے تو وہ آپ کو پریشان کرتی، اس پر انہوں نے اپنے لیے پرندوں کے پوٹوں سے کپڑا بنایا مگر بعد ازاں وہ بھی بوجھل ہو گیا تو فرمانے لگے: اے گھر تیرے لیے ہلاکت، میرا یہ حال اور میرا یہ انجام ہے، دنیا اور اس سے محبت کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہو۔ [2] پھر جب ان کی حالت بگڑ گئی اور لوگ آپ کی موت کی باتیں کرنے لگے تو آپ نے اپنے اہل خانہ سے فرمایا: میری آنکھوں کو اثمد سرمے سے بھر دو، اور میرے سر میں تیل لگاؤ، انہوں نے ایسا ہی کیا اور آپ کے چہرے کو تیل سے چمکا دیا، پھر آپ کے لیے مجلس آراستہ کی گئی تو فرمایا: مجھے سہارا دو، پھر فرمایا: لوگوں کو اطلاع کرو وہ کھڑے ہو کر میرے لیے سلامتی کی دعا کریں اور کسی شخص کو بھی روکا نہ جائے، ایک ایک آدمی آتا اور کھڑے کھڑے سلام کرتا تو وہ آپ کو سرمہ اور تیل لگائے دیکھتا اور پھر لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے کہتا: امیر المومنین تو صحت مند ہیں۔ [3] پھر جب وہ لوگ ادھر سے چلے گئے [4] تو آپ نے ابوذویب ہندی شاعر کا یہ شعر پڑھا:

---

[1] البدایة والنهایة: ١١/ ٤٥٥ [2] ایضًا: ١١/ ٤٥٥.
[3] ایضا: ١١/ ٤٥٦.
[4] ایضا: ١١/ ٤٥٦.

و تجلدی للشامتین اریهم
انی لریب الدهر لا اتضعضع
و اذا المنية انشبت اظفارها
الفیت کل تمیمة لا تنفع

’’اور خوشیاں منانے والوں کو مضبوطی دکھانا اس لیے تھا کہ میں انہیں دکھا سکوں کہ میں گردش زمانہ کے سامنے عاجزی اختیار کرنے والا نہیں ہوں۔

اور جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے تو تُو دیکھے گا کہ اس وقت کوئی تعویذ فائدہ نہیں دیتا۔‘‘

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو کھجلی ہوگئی تھی، اور آپ نے اسی روز وفات پائی۔ [1] جب آپ کی موت کا وقت قریب آیا تو فرمانے لگے: کاش میں ذی طویٰ میں قریش کا ایک عام آدمی ہوتا اور میں نے اس امارت وحکومت سے کچھ نہ لیا ہوتا۔ [2] آپ نے مثال کے طور پر شاعر کا یہ شعر پڑھا:

ان تناقش یکن نقاشك یا رب
عذابا لا طوق لی بالعذاب
او تجاوز تجاوز العفو فاصفح
عن مسیء ذنوبه کالتراب

’’اے میرے رب! اگر تو کرید کرے گا تو تیری کرید میرے لیے عذاب بن جائے گی اور مجھ میں عذاب برداشت کرنے کی طاقت نہیں یا پھر تو عفو و کرم کے ساتھ درگزر فرما دے اور گناہ گار کو معاف فرما دے جس کے گناہ مٹی کی طرح ہیں۔‘‘

کہا جاتا ہے کہ جب آپ کی موت کا وقت قریب آیا تو آپ کے اہل خانہ آپ کو الٹنے پلٹنے لگے۔ اس پر آپ نے فرمایا: تم کس شیخ کے ساتھ ایسا کرتے ہو اگر اللہ اسے کل عذاب سے نجات دے دے۔ [3] حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب آپ کا آخری وقت آیا تو لوگ آپ کے پاس آئے جنہیں دیکھ کر آپ رونے لگ گئے جب اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمانے لگے: میں موت کے ڈر سے نہیں روتا اور نہ ہی دنیا سے جانے اور سب کچھ یہاں چھوڑ جانے کی وجہ سے روتا ہوں، اصل بات یہ ہے کہ وہاں دو مٹھیاں ہیں، ان میں سے ایک جنت میں اور دوسری جہنم میں، میں نہیں جانتا کہ میں کون سی مٹھی میں ہوں گا۔ [4]

مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی، پھر جب ہوش آیا تو اپنے اہل خانہ سے فرمانے

---

[1] البداية و النهاية: ١١/ ٤٥٦ . [2] ایضا: ١١/ ٤٥٦ .
[3] ایضا: ١١/ ٤٥٧ .
[4] كتاب المحتضرين، ص: ١٩٩ - سكب العبرات: ١/ ١٩٠ .

لگے: اللہ سے ڈرو، یقیناً جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اسے بچا لے گا اور جو اس سے نہیں ڈرے گا وہ اسے نہیں بچائے گا۔ ❶ جب ان کا آخری وقت آیا تو کبھی ایک رخسار زمین پر رکھتے اور کبھی دوسرا۔ اس دوران روتے جاتے اور فرماتے: میرے اللہ! تو نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء: ٤٨)

''یقیناً اللہ یہ گناہ معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ وہ جسے چاہے معاف فرما دے۔''

یا اللہ! مجھے ان لوگوں سے کر دے جنہیں اگر تو چاہے تو معاف کر دے۔ ❷ اس دن انہوں نے یہ دعا بھی فرمائی: ''اے اللہ! لغزش و گناہ کو معاف فرما اور اپنے حلم سے اس کے جہل سے درگزر فرما جو تیرے علاوہ کسی سے امید نہیں رکھتا بلاشبہ تو وسیع مغفرت والا ہے اور گناہ گار کے لیے اپنے گناہ سے تیری طرف بھاگنے کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں۔'' اس کے بعد ان کی وفات ہو گئی۔ ❸ دوسری روایت میں آتا ہے: یا اللہ! میں تجھ سے ملاقات کرنے کو پسند کرتا ہوں تو بھی مجھ سے ملاقات کو پسند فرما۔ ❹ اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔

۳۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات اور ان کی نماز جنازہ پڑھانے والا:

مؤرخ طبری فرماتے ہیں: اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے رجب ۶۰ ہجری میں وفات پائی۔ ❺ البتہ ان کی وفات کے وقت میں اختلاف ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح قول کی رُو سے انہوں نے رجب ۶۰ ہجری میں وفات پائی ❻ اور ضحاک بن قیس فہری نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، ان کی وفات کے وقت یزید ان کے پاس موجود نہیں تھا۔ ❼ ضحاک بن قیس منبر پر بیٹھ گئے اس وقت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کفن ان کے ہاتھوں میں تھا، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے کے بعد فرمایا: یقیناً معاویہ رضی اللہ عنہ عربوں کی فصیل، مدد اور نصیبہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے فتنے کا خاتمہ فرمایا۔ انہیں بندوں کا حکمران بنایا اور ان کی وجہ سے ملکوں کو فتح کرایا، آگاہ رہو کہ اب وہ فوت ہو چکے ہیں اور یہ ان کا کفن ہے اور ہم انہیں اس میں لپیٹنے والے ہیں اور انہیں ان کی قبر میں اتارنے والے ہیں اور ان کے اور ان کے عمل کے درمیان سے الگ ہونے والے ہیں، پھر قیامت تک برزخ کا عالم ہوگا، جو شخص انہیں دیکھنا چاہتا ہے وہ نماز ظہر کے وقت حاضر ہو جائے، پھر اس نے یزید کے پاس ایلچی بھیجا۔ مؤرخین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یزید اپنے باپ کی وفات کے وقت موجود تھا یا نہیں؟ اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ یزید اپنے باپ کی وفات کے بعد واپس آیا۔ ❽ جب یزید کو اپنے باپ کی وفات کی خبر ملی تو اس نے یہ اشعار پڑھے:

---

❶ تاریخ طبری: ٦/ ٢٤٥۔ ❷ البداية و النهاية: ١١/ ٤٥٧۔ ❸ ايضا: ١١/ ٤٥٧۔
❹ تاریخ ابن خلدون: ٣/ ٢١۔ ❺ تاریخ طبری: ٦/ ٢٤١۔ ❻ الاصابة: ٦/ ١٥٥۔
❼ تاریخ الطبری: ٦/ ٢٤٥۔ ❽ ايضا: ٦/ ٢٤٦۔

جـاء البـريـد بـقـرطـاس يـخـب بـه
فـاوجـس الـقـلـب مـن قـرطـاسـه فزعـا
قـلـنـا لك الـويـل مـاذا فـي كتـابـكـم؟
قـالـوا الـخـلـيـفـة امـسى مثبتـا وجـعـا
فـمـادت الارض او كـادت تـمـيـد بـنـا
كـان اغبـر مـن اركـانـهـا انـقـطـعـا
مـن لا تـزال نـفـسـه تـوفـي علـى شـرف
تـوشـك مـقـاليـد تـلـك الـنـفـس ان تقعـا
لـمـا انتهيـنـا وبـاب الـدار منـصـفـق
و صـوت رملة [1] ريـع الـقـلـب فـانـصـدعـا [2]

''ایلچی جلدی سے ایک کاغذ لایا ہے اور دل نے اس کے کاغذ سے گھبراہٹ محسوس کی ہے۔

ہم نے کہا: تو ہلاک ہو جائے تیرے کاغذ میں کیا لکھا ہے؟ اس نے کہا: خلیفہ بڑی تکلیف کی حالت میں ہے۔

یہ سن کر زمین گھوم گئی یا قریب تھا کہ وہ ہمارے ساتھ گھوم جاتی گویا کہ اس کے خاکستری ستون اکھڑ گئے ہیں۔

جس کا نفس ہمیشہ عز و شرف حاصل کرتا رہتا تھا قریب ہے کہ اب اس نفس کی چابیاں اس کے ہاتھ سے گر جائیں۔

جب ہم پہنچے تو گھر کا دروازہ رملہ کی آواز کی وجہ سے ہل رہا تھا جس سے دل ڈر کر پھٹ گیا۔''

۴۔ وفات کے وقت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عمر:

راجح قول یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اٹھہتر (۷۸) سال کی عمر میں وفات پائی۔ [3] اس کی دلیل ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ قول ہے: مشہور قول کی رُو سے معاویہ رضی اللہ عنہ بعثت نبوی سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے [4] اور جیسا کہ معروف ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہجرت سے تیرہ سال پہلے کا واقعہ ہے، اس طرح معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہجرت سے آٹھ سال قبل بنتی ہے، پھر جب ان کی وفات ۶۰ ہجری میں ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وفات کے وقت ان کی عمر اٹھہتر سال تھی۔ [5]

---

[1] رملة بنت معاویة بن ابوسفیان کی بیٹی، عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی بیوی۔
[2] تاريخ طبري: ٦/ ٢٤٦ .
[3] تاريخ طبري: ٦/ ٢٤٣ .
[4] الاصابة: ٦/ ١٥١ .
[5] تاريخ طبري: ٦/ ٢٤٣ .

۵۔ مدتِ خلافت:

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے معاویہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد ماہ ربیع الاوّل ۴۱ ہجری میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت مکمل ہوئی اور ۶۰ ہجری میں بائیس رجب کو جمعرات کے دن دمشق میں فوت ہوئے۔ اس طرح ان کی خلافت کی کل مدت انیس سال تین ماہ اور سترہ دن بنتی ہے۔ ❶

۶۔ معاویہ کی وفات پر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تاثرات:

عامر بن مسعود جہنی کہتا ہے: ہم مسجد میں تھے کہ اس دوران ہمیں معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر ملی تو ہم ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گئے تو وہ کھانا کھانے کے لیے دستر خوان پر بیٹھے تھے، ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے مگر ابھی تک کھانا نہیں لگایا گیا تھا۔ ہم نے کہا: ابن عباس! کیا آپ کو یہ خبر نہیں ملی؟ انہوں نے کہا: کون سی خبر؟ ہم نے کہا: معاویہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے غلام کو دستر خوان اٹھانے کا حکم دیا اور پھر کچھ دیر تک سر جھکا کر خاموشی سے بیٹھے رہے۔ پھر فرمانے لگے: ایک پہاڑ نے حرکت کی اور پھر سارے کا سارا سمندر میں جا گرا۔ ❷

قاضی ابویعلی نے ان کی موت کی خبر کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد لکھا: یا اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے تیری رحمت بڑی وسیع ہے اور تو ان سے بہتر انداز میں درگزر فرما سکتا ہے۔ ❸

۷۔ ان کی انگوٹھی کا نقش:

معاویہ رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی پر یہ عبارت کندہ تھی: "لِكُلِّ عَمَلٍ ثَوَابٌ" ایک قول کے مطابق یہ عبارت لکھی ہوئی تھی: "لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" ❹

۸۔ آثار رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تبرک:

عبدالاعلی بن میمون اپنے باپ سے ان کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قمیص پہنائی تھی جو میں نے سنبھال کر رکھی ہے، آپ نے ایک دن اپنے ناخن ترشوائے تو میں نے ان کے تراشوں کو ایک شیشی میں محفوظ کر لیا۔ جب میں مر جاؤں تو مجھے وہ قمیص پہنا دینا، اور تراشوں کا سرمہ بنا کر میری آنکھوں اور منہ میں چھڑک دینا۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائے۔ ❺

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسی اور آپ کی ذات سے منفصل آثار مبارکہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تبرک حاصل کرنا، اس کا شمار تبرک کی مشروع قسموں میں ہوتا ہے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور اس کے بعد بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول رہا۔ ❻ علاوہ ازیں سلف صالحین رحمہم اللہ بھی اس پر عمل پیرا رہے، اس کے چند دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

ا: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے، اس وقت میں

---

❶ تاریخ طبری: ۶/ ۲۴۳۔ ❷ تنزیه خال المؤمنین معاویه بن ابی سفیان، ص: ۱۱۳۔
❸ ایضا، ص: ۱۱۳۔ ❹ تاریخ القضاعی، ص: ۳۲۶۔ ❺ تاریخ طبری: ۶/ ۲۴۵۔
❻ مرویات معاویة، ص: ۹۳۔

بیمار تھا اور بے ہوشی کی حالت میں تھا، نبی کریم ﷺ نے وضو فرمایا اور اس کا پانی مجھ پر انڈیل دیا جس سے مجھے ہوش آ گیا۔ [1]

ب: عثمان بن عبداللہ بن وہب کہتے ہیں: میرے اہل خانہ نے پانی کا ایک برتن دے کر ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا جس میں نبی کریم ﷺ کے کچھ بال تھے، جب کسی انسان کو نظر لگ جاتی یا اسے اور کوئی تکلیف ہو جاتی تو وہ ان کے پاس کوئی برتن بھیجتا۔ [2] اس کی تشریح میں ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کوئی تکلیف ہوتی تو وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس کوئی برتن بھیجتا اور وہ اس برتن میں آنحضرت ﷺ کے وہ بال ڈبو کر اسے واپس کر دیتیں۔ وہ اس پانی کو پی لیتا اور صحت یاب ہو جاتا۔ [3]

ج: اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے جبہ کے بارے میں فرمایا: جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت یہ جبہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، پھر جب عائشہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں تو میں نے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ نبی کریم ﷺ اسے زیب تن فرمایا کرتے تھے اور ہم اس سے شفا حاصل کرنے کے لیے اسے مریضوں کے لیے دھوتے ہیں۔ [4] نبی کریم ﷺ کے آثار سے تبرک کے مسئلہ پر نیک لوگوں کے آثار سے تبرک کو متفرع کیا گیا ہے، عروہ بن مسعود ثقفی نے آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں قریش مکہ کو بتایا تھا کہ واللہ! میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے رفقاء اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد ﷺ کے رفقاء محمد ﷺ کی کرتے ہیں۔ واللہ! وہ تھوکتے بھی تھے تو وہ کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا تھا اور وہ اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا تھا۔ جب محمد ﷺ وضو کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اس پانی کے لیے لوگ لڑ پڑیں گے۔ [5] اس حدیث کی تعلیق میں شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس جیسی اور بھی کئی احادیث ہیں۔ مزید فرماتے ہیں: اس قسم کا تبرک اس آدمی کے حق میں مشروع ہے جس کی ولایت اور اتباع سنت ثابت ہو۔ مگر اس جگہ ایک مشکل پیش آتی ہے اور وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد اس قسم کی کوئی چیز مروی نہیں ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے اپنے پیچھے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل کسی کو نہیں چھوڑا تھا۔ صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خلیفہ تھے مگر انہوں نے اس قسم کا کبھی کوئی کام نہ کیا اور نہ ہی عمر و عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے ایسی کوئی بات ثابت ہے۔ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن سے افضل امت میں کوئی ایک شخص بھی نہیں ہے ان سے بھی کسی ایک صحابیہ کے بارے میں صحیح سند کے ساتھ یہ ثابت نہیں ہے کہ اس نے اس طرح آپ ﷺ کے بعد آپ کے آثار وغیرہ سے تبرک حاصل کیا ہو، یہ سب لوگ اقوال و افعال میں آپ ﷺ کی اتباع تک محدود رہے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے میں ہی عافیت سمجھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس قسم کی چیزوں کے ترک پر اصحاب رسول اللہ ﷺ کا اجماع ہے۔ [6]

---

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری: ۱/ ۳٦۰. [2] ایضا: ۱۰/ ۳٦٤. [3] ایضا: ۱۰/ ۳٦٥.

[4] شرح نووی: ۱٤/ ٤۳. [5] زاد المعاد: ۳/ ۲۹۰۔ السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ، ص: ٤۸۸.

[6] غزوہ الحدیبیۃ، حکمی، ص: ۳۰٥.

نوٹ:......اس کتاب کے مصادر ومراجع کے لیے ہماری کتاب خلافت اُمویہ کے آخری صفحات ملاحظہ فرمائیں۔

یادداشت

Sayyedna Muavia bin Abu Sufyan ﷺ

Personality & Nobel Deeds

سیدنا معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ

شخصیتہ و عصرہ

سیدنا معاویہ نبی کریم ﷺ کی معیت میں احادیث لکھا کرتے تھے۔ آپ نے غزوۂ حنین میں بھی شرکت کی سعادت حاصل کی۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ کے ہم رکاب تھے، لہٰذا آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن پر اللہ نے سکینت نازل کی۔ اسی طرح ان کا شمار ان لوگوں میں بھی ہوتا ہے جن کے ساتھ اللہ نے (حسنیٰ) کا وعدہ فرمایا ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾ (الحدید:10)

"تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ دیا ہے اور قتال کیا ہے وہ دوسروں کے برابر نہیں بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیے اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔"

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اللہ کا (الحسنیٰ) والا وعدہ اس لیے ہے کہ انہوں نے غزوہ حنین و طائف میں شرکت کی اور باقاعدہ جنگ لڑی۔ ترمذی کی صحیح روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آپ کے لیے دعا کی:

((اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھد بہ))

"یا اللہ! انہیں ہدایت دہندہ اور ہدایت یافتہ بنا اور انہیں ذریعہ ہدایت بنا دے۔"

ایک دوسری دعا:

((اللھم علم معاویۃ الکتاب والحساب وقہ العذاب))

"میرے اللہ! معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو قرآن و حدیث کا علم اور حساب و کتاب سکھا اور انہیں عذاب سے بچا۔"



مکتبۃ الفرقان خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، گل والا

مکتبۃ الکتاب حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0321-4210145